باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ

محدث دوراں، افقہ زماں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

کے

ایسے تقریباً ایک ہزار فتاویٰ کا مجموعہ جو فتاویٰ رشیدیہ
میں شامل نہیں اور ابتک غیر مطبوعہ یا ناپید تھے

تلاش، جمع و ترتیب اور حواشی

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر
حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی
کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفر نگر) یوپی، انڈیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

باقیات فتاویٰ رشیدیہ

محدث دوراں، فقیہ زماں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

کے ایسے تقریباً ایک ہزار فتاویٰ کا مجموعہ جو فتاویٰ رشیدیہ
میں شامل نہیں اور اب تک غیر مطبوعہ یا ناپید تھے

تلاش، جمع و ترتیب اور حواشی

نور الحسن راشد کاندھلوی

ناشر

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفر نگر) یوپی، انڈیا

باقیات فتاویٰ رشیدیہ

محدث دوراں، افقہ زماں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے
تقریباً ایک ہزار ایسے فتاویٰ کا مجموعہ
جو فتاویٰ رشیدیہ میں شامل نہیں اور چند کے علاوہ تمام غیر مطبوعہ اور نہایت
نادر و کم یاب تھے

جمع و ترتیب حواشی اور مقدمہ

نور الحسن راشد کاندھلوی

مزید حواشی وافادات

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دام ظلہ
شیخ الحدیث وصدر المدرسین، دار العلوم دیوبند

ناشر
حضرت مفتی الٰهی بخش اکیڈمی
کاندھلہ، ضلع پربدھ نگر (مظفر نگر) یوپی - انڈیا

BAQIYAT-E- FATAWA RASHIDIA

Compiled by,Footnotes & Preface :
Noorul Hasan Rashid Kandhlavi

کتاب : باقیات فتاویٰ رشیدیہ

فتاوی : حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

جمع وترتیب اور حاشیہ مقدمہ وغیرہ: نورالحسن راشد کاندھلوی

کل صفحات:
الف : ابتدا اور فہرست مندرجات
ب: مقدمہ ومتعلقات
ج: اصل کتاب مع ضمائم

طبع اول : ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/ مارچ ۲۰۱۲ء

قیمت : تین سو پچاس روپے/350

کمپوزنگ: شہاب الدین قاسمی بستوی (مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ مظفرنگر یوپی)

مطبع : ایچ۔ ایس آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی فون:23244240

ناشر

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

کاندھلہ، ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا

Mufti Elahi Bakhsh Academy

KAULVIYAN- KANDHLAD Distt. Parbudh Nagar.247775

Mb.09358667219

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ

فتاویٰ

محدث دوراں، افقہ زماں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

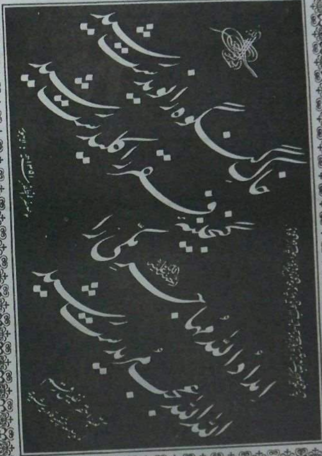
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

رَبَّنَا

تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول، کچھ میں نے چنے ہیں، ان کے دامن کے لئے

[اقبال]



گنجینۂ فیض و سر را کلید رشید
امداد اللہ مہاجر مکی را
اللہ اللہ عجب مرید رشید
۲۰ صفر المظفر ۱۳۵۱ھ

فہرست مشتملات

ایک نظر میں

فہرست مضامین مقدمہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ
اور زیر نظر مجموعہ باقیات فتاویٰ رشیدیہ

(۲)

فقہ و فتاویٰ نیز فتاویٰ رشیدیہ کے خطی اور مطبوعہ نسخے

فہرست مندرجات

باقیات فتاویٰ رشیدیہ

پہلا باب

کتاب الایمان والعقائد

ایمان اور کفر کے مباحث و متعلقات

فتویٰ حضرت مولانا گنگوہیؒ

نذور منت کے احکام

اولیاء کرام حق تعالیٰ کے سامنے بے بس اور مجبور محض ہیں

مذکورہ سوال اور حضرت مولانا کے جواب کی تصدیق پر مبنی تحریر

تحریر حبر نبیل فاضل جلیل حقائق آگاہ جناب مولانا مولوی عبداللہ شاہ صاحب جلال آبادی ثم الکرنالی

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو ندا کرنا اور کسی سے مدد چاہنا

علم غیب اور امکان کذب وغیرہ کی بحث

دوسرا باب
کتاب الطہارت
پانی کے مسائل

طہارت کے متفرق مسائل

رنگوں کے پاک یا ناپاک ہونے کا بیان اور متعلقہ مسائل

حیض ونفاس اور متعلقہ مسائل

وضو کا بیان

تیسرا باب

کتاب الصلوٰۃ

اذان، اوقات صلوٰۃ اور مسائل صلوٰۃ

سنتوں اور نوافل کے مسائل

جمعہ اور خطبہ کے متعلقات مسائل

سفر اور مسافت قصر کے مسائل

مسافر کی نماز کے مسائل

ابواب الجنائز

مردہ کا کفن دفن ایصال ثواب اور متعلقہ مسائل

چوتھا باب

كتاب الزكوٰة

پانچواں باب

كتاب الصوم

روزے سے متعلق مسائل

عیدین اور متعلقات عیدین

چھٹا باب

کتاب الاضحیہ

قربانی اور چرم قربانی کے مسائل

ذبح وغیرہ کے متعلق مسائل

نواں باب

كتاب البيوع والمعاملات

اجارہ

رہن

ہبہ

اراضی کے متفرق احکام ومسائل

دسواں باب

کتاب الوقف

وقف، مساجد اوران کے متعلقہ مسائل

گیارہواں باب

کتاب الحظر والاباحة

(۱)

حلال وحرام یا پاک اور ناپاک چیزوں کا بیان

کتاب الحظر والاباحۃ

(۲)

مردوں اور عورتوں کے بعض مسائل

الحظر والاباحة
(۳)

تقلید اور عدم تقلید کی شرعی حیثیت

سلوک واحسان

توبہ، سلاسل تصوف، بیعت، ذکر کے درجات اور متعلقہ عنوانات

جنات خواب اوران کے متعلقات

گانے، بجانے اور آتش بازی وغیرہ کے احکام

قبر، قیامت اور احوال آخرت وغیرہ

عیسائیوں اور غیر مسلموں کی ملازمت، ان کے ساتھ کاروبار اور ملک کی سیاست میں تعاون اور شرکت

بارہواں باب

کتاب العلم والتحقیق

"تجوید وقرأت اور متعلقات قرآن کریم"

احادیث شریفہ سے متعلق چند مباحث

حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی

[شارح سنن ابوداؤد]

کے چند شبہات واعتراضات کے جواب

سیرت پاک اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق چند سوالات کے جوابات

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ضمیمہ دوم

ضمیمہ اولیٰ باقیات فتاویٰ رشیدیہ

جس میں وہ فتاویٰ درج کئے گئے ہیں جو اگرچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں، لیکن حضرت مولانا کے فتاویٰ کے قلمی مجموعوں میں موقع بموقع شامل ہیں اور حضرت کی تصدیق وتحسین سے مزین ہیں۔ (نور)

توثیق

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

سابق جسٹس شریعت اپیلانٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان...... دار العلوم کورنگی کراچی

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سیدنا محمد النبی الکریم وعلی آله وصحبه اجمعین.

أما بعد: قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کو، اللہ تعالیٰ نے تفقہ کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا کہ وہ اپنے دور میں ''ابوحنیفۂ عصر'' کے لقب سے معروف تھے۔ امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ علامہ ابن عابدین شامیؒ صاحب ردّ المحتار کو ''فقیہ النفس'' قرار دینے میں تامل فرماتے تھے لیکن حضرت گنگوہی قدس سرہ کو بلا تامل ''فقیہ النفس'' فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ ''فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے، لیکن وہ ایک مختصر مجموعہ ہے، جس میں حضرتؒ کے فتاویٰ کا بہت بڑا حصہ شامل نہیں ہو سکا، حضرتؒ کے دوسرے فتاویٰ مختلف جگہوں پر منتشر تھے، اور ان سے استفادہ بہت مشکل تھا۔

برادرِ محترم جناب مولانا نور الحسن راشد صاحب زید مجدہم کو پوشیدہ علمی خزانے منظر عام پر لانے کا، اللہ تعالیٰ نے ذوق بھی عطا فرمایا ہے، اور اس کام کے سلیقے سے بھی بہرہ ور فرمایا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وہ فتاویٰ جمع فرمائے ہیں، جو فتاویٰ رشیدیہ میں شامل نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد تو اُن فتاویٰ کی ہے، جو خود حضرتؒ کے قلم سے لکھے ہوئے دریافت ہوئے اور بہت سے وہ ہیں جو حضرتؒ کے شاگردوں یا منتسبین نے، اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے تھے، اور کچھ وہ ہیں جو دوسری کتابوں میں شائع ہوئے ہیں، فاضل مرتب نے ان تمام فتاویٰ کو بڑی محنت سے یکجا کر کے، اُن کی تبویب فرمائی، اور ان پر عنوانات قائم کیے ہیں، اور جہاں کسی وضاحت یا اضافے کی ضرورت تھی، یا حوالوں کی تخریج درکار تھی، وہاں حاشیہ پر تشریحی نوٹس کا اضافہ فرمایا ہے، اس طرح یہ کتاب حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اُن فتاویٰ کا مستند مجموعہ ہے، جو فتاویٰ رشیدیہ میں شائع نہیں ہو سکے تھے۔ فاضل مرتب اس خدمت پر علمی دنیا کی طرف سے مبارکباد اور قدر دانی کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر، امت کے لئے نافع بنائیں اور اہل علم کو اس سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین و لله الحمد اولاً و آخراً۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
دار العلوم کراچی ۱۴
۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ

کلماتِ خیر و برکت

حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی

حامداً و مصلیاً و مسلماً امابعد: حضرت اقدس، حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا نام اور اپنے زمانہ کے علماء مشائخ اور اساتذہ فقہ و حدیث میں، ان کے اونچے مقام اور مرتبہ سے کون سا عالم ایسا ہے، جو ناواقف اور بے خبر ہو۔ حضرت مولانا کی علمی یادگاروں میں سے دو چیزیں خاص طور سے بہت ہی گراں قدر اور حدیث اور فقہ کے سب طالب علموں، جاننے پڑھنے والوں کے لئے بڑی سعادت، بڑا تحفہ اور علم و نظر میں اضافہ اور رہنمائی کا بہت بڑا اور نہایت کامیاب ذریعہ ہیں۔ حضرت کے درس حدیث کے وہ افادات جو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک قلم سے مزین و مکمل ہو کر لامع اور کوکب کے نام سے چھپ کر شہرۂ آفاق ہیں اور ساری دنیا کے اہل علم ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دوسرا بڑا تحفہ اور ہم سب کے لئے بہت ہی نفع اور رہبری کا سامان، حضرت کے فتوؤں کا مجموعہ ہے، جو فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے، ہر اک عالم اور فقہ و فتاویٰ سے واقفیت رکھنے والا ان کو خوب جانتا ہے، اسی کی ایک اور نہایت مفید کڑی اور حضرت کے وہ نادر اور گم نام فتاوی تھے جو اب تک چھپے نہیں تھے اور ہر اک کی نگاہوں سے اوجھل تھے یہ کتاب ان ہی فتاویٰ کا یہ نیا تازہ مجموعہ ہے، جو باقیات فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے مکمل ہو کر شائع ہونے کے لئے جا رہا ہے۔

یہ مجموعہ میرے فرزند، عزیزم مولوی نور الحسن راشد کاندھلوی سلمہ اللہ وعافاہ وبارک فی علمہ نے خود اپنے شوق، کوشش اور محنت سے جمع کیا ہے، میں نے دیکھا، کچھ پڑھا، کچھ سنا تو بہت حیرت اور نہایت خوشی ہوئی کہ ایسے نادر فتوے اور ایسے بے نظیر علمی افادات، کہاں چھپے ہوئے پڑے تھے، میاں راشد سلمہ اللہ نے کس طرح ان کا پتہ لگایا، فراہم کیا اور ان کو ایسے اچھے طریقہ پر، سلیقہ سے مرتب کر دیا، بہت ہی جی خوش ہوا اور دل سے دعا نکلی، اللہ تعالیٰ اس خدمت اور کام کو قبول فرمائے اور ان کے لئے زاد راہ آخرت بنا کر قبول فرمائے اور عزیز کو ایسے اور بہت سے کام کرنے کی توفیق عطا ہو۔ آمین اللہم آمین

بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

تصدیق و تعلیق

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، مدفیوضہم
صدر المدرسین، شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

> **معروض:** یہ حضرت مولانا کی مفصل تحریر کا آخری وہ حصہ ہے، جو صرف اس فتاویٰ سے متعلق ہے۔ صفحات میں غیر معمولی اضافہ کی وجہ سے حضرت مولانا پالن پوری اور مولانا اعظمی کی تحریرات بتمام وکمال شامل نہ ہوسکیں اس کا افسوس ہے مگر صفحات کی کمی نے دامن پکڑ لیا بلکہ کھینچ لیا۔ انشاء اللہ آئندہ مفصل تحریریں بھی شائع ہوں گی۔ نور

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہزاروں فتاویٰ لکھے ہیں مگر افسوس کہ ان کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ آپ کے پاس ایسے کارکنان نہیں تھے، جو فتاویٰ کی نقول رکھتے، آپ بذاتِ خود انجمن تھے، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مراد آباد کے ایک عالم نے جو فتاویٰ ان کو حاصل ہوئے، ان کو فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے شائع کیا، یہ بہت ہی قلیل فتاویٰ تھے، بڑی مقدار لوگوں کے پاس رہی، جو لمبا زمانہ گذرنے سے ضائع ہوگئی، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں جناب مولوی نور الحسن راشد کاندھلوی زید مجدہم کو کہ انہوں نے مختلف مراجع ومصادر سے اور کئی قلمی بیاضوں سے آپ کے فتاویٰ کا ایک بڑا حصہ جمع کیا (اس مجموعہ میں تقریباً ساڑھے نو سو فتاویٰ ہیں) مولانا راشد صاحب نے "باقیات فتاویٰ رشیدیہ" مرتب کر کے مجھے دیا کہ میں اس کو دیکھ لوں، میں نے سب فتاویٰ ایک مرتبہ پڑھے پھر اس کی ترتیب میں کچھ تبدیلی کی پھر از سرِ نو نورِ چشم جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری سلمہ کے ساتھ مل کر پڑھے، مطالعہ کے دوران جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی، حواشی املاء کرائے جو حاضرِ خدمت ہیں، کچھ حواشی مرتب فتاویٰ کے ہیں، جن کے آخر میں (نور) ہے۔ اسی طرح کتاب میں بعض عربی عبارتوں کے تراجم مرتب نے بڑھائے ہیں، ان کے آخر میں (ت،ن) ہے، یعنی ترجمہ نور الحسن راشد۔

حضرت قدس سرہ کی زبان قدیم ہے اور اندازِ تحریر میں ایجاز ہے، اس لئے قارئین کو بغور ان فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ایک دشواری یہ بھی ہے کہ حضرت کے مخاطب ذی علم شخصیات ہیں، آپ ان اشاروں میں باتیں کرتے ہیں، ایسی تحریرات میں

غایت درجہ ایجاز ہے مگر وہ غور سے پڑھی جائیں تو ان شاءاللہ مقصد حاصل ہوجائے گا۔ اسی طرح بعض فتاوی حضرت کے خطوط سے لئے گئے ہیں، خاص طور پر ان مکاتیب سے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (صاحب بذل المجہود) کے نام ہیں، وہ زیادہ تر اشکالات کے جواب ہیں اور چونکہ اشکالات سامنے نہیں، اور جوابات اشاروں میں ہیں، اس لئے بعض جگہ ناقابل فہم ہوگئے ہیں، حواشی میں ایسی جگہوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت قدس سرہ کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں اور ہمارے مولانا کاندھلوی کو دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائیں، کہ انہوں نے سالوں کی محنت سے یہ قیمتی سوغات تیار کی ہے، جس کی تفصیل وہ خود لکھیں گے۔ میں نے جب ضرورت کی جگہوں میں فتاوی کو اصل ماخذ سے ملا کر دیکھا، تو مجھے مولانا کاندھلوی کی محنت کا اندازہ ہوا، قلمی تحریرات کو پڑھنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں، مولانا کاندھلوی اس پر خار وادی سے کامیاب گزرے ہیں، فاللہ یَجزِیہِ جزاءَ المُحسنین، وصلی اللہ علی النبی الکریم، والحمد للہ رب العالمین۔

املاہ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۲/شعبان ۱۴۲۸ھ

تحسین سخن شناس

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ...... مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

امابعد: حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے فتاوی کا ایک منتخب حصہ، بہت عرصہ سے شائع ہو کر، حضرات اہل علم کے درمیان متداول ہے، لیکن اس مجموعے کے علاوہ اور بھی بعض مجموعے آپ کے فتاوی کے مرتب ہوئے تھے، مگر ان کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ ایک عرصہ دراز گزر جانے کے بعد انہیں ڈھونڈ نکالنا ایک مشکل کام تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو جس چیز کی بقا منظور ہوتی ہے اس کے لئے اصحاب توفیق حضرات کو کھڑا کر دیتے ہیں، انہیں ہمت و حوصلہ عطا فرماتے ہیں، نہ تھکنے والی عزیمت سے نوازتے ہیں، پھر وہ خزائن جو مرور زمانہ کی گہرائیوں میں دفن ہو چکے ہوتے ہیں ان حضرات کی ہمت و جستجو سے منظر عام پر آ کر لوگوں کو مالا مال کر دیتے ہیں۔

حضرت کے یہ فتاوی نہ جانے کہاں کہاں بکھرے ہوئے تھے مگر اللہ کو منظور تھا کہ وقت کے ایک مجتہد کا روشن کیا ہوا چراغ بجھنے نہ پائے، پھر علم و تحقیق کے ایک بلند نشان، ہندوستان دیوبند کے ایک فرد فرید، علمائے دیوبند کے احوال و افکار کے محافظ و امین، علماء و مشائخ کی سرزمین اور ان کے خانوادے کا ایک رجل رشید، ہمت باندھ کر کھڑا ہوئے، یہ رجل رشید مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہ ہیں، انہوں نے حق تعالیٰ کی جانب سے خصوصی توفیق پائی، یہ انہیں کا حوصلہ تھا کہ ماضی کے کھنڈر میں دبے ہوئے خزانوں کا سراغ لگایا، انہیں نکالا، ایک ترتیب سے انہیں سجایا، تحقیق و تدقیق کے اصول کو برتا اور کتاب طباعت کے مرحلوں سے گذار کر اہل علم کے حلقوں میں یہ خزانہ عام فرما دیا۔

حضرت مرتب مدظلہ نے اس پر بہت محنت و کاوش کی ہے، حاشیہ پر حدیث کی کتابوں کے حوالے سے تخریج کی ہے، نقل میں اگر الفاظ و عبارت میں کچھ فرق ہو گیا ہے تو اسے ظاہر کر دیا ہے، فقہی عبارتیں جہاں سے لی گئی ہیں، ان کا اصل ماخذ سے مقابلہ کیا ہے، کچھ حذف و اختصار سے کام لیا گیا ہے تو اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

غرض پوری ذمہ داری سے ترتیب و تحقیق کا حق ادا کرنے کا اہتمام کیا ہے، عربی و فارسی عبارتوں کا ترجمہ کر دیا ہے، کچھ مشکل الفاظ آگئے ہیں، یا کوئی ایسا لفظ آ گیا جو اب متروک ہے تو معنی و استعمال کی وضاحت کر دی ہے۔

مولانا اس سے پہلے بھی علم و تحقیق کے میدان میں اہل علم سے بہت سا خراج تحسین وصول کر چکے ہیں، لیکن یہ تازہ خدمت متعدد حیثیتوں سے ایک انفرادی اور مفید تر خدمت ہے کہ اس کی وجہ سے ایک بہت بیش قیمت ذخیرہ اور نہایت مفید سرمایہ امت مسلمہ خصوصاً اہل علم طبقہ کی دسترس میں آ گیا۔ حق تعالیٰ اسے قبول فرمائیں اور مولانا کو اس عظیم خدمت کا دنیا و آخرت میں صلہ بخشیں، آمین

اعجاز احمد اعظمی

مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ

۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ ۱۹ جنوری ۲۰۱۰ء شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معروضاتِ مؤلف

نور الحسن راشد کاندھلوی

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، لاسیما علی رسولہ المصطفیٰ وعلی آلہ واھل بیتہ، وأزواجہ وذریتہ أھل التقی، وأصحابہ نجوم الھدی. أمابعد! زیرنظر مجموعہ فتاویٰ "باقیات فتاویٰ رشیدیہ" کے متعلق ابھی سے، جب کہ کتاب چھپی بھی نہیں ہے، سوالات شروع ہوگئے ہیں، کہ یہ فتاویٰ اب تک کہاں چھپے پڑے تھے، کیوں کسی کو اس کی خبر نہ ملی، کیوں کسی اور نے ان پر توجہ نہیں کی، یہ کیوں شائع نہیں ہوئے، تمہیں کہاں سے ملے۔ غرض مختلف قسم کے سوالات کا سلسلہ زبانی اور فون کے ذریعہ سے جاری ہے، چند بے تکلف سے احباب سے میں نے تفریحاً کہدیا، کہ ایک روز سب راستے میں پڑے ملے تھے، پتہ نہیں کس نے جمع کئے، کہاں سے آئے مگر ظاہر ہے کہ یہ بات واقعہ کے خلاف ہے اور یوں بھی مشہور ہے کہ: تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

اس لئے خیال ہے کہ اس ضمن میں چند سطور و معروضات پیش کردی جائیں۔

راقم سطور کو بہت بچپن سے پرانی چیزیں، کتابیں، قلمی تحریریں خصوصاً برصغیر ہند کے اکابر، علماء اور مشائخ کے قلمی آثار، ان کی خودنوشت باقیات دیکھنے پڑھنے اور جہاں تک ممکن ہو، ان کے فراہم کرنے کا، اور اس کے لئے دامے، درمے، قدمے، سخنے کوشش کرنے کا ذوق، یا بقول بعض، خبط اور خلل دماغ ہے۔ اس ذوق میں کتابوں، خطوط، فتاویٰ، مشاہیر کی خودنوشت تحریرات شاہی کاغذات، پرانے سرکاری ریکارڈ، مختلف قسم کی دستاویزات، اور تاریخ کی واقفیت میں مفید و کارآمد چیزوں، سکے، ٹکٹ وغیرہ سب شامل ہیں، اس ضمن میں اگرچہ آبائے کرام کا قدر قلیل، قدیم ورثہ اور میرے والد ماجد، [حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی] کی فراہم کی ہوئی، چند تحریرات گھر میں موجود تھیں مگر ان کی کل مقدار انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، بلکہ انگلیوں کا شمار بھی ان کے لئے زائد ہی تھا، کل بارہ پندرہ تحریرات تھیں تاہم اللہ تعالیٰ کا کس طرح شکر ادا کروں کہ اس ذوق کی آبیاری اور نوادرات و آثار کی فراہمی میں، فضل ربانی یوں ہم قدم، سایہ فگن، ہمہ وقت کارفرما اور اس طرح شامل حال رہا کہ میں حقیر و ناچیز، بے مال و بے وسائل شخص حیران ہوگیا، اسی فضل الٰہی کا اثر یا نمونہ، اس مجموعہ فتاویٰ میں درج فتاویٰ کی دریافت اور اس کی ترتیب و تالیف بھی ہے۔

میرے اس شوق کا، یہاں کاندھلہ میں، میرے بچپن کے قرآن مجید کے ایک استاد، مولانا کامل بیگ صاحب کو بھی علم تھا اور مولانا کے ہمارے بزرگوں سے کئی پشتوں سے بہت قریبی اور گہرے روابط و مراسم تھے، مولانا نے ایک دن مجھے اپنے گھر پر یاد فرمایا اور اپنے خاندان کے ایک بزرگ حافظ اللہ دیا مرحوم اور ان کے ایک ہمہ وقت رفیق، ہم قدم اور خواجہ تاش، مرزا الٰہی بخش گورگانی دہلوی کے نام، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت مولانا گنگوہی کے، دس بارہ گرامی نامے عنایت فرمائے، راقم نے ان میں سے فارسی خطوط کا ترجمہ کیا، ان پر حاشیے لکھے اور اس مجموعہ کو تبرکات کے نام سے، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۶ء میں شائع کردیا، یہ مجموعہ مکتوبات و تبرکات طباعت کے غالباً چھ سات سال بعد، مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے مطالعہ سے گذرا، مفتی صاحب نے ایک حاضری کے موقع پر، اس مجموعہ کے لئے پسندیدگی کے کلمات کہے اور فرمایا: "حضرت گنگوہی کی کچھ تحریریں آبھہ میں بھی تو تھیں"

آبھہ، نانوتہ اور گنگوہ کے درمیان میں آباد، ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور چند سال پہلے تک ایسا تھا، کہ وہاں جانے کے لئے سواری بھی آسانی سے نہیں ملتی تھی، بہر حال مفتی صاحب تو یہ فرما کر خاموش ہوگئے، اور مجھے ایک خلش سی لگ گئی، کہ وہاں کیا چیزیں تھیں، اب بھی ہوں گی یا نہیں، ان کے لئے کس سے معلوم کیا جائے۔ تذکرۃ الرشید پڑھی تھی، اس میں آبھہ کے، حضرت مولانا کے ایک خاص نیاز مند، حافظ نظیر حسین صاحب کا کئی موقعوں پر تذکرہ آیا ہے، خیال ہوا حضرت کی، یہ چیزیں شاید انہیں کے یہاں ہوں، مگر ان کی وفات پر عرصہ گزر گیا، ان کا وارث کون ہے، کیسے اور کس سے معلوم ہو، نہ آبھہ میں کسی سے واقفیت نہ معلومات کا کوئی ذریعہ:

کیف الوصول الی سعاد، ودونھا قلل الجبال وبینھن حتوف

مگر امید کا چراغ روشن اور جستجو کا عمل جاری رہا، بالآخر مجھے دو تین سال کے بعد پتہ چلا، کہ نظیر حسین صاحب مرحوم کے پوتے لئیق محمد خاں صاحب ہیں، جو آبھہ میں موجود ہیں، خیال ہوا ہر چند کہ تعارف نہیں ہے مگر جا کر ملاقات کرلینی چاہئے، اس ارادہ سے، آبھہ کی قریب ترین بستی، نانوتہ دو تین مرتبہ گیا، مگر قسمت سے ایک مرتبہ بھی آبھہ جانا نہیں ہوا، ایک مرتبہ تو راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہاں، ہر طرح کی سواریوں کا آنا جانا بند تھا، ایک مرتبہ راستے میں معلوم ہوا کہ وہ صاحب گاؤں میں نہیں ہیں، کہیں سفر میں گئے ہوئے ہیں، اس لئے سفر ناکام ہوا، مقصد پورا نہیں ہوا مگر وہ خیال برابر تازہ رہا، بہت دنوں کے بعد سنا کہ ان صاحب کا کاندھلہ میں، کسی کے یہاں، کبھی کبھی سال دو سال میں ایک مرتبہ آنا ہوتا ہے، فوراً ان صاحب سے ملا، انہوں نے اس اطلاع کی تصدیق کی، اور بتایا کہ اس مرتبہ جب ان کا آنا ہوگا، میں اطلاع دوں گا، چنانچہ شاید دو تین مہینوں کے بعد ان صاحب نے اطلاع دی، کہ وہ آبھہ والے صاحب، ہفتہ دس دن کے بعد فلاں موقع سے، یہاں کاندھلہ آنے والے

ہیں، اس وقت ان کی قیام گاہ پر جا کر، ملاقات کی، میرے ساتھ گھر پر آئے اور انہوں نے جو باتیں کیں اور اپنے یہاں موجود، حضرت مولانا گنگوہی کے فتاویٰ کے ذخیرہ کو [چند ذمہ دار اصحاب کی ہدایت پر] جان بوجھ کر ضائع کرنے کی، جو دل دوز روداد سنائی، اس کا تذکرہ فتاویٰ کے قلمی ذخیرہ کے تعارف میں آچکا ہے، وہ اپنی بات کرتے کرتے، بار بار رنج وغم کی کیفیت میں ڈوب جاتے، کہ مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ ایسی قیمتی چیز ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے موجود ہیں، اس کی بہت قدر کی جائے گی۔ آخر میں کہا میں تمہاری سب چیزوں کو دیکھ کر، بہت ہی خوش ہوا ہوں، [حقیقتاً بہت متاثر تھے] اگر چہ زیادہ تو امید نہیں، لیکن دادا صاحب کا ایک قرآن مجید اور بستہ موجود ہے، میں دوبارہ جلد ہی آؤں گا اور یہ دونوں چیزیں ساتھ لاؤں گا۔ چنانچہ مہینہ بیس دن کے بعد آئے اور حسب وعدہ دونوں تحفے لیکر آئے، قرآن مجید کا ایک نہایت عمدہ قدیم قلمی نسخہ اور پرانی وضع کا ایک بڑا سا بستہ، جس میں حافظ نظیر حسین خاں آبھہ والوں کے چند خود نوشت کاغذات، ایک دو قلمی کتابیں اور اس کنز مکنون کا بھی ایک نمونہ یا مختصر سا حصہ، جس کی زیارت کے لئے طبیعت بے چین تھی، اس میں موجود وجلوہ افروز تھا، یہ نظیر حسین صاحب کے، حضرت مولانا گنگوہی سے دریافت کئے ہوئے سوالات اور ان ہی پر درج، حضرت کے قلم سے جوابات کی تین کاپیاں تھیں، اور یہ اس بہت بڑے ذخیرہ کا صرف ایک نمونہ تھا، جو آبھہ کے اس گھرانہ میں موجود تھا اور جس کو ضائع کر دیا گیا تھا۔ کیا بتاؤں ان کو دیکھ کر، کس قدر خوشی ہوئی۔

بہر حال اس گوہر گرانمایہ کو دیکھا رکھا، مگر اس کا کاغذ اول ہی سے ہلکی قسم کا کمزور اور خستہ سا ہے، احتیاط سے ہاتھ لگانے میں بھی، کاغذ کے ضائع ہونے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی تبرک کے طرح زیارت کرتے رہے، کئی سال بعد خیال ہوا کہ ان کی عمر معلوم، اس لئے ان کو نقل کر لینا چاہئے، چنانچہ ایک وقت مقرر کر کے ان کی نقل شروع کی، اللہ نے کیا ان کی نقل مکمل ہوگئی مگر اس وقت تک ان کی اشاعت وطباعت کا خیال نہیں تھا، بعد میں ادھر ذہن گیا، اس وقت ان فتاویٰ پر عنوان لگانے کا ارادہ ہوا مگر طباعت کا کوئی انتظام نہیں تھا، اس لئے رکھا رہا، ایک ڈیڑھ سال بعد، حضرت کے ایک اور مجموعہ فتاویٰ کا پتہ چلا، تو اس کی بازیافت میں سرگرم ہوا، اس کا بھی فوٹو اسٹیٹ مل گیا، اس کی نقل ہو رہی تھی کہ اسی طرح کے ایک اور نادر نسخہ کی خبر ملی، یوں طلب کا قدم آگے بڑھتا رہا اور ایک کے بعد ایک، مختلف ذرائع سے مختلف حضرت گنگوہی کے فتاویٰ کے مرتب مگر غیر متعارف قلمی نسخوں اور حضرت مولانا گنگوہی کے علمی آثار کا سراغ ملتا رہا، مگر کسی قلمی نسخہ کی اطلاع ہونا اور اس سے براہ راست استفادہ، اس کا عکس مل جانا دو بہت مختلف زاویے ہیں، جن میں مطابقت ذرا مشکل ہی سے ہوتی ہے۔

جس مجموعہ یا فتوے کا پتہ سراغ مل جاتا، تصدیق ہو جاتی، اس کے حاصل کرنے کے دامے، درمے، قدمے، سخنے، کوشش کی جاتی اور جب تک نیا کاغذ ہاتھ میں آتا، اس وقت پرانے کے ساتھ رفاقت جاری رہتی، اس کا پڑھنا، سمجھنا، نقل کرنا

اور نقل کرکے، پہلے سے دریافت اور نقل شدہ نسخوں کے ساتھ شامل کرکے اس کی نئی تقسیم و ترتیب قائم کرنا، ایک ایک حوالہ ایک ایک جواب کو، اس کے مضمون و مندرجات کے لحاظ سے علیحدہ کرکے، اس مسودہ میں درج کرنا، جو اس مقصد کے لئے تالیف و تحریر کی منزل میں تھا، مگر چوں کہ خطی نسخوں کا علم بہت دیر دیر اور لمبے وقفوں کے بعد ہوتا تھا اور پھر ان کی معلومات کے بعد ان کا حاصل کرنا، گویا ایک بڑی مہم کو سر کرنے کے برابر کام تھا، اس لئے ایک نسخہ کی دریافت سے دوسرے نسخہ کی یافت کے درمیان میں لمبا وقفہ ہوتا، بعض مرتبہ دو تین سال لگ جاتے تھے اور اس دوران یہ مسودہ محفوظ و آرام کرتا رہتا تھا، اسی طرح جب چودہ پندرہ سال کی مسلسل جہد و کاوش کے بعد، یہ تمام فتاویٰ اور مجموعے ایک بڑی کتاب کی صورت میں نقل اور مرتب ہو گئے، اس وقت ان پر حاشیے لکھنے، بعض مراجع اور اصول سے مطابقت کرنے، بعض اہم پہلوؤں کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس مجموعہ کے اصل مآخذ تو حضرت مولانا کے بدست خاص لکھے ہوئے تھے وہ فتوے ہیں، جو ساڑھے چار سو سے زائد ہوں گے نیز حضرت کی حیات میں مرتب، حضرت مولانا کے فتاویٰ کے چند مجموعے اور فتاویٰ وہ ہیں، جس میں سے اکثر، حضرت مولانا کی حیات میں [وفات: ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء] مختلف موضوعات کی، چھوٹی بڑی تالیفات و رسائل میں، علیحدہ علیحدہ شائع ہو چکے تھے، اور بہ ظاہر کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے کسی فتوے کی اصلیت و استناد پر شک کیا جائے، اس لئے ان سب کو بھی زیر نظر فتاویٰ میں شامل کیا گیا ہے۔

مذکورہ مآخذ میں جو چھوٹے بڑے، مستقل مجموعے ہیں، ان کا تعارف آئندہ صفحات میں آ رہا ہے، یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں اور حضرت کے قلم سے نوشتہ جو علیحدہ علیحدہ فتوے ہیں، ان میں ہر ایک کا تعارف، قلمی نسخوں کے تحت غیر ضروری محسوس ہوا لیکن تاہم ان میں سے ہر اک کا حوالہ، اس فتوے کے تحت لکھ دیا ہے، جو فتوے علیحدہ علیحدہ مختلف تالیفات و رسائل میں شامل ہیں، ان کی بھی لمبی فہرست تھی، اس لئے ان کا بھی یہاں تذکرہ نہیں کیا جا رہا، ان میں سے ہر ایک کا حوالہ اپنے اپنے موقع پر آئے گا، تاہم ان میں سے دو تالیفات ایسی ہیں، کہ ان کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

(۱) فیوض رشیدیہ یہ حضرت مولانا کے فتاویٰ کا ایک مختصر مگر نہایت کم یاب مجموعہ ہے، جس کو حضرت کے کسی متوسل نے جمع کیا تھا اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے مطبع خیر المطابع میرٹھ سے شائع کرا دیا تھا۔ اس پر سنہ طباعت درج نہیں، مگر قرائن سے ۱۳۱۰ھ معلوم ہوتا ہے، غالباً یہ حضرت مولانا کے فتاویٰ کا سب سے پہلا مطبوعہ مجموعہ ہے۔

اس مجموعہ فتاویٰ کا ایک مختصر مگر نہایت اہم ضمیمہ بھی ہے، اس میں ہندوستان کی اراضی میں، عشر و خراج کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ ضمیمہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے مرتبہ سوالات کے جواب میں ہے، اس کو حضرت مولانا رائے پوری کے ایک نامور خلیفہ و متوسل اور برصغیر کے بہت بڑے خادم قرآن کریم [نورانی قاعدہ کے مؤلف] مولانا نور محمد لدھیانوی

نے اپنے پریس مطبع حقانی اسلامی لدھیانہ سے شائع کر کے، فیوض رشیدیہ کے نسخوں کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔

دوسرا اہم مجموعہ، حضرت مولانا گنگوہی کے ایک ممتاز شاگرد، مولانا دیدار علی الوری کا مختصر مجموعہ فتاویٰ، تحقیق المسائل ہے، اس کے آخر میں، مولانا دیدار علی صاحب کی، کنوؤں کی طہارت وناپاکی کے مسائل پر، حضرت مولانا گنگوہی سے مفصل مکاتبت شامل ہے۔ یہ تمام فتاویٰ اور جوابات بھی اس مجموعہ کا حصہ بن گئے ہیں۔

رسالہ تحقیق المسائل، چالیس صفحات پر مشتمل ہے، میرے پاس جو نسخہ ہے اس کا سرورق موجود نہیں، اس لئے اس کے سن طباعت اور مطبع کا پتہ نہیں ملا، لیکن اس کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت مولانا گنگوہی کی حیات میں چھپ گیا تھا۔

راقم سطور نے تمام مجموعوں میں درج جملہ فتاویٰ کو، امکان بھر احتیاط سے نقل کیا ہے، اور ہر اک نقل کا اصول سے کم سے کم تین مرتبہ مقابلہ اور مطابقت بھی کر لی گئی، اس لئے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان فتاویٰ کی نقل مطابق اصل ہے۔ تاہم صرف نقل کافی نہیں تھی، یہاں پیش کرنے کے لئے، ان پر کئی طرح سے مزید توجہ ضروری تھی۔

ا۔ سب سے پہلی بات املاء اور طریقہ کتابت کا زمانی اختلاف ہے، اُس وقت کے اور آج کل کے املا کے فرق کا خیال رکھا گیا ہے، جہاں اختلاف پایا، وہاں خفیف ترمیم کی گئی ہے، مثلاً:

۱) اس وقت تک بھی بعض لکھنے والے، اعراب کو حروف کے ذریعہ واضح فرماتے تھے، جیسے اس کو کئی جگہ "اوس کو" لکھا ہے اور بھی کئی جگہ اعراب حروف کے ذریعہ ظاہر کئے گئے ہیں، ان سب کو درست کر کے موجودہ طریقۂ کتابت کے مطابق کر دیا ہے۔

۲) یائی معروف اور یائے مجہول کا فرق بہت ہی کم واضح کیا جاتا تھا، ک اور کاف فارسی گ میں بھی، کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا، کئی جگہ یہی کو بعینہ ہی نقل کیا ہے، اسی طرح جتلا کو مجتلے لکھا، نیز اس قسم کے اور بھی متعدد الفاظ ہیں، جو ان مجموعوں میں کثرت سے آئے ہیں، ان کو عبارت اور مسئلہ کو نقصان پہنچائے بغیر، درست یا موجودہ املا کے مطابق کر دیا ہے۔

۳) چند الفاظ میں حضرت مولانا گنگوہی کا خاص طریقہ تحریر ہے، جیسے حضرت ضروری کو ضرور اور نہایت ضروری کو، "ضرور پر ضرور" لکھتے تھے، نیز اختلاف کے لئے خلاف کا کثرت سے استعمال فرماتے تھے، ان میں بھی خفیف ترمیم کی گئی ہے، ضرور کے بعد قوسین میں [ی] بڑھا کر ضروری کر دیا ہے، اسی طرح اور جو حروف پرانی طرز کے مطابق نقل تھے، ان کو بھی درست کر دیا ہے۔

۴) حضرت کے خودنوشت فتاویٰ کے سب سے بڑی مستفتی، حافظ ظہیر حسین صاحب [آبھہ ، نانوتہ] کے سوالات اور تحریر میں کئی طرح کی غلطیاں تھیں، یہاں ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں، ان کے اور دوسرے حضرات کے سوال میں جو پرانے طرز کا املاء یا تحریر کی فروگذاشت تھی، ان سب کو بھی موقع پر درست کر دیا ہے مگر کوئی حذف واضافہ نہیں کیا۔

۵) بعض موقعوں پر، فقہ وفتاویٰ وغیرہ کی کتابوں سے جو اقتباسات یا مختلف عبارتیں، فتاویٰ میں درج کی گئی ہیں، ان کی تحریر میں بھی کہیں کہیں غلطیاں ہوئی ہیں، یا کچھ چھوٹ گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ حضرت مولانا کی نہیں، ناقلین کی غلطی یا سہو ہے، ان کو اصل کتابوں کی مدد سے درست کر دیا ہے۔

اس مجموعہ فتاویٰ میں درج اس قسم کی عبارتوں، نیز یہ عبارتیں قدیم کتابوں نوشتوں میں، جہاں کہیں نقل ہوئی ہوں، ان کے لئے دو باتیں اور عرض ہیں:

الف: پرانے اکثر علماء جو عبارتیں اور اقتباسات نقل فرماتے ہیں، وہ بیشتر حافظہ پر اعتماد فرماتے ہوئے نقل فرما دیتے ہیں، اکثر حالات میں اصل ماخذ اور کتاب غالباً سامنے نہیں ہوتی تھی، اس لئے معمولی فرق اور اختلاف ہونا محل تعجب نہیں۔

ب: سب ہی حضرات کے سامنے خطی نسخے ہوتے تھے، مطبوعہ کتابوں کا چلن نہ ہونے کے برابر تھا اور قلمی نسخوں میں جزوی اختلاف بین ممکن ہے۔ ہمارے سامنے عموماً ایک مرتب ومطبوعہ نسخہ ہوتا ہے، اسی کو اصل سمجھتے ہیں، حال آں کہ مطبوعہ کتابوں کے متون کی متعدد قلمی نسخوں سے مطابقت سے، مطبوعہ نسخوں کی فروگذاشتیں، اہل ذوق کے سامنے آتی ہی رہتی ہیں، کوئی نئی بات نہیں ہے۔

۶) چند موقعوں کے علاوہ، قرآن مجید کی آیات، احادیث شریفہ اور عربی عبارتوں کا ترجمہ درج نہیں تھا، ان سب کے ترجمہ کا اضافہ کیا گیا ہے، آیات شریفہ میں، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ احادیث شریفہ اور مختلف عبارتوں کا ترجمہ کرنے کی خود جسارت کی ہے مگر جن آیات شریفہ اور آیات وعبارات کے ساتھ ترجمہ موجود تھا، اس کو اسی طرح باقی رکھا ہے، اس میں قلم نہیں لگایا گیا، کیونکہ بہ ظن غالب یہ ترجمے حضرت مولانا گنگوہی کی قلم سے ہیں۔

۷) حضرت مولانا، اصل فتوے کے لئے بہت کم کسی ماخذ کا حوالہ دیتے ہیں، ان فتاویٰ کو جوں کا توں نقل کر دیا ہے، اصل مسئلہ کے لئے کسی ماخذ سے مطابقت کی کوشش نہیں کی، تاہم اگر حضرت مولانا نے جواب کے درمیان، کوئی روایت یا کسی فقیہ ومصنف کا فقرہ، یا عبارت کا ٹکڑا نقل کیا ہے، تو اس کی اصل سے مطابقت کر لی گئی ہے اور حاشیہ میں مکمل حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔

اس مجموعہ میں فتاویٰ رشیدیہ کے معروف ومطبوعہ نسخوں میں شامل فتوے، اس مجموعہ [باقیات فتاویٰ رشیدیہ] شامل نہیں، کوشش کی گئی ہے کہ ایسے فتاویٰ اس میں جگہ نہ پائیں مگر دو طرح کے فتوے اس سے مستثنیٰ ہیں:

الف: وہ آٹھ یا دس فتوے اگرچہ فتاویٰ رشیدیہ میں شامل ہیں مگر یہ ان مجموعوں سے لئے گئے ہیں، جو غیر متعارف، اور زیر نظر مجموعہ کے بنیادی ماٰخذ میں شامل ہیں، مثلاً چھپے سات فتوے، جو مجموعہ فرخ آباد کے ایک سلسلہ سوالات وجوابات سے لئے گئے ہیں، ہمارے اس مجموعہ میں بھی ملیں گے، ان کو حذف کرنے کی وجہ سے مجموعہ فرخ آباد کے مندرجات کی ترتیب متاثر ہوسکتی تھی، اس لئے ان کو باقیات فتاویٰ رشیدیہ میں باقی رکھا گیا ہے۔ یہاں وہ چند فتاویٰ جو مجموعہ فرخ آباد سے فتاویٰ رشیدیہ میں نقل اور شامل کئے گئے مگر فتاویٰ رشیدیہ میں شامل متن اور مجموعہ فرخ آباد کی اصل میں واضح فرق اور اختلاف ہے، اس اختلاف یا کمزوری کے مشاہدہ کے لئے درج کئے جارہے ہیں، تجربہ نے بتایا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں موجود فتاویٰ کی اگر قدیم اصل موجود ہو تو اس سے مقابلہ اور تصدیق وتحقیق ہونی چاہئے۔

ب: چندرہ فتاویٰ بھی باقیات میں شامل ہیں، جو اگرچہ فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہیں مگر پیش نظر قلمی مجموعوں اور قدیم خطی ماٰخذ میں درج، ان کے متن اور فتاویٰ رشیدیہ میں شامل نقل میں، کچھ چھوٹا یا بڑا مگر واضح اختلاف ہے، اس وجہ سے قدیم نسخوں کو زیادہ معتمد اور قریب العہد نقل سمجھتے ہوئے، باقیات کا بھی حصہ بنالیا گیا ہے۔

مطبوعہ فتوؤں میں سے وہ فتاویٰ بھی باقیات فتاویٰ رشیدیہ میں درج نہیں کئے گئے، جو اگرچہ فتاویٰ رشیدیہ کی طباعتوں میں موجود نہیں مگر معلوم ومطبوعہ اور عملاً پڑھنے والوں کی دسترس میں ہیں، مثلاً وہ فتوے جو تذکرۃ الرشید [تالیف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی] میں نقل ہوئے ہیں، یا حضرت کے مکتوبات کے مجموعوں میں، ضمناً آگئے ہیں، ان کو اس میں نہیں لیا گیا مگر جس کسی کا کسی اور حوالہ یا فتوے کی وجہ سے اندراج ضروری ہوگیا تھا، اس کے شامل کرنے میں تکلف نہیں ہوا۔ لیکن جو فتاویٰ مطبوعہ لیکن ناپید وکم یاب ہیں، ان کو جہاں تک میری دسترس میں آئے، اس مجموعہ میں لے لیا ہے، کہ ان میں ایک ایک فتوے کی تلاش اور اس تک رسائی، ایک مستقل سفر تھا۔

درج بالا دونوں قسم کے فتاویٰ کے شمار کا موقع نہیں ہوا، مگر اندازہ یہ ہے کہ اس طرح کے جملہ فتاویٰ اٹھارہ بیس سے زائد نہ ہوں گے۔

بہر حال راقم سطور کو برسوں کی تلاش وجستجو میں جو کچھ حاصل ہوسکا اور اس کی جو بھی، بہتر سے بہتر صورت وترتیب ذہن میں آئی، اس کو عمل میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ کہنا تو آسان نہیں ہے کہ یہ کاوش وکوشش کس درجہ مفید اور قابل پذیرائی ہوگی، تاہم راقم سطور کی معمولی لیاقت واستعداد کی روشنی میں جو کچھ ہوسکا اور زبان قلم پر آیا، وہ ایک بضاعت مزجاۃ کی حیثیت سے نذر قارئین ہے۔ امید ہے کہ حضرات اہل علم وفتویٰ کی بہترین رہنمائی، نئے فتاویٰ کی نشان دہی اور زیر نظر نسخہ کے سقطات، کمزوریوں، کوتاہیوں کا ادراک کرنے میں، ناچیز

مرتب کی معین ومددگار ہوگی، اور اہل علم کے مشوروں سے فائدہ اس مجموعہ فتاویٰ کو زیادہ بہتر اور مفید طور پر پیش کیا جا سکے گا۔ وللہ الامر من قبل ومن بعد.

جب آبھہ سے دریافت فتاویٰ کی طباعت کا خیال آیا تھا، اسی وقت اس مجموعہ کو، جو موجود فتاویٰ کا شاید چوتھائی حصہ تھا، ارباب فقہ وفتاویٰ کی نظر سے گذارنے کا فیصلہ کرلیا تھا، اس منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے، ان فتاویٰ کی نقل کو جو ذخیرہ آبھہ کا حصہ تھے، سب سے پہلے، دارالعلوم دیوبند، کے صدر مفتی، مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے مطالعہ وملاحظہ کے لئے پیش کیا گیا تھا، مفتی صاحب نے اپنی بے پناہ مصروفیات اور پیرانہ سالی کے باوجود، اس کا ایک حصہ خود پڑھا، باقی کی سماعت کی اور اس پر ایک دوجگہ مختصر افادہ، یا اشارہ بھی تحریر کیا، مگر اس وقت اس کی طباعت کا ارادہ ملتوی کر کے، اس سلسلہ کو آگے بڑھانے اور اس کو زیادہ سے جامع اور مفید بنانے کا عمل شروع ہو گیا تھا، چنانچہ قلمی فتاویٰ اور متفرق مجموعے فراہم ہوتے رہے اور کارواں آگے بڑھتا گیا، جب یہ کام ایک مرحلہ تک پہنچ کر گویا مکمل ہو گیا اور اس کے حواشی اور حسب ضرورت مراجع وماخذ کی نشان دہی روبعمل آ گئی، اس جلد کے اختتام کا فیصلہ کرلیا، اس وقت اس مجموعہ کو نظر ثانی اصلاح اور مشورہ کے خیال سے برصغیر کے، برگزیدہ علماء، اور اہل فتویٰ، خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ ودامت برکاتہ اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری [شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم، دیوبند] مدفیوضہ ودام برکاتہ کی خدمات میں پیش کیا گیا، کہ وہ ملاحظہ فرما کر، اپنی رائے گرامی سے مشرف وسرفراز فرمائیں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ ان اکابر علماء کی عزت افزائی اور عنایت وکرم کا کسی طور پر بھی شکریہ ادا کرسکوں، دونوں حضرات نے اپنی انتہائی مصروفیات اور بے پناہ مشاغل کے باوجود، اس بضاعت مزجات پر پوری پوری توجہ فرمائی، اس کو پڑھا اور اس کے متعلق اپنی گراں قدر تحریرات سے مزین ومعتمد فرمایا۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے اس کو ملاحظہ فرما کر، مفصل تقریظ تحریر فرما کر ارسال فرمائی تھی، جو میری کم نصیبی سے ڈاک میں ضائع ہو گئی، منزل آشنا نہ ہو سکی، لمبے انتظار کے بعد حضرت مولانا سے دوبارہ تحریر فرما دینے کی درخواست بلکہ جسارت کی، کہ حضرت مولانا کی مصروفیات کا کچھ مجھے بھی علم ہے، تاہم حضرت مولانا نے اپنی کریمانہ مزاج اور ان عنایات کی پاسداری میں، جن سے یہ ناچیز ہمیشہ ممنون اور نہال رہا ہے، دوبارہ لکھنے کی زحمت فرمائی، جو اس اشاعت کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا پالن پوری کی عنایت وتوجہ اس سے بڑھ کر رہی، حضرت مولانا نے اس مجموعہ کو پڑھا اور ملاحظہ کیا، تو فرمایا کہ میں نے اس پر کچھ حاشیے اور توضیح لکھنے کا ارادہ کرلیا ہے، یہ ارادہ عمل میں آیا، قارئین کرام، فتاویٰ پر حضرت مولانا کے حواشی سے استفادہ فرمائیں گے، مفتی صاحب نے فتاویٰ کو پڑھا تو بعض مقامات پر کچھ شبہ ہوا، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے، فتاویٰ کے اصل ماٰخذ سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا، راقم نے جملہ اصل ماٰخذ، حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھیج دیئے، حضرت مولانا نے ان سے زیر غور فتاویٰ کا مقابلہ کر کے، اطمینان کرلیا تھا، مگر اس کے ساتھ حضرت مولانا نے یہ بڑا اور مشکل فیصلہ بھی کیا کہ وہ اس پورے مجموعہ کے، جملہ مندرجات وفتاویٰ کا، اصل ماٰخذ سے مقابلہ کریں گے، چنانچہ کیا اور بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں یہ لکھا

کہ میں ایسے قلمی نسخوں کو نہ اس قدر توجہ سے پڑھ سکتا ہوں اور نہ ان کی ایسی صحیح نقل کرسکتا ہوں، جیسی اس میں کی گئی ہے، بہر حال اس مقابلہ سے متن میں جو بعض تسامحات رہ گئے تھے ان کی درستگی ہوگئی، ترتیب ابواب کے لئے بھی مشورے ملے، اور یہ مجموعہ ہر پہلو سے لائق اطمینان ہوگیا۔ حضرت مولانا کے علاوہ اور بھی احباب وعلماء نے اس کو دیکھا، خصوصاً فاضل دوست، مولانا مفتی محمد ارشد صاحب [بگھیڑی، مظفر نگر] نے پورے مجموعہ، تمام حاشیوں اور اصلاحات کو گہری نظر سے، بہت توجہ سے دیکھا پڑھا اور نہایت مفید مشورے دیئے، ان سے بھی پورا فائدہ بھی اٹھایا گیا۔

اس وقت جب یہ مجموعہ مکمل ہوکر، پریس کے حوالہ ہورہا ہے، میرا فریضہ اور اخلاقی علمی ذمہ داری ہے کہ ان تمام صاحبان کو ممنونیت کے ساتھ، تہ دل سے کلمات تشکر پیش کروں، جن کا اس بڑے کام یا علمی دینی خدمت میں، قلمے، قدمے، درمے، سخنے، کم زیادہ تعاون شامل رہا۔

سب سے پہلے مرحوم جناب لئیق محمد خاں صاحب، آنجہ کے لئے اجر ودعائے مغفرت کے لئے حق تعالیٰ شانہ کے حضور دست بدعا ہوں، مرحوم نے نہایت خوشی اور کھلے دل کے ساتھ تعاون فرما کر اور اپنے یہاں موجود تبرکات وتحریرات عنایت فرما کر، اس بڑے کام کی بنیاد رکھی اور اس طرح حضرت مولانا گنگوہی کے اس بڑے علمی سرمایہ فقہی افادات کی حفاظت واشاعت کی خشت اول ثابت ہوئے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء واعف عنہ وارفع درجاتہ.

حضرت مولانا کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے، چند فتاوی میرے ایک بڑے علمی محسن اور کرم فرما اور ہر اک علمی کتاب وجستجو میں معاون ورفیق، بلکہ بعض موقعوں پر مجھ سے زیادہ سرگرم اور ہر دم اس کی فکر وسعی میں مشغول، دوست نما بزرگ، جناب حافظ توفیق احمد علوی کیرانوی نے عنایت فرمائے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو، ان کی ہر اک عنایت واحسان کا اجر عظیم عطا فرمائے، ورحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین.

اپنے استاذ محترم، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب اجراڑوی۔ سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شفقت وکرم اور عنایات بزرگانہ کا، کسی طرح بھی شکریہ ادا نہیں ہوسکتا، حق ادا ہونے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ راقم مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم وقیام کے دوران، ہمیشہ حضرت مفتی صاحب کی عنایات کے زیر سایہ رہا اور شفقت وعنایات وکرم کا یہ معاملہ، حضرت مفتی صاحب کی وفات تک اسی طرح رہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مظاہر علوم سہارنپور میں کتابوں کے عکس یا فوٹو اسٹیٹ دیئے جانے کا کیا قانون وضابطہ ہے مگر بفضلہ تعالیٰ میں نے حضرت مفتی صاحب سے جب بھی اور جس کتاب کے لئے درخواست کی، کبھی رد نہیں فرمائی، فرماتے تھے "یہ کتابیں تمہارے جیسے لوگوں کے لئے ہی تو ہیں" جب میں نے حضرت مفتی صاحب سے کتب خانہ مظاہر علوم میں موجود، حضرت گنگوہی کے مجموعہ فتاوی کے فوٹو اسٹیٹ کے لئے درخواست کی۔ اول تو مفتی صاحب کو اس پر حیرت ہوئی، کہ یہاں ایسا اہم بڑا اور نہایت نادر نسخہ ہے، اس کی نہ ہمیں خبر نہ اوروں کو۔

بہر حال بہت خوش ہوئے اور نہایت بشاشت سے فوٹو اسٹیٹ کی اجازت دے دی، اور عکس کو دیکھ کر خوش ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ وارفع درجاتہ.

کتب خانہ مظاہر علوم کے کارکنوں کا میرے ساتھ ہمیشہ عنایت واخلاص کا معاملہ رہا ہے، میں اس کے لئے بھی ممنون ہوں۔

نسخہ چندیانوی [مخطوطہ کتب خانہ خاص، انجمن ترقی اردو، پاکستان جواب نیشنل میوزیم پاکستان، کراچی زینت ہے] کے فوٹو اسٹیٹ کے لئے، اس وقت انجمن کے صدر نشیں، عالمی شہرت یافتہ شاعر اور مادوھا نگار، جناب جمیل الدین عالی کا ممنون ہوں، عالی جی میری گذارش پر اس کا عکس فورا بھیجا اور میں نے اس کے مصارف بھیجنے چاہے، تو لکھا۔ اس کار خیر میں میرا بھی کچھ حصہ ہو جائے گا، بہر حال عالی صاحب کا بھی بہت بہت شکریہ!

مجموعۂ فرخ آباد اصل نسخہ پہلی مرتبہ مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کے ہاتھوں میں نظر سے گزرا تھا، مولانا کی وفات کے بعد، مولانا کے بھتیجے، ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی کی عنایت سے، اس کا فوٹو اسٹیٹ ہمدست ہوا، مجموعہ رام پور [مکتوبہ بدست مولانا سید احمد حسن امروہوی] کا فوٹو اسٹیٹ بھی ڈاکٹر فاروقی صاحب نے فراہم کیا، اللہ تعالیٰ دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔

اوراق کراچی کا عکس پاکستان کی ایک علمی باذوق شخصیت، جناب راشد شیخ کی کاوش کا مرہون منت ہیں، راشد شیخ صاحب نے خاصی جدوجہد کے بعد، ان تک رسائی حاصل کی اور ان کے عکس فراہم کئے، دلی شکریہ!

حضرت مولانا گنگوہی کے بقلم خود نوشتہ دو فتوے، برصغیر ہند پاکستان کے نامور خطاط اور راقم سطور کے نہایت مشفق، شاہ نفیس الحسینی صاحب کے ذاتی ذخیرہ میں تھے، حضرت شاہ صاحب نے ان کے عکس سے ممنون و مشرف فرمایا، اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے، اور شاہ صاحب کے درجات بلند فرمائے۔

اپنے ایک علمی کرم فرما، جناب شبیر احمد صاحب میواتی [لاہور، پاکستان] کو بھی کلمات تشکر پیش کرتا ہوں، میواتی صاحب سے علمی اشتراک اور خلوص کا رشتہ دسیوں سال پرانا ہے، اس کام میں بھی ان کی معلومات سے مفید مدد ملی، کئی نسخوں، فتاوی کا پتہ چلا، حضرت گنگوہی سے متعلق نئی تحریروں، کتابوں تک رسائی ہوئی، اور یہ سلسلہ جاری ہے، اس سے بھی میواتی صاحب کا دلی شکریہ واجب ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء واحسن الیہ.

آخر میں ان تمام معاونین اور رفقاء کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جن سے اس کام میں موقع بہ موقع نسخوں کی نقل، مقابلہ حواشی کے لئے، مآخذ اور عبارتوں کی جستجو وغیرہ میں کم زیادہ، کسی بھی درجہ کا چھوٹا بڑا تعاون حاصل رہا، ان سب کا بھی تہہ دل سے ممنون و شکر گذار ہوں۔ اگرچہ کاغذ کے سفینہ پر ان کے نام درج نہیں، مگر دل کی گہرائیوں میں ان کی یاد اور ان کے لئے جذبہ تشکر موجزن ہے۔

سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

حضرت مولانا گنگوہی کے قلم سے تحریر اور جملہ قلمی اور مطبوعہ فتاوی کی، جو اس مجموعہ میں شامل ہیں، اصل سے مقابلہ اور تمام حواشی وماخذ ومصادر سے، حتی الامکان مطابقت وتصحیح میں، آخری معاون کے طور پر، بکرمی مفتی محمد واصل صاحب گدھی دولت، کاندھلہ اور ہمارے ادارہ کے ایک وقتی کارکن، مولوی تنویر عالم صاحب ارریاوی کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ فجزاهما الله خير الجزاء.

اپنے کمپوزر، مولوی شہاب الدین صاحب بستوی کا بھی ممنون ہوں، کہ انہوں نے خوبصورتی اور صفائی کے ساتھ اس کی کمپوزنگ کی۔

قارئین کرام سے رخصت ہوتے ہوئے دو گذارشات اور کرنا چاہتا ہوں، اس مجموعہ میں حضرت مولانا گنگوہی کے جو بھی فتاوی او رتحریریں نقل ہوئی ہیں، ان میں سے تقریباً ایک تہائی فتاوی کی، حضرت مولانا کے قلم سے نوشتہ اور باقی کی معتبر ترین نقلیں یا مجموعے، راقم سطور کے پاس محفوظ ہیں، اس لئے اس مجموعہ کے کسی بھی فتوی کے کمزور، مشتبہ یا غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے، ان کا براہ راست مطالعہ وملاحظہ فرمالیں، میں ان شاء اللہ جب تک موجود ہوں، اس خدمت کے لئے حاضر ودستیاب ہوں۔ دوسرے اس میں جو بھی فروگذاشت کی کوتاہی رہ گئی ہو، یا کہیں حضرت کے کچھ فتاوی وغیرہ موجود ہوں، تو ان کی نشاندہی سے ممنون فرمائیں۔ والاجر على الله تعالى

اس وقت جب اللہ تعالی کے فضل وکرم سے، یہ علمی سفر اختتام کو پہنچ رہا ہے، میرا دل حمد الہی سے معمور اور زبان کلمہ شکر سے لبریز ہے۔ اللہ تعالی اس ناچیز خدمت بضاعت مزجات کو قبول فرما کر، میرے، میرے والدین گرامی اور اسلاف واخلاف کے لئے، سامان نجات اور ذریعہ مغفرت بنائے۔ قارئین کرام اور مستفیدین سے درخواست ہے کہ ناچیز مرتب کو حیاۃً ومماتاً دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں۔

غرض نقشے است کہ کز ما یاد ماند　　کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے بہ رحمت　　کند در حق ایں مسکیں دعائے

فالحمدلله اولاً وآخراً وظاهراً وباطناً، وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

آثم وناکارہ
راقم نور الحسن راشد کاندھلوی
۲/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

محدث دوراں، افقہ زماں، عالم ربانی

رحمہ اللہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

فتاویٰ رشیدیہ اور زیر نظر مجموعہ باقیات فتاویٰ رشیدیہ

چند پہلو اور مختصر معلومات

نورالحسن راشد کاندھلوی

عاصمۃ الہند دہلی کے اس جنوبی [مائل بہ مشرق] خطہ یا علاقہ میں، جس کو دریائے گنگا و جمنا سے گھرا ہوا ہونے کی وجہ سے، دوآبہ [گنگا جمنا] کہا جاتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر، ایسی دس بارہ چھوٹی بڑی بستیاں، یا ایسے قصبات آباد ہیں، کہ جن کا برصغیر ہند کی آخری دور کی، دینی علمی عرفانی کارناموں اور اصلاحی عملی جدوجہد میں بہت بڑا حصہ رہا ہے، ان بزرگوں، علمائے کرام، محدثین و مفسرین، مصنفین اور اہل فضل و کمال کی وجہ سے، اس خطہ کو پوری مسلم دنیا میں ایک احترام اور دینی نسبت حاصل ہے۔ اگرچہ اب وہ چراغ گل ہو چکے ہیں، ان محفلوں کے دمامے ٹھنڈے پڑ چکے ہیں اور بعض بستیوں میں تو یہ جاننے والا بھی کوئی نہیں رہا، کہ فلاں فلاں کون تھے، نہ ان کے اعمال اور طریقۂ کار میں دلچسپی باقی ہے، نہ ہی ان کے احوال و سوانح اور علمی ورثہ کو زندہ و تازہ کرنے میں، تاہم ان بزرگوں کی نسبت اور خدمات و اثرات کی وجہ سے اب بھی ان بستیوں کا نام، لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں زندہ ہے اور یہاں کے حضرات کی دینی علمی خدمات اور کارنامے، پوری دنیا اور ملت اسلامیہ کے لئے پیغام عمل اور اسوۂ حیات بنے ہوئے ہیں۔

بہر حال ان ہی بستیوں یا قصبات میں سے ایک قصبہ، گنگوہ [Gangoh] بھی ہے، جو مغل دور حکومت سے ضلع سہارنپور کا حصہ چلا آرہا ہے۔ اس قصبہ کی قدیم تاریخ بھی، اس علاقہ کے اور قصبات کی طرح تاریخ کے اندھیروں میں گم ہے۔ ان بستیوں بلکہ پورے علاقہ کی، ماقبل مسلمانوں کی سرگذشت کے متعلق کچھ کہنا ممکن نہیں۔ ہندروایات

اور دیومالا [Metha Logy] کی رو سے تو اس علاقہ کی بعض آبادیوں [قصبات] کی تاریخ مہابھارت کی لڑائی، یعنی تقریباً ڈھائی تین ہزار قبل مسیح تک جاتی ہے، مگر ان روایات واطلاعات کی تصدیق نہایت مشکل ہے۔

دہلی میں مسلم دور حکومت کے آغاز کے بعد بھی، تقریباً دو صدیوں تک، ان بستیوں اور یہاں کی کسی شخصیت کا، کوئی معتبر تذکرہ وتعارف نہیں ملتا، صرف اس قدر معلوم ہے کہ اس علاقہ میں کوئی باقاعدہ نظام آبادی اور حکومت نہیں تھی، بلکہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں، جن کو اس دور کی اصطلاح میں گڑھی [Gadhi] کہا جاتا تھا، اس میں کسی ایک بڑے خاندان کے مختلف قرابت داروں کا علیحدہ علیحدہ نظام ریاست تھا، جو کسی ایک بڑے انتظام سے جڑا ہوا نہیں تھا، ہر ایک زمیندار یا رجواڑہ، اپنی عیحدہ چہار دیواری میں حاکم تھا، نہ باہر کی دنیا سے، ان کے زیادہ روابط کا پتہ چلتا ہے، نہ ہی ان کے نظام اقتدار کے خاص شعبوں اور طریقہ کار کی خبر ملتی ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان ریاستوں کا تاریخ کے اوراق پر معتبر تذکرہ اور برصغیر کی عہد اسلامی کی تاریخوں میں ان کا نام نہیں آیا۔

اس پورے خطہ میں مسلمانوں کے آنے اور قیام فرمانے کی اطلاعات کا، عموماً آٹھویں صدی ہجری [چودھویں صدی عیسوی ۱۳۰۰ء کے بعد] سے آغاز ہوتا ہے، اس وقت بھی کسی بڑی بستی کے آباد ہونے، یا اس کے متعلق تاریخ کی روایت کا تسلسل نہیں ملتا، بلکہ پیشتر ان روایات کا تعلق اس نواح کی بستیوں اور ان کے اطراف میں موجود، بزرگان دین اور مشائخ کرام سے ہے، جو حکومت اور اقتدار کے ہنگاموں، شہروں کی ترقیات وزینت اور ہجوم خلائق سے یکسو ہو کر، عبادت وریاضت کے خیال سے اس نواح کے گھنے جنگلوں، آبادیوں سے دور مقامات اور چشموں کے کناروں پر پہنچ کر، خاموشی سے قیام فرما ہو جاتے تھے اور اپنے تمام اوقات ذکر وفکر اور یاد الٰہی میں گذارتے تھے، پھر جیسے جیسے ان کے کمالات کی خوشبو مہکتی اور ان کے روحانی زمزموں کی آواز آبادیوں تک پہنچتی، یہ ویرانے آبادیوں میں تبدیل ہو جاتے اور ان حضرات کی جانب مخلوق کی رجوعات کی کثرت، ان بے نام ونشان گوشوں کو، گلستانوں اور قابل قدر آبادیوں میں تبدیل کر دیتی تھی۔ گنگوہ کے سلسلہ میں بھی اسی قسم کی روایات ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ایک عارف کامل تنہا تشریف لائے، اس وقت یہ جگہ ایک چھوٹے سے راجہ گنگ کی ریاست یا بڑی گڑھی [Badi Gadhi] تھی، جس کی بعد میں مسلمانوں کی ایک جمعیت سے معرکہ آرائی ہوئی، جس میں وہ راجہ مارا گیا، (۱) یوں یہاں مسلمانوں کے آنے، آباد ہونے کا راستہ کھل گیا۔ وقفہ وقفہ سے کئی گھرانے اور مختلف خاندانوں کے

(۱) یہ روایت کسی قدر تفصیل سے، انصار سہارنپور، رامپور منیہاران کے قلمی نسب نامہ میں درج ہے۔ اور لالہ نند کشور [ڈپٹی کلکٹر، ضلع سہارنپور ۱۸۷۰ء] نے بھی اپنی کتاب "تاریخ سہارنپور" میں نقل کی ہے۔ لکھا ہے:

"مشہور کرتے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں کوئی راجہ گنگ تھا، جس نے اس قصبہ کو اپنے نام سے آباد کیا، ایک قلعہ منہدمہ تعمیر کا نشان اب تک موجود ہے"

تاریخ سہارنپور ص: ۱۲۵ مطبع مصدر الہدایہ بانده بلاست خان ۱۸۷۷ء

اصحاب یہاں آتے اور آباد ہوتے رہے، اسی میں وہ ایوبی، انصاری خاندان بھی تھا، جس کا ہندوستان میں سرسل [Sarsil] (۱) سے عروج وفروغ ہوا، اس خاندان کے چند افراد سرسل سے ترک اقامت کر کے سہارنپور آئے سہارنپور سے اسی گھرانہ کی ایک شاخ رامپور منتقل ہوئی، گنگوہ رامپور کے قریب ہے۔ دونوں بستیوں کے خاندانوں میں، رشتہ داریوں کی نسبت قائم ہوئی، دونوں خاندانوں میں عزیزانہ تعلقات اور قرابت داری کا سلسلہ ہمیشہ رہا، حضرت مولانا گنگوہی کے دادا، قاضی پیر بخش تک یہ شاخ بھی رامپور میں رہتی تھی مگر قاضی پیر بخش اپنے ماموں، شاہ قطب علی کی گنگوہ میں، سخت مخالفت ومخاصمت کی وجہ سے، رامپور ترک کر کے گنگوہ آ گئے تھے۔ قاضی پیر بخش کا گنگوہ میں نکاح ہوا، اور تین فرزند تولد ہوئے، ان میں سے ایک، مولوی ہدایت احمد [حضرت مولانا گنگوہی کے والد ماجد] تھے۔

اس خانوادہ کے رامپور [منیہاران] سے گنگوہ منتقل کا سبب، آنے والے اصحاب ان کا دور اور اس سلسلہ کی معلومات مفقود ہیں، بصرف شجرۂ نسب کی چند کڑیاں یا واسطے معلوم ہیں، جو اس طرح ہیں:

شجرۂ نسب حضرت مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش بن قاضی غلام حسن بن قاضی غلام علی بن قاضی اکبر بن قاضی محمد سالم انصاری۔

یہ کل سات واسطے ہوئے، جس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قاضی سالم گیارہویں صدی ہجری کے اوائل [سولہویں صدی عیسوی کے آخر] میں حیات ہوں گے، قاضی سالم کے اجداد، سلسلۂ نسب اور دیگر تفصیلات دستیاب نہیں۔

والد ماجد حضرت مولانا کے والد، مولانا ہدایت احمد، عالم فاضل، صاحب نسبت شخص تھے، خانوادہ ولی اللّٰہی کے علماء [غالباً شاہ محمد اسحاق سے؟] تلمذ تھا، حضرت شاہ غلام علی نقشبندی سے سلوک طے کیا اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ (۲)

---

(۱) سرسل پرانے ضلع میرٹھ اور موجود ضلع باغپت میں، بڑوت سے میرٹھ جانے والی سڑک پر، موضع بنولی اور جوہڑی کے درمیان، سڑک کے کسی قدر فاصلہ پر واقع تھا، جو کسی حادثہ میں یکلخت برباد ہو گیا تھا، ایک بڑا ٹیلہ اس کی نشانی موجود ہے، اور اس کے ذرا دور، اس خاندان کے جد امجد شیخ جلال الدین کا مدفن ہے۔ اس نواح کے متعدد انصاری خاندانوں کا سلسلۂ نسب شیخ جلال الدین سے وابستہ ہے، تفصیلات کا یہاں موقع نہیں، اس خاندان، اس کی ذیلی شاخوں اور ان کے انساب کی تصحیح وتحقیق میں، اسی خانوادہ سے وابستہ جناب سمیع الدین صاحب [اکبرآباد ضلع بجنور، یوپی، ریٹائرڈ انجینئر حال مقیم علی گڈھ] نے وسیع مطالعہ اور تحقیقات کی ہیں اور اس انصاری خاندان پر، سمیع الدین صاحب کی تفصیلی کتاب زیر طباعت ہے۔

(۲) تذکرۃ الرشید ص: ۱۷، حصہ اول، [طبع اول۔ بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ] مولانا ہدایت احمد کی شاہ غلام علی سے خلافت واجازت کی، اگرچہ تذکرۃ الرشید وغیرہ میں صراحت ہے مگر ھو الغنی [تکملہ مقامات مظہری] تالیف: حضرت شاہ عبدالغنی مجددی، میں حضرت شاہ غلام علی کے خلفاء کی جو مفصل فہرست ہے، اس میں مولانا ہدایت احمد کا نام درج نہیں۔ ملاحظہ ہو: ھو الغنی از ص: ۱۵۸ تا ص: ۱۸۰ [مطبع احمدی، دہلی: ۱۲۶۹ھ] لیکن اور بھی مختلف تذکروں میں شاہ عبدالغنی کے بعض اور خلفاء کے نام بھی ملتے ہیں، ان کا بھی ھو الغنی میں تذکرہ نہیں ہے۔

مولانا ہدایت احمد اول کلکتہ میں سرکاری ملازم تھے، آخر میں گورکھپور آ گئے تھے، یہیں بیمار ہوئے، تھوڑی عمر پائی، عین نوجوانی میں، پینتالیس سال کی عمر میں، راہ آخرت اختیار کی، یہ حادثہ ۱۲۵۲ھ [ستمبر، اکتوبر ۱۸۳۷ء] کو پیش آیا، اس وقت حضرت مولانا، سات سال چند مہینہ کے تھے۔ مولانا ہدایت احمد کے دو بیٹے اور تھے، مولوی عنایت احمد اور سعید احمد۔

ولادت وطفولیت حضرت مولانا کی ۶/ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ [۱۱/ مئی ۱۸۲۹ء] کو آبائی مکان، محلہ سرائے گنگوہ میں پیدائش ہوئی، والدین کی نیکی، دینداری اور سلامت طبع کی وجہ سے، حضرت مولانا بھی بہت کم سنی سے، اسی رنگ میں رنگ گئے تھے۔ خود حضرت مولانا نے ایک موقع پر فرمایا:

''حق تعالیٰ نے طفولیت ہی میں مجھے وہ یقین عطا فرمایا تھا، کہ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور جمعہ کا وقت آجاتا، تو کھیل چھوڑ کر چلا آتا اور لڑکوں سے کہہ دیتا تھا، کہ ہم نے اپنے ماموں صاحب سے سنا ہے کہ تین جمعہ کا چھوڑنے والا، منافق لکھا جاتا ہے''(۱)

ابتدائی تعلیم اوران کے استاذ قرآن خوانی کی ابتدا، گنگوہ کے ایک معروف معلم قرآن، میاں جی قطب شاہ گنگوہی سے ہوئی، غالباً قرآن کریم کی تعلیم وتکمیل، اسی مکتب ومعلم کے روبرو ہوئی، پھر حضرت مولانا کے ماموں، مولوی محمد تقی صاحب جو کرنال میں رہتے تھے، اپنے ساتھ کرنال لے گئے، فارسی کی اعلیٰ درسیات گنگوہ کے ایک اور عالم، مولانا محمد غوث (۲) سے پڑھیں فارسی کے بعد ددھیالی وطن، رامپور (منیہاران) بھیج دئے گئے، وہاں مولانا محمد حسن صاحب سے جو جید فاضل تھے، فارسی کی تکمیل کے بعد عربی درسیات شروع ہوئیں، جب بات ہدایۃ النحو تک پہنچی تو استاذ مکرم [مولانا محمد حسن] (۳) نے عزیز شاگرد کو، دہلی جانے اور وہاں کے جلیل القدر استاذوں سے استفادہ کرنے اور پڑھنے کا شوق دلایا، حضرت مولانا ۱۲۶۱ھ میں تعلیم کے ارادہ سے دہلی پہنچے۔ (۴)

دہلی میں مولانا احمد الدین پنجابی جہلمی سے، ہدایۃ النحو کے درسیات کی ابتدا کی (۵) نحو صرف کی چند اور کتابیں مولانا

---

(۱) تذکرۃ الرشید ص: ۴۳، حصہ اول

(۲) مولانا شاہ محمد غوث گنگوہی اپنے عہد کی ایک معروف شخصیت اور شیخ طریقت تھے جو شاہ محمد رمضان ''ہادی ہریانہ'' شہید ۱۲۴۰ھ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ہادی ہریانہ تالیف پروفیسر منظور الحق صدیقی ص: ۱۲۸ (لاہور ۱۹۶۳ء) مولانا محمد غوث کی تعلیم وارشاد پر چند خود نوشت تحریریں اور افادات ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

(۳) تذکرۃ الرشید، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۲۶ ج: ۱، اور اختر بہشت، مولوی اللہ بخش کامل چاندپوری ص: میں یہ نام محمد بخش تحریر ہے، مگر تذکرۃ العابدین سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح نام محمد حسن ہے، ملاحظہ ہو تذکرۃ العابدین ص: ۵۳ [دہلی ۱۳۳۳ھ] مولانا محمد حسن کے مفصل تعارف کے لئے دیکھئے: راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی کی تالیف ''تذکرۃ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی''

(۴) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تعلیم کے لئے دہلی روانگی کا سنہ عموماً ۱۲۶۰ھ نقل کیا جاتا ہے، جو صحیح نہیں ہے، راقم اپنی تالیفات میں اس کی وضاحت کر چکا ہے، یہ سنہ اصولاً ۱۲۶۱ھ ہی ہونا چاہئے، لیکن حضرت مولانا گنگوہی کے دونوں سوانح نگاروں نے ۱۲۶۱ھ ہی نقل کیا ہے، اس میں بظاہر کوئی شبہ نہیں ہے۔

(۵) تذکرۃ الرشید ص: ۲۶، اختر بہشت ص: ۷، ۳ حصہ چہارم [میرٹھ ۱۹۱۰ء]

کریم بخش پنجابی کی خدمت میں اخذ کیں اور ان کتابوں پر ایسی دسترس ہوگئی تھی کہ ایک موقع پر مولانا کریم بخش صاحب نے علم کے دعوے دار، ایک ولایتی صاحب سے مقابلہ کے لئے بھیجا، حضرت مولانا کی لیاقت کا کمال تھا کہ وہ شخص جو بڑے علماء سے متاثر نہ ہوسکا تھا، اس کو حضرت مولانا نے مبہوت ولاجواب کر دیا(۱) غالباً نصاب درسیات کی متوسطات مکمل کرنے کے بعد، حضرت مولانا مملوک العلی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اعلیٰ کتابوں تک درسیات کا خاصا حصہ، حضرت استاذ اکمل سے مکمل کیا۔

اسی زمانۂ تعلیم وتدریس میں حضرت مولانا محمد قاسم سے قریبی تعلقات ہوئے، وطن اور خاندان کی قربت اور تعارف کی وجہ سے، دونوں سے آپس میں نہایت گہرے، ایسے تعلقات ہوگئے تھے، جو پوری زندگی جاری رہے۔

حضرت مولانا مملوک العلی کے علاوہ، مولانا شاہ احمد سعید مجددی [والد ماجد حضرت شاہ عبدالغنی] مولانا مفتی صدرالدین آزردہ اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی، حضرت مولانا کے بڑے اساتذہ میں شامل ہیں۔ شاہ عبدالغنی کے علاوہ حضرات سے کس وقت کس قدر اور کتنے عرصہ تک تلمذ واستفادہ کیا، کس سے کون سی کتابیں یا علوم وفنون پڑھے اور ان میں کون کون صاحبان، حضرت مولانا گنگوہی کے رفیق وہم سبق تھے۔ افسوس ہے کہ اس کی تفصیلات دریافت نہیں۔ تاہم حضرت مولانا گنگوہی کے مختلف ارشادات اور بعض تحریرات وفتاویٰ کے ضمنی اندراجات سے، ان تمام حضرات سے باقاعدہ تلمذ اور استفادہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم کے ہم سبق ہونے کی روایات؟ ان دونوں حضرات کے احوال وتذکروں میں عموماً نقل کیا جاتا ہے، کہ یہ دونوں حضرات گویا شروع سے آخیر تک، تمام کتابوں میں رفیق وہم درس تھے، یہ روایت صحیح نہیں۔ حضرت مولانا مملوک العلی کے یہاں ممکن ہے کچھ کتابیں ساتھ پڑھی ہوں، یا دہلی کالج میں ساتھ امتحان دیا ہو مگر اور کتابوں میں ہم درس ہونے کی تصدیق مشکل ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی کے دونوں بڑے استادوں، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا شاہ سعید احمد مجددی سے، حضرت مولانا نانوتوی کا تلمذ ثابت نہیں اور اس کی بھی کوئی شہادت دستیاب نہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی، شاہ عبدالغنی کے یہاں درس حدیث میں، حضرت مولانا محمد قاسم کے رفیق تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی نے دہلی میں صرف چار سال گذارے، مولانا عاشق الٰہی کی اطلاع کے مطابق، عمر کے اکیسویں سال، تقریباً ۱۲۶۵ھ [۱۸۴۹ء] میں تعلیم سے فارغ ہوکر وطن واپس آگئے تھے مگر حضرت مولانا نانوتوی کی تعلیم سے فراغت کا سن حتمی طور پر معلوم نہیں، بہ ظاہر اس کے بعد کا ہے، اس لئے دونوں کو ہم سبق کہنا اور لکھنا صحیح نہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید ص: ۱۸۰ حصہ دوم

تلاش معاش، ملازمت اور تجارت کتب حضرت مولانا تعلیم سے فارغ ہو کر واپس آنے کے بعد، کچھ دنوں وطن میں رہے، بعد میں سہارنپور میں نواب شائستہ خاں کے یہاں [قلعہ نوابان میں] ملازم ہو گئے تھے، شاید دس یا بیس روپے [ماہانہ] تنخواہ تھی، خود ایک موقع پر، حضرت مولانا نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جس زمانے میں ہم پڑھتے تھے اس زمانہ میں عربی پڑھے ہوؤں کی بڑی قدر تھی، منصفی اور صدر الصدوری وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے عہدے ملتے تھے، چنانچہ ہمارے ساتھ کے پڑھے ہوئے اکثر لوگ بڑے بڑے عہدوں پر نوکر ہوئے۔ ماموں صاحب نے میرے لئے بھی سعی کی، مگر میں نے منظور نہیں کیا، اس پر ماموں صاحب ناخوش ہوئے، جب وہ سمجھ گئے کہ یہ انگریزی نوکری ہرگز نہ کرے گا، تو انہوں نے مجھے بہت ہی مجبور کیا اور ایک رئیس کے ہاں تعلیم پر نوکر کرادیا، ماموں صاحب کی سفارش سے وہاں خوب قدر وعزت ہوئی مگر ہم چند ہی روز میں نوکری چھوڑ کر چلے آئے، آخر ماموں صاحب سمجھ گئے کہ اسے کچھ کرنا نہیں ہے، پھر مجھ سے کچھ نہ فرمایا اور ناخوش بھی نہیں ہوئے" (۱)

ملازمت چھوڑنے کے بعد، تصنیف وطباعت کا کام شروع کیا تھا، اس وقت سے وطن میں رہے، حضرت مولانا کی کتابوں میں سب سے پہلی دستیاب تالیف، نصیحة الشیعه ہے، اس کے آغاز پر، حضرت مولانا نے اپنے لئے "ابو محمود کتب فروش" کی نسبت تحریر فرمائی ہے، یہ کتاب جمادی الاخریٰ ۱۲۸۸ھ [اگست ۱۸۷۸ء] کی تالیف ہے، اگرچہ کوئی تحریری شہادت دستیاب نہیں مگر خیال ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کو کتابوں کی تجارت واشاعت یا کسی اور کاروبار سے، اچھی آمدنی اور یافت ہوئی ہوگی، اس لئے اسی سال حضرت مولانا نے حج اسلام ادا کرنے کا ارادہ فرمالیا، اگرچہ اس کے اکثر مصارف حضرت کے ایک خاص محب اور عزیز نے اپنے ذمے لے لئے تھے، (۲) اس سفر کے بعد، حضرت مولانا فکر معاش سے بالکل یکسو ہو گئے تھے، اور سفر حج سے واپسی کے بعد اور کتابوں کے علاوہ، درس حدیث خصوصاً صحیحین اور اعلیٰ کتابوں کا درس شروع فرمادیا تھا، مؤلف نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے:

---

(۱) یہی حضرت مولانا تھانوی کے ایک ملفوظ میں ہے:

"مولانا گنگوہی ایک مدت تک شائستہ خاں کے قلعہ میں [سہارنپور میں] تھے، شاید دس یا بیس روپے تنخواہ تھی۔ میں اب جو سہارنپور گیا تھا [لا ہوت] اسی کے موقع پر [تو وہ] حجرہ دیکھ کر آیا ہوں، جس میں مولانا کا قیام تھا۔ یہ لوگ مولانا کی بہت خاطر کرتے تھے"

تجلیل الکلام مجموعہ ملفوظات شامل الفصل للوصال ص ۳۹ شیخ اول لکھنؤ ۱۳۵۷ھ)

(۲) پہلے حج کی تفصیلات، منازل سفر اور حضرت کا حضرت مولانا گنگوہی نے اپنے متوسلین، حافظ اللہ دیا بیگ کاندھلوی اور مرزا الٰہی بخش کورگانی، دہلوی ثم کاندھلوی کے نام خطوط میں تذکرہ کیا ہے، یہ تفصیلات کہیں اور نہیں ملتیں۔ راقم سطور نے ان مکتوبات کو، اردو ترجمہ اور حواشی وغیرہ کے ساتھ مرتب کرکے تبرکات کے نام سے شائع کردیا تھا، جس کے تین ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں، فی الوقت کمیاب ہے۔

"وكان قبل سفر الحجاز في المرة الثالثة يقرئ في علوم عديدة من الفقه والاصول والكلام والحديث والتفسير، وبعد العود من الحجاز في المرة الآخرة أفرغ أوقاته لدرس الصحاح الستة، والتزم أن يدرسها في سنة واحدة، وكان يقرئ جامع الترمذي أولا، ويبذل جهده فيه في تحقيق المتن والإسناد، ودفع التعارض وترجيح أحد الجانبين، وتشييد المذهب الحنفي، ثم يقرئ الكتب لا اخر سنن ابي داؤد فصحيحي البخاري ومسلم فالنسائي وابن ماجة سردا، مع بحث قليل فيما يتعلق بالكتاب".(۱)

ترجمہ: حج کے تیسرے سفر سے پہلے مختلف علوم وفنون، فقہ، اصول، کلام، حدیث وتفسیر کا درس دیتے تھے مگر اس آخری حج کے بعد، اپنے تمام اوقات صحاح ستہ کے درس کے لئے فارغ کر لئے اور اس کا اہتمام کیا کہ ان سب کو ایک سال میں پڑھا دیں [اور اس میں ترتیب یہ تھی] سب سے پہلے سنن ترمذی پڑھاتے تھے اس کے متن اور سند کی تحقیق میں، روایات کے اختلافات کو دور کرنے اور ایک جانب کو ترجیح دینے اور مذہب حنفی کے ثابت کرنے میں، اعلیٰ درجہ کی کاوش فرماتے تھے، پھر اور کتابیں پڑھاتے تھے، خصوصا سنن ابوداؤد پھر صحیح البخاری اور صحیح مسلم۔ پھر نسائی پھر ابن ماجہ۔ روایت کے طور پر، جس میں صرف متن کتاب کے حوالہ سے قلیل گفتگو فرماتے تھے۔

درس وتعلیم کی ابتداء اور پہلے شاگرد اس دور کے طالب علم، اپنے زمانہ تعلیم وتدریس سے ہی اس کام میں لگ جانے کی کوشش کیا کرتے تھے، جس کے لئے وہ خود اساتذۂ کرام کی خدمات میں حاضر رہتے تھے، یہ درس وتعلیم اور دین وشریعت کے مختلف گوشوں کی، حسب لیاقت واستطاعت خدمت اور اس کے کارواں اور عمل کو آگے بڑھانے کی بات ہوتی تھی، حضرت مولانا گنگوہی نے بھی یہی کیا۔ حضرت مولانا، دہلی کے زمانہ تعلیم میں، اوسط اور درمیان درجہ کی کتابوں کی تعلیم اور اسباق کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، ایسے موقعوں پر طالب علموں کی تعداد محدود ہوتی ہے اور عموماً اپنے سے بڑے درجہ میں پڑھنے والوں سے، خاندانی عزیز اور بہت قریبی لوگوں کے بچے بھی پڑھتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی معمول اور روایت کے مطابق، حضرت مولانا کی طالب علمی کے دوران، جس طالب علم نے حضرت مولانا کے سامنے، پہلی مرتبہ تعلیم کے لئے کتاب کھولی، وہ مولانا ملا محمود دیوبندی تھے اور عجب حسن توارد ہے کہ مولانا ملا محمود [جو حضرت مولانا نانوتوی کے بھی شاگرد تھے] مدرسہ

---

(۱) نزهة الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی، رائے بریلوی ص:۱۳۹، ج:۸، دائرۃ المعارف حیدرآباد، ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۱ء

دیوبند [دارالعلوم] کے سب سے پہلے استاد و مدرس مقرر کیے گئے، ان کے بعد حضرت مولانا کے وہ ماموں زاد بھائیوں، مولوی ابوالقاسم، اور مولوی ابوالنصر گنگوہی کو نسبت تلمذ حاصل ہوئی۔ دونوں نے بعد میں مختلف علماء سے درجات علم کی تکمیل کی اور حضرت مولانا سے ہمیشہ رابطہ بنائے رکھا، خصوصاً مولانا ابوالنصر، ہمیشہ حضرت مولانا کے دست و بازو اور ہر اک معاملہ میں، حضرت مولانا کے رفیق و ہم قدم رہے۔

حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں، مولانا ملا محمود دیوبندی اور مولانا منور علی [نکوڑ ضلع سہارنپور] کی تعلیم کے لئے رسائی اور حضرت مولانا کا ان کو درس دینا، ایک گنج مخفی کی کلید اور ایک چشمہ علم و حکمت کی دریافت جیسا تھا۔ حضرت مولانا کے اس درس انفرادیت معنویت اور اہمیت، گلوں کی خوشبو کی طرح آہستہ آہستہ عام ہونی شروع ہوئی، یہاں تک کہ اس کا شہرہ اور غلغلہ، برصغیر [ہند، پاکستان، بنگلہ دیش] کی سرحدوں سے گذر کر، دور دراز ملکوں تک پہنچا، سینکڑوں باکمال افراد، جید علماء، قابل مدرسین اور برسہا برس سے خدمت و درس حدیث میں مشغول، اساتذہ اور فاضلان حدیث، حضرت مولانا کی خدمت میں آنے شروع ہو گئے اور اس درس کی معنویت، اس عہد میں بعض خصوصیات میں منفرد ہونے اور اس کے ذریعہ سے احادیث شریفہ کے مفاہیم و مطالب کی ایسی گرہ کشائی اور ان کے حقائق و مقاصد کا ایسا ادراک، جس کی کم سے کم اس دور میں کوئی مثال نہیں تھی، نیز مقاصد حدیث تک پہنچنے اور ان سے گراں بہا لعل و گہر تلاش کرنے اور ان کو اہل خرد، ارباب ذوق طلباء، اور عالمان حدیث تک پہنچا دینے کی، جو بات اور جو شان اس درس میں پائی جاتی تھی، بلاشبہ نہ صرف اس دور میں اس کی مثالیں معدوم تھیں، بلکہ اس سے پہلے زمانوں میں بھی ایسی دقت نظر، ایسی فہم اور بے نظیر عُمق کی دولت، گنتی کے چند اکابر محدثین کے حصہ میں آئی تھی۔ بلاشبہ حضرت مولانا کے قریبی دور اور خود حضرت مولانا کے حین حیات بھی، بڑے بڑے علماء، حدیث کے فاضل اور اصحاب درس و افادہ موجود تھے، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ نیز شاہ عبدالعزیز اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے علاوہ کون ہے، جس کو درایت و فہم حدیث میں، حضرت مولانا کے ہم پایہ کہا جا سکے؟

محدثانہ شان اور فقہائے محدثین میں عالی مرتبہ خدمت حدیث میں، حضرت مولانا کے مقام و مرتبہ بلکہ عالی فہم اور درایت حدیث میں انفرادیت کا، متعدد علمائے کرام اور اہل نظر نے، اپنے اپنے انداز سے تذکرہ کیا ہے، اس کے نادر عنوانات شمار کرائے ہیں اور اس کے محاسن واضح کیے ہیں۔ [ایک بڑے عالم، مصنف اور محدث [مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں:

"فکان المحدث فقیه هذه العصور الشیخ رشیداحمد الکنکوهی الانصاری رحمه الله، جمع مع العلوم الرائجة علوم ارباب القلوب ووهب نورا فی القلب یلمع به ما اظلم علی

الناس، فکان یأتی بتوجیهات فی المشکلات الفقه و معضلات الحدیث، ما خلت عنها الاسفار الضخمة والمجلدات الکبیر، وکان موفقا طیلة حیاته المبارکه لدرس الامّهات الست، طول النّهار غیر فترة قلیلة فی البین، وبقی نصف قرن یدرس الحدیث وکتب السنة، لایلحقه ملل ولا ضجر ولاسامة ولاتعب مع اشتغاله بتربیة النفوس وتربیة القُلوب بالاذکار والتوجه، فکان نفسه الزکیة تتجلی کل حین وهذا ماعدا افتاء فی النوازل والمسائل.(۱)

ترجمہ: پس فقیہ زمانہ حاضرہ، حضرت شیخ رشید احمد گنگوہیؒ انصاری رحمۃ اللہ علیہ، مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ اہل دل کے علوم کے بھی جامع تھے، انہوں نے دلوں کوایسا نور بخشا، جس سے لوگوں پر اندھیرا روشن ہوگیا۔ آپ فقہ اور حدیث کے مشکلات کی ایسی ایسی توجیہ فرماتے کہ جس سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی خالی ہیں، آپ اپنی ساری مبارک عمر میں، سارا سارا دن سوائے تھوڑے سے درمیانی وقفے کے، صحاح ستہ کی درس وتدریس کی توفیق سے سرفراز رہے، اور نصف صدی تک حدیث وکتب سنت کی اس طرح تدریس فرماتے رہے، کہ جس سے نہ آپ کبھی شکستہ خاطر ہوئے اور نہ کبھی تھکے، باوجود اس کے کہ آپ کو ذکر کے ذریعے نفوس کی تربیت وقلوب کے تصفیہ اور توجہ کے ساتھ مشغولی ہوتی تھی، پس آپ کا پاکیزہ نفس ہر وقت متجلی رہتا تھا اور یہ کام، حوادث مسائل میں افتاء کے علاوہ تھا، آپ جس طرح کہ ارشاد وتربیت نفوس اور صحاح ستہ کی درس وتدریس کے لئے مرجع خلائق تھے، اسی طرح آپ حوادث کے مشکل مسائل کے بھی مرجع خلائق تھے۔"

حضرت مولانا درس حدیث میں جن نکات وخصائص پر توجہ فرماتے اور جن مسائل ومشکلات کے حل کرنے کی کوشش فرماتے تھے، وہ خود حضرت مولانا کے الفاظ میں درس اور فہم حدیث کا اصل مقصود ہے۔ حضرت مولانا نے ایک مجلس میں اپنے طریقۂ درس کی وضاحت کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا:

[حدیث میں] اصل مقصود کی طرف توجہ رہی، اصل مقصود یہ ہے کہ اشکال حدیث کا حل کیا جائے، تعارض رفع کیا جائے، مسئلہ ثابت کیا جائے، تفقہ حاصل ہو، اسی کی طرف میرا خیال رہا۔ حنفی شافعی جو ہوں، اپنا مسئلہ ثابت کریں۔(۲)

(۱) مقدمه اللامع الدارمی علی جامع البخاری.

(۲) دہلی اور اس کے اطراف [سفرنامہ دہلی دیوبند وگنگوہ وغیرہ] از مولانا عبدالحی حسنی [مؤلف نزہۃ الخواطر] ص: ۱۲۹۔ ۱۳۰ [دہلی: ۱۹۵۸ء]

حضرت مولانا گنگوہی کے افادات حدیث اور تقاریر درس کو پڑھ کر، سمجھ کر، اور ان سے اخذ واقتباس کر کے، مولانا بنوری نے بھی یہی سمجھا تھا۔ مولانا بنوری نے ایک اور موقع پر لکھا ہے:

''حضرت شاہ ولی اللہ نے تفقہ فی الحدیث کا جو پودا لگایا تھا، حضرت گنگوہیؒ نے اسے تناور درخت بنا دیا، اسی طرح نور باطن اور تعلق مع اللہ سے حدیث سمجھنے کا سلسلہ، حضرت گنگوہی پر ختم ہوگیا۔ حضرت گنگوہی کو اللہ تعالیٰ نے فقاہت نفس سے سرفراز فرمایا تھا، مسلک حنفی کو ادلۂ حدیث سے ثابت کرنا اور جو حدیث بظاہر مخالف نظر آئے، اس کا جواب دینا، حضرت گنگوہی نے اس فریضہ کو کامیابی سے ادا کیا۔ اس کے علاوہ فقہاء حنفیہ متاخرین کی تفریعات جو حدیث کے خلاف تھیں، ان کی فقہ حنفی سے برأت کی، علاوہ ازیں فقہ میں توسع اور تضییق کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی۔ شراح حدیث ابن بطال، مہلب، ابن التین، ابن المنیر، قاضی عیاض، خطابی، ابن حجر، عینی رحمہم اللہ سے بہتر احادیث کی شرح کی۔

الکوکب الدری اور لامع الدراری میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، خصوصاً لامع میں حل تراجم کے سلسلے میں، حضرت گنگوہی کی ایسی توجیہات ہیں، کہ عقل حیران ہے، حافظ ابن حجر اور عینی رحمہم اللہ تعالیٰ کی توجیہات سے فائق ہیں۔(۱)

مولانا محمد یوسف بنوری نے، ایک سلسلۂ گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد حضرت گنگوہیؒ وہ واحد شخص ہیں، جنہوں نے محض اپنے نور قلب سے حدیث کی مشکلات حل کی ہیں اور کچھ تھوڑا سا حصہ حضرت شیخ الہندؒ کو بھی اس سے ملا۔(۲)

یہ کہنے اور لکھنے والے حضرات وہ ہیں، جو فن حدیث کے غواص، رمزشناس اور بڑے محقق ہیں اور جو بلا تأمل یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ:

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

اور اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ مولانا بنوری اور ان کے ہم نوا اصحاب کا یہ فرمانا، بلاشک وشبہ درست ہے، حضرت مولانا گنگوہی جیسی دقت نظر اور غواصی حدیث کی سعادت، اور بے نظیر نتائج ومباحث کا استخراج، کس کا حصہ ہے، یقیناً یقیناً لم یسبق مثلہ اس لئے حضرت مولانا کے حدیثی افادات وعلوم دیکھ کر، یہاں غالب کا دوسرا مصرعہ بھی بلاتأمل دہرایا جا سکتا ہے:

دیکھیں، اس سہرے سے کہدے، کوئی بہتر سہرا

---

(۱) بنوری نمبر، ص ۱۰۳، ماہنامہ بینات، کراچی: ۱۳۹۸ھ۔ ۱۹۷۸ء

(۲) بنوری نمبر، ص ۱۳۲، ماہنامہ بینات، کراچی: ۱۳۹۸ھ۔ ۱۹۷۸ء

صحیح بخاری، ترمذی وغیرہ کی درسی تقریریں حضرت مولانا کے دروس حدیث کی گراں قدر یادگار، حدیث شریف کی تقریریں اور افادات ہیں، جو حضرت مولانا کے متعدد شاگردوں نے، اپنے اپنے زمانہ تدریس وتعلیم میں محفوظ اور قلم بند کرلئے تھے۔

جس میں سب سے بڑا سرمایہ اور اہم ترین خدمت وہ ہے، جو مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور ان کے رفیق درس اور عزیز مولوی رضی الحسن کاندھلوی نے تحریر ومرتب کی تھی، شیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے، ان افادات یا تقریروں پر نہایت قیمتی فوائد واضافات اور مفصل حاشیوں کا اضافہ کرکے، ان کو اس شان سے شائع کیا، کہ ان میں سے ہر ایک مجموعہ، بڑی شروحات کا قائم مقام اور علم حدیث کے علماء کے لئے، بیش قیمت تحفہ ثابت ہوا۔ صحیح بخاری کے افادات اللامع الدراری کے نام سے سنن ترمذی کے الکوکب الدری کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں اور پوری علمی دنیا میں علمائے کرام اور حدیث شریف کے شائقین کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں اور اپنی بڑی جلدوں اور ضخامت کے باوجود، کثرت سے چھپتے رہتے ہیں۔

حدیث شریف کی شرح، اس کی تفہیم اور مذاہب فقہاء سے اس کی صحیح تطبیق، متعارض احادیث میں وجہ ترجیح اور بعض مطالب کی وضاحت میں، مولانا کی دقت نظر اور غیر معمولی دسترس کا تو حضرت کی درسی تقریروں کے مطالعہ سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے، خصوصاً حضرت مولانا احادیث شریفہ کی جو توجیہات کرتے ہیں اور بعض مطالب بیان فرماتے ہیں، وہ حضرت مولانا کا غیر معمولی امتیاز اور منفرد حصہ ہے، ان توجیہات وشروحات کی وجہ سے ہی، حضرت مولانا کو، امت کے اہم ترین محدثین اور شارحین حدیث میں شمار کیا گیا ہے۔

حضرت کے درسی حدیثی افادات وفرمودات، سب سے پہلے کس نے جمع کئے، راقم کو سراغ نہیں ملا لیکن جو قدیم ترین مجموعہ افادات معلوم ہے، وہ حضرت مولانا کے ایک شاگرد، مولانا اشرف الحق دہلوی کا مرتبہ ومکتوبہ تھا، جو ۳-۱۳۰۴ھ میں قلم بند کیا گیا تھا۔ ایسا ہی ایک اور مجموعہ جو صحیح بخاری، سنن ترمذی کے درسی افادات وتشریحات پر مشتمل ہے، مولانا فتح محمد تھانوی کا مرقومہ ومرتبہ ہے۔ ایک اور مجموعہ مولانا نور محمد پنجابی، نیز مولانا صادق الیقین کرسوی، اسی طرح مولانا مفتی عبد الکریم پنجابی کا بھی تھا۔ ایک مجموعۂ افادات مولانا ماجد علی جونپوری کا مکتوبہ ہے، نیز ایک مجموعہ مولانا حکیم رضی الحسن کاندھلوی کے قلم سے ہے، جو حضرت کے آخری درس حدیث میں شامل اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے عزیز وہم سبق تھے۔ جو تقریریں اور افادات مولانا ماجد علی جونپوری اور مولانا رضی الحسن نے محفوظ کئے تھے، وہی اسی حلقۂ درس میں، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے عربی میں ضبط کئے تھے۔ ان مجموعوں میں سے پہلا مجموعہ، مولانا عماد الدین انصاری شیرکوٹی کی کوشش اور اہتمام سے: نفح الشذی علی جامع الترمذی کے نام سے، مجبوب المطابع دہلی سے ۱۳۴۸ھ میں چھپا تھا۔

یہ مولانا نور محمد پنجابی کی ۱۳۰۹ھ میں لکھی ہوئی تقریر کی نقل تھی، جو مولانا فتح محمد تھانوی کے قلم کی یادگار تھی، ان کے نسخہ سے مولانا سید احمد فیض آبادی نے نقل کیا تھا، تاہم مولانا فتح محمد کی لکھی ہوئی مکمل تقریریں اور مولانا ماجد علی نیز مولانا رضی الحسن کے مکتوبہ افادات ہنوز عام دسترس سے دور اور منتظر اشاعت ہیں۔

حضرت مولانا گنگوہی کے حدیثی افادات اور دقت نظر کا، صحیح عرفان وفیضان اس وقت شروع ہوا، جب مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے فرزند وسعید رشید، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے، اپنے والد ماجد کے اس قیمتی ورثہ اور اندوختہ کو، اپنی فکر ومحنت اور توجہ کا موضوع بنایا، ایک ایک صفحہ اور سطر پر شایان شان محنت کی، اس کے ناقص کو مولانا رضی الحسن وغیرہ کی تقریروں سے مکمل کیا، اس کے نکات کی وضاحت فرمائی، اس کے خصائص پر مفصل روشنی ڈالی اور ان افادات کو سنن ترمذی اور صحیح بخاری کی شروحات کی صورت میں: الکوکب الدری علی جامع الترمذی اور اللامع الدراری علی صحیح البخاری کے نام سے شائع کر دیا، ان دونوں کی اشاعت کے بعد ہی، حدیث کے اکثر شائقین کو، حضرت مولانا گنگوہی کی محدثانہ جلالت شان، بے نظیر فہم حدیث اور حل مطالب کا علم ہوا۔ اس وقت سے اب تک ان سب کی اشاعت اور ان سے استفادہ کا سلسلہ روز افزوں ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی کا حلقۂ درس حدیث، اگرچہ طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے غیر معمولی وسیع نہیں تھا، ہر اک حلقۂ درس میں پچیس طلباء تو تقریباً ہمیشہ رہتے تھے، یہ تعداد کبھی کبھی بڑھ کر چالیس پینتالیس بھی ہو جاتی تھی، ان کے علاوہ ایسے اصحاب کی تعداد بہت تھی، جو خدمت میں حاضر ہوتے، چند دنوں قیام کرتے اور اوائل یا متون سنا کر، اجازت سے سرفراز ہو کر واپس ہو جاتے تھے۔ دونوں قسم کے فیض یافتگان میں سے بڑی اکثریت یا جماعت وہ تھی، جس نے درس حدیث اور فقہ حدیث کو، زندگی بھر کے لئے خدمت کا محور وموضوع قرار دے لیا تھا، اس وادی میں اپنے استاذ مکرم کے قدم بہ قدم رہنے کی ہمیشہ کوشش کی اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی عزت وسر بلندی عطا فرمائی، جس کے لئے حضرت مولانا کا نام زندہ ہے۔

وہی عزت وہی عظمت وہی شان دلاویزی

حضرت مولانا کے شاگردوں کی اس خوبی اور کمال کو، ان سب کے، ایک معاصر، مصنف اور مبصر نے، پوری زندگی دیکھا برتا تھا، اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں، اس کا یوں تذکرہ کیا ہے:

وقد رزقه الله من التلاميذ والخلفاء، مايندر وجود أمثالهم في هذا العصر، في الاستقامة على الدين، واتباع الشريعة الغراء، ونشر العلم النافع، وإحياء السنن وإصلاح المسلمين، ونفع بهم خلائق لاتحصى بحد وعد.(۱)

(۱) نزہۃ الخواطر ص ۱۵۱، ج ۸، ۱۴۰۲ھ ۱۹۸۱ء

اوران کو حق تعالی نے ایسے شاگرد عطا فرمائے کہ اس دور میں دین پر استقامت، روشن شریعت کے اتباع، علم نافع کی اشاعت سنتوں کے احیاء، اور مسلمانوں کی اصلاح میں ان کی مثال نہیں اوران کے شاگردوں سے اس قدر افراد نے فائدہ اٹھایا ہے، کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

حضرت مولانا کے درس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کرنے اوراس عالی قدر درس گاہ سے، مطالب ومعانی حدیث کا فیضان حاصل کرنے کے لئے، ہزاروں طلبہ حدیث اور دل دادگان حدیث کی طبیعتیں، بے تاب رہتی تھیں، حاضری کے لئے بے شمار دلوں میں آرزوئیں موجیں مارتی رہتی تھیں، مگر ہر اک کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا، کہ وہ اپنے حالات ومسائل کو ایک طرف رکھ کر، اپنے وسائل اور مالی گنجائش وضرورت کو یکسر نظر انداز کر کے، تعلیم اور خدمت دین کے لئے اپنے گھر اور علاقہ سے نکل سکے، پھر بھی بہت سے اصحاب توفیق، اہل علم وذوق، حضرت مولانا سے استفادہ اوراجازت حدیث کے لئے، گنگوہ حاضر ہوکر اور اپنا دامن مراد حدیث کے علم، فہم مقاصد اوراس پر عمل کے جذبہ سے پُر کرتے ہوئے، واپس ہوتے تھے۔

حضرت کے شاگرد اور مستفیدین کی تعداد، ایک اندازہ حضرت مولانا کی خدمت میں کس قدر طلبا حاضر ہوئے اور اطراف عالم کے کس قدر علمائے کرام اور حدیث کے اساتذہ اور فاضلین نے، اجازت حدیث حاصل کی، اس کی نہ کوئی فہرست موجود ہے، نہ ہی اس کا حتمی شمار ممکن ہے، صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت کے شاگردوں اور مجازین ومستفیدین حدیث کی تعداد، یقیناً ہزاروں میں ہوگی، اس وسعت استفادہ اور کثرت تلامذہ کا، خود حضرت مولانا کی ایک تحریر سے صاف اندازہ ہورہا ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے پیر ومرشد، حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کے نام ایک خط [مکتوبہ ۱۳۰۶ھ] میں لکھا ہے:

"حضرت مرشدمن! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً سات سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا ہے، اس سال (۱۳۰۰ھ) سے اب تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی، سند حدیث حاصل کر کے گئے اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں، اگر قبول ہوجاوے۔"(۱)

اس گرامی نامہ میں ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۰۶ھ تک چھے سال کے درمیان کے، تلامذہ اور اجازت حدیث سے مستفید اصحاب کی تعداد کا تذکرہ آیا ہے۔ ۱۳۰۶ھ سے ۱۳۱۴ھ تک جو حضرت مولانا کے درس حدیث کا آخری سن ہے اوراس وقت سے حضرت کے زمانہ وفات ۱۳۲۳ھ تک، کس قدر علماء، اور اجازت حدیث کے طالب، حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر اور اجازت

---

(۱) مکاتیب رشیدیہ، مرتبہ مولانا عاشق الہی میرٹھی، ص: ۱۰ طبع اول۔ عزیز المطابع۔ میرٹھ بلا سنہ۔

وسند حدیث سے مشرف ہوئے ہوں گے، ان کا واضح تذکرہ بلکہ شمار بھی نہیں ملتا، مگر یہ تعداد کسی طرح بھی سوا دو، ڈھائی ہزار سے کم نہیں ہوگی اور یہ بجز نوشان حدیث نبوی ہوتے، جنھوں نے یہاں سے جانے کے بعد خود کو اسی نظام سے، اسی تعلیم سے، اسی پر عمل سے اور اسی کی تربیت سے وابستہ کیا۔ یوں یہ سلسلہ درس وافادہ جو حضرت مولانا کی ذات گرامی سے ایک دو طالب علموں کی صورت میں شروع ہوا تھا، دریائے بے پایاں کی صورت میں جاری ہوا، جس کا اثر اور بڑا اور بہت بڑا فیضان، اس طرح عام ہوا، کہ اس وقت شاید دنیا کے کم سے کم آدھے حصہ میں، اس سے فیضیاب افراد موجود ہیں اور یہ سلسلہ دم بدم آگے بڑھ رہا ہے۔ اللھم زد فزد۔

فقہ میں عالی مرتبہ اور شان تفقہ حضرت مولانا کی ذات گرامی علم وفیضان کے جو چشمے جاری ہوئے، ان میں حدیث نبوی شریف کے بعد، سب سے بڑا اور اہم ترین عنوان، فقہ وشریعت کی اس عہد میں گویا عدیم النظیر واقفیت، اس کے اسرار ومقاصد کی گرہ کشائی، مسائل فقہ کی غیر معمولی تحقیق، جو مسائل حدیث سے ثابت ہیں ان کے دلائل پر پوری نظر اور جو حدیث صحیح کے خلاف ہیں، ان کی واضح نشاندہی۔ فقہ ائمہ اربعہ کے مآخذ ومنابع کی گہری بصیرت اور ان کی قوت وکمزوری کا مبصرانہ علم، سب سے بڑی بات جو حضرت مولانا کو اس دور اور بعد کے تمام اہل فقہ ممتاز کرتے ہوئے، اکابر فقہا اور متقدمین کی صف میں شامل کرتی ہے، وہ فقہائے احناف کے دلائل سے، کامل فنی گہری واقفیت کے ساتھ، اختلاف واتفاق ہے۔

حضرت مولانا کلیدی مسائل میں، کسی بھی مسئلہ کو صرف اس لئے قبول نہیں کرتے اور ترجیح نہیں دیتے، کہ وہ ہمارے علماء اور اہل فتویٰ کی رائے یا تحقیق ہے، بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس رائے کے پیچھے دلائل ومآخذ کا جو سرمایہ ہے، وہ کیسا ہے، کیا اس میں واقعۃً حقیقی استدلال کی شان، منبع ومآخذ بننے کی صلاحیت اور اس کی مدد سے اصول وکلیات وضع کرنے کی بات پائی جاتی ہے، یا نہیں، اگر یہ تمام دلائل اور نتائج تحقیق اس نظریہ کی تائید میں ہوتے ہیں، تو حضرت مولانا اس کی تائید فرماتے ہیں اور اس کو اہل فقہا اور ارباب تصنیف کی طرح، اپنے اصول ومنابع میں شامل رکھتے ہیں اور اگر معاملہ اس کے خلاف ہے، کہ ان اصول ومسائل کے دلائل، تحقیق کی ترازو اور کسوٹی پر پورے نہیں اترتے، تو ان سے اسی قدر صاف اختلاف بھی فرماتے ہیں۔ یعنی اس سلسلہ میں حضرت کا ذوق علم اور بصیرت وکمال صاف یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ:

جہاں بنی میری فطرت ہے، لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

بعد میں اہل نظر نے اس کی تصدیق کی، کہ حضرت مولانا کا کسی سے بھی اتفاق واختلاف، بلاوجہ اور صرف اختلاف واتفاق کے لئے، کبھی نہیں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا ہر اک مسئلہ اور بحث کے لئے، حدیث شریف کے کامل سرمایہ، اصول وکلام

کے جملہ مباحث، فقہائے اربعہ کے جملہ دلائل اور فقہ حنفیہ کے ائمہ کی تحریرات وکتب پر وسیع نگاہ رکھتے تھے، ہر چند کہ حضرت مولانا نہایت جامع، نہایت مختصر بات فرماتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا کہ دلائل اور وجوہات کا تذکرہ فرماتے ہوں اور فقہاء اور مآخذ کی عبارتیں نقل فرماتے ہوں، مگر جاننے والے جان لیتے ہیں کہ یہ جو کچھ فرمایا جارہا ہے اس کے لئے نہایت مستحکم بنیادیں موجود ہیں۔

حضرت مولانا کی اسی گہرائی فکر، دقتِ نظر اور اندرون بینی کی وجہ سے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری جیسے، علامۂ زماں اور بحر علوم نے [قادیانیوں سے متعلق مقدمہ میں] بہاولپور کی عدالت میں فرمایا تھا:

"ویسے ہمارے نزدیک حضرت شاہ عبدالعزیز، علامہ شامی سے فقیہ ہیں اور حضرت گنگوہی کو بھی ہم نے، شامی سے فقیہ النفس (۱) پایا" (۲)

یہی بات حضرت علامہ نے حضرت مولانا گنگوہی پر اپنے قصیدہ میں فرمائی تھی، کہتے ہیں:

لقد فرع الورى عملاً وعلماً	مكارم ساعدت كرم النجار
إمام قدوة عدل أمين	ونور مستبين كالنهار
فقيه حافظ علم شهير	كصبح مستنير هدى سار
إليه المنتهى حفظاً وفقهاً	وأضحى في الرواية كالمدار
ففي التحديث رحلة كل راوٍ	وفي الأخبار عمدة كل قاري
فقيه النفس مجتهد مطاع	وكوثر علمه بالخير جاري
وأحي سنة كانت أميتت	وإذ وضح النهار فلاتمار (۳)

(۱) انوار انوری (مجموعہ افادات ملفوظات علامہ انور شاہ کشمیریؒ) تالیف مولانا محمد انوری ص: ۵۰، (لائل پور، ۱۳۷۸ھ)

(۲) فقیہ النفس فقہاء کی ایک اصطلاح ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقہ میں کثرتِ ممارست کے بعد، ایک ایسا ذوقِ سلیم عطا فرمایا ہو، جس کی روشنی میں وہ کتابوں کی مراجعت کے بغیر بھی صحیح نتیجے تک پہنچ سکتا ہو۔۔۔ "میرے والد میرے شیخ" تالیف: مولانا تقی عثمانی صاحب ص: ۵۸ (دہلی: ۱۹۹۵ء)

اس کے بعد مولانا تقی عثمانی جیسے بڑے فقیہ اور جلیل القدر عالم نے، یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"مجھ جیسے بے علم وعمل شخص کا یہ منصب نہیں ہے کہ، کسی کے بارے میں فقیہ النفس ہونے کا فیصلہ کرے، کیونکہ فقیہ النفس کی پہچان بھی انہیں لوگوں کا حصہ ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تبحر علمی سے نوازا ہو۔ چنانچہ اس پہچان کے لئے، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری جیسے انسان کی ضرورت ہے۔" (میرے والد میرے شیخ ص: ۵۸)

مگر آج کل اور اسلامی اصطلاحات وخطابات کی طرح، لفظ فقیہ النفس کی حرمت بھی پامال ہورہی ہے۔ ہندو پاکستان میں غالی معتقدین، جس میں شاید بعض کو اس کے معنی بھی معلوم نہ ہوں گے، اپنے ممدوحین کے لئے، اس کا بار بار اور کثرت سے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳) نفحة العنبر في حيات امام العصر الشيخ انور تالیف: مولانا محمد یوسف بنوری، ص: ۱۸۳ (کراچی: ۱۳۸۹ھ)

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرت سے زیادہ، ائمہ اربعہ کے مذہب کا ماہر، میں نے نہیں دیکھا'' (۱)

حضرت علامہ کے ایک ممتاز شاگرد، مولانا محمد یوسف بنوری نے، حضرت گنگوہی کے فقہی مرتبہ اور کمال نظر کے متعلق حضرت علامہ کے اشعار کی، گویا وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت گنگوہی کو اللہ تعالیٰ نے فقاہت نفس سے سرفراز فرمایا تھا، مسلک حنفی کو ادلۂ حدیث سے ثابت کرنا اور جو حدیث بظاہر مخالف نظر آئے، اس کا جواب دینا، حضرت گنگوہی نے اس فریضہ کو کامیابی سے ادا کیا اس کے علاوہ فقہاء حنفیہ متاخرین کی، جو تفریعات حدیث کے خلاف تھیں، ان کی فقہ حنفی سے برأت کی، علاوہ ازیں فقہ میں توسع اور تضییق کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی'' (۲)

حضرت مولانا کا یہ فضل وکمال، مجتہدانہ رویہ اور فقہ میں نرالی شان، حضرت مولانا کے فتاویٰ سے چھلکی پڑ رہی ہے، ہر اک اہم فتویٰ حضرت مولانا کی وسعت نظر، جامعیت اور گہری بصیرت اور منفرد کیفیت کا ترجمان ہے، جس کا حضرت مولانا کے فقہ وفتاویٰ پر رسائل ومؤلفات، معروف ومطبوعہ فتاویٰ رشیدیہ سے علم اور اندازہ ہوتا ہے۔ زیر نظر تازہ مجموعہ فتاویٰ، باقیات فتاویٰ رشیدیہ سے بطور خاص حضرت کے فقہی مقام ومرتبہ کا ترجمان و گواہ ہوگا، اور اس کے ذریعہ سے، حضرت مولانا کے اس مجتہدانہ فقہی مقام اور فقاہت نفس کا اور زیادہ گہرا زیادہ وسیع مشاہدہ وتجربہ ہوگا، جس کی جانب حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے اشارہ فرمایا ہے۔

ذوق سلوک ومعرفت حضرت مولانا کا جس بستی اور جس خانوادہ سے وطنی اور نسبتی تعلق تھا، اس میں علم کے ساتھ روحانیت اور تعلق مع اللہ کی چاشنی ہمیشہ شامل رہی۔ بڑے اہل اللہ مشائخ اور ارباب طریقت سے وابستگی اور ان کے دامن تربیت میں سفر سلوک، ایک قدیم معمول تھا۔ حضرت مولانا کے والد بھی اپنے وقت کے ایک بلند پایہ شیخ، مولانا شاہ غلام علی نقشبندی سے بیعت تھے، یہ اثرات اور نسبت حضرت مولانا میں بھی منتقل ہوئے۔ حضرت مولانا کا دینداری اور خدا ترسی کا طبعی مزاج تھا، جس پر تصوف ومعرفت کی بعض تصانیف، خصوصاً مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی کی مشہور تالیف: گلزار ابراہیم بہت اثر انداز ہوئی۔ حضرت مولانا کو نوعمری سے مثنوی گلزار ابراہیم سے مناسبت تھی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی اطلاع ہے کہ:

---

(۱) الانور [مجموعہ براحوال حضرت علامہ انور شاہ کشمیری] مرتبہ عبدالرحمٰن کوندو۔ ص: ۱۸۳ [ندوۃ المصنفین دہلی: بلا سنہ]

(۲) بنوری نمبر، ص: ۱۰۴ [ماہنامہ بینات کراچی: ۱۳۹۸ھ۔ ۱۹۷۸ء]

خوش الحانی کی وجہ سے آپ کے رفقاء واحباب کی آپ سے فرمائشیں ہوا کرتی تھیں کچھ پڑھ کر سنادو، مگر آپ اکثر گریز فرماتے تھے، ہاں! جب اصرار زیادہ ہوتا، تو کوئی نظم خصوصاً [قصہ] ابراہیم بن ادہم، خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔(۱)

شاہ سلیمان تونسوی یا شاہ عبدالغنی مجددی سے بیعت کا خیال حضرت مولانا نے گنگوہ میں بھی ارباب مشائخ وطریقت کو خوب دیکھا، برتا تھا، اور دہلی تو رشک بغداد بنا ہوا تھا، یہاں بڑے بڑے ارباب سلوک تشریف فرما تھے، اور تعلق مع اللہ کی دولت عام فرما رہے تھے، حضرت مولانا کے ایک بڑے استاذ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی بھی سلسلہ نقشبندیہ کے مرشد اور رہنمائے کامل تھے۔ حضرت مولانا مملوک العلی کے بھی، دہلی کے مشائخ طریقت سے قریبی مراسم تھے، اور ان کے وطن اور نواح کے اہل ارشاد وتربیت بھی، مولانا مملوک العلی سے رابطہ وملاقات رکھتے تھے، جس میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بطور خاص شامل تھے، حضرت حاجی صاحب سے، حضرت مولانا کی بھی ملاقات وارادت تھی مگر دل کے معاملات نرالے ہوتے ہیں، حضرت مولانا گنگوہی کا زمانہ طالب علمی سے، حضرت شاہ عبدالغنی یا ہندوستان کے ایک مشہور وممتاز مرشد، مولانا شاہ سلیمان تونسوی سے بیعت ہونے کا خیال تھا، لیکن طبعی تقاضہ کے باوجود، شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا، کہ تعلیم مکمل ہوجانے کی وجہ سے، دہلی سے وطن واپسی ہوگئی اور ہر چند کہ حضرت حاجی امداد اللہ سے گہری واقفیت تھی مگر حاجی صاحب سے بیعت ہونے کا خیال تک نہیں تھا، بیعت کے لئے شاہ سلیمان صاحب تونسوی، اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی کی جانب نگاہ جاتی تھی، لیکن جس کے نصیب میں جہاں سے دولت ونعمت مقدر ہوتی ہے، وہیں سے پہنچ جاتی ہے۔

تھانہ بھون کا ایک غیر متوقع سفر اور حضرت حاجی صاحب سے اچانک بیعت حضرت مولانا، کسی عزیز کے نکاح کی تقریب میں شریک ہونے کے لئے، گنگوہ سے رامپور آئے تھے، ان دنوں حضرت مولانا کی، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی سے کسی علمی مسئلہ پر مراسلت ہورہی تھی، حضرت مولانا کی رائے یہ ہوئی کہ تحریر ومکاتبت سے اس مسئلہ کا طے ہوجانا، مشکل معلوم ہوتا ہے، اس لئے تھانہ بھون کا سفر کرکے، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی سے زبانی گفتگو کرلی جائے، اس میں بحث کے تمام پہلو واضح اور منقح ہوجائیں گے اور فریقین کسی بہتر رائے اور قول فیصل تک پہنچ سکیں گے۔ اس خیال کی وجہ سے رام پور منیہاران سے تھانہ بھون آئے، یہاں اول حضرت حاجی امداد اللہ کی خدمت میں پہنچے، حضرت حاجی صاحب سے رامپور کے رشتہ سے کچھ قرابت بھی تھی اور حضرت مولانا مملوک العلی کے ذریعہ سے تعارف اور عقیدت بھی، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کیسے آنا ہوا، اور جب حضرت مولانا شیخ محمد سے گفتگو کے ارادہ کا علم ہوا، تو اس سے منع فرمادیا، حضرت

(۱) تذکرۃ الرشید ص: ۲۶، حصہ اول۔ طبع اول اور اس کے عکس [Re print]

مولانا گنگوہی نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسی دوران حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہونے کا تقاضہ ہوا، اس سے پہلے حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہو چکے تھے (۱) حضرت حاجی صاحب نے اول اول انکار کیا، پھر بیعت کر لیا، حضرت مولانا، اگر چہ اس خیال سے نہیں آئے تھے مگر حضرت حاجی صاحب کی ہدایت پر قیام کا ارادہ کر لیا، چالیس دن تک، حضرت حاجی امداد اللہ کی صحبت وتعلیمات سے بہرہ ور اور مالا مال رہے، چالیسویں دن حضرت حاجی صاحب نے اجازت وخلافت سے نواز کر، وطن واپس فرما دیا۔

مولانا شیخ محمد صاحب سے اختلاف اور مناظرہ کی روایت پر ایک نظر حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت کے تذکرہ میں، حضرت مولانا گنگوہی مولانا شیخ محمد تھانوی سے اختلاف اور ملاقات وگفتگو کا عموماً تذکرہ آتا ہے، یہ بات مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے جذباتی انداز میں کچھ اس طرح لکھی ہے، جس سے مولانا شیخ محمد کی تنقیص ہوتی ہے اور حضرت مولانا گنگوہی سے بھی بدگمانی ہو سکتی ہے، اس واقعہ کی صحیح حقیقت حضرت مولانا تھانوی کی ایک روایت اور مولانا شیخ محمد تھانوی کی کتاب پر حضرت مولانا کی تقریظ سے صاف معلوم ہو رہی ہے۔ حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا:

"مولانا گنگوہی جب اول بار حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون آئے تھے، اس وقت مولانا شیخ محمد صاحب سے ایک مسئلہ میں اختلاف تھا، خط وکتابت کیا کرتے تھے، خیال ہوا کہ خط وکتابت سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا، زبانی گفتگو کریں گے۔ (۲)

مگر جس طرح مولانا عاشق الٰہی نے اس کا ذکر کیا ہے، وہ قابل قبول معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ مولانا شیخ محمد صاحب حضرت شاہ محمد اسحاق کے ابتدائی عہد درس کے مشہور شاگرد، نامور عالم اور محدث تھے، حضرت مولانا مملوک العلی اور حضرت مولانا گنگوہی کے استاذوں کے ہم عصر اور علمی دنیا میں بھی خاصے معروف تھے، حضرت مولانا گنگوہی نے ان تمام حیثیتوں اور اس تفاوت علم وعمر کا خیال نہ رکھا ہو اور حضرت مولانا سے مناظرہ کرنے کے لئے آگئے ہوں، حال آں کہ حضرت مولانا، مولانا شیخ محمد صاحب کو استاذی وملجائی سے یاد کیا کرتے تھے۔ مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی ایک تالیف: "**دلائل الاذکار فی اثبات الجهر والاسرار**" پر حضرت مولانا گنگوہی کی ایک تائید وتقریظ ہے، اس میں مولانا شیخ محمد کا بلند الفاظ وکلمات سے نام لیا ہے۔ لکھا ہے:

"مجمع علوم نقلی وعقلی، منبع برکات علوی وسفلی، استاذی وملجائی وملاذی، ملک العلماء، رئیس الفضلاء، تاج الاتقیاء شیخ مشائخ العرفاء، جناب مولانا شیخ محمد تھانوی"

---

(۱) تذکرۃ الرشید ص [عکس طبع اول، سہارنپور، ۱۹۷۷ء] جمیل الکلام مجموعہ ملفوظات حضرت مولانا تھانوی مرتبہ مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی [مشمولہ الفصل للوصل] ص ۷۰، طبع اول مقبول المطابع بارہ بنکی۔

(۲) جمیل الکلام مجموعہ ملفوظات [حضرت مولانا تھانوی] مرتبہ مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، ص ۷۰ [مشمولہ الفصل للوصل طبع اول، ہردوئی]

اس مختصر تحریر کے آخر میں، حضرت مولانا نے، مولانا شیخ محمد کے لئے ایک مرتبہ اور، استاذی کا لاحقہ استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"نزد فقیر حق ہمیں است کہ حضرت اوستاذ، مصنف رسالہ ہذا تحریر فرمودہ دام ظلہ العالی" (۱)

جس شخص کو حضرت مولانا گنگوہی ایسا عالی مرتبہ تسلیم فرمارہے ہوں، استاذی و ملجائی سے یاد کرتے ہوں، ایک تحریر میں، دو، دو جگہ استاذی لکھ رہے ہوں، انہی سے مناظرہ کرنے آئے ہوں اور ان پر گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں، کا فقرہ یا پھبتی کسی ہو، طبیعت قبول نہیں کرتی۔

حضرت مولانا سے پہلی بیعت اور افادہ کا سلسلہ دراز حضرت حاجی صاحب سے اجازت وخلافت کے بعد، حضرت مولانا جب وطن پہنچے، اسی وقت سے بغیر اطلاع اور خبر کے، حضرت مولانا کی جانب راہ خدا کے مسافروں کا رجوع شروع ہوگیا تھا۔ سب سے پہلے ایک خاتون، اپنے ذوق وشوق سے، حضرت حاجی امداداللہ کی فرمائش پر، حاجی صاحب کی موجودگی میں بیعت ہوئیں، اس کے بعد اس سلسلہ میں ہر دن اضافہ ہوتا رہا، ہزاروں افراد نے حضرت مولانا سے اسباق سلوک حاصل کئے، اور ایک بڑی تعداد [تقریباً ستر پچتر یا زیادہ اصحاب کو، اجازت وخلافت سے نوازا گیا، جس میں سے چند کے علاوہ، تقریباً سب نے ہی اس عہد کو وفا کیا، جوانہوں نے حضرت مولانا سے کیا تھا اور اسی طریقہ پر قائم واستوار رہے، جس کی حضرت مولانا نے رہبری فرمائی تھی، اسی راستہ پر چلے، آگے بڑھے بڑھتے چلے گئے۔

برسبیل تذکرہ مگر افسوس کہ آج وہ طریقہ جو تصوف کی اصل روح، اصل جان اور درحقیت جو ہر شریعت وسنت ہے، گویا ہمارے یہاں سے فراموش ہوگیا ہے اور ہر شخص نے جس کو سلوک ومعرفت کی خبر ہونہ ہو، اس راہ سے گزر اہو نہ گزراہو، دین وشریعت اور سلوک وتصوف کے باہمی گہرے اور لاینفک رشتہ سے واقف ہو، یا نہ ہو، پیری مریدی کا کام [بلکہ مجھے معاف فرمایا جائے، دھندہ] اور کاروبار شروع کردیا ہے، ہر شخص بزعم خود مرشد بنا ہوا ہے اور کسی نہ کسی کے حوالہ سے، کسی نہ کسی تدبیر سے، دوسروں کو اپنے دام فریب میں پھنسالینا اور اس کے ذریعہ اپنی دنیاوی ضرورت پوری کرنا اور حطام دنیا حاصل کرنا، اپنا مقصد بنالیا ہے۔ ایسے میں سخت ضرورت ہے کہ اس طریقہ کی ایک مرتبہ پھر، پوری قوت سے، پوری شدت سے، پورے زور سے آواز لگائی جائے اور کہا جائے کہ تصوف کا صرف وہی راستہ قابل قبول اور دین وشریعت کا راستہ ہے، جس کی کڑیاں ما انا علیہ و اصحابی سے جڑی ہوں، جس کے سلف صالحین داعی ومبلغ رہے اور جس میں خارجی اثرات اور غیر اسلامی تصورات اور بدعات ورسومات کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں، اگر اس کے علاوہ کچھ ہے

(۱) دلائل الاذکار فی اثبات الجھر والاسرار، ص: ۹۸ [فخر المطابع دھلی: ۱۲۷۰ھ-۱۸۵۳ء]

اور کوئی شخص، اس طریقہ کی صحیح کامل واقفیت، تربیت اور مسافرت کے بغیر، اس سفر کو طے کر رہا ہے، اس کام میں لگ گیا ہے اور اس کے ذریعہ دوسروں کو پھنسا لینے اور اپنا ہم نوا اور مرید بنالینے کی کوشش کر رہا ہے، تو اس کا راستہ نہ شریعت کا ہے، نہ دین کا، نہ تصوف کا اور اس سے صاف کہدینا چاہئے کہ:

کیں راہ کہ میروی بترکستان است

بہر حال حضرت مولانا گنگوہی نے، سلوک کی تعلیمات اور تربیت میں، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی مطابقت کو پسند کیا۔ اپنے لئے بھی اتباع سنت کی راہ اختیار فرمائی اور اپنے زیر تربیت مریدین و متوسلین کو بھی، اسی راستہ سے حق آشنا کیا، اگر چہ حضرت مولانا کو چشتی تعلیمات میں گہری بصیرت، بلکہ کہنا چاہئے مقام امامت و اجتہاد حاصل تھا اور حضرت مولانا اس میں، حضرت حاجی امداد اللہ کے علاوہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بھی ایک ذاتی نسبت، ان کی فکر میں گہری بصیرت، وسیع فنی علمی تاریخی نگاہ رکھتے تھے مگر حضرت مولانا ان منابع سے اخذ و استفادہ اور ان سے اثر پذیری کے باوجود، اپنے متوسلین کے لئے وہ راہ اختیار کی، جس میں صبغۃ اللہ کی گہری آمیزش اور اتباع سنت کی، اعلیٰ درجہ کی تراوش ہے۔

رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

حضرت مولانا کا ایک اہم خواب اور حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے اس کی تعبیر یہ حضرت مولانا کا طبعی مزاج اور وہ خلقی تاثر تھا، جس کا ایک خواب میں بھی اول دور میں ہی، مشاہدہ کرادیا گیا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی نے، اپنے پہلے سفر حج کے دوران، مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا تھا، کہ:

"[حضرت مولانا کی] چاروں انگلیوں سے خون جاری ہے، دو سے بکثرت تیسری سے کم، چوتھی سے کچھ اور کم"

حضرت مولانا نے یہ خواب حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے عرض کیا [جو اس وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھے] اور اس کی تعبیر چاہی، حضرت مولانا مظفر حسین نے فرمایا:

"تمہاری چاروں نسبتیں جاری ہوں گی، دو کا جریان بہت زیادہ ہوگا"

حضرت مولانا اس خواب کو نقل کرنے کے بعد، [آخر عمر میں] فرمایا کرتے تھے:

"اس وقت سے اب تک منتظر ہوں، مولوی مظفر حسین صاحب زندہ ہوتے تو کہتا، کہ آپ ہی نے تعبیر فرمائی تھی، لیجئے اب کچھ کیجئے" (۱)

حضرت مولانا گنگوہی کا سلوک و معرفت کا فیضان، اہل طلب اور اہل ذوق کی روحانی تربیت اور ان کو منزل تک پہنچانے کی تمام تر کاوشیں اور پوری تاریخ، اسی خواب کی تعبیر ہے۔

(۱) تذکرۃ الرشید ص ۲۰۶، جلد اول، نیز اختر بہشت چاند پوری ص ۴۷

سلوک وتربیت میں طریقہ نقشبندیہ مجددیہ، خصوصاً حضرت سید آدم بنوری کی تعلیمات کو، پسند کرتے تھے

حضرت مولانا نے اپنے متوسلین کی تعلیم اور تربیت باطن میں، سلسلہ نقشبندیہ، خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی کے طریقہ تربیت اور راہ شریعت وسنت کو، سب سے بڑا رہنما اور اصل قرار دیا اور آخر تک تقریباً تمام ہی متوسلین کو اسی راستہ سے لیکر چلے اور راہ حقیقت سے آشنا کرایا۔

حضرت مولانا کی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے انسیت اور اس کو اپنے عمل میں زندہ رکھنے کا، کئی موقعوں پر تذکرہ ہوا ہے، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی کی اس تحریر میں بھی، جو حضرت کے طریقہ تعلیم سلوک، پر تذکرۃ الرشید میں شامل ہے، اس کا اشارہ کیا گیا ہے (۱) اور حضرت کے ایک گم نام خلیفہ، متوسل اور سوانح نگار، مولوی اللہ بخش قابل بجنوری (۲) کی معلومات اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ:

"اگر چہ مولانا کو حاجی صاحب کی وجہ سے چاروں سلسلوں سے اجازت تھی مگر نسبت وتوجہ باطنی غالباً زیادہ نقشبندی ہی تھی" (۳)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے بھی، حضرت کے اس ذوق اور معمول کا صاف تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کو، حضرت سید آدم بنوری سے، بہت زیادہ مناسبت تھی اور سلوک میں انہی کے طریقہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے، اگر چہ مبتدی کے لئے چشتیہ کے اذکار واعمال کو، زیادہ تر مفید فرماتے تھے مگر انتہا میں حضرت سید صاحب ہی کا طریقہ ان کا پسندیدہ تھا" (۴)

---

(۱) تذکرۃ الرشید ص: ۲۵، جلد دوم

(۲) مولوی مظہر الحق اللہ بخش قابل چاند پوری کا آئندہ صفحات میں بھی حوالہ آئے گا، اس لئے یہاں ان کا کچھ تعارف ضروری ہے۔ مولوی مظہر الحق اللہ بخش چاند پور ضلع بجنور کے ایک علمی گھرانہ کے فرد تھے، ان کے نانا، مولوی قادر بخش چاند پوری حضرت شاہ غلام علی کے مجاز بیعت تھے، [ص ۸۳] اس گھرانہ میں اور بھی اہل علم اور اصحاب سلوک تھے، مولوی مظہر الحق کا خاصا وقت درس وتعلیم میں گزرا، محرم ۱۳۱۲ھ میں حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت ہوئے، حضرت کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہوتے رہے اور مہینوں قیام کرتے تھے، بالآخر حضرت نے اجازت وخلافت سے نوازا، حضرت کی وفات کے بعد، چاند پور سے ترک وطن کر کے میرٹھ آگئے تھے، وہیں رہے، یہیں وفات پائی۔ لکھنے پڑھنے کا ذوق رکھتے تھے، کئی مطبوعہ تالیفات ہیں، جس میں سے اختر بہشت [عقائد فقہی مسائل اور اختلافی مباحث پر ہے] اس کے کل چار حصے ہیں جس میں سے تین وچار میرے پاس ہیں، چوتھا حصہ حضرت مولانا گنگوہی [ص ۳۳ تا ص ۹۲، کے احوال وتذکرہ پر مشتمل ہے] [مطبوعہ میرٹھ ۱۳۲۸ھ۔ ۱۹۰۸ء]۔

بڑی بات یہ ہے کہ مولوی مظہر الحق صاحب، جیسا کہ ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا سے، حضرت کے ذاتی احوال دریافت کرتے رہتے تھے، اور ان کی یادداشت محفوظ رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی بعض اطلاعات خصوصاً ۱۸۵۷ء سے اختلاف کیا ہے، مولوی مظہر الحق کی کئی تحریریں اور خطوط میری نظر سے گذرے ہیں، ان میں ایک بہت اہم اطلاع یہ تھی کہ مولوی صاحب نے اپنی مسموعات ومعلومات کی روشنی میں، حضرت مولانا گنگوہی کی مفصل سوانح، چار جلدوں میں لکھی تھی، جس کا مسودہ چوری ہو گیا تھا۔ پھر اس کا پتہ نہیں چلا، کاش یہ ملتی تو شاید حضرت کی معتبر سوانح کی ضرورت پوری ہو جاتی۔

(۳) اختر بہشت ص: ۸۵ (۴) مکتوبہ شعبان ۱۳۵۹ھ بنام مولانا محمد یوسف بنوری۔ مولانا بنوری نمبر ص: ۸۹، ماہنامہ بینات [کراچی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء]

حضرت مولانا کا مقام و مرتبہ پیر و مرشد کی نگاہ میں حضرت حاجی صاحب کے رفقاء میں اوروں کا کیا تذکرہ، خود حضرت حاجی صاحب، حضرت مولانا کو اپنے تمام خلفاء پر ترجیح دیتے تھے، بلکہ یہاں تک فرماتے تھے کہ:

''اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ [میں] مولوی رشید احمد کو اپنے پیر کی جگہ جانتا ہوں''(۱)

حضرت حاجی صاحب کی حیات میں ہی، حضرت مولانا کے بڑے اور ممتاز خلفاء، حضرت مولانا کو، حضرت حاجی صاحب کا قائم مقام اور اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے اور حضرت کے ساتھ وہی معاملہ کرتے تھے، جوان کا حضرت حاجی صاحب کے ساتھ تھا۔ مثلاً حضرت حاجی صاحب کے ممتاز اور محبوب خلفاء میں سے، مولانا محمد یعقوب، حضرت مولانا گنگوہی کو بجائے مرشد سمجھتے تھے''(۲) حضرت حاجی صاحب کے اور بھی متعدد خلفاء کی تحریروں اور خطوط میں، اس طرح کی تصریحات اور اعتراف موجود ہے۔

حضرت حاجی صاحب اپنے خلفاء اور متعلقین میں حضرت مولانا پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے، حضرت مولانا سے کوئی خدمت بھی نہیں لیتے تھے، کبھی پیر بھی نہیں دبواتے تھے، حال آں کہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے کبھی کبھی پیر دبوا لیتے تھے مگر حضرت مولانا گنگوہی سے یہ خدمت گوارہ نہیں تھی، نیز حضرت حاجی صاحب کی اہلیہ محترمہ بہت اصرار کے بعد، حضرت حاجی صاحب کی فرمائش پر، حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت ہوئی تھیں۔(۳)

حضرت گنگوہی خود اپنی نگاہ میں ان تمام کمالات اور اس رفعت شان کے باوجود، جس کا اور ہزاروں دیکھنے جاننے والوں کے علاوہ، بہت سے غیر متعلق مشائخ اور بلند مرتبہ اہل علم و کمال بھی برملا اعتراف و اظہار کرتے تھے اور حضرت مولانا کی روحانی بلند پروازی اور علمی مقام، دونوں کی جانب اپنے متعلقین و متوسلین کو متوجہ فرماتے رہتے تھے، مگر حضرت مولانا خود کو، ذرۂ بے مقدار اور ہیچ محض خیال فرماتے تھے۔ حضرت مولانا کے مکتوبات میں ایسے بیسوں اندراجات ہیں کہ انہیں پڑھنے والا حیرت میں ڈوب جاتا ہے، یا اللہ! کیسے لوگ تھے، کیسے بڑے عالم، خادم قرآن و سنت، برگزیدۂ روزگار، نادر العہد و الزمان اور اپنے دور کے علاوہ، آنے والی نسلوں کے علماء کے مقتداء اور تواضع و مسکنت، اللہ اللہ! ایسی بے نفسی، ایسا عرفان ذات، ایسی خود شکنی اور اس درجہ کی بے چارگی اور بے حیثیتی کا اظہار اور بار بار:

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

کا اعلان۔ مجھے یہاں مولانا عبدالحی حسنی کا وہ دلی تاثر بے ساختہ یاد آ رہا ہے، جو علمائے دیوبند سے ملاقات کے بعد ہوا تھا، جس کا مولانا حسنی نے اپنے سفرنامے میں اس طرح اظہار کیا ہے:

(۱) مکتوب بنام مولانا رفیع الدین دیو بندی۔ مکتوبہ اواخر ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ۔ مکتوبِ اکابر دیو بند، مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی ص: ۳۸ [دیو بند: ۱۹۸۰ء]

(۲) جمیل الکلام [مجموعہ ملفوظات حضرت مولانا تھانوی] مرتبہ مفتی جمیل احمد تھانوی۔ ص: ۳۸ [طبع اول، مقبول المطابع، بارہ بنکی۔ بلا سنہ]

(۳) جمیل الکلام ص: ۷۷

''ان میں وہ مسکنت اور غربت، ہم میں یہ خودداری اور نخوت، ان میں وہ سادگی اور بے تکلفی، ہم میں یہ تکلف اور یہ مستی۔ این الثری من الثریا''(۱)

حضرت مولانا کا، حضرت حاجی امداد اللہ سے اپنی خاص کیفیات کا تذکرہ حضرت مولانا کو منجانب اللہ جو کمالات عطا ہوئے تھے اور انہوں نے حضرت مولانا کو، اپنی حیثیت کے ادراک اور خالق جل شانہ کی علوئے مرتبت کے، جس اعلیٰ ترین احساس و کیفیت تک پہنچا دیا تھا، اس کا خود حضرت مولانا کے، حضرت حاجی امداد اللہ کے نام ایک اہم مکتوب میں، بے ساختہ اظہار ہوا ہے، جس کا حرف حرف پڑھنے کا ہے۔ اسی میں فرماتے ہیں:

''حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جذر قلب [منتہائے قلب] میں، غیر حق تعالیٰ سے نفع و ضرر کا التفات نہیں۔ واللہ! بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے، لہٰذا کسی کی مدح و ذم کی پرواہ نہیں رہی، اور ذام و مادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہو گئی ہے''(۲)

حضرت حاجی صاحب کا تاثر و ارشاد حضرت کو یہ مکتوب ملا، اس کے مضمون پر بے حد خوشی کا اظہار کیا اور خصوصاً اس میں جو یہ ایک فقرہ تھا کہ: ''بندہ کو مدح و ذم برابر ہے'' اس پر فرمایا:

یہ بہت بڑا مقام ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، عزیز من! کہنے کو تو یہ دو لفظ ہیں کہ مدح و ذم برابر ہے، مگر بہ خدا! اس کی تحصیل میں بہت عمریں ختم ہو گئیں اور بجز معدودے چندے، بہت کم لوگ کامیاب ہوئے''(۳)

متوسلین اور مسافران راہ سلوک کے لئے چند اصول اور ضوابط حضرت مولانا نے، اگرچہ اجازت وخلافت کے چند روز بعد ہی، مسند ارشاد سنبھال لی تھی اور وفات سے چند روز پہلے تک اہل دل، اہل ذوق اور اہل طلب کو بیعت فرماتے رہے اور جو حضرات وابستۂ دامن ہو کر، سفر سلوک طے کرنا اور اپنے امراض باطنی کا علاج اور معرفت الٰہی کا راستہ جاننا چاہتے تھے، ان کی مکمل رہنمائی و سرپرستی فرماتے، اوراد و اشغال، مجاہدات و مراقبات اور جس کے لئے جو طریقۂ ذکر و تعلیم مناسب ہو اور جس کو جس راستہ سے لیجانا چلانا مناسب ہو، اس کی تدبیر فرماتے مگر ہر اک کے لئے عقیدہ کی کامل اصلاح، تمام بدعات سے اعلیٰ درجہ کی توبہ اور رسوم و فضولیات کا ترک ضروری تھا۔ عموماً طالبان علوم اور ایسے اصحاب کو، جو قرآن مجید کی تعلیم یا حدیث نبوی اور علوم

(۱) دلی اور اس کے اطراف ص: ۱۰۷، دلی: ۱۹۵۸ء؛ (۲) مکتوب محرم ۱۳۰۶ھ، مشمولہ مکاتیب رشیدیہ، ص: ۱۰، طبع اول میرٹھ۔
(۳) ترجمہ از: السحاب المحمود دیہ فی آثار العود یہ، تالیف علامہ شعرانی، ترجمہ و حاشیہ از مولانا ظفر احمد تھانوی، حاشیہ ص: ۲۳۰، مطبوعہ ماہنامہ النور تھانہ بھون، ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ، شمارہ ۸، ج: ۹۔

اسلامیہ کی تعلیم و تدریس میں مشغول ہوں، اذکار وغیرہ کا بہت پابند نہ بناتے تھے فرماتے کہ قرآن مجید کی تعلیم اوراد و معمولات میں مشغول ہونے سے بہتر ہے اور درس حدیث کا نفع یقینی اور نقد ہے، معمولات سلوک کا نفع اس درجہ یقینی نہیں۔

بہرحال حضرت مولانا اس کا بہت خیال فرماتے تھے، کہ طالبین کی طبیعتوں میں، اصل عظمت قرآن کریم، حدیث شریف، علوم شرعیہ اسلامی کی راسخ ہو، تصوف اور سلوک کے کمال کا جو بھی مقام ہو مگر اوراد و اشغال کو، ان کے درجہ میں رکھا جائے، بنیادی دینی امور کو ان کے درجہ میں۔ اس کی بھی کوشش فرماتے تھے، کہ اہل سلوک اپنی عرفانی کیفیات اور معمولات کے اہتمام کا پورا خیال رکھیں مگر ساتھ میں کوئی دینی خدمت اور ممکن ہو تو علمی مشغلہ بھی ضرور ہو، نیز اگر کسی متوسل کی عقیدہ کے معمولی بے راہ روی، کسی بدعت میں شمولیت یا رسوم کی پابندی کی خبر ملتی، اس کی تصدیق کے بعد متعلقہ افراد کو سخت تنبیہ کرتے، ان سے یکھایا معاملہ فرماتے کہ وہ اپنی اس غلطی سے علانیہ توبہ کریں، اپنی برأت ظاہر کریں یا حضرت مولانا کے تعلق اور سلسلہ بیعت و ارادت کو خیرباد کہہ دیں۔ عقیدہ کی خرابی کا علم ہونے کے باوجود، اس سے توبہ نہ کرنا اور کسی بدعت کا معمول یا اس سے وابستگی، حضرت مولانا کے یہاں ذرا دیر کے لئے بھی قابل قبول نہیں تھی، اس میں کسی مفاہمت کا سوال ہی نہیں تھا، اگر ان برائیوں پر ذرا بھی اصرار یا ان کا اہتمام دیکھ لیتے تو روابط منقطع فرما دیتے۔

اسی طرح اجازت بیعت کے لئے بھی، سالک کا اعلیٰ درجہ کا متبع شریعت و سنت ہونا ضروری تھا، کسی دینی عمل میں ادنیٰ درجہ کی کوتاہی، خصوصاً فرائض اسلام اور معاملات کی غفلت کو اجازت و خلافت کے منافی خیال فرماتے تھے مگر ان کڑی شرائط سخت محاسبہ اور انتہائی نگرانی کے باوجود، بے شمار افراد، تربیت باطن، سیر سلوک اور ارشاد و تربیت کے لئے، حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کو سعادت سمجھتے، حضرت کی ہر اک تنبیہ کو اپنی اصلاح اور ترقی باطن کے لئے، نیک فال اور سعادت کبریٰ جانتے تھے۔ ان کے لئے حضرت مولانا کی خدمت و صحبت میں گزرا ہوا ہر اک نیا دن، نئی روحانی ترقی کا زینہ اور معرفت الٰہی کی چاشنی حاصل کرنے میں مفید و مددگار ثابت ہوتا تھا، بالآخر یہ رنگ ایسا پختہ اور ان مٹ ہو جاتا تھا، کہ اس کے علاوہ کوئی رنگ، کوئی انداز اور طریقہ نہ پسند آتا تھا، نہ قابل قبول رہتا تھا۔ بہرحال حضرت نے ایسے حضرات کو خلافت و اجازت سے نوازا جن پر توحید کا اثر قوی اور رد بدعات کا ذوق عالی ہوتا تھا، اور اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ اصحاب اپنی زندگی اسی راہ پر گزاریں گے اور اس راست اور دین صحیح کے خلاف جو کچھ بات ہوگی، اس کی پوری قوت و طاقت سے مزاحمت کریں گے، اور اپنے صحیح اسلامی رنگ پر، کسی رنگ، کسی آہنگ، کسی آواز کو غالب نہیں ہونے دیں گے۔

تحریک ۱۸۵۷ء میں شرکت اور اس کی عملی جدوجہد

اہل فکر و نظر اور بڑے علمائے کرام کا ہمیشہ یہ معلوم اور شیوہ رہا ہے، کہ وہ جس قدر بھی بڑی اور عالی مرتبہ خدمات انجام دیتے ہوں لیکن جب کوئی بڑی ملی ضرورت، میدانی کام کا

کوئی اہم تقاضہ سامنے آتا ہے تو سر بکف ہو کر میدان میں اتر آتے ہیں اور اس وقت خود کو ملت کی فوج کا ایک سپاہی اور اس کو زوال کی راہوں سے نکالنے والے، کمانڈر سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اسی طرح کا معاملہ اور ایک بہت بڑی ملی اجتماعی ضرورت اور مطالبہ حضرت مولانا گنگوہی کے سامنے بھی آیا، تو حضرت مولانا نے بھی وہی فیصلہ فرمایا، جو ان کے پیشرو اور السابقون الاولون فرما چکے تھے۔ حضرت مولانا بکلفت میدان عمل میں اترے، اسلامی فوجی قوت کا ایک حصہ بنے اور مجاہدانہ انداز اور شجاعانہ حوصلوں کے ساتھ، داد مردانگی دکھائی اور میدان کارزار میں قدم جما کر، دشمنان اسلام سے لوہا لیا اور جہاد کا ایک زمانہ سے بھولا ہوا سبق، اپنے اہل وطن اور ملت اسلامیہ کو یاد دلا دیا۔ یہ ۱۸۵۷ء کی انگریز کے خلاف معرکہ آرائی کا موقع تھا، جس میں پورے ملک کے مسلمانوں اور اہل وطن کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ، یہ جماعت بھی پوری طرح سے شریک اور قدم بہ قدم تھی۔

سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک کے حوالے سے یہاں گفتگو کی زیادہ گنجائش نہیں، مختصر یہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی کے بچپن اور طالب علمی میں، مغل حکومت کا دم واپسیں صاف محسوس ہو رہا تھا، مغل حکومت کا آفتاب اب گہنا گیا تھا، زرد پڑ چکا تھا، اور ڈوبا ہی چاہتا تھا۔ جس کے حکمرانوں کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بجتا تھا، ان کے ناکارہ، نااہل، نکمے وارث، لال قلعہ کی دیواروں میں محبوس اور بے حیثیت واقتدار تھے اور اس قیام وانتظام کا چراغ بھی بجھنے ہی والا تھا، ان کی نہ زندگی، نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ کی کیفیت ہر اک پر عیاں تھی، ملک کے اور معاملات وانتظامات کا تو تذکرہ ہی کیا۔ خود دہلی پر بھی سنہ ۱۸۰۳ء میں انگریز قابض ہو چکا تھا۔

اسی کی حکومت تھی اسی کا انتظام تھا، لال قلعہ کے مسند نشینوں کی نہ کوئی وقعت تھی، نہ حیثیت ومرتبہ اور یہ بات ایسی نہیں تھی، جس کی مقامی ہندوستانیوں اور اہل بصیرت وغیرت کو تکلیف نہ ہو، ان حالات کی وجہ سے ہر اک دل میں انگریزوں کی اس شاطرانہ، جابرانہ، غیر منصفانہ حکمرانی کے خلاف ایک جذبہ موجزن تھا، ہر اک کو اس حکومت اور اس کے نظام اور کارندوں سے اختلاف تھا، وہ انگریزی کی غلامی کرنے اور اس کو جہاں پناہ کہنے کے لئے تیار نہیں تھے، اسی میں ایک دن ایسا آیا کہ وہ لاوا جو برسوں سے پک رہا تھا اور ظلم وستم کی جس کیفیت سے مدت سے نبرد آزما تھے، بے تاب ہو کر، بے قابو ہو کر شعلہ جوالہ بن کر پھٹ پڑی اور پورے ملک میں انگریز کے خلاف مسلح جدوجہد کی آواز گونج گئی، ادھر سے اُدھر تک معرکہ وقتال برپا ہو گیا۔

ایسے میں یہ حضرات وعلماء، جو حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان کی نسبت تلمذ سے بہرہ ور، تحریک سید احمد شہید کے خوشہ چیں، علمائے دہلی کے شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہ کے دامن گرفتہ تھے، ان کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ اس اہم دینی ملی ضرورت اور وقت کے تقاضہ سے صرف نظر فرمائیں، اس لئے یہ حضرات بھی اسی جذبہ اسی حوصلہ اور مردانگی کے ساتھ،

میدان حرب ومقابلہ میں اتر گئے، داد شجاعت دی اور اپنے سے پچاسوں گنا بڑے، مضبوط اور حرب وضرب کی طاقتوں اور ہر طرح کے وسائل اور ہتھیاروں سے مسلح حریف کا، اپنی بساط سے بڑھ کر مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی۔ یہ شاملی وتھانہ بھون کا معرکہ تھا، جس کی ایک مستقل تاریخ ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ اور ان کے رفقائے کرام نے، جن میں قاضی عنایت علی تھانوی، حضرت حافظ محمد ضامن شہید، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی جیسے منتخب روزگار اصحاب بھی شامل تھے، اپنے علاقہ [تھانہ بھون شاملی، کیرانہ اور اس کے اطراف] میں، اس تحریک کی زمام سنبھالی اور اس علاقہ کو، انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور اس کی فوجوں سے لوہا لینے کے لئے تیار کیا۔ شاملی تھانہ بھون اور کیرانہ بطور خاص، میدان کارزار بنا، ایک طرف انگریز، ان کے فوجی دستے، طاقتور اسلحے، توپ خانہ اور بارود کے انبار تھے، دوسری جانب یہ حضرات تھے، انہوں نے بھی حالات کا رخ دیکھتے ہوئے ہتھیاروں اور مقابلہ کی تمام تدبیروں اور سامان سے تیاری کی تھی۔ چنانچہ شاملی اور تھانہ بھون میں سخت مقابلہ ہوا، زور کا رن پڑا، میدان علمائے کرام اور ان کے ہم نواؤں کے ہاتھ رہا۔ ان لوگوں نے تھانہ بھون سے شاملی تک اور ادھر ادھر کا بھی خاصا حصہ انگریزوں حکمرانوں کے انتظام اور فوجی دستوں سے پاک کرا کر، اپنے قبضہ وانتظام میں لے لیا تھا مگر دوبارہ انگریز دس گنا قوت، نیز اپنے منتخب تجربہ کار فوجی دستوں اور بڑے توپ خانے کے ساتھ، تازہ دم کمک لیکر دوبارہ حملہ آور ہوئے، اگرچہ اس وقت بھی داد شجاعت دی گئی، میدان عمل پوری قوت سے سرگرم رکھا گیا مگر قضا وقدر کا فیصلہ یہی تھا، کہ اس وقت میدان انگریز کے ہاتھ میں رہے اور مستقبل کے لئے، انگریز کے ظلم وجبر اور استعمار کی ایک نئی تاریخ لکھی جائے، بہر حال اس جیش مسلمانان اور قافلہ سالاران حریت میں، حضرت مولانا گنگوہی بھی نہایت اولوالعزمی، جرأت اور استقامت کے ساتھ شامل وشریک رہے۔ حضرت مولانا اس کے ممتاز کمانڈروں اور فوجی رہنماؤں میں سے تھے، اسی وجہ سے ۱۸۵۷ء کی تحریک ناکام ہونے کے بعد گرفتار کئے گئے، مقدمہ چلا، چھ یا آٹھ مہینے جیل میں رہے، اس معرکہ ومقدمہ کی تفصیلات، جلد ہی ان شاء اللہ کتابی صورت میں پیش کی جائیں گی۔

افسوس ہے کہ معرکہ شاملی وتھانہ بھون کا، کسی نے علمی تاریخی حیثیت سے مطالعہ نہیں کیا، اس لئے اس کے متعلق منقول ومشہور کئی باتیں بالکل غلط اور بے حقیقت ہیں، نیز کئی اور باتیں جن سے اس بات کی اہمیت کا علم ہوتا ہے، قطعاً نامعلوم اور گم نام ہیں۔ یہ عنوان اگرچہ تفصیلات کا طالب ہے مگر زیر نظر صفحات میں اس کی گنجائش نہیں، لیکن اس کی حضرت مولانا گنگوہی سے خاص وابستگی کی وجہ سے، اس کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں۔

اس لئے چند مختصر اشارات حاضر ہیں، پہلی بات ان حضرات کے احوال پر مشتمل تقریباً تمام ہی کتابوں میں لکھا ہے، کہ تھانہ بھون میں ۱۸۵۷ء کی تحریک قاضی عنایت علی کے بھائی، قاضی عبدالرحیم تھانوی کو کلکٹر سہارنپور کی ہدایت پر، اچانک بلا کسی

جرم اور ثبوت کے پھانسی پر لٹکا دینے کیوجہ سے برپا ہوئی تھی، تھانہ بھون اور اس کے اطراف میں پہلے سے اس کا کچھ تذکرہ اور تیاری نہیں تھی، اگر یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو اہل تھانہ بھون معمول کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، اس وقت علاقہ میں متعین انگریز حکام اور فوج کے کمانڈروں کی یادداشتوں، تحریروں سے عیاں ہے، کہ یہ پہلے سے منصوبہ بند، نہایت منظم، وسیع اور ایسی تحریک تھی، جس نے اس پورے علاقہ میں، انگریزوں کو ناک چنے چبوادیئے تھے۔ تحریک کے قائدین نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے، سوچ سمجھ کر تیاری اور انتظامات کر لئے تھے، متحرک فوجی دستوں کے لئے رسد اور سامان کی فراہمی کا بھی معقول اور بڑا انتظام کیا گیا تھا، یہاں تک کہ دریائے جمنا اور گنگا میں، دوسوایسی کشتیاں تیار رہتی تھیں جس میں مسلح افراد مقابلہ کے لئے تیار رہتے تھے اور میدان مقابلہ تبدیل کر لینے کی صورت میں، تیزی سے رفقائے لشکر کو یہاں سے وہاں تبدیل کر سکتے تھے۔

روزناموں اور بعد میں دریافت کاغذات سے یہ بھی سراغ ملا ہے، کہ قاضی عنایت علی کے دربار دہلی [بہادر شاہ ظفر] سے روابط و تعلقات تھے، مزید یہ کہ دہلی کے کوتوال [سید مبارک علی] قاضی صاحب کے مخلص اور ہم نوا تھے، قاضی صاحب [سید مبارک علی] سے خفیہ اطلاعات و معلومات کے لئے، رابطہ میں رہتے تھے۔

یعنی شاملی تھانہ بھون اور اس کے اطراف میں ۱۸۵۷ء کی طاقتور جدوجہد، کسی وقتی تاثر کا نتیجہ اور قاضی عبدالرحیم کی پھانسی کا ردعمل نہیں ہوسکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قاضی عنایت علی نے تمام تیاریاں کر رکھی تھیں، قاضی عبدالرحیم کی پھانسی، اس کو عمل میں لانے کا سبب بن گئی تھی۔

تذکرۃ الرشید میں شاملی اور تھانہ بھون کے واقعات کا، غیر واضح اور ذومعنی الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، شاید اس لئے کہ جب تذکرۃ الرشید لکھی گئی [۱۹۰۸ء میں] اس وقت ۱۸۵۷ء کے واقعات اور اس میں حکومت کے خلاف کھڑے ہونے والوں کی، خدمات و کمالات کا تذکرہ اور ان کی تحسین، خود اپنے کو خطرے میں ڈالنے کا کام تھا، اس لئے مولانا عاشق الٰہی نے ایسے الفاظ استعمال کئے کہ: جن سے باغبان بھی خوش رہے، راضی رہے، صیاد بھی۔

مجموعی اصلاحی خدمات نیز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے فکرو مزاج کی تشکیل

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا کی ذات گرامی اپنے آپ میں ایک بڑا مرکز اصلاح و تربیت، بڑا ادارہ اور ایک بڑا دارالعلوم تھی۔ جس میں علم و تدریس کا سلسلہ بھی تھا اور تربیت باطن کی فکر بھی، قدم قدم اتباع سنت کا ذکر اور رسومات و بدعات کی بیخ کنی کا بھی اہتمام تھا نیز خانوادہ ولی اللّٰہی، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی کوششوں سے، جو ایک دنیائے علم و عمل آباد ہوئی تھی، جب اس کی آبادیوں میں شکست وریخت کے کچھ آثار ظاہر ہوئے، تو حضرت مولانا گنگوہی کی توجہ، محنت اور کوششوں سے اس کی تجدید و تزئین ہوئی اور یوں اس روایت کا تسلسل جاری رہا۔

یہ بات بلاتردد کہی جاسکتی ہے کہ برصغیر ہندوپاکستان میں، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد اتباع سنت اور رسوم وبدعات کی تردید میں کوئی اورآواز، اس قدر طاقتور، بلند بانگ نہیں تھی، جیسی حضرت مولانا گنگوہی کی تھی۔ حضرت مولانا نے اسی انداز وآہنگ میں، اس پیام کی تجدید کی اور اس پیغام کو، جس پر زمانہ گزرنے کے ساتھ، کچھ میل سا آنے لگا تھا، اس شان سے زندہ کیا، کہ وہ پھر اک نئی قوت، نئی طاقت اور مسلسل تحریک بن کر، متحرک اور رواں ہوگیا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے حلقہ تربیت سے جو افراد اٹھے، ان میں سے ایک بڑی تعداد ایسے علماء اور اصحاب معرفت کی تھی، جنہوں نے اس دعوت وپیام کو اپنا نصب العین بناکر، اپنی زندگیاں اس کی جدوجہد اور اس کی تبلیغ وترویج کے لئے وقف کردی تھیں اور اپنی سادگی، بے نفسی اور بے غرض کوشش سے، اس کی جڑیں بہت دور تک اور اس طرح گہرائی تک پہنچادی تھیں، کہ ان سے خود بخود نئی کونپلیں، نئے نئے پودے، پھوٹتے اور پروان چڑھتے رہتے ہیں، فکروعمل کے نئے گلستاں آباد ہوتے رہتے ہیں، جس میں ایسی شادابی تازگی اور مہک ہوتی ہے، کہ امت کا ایک بڑا طبقہ اس کے کیف سے آراستہ ہوکر، ان خوشبوؤں سے اپنا دامت بھر لینا چاہتا ہے اور اس چمنستان سے ملتے تحفوں کو دوسروں تک پہنچانا، اپنی سعادت وخوش بختی خیال فرماتا ہے۔ یہ نئے افراد اس تحریک کے ایسے ہی پرجوش خادم بنتے ہیں اور راہ شریعت وسنت پر اسی طرح قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتے ہیں، جس طرح ان کے بزرگوں اور اس خانوادہ کے اکابر علماء نے چلنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت مولانا نے، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، دین کی خدمت، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور معاشرہ کی برائیوں کو ختم کرنے میں گزارا، عقائد اور معاملات کے بگاڑ کو دور کرنے کی کوشش کی۔ فقہی مسائل ومباحث میں عوام وخواص کی رہنمائی، ان کے سوالات کے جوابات لکھنا، ان کے علمی وقلبی سوالات ومشکلات کے حل کی جستجو اور بھٹکے ہوئے آہو کو بہتر سے بہتر طریقے اور عمدہ سے عمدہ ترین تدبیر کے ذریعہ سے، صحیح راستہ پر لانے کی دن رات بلکہ تمام عمر متواتر جدوجہد، حضرت مولانا کا طغرائے امتیاز ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور مدارس اسلامیہ کی تاسیس کی جو روایت، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مبارک شخصیت سے شروع ہوئی تھی، اس کی سب سے زیادہ آبیاری اور سرپرستی حضرت مولانا گنگوہی سے ہوئی۔ ان مدارس کے ذریعہ سے علم وکمال اور خدمت قرآن وحدیث اور فقہ وشریعت کا جو دریا جاری ہوا اور اتباع دین وشریعت کی جو فضا قائم ہوئی اور جو باد بہاری چلی، اس میں بھی حضرت والا کے رسوخ فی العلم اور دعوت واتباع سنت کے گہرے اثرات ہیں، بہت بڑا بلکہ غیر معمولی حصہ ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اگرچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی فرماتے تھے لیکن یہ بھی ایک

تاریخی حقیقت ہے کہ مطابع سے وابستگی کی وجہ سے، حضرت مولانا نانوتوی کا دیوبند میں کم وقت گذرا اور ابھی مدرسہ دیوبند کو قائم ہوئے دس برس بھی نہیں ہوئے تھے اور اس کے قیام کے جو مقاصد تھے، وہ سب پوری طرح بروئے کار نہ آنے پائے تھے، کہ حضرت نانوتویؒ رحلت فرما گئے، اس لئے حضرت مولانا گنگوہی اس کام، مقاصد اور منصوبوں کو مکمل فرمایا۔

حضرت مولانا نانوتوی کی وفات کے بعد، حضرت مولانا گنگوہی، دار العلوم کے اور بعد میں مظاہر علوم کے بھی سرپرست بنا لئے گئے تھے، دونوں مدرسوں کے تمام معاملات میں، حضرت مولانا کی رائے قول فیصل اور حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ اگرچہ حضرت مولانا گنگوہی دونوں مدرسوں کے آغاز کے وقت سے ہی دونوں معاملات میں مشیر اور کسی قدر دخیل بھی تھے، مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے بعد، مدرسہ دیوبند کے سرپرست اول بنا دیئے گئے تھے، یہی مظاہر علوم سہارنپور میں بھی ہوا۔ اگرچہ مظاہر علوم کے سرپرستوں کی فہرست میں، حضرت مولانا کا نام دیر میں آیا، مگر مدرسے کے قیام کے وقت سے مدرسے کے ذمہ داران، خصوصاً مولانا محمد مظہر نانوتوی جو علم اور عمر کی بزرگی کے باوجود، حضرت مولانا کے نیاز مند تھے، حضرت مولانا سے مشورہ فرماتے رہتے تھے۔

اس طرح ان دونوں مدرسوں کے تقریباً تمام اختیارات، حضرت مولانا گنگوہی کے پاس آ گئے تھے اور یوں بھی دونوں مدرسوں کے اکثر ذمہ داران اور استاذ، حضرت مولانا کے دامت تربیت سے جڑے ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا کو دونوں مدرسوں کے اساتذہ اور طلباء کی تربیت کا وسیع موقع ملا، اور یہ دونوں مدرسے تقریباً ایک تہائی صدی تک، حضرت مولانا کی نگرانی اور سرپرستی میں رہے اور حضرت مولانا کی افکار و تعلیمات اور طریقۂ تعلیم و تربیت کا نمونہ اور مثال بن گئے۔

حضرت مولانا کے حسن تربیت کے سبب، حضرت مولانا کے اخلاق و کردار کے محاسن، فکر و خیال کے اثرات، اتباع سنت کی رعنائی اور دین خالص پر عمل کا جذبہ، مولانا کے شاگردوں اور متوسلین میں گھر کر گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی تدبر و دانائی، علم و عمل، فقہ و حدیث کی جامعیت اور اصلاح و تربیت کے ساتھ، معاشرتی خرابیوں کے خلاف جدوجہد اور تمام غیر دینی، غیر اسلامی آوازوں اور فتنوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کی بنیادی صفات بھی، دونوں مدرسوں کے ذمہ داروں اور استاذوں میں منتقل ہو گئی تھیں، جو دونوں مدرسوں کے لئے متاع بے بہا اور در شہوار ثابت ہوئیں۔ ان مدرسوں کے اکثر طالب علموں نے صرف یہی نہیں کہ ان محاسن کی قدر کی، ان کو سینہ سے لگایا، بلکہ ان کو اپنی زندگی کے سفر اور دینی خدمات کے لئے رہنما اور نمونہ بنا لیا تھا۔ یعنی حضرت مولانا گنگوہی کے فکر و مزاج کی خصوصیات و امتیازات، حضرت مولانا کے فیض تربیت اور صحبت کی برکت سے، ان مدرسوں کے متعلقین کے فکر و مزاج میں، اس طرح رچ بس گئی تھیں۔ ان کے وجود کا ایک ضروری حصہ بن گئی تھیں۔ اسی فکر و مزاج کو دیوبندیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہی ان مدرسوں اور ان کے وابستگان کے کام کی روح ہیں۔

وفات حضرت مولانا حوادث کے تسلسل کی وجہ سے، بہت ضعیف وکمزور تھے، مولانا عبدالحی حسنی نے، جو ١٣١٣ھ [١٨٩٦ء] میں گنگوہ حاضر ہوئے تھے اور حضرت مولانا کی خدمت میں قیام کیا تھا، لکھا ہے:

''مولوی صاحب بہت ضعیف ونحیف ہیں، عمر کی حیثیت سے یہ ضعف نہیں، کیونکہ عمر ساٹھ سے کچھ ہی متجاوز ہوگی، بڑھاپے کے آثار نمودار نہیں ہیں، بلکہ بیماری کا ضعف ہے، چہرے سے نحافت معلوم ہوتی ہے'' (١)

اور اس کے بعد بھی بار بار مختلف امراض میں مبتلا ہوتے رہے، لیکن معمولات بدستور جاری رہے، صحاح ستہ کے کامل درس کا سلسلہ ١٣١٤ھ میں ختم فرمادیا تھا، تاہم اطراف پڑھ کر اجازات وغیرہ کی مشغولیت روزافزوں رہی عقائد واصلاح کی فکر اور اہل سلوک کی نگرانی وتربیت بھی قدیم معمول پر جاری تھی، ماہ جمادی الاول سنہ ١٣٢٣ھ کی صبح جب فجر کی نماز کے لئے مسجد آئے، تو لوگوں نے دیکھا کہ پیروں کی دو انگلیوں پر خون کے گہرے نشانات ہیں، فکر ہوئی کہ یہ کیا ہوا، نماز کے بعد دیکھا گیا تو جانماز جو موٹی اورتہ دار تھی، وہ بھی نیچے تک خون سے آلودہ تھی، خیال ہوا کہ کسی جانور نے کاٹا ہے، مگر یہ تحقیق نہ ہوئی کہ کس نے کاٹا ہے اگر چہ متوسلین نے توجہ دلائی مگر حضرت مولانا نے اس کو چنداں اہمیت دی، لیکن اس حادثہ کے بعد، کبھی کبھی نیند کا غلبہ ہوتا، اسی طرح تقریباً پندرہ دن گزر گئے، ٢٧/ جمادی الاول [٣١ جولائی ١٩٠٥ء] کو عشاء بعد یکلخت لرزہ اور بخار کا سخت حملہ ہوا، یہی درحقیقت مرض الوفات تھا۔ علاج کی تدبیریں ہوتی رہیں، ہرطرح کی دوائیں ہوئیں بہتر سے بہتر علاج کیا گیا، مگر: **ان اجل الله اذا جاء لایؤخر۔**

مرض نے شدت اختیار کرلی اور اسی میں جمعہ کی دوپہر کو جمعہ کی اذان کے وقت ٩/ جمادی الاخریٰ ١٣٢٣ھ، ١١/ اگست ١٩٠٥ء کو یہ آفتاب ہدایت غروب ہوگیا۔ اسی دن شام کو مغرب کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (٢)

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نور رستہ اس گھر کی، نگہبانی کرے

ورحمہ الله رحمة الابرار الصالحين وجزى الله ماجزى به الاخيار الكاملين الصالحين۔

محلہ سرائے کے قریب سپرد خاک کردیا گیا۔ حضرت مولانا کی وفات کے بعد، ان ہی دنوں میں مولانا مرغوب احمد

---

(١) دہلی اوراس کے اطراف ص: ١٣٠ [دہلی ١٩٥٨ء]

حضرت مولانا گنگوہی کے مرض الوفات اور وفات کے مفصل حالات، مولانا حبیب الرحمن عثمانی [بعد میں، مہتمم دارالعلوم دیوبند] نے قلم بند کرکے، اخبار وکیل امرتسر میں چھپوائے تھے۔ [ضمیمہ شمارہ ١٠ اکتوبر ١٩٠٥ء] اس کا عکس راقم سطور کے سامنے ہے۔

(٢) تذکرۃ الرشید ص ٣٣١ حصہ دوم۔

لاجپوری نے، سیدنا حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو خواب میں دیکھا، تشریف آوری کا سبب دریافت کیا، ارشاد فرمایا:

''مولوی رشید احمد کو لینے آیا ہوں''(۱)

حضرت مولانا گنگوہی اپنوں اور پراؤں کی نظر میں حضرت مولانا گنگوہی کس مقام ومرتبہ کی شخصیت تھے اور حق تعالیٰ نے حضرت مولانا کو کیسا جامع صفات، جامع کمالات منبع علوم وبرکات بنایا تھا، اس کا حضرت مولانا کی حیات میں ہی اعتراف اور بلند الفاظ میں اظہار ہوگیا تھا، یہاں نمونہ کے طور پر چند عبارتیں اور اقتباسات نقل کئے جاسکتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کہ اس آفتاب کمالات کی توصیف میں، مخالف وموافق سب یک زبان تھے۔

جنید وشبلی وعطار ہم مست

حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کے ارشادات حضرت گنج اپنے دور کے اکثر علماء اور مشائخ کے مقتدا اور گویا امام کی حیثیت رکھتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز سے براہ راست تلمذ کی سعادت اور مولانا شاہ محمد آفاق نقشبندی، مجددی سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ پورے ملک میں حضرت گنج مرادآبادی کے نیاز مندوں اور مستفیدین کا بہت وسیع سلسلہ تھا، اور بڑے اکابر وعلماء، حضرت مولانا سے ملاقات وزیارت کو عزت وسعادت خیال فرماتے تھے۔ حضرت مولانا گنج مرادآبادی، اپنے دور کے علماء میں سے حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور حضرت مولانا گنگوہی کے سب سے زیادہ قائل ومعترف تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا کی مجلس میں بزرگان دین کا تذکرہ ہورہا تھا کہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد کے حالات دریافت کئے [اس کے جواب میں] حضرت مولانا گنج مرادآبادی نے یہ الفاظ فرمایا:

''مولانا رشید احمد کا کیا حال پوچھتے ہو، وہ تو دریا پی گئے اور ڈکار تک نہیں لیا''(۲)

ایک مجلس میں ارشاد ہوا:

''ایک میں ہوں اور دوسرے مولانا رشید احمد، تیسرے ایسا کوئی مل جائے تو ظلمت فلسفہ دور ہوجائے''(۳)

حضرت حاجی امداداللہ کے کلمات عالیہ حضرت حاجی امداداللہ نے حضرت مولانا کا اپنی کئی تصانیف

---

(۱) خواب کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: شیخ الاسلام، روزنامہ الجمعیۃ دہلی، ص:۱۴۶۔ [طبع اول دہلی] نیز مدرسہ شاہی نمبر، مرتبہ مولانا مفتی سلمان منصورپوری ص:۳۱۵۔ ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد۔ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

مولانا مرغوب الرحمٰن ان لوگوں میں سے ہیں جو حضرت کی وفات کے وقت گنگوہ میں حاضر تھے۔ ملاحظہ ہو: تذکرۃ المرغوب، مولفہ نبیرہ مرغوب باسم مرغوب، ص:۹۰۔ [مطبوعہ کفلیہ راج پور، گجرات بلاسنہ]

(۲) تذکرۃ الرشید ص:۳۲۱، جلد دوم۔

(۳) ارواح ثلاثہ ص:۳۲۸۔

اور تحریرات ومکتوبات میں نہایت اعتراف کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، ایک اقتباس گزر چکا ہے، ایک مفصل گرامی نامہ، اسی موضوع پر، اسی سلسلہ میں ارقام فرمایا تھا، اس میں فرماتے ہیں:

از فقیر امداد اللہ چشتی۔ بخدمت محبان۔ عموماً اندنون بعض خطوط ہندوستان سے اس فقیر کے پاس آئے، ان میں یہ تحریر تھا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے ساتھ بعض لوگ سوءظن رکھتے ہیں، کہ ہم مولوی صاحب کو کیسا سمجھیں۔ لہٰذا فقیر کی جانب سے مشتہر کرادو اور طبع کرادو، کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی، فاضل حقانی ہیں، سلف صالحین کا نمونہ ہیں، جامع بین الشریعہ والطریقہ ہیں، شب وروز خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں مشغول رہتے ہیں، حدیث پڑھانے کا شغل رکھتے ہیں، مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب کے بعد میں، اس قسم کا فیض علم دین کا، مولوی صاحب سے جاری ہوا ہے۔ ہندوستان میں مولوی صاحب ایک فرد واحد ہیں، مسائل مشکلہ کی عقدہ کشائی مولوی صاحب سے ہوتی ہے، ہر سال میں پچاس آدمی کے قریب علم حدیث پڑھ کر، ان سے سند لیتے ہیں۔ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہیں، محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق خداوندی میں مستغرق ہیں، حق گو ہیں: لایخافون لومة لائم کے مصداق ہیں، خدا کے اوپر پورے طور سے توکل رکھتے ہیں، بدعات سے پورے طور سے مجتنب ہیں، اشاعت سنت ان کا پیشہ ہے، بدعقیدوں کو خوش عقیدہ بنانا ان کا حرفہ ہے، ان کی صحبت اہل اسلام کے واسطے کیمیاء اور اکسیر اعظم ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہے، یہی اللہ والوں کی علامت ہے، متقی اور تارک الدنیا ہیں، راغب الی الآخرۃ ہیں تصوف اور سلوک میں کامل ہیں، امیر وغریب ان کی نزدیک یکساں ہیں، سب کی طرف توجہ برابر ہے، لاطمع ہیں، فقیر نے جو کچھ ان کی ثنا میں ضیاء القلوب میں تحریر کیا ہے وہ حق، اور اب فقیر کا حسن ظن اور محبت بہ نسبت پہلے کے، ان کے ساتھ بہت زیادہ ہے، فقیر ان کو اپنے واسطے ذریعہ نجات کا سمجھتا ہے۔

میں صاف کہتا ہوں کہ جو شخص مولوی صاحب کو برا کہتا ہے، وہ میرا دل دکھاتا ہے میرے دو بازو ہیں، ایک مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم دوسرے مولوی رشید احمد صاحب، ایک جو باقی ہے اسکو بھی نظر لگاتے ہیں، میرا اور مولوی صاحب کا ایک عقیدہ ہے، میں بھی بدعات کو برا کہتا ہوں، جو مولوی صاحب کا امور دینیہ میں مخالف ہے، وہ میرا مخالف ہے، وہ خدا اور رسول کا مخالف ہے اور بعض جہلا جو کہہ دیتے ہیں کہ شریعت اور ہے، طریقت اور ہے محض ان کی کم فہمی ہے۔ طریقت بے شریعت خدا کے گھر مقبول نہیں، صفائی قلب کفار کو بھی

حاصل ہوجاتی ہے، قلب کا حال مثل آئینہ کے ہے، آئینہ زنگ آلودہ ہے، تو پیشاب سے بھی صاف ہوجاتا ہے، اور گلاب سے بھی صاف ہوجاتا ہے، لیکن فرق نجاست اور طہارت کا ہے۔

ولی اللہ کے پہنچاننے کے واسطے اتباع سنت کسوٹی ہے، جو متبع سنت ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور اگر مبتدع ہے، تو محض بیہودہ ہے۔ خرق عادات تو دجال سے بھی بہت ہوں گی، خدا فرماتا ہے: قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی جو رسول اللہ کا پیرو نہ ہووے اور مروج بدعات ہووے، وہ خدا کا دوست نہیں ہوسکتا، اس فقیر سے جو اہل علم محبت رکھتے ہیں یہ امر بباعث اتباع سنت کے ہے، کسی کی مخالفت سے مولوی صاحب کا نقصان نہیں۔

آپ بے بہرہ ہے، جو معتقد میر نہیں

مولوی صاحب وہ شخص ہیں، کہ خواص کو چاہئے کہ ان کی صحبت سے مستفید ہوں اور ان کی صحبت کو خیر کثیر سمجھیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی نسبت مجھے کوئی کلمہ بے ادبی کا نہ سناوے اور نہ تحریر کرے، مجھ کو ان امور سے سخت ایذا ہوتی ہے۔ عجب بات ہے کہ میرے لخت جگر کو ایذا پہنچاویں اور اپنے آپ کو میرا دوست سمجھیں، ہرگز نہیں! مولوی صاحب پکے حنفی المذہب صوفی المشرب ہیں، باخدا ولی کامل ہیں، ان کی زیارت کو غنیمت سمجھیں۔

والسلام امداد اللہ فاروقی

مہر حاجی امداد اللہ مکہ معظمہ ۲۵/ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ (۱)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ارشادات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی، اگرچہ حضرت مولانا کے بچپن سے دوست، ہم مرشد اور بے تکلف تھے لیکن حضرت مولانا کی نگاہ میں، حضرت مولانا گنگوہی کا جو مرتبہ تھا وہ غیر معمولی تھا۔ حضرت مولانا نانوتوی نے اپنی کتاب ہدایۃ الشیعہ [مؤلفہ رجب ۱۲۸۳ھ۔ دسمبر ۱۸۶۶ء] کی تمہید میں، حضرت مولانا گنگوہی کا نام، بڑے القاب واحترام کے ساتھ درج کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

بندہ ہیچ مدان گمنام محمد قاسم نام متخلص بخاکپائے علماء، ناظران وراق کی خدمت میں عرض پرداز ہے، کہ اواخر رجب ۱۲۸۳ھ بارہ سو تراسی ہجری میں، مخدوم العلماء، مطاع الفضلاء، مجمع الکمالات، منبع الحسنات، زیب طریقت، حامی شریعت، فخر احباب، افتخار اصحاب، ملجاء انام، مرجع خاص وعام، معلم قوانین اطاعت، وانقیاد، محرک سلسلہ رشد وارشاد، جامع کمالات ظاہری وباطنی، مخدومنا ومولانا، رشید احمد گنگوہی دام رشدہ وارشادہ (۲)

---

(۱) اختر بہشت ص: ۵۱، تاص: ۵۳۔ (۲) ہدایۃ الشیعہ تمہید ص اول۔ [مطبع ہاشمی میرٹھ: ۱۳۰۱ھ]

اس تحریر کے تقریباً دس سال بعد مرقومہ، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

عزیز من! نہ میں اس قابل کہ خود کسی کی رہبری کروں، اور نہ اس قابل کہ کسی رہبر کو پہچانوں اور دوسروں کو بتلاؤں، البتہ دو چار بزرگوں سے عقیدت ہے، ایک تو جناب حاجی امداد اللہ صاحب، دوسرے شاہ عبدالغنی صاحب، ان کے بعد جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، ان بزرگوں میں سے جس کی محبت میسر آجائے غنیمت جانو اور اپنے حصہ کی تفتیش میں نہ رہو۔

۶/صفر ۱۲۹۴ھ از نانوتہ (۱)

مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی کی نظر میں مولانا کا مرتبہ

مولانا الہ آبادی، حضرت حاجی امداد اللہ کے ممتاز ترین خلفاء میں سے تھے، حضرت حاجی صاحب بھی مولانا کو اپنے خواص میں شمار فرماتے تھے اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا الہ آبادی بہت سے مسائل ونظریات میں، حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ علماء سے واضح اختلاف رکھتے تھے، اور یہ اختلاف معروف تھا، اس کے باوجود حضرت مولانا کے دل سے قدرداں اور نہایت مداح تھے۔ مولانا الہ آبادی کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

"ایک مولوی صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ توحید کے متعلق گفتگو فرمائی، مولانا نے تشفی بخش جوابات دیئے، تو وہ بہت مسرور ہوئے اور انہوں نے کہا کہ مولانا گنگوہی کے یہاں مجھے یہ باتیں نہ ملیں۔ آپ نے ان سے ارشاد فرمایا، کہ مولانا گنگوہی بہت بڑے شخص ہیں، ان میں صحابہ کی شان پائی جاتی ہے۔ یہ صاحب جب مولانا گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا الہ آبادی نے انکسار آیہ فرمایا ہے، ان کو تو یہ کہنا چاہئے تھا، کہ رشید احمد ابھی اس مرتبہ میں نہیں ہے (یہ ان دو آدمیوں کے تعلقات ہیں، جن کے متعلق مختلف المسلک ہونے کی شہرت دی جاتی ہے)" (۲)

مولانا الہ آبادی نے ایک حضرت مولانا تھانوی کے نام خط میں لکھا:

"آپ لوگ [یعنی حضرت مولانا گنگوہی وتھانوی] بڑے عالی ہمت، بلند حوصلہ ہیں۔ دولت دارین کے سرمایہ دار، جو کام کرنا چاہتے ہیں، تائید ایزدی رفیق ہوتی ہے، ہر کام بخیر وخوبی انجام پاتے ہیں۔ ہم نکمے، ہمارے کام نکمے، جس کام کا ارادہ کیا، کبھی انجام کو نہ پہنچا۔ اگر کچھ سرمایہ ہے بھی تو ناکامی، کمائی ہے، تو معصیت، بقائے اثر کے لئے کچھ ذریعہ ہے، تو روسیاہی اور شامت اعمال" (۳)

(۱) مکتوبات اکابر دیوبند ص: ۵۵ (۲) سوانح شاہ محمد حسین الہ آبادی تالیف محمد الفاروقی ص: ۱۶۴، [الہ آباد: ۱۳۵۴ھ]

(۳) سوانح شاہ محمد حسین الہ آبادی ص: ۱۳۶، [الہ آباد: ۱۳۵۴ھ]

مولانا سید دیدار علی الوری کا نذرانہ محبت وعقیدت

مولانا سید دیدار علی الوری مشہور عالم اور فقیہ تھے، خصوصاً مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی، مولانا الوری کو ہندوستان کا سب سے بڑا فقیہ اور فقہ میں اپنا مربی سمجھتے تھے اور مسائل کی تحقیق وتصحیح کے لئے، مولانا الوری سے رجوع بھی کرتے رہتے تھے۔

لیکن فاضل بریلوی کو شاید اس کا علم نہیں تھا یا خیال نہیں رہا ہوگا، کہ مولانا الوری حضرت مولانا گنگوہی کے شاگرد اور فقہ میں خاص تربیت یافتہ تھے، مولانا الوری کا تاحیات حضرت مولانا گنگوہی سے نیازمندانہ رابطہ رہا۔ مولانا الوری حضرت مولانا کو جب خط لکھتے، ایسے القاب وآداب لکھتے، جس سے حضرت مولانا کی کامل عظمت اپنے تلمذ اور نیازمندی کا اظہار ہوتا تھا، مولانا الوری کی فتاوی کے مجموعہ تحقیق المسائل میں، مولانا الوری کے، حضرت مولانا کے نام کئی خطوط موجود ہیں، ان کے سرنامے لائق مطالعہ ہیں۔ ایک خط کے آغاز پر لکھا ہے:

عالی خدمت، فیض موہبت، مولانا معظمنا، رافع السنّت، قامع البدعت، مولوی رشید احمد صاحب، ادام اللہ رشدہ۔(۱)

دوسرے خط کی ابتدا ملاحظہ ہو:

عالی خدمت، فیض موہبت، حضور مجمع النور، رافع السنّت، قامع البدعت، مصدر خیر وبرکت، مولانا مرشدنا مولانا رشید احمد صاحب، ادام اللہ رشدہ۔(۲)

اور پھر بعینہ یہی الفاظ تحریر ہیں:

عالی خدمت، فیض موہبت، حضور مجمع النور، رافع السنّت، قامع البدعت، مصدر خیر وبرکت، مولانا مرشدنا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ادام اللہ رشدہ۔(۳)

ایک اور خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

عالی خدمت، قدوۃ العلماء، زبدۃ الاصفیاء، مولانا ومرشدنا، مولانا رشید احمد صاحب سلمہ اللہ۔(۴)

یہ سرنامے مولانا دیدار علی صاحب کے دل میں حضرت مولانا گنگوہی کی جلالت شان اور عظمت ومقام کے بہت بڑے گواہ ہیں، کسی اور شہادت وتحسین کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

---

(۱) تحقیق المسائل، مولانا دیدار علی الوری ص: ۳

(۲) تحقیق المسائل، مولانا دیدار علی الوری ص: ۲

(۳) تحقیق المسائل، مولانا دیدار علی الوری ص: ۱۹ (۴) تحقیق المسائل، مولانا دیدار علی الوری ص: ۳۸

مولوی نقی علی والد فاضل بریلوی، کے کلمات تحسین ایک وقت تھا کہ خود فاضل بریلوی کے والد، مولوی نقی علی خاں صاحب بھی، حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نیازمندوں میں شامل اور ان کے مداح ومعتقد تھے اور دونوں کو "بڑے عالم اور سچے مؤمن" لکھتے تھے۔(۱)

فاضل بریلوی کے ایک معتمد اور خلیفہ، مولانا ناصر شفیع کی شہادت اور بلند الفاظ فاضل بریلوی کے بہت ہی معتمد اور قریب ترین علماء میں، ایک اہم نام، مولانا ناصر شفیع رامپوری [رام پور منیہاران ضلع سہارنپور] کا بھی ہے، جو تاحیات فاضل بریلوی کے ساتھ رہے، بریلی میں انتقال ہوا، وہیں دفن کیے گئے۔ انہوں نے بھی اس کی گواہی دی ہے کہ پورے ملک میں، حضرت مولانا گنگوہی کا ہم پایہ کوئی نہیں۔ اپنی تالیف لمعہ برق جلال میں لکھتے ہیں:

"اس خاندان عالیہ [صابریہ] میں جو کچھ علم وفضل، زہد واتقاء، تصحیح عقائد اجتناب از بدعات ہے، بظاہر ہندوستان میں دوسری جگہ کم ہوگا، الا ماشاء اللہ! مولانا رشید احمد گنگوہی، قاضی محمد اسماعیل صاحب موجود ہیں، جن کے اتباع سنت کا حال پورے ملک میں ضرب المثل ہے۔(۲)

---

(۱) یہ کلمات تحسین مولوی نقی علی کی تالیف: تحفۃ المقلدین، مطبوعہ مطبع صبح صادق، سیتاپور کے ص: ۱۵ پر درج ہیں۔ ملاحظہ ہو: افسانہ عبرت تالیف مولوی مشتاق احمد صاحب چرتھاولی۔ [مطبع قاسمی دیوبند۔ احمد آباد، گجرات۔ محرم ۱۳۳۸ھ]

یہ کتاب تحفۃ المقلدین اگرچہ ناپید نہیں ہے تاہم کم یاب ہے، مگر اب بریلوی اہل قلم اس کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے بلکہ اس کو چھپانا اور گم نام کر دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مولوی نقی علی صاحب پر جو ایک کتاب پاکستان میں چھپی ہے، اس میں بھی تحفۃ المقلدین کا نام نہیں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ فاضل بریلوی احمد رضا صاحب نے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے نام اپنے ایک خط میں بھی، اس کتاب کی اپنے والد کی جانب نسبت سے انکار کیا ہے مگر یہ صاحبان بھول جاتے ہیں کہ

یہ باتیں ہیں جب کہ جب آتش جوان تھا

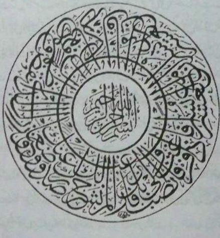
اس وقت مولوی نقی علی، سلسلہ دیوبند کے اکابر وعلماء سے تعلق رکھتے تھے اسی وقت ان کی اور ان کے سلسلہ مارہرہ وغیرہ کے اصحاب کی جو مؤلفات وکتاب چھپتی تھیں، ان میں حضرت مولانا گنگوہی حضرت مولانا نانوتوی نیز علمائے خاندان حضرت شاہ ولی اللہ کا تعریف وتحسین سے تذکرہ ہوتا تھا، مگر فاضل بریلوی نے اپنے اس خط میں، ایسی تمام تالیفات کے وجود وثبوت کا انکار کیا ہے اور اس کی ایک فہرست بھی درج کی ہے، ملاحظہ ہو: مکتوبات احمد رضا خاں بریلوی، مرتبہ پیر محمود احمد قادری ص: ۱۱۹ [لاہور: ۱۹۸۶ء] ان کو جعلی قرار دینا بریلوی صاحب کی مجبوری ہے اگر وہ اس کا اعتراف کرلیں کہ ہمارے والد، بڑوں اور اہل مارہرہ کا اکابر علمائے دیوبند کی نسبت یہ خیال، یہ احترام اور یہ نیازمندی کا معاملہ تھا۔ بگاڑ تو بعد میں اپنے خیالات ومفادات کی وجہ سے ہوا اس تغیر احوال اور اپنے صحیح ذہنی پس منظر اور تاریخ کو بھول جانے پر، اگر اصحاب دیوبندان سے مخاطب ہوکر یہ شعر دہرا دیں تو شاید بے محل نہ ہوگا۔

اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کردیا
وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں؟ بھی تھیں

(۲) لمعہ برق جلال [بجواب کرشمہ جمال] تالیف مولانا شفیع ناصر صاحب ص: ۳۳ [مطبع حقانی لدھیانہ: ۱۳۰۷ھ]

مؤلف نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی کا مشاہدہ اور تاثر: ملک کے ایک ممتاز مورخ اور علماء واہل کمال کے بڑے تذکرہ نگار، مولانا حکیم عبدالحی حسنی رائے بریلوی نے اگرچہ نزہۃ الخواطر میں بھی، حضرت مولانا گنگوہی کا نہایت عمدہ جامع تعارف لکھا ہے مگر اصل وہ تحریر، تاثر اور مشاہدہ ہے، جو مولانا حسنی نے اپنے اطراف دہلی کے سفرنامہ میں لکھا ہے۔ حضرت کی رفاقت ومحفل کا حال، حضرت کے درس کی بات، حضرت کا ذاتی شرف وکمال، تورع واستقامت، اتباع سنت، ہراک پر روشنی ڈالی ہے، آخر میں کہتے ہیں اور وہی گویا مقطع کا بند ہے۔ ملاحظہ ہو:

اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب بقیۃ السلف ہیں، ان کا وجود مغتنمات میں سے ہے، اس تورع واستقامت کا دوسرا شیخ، ان کے سوا اس زمانہ عالم آشوب میں نظر نہیں آتا، علم الٰہی میں جو کوئی ہو، اس کی خبر نہیں۔ مولوی صاحب کے اوصاف میں سب سے بڑا وصف تورع ہے، جو تمام اوصاف کو شامل ہے، کف لسان اور صدق گفتار میں، مولوی صاحب ضرب المثل ہیں۔ (۱)



(۲) دہلی اور اس کے اطراف ص: ۱۳۷

(۲)

فقہ وفتاویٰ نیز فتاویٰ رشیدیہ کے خطی اور مطبوعہ نسخے

حضرت مولانا گنگوہی کی دینی، علمی، فقہی، اصلاحی، تربیتی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور اس کا ایک ایک پہلو، اپنے اندر مختلف جہات اور اصلاح وتبلیغ کی مختلف نوعتیں لئے ہوئے ہوتا تھا، یہاں ایسے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی گنجائش نہیں، تاہم یہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا کی بڑی اور ممتاز ومؤثر فقہی خدمات اور کارناموں کو، بنیادی طور پر چار بڑے حصوں پر تقسیم کرلیا جائے اور ہر اک حصہ کا علیحدہ علیحدہ جزوی، اجمالی تذکرہ کیا جائے۔ یہ تقسیم وترتیب اس طرح ہوسکتی ہے:

(۱) فقہی موضوعات ومباحث پر تصنیفات ورسائل

(۲) روزمرہ کی ضروریات میں عوام کے سوالات اور علمائے کرام کے علمی فنی استفسارات کے جوابات [جس کا سلسلہ ایک دائمی معمول اور لازمی وظیفۂ حیات کے طور پر، زندگی کے تقریباً پچاس سال نصف صدی پر پھیلا ہوا تھا]

(۳) تصحیح عقائد، رسوم وبدعات اور ان کی شرعی حقیقت وحیثیت اور موقع بہ موقع، عوام میں پھیل جانے والی کسی بڑی بدعملی، دین وشریعت کے کسی اصول کی بے توقیری وخلاف ورزی اور فقہی معاملات ومسائل میں، عوام کی اطلاع اور واقفیت کے لئے، مفصل فتاویٰ کی تحریر وتالیف، ان کی اشتہار کی صورت میں اشاعت کا اہتمام اور پورے برصغیر کے مسلمانوں اور اہل علم وفلاح تک ان کو پہنچانے کی مسلسل کوشش۔

(۵) فقہ وفتاویٰ اور احکام شریعت کی صحیح ترین اور عمیق واقفیت، اس کی ہر ممکنہ حدِ آخری درجہ کا اہتمام، اس کی بقاء اور آئندہ نسلوں تک، اس جوہر خالص کو پہنچانے کے لئے علماء صاحب نظر، لائق اعتماد، خداترس اصحاب کی علمی عملی، تربیت کے بعد ان کے کام کی فکری نظریاتی سرپرستی اور ان کے لکھے فتوؤں کی علمی تصحیح ونگرانی، ناقدانہ نظر سے ان کا جائزہ اور ان کی فروگذاشتوں پر تنبیہ کا دائمی اہتمام۔

اگرچہ حضرت مولانا کی فقہی خدمات اور عالی مرتبہ کو جاننے کے لئے ان عنوانات کا مفصل تعارف اور جائزہ بے حد ضروری ہے مگر یہاں ان میں سے صرف عنوان نمبر: ۳-۲ کا کچھ تذکرہ کیا جائے گا۔

تصانیف: حضرت مولانا کی تصانیف ومؤلفات کا سرمایہ، شمار کتب اور صفحات کے لحاظ سے کچھ ایسا ضخیم اور بڑا نہیں ہے، تصانیف ومؤلفات کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے۔ مولانا عبدالحی حسنی نے لکھا ہے:

ولم تكن له كثرة اشتغال بالتاليف.(۱) [حضرت مولانا کا تصنیف وتالیف کا زیادہ معمول نہ تھا۔

دوسرے موقع پر لکھا ہے:

له مصنفات مختصرة قليلة منها تصفية القلوب وامداد السلوك ، وهداية الشيعة.

جو تصانیف ومؤلفات ہیں، ان کے صفحات بھی غیر معمولی اور ہزاروں میں نہیں ہیں، لیکن ان کے مندرجات اور مباحث ومضامین اللہ اللہ! جس کو علم دین خصوصاً حدیث وفقہ میں نظر ہو، دونوں کے مقاصد اور باہمی رشتہ کو کسی قدر پہنچانتا ہو اور علوم کے غوامض واسرار کی قدر کرسکتا ہو، اس سے پوچھئے کہ حضرت نے کس طرح اپنی ایک ایک تالیف وتحریر اور اکثر فتاویٰ کو بھی دریا بکوزہ کی مثال، اور ایک مثال وتخیل کو حقیقت کا پیراہن عطا فرمایا ہے۔ ایک ایک صفحہ کی بات نہیں، بعض بعض موقعوں پر ایک ایک فقرہ اور سطر، باخبر اور بہت ذہین پڑھنے والوں کو بھی محوِ حیرت کردیتی ہے، کہ کس طرح پوری ایک کتاب کے مندرجات کو، ایک بحث کے مضامین کو، ایک فقرہ یا سطر میں سمودیا ہے، یہی وہ کمال اور وصف ہے، جس کی حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے ان الفاظ میں تعریف وتحسین فرمائی ہے، حضرت مولانا تھانوی کا قول ہے:

''مولانا گنگوہی دریا کو، کوزہ میں بند کرتے تھے اور مولانا نانوتوی کوزہ سے دریا نکالتے تھے'' (۲)

جس میں جس قدر علم وصلاحیت ہو، جس درجہ کی علمی بصیرت ہو، وہ اس سے اسی قدر وسیع، اور بے بہا نتائج اخذ کرسکتا ہے، اس کو پھیلا کر اس کی شرح بھی لکھ سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کے یہ تمام مؤلفات وکتب، اگرچہ اردو میں لکھی گئی ہیں، زبان بھی بہت مشکل، اور غیر مفہوم نہیں ہے مگر پھر بھی اکثر تصانیف کے لئے ضروری سا ہے، کہ ان کو کسی ذی استعداد عالم سے، خوب محنت اور گہری توجہ سے حل کیا جائے۔

حضرت مولانا نے تحریر وتصنیف کا کب آغاز کیا، اس کا سراغ نہیں ملتا، تاہم حضرت کی جو پہلی تصنیف معروف اور مطبوعہ ہے، وہ فقہ وفتاویٰ سے متعلق نہیں بلکہ عقائد اور کلام کے موضوع پر ہے۔ یہ ہدایۃ الشیعۃ ہے، جو ۱۲۸۸ھ میں لکھی گئی اور شائع ہوئی تھی، اس میں اہل تشیع کی جانب سے اہل سنت پر کیے گئے، چند اعتراضات کا سنجیدہ، علمی مدلل جواب ہے، جس

(۱) نزہۃ الخواطر ص: ۱۵۰۔ ج: ۸۔ [حیدرآباد]

(۲) جمیل الکلام، مجموعہ ملفوظات ص: ۲۲

کے مطالعہ سے مصنف کی گہری علمی فنی نظر اور پختہ قلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ مصنف کی اور بھی علمی خدمات وتصانیف ہوں گی، جو محفوظ نہیں رہیں۔

(۱) فقہ وفتاوی پر حضرت مولانا کی سب سے پہلی دریافت ومطبوعہ کتاب، زبدۃ المناسک ہے، جو ۱۲۹۹ھ کی تصنیف ہے، اور اسی سال حضرت مولانا [نیز حضرت مولانا نانوتوی کے ایک ممتاز شاگرد] مولانا فخر الحسن گنگوہی کی کوشش سے، مطبع اکمل المطابع، دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا کی صرف تین تالیفات ورسائل ایسے ہیں، جن کا سنہ تالیف معلوم ہے:

(۲) الرای النجیح فی عدد رکعات التراویح مؤلفہ ۱۳۱۵ھ]

(۳) اوثق العری فی تحقیق الجمعة فی القری [مؤلفہ ۱۳۱۷ھ]

(۴) ردالطغیان فی اوقاف القران۔ [مؤلفہ ۱۳۱۷ھ]

اور دو مؤلفات ورسائل پر سنہ تالیف درج نہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) سبیل الرشاد فی التقلید و الاجتهاد۔

(۲) الشمس اللامعه فی کراهة الجماعة الثانیه۔

یہ جملہ رسائل اور تالیفات اگرچہ مختصر مختصر ہیں، مگر ان کی معنویت اور دینی فقہی مباحث میں، ان کی اہمیت اور نشان راہ ہونے کی وجہ سے، ان کی توضیحات کی گئیں، حاشیے اور شرحیں لکھی گئیں نیز ان کے تائیدات اور پھر ان کے جوابات وغیرہ پر بھی بیسیوں کتابیں وجود میں آئیں، مگر زیر سطر صفحات اس تفصیل کے متحمل نہیں ہیں، اللہ تعالی کو اگر منظور ہوا تو کسی اور وقت یہ گفتگو ہوگی۔

اگرچہ حضرت مولانا سے اور بھی بعض رسائل اور مختصر تالیفات منسوب ہیں، مثلاً: فتاوی میلاد، فتوی احتیاط الظہر، تحقیق الضاد والمصافحہ یا ممانعت وحلت زاغ وغیرہ، مگر یہ حضرت مولانا کی باقاعدہ تالیفات نہیں، بلکہ ان موضوعات پر صادر فتاوی ہیں، ان کو حضرت مولانا کے مختلف نیاز مندوں یا ناشرین نے، افادۂ عام کے خیال سے، علیحدہ مؤلفات کی صورت میں مستقل عنوان سے چھپوا دیا تھا، اس لئے ان کو حضرت مولانا کی باقاعدہ مؤلفات وتصانیف میں شمار کرنا صحیح نہیں۔

چند شاگرد: حضرت مولانا کی ذات گرامی سے، جو بے شمار دینی منافع ہوئے، خصوصاً ہندی ملت اسلامیہ کو جو رہنمائی ملی اور فکر وبصیرت کا خزانہ ہاتھ آیا، اس میں حضرت کی تصانیف ومؤلفات اور تحریرات وفتاوی کے ساتھ، حضرت مولانا کے عالی مرتبت شاگردوں کا بھی، بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ شاگرد اور تربیت یافتہ اصحاب کئی قسم کے تھے، حدیث شریف کی گرہ کشائی میں ماہر، سلوک وطریقت میں کامل، دینی شرعی مسائل کی واقفیت اور جواب دہی میں منفرد۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ ان میں

سے کسی ایک فن میں یگانہ روزگار تھے، کچھ ایسے جن کو دو چیزوں میں کمال اور بصیرت حاصل تھی اور بیشتر ایسے جوان میں سے ہر ایک منزل کے رہ نورد، ہر ایک دریا کے غواص اور حدیث وفقہ ہو، یا سلوک ومعرفت، ہر اک کی، اعلیٰ درجہ کی بصیرت ونظر سے سرفراز اور ہر اک کی گرہ کشائی میں، اپنے عصر کے لئے نشان راہ اور مینارۂ نور ہے۔

یوں تو حضرت مولانا کے شاگردوں اور مستفیدین کی ایک بڑی تعداد ہے مگر یہاں صرف ان حضرات کے نام ذکر کئے جاتے ہیں، جنہوں نے حضرت مولانا کی خدمت میں قیام کر کے، ایک مدت تک فقہ وفتاویٰ کی تعلیم حاصل کی، فتاویٰ نویسی کے اصول جانے، اس کی عملی مشق کی، اور بعد میں خود ایسے ثابت ہوئے، کہ اب ان کے نام اور ان کے کام [عظیم الشان خدمات کے علاوہ] اور فقہ وفتاوی کی دنیا میں ان کا ایسا بلند مرتبہ ہے کہ ان میں سے بعض کے فتاویٰ اور فقہی ہدایات وسبق کو نظر انداز کر کے، صحیح سمت میں آگے بڑھنا سفر کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ [ناموں کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق ہے]

(۱) مولانا حافظ احمد [خلف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ]

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۳) حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۴) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ

(۵) حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مہاجر مدنیؒ

(۶) مولانا صدیق احمد کاندھلویؒ

(۷) مولانا عبد الغفار صاحب اعظمیؒ

(۸) مولانا مفتی عبد الکریم پنجابیؒ

(۹) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندیؒ

(۱۰) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ

اسی فہرست میں مفتی اعظم، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا نام بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ اگر چہ مفتی صاحب حضرت مولانا گنگوہی کے براہ راست شاگرد نہیں تھے، لیکن دار العلوم دیوبند کے زمانہ تعلیم میں، حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور استفادہ کرتے تھے۔

ان حضرات میں سے ہر اک کی فقہی خدمات اور ان کے عہد میں ہندی ملت اسلامیہ پر، ان کے اثرات اور بعد کے اہل فتویٰ کا ان سے استفادہ ان کے طریقۂ کار اور روایت کی پاسداری کی تفصیلات، ایک ضخیم کتاب یا علیحدہ علیحدہ مفصل جامع مقالات کی طالب ہیں اور یہ صفحات اس کا محل نہیں ہیں۔

یہاں اس دلچسپ حقیقت کا بھی کچھ تذکرہ ہو جانا چاہئے، کہ فاضل بریلوی، احمد رضا خاں صاحب اپنے ہم نوا، جن اصحاب کی فقہ حنفی میں مہارت اور کمال کے معترف ہیں، وہ یا تو براہ راست حضرت مولانا گنگوہی کے شاگرد ہیں، یا حضرت مولانا کے شاگردوں سے مستفید ہیں جس میں مولانا سید دیدار علی الوری سرفہرست تھے۔

حضرت مولانا، احادیث کے متون پر نہایت گہری نگاہ، غیر معمولی وسعت نظر، رسائی ذہن اور دقت نظر سے کئی فقہی اختلافی بحثوں اور الجھے ہوئے معاملات ومسائل کو، اس طرح حل کیا اور ان کے بعض اہم گوشوں کا حسن استدلال اور معنویت سے لبریز، ایسا خوبصورت اور عمدہ تجزیہ فرمایا، کہ اہل علم ونظر حیران رہ گئے۔ حضرت مولانا کے ایسے فتاویٰ میں ندرت استدلال کے علاوہ، اس درجہ پختگی گہرائی جامعیت ہے کہ اس دور کے علماء نے، ان فتاویٰ کو، بکمال فن فہم حدیث اور تفقہ کا ایک گراں بہا خزانہ قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا کے معاصر جلیل القدر علماء نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا اور اس طریقۂ اخذ واستنباط کو اپنے لئے نمونہ اور نشان راہ قرار دیا، بلکہ ان حضرات نے بھی، جو فقہی اختلافی مسائل میں دوسری رائے رکھتے تھے، اس حسن استدلال کی تحسین کی۔

حضرت مولانا سے عام مسائل اور روزانہ کے معمول کی چیزوں اور ضروریات کی نسبت، جب دریافت کیا جاتا تو مختصر جواب تحریر فرمانے کا معمول تھا، جو مسئلہ کی حد تک کامل اطمینان بخش مختصر الفاظ پر مشتمل، عموماً حدیث شریف کے متون اور فقہی کتابوں کے حوالوں اور جزئیات سے خالی، مگر ایسا پر مغز جامع اور پر از معنی ہوتا تھا، کہ اس سے اس مسئلہ کے عام جاننے والے دریافت کرنے والے کا، پورا اطمینان اور تشفی ہو جاتی ہے اور فقہ وفتاویٰ میں بصیرت اور فقہی متون پر نظر رکھنے والے بھی، اس کی گہرائی اور معنویت کو محسوس کئے بغیر نہیں رہتے تھے کہ، حضرت مولانا نے کم سے کم چند الفاظ میں مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کا احاطہ کرلیا ہے، بلکہ اصول دین وشریعت اور متقدمین فقہاء کے ارشادات واقوال کی مکمل ترجمانی بھی فرمادی ہے۔

مگر ہر اک مسئلہ اور ہر طرح کے فتاویٰ کے جوابات، ایک دو یا چند سطروں پر ہی مشتمل اور مختصر نہیں ہوتے تھے، بلکہ وہ سوالات جو توحید وعقائد، بدعات ورسوم، یا کسی اہم فقہی مسئلہ پر ہوں، جس میں اہل فتاویٰ کا اختلاف ہو، یا کسی دوسرے مسلک کے علماء کی تصریحات وتحریرات کی وضاحت کی ضرورت ہو، یا بدعات خصوصاً وہ بدعتیں، جو اس دور میں مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کی وجہ سے عام ہو رہی تھیں، ان کی پردہ کشائی کی ضرورت ہوتی، تو ایجاز واختصار کا معمول باقی نہیں رہتا تھا، ان پر مفصل گفتگو ہوتی، جس میں آیات شریفہ احادیث وآثار، ائمہ فقہاء کے اقوال اور فقہائے متقدمین ومتاخرین کی روایات نقل فرماتے ان کا درجہ واضح کرتے اور تمام پہلوؤں کو اس طرح منقح اور روشن فرمادیتے تھے، کہ منصف مزاج حقیقت کے طالب کو الجھن باقی نہیں رہتی تھی۔

ایسے مباحث میں حضرت مولانا، صرف معروف مآخذ واستدلال کا تذکرہ نہیں فرماتے، بلکہ کئی مرتبہ اس نظریہ کے ثبوت میں ایسے دلائل پیش فرماتے ہیں اور احادیث شریفہ کے الفاظ کی توضیح کے ساتھ، اس سے اس طرح استدلال کرتے ہیں، جو اگرچہ بالکل نیا ہوتا ہے، اس سے پہلے شاید ہی کسی محدث فقیہ یا عالم نے، اس سے اس مقصد کے لئے اس طرح استدلال کیا ہو، مگر جب حضرت مولانا کے طریقۂ تفہیم اور طریقۂ استدلال پر نگاہ جاتی ہے، تو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہیں رہتا، کہ اس کا واقعۂ یہی مفہوم ہے، جو حضرت مولانا نے اخذ کیا ہے، جس پر آج تک کسی کی نظر نہیں گئی تھی۔

حضرت مولانا، بلاشبہ فقہ حنفی کے ایک بڑے نمائندہ اور ترجمان تھے، لیکن اپنے عہد کے اکثر حنفی فقہاء سے نہایت مختلف، بڑے غواص، نہایت دیدہ ور، فقہ حنفی کے مآخذ وجزئیات کے نہ صرف جاننے والے، بلکہ ان کے حافظ، لیکن نہایت تحقیق وتنقید کے ساتھ۔ جس معروف فقہی روایات واصول میں، استدلال وانطباق کی کمی رہ جاتی ہے، اس کی تصحیح بھی کرتے ہیں اور حسب ضرورت تنقیح وتجزیہ بھی۔ حدیث شریف سے فن کی مطابقت اور اصول فقہ وحدیث کے تمام متعلقات سے گذار کر، چھان کر، کسی بڑے اہم مسئلہ کی تشریح فرماتے ہیں، تو اس کی سطر سطر بلکہ حرف حرف پڑھنے اور غور کرنے کا ہوتا ہے، اس کی مدد سے اس مسئلہ کے حل کے علاوہ اور بھی کئی مباحث ومسائل کو گہرائی تک جاننے اور ان کے حل کرنے میں مدد مل جاتی ہے، نیز اس طریقۂ کار سے رہنمائی حاصل کر کے اور مسائل کی تفہیم بھی آسان ہو جاتی ہے۔

بہر حال حضرت مولانا گنگوہی نے تقریباً چالیس پینتالیس سال تک، تحریر فتاویٰ میں مشغول بسر کیے۔ حضرت مولانا غالباً ۱۲۶۵ھ [۱۸۴۹ء] میں چار سال دہلی میں گذار کر، جب مولانا کی عمر اکیس سال تھی [ولادت ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ۔ ۱۱ مئی ۱۸۲۹ء] تعلیم مکمل ہونے پر وطن واپس آ گئے تھے، (۱) اس وقت سے مختصر ملازمتوں کے دو موقعوں کے علاوہ، حضرت مولانا کی زندگی کا بڑا حصہ، اپنے وطن گنگوہ [ضلع سہارنپور، یوپی] میں ہی گزرا، اور اگرچہ اس کی کوئی واضح شہادت یا اطلاع موجود نہیں، لیکن قرائن وآثار کہہ رہے ہیں کہ حضرت مولانا نے، اسی وقت سے خود کو، دینی علمی خدمات کے لئے گویا وقف کر دیا تھا، جس میں اور مصروفیات کے علاوہ عوام کی دینی مسائل میں رہنمائی اور مسائل وفتاویٰ کی تحریر کا عمل بھی جاری تھا، لیکن اس دور کے لکھے ہوئے فتوؤں کی نقل یا تفصیل دریافت نہیں، صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی کے فتاویٰ پر جلد ہی

---

(۱) تاریخ ولادت کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص: ۱۳۔ جلد اول [عکس طبع اول، سہارنپور: ۱۹۷۷ء] اور تذکرۃ الرشید میں یہ صراحت بھی ہے کہ:

"اس وقت جب آپ کی عمر شریف تخمیناً اکیس سال کی تھی، آپ کا زمانہ طالب علمی ختم ہولیا اور آپ نے اپنے وطن مالوف کی جانب مراجعت فرمائی" ص: ۳۵

"دہلی میں یہ زمانہ طالب علمی جتنا بھی آپ کو قیام کرنا پڑا، اس کی مدت کو دیکھئے کہ بمشکل چار سال ہوتی ہے" صفحہ بالا

اہل نظر کو اعتماد ہوگیا تھا،عوام کے سوالات کے علاوہ بھی،اس وقت کی تحریروں اور فتاویٰ پر،حضرت مولانا کی تصدیق وتائید کا درج ہونا استناد کی علامت سمجھی جاتی تھی اور یہ صرف مولانا کے وطن اوراس کے اطراف کی بات نہیں تھی، بلکہ نسبۃً دور دراز علاقوں خصوصاً پنجاب میں، تالیف اور شائع، متعدد مختصر تالیفات یا فقہی مسائل وموضوعات کے جوابات ورسائل پر، حضرت مولانا کی تائید وتصدیق اور مہر ثبت ہے، دہلی کے مطبوعہ چند رسائل وفتاویٰ پر بھی، حضرت مولانا کی تصدیق درج ہے، ایسے جو رسائل وفتاویٰ اس وقت تک میری نظر سے گزرے ہیں، ان میں سب سے قدیم رسالہ جس پر، حضرت مولانا کی بحیثیت فقیہ ومفتی کے تصدیق مہر شامل ہے ۱۲۷۵ھ [۱۸۵۹ء] کا ہے، جو اس بات کی علامت ہے، کہ حضرت مولانا کا اس وقت تک، فقہی دنیا میں اعتبار واعتماد قائم ہو چکا تھا،(۱) اور اطراف ونواح کے علاوہ، دور دراز علاقوں میں بھی، حضرت مولانا کا نام ایک جید، صاحب اعتماد مفتی کی حیثیت سے جانا پہنچانا جاتا تھا، مسائل وفتاویٰ پر مولانا کی مہر دیکھ پڑھ کر، اس پر اعتماد ہو جاتا تھا۔ حضرت مولانا کی دقت نظر اور فقہ وفتاویٰ میں بلند پردازی کے ساتھ ساتھ، حضرت مولانا سے رجوع اور اعتماد میں متواتر اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک حضرت مولانا کی حیثیت بنگال سے صوبہ سرحد اور بلوچستان تک، ایک بڑے معتمد اور دیدہ ور اور محتاط مفتی کی ہوگئی تھی اور حضرت مولانا فقہ وفتاویٰ پر بھی، امام عصر اور مرجع اہل نظر تسلیم کر لئے گئے تھے۔

اگرچہ حضرت مولانا کے فتوے، ملک کے دور، خطوں تک معروف ومعتمد شمار ہوتے تھے اور کتب ورسائل کے علاوہ اشتہارات کی صورت میں چھپ کر بھی، بہت دور، دور تک پہنچتے اور لوگوں کے لئے اصلاح وعمل کا ذریعہ بنتے تھے، مگر اس دور میں، حضرت مولانا کے فتاویٰ کی نقل رکھنے اور ان کے جمع کرنے کا کوئی اہتمام ہوا ہو، راقم سطور کو اس کا سراغ نہیں ملا۔ حضرت مولانا کے فتاویٰ کے نقل کرنے اور یک جا فراہم کرنے کا سلسلہ، اس وقت شروع ہوا، جب حضرت مولانا نے، دوسرے سفر حج سے واپسی کے بعد [غالباً محرم ۱۲۸۲ھ جون ۱۸۶۵ء] میں، حدیث شریف کی اعلیٰ ترین کتابوں، خصوصاً صحاح ستہ کے درس کا ارادہ کیا، جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی دور دراز کے علاقوں سے جید فاضل، ماہر مدرسین، نہایت ذی استعداد فارغین اور طلبہ، حضرت مولانا کے درس حدیث میں شرکت کے لئے گنگوہ آنے لگے۔ ان طلبہ کے ذریعہ سے حضرت مولانا کے علم وعرفان کا فیضان، ایک بڑے دریا کی صورت میں جاری ہوا، اور اس کے پر بہار واثرات وثمرات کی خوشبو، برصغیر ہند کی سرحدوں سے گذر کر دور تک پہنچی، ملکوں ملکوں سے طلبہ درس حدیث کیلئے گنگوہ آئے، جو اپنے اپنے انتظام اور سہولت کے مطابق، گنگوہ میں قیام کر کے، حضرت کے درس حدیث میں حاضر ہوتے اور اپنے دامن کو علم وکمال کے جواہرات سے مالا مال کرتے تھے۔

---

(۱) لیکن بعض کتابوں پر تقریظات اس سے بھی پرانی ہیں، مثلاً مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی کتاب دلائل الاذکار حضرت مولانا گنگوہی کی تقریظ ہے، جو ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء کی مؤلفہ ومطبوعہ ہے۔

ان طلبہ کو، جب حضرت کے حدیثی افادات وارشادات کی، خاص معنویت، گہرائی وگیرائی کا اندازہ ہوا، تو ان افادات ومطالب کو محفوظ قلم بند کرنے کے، سلسلہ کا بھی آغاز ہوا، اسی وقت حضرت کے فتاویٰ کی نقلیں رکھنے کا سلسلہ شروع ہوا، اس سلسلہ کا سب سے پہلا مجموعہ، کس نے مرتب کیا اس کا تذکرہ آسان نہیں ہے لیکن راقم سطور کو جن چند مجموعوں کا علم ہے، ان میں سب سے پہلا مجموعہ افادات وہ ہے، جو مولانا اشرف الحق دہلوی نے ۱۳۰۳ھ [۸۶-۱۸۸۵ء] میں مرتب وقلم بند کیا تھا۔ اس وقت سے حضرت مولانا کی وفات، بلکہ بعد تک، حضرت مولانا کے فتاویٰ کی جمع وترتیب ہوتی رہی، کل کس قدر مجموعے مرتب ہوئے، ان کی صحیح تعداد بھی معلوم نہیں، لیکن اس ذخیرہ میں سے، بارہ چودہ، چھوٹے بڑے مجموعوں کا، مجھے تعارف یا سراغ ملا ہے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:

نسخہ دہلی: مولانا اشرف الحق صاحب، دہلی کی پنجابی برادری سے تعلق رکھتے تھے، دہلی کے اساتذہ سے ابتدائی تعلیم کے بعد، مدرسہ دیوبند [دارالعلوم] کے اساتذہ وعلماء، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور [شیخ الہند] مولانا محمود حسن صاحب وغیرہ سے اعلیٰ درسیات کی تعلیم مکمل کی، حدیث شریف کے درس واختتام کے لئے، حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، غالباً دوسال تک گنگوہ میں قیام کیا، جس میں سے خاصا وقت، حضرت مولانا کے دولت کدہ پر گزرا، اس دوران حضرت مولانا سے حدیث کی اعلیٰ کتابیں، خصوصاً دورہ حدیث شریف، بہت عمدہ طریقہ پر پڑھا اور مکمل کیا۔

مولانا اشرف الحق صاحب نے اس قیام کے دوران یہ فیصلہ کیا تھا، کہ وہ حضرت مولانا کی درس کی تقریریں محفوظ وقلمبند کریں گے، اس کے علاوہ حضرت مولانا کے فتاویٰ کی نقلیں رکھنے کا بھی اہتمام کیا، حضرت مولانا کے ارشادات وملفوظات بھی لکھتے رہے، اس طرح مولانا اشرف الحق نے ایک بڑا ذخیرہ یک جا کر لیا تھا، جو فل سکیپ {A/4} ناپ کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تھا، جس میں حضرت کے تقریباً پانچ سو فتاویٰ بھی درج تھے۔ مولانا اشرف الحق کے فرزند، امداد صابری صاحب نے لکھا ہے کہ:

"اس قلمی کتاب میں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ حمیدیہ کے ۴۸۷ [چار سو ستاسی] فتوے نقل کئے ہیں"(۱)

یہ مجموعہ افادات وتقاریر ۱۳۰۳-۴ھ [۸۶-۱۸۸۵ء] میں قلم بند ہوا۔ مولانا اشرف الحق نے اسی مجموعہ میں، حضرت مولانا کا رسالہ کراہت جماعت ثانیہ [القطوف الدانیہ] بھی نقل کیا ہے، اس کے آخر میں تاریخ تحریر اور گنگوہ میں اسی قیام کا واضح تذکرہ کیا ہے۔ تحریر ہے:

(۱) داستان شرف، سوانح مولانا اشرف الحق، تالیف امداد صابری صاحب ص: ۲۰۰۔ دہلی

"اضعف العباد، شرف الحق، خادم الدین دہلوی، بہ شب سہ شنبہ بماہ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ، بہ مکان مولوی ابوالنصر اور مولانا رشید احمد"(۱)

یہ مجموعہ جس میں حضرت مولانا کے بہت اہم اور خاص فتوے درج ہوئے ہیں، امداد صابری صاحب مرحوم کی وفات [یکم ربیع الاول ۱۴۰۹ھ/۱۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء] تک محفوظ تھا، اس کے بعد، اس قیمتی نسخہ پر کیا گزری، کہاں گیا، کچھ معلوم نہیں۔ بظاہر علوم معارف کا یہ گنجینہ ضائع ہو چکا ہے، ان کے ورثا سے بار بار رابطوں کے باوجود اس کا سراغ نہیں ملا، کیا کہا جائے، فانا للہ وانا الیہ راجعون.

میری دلی دعا اور تمنا ہے اور قارئین کرام بھی اس میں شامل ہوں اور اس پر آمین کہیں، کہ یہ گوہر گرانمایہ ضائع نہ ہوا ہو، کہیں محفوظ ہو اور شائع ہو کر، اہل علم وذوق کی تسکین کی خاطر اور رہنمائی کا سامان بن جائے۔

۲- مجموعہ مرتبہ مولانا عبدالغفور چندیانوی، مکتوبہ ۱۳۱۱ھ: حضرت مولانا گنگوہی کے گم نام شاگردوں میں سے ایک عالم، مولانا عبدالغفور صاحب چندیانوی بھی تھے۔ چندیانہ، موجودہ ضلع بلند شہر مغربی یوپی کا ایک قصبہ ہے، یہاں کئی اہل علم پیدا ہوئے، ان میں سے مولانا چندیانوی بھی تھے، مولانا عبدالغفور صاحب نے بھی، حضرت مولانا گنگوہی کے فتاوی کا ایک نسبۃً مختصر مجموعہ مرتب کیا تھا۔

یہ مجموعہ چھوٹی پیمائش کے ایک کم سو (ننانویں) صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ گیارہ سطریں ہیں، سادہ رواں نستعلیق قلم ہے، جو بہت عمدہ اور پختہ نہیں ہے۔ اس میں حضرت مولانا گنگوہی کے تینتیس فتوے نقل ہوئے ہیں، آخر میں ایک مفصل فتوی میلاد کے موضوع پر فارسی میں ہے، یہی اس مجموعہ کا سب سے مفصل فتویٰ ہے، جو نو صفحات پر مشتمل ہے، [ص:۹۱ سے ص:۹۹] مگر اس فتوے کے آخر میں حضرت مولانا گنگوہی کے نام کی صراحت نہیں، اسی فتوے کے اختتام پر یہ مجموعہ بھی مکمل ہو گیا ہے۔ آخر میں کاتب نسخہ نے اپنا نام اور تاریخ کتابت تحریر کی ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"تمام شد، راقم الحروف، المعروف والمشہور، سراپا قصور راجی رحمت ربہ الغفور، بندہ عبدالغفور چندیانوی۔

روز سہ شنبہ مورخہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ مطابق ۲ جنوری ۱۸۹۴ء۔"

نسخۂ چندیانوی، پاکستان میں، انجمن ترقی اردو، کراچی کے ذخیرۂ خاص میں محفوظ تھا، اور اب یہ تمام کلکشن انجمن کی لائبریری سے نیشنل میوزیم، کراچی میں منتقل ہو گیا ہے۔ انجمن ترقی اردو، کراچی کی فہرست مخطوطات میں، اگرچہ اس نسخہ کا تعارف کرایا گیا ہے، مگر کتاب کا نام، مصنف، سنہ کتابت سب غلط لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) داستان شرف، سوانح مولانا شرف الحق، تالیف امداد صابری صاحب ص:۲۰۰، دہلی

رسالہ فقہ

صفحات ۹۹ سطور ۱۱ سنہ تصنیف قبل از ۱۲۶۲ھ

سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ

مزید تحریر ہے:

"زیادہ تر جوابات مولوی رشید احمد گنگوہی کی جانب سے ہیں، اور کمتر مولوی محمد یعقوب نانوتوی کی جانب سے۔" (۱)

خطہ شکستہ اور رواں ہے۔ مطبوعہ فہرست کے آخر میں ترقیمہ مصنف بھی نقل کیا ہے، مگر اس میں بھی سنہ تحریر غلط درج ہوا ہے۔ مرتب فہرست مخطوطات انجمن نے، یہاں بھی اس نسخہ کا سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ ہی لکھا ہے۔ (۲)

یہ کتاب جس کا یہاں تذکرہ ہوا ہے، درحقیقت مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا گنگوہی ہے، جس میں سے صرف ایک فتویٰ [جس کی صراحت گزری] مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا شامل ہے۔ اس کے آخر میں صاف لکھا ہے:

"کتبہ الراجی رحمت ربہ، محمد یعقوب النانوتوی"

بہر حال یہ مجموعہ مولانا عبد الغفور چندیانوی کے قلم سے ہے، ترقیمہ کاتب، فہرست مخطوطات انجمن میں بھی نقل ہوا ہے، مگر اس میں بھی سنہ تالیف درج کرنے میں، سہو ہوا ہے، اس میں شامل ایک بھی فتوے کی تاریخ تحریر یا ترتیب و کتابت کا، ۱۲۶۲ھ سے کچھ تعلق نہیں، ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ ۱۲۶۲ھ میں تو مولانا گنگوہی بالکل نوعمر تھے، دہلی میں تعلیم مکمل کر رہے تھے، اس لئے ممکن ہی نہیں کہ اس دور میں، حضرت مولانا نے کوئی فتویٰ لکھا ہو، اس کے مجموعہ کا مرتب ہونا، اس کی نقل و ترتیب تو دور کی بات ہے۔ اصل نسخہ کے ترقیمہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ مجموعہ ۱۳۱۱ھ [۱۸۹۴ء] کا مرتبہ و مکتوبہ ہے۔

راقم سطور کو اس نسخہ کا فوٹو اسٹیٹ، اس وقت انجمن ترقی اردو کے معتمد خصوصی [صدر نشیں] عالمی شہرت یافتہ دوہا گو، شاعر، جناب جمیل الدین عالی صاحب کی عنایت سے ملا تھا، میں نے اس کے مصارف اور ڈاک خرچ بھیجنا چاہا، تو عالی صاحب نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ: "میرا بھی اس کار خیر میں کچھ حصہ ہو جائے گا" اس علم پروری کے لئے عالی جی، انجمن ترقی اردو اور نیشنل میوزیم، کراچی کا ممنون ہوں، شکریہ۔

۳- مجموعہ مولانا نظیر حسین، فرخ آباد۔ مکتوبہ غالباً ۱۳۲۱ھ

فرخ آباد، یوپی کے ایک عالم، مولانا نظیر حسین صاحب کا، حضرت مولانا گنگوہی سے خاص رابطہ رہتا تھا، فقہی سوالات علمی مسائل و مباحث کے لئے حضرت مولانا

(۱-۲) مخطوطات انجمن ترقی اردو۔ مرتب افسر صدیقی امروہوی، ص: ۸۲ جلد دوم۔ [کراچی: ۱۹۶۷ء]

سے خط و کتابت کرتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا اپنے معمول کے مطابق ان کے جوابات لکھتے تھے، مولانا نظیر حسین صاحب نے جو نابینا تھے، اپنے اکثر خطوط و سوالات اور حضرت مولانا کے جوابات، ایک مجموعہ میں یک جا نقل کرالئے تھے، مگر اس کا جو فوٹو اسٹیٹ دستیاب ہے، وہ مکمل نہیں ہے۔ خیال یہ ہے کہ مولانا نظیر حسین صاحب نے کسی کاتب و ناقل سے حضرت مولانا گنگوہی کے زیر تعارف فتاویٰ اور مکتوبات کے علاوہ اور بھی چند کتابیں یا رسالے ایک مجموعہ کے طور پر نقل کرائے ہوں گے، لیکن اس مجموعہ فتاویٰ کے ساتھ اور رسالے شامل نہیں، بظاہر ان کو اس مجموعہ سے علیحدہ کرلیا گیا اور صرف فتاویٰ کا یہ عکس میرے ہاتھ میں ہے۔

زیر نظر مجموعہ درمیان پیمائش کے بتیس ورق یا چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے، نستعلیق پختہ تحریر ہے، عموماً فی صفحہ سولہ سطور ہیں، بعض صفحات پر کم وزائد بھی ہیں، چند صفحوں کے حاشیوں پر سوال نامہ یا جواب کا کچھ حصہ نقل ہوا ہے، سرورق کے بعد جو صفحہ ہے، اس کا مکتوب دہم سے آغاز ہوا ہے، اور اس کے کونہ پر ورق نمبر درج ہے صفحہ اکیس کا نشان بھی واضح ہے، یعنی اصل مجموعہ میں سے، دس مکتوبات وفتاویٰ یا بیس صفحات اس عکس میں موجود نہیں ہیں، مگر اس کے بعد کے اکثر صفحات کی ترتیب فوٹو اسٹیٹ صاف نہ ہونے کیوجہ سے واضح نہیں رہی، شبہ ہوتا ہے کہ درمیان سے بھی بعض صفحات اور مسائل کے جوابات غائب ہیں، چند مکتوبات پر شمار درج ہے، بعض پر نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نظیر حسین کا حضرت مولانا سے، علمی استفادہ اور خط و کتابت کا سلسلہ خاصا طویل تھا۔ اور یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس مجموعہ میں، مولانا نظیر حسین صاحب کے دریافت کیے، تمام سوالات کے جوابات شامل نہیں کیے گئے، اس کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات امہات المومنینؓ کے اہل بیت میں شامل ہونے کے موضوع پر، ایک سوال کا جواب جو حضرت کے ایک اور قلمی مجموعہ فتاویٰ [مجموعہ کلاں ورق: ۲۵ب۔ مخطوطہ قدیم] میں درج ہے، وہ اس نسخہ میں موجود نہیں ہے۔

اس مجموعہ میں شامل، حضرت مولانا گنگوہی کے ایک خط کے آخر میں، ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ/ [۵ اکتوبر ۱۹۰۰ء] تاریخ کتابت رقم ہے، اور اس مجموعہ کے شمار کے لحاظ سے یہی اس مجموعہ کا آخری خط بھی ہے، اور اس خط کے آغاز پر مکتوب سی و ششم [۳۶] کا اندراج واضح ہے، یعنی اس مجموعہ میں شامل حضرت مولانا کے جملہ مکتوبات وفتاویٰ، وسط ۱۳۱۸ھ تک کی یادگار ہیں۔

مولانا نظیر حسین نے ان مکتوبات وفتاویٰ کو کتابی صورت میں، کس سے اور کس وقت مرتب و یکجا کرایا، زیر نظر فوٹو اسٹیٹ سے کچھ پتہ نہیں چلتا، لیکن اسی فوٹو اسٹیٹ کے پہلے صفحہ پر، مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کے، کسی کاتب کے قلم سے یہ الفاظ تحریر ہیں:

''کتبہ عبدالرحیم فرخ آبادی، ماہ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ''

کاتب کا یہ نام اور تاریخ اختتام کتابت، غالباً اس مجموعہ فتاویٰ کے ساتھ نقل، کسی اور کتاب پر درج ہوگی، جو اسی کاتب کے قلم سے لکھی ہوئی ہوگی، جس نے یہ مجموعۂ فتاویٰ مرتب اور نقل کیا ہے، اس لئے مولانا فریدی صاحب نے یادداشت کے لئے، اس نسخہ مکتوبات وفتاویٰ پر لکھوادیا ہوگا، یعنی کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجموعہ فتاویٰ بھی ۱۳۲۱ھ [اپریل مئی ۱۹۰۴ء] کا مکتوبہ ہے۔

۴-نسخہ سہارنپور، مکتوبہ در حیات حضرت گنگوہی: حضرت مولانا گنگوہی کے فتاویٰ کے، حضرت مولانا کی حیات میں مرتب و دریافت مگر غیر مطبوعہ، قلمی نسخوں میں، سب سے اہم جامع اور مفصل ترین، مجموعہ وہ ہے، جو کتب خانہ مظاہر علوم سہارنپور میں محفوظ ہے۔(۱) یہ نسخہ اگرچہ اول آخر سے کسی قدر ناقص ہے، شروع کے غالباً دو ورق یا تین صفحات غائب ہیں۔ آخر میں مضمون تو مکمل ہے مگر ایسا خیال ہوتا ہے کہ کاتب وناقل [یا مرتب] کا کچھ اور بھی لکھنے کا ارادہ تھا، مگر اس کا موقع نہیں ملا اور یہ اہم کام آخر سے ناتمام رہ گیا۔ اس نسخہ پر مرتب وناقل کا نام اور تاریخ وسنہ کتابت موجود نہیں۔

تاہم یہ نسخہ حضرت مولانا کے غیر مطبوعہ فتاویٰ کا نہایت ہی قیمتی مجموعہ ہے، جس میں مسائل ومباحث کا تنوع، ان کی تعداد، نیز علمی استدلالی پہلو سے افادیت ومعنویت اور تمام نسخوں سے، بہت زیادہ ہے۔ حضرت مولانا کے دست مبارک سے موجود فتاویٰ کے بعد، غالباً حضرت کے فتاویٰ کا کوئی اور مجموعہ اس کا ہم پایہ، اس وقت تک دریافت نہیں ہوا۔

یہ نسخہ ۲۰/۱۵ سینٹی میٹر پیمائش کے دوسو چوالیس صفحات پر مکمل ہوا ہے، فی صفحہ عموماً تیرہ یا چودہ سطر آئی ہیں، تحریر صاف نستعلیق ہے، کاتب کے قلم سے، قلم کی یکسانیت اور طبیعت کے ٹھہراؤ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اگرچہ اس میں مرتب اور کاتب کا نام اور سنہ ترتیب وتحریر درج نہیں مگر اس کے مندرجات سے واضح ہے، کہ یہ نسخہ حضرت مولانا گنگوہی کی زندگی میں جمع اور نقل کیا گیا تھا۔ اندرونی صفحات میں، حضرت مولانا کے دستخط کی صراحت کے بعد: ''مدظلہ العالی، مولانا مدظلہم۔ تحریر جناب مولانا صاحب مدظلہ'' صاف لکھا ہوا ہے، اور اس کے درج دو فتووں کے ضمنی اندراجات سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ یہ مجموعہ ۱۳۰۰ھ اور اس کے بعد کے چند سال کے فتاویٰ پر مبنی ہے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس میں ایک فتوے پر، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی تصدیق درج ہے، ''الاجوبۃ صحیحۃ محمد یعقوب نانوتوی'' [ص: ۱۲ قلمی] حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی [ربیع الاول ۱۳۰۲ھ، ۲۲ دسمبر ۱۸۸۴ء] میں وفات ہوگئی تھی، یعنی یہ فتویٰ اس سے پہلے لکھا گیا تھا،

---

(۱) ہماری بدقسمتی اور ملت کے افتراق وانتشار کے مزاج کا شاخسانہ اور ایک برا اثر یہ بھی ہے کہ ہمیں بڑے دینی اداروں اور رہنماداروں کے ناموں کے ساتھ نامبارک وناپسندیدہ تقسیم کا نشان لگانا پڑتا ہے، اور اس کے بغیر ہمارے افتراق پسند مزاج کا اطمینان اور تسلی نہیں ہوتی، اس لئے عرض کیا جاتا ہے کہ یہ نسخہ مدرسہ کے قدیم کتب خانہ میں اس عمارت میں ہے، جو مدرسہ مظاہر علوم کی سب سے پہلی باقاعدہ عمارت اور یادگار ہے، اسی میں دفتر تھے اور اس کے ساتھ ہی مدرسہ کی سب سے پرانی مسجد بھی ملحق ہے۔

ایک اور موقع پر سوال کرنے والے نے وضاحت کی ہے: ''آج بروز بدھ، دو فروری ۱۸۸۷ء، [ص: ۱۲۰ قلمی] یہ تاریخ ۸ جمادی الاول ۱۳۰۴ھ کے مطابق ہے، اس ترتیب کا اگر خیال کیا جائے، تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد کے فتوے بھی، اسی دور کی یادگار ہوں گے۔

یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس مجموعہ کا مرتب یا کاتب، حضرت مولانا کی خدمت کا حاضر باش، شاگرد یا خصوصی تعلق رکھنے والا فاضل ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے: ''تقریر مولانا مدظلہ العالی'' یہ تقریر عقائد کے موضوع پر، رد جہمیہ وغیرہ کے نکات پر مشتمل ہے، جن کا عام لوگوں کے لئے سمجھ لینا بھی آسان نہیں۔ اس کو صحیح محفوظ اور قلم بند کر لینا تو خاص صلاحیت اور فہم کے بغیر، متوقع ہی نہیں۔

حضرت مولانا کے خودنوشت فتاویٰ کے بعد، راقم سطور کے مرتبہ زیر نظر مجموعہ باقیات کا، یہی سب سے بڑا اور مرکزی ماخذ ہے۔

۵-نسخہ رام پور، مکتوبہ بعد از وفات حضرت مولانا: حضرت مولانا کے غیر مطبوعہ فتاویٰ کے چند نسخوں میں سے ایک مختصر سا مجموعہ وہ ہے، جو مدرسہ فرقانیہ رام پور کے علمی ذخیرہ میں موجود ہے، یہ مجموعہ فل سکیپ {A/4} پیمائش کے صرف انتیس (۲۹) صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ پندرہ سطور آئی ہیں، غالباً لکھنے والے دو صاحبان ہیں، دو علیحدہ قلم صاف محسوس ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ کے سرورق پر لکھا ہے:

''فتاویٰ شتی، از مولانا رشید احمد صاحب''

مگر اس میں حضرت مولانا کے علاوہ چند اور صاحبان کے فتاویٰ بھی شامل ہیں، بعض فتوے ایسے ہیں جن کی مولانا نے صرف تحسین فرمائی ہے، تاہم چند فتوے ایسے بھی ہیں، جو اور مجموعوں میں موجود نہیں، اس لئے اس نسخہ کی ایک جزوی اہمیت ہے، اگرچہ اس پر کاتب کا نام اور سنہ کتابت کی صراحت نہیں مگر ایک جگہ لکھا ہے:

''غلط مسئلہ کا رواج حضرت قدس سرہ کو نہایت گراں گزرتا تھا'' [ص: ۱۶]

جو اس کی شہادت ہے کہ یہ حضرت مولانا کی وفات کے بعد جمع اور نقل کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ مدرسہ فرقانیہ، رامپور یوپی کے ذخیرہ میں موجود ہے، اس ذخیرہ کے فہرست نگار کی اطلاع ہے کہ یہ نسخہ حضرت نانوتوی کے ایک بہت ممتاز شاگرد مولانا سید احمد حسن امروہوی کے قلم سے ہے۔ (۱) اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو بلاشبہ اس مجموعہ کا حضرت گنگوہی کے معتمد ترین فتاویٰ میں شمار کیا جائے گا۔ مگر اس نسخہ کے فوٹو اسٹیٹ پر ایسی کوئی علامت و صراحت موجود نہیں، جو اس اطلاع کی تصدیق کرتی ہو۔

---

(۱) کتب خانہ فرقانیہ اور اس کے مخطوطات مرتبہ ڈاکٹر شعار اللہ خاں وجیہی ص: ۲۱، مرتب فہرست مخطوطات نے اس مجموعہ کو فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ نمبر شمار: ۱۵ [مشمول، ماہنامہ ضیائے وجیہ، رام پور۔ جون ۱۹۹۴ء]

۶۔ نسخہ حسن پور: ایک اور مختصر مجموعہ فتاویٰ، جس پر کاتب و ناقل کا نام اور سنہ کتابت وغیرہ، کچھ درج نہیں ہے مگر کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ حضرت مولانا گنگوہی کے خلیفہ، مولانا احمد شاہ صاحب حسن پوری [حسن پور ضلع مراد آباد۔ یوپی] کے ذخیرہ کی باقیات میں سے ہے، مگر تعجب ہے کہ اس مجموعہ میں ایک بھی نیا فتویٰ یا افادہ نہیں ہے، اس میں درج تمام فتوے نسخہ چندیانوی میں موجود ہیں، اس لئے نسخہ حسن پور کا، صرف ایک ضمنی حوالہ کے طور پر تذکرہ اور استعمال کیا جاسکتا ہے، راقم نے بھی یہی کیا ہے۔

۷۔ اوراق کراچی: حضرت مولانا گنگوہی کے افادات اور فتاویٰ کا ایک چھوٹا سا نسخہ، قومی عجائب گھر کراچی، میں بھی ہے، جس کا فہرست مخطوطات اردو۔ قومی عجائب گھر میں ان الفاظ میں تعارف کرایا گیا ہے:

"تقطیع ۲۴½ × ۱۵½۔ س م۔ اوراق ۷۔ سطور ۱۴۔ خط نستعلیق معمولی، سنہ کتابت اوائل بیسویں صدی عیسوی، قیاساً کاتب نامعلوم۔ (۱)

اس مجموعہ کے بیشتر صفحات، حضرت مولانا کے، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے سوالات کے جوابات میں، یا اس میں مولانا انبیٹھوی کے نام مکتوبات نقل ہیں، لیکن آخری تین صفحوں میں ایسے فتاویٰ بھی ہیں جو کسی اور مجموعہ میں نہیں ملے، مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی سے مراسلت اور ان کے شبہات کے جوابات کا ایک حصہ، تذکرۃ الخلیل میں شائع ہو چکا ہے، تاہم اس مجموعہ کی کم یاب تحریریں لائق اخذ و استفادہ تھیں، راقم نے ان کو اس مجموعہ میں شامل کرلیا ہے، اوراق کراچی سے یہی صفحات مراد ہیں۔ ان صفحات کا عکس جناب راشد شیخ صاحب، کراچی کی عنایت سے ملا، جس کے لئے تہ دل سے ممنون ہوں، جزاہ اللہ خیرا۔

۸۔ درج بالا مجموعوں کے علاوہ متفرق قلمی فتاویٰ حضرت مولانا کے بہت سے فتوے، جو خود حضرت مولانا کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور بعض مہر سے بھی آراستہ ہیں مختلف اصحاب کے ذخیروں میں موجود ہیں، بیس سے زائد فتاویٰ جو حضرت کے قلم سے علیحدہ علیحدہ اوراق پر لکھے ہوئے ہیں، راقم کے ذاتی ذخیرہ کی زینت ہیں، ان میں سے بعض پر حضرت کی مہر بھی ہے، ایک فتویٰ ایسا بھی ہے، کہ جو اگرچہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے قلم سے ہے، مگر اس پر حضرت کی مہر ثبت ہے۔ ہمارے قدیم گھریلو ذخیرہ میں، حضرت مولانا گنگوہی کی صرف یہی ایک یادگار، یا تحریر محفوظ تھی۔

لاہور میں شاہ نفیس الحسینی صاحب کے ذاتی ذخیرہ میں بھی، حضرت مولانا کے دو تین خود نوشت فتاویٰ تھے، شاہ صاحب نے راقم کو ان کا عکس عنایت کیا۔ ایک دو فتوے [حضرت کے فرزند، مولانا حکیم مسعود احمد گنگوہی کے نواسے] ڈاکٹر سید معین الرحمان صاحب [لاہور، پاکستان] کے گھر میں موجود تھے، جو انہوں نے شائع کردیئے تھے، ان کے علاوہ بھی متعدد فتاویٰ مختلف

(۱) فہرست مخطوطات اردو، قومی عجائب گھر کراچی، [پاکستان] ص ۵۹، مرتبہ ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب [کراچی ۱۹۹۰ء]

مقامات پر متعدد اصحاب کے پاس موجود ہیں، ان میں سے جو مجھے فراہم ہوسکے وہ تمام اس مجموعہ میں شامل ہیں، باقی ماندہ کے لئے کوشش جاری ہے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔

۹-چند متفرق قلمی فتوے: فتاویٰ حضرت مولانا گنگوہی کے درج بالا غیر متعارف و غیر مطبوعہ مجموعوں کے علاوہ حضرت کے چند نادر، غیر مطبوعہ فتوے ایسے بھی ہیں، جو ان میں سے کسی بھی مجموعہ میں نقل نہیں لیکن ان کی علیحدہ علیحدہ معتبر نقول، حضرت مولانا کے تلامذہ منتسبین یا معتبر اہل علم وکمال کے قلم سے موجود ہیں، اس طرح کے جو فتاویٰ مجھے ملے ان کا متن حسب ترتیب ابواب کتاب میں شامل کردیا ہے، علیحدہ علیحدہ متعارف غیر ضروری معلوم ہوا۔

۱۰-چند فتاویٰ کے معتبر قلمی نسخے: حضرت مولانا کے فتاویٰ کے چھوٹے بڑے مرتب نسخوں کے علاوہ دس بارہ فتوے ایسے بھی دستیاب ہوئے، جو اگرچہ نہ خود حضرت مولانا کے قلم سے ہیں، نہ ہی کسی مرتب مجموعہ میں شامل ہیں۔ بلکہ یہ ایک ایک دو دو فتوے، علیحدہ علیحدہ لائق اعتماد علماء کے قلم سے نقل ہیں۔ یہ فتوے بھی حسب موقع اس مجموعہ میں آگئے ہیں، ساتھ ہی ان کا مفصل حوالہ بھی دیدیا ہے۔

● **مطبوعہ مگر نادر و کم یاب فتاویٰ:** حضرت مولانا کی کم سے کم دو تالیفات یا مفصل فتوے [جو کتابی صورت میں چھپے] اور ان کے علاوہ بھی پچاسوں فتوے ایسے ہیں، جو حضرت مولانا کی حیات میں شائع ہوگئے تھے، مگر ان کا عموماً کہیں تذکرہ نہیں آتا [تذکرۃ الرشید اور معروف فتاویٰ رشیدیہ میں بھی، ان کا تعارف یا نقل شامل نہیں] مثلاً:

۱۱-الف: فیوض رشیدیہ اس میں حضرت مولانا کے تحریر کئے ہوئے، چالیس سوالات یا فتاویٰ کے جوابات شائع کئے گئے تھے۔ مگر اس میں نہ اس کی وضاحت ہے کہ یہ سوالات کس نے کئے تھے اور نہ یہ کہ فیوض رشیدیہ کا مرتب کون ہے، اس پر کوئی تمہید، وجہ اشاعت یا سنہ اشاعت چھپا ہوا نہیں ہے، اس کے سرورق پر صرف حضرت مولانا گنگوہی کا نام نامی تحریر ہے اور یہ لکھا ہے:

"حسب فرمائش حاجی خدا بخش صاحب پانی پتی، مطبع فخر المطابع، میرٹھ میں بہ اہتمام منشی فخر الدین چھپا"

اس طباعت میں نہایت معمولی گھٹیا کاغذ استعمال ہوا ہے۔

فیوض رشیدیہ میں درج ہر اک جواب کے اختتام پر، حضرت مولانا کے دستخط یا مہر کی علامت بنی ہوئی ہے، سب سے پہلے اور آخری فتوے کے بعد، اس نواح کے معروف علماء کے دستخط بھی شامل ہیں۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ یا مجموعہ فتاویٰ ۱۳۱۰ھ [۹۳-۱۸۹۲ء] میں چھپا ہوگا، مگر تعجب ہے کہ حضرت مولانا کے احوال وسوانح پر لکھی گئی

کتابوں اور فتاوی میں، اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملا، اس نہایت نادر اشاعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے، دو تین نسخے اور بھی معلوم ہیں۔

۱۲-ب: فتاویٰ عشر یہ چار صفحہ کا مختصر سا کتابچہ ہے، جو فیض رشیدیہ کے اکثر نسخوں کے آغاز پر لگا ہوا ہے، اس میں عشر کے متعلق گیارہ سوالات اور حضرت مولانا کے جوابات درج ہیں، جواب کے اختتام پر بیسیوں علماء کی تصدیقات اور مہریں وغیرہ نقل کی گئی ہیں، اس میں سے ایک مہر میں تاریخ تحریر ۱۳ رشوال ۱۳۰۹ھ [۹۲-۱۸۹۳ء] موجود ہے، جس سے واضح ہے کہ یہ فتاوی بھی اسی سال رقم فرمائے گئے تھے۔

یہ مختصر رسالہ نامور مرشد، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی فرمائش پر، حضرت مولانا رائے پوری کے ایک خاص متوسل اور خدمت قرآن مجید میں، حضرت مولانا رائے پوری کے دست راست، مولانا نور محمد صاحب حقانی لدھیانوی [مؤلف نورانی قاعدہ] نے اپنے مطبع حقانی اسلامی، لدھیانہ سے شائع کیا تھا۔ لکھا ہے:

> "یہ استفتاء جناب مخدومی مکرمی، معظمی مولوی حاجی حافظ عبدالرحیم شاہ صاحب، مہتمم مدرسہ اسلامیہ رائے پور ضلع سہارنپور نے مرتب کرایا ہے، چونکہ اکثر کاشتکار اہل اسلام اس مسئلہ سے بے خبر ہیں، لہذا احقر العباد، نور محمد، مہتمم مدرسہ حقانی نے، اپنے مطبع میں چھاپ کر شائع کیا۔ امید ہے کہ جو صاحبان اس سے فائدہ اٹھائیں، مولانا موصوف اور احقر کو دعاء خیر سے یاد فرمائیں"

۱۳-ج: رسالہ تحقیق الضاد والمصافحہ: یہ ایک مختصر سا بیس صفحات کا رسالہ ہے، جس میں مصافحہ کے مسنون طریقہ اور ضاد کی ادائیگی کے عنوان پر، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حضرت مولانا گنگوہی نیز بعض اور علماء کے فتاوی، یک جا شائع کیے گئے ہیں۔ سرورق پر لکھا ہے:

فتاوی جامع معقول ومنقول مولانا رشید احمد صاحب سلمہ ومولانا عبدالحی صاحب مبرور۔ المسمی بہ:

"تحقیق الضاد و المصافحة"

یہ رسالہ [مولوی] حفیظ اللہ بیگ صاحب کی فرمائش سے، مطبع گلزار ابراہیم، مراد آباد سے ۹ رشوال ۱۳۰۷ھ [اواخر مئی ۱۸۹۰ء] میں چھپا تھا، اس میں درج حضرت مولانا کے فتاوی بھی کم یاب ہیں اور میری معلومات کے مطابق، اب تک کسی مجموعہ میں شامل نہیں کیے گئے۔

۱۴- حضرت کی زندگی میں شائع کچھ متفرق فتوے: ایسے فتاوی کی بہ ظاہر خاصی بڑی تعداد ہوگی، جو حضرت مولانا کی موجودگی میں مختلف دینی فقہی تالیفات ورسائل میں، حضرت مولانا کی خاص تحریر کے طور پر، یا اس مسئلہ کی

تصدیق میں شائع کئے گئے۔ اس وقت اس طرح کی تالیفات اور رسائل کی اک تحریر واشاعت کا عام ذوق تھا، جس میں حضرت مولانا اور سلسلہ ولی اللہی کے متوسلین پیش پیش رہتے تھے، اور ان پر حضرت کی تصدیق یا فتوے کی شمولیت، یقیناً اس کتاب کے علمی وزن میں اضافہ کا اور قبول عام کا ذریعہ بنتی تھی، بہر حال حضرت مولانا کے یہ فتاویٰ، ان کتابوں کے اوراق میں، پوشیدہ اور بکھرے ہوئے ہیں، میرا خیال ہے کہ ان کی تعداد سینکڑوں میں ہوگی، مجھے محدود مطالعہ اور محدود ترین وسائل کے باوجود، ایسے پچیس سے زیادہ فتاویٰ ملے، جو اس مجموعہ میں حسب موقع شامل ہیں، ان کا تعارف بھی ساتھ ہی درج ہے، کوئی اللہ کا بندہ تلاش کرے، تو حضرت مولانا گنگوہی کے اور پچاسوں فتوے ملیں گے۔

احکام شریعت رسوم وبدعات اور عقائد ومسائل کی وضاحت پر، شائع کئے ہوئے اشتہارات

حضرت مولانا گنگوہی صرف مسائل کے جاننے بتانے کی حد تک مفتی اور فقیہ نہیں تھے، بلکہ حضرت مولانا ایک بہت بڑے دینی مصلح بھی تھے، پورے ملک میں مسلمانوں میں عقیدہ کا جو بگاڑ، رسوم وبدعات کے اہتمام کی وجہ سے جو خرابیاں اور معاملات کے شرعی احکام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جو غلط طریقے رواج پا رہے تھے، حضرت مولانا، ان پر بہت دور تک، بڑی گہری اور مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے۔ جب پورے ملک میں عموماً اور کسی خاص خطہ میں خصوصاً عقیدہ کے کسی پہلو سے کمزوری سامنے آتی، کسی نئی بدعت اور طریقہ کا رواج بڑھتا، یا عام مسلمانوں میں کسی بھی، فقہی شرعی پہلو کی جانب سے بے خبری پائی جاتی تو جبھی کا مشاہدہ اور علم ہوتا اور اس سلسلہ میں کثرت سے سوالات اور استفتاء آتے، تو ان سوالات کے مجموعی مندرجات سے ایک سوال مرتب کر کے، یا کسی جامع ترین سوال کو سامنے رکھ کر، اس کا مفصل جامع جواب تحریر فرماتے اور اس جواب کو، اپنے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر، اشتہار کی صورت میں شائع کرا دیتے تھے اور پھر وہ اشتہار سفر کرتا ہوا، بنگال سے افغانستان وترکستان تک پھیل جاتا تھا اور بفضلہ تعالیٰ اس کی یہ رہنمائی اور اطلاع، نہایت مفید وکارآمد ثابت ہوتی تھی اور جو کام علاقہ میں موجود، بڑے واعظین اور اہل دین کے لئے مسئلہ بنا ہوا ہوتا تھا، وہ اس کی وجہ سے حل ہو جاتا اور اکثر لوگ حضرت کے فتاویٰ کو بلا تکلف مانتے، قبول کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

اس مبارک سلسلہ کا حضرت نے کب، کس موقع سے آغاز فرمایا تھا، مجھے اس کا سراغ نہیں ملا، لیکن ۱۳۰۰ھ [۸۳-۱۸۸۲ء] کا مطبوعہ اشتہار [فتویٰ] معلوم ہے، اور اس وقت سے حضرت کے وفات کے قریب تک، اس طرح کے اشتہارات مختلف موضوعات ومباحث کی مناسبت سے متواتر چھپتے رہے، ایسے کل کس قدر فتاویٰ یا اشتہارات، حضرت کی جانب سے یا حضرت کے نام سے چھپے، اس کی تحقیق بھی آسان نہیں۔ تاہم حضرت مولانا کے اس قسم کے متعدد اشتہارات کا مختلف علمائے کرام نے، اپنی تصنیفات ومؤلفات میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو:

(۱) "المهند على المفند" میں حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنی نے، مرزا قادیانی کے سلسلہ میں، حضرت مولانا گنگوہی پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے، لکھا ہے:

"وفتوی شیخنا ومولانا رشید احمد الگنگوهی رحمه الله فی کفر القادیانی، قد طبعت وشاعت، یوجد کثیر منها فی ایدی الناس"(۱)

اور ہمارے شیخ اور رہنما، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتوی قادیانی کے کافر ہونے کے متعلق شائع ہو کر عام ہو چکا ہے، اس کے نسخے کثرت سے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں

اس میں جس فتوی کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ فتاوی رشیدیہ میں شامل نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتوی اشتہار کی صورت میں چھپ کر تقسیم ہوا تھا، اس کی تصدیق خود مرزا قادیانی کی تحریروں سے بھی ہو رہی ہے۔ مرزا قادیانی نے انوار اسلام میں لکھا ہے:

ایک فیصلہ کرنے والا اشتہار انعامی ہزار روپیہ، میاں رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی، ایمانداری پر کھنے کے لئے، جنہوں نے اس عاجز کی نسبت یہ اشتہار شائع کیا ہے، کہ یہ شخص کافر اور دجال اور شیطان ہے، اور اس پر لعنت اور سب وشتم کرتے رہنا ثواب کی بات ہے، اور اس اشتہار کے وہ سب مکفر مخاطب ہیں، جو کافر اور اکفر کہنے سے باز نہیں آتے (۲)

دوسری جگہ کہتا ہے:

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی اٹھا اور ایک اشتہار میرے مقابل پر نکالا اور جھوٹے پر لعنت کی اور تھوڑے دنوں کے بعد اندھا ہو گیا، دیکھو اور عبرت پکڑو (۳)

(۲) زمینداره ختم ہونے سے پہلے، کاشتکاروں کے لئے، حق موروثیت کا ایک سرکاری ضابطہ تھا، جو خلاف شریعت تھا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا کا ایک فتوی، اشتہار کی صورت میں چھپ کر عام ہوا تھا، یہ فتوی مولانا محمد خطیب دیوبندی [ناظم جمعیۃ اسلام، دیوبند] کے پاس موجود تھا۔ مولانا نے اپنی تالیف رسالہ زمیندارہ بل میں، حضرت مولانا گنگوہی کا یہ مفصل فتوی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

---

(۱) المهند على المفند ص:۸۲۔ [مکتبہ حنفیہ جامع مسجد گنبد والی جہلم]

(۲) انوار اسلام ص:۲۶۔ طبع اول۔ نیز روحانی خزائن [مجموعہ تالیفات مرزا قادیانی] ص:۴۷ جلد نمبر:۹

(۳) نزول المسیح ص:۳۲ [طبع اول اگست ۱۹۰۹ء] نیز روحانی خزائن [مجموعہ مؤلفات مرزا ص:۴۰۹ جلد:۱۸]۔ مرزا صاحب کی کتابوں میں حضرت مولانا کا، کئی جگہ نام آیا ہے، اگر چہ وہ سب عبارتیں اور حوالے راقم کی نظر میں ہیں مگر یہاں ان کی ضرورت نہیں، تاہم ان سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ مرزا قادیانی حضرت مولانا کو اور بہت سے علماء کی طرح، اپنا سخت ترین مخالف، بدترین دشمن اور ناقد کہتا اور سمجھتا تھا۔

"یہ فتویٰ حضرت گنگوہی کے زمانہ میں بصورت اشتہار شائع ہوا تھا، یہ مطبوعہ اشتہار دفتر جمیعۃ اسلام میں محفوظ ہے"(۱)

اشتہار کی صورت میں شائع ، دو فتاویٰ جو میرے پاس موجود ہیں خود راقم سطور [نورالحسن راشد کاندھلوی] کے ذخیرہ میں بھی، حضرت کے اس طرح کے دو اشتہار یا فتوے موجود ہیں، ان کا کسی قدر مفصل تعارف حاضر ہے، جس سے حضرت مولانا گنگوہی کے اس طریقہ کی افادیت اور تفصیل سامنے آئے گی۔

(الف) پہلا فتویٰ یا اشتہار نکاح بیوگان کے سلسلہ میں ہے۔ اس دور میں اس موضوع اور خدمت پر علماء کرام اور مصلحین کی خاص نظر رہتی تھی اور وہ نکاح بیوگان کے احیاء کے لئے متواتر کوششیں فرماتے رہتے تھے، منجملہ ان کے حضرت مولانا گنگوہی بھی تھے۔ حضرت مولانا کے اس موضوع پر کئی فتوے صادر ہوئے اور حضرت مولانا نے عملی طور پر بھی، اس کے لئے جدو جہد فرمائی، اسی کی ایک خاص تحریک اور جدو جہد کے موقع پر شائع، زیر تعارف فتوی بھی ہے۔

یہ فتویٰ "اعلان ضروری" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا، جو چون ۵۴ سینٹی میٹر لمبا، چھتیس سینٹی میٹر چوڑا اور تقریباً پچاس سطروں کے، مفصل مضمون پر مشتمل ہے۔ اس میں اول ایک تمہید ہے، اس میں بیوہ عورتوں کے نکاح کی فضیلت بیان کی گئی ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کے نکاحوں کی تفصیلات، ایک نقشہ کی صورت میں واضح کی گئی ہیں، اس کے بعد نکاح بیوگان کی فضیلت اور اس کے اثرات اور منافع کا مزید تذکرہ ہے، اس کے تحت:

"فتویٰ مولانا رشید احمد گنگوہی معہ مواہیر دستخط دیگر علمائے اہل سنت"

کے جلی عنوان سے، حضرت مولانا گنگوہی کا مفصل فتویٰ درج ہے، جس میں نکاح بیوگان کی ضرورت اور اس کی مخالفت کرنے والوں کا شرعی حکم، وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس فتوے پر اسی علاقہ کے، بیسیوں علماء کی مفصل و مختصر تصدیقات ثبت ہیں، آخر میں مختلف بستیوں کے ایسے ذمہ داران کے نام لکھے ہیں [جو بیشتر راجپوت برادری سے تعلق رکھتے ہیں] جنہوں نے ان کے اس فتوے کی تائید کی تھی اور نکاح بیوگان کو رواج دینے کے لئے کوشش کا ارادہ کیا تھا۔

یہ اشتہار مولوی پیر محمد صاحب سہارنپوری کی فرمائش پر، مطبع مجتبائی دہلی سے، ۶/ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ [۴/ اگست ۱۸۸۹ء] کو چھپا تھا۔

(ب) ایک اور اشتہار ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے، یہ حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی کی تالیف: "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں میلاد کے موضوع پر ہے۔ اس میں حضرت حاجی صاحب کی رائے کی نسبت سوال کیا گیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) رسالہ زمیندار اول، مرتبہ مولانا محمد خطیب دیوبندی، حاشیہ ص: ۱۱، مطبوعہ کمال پرنٹنگ پریس دہلی: ۱۳۶۶ھ - ۱۹۴۷ء]

"چوں کہ فیصلۂ ہفت مسئلہ سے اکثر لوگوں کو شبہ ہوتا ہے، اس لئے اسکے متعلق رسالہ ہفت مسئلہ جو مطبع نظامی میں طبع ہوا ہے، (۱) اور حضرت حاجی صاحب سلمہ کی طرف سے منسوب ہے اور اس میں اہل بدعت کی تائید اور اہل حق علمائے دین، محققین کی مخالفت کی گئی ہے، آیا اس کا حضرت حاجی صاحب مدظلہم کی جانب منسوب ہونا درست ہے یا نہیں! علاوہ اس کے اس پر عمل کرنا اور ترغیب دلانا درست ہے یا نہیں"؟

حضرت مولانا نے اس کا مفصل جواب دیا ہے، جس میں بتایا ہے کہ، حضرت حاجی صاحب کو رسوم اہل زمانہ کی خبر نہیں، کہ وہ ان زائد چیزوں اور بے اصل باتوں کو، کس قدر ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن آخر میں یہ صراحت بھی ہے کہ:

"حضرت سلمہ کے عقائد ہرگز بدعت کے نہیں ہیں، کہ اہل فہم ودانش خود عبارت رسالہ سے سمجھ سکتا ہے"

اس اشتہار پر ناشر مطبع یا سنہ طباعت کا اندراج نہیں، صرف آخر میں حضرت مولانا کے دستخط اور مہر ہے۔ اسی پر یہ اشتہار یا فتویٰ ختم ہوگیا ہے۔

دو اشتہار اور: حضرت مولانا کے فتاویٰ پر مشتمل ایسے دو اشتہار جو اور مضامین وعنوانات پر مشتمل تھے، ایک جگہ سرسری نظر سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا، خیال تھا کہ بعد میں ان کا فوٹو مل جائے گا مگر وہ صاحب جن کے پاس یہ فتوے تھے، اچانک وفات پا گئے، بعد میں ان اشتہارات سے استفادہ ممکن نہ ہوا۔

ایسے اشتہارات وفتاویٰ کا ایک بڑا ذخیرہ: یہاں دلی افسوس کے ساتھ یہ بھی لکھ رہا ہوں، کہ میں نے ایک کتاب خانہ یا علمی ذخیرہ میں، ایسے اشتہارات کا ایک خاصا بڑا مجموعہ یا بنڈل دیکھا تھا، جس میں حضرت مولانا گنگوہی کے شائع کئے ہوئے اور حضرت کے فتاویٰ کی اشتہار نما اشاعتیں برسہا برس کی طویل محنت وتلاش کے بعد، جمع کی گئی تھیں۔ یہ اشتہار اندازاً، ستر پچھتر تو یقیناً تھے، ممکن ہے اور زیادہ ہوں، مگر میں اس نہایت بیش قیمت، نادر الوجود خزانہ کا عکس لینے سے قاصر رہا، اور اب تلاش کیا تو یہ گرانمایہ سرمایہ، جو ہمارے فقہی سلسلہ کا ایک فخر لائق ورثہ تھا، ہاتھ نہیں آیا، اللہ جانے محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ ڈر ہے کہ اس ان مول بیش بہا یادگار کو، فضول وناکارہ کاغذات سمجھ کر، ضائع نہ کر دیا ہو۔

حضرت کے فتاویٰ کے وہ مرتب مجموعے یا متفرق سرمایہ، جو مفقود و نامعلوم ہے

اوپر حضرت کے فتاویٰ کے، جن مجموعوں یا متفرق فتاویٰ کا تذکرہ ہوا ہے اور آئندہ مطبوعہ فتاویٰ کا جو ذکر آئے گا، وہ حضرت کے کل فتاویٰ نہیں ہو سکتے۔ یقیناً حضرت مولانا کے فتاویٰ کا ایک بڑا، شاید بہت بڑا ذخیرہ تھا، جو ہماری متواتر بے حسی

(۱) حضرت حاجی صاحب سے منسوب رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ، پہلی مرتبہ مطبع نظامی کانپور سے چھپا تھا، اس طباعت کا نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

اور مسلسل بے توجہی کی نذر ہوگیا۔ مجھے ایسے چند مجموعوں اور کثیر فتاویٰ کا پتہ ہے، جواب دستیاب و دریافت نہیں، تاہم یہاں ان کا اس لئے تذکرہ کیا جارہا ہے، کہ اول تو اس سے حضرت کے فقہ وفتاویٰ کی وسعت کا علم ہوتا ہے، دوسرے ممکن ہے ان اشارات کی مدد سے یا کسی اور کو، آئندہ کسی وقت ان کی دریافت وجستجو میں کامیابی ہوجائے۔

(۱) مجموعہ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کا جمع اور مرتب کیا ہوا تھا: مفقود مجموعوں میں غالباً سب سے اہم اور جامع ترین، مجموعہ فتاویٰ وہ ہوگا، جس کی اشاعت کا مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے اعلان کیا تھا، اسکا اشتہار بھی دیدیا تھا، مگر وہ مجموعہ چھپا نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ [اس کا مزید کچھ تذکرہ آئندہ سطور میں آرہا ہے]

(۲) فخر المتأخرین، حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ کے حل مطالب حدیث کے لئے، حضرت مولانا گنگوہی سے سوالات اور ان کے جوابات دوسرا مجموعہ جو بظاہر بہت بڑا تو نہیں ہوگا، لیکن معنوی طور پر یقیناً بڑے مجموعوں سے بھی بڑھ کر رہی ہوگا۔ یہ فہم حدیث کا بے بہا ورثہ اور ایسا گراں قدر خزانہ تھا، جس کے برصغیر ہند کی علمی تاریخ میں، بہت کم نمونے موجود ہوں گے۔ یہ وہ مراسلت اور علمی استفسارات تھے، جو علامۂ زمن فخر المتأخرین، حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے بعض احادیث کے مطالب کی، وضاحت وتفہیم کے لئے، حضرت مولانا گنگوہی سے کئے تھے اور حضرت مولانا نے ان کے جوابات تحریر فرمائے تھے۔ ذرا غور تو فرمائیے، وہ سوالات کیسے لاینحل اور دقیق ہوں گے، جو ایسے محقق امام نے دریافت کئے ہوں گے اور کیا ہی وہ حل مطالب اور جوابات ہوں گے، جو حضرت مولانا گنگوہی نے ان کی تحقیق ووضاحت میں رقم فرمائے ہوں گے۔ اس مراسلت ومکتوبات کا، حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا فرنگی محلی کے ایک مشترک شاگرد، مولانا حکیم نعمت اللہ نے تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے، حضرت مولانا استاذی گنگوہی سے محض مطالب حدیث کے متعلق استفسار فرمایا تھا، یہ خطوط اس وقت محفوظ تھے، القاب میں بزرگانہ الفاظ تھے"(۱)

(۳) حکیم الامت تھانوی کے حضرت مولانا سے سوالات وجوابات اور تھانوی کے ذخیرہ میں محفوظ، حضرت گنگوہی کی چند اہم تحریریں وافادات تیسرا اہم ذخیرہ، وہ علمی تحریریں اور فتاویٰ تھے، جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے، حضرت مولانا سے دریافت کئے تھے، اور ان کے علاوہ بھی، حضرت مولانا تھانوی کے پاس حضرت کی جو اہم تحریریں اور نادر علمی افادات تھے، وہ سب حضرت مولانا تھانوی نے، مولانا محمد یحییٰ کو دیدیئے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی نے لکھا ہے:

---

(۱) رسالہ صدق الیقین بجواب هو الحق الیقین۔ تالیف مولانا حکیم نعمت اللہ صاحب [مقیم خانقاہ مانک مؤ ضلع پرتاب گڈھ یوپی] مشمولہ ارواح ثلاثہ، مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص: ۳۲۸، [سہارنپور: بلا سنہ]

''حضرت قدس سرہ کی بعض تحریر عام اور خاص مضامین کی بھی، میرے پاس تھیں، جو میں نے مکرمی مولانا محمد یحییٰ صاحب کو دیدی تھیں۔ جن میں بعض خاص دست مبارک کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض، بعد معذوری بصر کے، دیگر خواص معتدین سے لکھوائی ہوئی ہیں۔(۱)

(۴) حضرت مولانا کے گھر پر موجود تحریرات ومکتوبات وغیرہ، جو مولانا حکیم مسعود احمد اور مولانا حکیم عبد الرشید محمود نھومیاں گنگوہی نے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کو دیدیئے تھے۔

حضرت کے صاحبزادے مولانا حکیم مسعود احمد اور ان کے فرزند مولانا حکیم عبد الرشید محمود [نھومیاں] حضرت مولانا گنگوہی کی متعدد اہم علمی باقیات، یادداشتیں، تحریریں وغیرہ، وقتاً فوقتاً مولانا محمد یحییٰ صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو عنایت فرماتے رہے، اس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا، یہاں تک کہ وہ سند [اجازت حدیث] بھی، جو حضرت شاہ عبد الغنی مجددی نے، حضرت مولانا گنگوہی کو مرحمت فرمائی تھی، مولانا حکیم نھومیاں صاحب نے، حضرت شیخ کو دیدی تھی۔ جب ایک مرتبہ راقم نے حضرت شیخ کی ہدایت پر، حضرت کے کتب خانہ کو صاف اور مرتب کیا تھا، اس وقت وہ سند سامنے آئی تھی، ہلکے آسمانی رنگ کاغذ پر لکھی ہوئی ایک لفافہ میں رکھی تھی، اس کے ساتھ ہی شیخ کی یادداشت بھی رکھی ہوئی تھی، کہ یہ سند حکیم نھومیاں صاحب نے دی ہے۔

مگر نہایت حیرت ہے کہ اس وقت حضرت شیخ کے ذخیرہ میں، ان میں سے کوئی بھی تحریر، مکتوبات یا فتوے موجود نہیں، یہاں تک کہ حضرت شاہ عبد الغنی کی وہ سند بھی نہیں ملی۔ راقم نے برادرم، مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری سے جو حضرت شیخ کے کتب خانہ کے نگراں ہیں، مکرر دریافت کیا، انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا اور افسوس کے ساتھ اطلاع دی، کہ اس وقت حضرت مولانا گنگوہی کی کوئی تحریر یا یادداشت، فتویٰ یا وہ سند، اس ذخیرہ میں موجود نہیں ہے، فاناللہ و انا الیہ راجعون.

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سرمایہ کیا ہوا، کہاں گیا، یہ تو خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ یا حضرت شیخ الحدیث نے ایسے گرانمایہ افادات وفتاویٰ [جن کی کوئی اور نقل، موجود نہیں] کی طرف سے بے توجہی برتی ہو اور یونہی کسی کو دیدیئے ہوں، یہ بھی ممکن نہیں کہ حضرت شیخ کے کتب خانہ سے یہ سب چیزیں کسی نے اڑالی ہوں، صاف کر دی ہوں، پھر کیا ہوا، اللہ ہی جانے؟؟؟

جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے اپنی آپ بیتی تحریر فرمائی تھی، اس وقت اس میں درج بعض اطلاعات ومعلومات کی تکمیل کے لئے، حضرت کے مسودات اور نادر کاغذات کی الماری کا، حضرت الاستاذ، حضرت مولانا

(۱) یادیاراں [درتذکرہ حضرت مولانا گنگوہی] تالیف حضرت مولانا تھانوی ص:۱۳ [کتب خانہ یحیوی سہارنپور۔ ۱۳۴۵ھ] نیز ص:۱۸ [مطبوعہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون۔ بلاسنہ]

محمد یونس جونپوری اور استاذی حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہما نے تفصیل سے جائزہ لیا تھا، اگر اس میں حضرت مولانا گنگوہی کی کچھ تحریریں یا افادات ہوتے، تو اس وقت سامنے آجاتے مگر اس وقت بھی اس کا کچھ تذکرہ نہیں آیا، اور یہ حضرات مخدومین بھی، اس ذخیرہ سے نا آشنا ہی رہے۔

(۵) حضرت کے بقلم خود نوشتہ فتاویٰ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ، بجواب سوالات مولوی نظیر حسین، آبھوی: حضرت مولانا گنگوہی کے فتاویٰ کے سب سے مرتب مجموعوں میں سے اہم ترین مجموعہ تو غالباً وہی ہوگا، جو مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مرتب کیا تھا، لیکن حضرت کے معلوم فتاویٰ کے جوابات یا ذخیرہ میں، سب سے بڑا، اور کثیر فتاویٰ پر مشتمل وہ خزانہ تھا، جو تمام تر خود حضرت مولانا کے قلم سے یعنی خود نوشت تھا۔ یہ خزانہ بے بہا اندازاً تقریباً تین سو سے زائد کاپیوں یا مفصل اجزاء پر مشتمل تھا، جو ہماری اپنی غفلت اور بے اعتنائی سے ضائع ہو چکا ہے، تاہم یہاں اس کے پس منظر اور سبب تحریر کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا کے متوسلین میں، گنگوہ کی قریبی بستی آبھہ [ضلع سہارنپور] کے ایک شخص، مولوی نظیر حسین صاحب تھے، [وفات: ۲۳ شوال ۱۳۳۲ھ/۱۴ ستمبر ۱۹۱۴ء] جو حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کے علاوہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بھی نہایت گہرا تعلق رکھتے تھے اور حضرت گنگوہی سے تو ایسا رابطہ، ایسے مراسم اور قربت تھی کہ بایدو شاید! حضرت مولانا کو بھی ان سے غیر معمولی انسیت تھی، گھر کا سا معاملہ فرماتے تھے، حضرت مولانا کثرت سے ان کے یہاں آتے جاتے تھے، شدت تعلق اور روابط کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ حضرت مولانا عید کے دن بطور خاص سفر کر کے، ان کے گھر جایا کرتے تھے، اور ان کو اپنے خاص عزیزوں اور گھر کے افراد کی طرح رکھتے تھے۔ اور خود ان کا بھی یہی حال تھا کہ وہ اپنی زمینداری اور ہر طرح کی پیداوار اور سامان میں، حضرت کا، حضرت کی اہلیہ محترمہ کا اور حضرت کے سب بچوں کا، اسی طرح، پورا پورا حصہ لگاتے تھے، جس طرح اپنا اور اپنی اولاد کا۔(۱)

مولوی نظیر حسین حضرت سے بہت بے تکلف تھے اور حضرت سے کثرت سے فقہی سوالات کیا کرتے تھے، بعض موقعوں پر، حضرت کی کسی مصروفیت کی وجہ سے، ان کے سوالات کی بات رہ جاتی اور جوابات نہ ملتے، تو ان کو شکایت ہوتی اور حضرت کو بھی خیال ہوتا تھا، اس لئے حضرت مولانا نے ان سے فرما دیا تھا، میاں! تم اپنے تمام سوالات کاغذ پر یا ایک کاپی میں لکھ کر لے آیا کرو، میں اسی پر ان کے جوابات لکھ دیا کروں گا۔

حافظ نظیر حسین صاحب نے فوراً ہی اس پر عمل شروع کر دیا، ان کا ہفتہ میں ایک مرتبہ، جمعرات [پنجشنبہ] کو گنگوہ آنے

(۱) مولوی نظیر حسین صاحب کے حضرت مولانا گنگوہی سے عقیدت و مودت کا تذکرہ تذکرۃ الرشید نیز حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ اور ملفوظات میں بیسوں جگہ ذکر آیا ہے۔

اور جمعہ یا شنبہ کو واپس جانے کا معمول تھا، جب جمعرات کو آتے تو ایک کاپی ساتھ لاتے، جس میں ان کے سوالات درج ہوتے تھے، یہ سوال کبھی بھی سو سے کم نہیں ہوتے تھے، زائد کی کوئی حد اور پابندی نہیں تھی، کبھی کبھی ڈھائی سو سے ساڑھے تین سو تک بھی ہو جاتے تھے، مگر حضرت نہایت خوش دلی اور بشاشت قلب سے اس کاپی کو وصول کرتے، اور اسی انشراح اور پابندیٔ وقت کے ساتھ، ان کے جوابات تحریر فرماتے تھے۔ حضرت مولانا نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب خانصاحب آتے، ان سے سوالات کی نئی کاپی وصول فرمالیتے اور گذشتہ کاپی، جس پر مکمل جوابات لکھے ہوئے ہوتے تھے، ان کو دیدیا کرتے تھے، برسہابرس تک یہ معمول رہا۔ نظیر حسین صاحب کے پوتے [لئیق محمد خاں صاحب] نے راقم کو بتایا، کہ ان کاپیوں کا ایک بڑا حصہ تو چوری کے ایک حادثہ میں، گھر سے غائب اور ضائع ہو گیا تھا، لکڑی کا وہ صندوق جس میں حضرت کے جوابات اور تحریرات کا بڑا حصہ رکھا ہوا تھا، چوری میں چلا گیا تھا، پھر اس کا پتہ نہیں ملا، لیکن تقریباً سوا سو کاپیاں، جو تمام حضرت کے قلم سے لکھی ہوئی تھیں، اس صندوق کے علاوہ ہمارے یہاں موجود تھیں، ان تقریباً سو کاپیوں یا اس گنج گرانمایہ پر [جس کی اب کسی طرح بھی تلافی اور اس کا مثل ممکن نہیں] کیا گزری، اس کی روداد تقریباً اُن ہی صاحب کے الفاظ میں نقل کر رہا ہوں۔

فاعتبروا یااولی الابصار.

لئیق محمد خان صاحب کہتے تھے کہ مجھے یہ خیال آیا کہ یہ کاپیاں حضرت کے مبارک قلم کی لکھی ہوئی ہیں، بہت بڑی یادگار اور تبرک ہیں اور میری ایسی لیاقت وصلاحیت نہیں کہ میں ان کو پڑھ کر، ان سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کر سکوں، اس لئے میں نے یہ سوچ کر کہ ان سے بہت زیادہ دینی فائدہ ہوگا، اور بہت دنوں تک حفاظت سے رکھی رہیں گی، ان کو ایک بڑے دینی ادارہ میں دیدینے، جمع کرانے کا فیصلہ کر لیا اور ان تمام، تقریباً سوا سو کاپیوں کو [جس میں سے ہر ایک میں ایک سو سے تقریباً ساڑھے تین سو تک سوالات کے جوابات، حضرت کے قلم سے لکھے ہوئے تھے] ایک کپڑے میں گٹھری سی باندھ کر، فلاں ادارہ (۱) میں خود لے کر گیا، فلاں صاحب کی خدمت میں پہنچا، تمام بات عرض کی اور کہا کہ اس گٹھری میں، حضرت مولانا گنگوہی کے خود نوشت فتاویٰ اور تحریریں ہیں، آپ ان کو یہاں محفوظ کر لیجئے، انہوں نے اس سرمایہ کو ایک نظر دیکھا اور فرمایا کہ بھائی! ان پھٹے پرانے اوراق کی، یہاں کون حفاظت کرے گا، کون ان کو پڑھے گا، یہ ہمارے کام کے نہیں ہیں، تم ان کو لے جاؤ۔

خان صاحب اس بات سے نہایت مایوس اور آزردہ ہوئے اور یہ سوچ کر کہ فلاں صاحب کے پاس چلوں، وہ کچھ کوشش کریں گے اور ذمہ داروں کو توجہ دلائیں گے، تو یہ ذخیرہ یہاں جمع کر لیا جائے گا، محفوظ ہو جائے گا مگر وہاں پہنچے تو بات

(۱) انہوں نے متعلقہ ادارہ اور اصحاب کے نام صاف صاف بتائے تھے، بلکہ لکھوا دیئے تھے، مگر اس سے بعض اصحاب کو ٹھیس پہنچے گی اذیت ہوگی، اور وہ اس کو شاید الزام خیال فرمائیں، اس لئے متعلقہ حضرات کے نام نہیں لکھے گئے۔

اور خراب ہوئی۔ ان صاحب نے جو خیر سے بڑے مشہور مدرس تھے، خانصاحب کی بات سنتے ہی بے ساختہ کہا: اس کباڑ کو میرے سامنے مت کھولو، مجھے نزلہ ہوجائے گا، اس کو یہاں سے اٹھالو، لیجاؤ، خانصاحب کو اس سے نہایت تکلیف ہوئی، اوران سے دریافت کیا کہ کہاں لیجاؤں، کیا کروں، ان صاحب نے جو کچھ کہا کاش! کاش وہ اس میں تأمل کرتے، کوئی اچھا مشورہ دیتے، انھوں نے کہا اس کی فکر کرنی بے سود ہے، اس کا کچھ نہیں ہوسکتا، کوئی فائدہ نہیں، اب اس کا کوئی پڑھنے والا نہیں، کون اس میں سر کھپائے گا، تم اس گٹھری کو لیجاؤ، گاؤں کے کنویں میں پھینک دو۔ **الاسف فالاسف!**

خان صاحب اس بات سے ایسے شکستہ خاطر ہوئے، ان کو اس قدر رنج ہوا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، کہ ہم تو اس کو کیسا علمی خزانہ اور حضرت کی بڑی یادگار سمجھے ہوئے تھے، یہ تو کچھ بھی نہیں نکلا، اس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں، کوئی بھی اس پر توجہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ اسی غم اور افسردگی کی کیفیت میں اپنے گاؤں پہنچے اور اس پوٹلی کو جو علم کا خزانہ اور فقہ حنفی کا نادر الوجود انمول ذخیرہ تھی، گاؤں کے ایک کنویں میں پھینک دیا۔

ہائے، ہائے! کیسے افسوس کی بات ہے، کیا کہا جائے، اگر وہ دونوں صاحبان ایک دولفظ، ان کی ہمت افزائی کہہ دیتے اور اس ذخیرہ پر نظر ڈالنے کی زحمت گوارہ فرمالیتے، تو یہ بیش بہا نعمت کم سے کم یوں ضائع نہ ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان کاپیوں کو پڑھ کر، صاف کر کے مرتب کرلیا جاتا، تو بارہ، چودہ جلدوں پر مشتمل، شاید پندرہ سولہ ہزار سوالات کے جوابات، آج ہماری رہنمائی کررہے ہوتے، مگر: یک حرف، کاشکے است کہ صد جانوشتہ ایم۔

بعد میں جب میں نے [لئیق محمد] خانصاحب سے ان فتاویٰ کے متعلق دریافت کیا اور ان کو باقی ماندہ، موجود حصہ عنایت فرمانے کی درخواست کی، تو افسوس کا اظہار کرتے رہے، بار بار کہتے تھے کہ اگر تمہارے جیسا کوئی آدمی اس وقت مل جاتا، تو ہمارے دادا کی زندگی بھر کی محنت اور حضرت کی ایک بڑی یادگار یوں برباد نہ جاتی۔

(۶) کاندھلہ اور نواح میں چند فتاویٰ ان کے علاوہ خود میرے وطن کاندھلہ اور نواح میں بھی، کئی لوگوں کے پاس، حضرت کے ایک ایک دو فتوے موجود تھے، میں نے ہر چند کوشش کی مگر متعلقہ اصحاب نے ان کے عکس فوٹو اسٹیٹ دینے سے صاف منع کر دیا اور مجھے امید نہیں کہ یہ فتاویٰ اور تحریرات عرصہ تک محفوظ رہیں گے، یا شائع ہوکر افادہ عام کا ذریعہ بنیں گے۔

(۷) میرے خاندان کے اکابر کے نام ایک اور اہم سرمایہ وہ خطوط وفتاویٰ تھے، جو خود ہمارے خاندان میں **چند اہم ترین خطوط اور مفصل تحریرات:** موجود تھے۔ یہاں یہ عرض کردینا چاہئے کہ حضرت مولانا گنگوہی کے اجداد کے کاندھلہ کے خاندان سے، کئی نسلوں سے گہرے روابط اور مراسم چلے آرہے تھے، حضرت مولانا، حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے خاص نیاز مند اور مولانا کے خلیفہ وجانشین، مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی کاندھلوی کے قدردان

تھے اور حضرت مولانا گنگوہی کی، اس خاندان کے اصحاب سے علمی روابط اور خط و کتابت رکھتے تھے۔

خصوصاً مولانا فیض الحسن محمد اکبر کاندھلوی اور مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان سے جماعت ثانیہ وغیرہ کے موضوع پر، طویل مراسلت ہوئی تھی، ان دونوں کے خطوط اور حضرت مولانا گنگوہی کے، بقلم خودنوشتہ مفصل و مدلل جوابات میں نے دیکھے ہیں۔ان میں سے حضرت کا ایک خط ایسا بھی تھا کہ، میں نے حضرت کے قلم سے اس قدر طویل خط یا تحریر، آج تک نہیں دیکھی۔ یہ خط فل سکیپ [A/4] پیمائش کے کئی کاغذ، ایک دوسرے سے جوڑ کر، چپکا کر، لمبی دستاویز کی طرح لکھا گیا تھا، جو کاغذ کی ایک ہی سمت پر تحریر تھا، دوسرا صفحہ یا پشت سادہ تھی۔ یہ تحریر دستیاب اور شائع ہوتی تو، حضرت کی تالیفات کی فہرست میں ایک اضافہ شمار کیا جاتا۔ مگر......

(۸) اور بھی چند تحریرات اور بھی میرے علم میں ہیں مگر وہاں میری رسائی نہیں اور جب تک رسائی کے ساتھ رونمائی نہ ہو، رسائی کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہر حال ایک ناتواں، بے کس، بے علم، لغزیدہ قدم، لغزیدہ قلم طالب علم کا جستجو کا سفر جاری ہے جو انشاء اللہ جاری رہے گا۔ وللہ الامر من قبل و من بعد:

یابم اورا، یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید، آرزوئے می کنم

حضرت مولانا گنگوہی کے فتاویٰ کی طباعت واشاعت

(الف:) نسخہ مرتبہ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی اشاعت کا اعلان حضرت مولانا کے مجموعۂ فتاویٰ کی طباعت کا، غالباً سب سے پہلے، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے ارادہ کیا تھا، حضرت کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ فتاویٰ بھی فراہم اور مرتب کر لیا تھا اور اس اشاعت کا اعلان کر دیا تھا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے، حضرت مولانا گنگوہی کی ایک تصنیف: ”ھدایة المعتدی فی قرأة المقتدی“ کئی مرتبہ شائع کی، اس کی ایک طباعت [جو غالباً اس کتاب کی پہلی اشاعت ہے اور] حضرت مولانا گنگوہی کی حیات میں چھپی تھی، اس کے دوسرے صفحہ پر ”حضرت مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی کی اور تصانیف“ کے عنوان سے، حضرت مولانا کی، دستیاب مطبوعہ کتابوں کا ایک مکمل صفحہ پر اشتہار ہے، جس میں اور کتابوں کے علاوہ، ایک نام فتاویٰ رشیدیہ کا بھی ہے۔ لکھا ہے:

”فتاویٰ رشیدیہ: عرصہ سے اس ناکارہ کو، اس امر کی تلاش ہے، کہ جس کسی کے پاس حضرت مولانا کے مسائل و فتاویٰ فراہم ہوں، ان کی نقل لیکر، ایک مجموعہ چھپوا دیا جائے اور بہت سا ذخیرہ فراہم ہو بھی گیا ہے۔

جن اقوال مؤدب [کذا؟] کے پاس کچھ مسائل موجود ہوں، وہ ضرور ارسال فرماویں اور یہ مجموعہ انشاء اللہ تعالیٰ جلد تیار ہونے والا ہے۔

مگر افسوس کہ ہدایۃ المعتدی کی اس طباعت پر، سنہ طباعت وغیرہ موجود نہیں، اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ مجموعہ کس سن میں چھپا تھا، تاہم یہ طے ہے کہ اس کی طباعت، حضرت مولانا گنگوہی کی حیات میں [وفات: ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء] ہوئی تھی۔ سرورق کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"مقبول بارگاہ صمد، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی مدظلہ العالی۔ حسب استدعاء بندۂ نحیف محمد یحییٰ کاندھلوی وطناً، گنگوہی اقامتاً، در مطبع بلالی ساڈھورہ، باہتمام منشی محمد بلال کریم بخش طبع گردید"

مگر اس اشتہار واعلان کے باوجود، اس کی طباعت کا موقع نہیں آیا اور وہ نسخہ بھی مفقود اور بے نام ونشان ہے۔

(ب:) فتاویٰ رشیدیہ مرتبہ مولانا عزیز الدین مرادآبادی: مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مرتبہ نسخہ کے بعد، جو نسخہ سب سے پہلے شائع ہوا، وہ مولوی عزیز الدین صاحب مرادآبادی کا مرتبہ نسخہ ہے، جس کی ترتیب وطباعت کا عمل، حضرت مولانا گنگوہی کی حیات [وفات: ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء] میں شروع ہوگیا تھا، اس نسخہ کا پہلا حصہ، حضرت مولانا کی حیات میں اشاعت کے لئے تیار ہوگیا تھا، بعد میں مختصر وقفوں سے دو اور حصوں کی اشاعت ہوئی۔

فتاویٰ رشیدیہ کا یہی وہ واحد نسخہ ہے، جو حضرت مولانا کے فتاویٰ کے حوالہ سے معروف ہے، مگر اس نسخہ کی تاریخ ترتیب وتالیف، اس کی سب سے پہلی اشاعت، نیز مصنف کی شائع کی ہوئی، دوسری تیسری طباعت ان کے علاوہ ممتاز علماء کی نگرانی میں چھپے ہوئے، قابل قدر نسخوں کا تعارف اور نسخہ مرتبہ مولانا عزیز الدین کی نسبت، بعض شبہات کا جائزہ اور متعلقہ پہلوؤں پر نظر، وضاحت وتفصیل کی طالب ہے، لیکن اس تعارف وتذکرہ سے پہلے، اس مجموعۂ فتاویٰ کے جامع ومرتب اور پہلے ناشر، مولانا عزیز الدین صاحب مرادآبادی کے، کچھ احوال انکے حضرت مولانا گنگوہی سے، روابط وارادت کی کچھ تفصیل اور عزیز الدین صاحب کے، علمی تصنیفی آثار اور دینی خدمات کا کسی قدر تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے۔

احوال مولانا عزیز الدین مرادآبادی، جامع ومؤلف فتاویٰ رشیدیہ

مولوی حافظ عزیز الدین صاحب مرادآبادی کا صحیح سنہ ولادت معلوم نہیں۔ اکمل البیان کی تمہید میں، مولانا محمد اسماعیل گودھروی اور مولانا عبدالغفار صاحب بستوی نے، مولانا عزیز الدین کا سن پیدائش ۱۲۹۵ھ [۱۸۷۸ء] لکھا ہے، (۱) جو

(۱) تمہید اکمل البیان [فی تائید تقویۃ الایمان] ص:۲۹ [طبع اول، مکتبہ سلفیہ۔ لاہور۔ بلاسنہ]

درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ مولانا عزیز الدین صاحب نے، حضرت مولانا گنگوہی سے جو سوالات کئے اور حضرت نے ان کے جوابات عنایت فرمائے، وہ سب موقع بموقع فتاویٰ رشیدیہ میں درج ہیں، ان میں سب سے پہلا سوال ۱۳۰۰ھ کا مرقومہ ومکتوبہ ہے، جو اکمل البیان میں درج تاریخ ولادت کے پیش نظر ممکن ہی نہیں۔ مولانا عزیز الدین نے بھی اپنے خودنوشت حالات میں اپنا سنہ ولادت ذکر نہیں کیا، جس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اکمل البیان کی تمہید میں درج، مذکورہ سنہ ولادت قیاسی ہے، جو درست نہیں۔

مدرسہ شاہی اور مدرسہ امدادیہ میں حفظ قرآن اور تعلیم: مولوی عزیز الدین صاحب کے اہل خاندان کا، چاندی کے برتنوں کا کاروبار تھا، اس وجہ سے حافظ صاحب کا گھرانہ چاندی والا مشہور تھا۔ مولانا عزیز الدین نے مدرسہ شاہی اور امدادیہ مرادآباد میں قرآن مجید حفظ کیا، انہی مدارس میں عربی فارسی کی درسیات پڑھیں مگر کیا کیا کتابیں کن استادوں سے پڑھیں اور کل سرمایہ تعلیم کیا تھا، معلوم نہیں۔ استادوں میں مولانا گل محمد خاں پشاوری، مشہور عالم تھے۔

حضرت مولانا گنگوہی سے نہایت عقیدت وانسیت تھی، برسوں تک متواتر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ حضرت مولانا کے زمانہ وفات تک حضرت سے خط وکتابت اور دینی علمی فقہی استفادہ کا سلسلہ جاری تھا، اور بھی کئی علماء سے روابط اور محبت ومودت کی نسبت تھی اور ان سے خط وکتابت بھی رہتی تھی۔

علمی تصنیفی ذوق اور تصانیف ومؤلفات مولوی عزیز الدین صاحب، دینی خدمات میں مشغول رہتے تھے، تحریر وتالیف کا بھی ذوق رکھتے تھے، مختلف دینی فقہی موضوعات پر، مولانا عزیز الدین کے مرتبہ ومکتوبہ سے متعدد کتابچے اور اشتہارات وغیرہ وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے تھے۔ لیکن ان کا اصل کارنامہ وہ عمدہ علمی خدمات وتصانیف ہیں، جن کی وجہ سے ان کا نام زندہ ہے اور رہے گا۔ مولوی عزیز الدین صاحب کی تصانیف میں سے صرف تین کتابیں چھپی ہیں اور کتابوں کے چھپنے کا موقع نہیں آیا۔ مطبوعہ تصانیف یہ ہیں:

(۱) مطرق الحدید علی صاحب التحقیق الجدید

(۲) اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان [بجواب اطیب البیان]

(۳) فتاویٰ رشیدیہ

مطرق الحدید علی صاحب تصانیف الشہید: مولانا حکیم عبدالشکور مرزاپوری نے، جو دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے مگر مختلف دینی علمی اختلافی مباحث میں علمائے دیوبند سے مختلف رائے رکھتے تھے اور سب سے الگ خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ان کی تالیفات میں سے ایک کتاب: "التحقیق الجدید علی تصانیف الشہید" بھی ہے، جو[

جنوری ۱۹۳۱ء شعبان ۱۳۴۹ھ] کی تالیف ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع مجیدی کانپور سے چھپی تھی، اس نسخہ پر سنہ طباعت درج نہیں مگر اندازہ یہ ہے کہ تصنیف کے بعد جلد ہی چھپ گئی تھی۔ اس کتاب میں مرزا پوری صاحب نے، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی بعض تصانیف کے شاہ صاحب سے انتساب پر شک ظاہر کیا تھا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ خصوصاً تقویۃ الایمان، ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت و الضریح اور تنویر العینین فی رفع الیدین شاہ صاحب کی تحریر وتصنیف نہیں ہیں۔ اگر یہ شاہ صاحب کی ہیں، تو ان میں کثیر تحریفات وترمیمات ہوئی ہیں۔ مگر حکیم مرزا پوری کی یہ رائے بالکل غلط، خلاف تحقیق اور ناقابل قبول تھی، اس لئے مولوی عزیز الدین صاحب نے، اس کا جامع علمی جواب مطرق الحدید علی صاحب التحقیق الجدید کے نام سے لکھا، جو ادارہ، اخبار محمدی دہلی کے زیر اہتمام، جید برقی پریس دہلی سے، جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ [اکتوبر ۱۹۳۲ء] میں چھپا تھا، یہ تقریباً سوا سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اکمل البیان: حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کی مشہور زمانہ بابرکت تالیف تقویۃ الایمان، پر کئے گئے جملہ اعتراضات، خصوصاً مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی کتاب، اطیب البیان کا مفصل علمی جائزہ اور محققانہ جواب ہے۔

مشہور عالم مناظر اور مصنف مولانا ثناء اللہ امرتسری نے، اطیب البیان کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا تھا، مگر مولوی عزیز الدین صاحب کی خواہش پر، یہ کام ان کے سپرد کر دیا اور اس کو اپنے اخبار اہل حدیث امرتسر میں چھاپنے کی ذمہ داری لی۔ مولوی عزیز الدین صاحب نے، جو اس موضوع سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور اس پر ان کا وسیع مطالعہ تھا، فوراً ہی لکھنا شروع کر دیا، جس قدر لکھا جاتا ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں چھپنے کے لئے، مولانا ثناء اللہ صاحب کی خدمت میں بھیج دیا جاتا تھا ہفت روزہ اہل حدیث کی اشاعت مورخہ ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ۔ [۱۴/ اپریل ۱۹۳۳ء، جلد: ۳۰ شمارہ: ۲۴] سے اکمل البیان کی قسط وار اشاعت شروع ہوئی اور اگرچہ جناب مصنف نے اپنی کتاب، ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ [فروری، مارچ ۱۹۳۷ء] میں مکمل کر لی تھی مگر اخبار اہل حدیث امرتسر میں اس کی مکمل اشاعت نہ ہو سکی تھی، کہ ۱۹۴۷ء کے خوں چکاں آتش فشاں حوادث پیش آگئے، جس میں مولانا ثناء اللہ صاحب کا ادارہ، کتب خانہ، پریس، مکان دوکان، سب جلا کر خاک کر دئے گئے، مولانا کے اکلوتے صاحبزادے شہید کر دیئے گئے تھے اور مولانا ثناء اللہ صاحب صرف بدن کے دو کپڑوں کے ساتھ، نہایت بے کسی کے عالم میں، امرتسر چھوڑنے پر مجبور ہوئے، اس لئے اکمل البیان کی طباعت بھی قصہ پارینہ اور خواب وخیال ہو کر رہ گئی تھی، مگر پاکستان کے ممتاز اہل حدیث عالم، مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی کو اس کتاب سے تعلق تھا، اور وہ اس کے مکمل نسخہ [مسودۂ مؤلف] کی تلاش میں لگے رہے، بالآخر جوئندہ یابندہ کے مصداق، اس کا مکمل مسودہ، جو آٹھ سو بیس صفحات پر مشتمل تھا مراد آباد سے مولوی عزیز الدین صاحب کے ذاتی کتب خانہ سے، ان کے ورثاء کے ذریعہ مل گیا، جس پر مولانا حنیف

صاحب بھوجیانی نے مکمل نظرِ ثانی کی، اس کے حوالے وغیرہ تلاش کئے، اوراس کو اپنے موقر علمی ادارہ، الدار السلفیہ، لاہور سے احسن طریقہ پر شائع کردیا۔ سنہ طباعت درج نہیں، کل آٹھ سو پچاسی صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب مولوی عزیز الدین صاحب کی ایک بڑی علمی یادگار ہے، ضرورت ہے کہ اس کے مباحث کو مزید تحقیق وتوضیح کے ساتھ، علیحدہ علیحدہ حصوں میں شائع کیا جائے تقریباً نوسو صفحات کی کتاب کا، جس پر تفصیلی فہرست بھی شامل نہیں، مطالعہ اوراس سے بہتر استفادہ آسان نہیں ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کا مفصل تعارف آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔

مولانا عزیز الدین صاحب کے حضرت مولانا گنگوہی سے روابط، عقیدت وارادت: افسوس ہے کہ مولانا عزیز الدین صاحب کی حضرت مولانا گنگوہی سے واقفیت کی ابتداء، ارادت اور روابط کی تفصیلات دریافت نہیں۔ مولانا کے مرتبہ مجموعہ فتاویٰ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی، حضرت مولانا سے طویل وقدیم وابستگی تھی، جو تقریباً پچیس سال تک، اسی طرح قائم رہی۔ بہ ظاہر اس کی ابتداء ۱۳۰۰ھ سے پہلے ہوچکی تھی، مولانا عزیز الدین صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ کے تینوں حصوں میں، حضرت کے وہ تمام فتاویٰ اوراپنے سوالات درج کئے ہیں، ان تحریرات میں سے جن فتاویٰ پر سنہ تحریر ہے، ان سب سے پرانا سوال سنہ ۱۳۰۰ھ کا مکتوبہ ہے۔ اس میں مولانا عزیز الدین صاحب نے، حضرت مولانا سے اس صدی کے مجدد کے متعلق دریافت کیا ہے اس سوال میں ۱۳۰۰ھ میں صاف لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے(۱) کہ مولانا کا حضرت مولانا سے ۱۳۰۰ھ سے برابر رابطہ اور خط وکتابت تھی اور مولانا کے دل اور نگاہ میں، حضرت مولانا کا کیا مقام ومرتبہ تھا، اس کا خود مولانا عزیز الدین صاحب کی ایک تحریر سے اندازہ ہورہا ہے۔ مولانا عزیز الدین نے اپنے خود نوشت حالات میں لکھا ہے:

> ”پھر حضرات علمائے دیوبند میں، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ سے حسن عقیدت رہی، آپ نے مسائل اہل حدیث کے مسلک کی تائیدات فرمائیں اور مولانا اشرف علی تھانوی سلمہ اللہ سے بھی حسن عقیدت ہے۔“(۲)

مولانا عزیز الدین، حضرت کے کمالات، علوم اور روحانی مرتبہ کے دلدادہ وقدرداں تھے، اس کا خود مولوی عزیز الدین

(۱) اس اندراج سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اکمل البیان کے آغاز پر مولانا محمد اسماعیل گودھروی اور مولانا عبد الغفار صاحب بستوی نے مولانا عزیز الدین کا جو سن ولادت ۱۲۹۵ھ نقل کیا ہے وہ بلاشبہ غلط ہے، اس حساب سے تو ۱۳۰۰ھ میں مولانا عزیز الدین صاحب کی عمر صرف پانچ سال ہوتی ہے، چوں کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ۱۳۰۰ھ کے بعد کے قریبی سنین کے اور بھی فتوے درج ہیں، اس لئے سنہ ۱۲۹۵ھ کا مولانا کا ولادت ہو، ممکن نہیں، ۱۲۸۰ھ یا ۱۲۸۵ھ ہوسکتا ہے۔ فلیتحقق

(۲) تراجم علمائے حدیث ہند مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ص: ۵۶۴، طبع اول دہلی: ۱۳۵۶ھ۔ ۱۹۳۸ء]

صاحب کی اور تحریرات سے مزید علم ہو رہا ہے۔ حضرت کا ایک فتویٰ اپنے مرتبہ مجموعہ فتاویٰ میں نقل کرتے ہوئے، مولوی عزیز الدین صاحب حضرت کے کمالات، علوئے مقام اور اپنے احساسات وتعلق کا اظہار کرنے پر، جیسے مجبور ہوگئے، اس موقع پر مولوی صاحب کے قلم سے بے ساختہ یہ الفاظ ٹپک پڑے ہیں:

''ان تعقبات کے جواب سے، ماشاء اللہ، سبحان اللہ، مولانا رأس المحدثین، اکمل الفقہاء والمحققین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے، تبحر علمی وتفقہ کا اہل علم ودانش اندازہ کر سکتے ہیں، کہ ان کے محققہ مسائل، کس طرح دلائل سے پُر ومالا مال ہیں، کیوں نہ ہو کہ مولانا ممدوح راسخ فی العلم والمعارف والحقائق ہیں، قدس اللہ سرہ (۱)

حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے تحقیق مسائل وفتاویٰ مولوی عزیز الدین حضرت مولانا گنگوہی سے انسیت وروابط کے علاوہ اور بھی متعدد بڑے علمائے احناف سے، قریبی ملاقات اور خط وکتابت رکھتے تھے، جس میں نامور عالم اور محدث مولانا عبدالرحمٰن انصاری پانی پتی اور حضرت مولانا تھانوی بطور خاص شامل تھے۔

مولوی عزیز الدین صاحب، حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی سے بھی رابطہ وعقیدت رکھتے تھے، سوالات ومسائل دریافت فرماتے رہتے تھے۔ محدث پانی پتی کا ایک والا نامہ، مولوی عزیز الدین صاحب نے، فتاویٰ رشیدیہ میں نقل کیا ہے اس خط میں جو اپنائیت ومحبت کا انداز ہے، اس سے یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ، مولانا عزیز الرحمٰن اور حضرت پانی پتی کے تعلقات قدیم اور خاصی خط وکتابت بھی تھی، محدث پانی پتی نے تحریر فرمایا ہے:

''میاں عزیز الدین سلمہ از عبدالرحمٰن عفی عنہ، بعد سلام مسنون، واضح ہو کہ میں بیماری متعلقین اور معالجہ چشم خود کی فکر میں چند ماہ سے تھا، اس وجہ سے خط وکتابت بند ہے، اب بھی میں پرہیز میں ہوں، جو مسئلہ سہل اور کم غور کا ہوتا ہے، اس کا جواب لکھتا ہوں، اور زائد خط وکتابت نہیں کر سکتا، کیونکہ حکیم صاحب کی طرف سے کام کرنے کی ممانعت ہے۔

تمہارے مسئلوں کا جواب یہ ہے، نماز پڑھنے میں گھنٹہ کا اعتبار نہیں، بعد زوال شمس سایہ اصلی چھوڑ کر، ایک مثل کے اندر جمعہ یا ظہر پڑھ لینی چاہئے۔ اور سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل کے بعد، بروایت مفتی بہ وقت نماز عصر ہو جاتا ہے اور رجوع امام صاحب کا حال پھر پوچھنا۔ عصر کی نماز بعد ایک مثل کے ہو جاتی

(۱) فتاویٰ رشیدیہ حاشیہ ص: ۹۲ حصہ دوم طبع اول [مراد آباد: ۱۳۲۳ھ] نیز ملاحظہ ہو: مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی: ۱۳۵۲ھ۔ ص: ۱۱۶ حصہ دوم

ہے، اعادہ کی حاجت نہیں، ہم نے استادوں سے یہی سنا ہے کہ ہزارہ روزہ کی کچھ اصل نہیں اور سب نفل روزوں کی برابر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

العبد عبدالرحمٰن بقلم عبدالسلام غفرلہ۔ نہم شعبان ۱۳۱۳ھ یوم شنبہ از پانی پت۔ عبدالسلام عفی عنہ کا سلام مسنون (۱)

حاجی امداد اللہ سے عقیدت وتعلق: فتاویٰ رشیدیہ کے بعض اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عزیزالدین صاحب کی، حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی سے بھی ارادت تھی اور خط وکتابت رہتی تھی، شاید اسی تعلق اور حضرت مولانا کے ساتھ، حضرت حاجی صاحب سے ارادت کا اثر ہے کہ مولوی عزیزالدین صاحب نے، فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت حاجی امداداللہ کا ایک مفصل مکتوب گرامی جو حضرت گنگوہی اور البراہین القاطعہ کے حوالہ سے، برپا ایک شورش کے جواب اور تردید میں، اپنا موقف ظاہر کرنے کے لئے حضرت حاجی صاحب نے تحریر فرمایا تھا، مولوی عزیزالدین صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ میں شامل کیا ہے، حالاں کہ یہ مکتوب نہ کسی فقہی سوال کے جواب میں ہے، نہ ہی اس کا فتاویٰ رشیدیہ سے براہ راست کچھ تعلق ہے۔

حضرت مولانا تھانوی سے عقیدت اور مسائل میں رجوع حضرت مولانا گنگوہی کے بعد سب سے زیادہ عقیدت وانسیت حضرت مولانا تھانوی سے تھی جو حضرت مولانا گنگوہی کی وفات کے بعد بھی اسی طرح قائم واستوار رہی۔ حضرت مولانا تھانوی کے ملفوظات میں بھی، مولوی عزیزالدین صاحب کا ذکر آیا ہے، اور خود مولوی عزیزالدین صاحب نے اپنے خودنوشت حالات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ”پھر حضرات علمائے دیوبند میں، مولانا رشیداحمد رحمہم اللہ سے حسن عقیدت رہی، آپ نے مسائل اہل حدیث کے مسلک کی تائیدات فرمائیں اور مولانا اشرف علی تھانوی سلمہ اللہ سے بھی حسن عقیدت ہے“ (۲)

فتاویٰ رشیدیہ میں بعض موقعوں پر تائید وتوثیق کے لئے حضرت مولانا تھانوی کے مجموعہ فتاویٰ [جس کی پہلی طباعت فتاویٰ اشرفیہ کے نام سے شائع ہو چکی تھی] کی عبارتیں نقل کی ہیں اور حوالے دیئے ہیں، اور جیسا کہ مولانا عزیزالدین نے لکھا بھی ہے کہ بعد میں مسلک اہل حدیث کی برملا تائید کرنے پر، حضرت مولانا تھانوی سے کچھ فاصلہ ہو گیا تھا لیکن عقیدت وانسیت برقرار رہی۔

دیگر علماء سے مراسلت اور تحقیق مسائل مولوی عزیزالدین صاحب کا تحقیق وجستجو کے ذوق کی وجہ سے،

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ص:۴۳ حصہ اول [رحیمیہ دہلی: ۱۳۴۸ھ]

(۲) تراجم علمائے حدیث ہند ص:۱۶۳ [دہلی: ۱۳۵۶ھ]

ملک بھر کے ممتاز اہل علم وکمال سے رابطہ اور خط وکتابت رہتی تھی۔ مولوی عزیز الدین صاحب کے نام صادر اہل علم کے خطوط کا خاصا ذخیرہ تھا، جو تقریباً ۸۵-۱۳۸۴ھ [۱۹۶۵-۶۶ء] تک محفوظ تھا۔ مولوی صاحب کے مدرسہ کے ایک استاد و منتظم، مولانا عبد الغفار صاحب بستوی نے، مولوی عزیز الدین صاحب کی نسبت اپنی تحریر میں لکھا ہے:

"اہل علم سے مکاتبات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، چنانچہ ان کے نام لکھے ہوئے، اصحاب علم کے عربی و اردو مکتوبات کا خاصا ذخیرہ، اب تک موجود ہے۔"

مرتب فتاویٰ رشیدیہ کا فقہی مسلک اگرچہ مرتب فتاویٰ رشیدیہ کو عموماً اہل حدیث اصحاب میں شمار کیا جاتا ہے، شاید اسی وجہ سے ہمارے علماء، ان کی اس بڑی دینی علمی خدمت [ترتیب فتاویٰ رشیدیہ اور اکمل البیان وغیرہ] کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، مولانا عزیز الدین حضرت مولانا گنگوہی کی حیات تک برملا غیر مقلد نہیں تھے، اگرچہ مولانا میں تحقیق کا مزاج اور عمل بالحدیث کا خاص ذوق تھا مگر ظاہر ہے یہ فکر و مزاج نہ عیب ہے، نہ تقلید کے منافی۔ مولوی عزیز الدین صاحب نے ایک مرتبہ خود، حضرت مولانا گنگوہی کو اپنے فقہی مسلک اور نظریات کے متعلق صاف صاف لکھا تھا کہ:

"ہادی خلق رہنمائے بندہ، حضرت مولانا و مرشدنا، مولانا رشید احمد صاحب ادام اللہ فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض فدویانہ آنکہ، حضور والا اقدس نے بندہ حقیر کی نسبت بجانب عدم تقلید تحریر فرمائی ہے، سو بندہ حقیر، تمام علماء و مقتدائے دین کو پیشوائے انام جانتا ہے اور ان کے اتباع کو ذریعہ نجات و رستگاری آخرت تصور کرتا ہے۔ آمین! یہ صرف بعض لوگوں نے بوجہ اس کے، کہ خاندان حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، مثل مولانا شہید علیہ الرحمۃ وغیرہما کو، اپنا پیشوا و مقتدا و ہادی برحق جانتا ہے، اور محبت و ربط قلب ان سے رکھتا ہے اور ان کے مسلک کو برحق جانتا ہے، غیر مقلد کہا ہو اور یہ سب کچھ حضرت سلمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم تصور کرتا ہے اور یہ الفت و محبت اس خاندان سے، حضرت ہی کی عطا فرمودہ ہے، اگر اس کا نام غیر مقلدی ہے تو یہ محض حضرت ہی کے فیض اثر سے حاصل ہوئی ہے، حضور معاف فرما کر، بندہ احقر کو اطلاع بخشی جاوے، کہ کار بندار شاد حضرت ہوں۔ فقط والسلام۔ بندہ حقیر عزیز الدین عفی عنہ۔(۱)

اس کے جواب میں حضرت مولانا کا جو رقیمہ گرامی صادر ہوا، اس کو بھی پڑھ لینا چاہئے، جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے، کہ حضرت مولانا مولوی عزیز الدین صاحب کو غیر مقلد نہیں سمجھتے تھے۔ گرامی نامہ درج ذیل ہے:

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ! بعد سلام مسنون آنکہ، میں نے تم کو یہ نہیں لکھا تھا کہ تم غیر مقلد ہو، اور نہ میں

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۵۶-۱۵۷/۲، [رحیمیہ دہلی: ۱۳۵۲ھ]

ایسا سمجھیں۔ بلکہ یہ تحریر کیا تھا کہ اس وجہ سے لوگ تم پر تہمت غیر مقلدی کی رکھتے ہیں۔ احوال بندہ قرین عافیت ہے، سب احباب کو سلام مسنون کہدینا۔ والسلام کتبہ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (۱)

مذکورہ مکتوبات میں، حضرت مولانا کے ایک اور خط کا بھی تذکرہ آیا ہے، یہاں اس کو درج کیے بغیر، یہ گفتگو مکمل نہیں ہو سکتی، اس لئے وہ بھی نقل کیا جاتا ہے۔

از بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ بندہ بخیریت ہے، تمہارے واسطے دعائے خیر کرتا ہے، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ جو سوالات آپ کے آئے ہیں، بظاہر ان کا جواب نہ ہو سکے گا، کیونکہ میرے پاس ایسا لکھنے والا کوئی نہیں ہے اور ان سوالات کے سبب تم پر تہمت غیر مقلدی کی رکھی جاتی ہے۔ فقط والسلام۔ سب احباب کو سلام مسنون۔ ۱۵ ار رمضان یوم پنجشنبہ (۲)

فتاویٰ رشیدیہ کی تالیف وترتیب مولانا عزیز الدین کی حضرت مولانا گنگوہی سے، یہی نسبت اور عقیدت ومحبت تھی، جس نے ان کو حضرت کے فتاویٰ محفوظ ومرتب کرنے پر آمادہ کیا مولانا نے فتاویٰ رشیدیہ کی ترتیب وتالیف کا کس وقت ارادہ کیا تھا، اس کے لئے کیا کیا کوششیں کیں اور فراہمی فتاویٰ کے لئے خاصی جدوجہد اور عملی کیا طریقہ کار اپنایا، اندازہ یہ ہے کہ مولوی صاحب نے، حضرت کی وفات سے کم سے کم دو تین سال قبل، اس مجموعہ فتاویٰ کی تالیف واشاعت کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ مولانا عزیز الدین صاحب کے مرتبہ، اس مجموعہ کے پہلے دونوں حصے، حضرت کی حیات میں مکمل ومرتب ہو گئے تھے، پہلا حصہ چھپنے کے لئے بھی چلا گیا تھا، دوسرا کتابت وغیرہ کے مرحلہ میں تھا۔

فتاویٰ رشیدیہ کی ترتیب میں مؤلف کا طریقہ کار مگر تعجب ہے کہ مولانا عزیز الدین صاحب نے، فتاویٰ رشیدیہ کی تدوین وترتیب کے لئے، علمی فنی اصول پیش نظر نہیں رکھے اور اس مجموعہ فتاویٰ کی تالیف میں کسی طرح کی ترتیب کا اہتمام نہیں کیا۔ اس میں شامل مسائل اور فتاویٰ فقہی عنوانات وابواب کے تحت مرتب ومدون نہیں کئے، جو فتوے درج ہیں، ان پر ضمنی عنوانات یا سرخیاں بھی نہیں لگائی گئیں۔

اگرچہ اس میں علمی ترتیب وتدوین کے اس بڑے اور اہم اصول کو پوری طرح نظر انداز کیا گیا ہے مگر ایک کام ایسا عمدہ اور مفید کیا ہے، جس کا اچھے تجربہ کار مصنفین بھی خیال نہیں فرماتے۔ یہ حضرت مولانا کے لکھے ہوئے فتاویٰ کے، سوال کرنے والوں کے نام اور مقام نیز سوال وجواب کے معلوم سنہ اور تاریخ کی عمدہ وضاحت ہے، جس سے ان مسائل کی بعض اندرونی

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۵۷ حصہ اول [طبع اول مراد آباد: ۱۳۲۳ھ]
(۲) فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۵۶ حصہ اول [طبع اول مراد آباد: ۱۳۲۳ھ]

گرہیں کھلتی ہیں، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بات اور مسئلہ کہاں اور کیوں پیش آیا تھا، نیز یہ اہم کڑی بھی مل جاتی ہے، کہ حضرت نے یہ مسئلہ کب لکھا تھا۔ فتووں کی نقول یا اصل فتاویٰ فراہم کرنے والے اصحاب کے، ناموں اور مقامات کی صراحت ہے، مگر اس میں بھی کسی طرح کی ترتیب کا خیال نہیں کیا گیا، جو فتاویٰ جب دستیاب ہوا، بلا تاخیر اسی مقام پر شامل کر لیا گیا، خود مولانا عزیز الدین کے سوالات کے جواب میں صادر، فتاویٰ کے اندراجات سے بھی، اسی بے ربطی یا بے ترتیبی کا مشاہدہ ہو رہا ہے، ابتدائی دور کے لکھے ہوئے سوالات و فتاویٰ بعد میں اور بعد کے لکھے ہوئے ابتداء میں آ گئے ہیں۔ ممکن ہے جناب مرتب یہ خیال فرماتے ہوں کہ:

دریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب

عجب مدار، کہ جو حال من پریشان است

فتاویٰ کی تاریخ اور سنہ کتابت نقل کرنے کا اہتمام حضرت مولانا گنگوہی کا، اپنے خطوط فتاویٰ یا اور تحریرات پر سنہ تحریر و تالیف درج کرنے کا، بہت کم معمول تھا، صرف چند خطوط اور فتاویٰ پر سنہ تحریر ثبت ہے، کچھ اور خطوط یا فتوے وہ ہیں، کہ ان پر مہینہ رقم ہے مگر سنہ تحریر موجود نہیں، اس پہلو سے مولانا عزیز الدین کا یہ اہتمام قابل قدر ہے، کہ جو فتاویٰ کا سنہ تحریر سے مرقم و مزین تھے کی، جملہ تاریخہائے تحریر اور سنین کو اس فتوے کے حاشیہ پر، سائل کے نام کے ساتھ درج کر کے، محفوظ کر دیا ہے، اس کی مدد سے فتاویٰ کے حوالہ سے کئی اور باتیں دریافت کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں درج فتاویٰ کا زمانہ تحریر اگرچہ [جیسا کہ ذکر ہوا] ان میں سے بہت کم فتووں پر سنہ تحریر درج ہے، لیکن جس قدر بھی اندراجات ہیں، ان میں سے دو فتوے ایسے بھی ہیں جو ۱۳۲۲ھ کے لکھے ہوئے ہیں، جس میں ایک صفر ۱۳۲۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ ممکن ہے یہی فتاویٰ رشیدیہ میں درج آخری فتویٰ ہو۔

فتاویٰ رشیدیہ میں موجود فتاویٰ میں پہلا فتویٰ، مراد آباد کے معروف اہل حدیث عالم، مولانا مرزا حفیظ اللہ بیگ صاحب کے سوال کے جواب میں ہے، (۱) دوسرا بھی مراد آباد سے ہی تعلق رکھتا ہے، یہ احمد سعید خاں صاحب مراد آبادی کے سوال کے جواب میں ہے، یہ فتویٰ ۱۳۱۰ھ کا لکھا ہوا ہے۔

فتاویٰ کا بڑا حصہ اہل مراد آباد و بجنور کے نام فتووں کا ہے مولانا عزیز الدین صاحب نے، ایک ایک فتوے کے سائل کا نام اور وطن اور ممکن ہو تو اس کا سنہ تحریر بھی، فتوے کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے۔ ان صاحبان کے ناموں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے، کہ فتاویٰ رشیدیہ میں درج سوالات و فتاویٰ میں سے بڑا حصہ، ان سوالات و فتاویٰ

(۱) مرزا حفیظ اللہ بیگ صاحب، مراد آباد کے ممتاز اہل حدیث علماء میں سے تھے، مولانا عزیز الدین صاحب نے اپنی خود نوشت تحریر میں مرزا صاحب کو: "مولانا مرزا امام الموحدین سراج المحققین حفیظ اللہ بیگ صاحب" کے موقر الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ تراجم علمائے حدیث ہند ص: ۵۶۳ [طبع اول دہلی]

کا ہے، جو اصحاب مراد آباد نے دریافت کئے تھے، اس لئے سب سے بڑی تعداد، اہل مراد آباد کے سوالات کے جواب میں ہے، یہ پورے مجموعہ کا ایک تہائی یا اس سے کچھ زائد حصہ ہے۔ اس کے بعد، ضلع بجنور [اور اس کے قصبات ونواح] کے سائلین کے فتوے شمار کئے جاسکتے ہیں، ان دونوں مقامات سے دستیاب فتاویٰ، فتاویٰ رشیدیہ کے آدھے سے زیادہ حصہ کا احاطہ کررہے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی دسیوں مقامات سے، موصول فتاویٰ نے جگہ پائی ہے، خود مولانا عزیز الدین صاحب کے دریافت کئے ہوئے، تقریباً ساٹھ سوالات اور ان کے جوابات، بلاترتیب موقع بہ موقع درج ہیں۔

نہایت تعجب ہے کہ جہاں سے سب سے زیادہ فتوے ملنے چاہئیں تھے، مثلاً گنگوہ، سہارنپور، دیوبند، کاندھلہ، دہلی اور پنجاب کے مواضع وقصبات وغیرہ، جہاں حضرت مولانا گنگوہی کے متوسلین کے پاس حضرت کے لکھے ہوئے، فتاویٰ رشیدیہ کے مندرجات سے سوگنا فتاوے موجود تھے، مگر وہاں سے کسی نے دست تعاون نہیں بڑھایا اور اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل کرنے کے لئے، مولوی عزیز الدین صاحب کی مکرر گزارشات کے باوجود کوئی فتویٰ نہیں بھیجا۔

ایک اور اہتمام یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مؤلف فتاویٰ رشیدیہ نے، حضرت مولانا گنگوہی کے بدست خاص لکھے ہوئے فتاویٰ کو، اپنی کتاب میں اولیت دی ہے اور جو فتاویٰ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے قلم کے مکتوبہ ہیں، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بلاتکلف، بقلم مولوی محمد یحییٰ، کی صراحت کی ہے۔ اوپر آچکا ہے کہ اگر کوئی فتویٰ مولانا محمد یحییٰ کے علاوہ، حضرت کے کسی اور خادم وکاتب کے قلم سے ہے، تو اس کی بھی وضاحت کردی ہے۔ اور وہ متواتر اس کا بھی اعلان کرتے رہے اور پابندی سے یہ اشتہار چھاپتے رہے کہ:

''ان تمام فتاویٰ کی اصل ہمارے پاس موجود ہے، جو صاحب ملاحظہ فرمانا چاہیں، ملاحظہ فرمائیں''

مولوی عزیز الدین نے پوری زندگی اصل فتاویٰ محفوظ رکھے صرف یہی نہیں، بلکہ مؤلف فتاویٰ رشیدیہ نے، اصل فتوؤں کی تمام عمر حفاظت کی اور ان کی وفات کے بعد بھی برسوں تک، یہ ذخیرہ جوں کا توں موجود اور محفوظ رہا، آج سے تقریباً پندرہ سال قبل تک اس کی موجودگی کی اطلاع ہے، اس کے بعد اس کا حال معلوم نہیں۔ اس پوری روداد میں اگر کوئی کمی ہے تو یہ ہے، کہ مولوی عزیز الدین صاحب کے بار بار اعلانات کے باوجود کسی نے بھی مطبوعہ نسخہ کی اصل فتاویٰ سے مطابقت کی زحمت نہیں فرمائی، پچاس سال سے زائد عرصہ تک یہ تمام فتاویٰ رکھے رہے، موجود رہے مگر ان کے براہ راست مطالعہ کا ارادہ نہیں کیا گیا۔

مزید فتاویٰ اور آخری حصوں کے لئے اور جدوجہد مولانا عزیز الدین صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ کی ترتیب وطباعت کے لئے، غالباً بڑا منصوبہ بنایا تھا، اس لئے ذاتی طور پر فتاویٰ کی جستجو اور فراہمی کے علاوہ، کئی مرتبہ اشتہارات بھی شائع کئے، متعلقہ اصحاب کو خطوط لکھے، بار بار اشتہار بھجوائے، عریضے پیش کئے مگر اس ذخیرہ کے حامل اکثر اصحاب نے

مولانا عزیز الدین کی گذارش پر کان نہیں دھرا، اور اس بڑی دینی فقہی خدمت وکاوش کو لائق اعتنا نہیں سمجھا مگر اس بے توجہی سے مولوی عزیز الدین بددل نہیں ہوئے، اپنے کام میں برابر لگے رہے۔

مجموعہ فتاویٰ رشیدیہ کا چوتھا اور پانچواں حصہ؟ مولانا عزیز الدین کے فتاویٰ رشیدیہ کے، تین حصے تو معروف اور دستیاب ہیں، ان کے علاوہ دو حصے اور بھی تھے جو بالکل مفقود ومعدوم ہیں، حال آں کہ چوتھا حصہ مکمل اور کتابت ہوکر چھپنے کے لئے چلا گیا تھا، پانچواں زیر ترتیب تھا اور مولانا کی بعض تحریرات سے جھلکتا ہے، کہ ان کا اس سلسلے کو اور آگے بڑھانے کا خیال تھا، مگر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ بڑا کام کیوں ناقص وناتمام رہ گیا اور کس وجہ سے اس کا چوتھا یا پانچواں حصہ عام نہیں ہوا۔ اور بعد کے حصے تو وجود میں آنے سے بھی محروم رہ گئے۔

پہلی طباعت فتاویٰ رشیدیہ کے پہلے حصہ کی طباعت کب شروع ہوئی، اس کا تذکرہ نہیں ملتا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کی کتابت حضرت مولانا کی حیات میں مکمل ہوگئی تھی، طباعت بعد میں پوری ہوئی، تکمیل طباعت کی، کتاب کے آخری صفحہ پر، ان الفاظ میں صراحت ہے:

"الحمدللہ والمنۃ کہ بتاریخ ۱۵رذی قعدہ ۱۳۲۳ھ [۱۱رجنوری ۱۹۰۶ء] کو یہ پہلا حصہ اختتام کو پہنچا"

بفضلہ و کرمہ!(۱)

یعنی فتاویٰ رشیدیہ کے پہلے حصہ کی، پہلی طباعت، حضرت مولانا گنگوہی کی وفات [۹رجمادی الاخری ۱۳۲۳ھ/ ۱۵راگست ۱۹۰۵ء] کے تقریباً پانچ مہینہ کے بعد مکمل ہوکر آ گئی تھی۔ یہ نسخہ برلاس پریس اور شمس المطابع مراد آباد میں چھپا تھا، یہ سب سے پہلی طباعت، ایک سو کسٹھ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں آخری ٹائٹل کا ایک صفحہ بھی شامل ہے۔

سرورق کے بعد، اصل کتاب سے پہلے، اٹھائیس صفحات ہیں، جس میں اول صحت نامہ اغلاط ہے، جو ڈیڑھ صفحوں پر آیا ہے، اس کے بعد خاصی مفصل فہرست مضامین ہے، جو ساڑھے بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ بعد ازاں فتاویٰ شروع ہوگئے ہیں۔ سرورق کے بالکل آخری صفحہ پر، مولوی سید فرید احمد صاحب وفا مراد آبادی کا نوشتہ، فقرۂ تاریخ اور قطعہ تاریخ ہے۔

فقرۂ تاریخ یہ ہے: "رسالہ فتاویٰ رشیدیہ" ۱۳۲۳ھ، قطعہ تاریخ بھی ملاحظہ ہو:

چوایں نسخۂ بے بدل طبع شد ز زحمت بعید و برحمت قریب
چہ تاریخ احسن، برآمد وفا ملک گفت: "زیبا عجیب وغریب"
۱۳۲۳ھ(۲)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول۔ طبع اول ص: ۱۶۱۔ (۲) فتاویٰ رشیدیہ۔ طبع اول، سرورق کا آخری، چوتھا صفحہ۔

اس کے نیچے حقوق طباعت محفوظ ہونے کا اعلان شائع کیا گیا ہے:

”حق کاپی رائٹ کتاب بنام عزیز الدین و علی نظر، بذریعہ رجسٹری باضابطہ محفوظ ہے“(۱)

حصہ دوم کی پہلی اشاعت پہلے حصہ کی طباعت کے بعد جلد ہی حصہ دوم بھی شائع ہو گیا تھا، حصہ دوم افضل المطابع مراد آباد سے چھپا۔ آخری صفحہ کے بعد ٹائٹل کے آخری صفحہ پر، چھے شعروں پر مشتمل قطعۂ تاریخ درج ہے، جو منشی محمود علی گرامی میرٹھی کی یادگار ہے۔ کہا ہے:

تاریخ طبع

از لطائف طبع مؤرخ بے مثال، شاعر شریں مقال، منشی محمود علی صاحب گرامی میرٹھی

لقد رضاء نجم الهدیٰ فی الوری — فسر القلوب وزال الکید
بهذا الفتاویٰ فطوبی لکم — فقد جاء بشری لجمع العبید
کہ مد بجلوہ چنیں مہر دین — منور بصد مہر شد ماہ عید
خزانہ ملا دین اسلام کا — ملی باب رضوان کی گویا کلید
ضروری مسائل باحسن وجوہ — ہیں ارشاد مرشد سے دین کے رشید
کہا ہو کے خوش ہاتف غیب نے — نفیس الفتاوی امام رشید

۱۳۲۴ھ

اس کے اختتام پر خاتمۃ الطبع ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

خاتمة الطبع

الحمد لله والمنة کہ تاریخ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو یہ مجموعہ متبرکہ حصہ دوم، جس میں تقریباً تعدادی چھ سو مسائل ہیں، اختتام کو پہنچا۔

حصہ سوم کی پہلی اشاعت مولانا عزیز الدین صاحب کی یہ کاوش اہل نظر کے یہاں مقبول ہوئی تھی، اس لئے اس سلسلہ کو آگے بڑھانے اور جاری رکھنے کی فرمائشیں آتی رہیں، خود مولانا عزیز الدین صاحب بھی، ان سے اس کے طالب وجویا تھے، دوسرا، تیسرا حصہ مکمل ہوتے ہی چھپنے کے لئے چلا گیا تھا۔ اس لئے تیسرا حصہ، فضل حسین بسمل کے اہتمام سے افضل المطابع، مراد آباد سے ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ [۲۴/ مارچ ۱۹۱۰ء] میں شائع ہوا۔ خاتمۃ الطبع درج ذیل ہے:

(۱) فتاویٰ رشیدیہ۔ طبع اول، سرورق کا آخری، چوتھا صفحہ۔

الحمد لله والمنة کہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ کو یہ مجموعہ متبرکہ حصہ سوم، جس میں تقریباً تعدادی چار سو مسائل ہیں، اختتام کو پہنچا۔ (۱)

یہ کلمات ص: ۱۶۰ کے اختتام پر ہیں، ص: ۱۶۱ سے ص: ۱۷۲ تک فہرست مضامین ہے، ص: ۱۷۳ سے ۱۷۶ تک صحت نامہ حصہ سوم آیا ہے، اسی صفحہ پر درج ایک اشتہار واعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کو، دیوبند کے جلسہ دستار بندی تک، بازار میں لے آنے کے خیال سے، کتابت وطباعت میں جلدی کی گئی، اس کی وجہ سے اس کی صحت کا خاطر خواہ اہتمام نہیں ہو سکا۔

لیکن یہ اعلان اس اشاعت کا نقطہ اختتام نہیں ہے، ایک صفحہ اور ہے، اس پر حضرت مولانا گنگوہی کا قطعہ تاریخ وفات ہے، جو فارسی کے انیس اشعار پر مشتمل ہے۔ سرورق کے آخری چوتھے صفحہ پر، حضرت مولانا گنگوہی، حضرت مولانا محمود حسن اور حضرت مولانا تھانوی کی تصانیف کی تاجرانہ فہرست ہے، یہ اشتہار بھی اس کی ایک ضمنی تصدیق ہے کہ مولانا عزیز الدین صاحب [کم سے کم، اس اشاعت کے وقت تک] ان حضرات کے دامن گرفتہ، دینی فقہی نظریات اور سلوک وتصوف میں ان کے طریقہ پر تھے۔

حصہ چہارم و پنجم کی کتاب وطباعت فتاویٰ رشیدیہ کی ترتیب واشاعت کا کام، تیسرے حصہ پر ختم نہیں ہوا تھا، اس کے بعد بھی کم سے کم دو حصے [چہارم، پنجم] اور مرتب ہوئے تھے۔ چوتھے حصہ کے شائع کرنے یا زیر اشاعت ہونے کا، مولانا عزیز الدین صاحب فتاویٰ رشیدیہ کی پہلی، دوسری اشاعت کے مختلف حصوں میں، کئی مرتبہ اعلان کیا، حصہ سوم کے طبع اول کے سرورق کے دوسرے صفحہ پر، ایک مفصل اشتہار میں، اس کا دو مرتبہ ذکر آیا ہے۔ اس اشتہار سے ان فتاویٰ کی اصلیت پر شبہ کا بھی جواب ملتا ہے، اس لئے یہاں یہ اشتہار نقل کیا جاتا ہے۔ لکھا ہے:

التماس

الحمد للہ کہ اکثر حضرات شائقین کی توجہ دلی اور صدق سعی نے ہم احقران کو، تیسرے و چوتھے حصہ فتاویٰ رشیدیہ کی جانب ہمت دلائی اور اپنے دل ربا وجاندہ قلمی فتاویٰ، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے، آغوش محبت سے جدا کر کے، بسبیل ڈاک ہم احقران کو، ان کے نام ارسال کیے، ہم کو معزز وممتاز اور کل ناظرین کو مستفیض فرمایا، جزاک اللہ فنعم الجزاء۔

جس کسی صاحب کو کسی مسئلہ میں تردد پیش آئے، وہ مرتفع ہو سکتا ہے، ان کل فتاووں کی اصل ہمارے اور ہمارے احباب کے پاس موجود ہے۔ یہ تیسرا حصہ حاضر خدمت، چوتھا حصہ ان شاء اللہ بہت جلد طبع ہو کر،

(۱) فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم طبع اول ص: ۱۶۰ [مراد آباد: ۱۳۲۸ھ]

ارسال خدمت بعد۔۔۔۔۔آنے کے بعد کیا جائے گا۔دیگر مشاغل کی وجہ سے اس وقت تک مکمل نہ ہوسکا۔

الملتمس

عزیز الدین وعلی نظر ،مراد آباد محلّہ ساہو

حصہ اول کی تیسری اشاعت کے ساتھ بھی ایک اشتہار چھپا ہوا ہے،اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ:

''چوتھے حصہ کی تیاری ہے''

ان اطلاعات کی ایک قلمی تحریر سے بھی تصدیق ہورہی ہے جوراقم سطور کے پاس محفوظ ہے، یہ فتاویٰ رشیدیہ کے متعلق ہے،اگرچہ اس پر لکھنے والے کا نام موجود نہیں مگراس میں مؤلف فتاویٰ،مولانا عزیز الدین مرادآبادی اور حضرت مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی کا حوالہ ہے،اور یہ اطلاع بھی،کہ چوتھا حصہ چھپ کر[اس کا نسخہ]مولانا محمد یحیٰ صاحب تک پہنچ گیا ہے اور پانچواں حصہ کاتب کے پاس ہے۔تحریر کی نقل ملاحظہ ہو:

''فتاویٰ رشیدیہ ۔بمقام مرادآباد، محلّہ ساہو......بخدمت مولوی عزیز الدین وعلی نظر، کتب فروش ۔بمقام سہارنپور، مدرسہ مظاہر علوم، ۔بخدمت مولوی محمد یحیٰ صاحب اول، دوم،سوم، چہارم، فتاویٰ رسیدہ، پنجم بکاتب رسیدہ''

ان اقتباسات واطلاعات سے ۔جھلکتا ہے کہ فتاویٰ کا چوتھا حصہ مرتب ہوکر چھپنے چلا گیا تھا، پانچواں زیر ترتیب تھا،اگر بالفرض پانچواں حصہ مکمل نہیں ہوسکا تھا،جس کی کوئی وجہ معلوم نہیں،تو چوتھے حصہ پر کیا گزری۔وہ پریس جانے کے باوجود، چُھپا کیوں رہا،آج تک گم نام ولاپتہ کیوں ہے، یہ حصہ جب اس مرحلہ تک آگیا تھا، کہ مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی کی خدمت میں بھیج دیا جائے تو اور قدرداں اس سے محروم وبے خبر کیوں رہے۔ چوتھے پانچویں حصہ کے حوالہ سے سوالات کے جوابات، ان دونوں حصوں کی بازیافت اور ان کی اشاعت ،حضرت مولانا کے فتاویٰ کے ذخیرہ اور مولانا عزیز الدین کے کام کی، تکمیل کے لئے نہایت ضروری ہے۔

مطبوعہ حصوں کی مکرر اشاعتیں فتاویٰ رشیدیہ حسب توقع نہایت مقبول ہوا، ہاتھوں ہاتھ لیا گیا،اس لئے قلیل وقفہ میں کئی مرتبہ چھپا۔مؤلف نے پہلے دونوں حصے اپنے پتہ سے،مرادآباد سے کم سے کم تین مرتبہ شائع کئے، تیسرے حصہ کی دو مرتبہ طباعت ہوئی اور اس کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔یہاں ان میں سے اہم طباعتوں کا، کچھ تذکرہ مفید ہوگا۔

اشاعت دوم، مرادآباد پہلا حصہ طباعت کے بعد جلد ہی کم یاب ہوگیا تھا، طلب بڑھتی جارہی تھی، اس لئے مولانا عزیزالدین صاحب نے طبع اول کو، دوبارہ جوں کا توں شائع کردیا، اس پر تاریخ اشاعت بھی وہی درج ہے، جو پہلی اشاعت میں تھی، حالاں کہ یہ حقیقت میں پہلی اشاعت نہیں، بلکہ پہلی اشاعت کا مثنیٰ [Re Print] ہے، فرق صرف یہ ہے کہ پہلی اشاعت براس پریس سے چھپی تھی، [جیسا کہ اس کے تعارف گزرگیا ہے،] یہ عکس یا مثنیٰ، افضل المطابع، مرادآباد سے چھپا تھا۔ مطبع کی صراحت کے علاوہ، دونوں میں سے ایک فرق یہ بھی ہے، کہ پہلی طباعت کا سرورق ہلکے رنگ کا باریک کاغذ کا ہے، دوسری طباعت کا سرورق زرادبیز کاغذ پر چھاپا گیا ہے۔

اشاعت سوم، مرادآباد حصہ اول کی دوسری اشاعت بھی فروخت ہوگئی، تو اس حصہ کو مولانا عزیزالدین صاحب نے ایک مرتبہ اور چھاپا، یہ طباعت، پہلی طباعت کے تین سال بعد اشاعت پذیر ہوئی، یہ بھی مطبع شمس المطابع مرادآباد سے، حاجی شمس الدین کے اہتمام سے چھپی تھی۔ یہ پہلی دونوں طباعتوں سے کسی قدر مختلف ہے، اس کے سرورق کے دوسرے اندرونی صفحہ پر پورے صفحہ کا اشتہار ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ:

فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول طبع ثالث

عرصہ ہوا یہ حصہ ہم نے بڑی کوشش سے طبع کراکر، حضرات ناظرین کی خدمت میں عموماً اور برادران دینی کی خدمت میں خصوصاً، پیش کیا تھا، الحمدللہ کہ ہماری سعی مقبول خاص وعام ہوئی، شائقین کی طلب کی وجہ سے سہ بارہ طبع کی نوبت آگئی، کیوں نہ پسندیدۂ عالم ہو کہ محدث دہر، فقیہہ عصر، قطب وقت، حضرت مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے، یہ نہایت کارآمد فتاوے ہیں، کہ جن سے ہر چھوٹا اور بڑا مستغنی نہیں ہے۔ اس کتاب کے تین حصہ طبع ہوچکے ہیں، چوتھے حصہ کی تیاری ہے، قیمت فی حصہ ۱۰/ ہے، ان تمام فتاووں کی اصل ہمارے پاس موجود ہیں، جو صاحب چاہیں ملاحظہ فرمائیں۔

جن صاحب کے پاس، حضرت مولانا قدس سرہ کے فتاوے موجود ہوں اور ان کا طبع ہونا بھی منظور ہو، تو ہمارے پاس بھیج دیں، انشاءاللہ چوتھے حصہ میں طبع ہوں گے۔

اس طباعت کے آخری صفحہ [سرورق] پر بھی طبع اول، قطعہ تاریخ اور وہی عبارت درج ہے، جو پہلی دونوں اشاعتوں پر تھی مگر دونوں میں اس سے امتیاز ہوجاتا ہے، کہ پہلی دونوں طباعتیں ایک سو باسٹھ صفحات پر مشتمل تھیں، اس کے ایک سو چونسٹھ صفحے ہیں، یہ صفحات اصل کتاب میں اضافہ نہیں، بلکہ ان صفحات پر کتابوں کی تاجرانہ فہرست چھپی ہے۔ یہ اشاعت غالباً ۱۳۲۷ھ [۱۹۰۹ء] کی ہے۔

حصہ سوم کی اشاعت دوم فتاویٰ کا تیسرا حصہ افضل المطابع مراد آباد سے ۱۳۲۸ھ [۱۹۱۰ء] میں چھپا تھا، اس حصہ کی دوسری اشاعت بھی اسی مطبع سے نکلی، اس پر سنہ طباعت موجود نہیں مگر دونوں میں چند صفحات کی کمی زیادتی ہے۔ پہلی اشاعت ایک سوچھہتر (۱۷۶) صفحات پر ہے، دوسری میں ایک سوچھیاسی صفحات ہیں۔

مرتب کے اہتمام سے تینوں حصوں کی رحیمیہ سنہری مسجد دہلی سے اشاعت فتاویٰ کی بار بار اشاعت کے باوجود، اس کی پذیرائی اور مقبولیت روز افزوں تھی، اس لئے مرتب اور ناشر نے، اس کی ایک بہتر، نسبۃً عمدہ اور یکساں طباعت کا دہلی میں انتظام کیا تھا۔ یہ نسخہ حافظ عبدالغنی صاحب، کتب خانہ رحیمیہ، سنہری مسجد دہلی کے نام سے چھپا تھا، اس پر سنہ طباعت درج نہیں، سرورق کے آخری صفحہ پر، پہلی تینوں اشاعتوں کی طرح، مولانا عزیز الدین صاحب کا نام اور پتہ چھپا ہے، اس میں بھی وہی مضمون ہے، جو اوپر نقل ہو چکا ہے۔ اس طباعت کا صرف پہلا حصہ میری نظر سے گزرا ہے، اس لئے اس ادارہ سے دوسرے، تیسرے حصہ کی طباعت کے متعلق، کچھ کہنا ممکن نہیں۔

مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند: ۱۳۳۳ھ فتاویٰ رشیدیہ کی جو پذیرائی ہوئی، اس کا تقاضہ بلکہ حق بھی تھا کہ اس کا ایک اچھا ایڈیشن دیوبند سے شائع ہو، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے، اپنے مطبع قاسمی دیوبند سے اس کی طباعت کا انتظام کیا۔ یہ طباعت مولانا عمادالدین شیرکوٹی کے اہتمام سے چھپی اور اس وقت تک کی تمام طباعتوں میں سب سے بہتر ہے۔ مطبع قاسمی کا مطبوعہ نسخہ ۱۳۳۳ھ [۱۹۱۵ء] میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا اور غالباً مکمل کتاب [تینوں حصے] ایک ساتھ چھپے تھے، اس کا صرف دوسرا حصہ راقم سطور کے سامنے ہے، دوسرے حصوں کی تلاش و دریافت میں کامیاب نہیں ہوا۔

مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ جامع مسجد دہلی: ۱۳۴۸ھ، تا ۱۳۵۲ھ مطبع قاسمی کے بعد جو طباعت راقم کو ملی، وہ کتب خانہ رحیمیہ کی دوسری طباعت ہے، جو تصحیح، ترتیب، تبویب، کاغذ اشاعت وغیرہ، ہر پہلو سے، پہلی طباعتوں سے بہت بہتر ہے۔

اس طباعت کے لئے تصحیح و تبویب کی خدمت، مولانا مفتی کفایت اللہ کی نگرانی اور سرپرستی میں ہوئی تھی۔ مفتی کفایت اللہ صاحب اس کی تخریج مسائل بھی کرائی تھی اور ایک جامع حاشیہ بھی لکھوایا تھا، یقیناً اس حاشیہ کی اشاعت سے، فتاویٰ رشیدیہ کی افادیت و منزلت میں بہت اضافہ ہوتا مگر افسوس ہے کہ یہ حاشیہ، کتاب کی ضخامت اور قیمت بہت بڑھ جانے کے خوف سے [کیوں کہ حاشیہ بہت مفصل اور اصل کتاب کے برابر تھا] شائع نہیں کیا گیا۔

یہ نسخہ، تین علیحدہ حصوں میں، کتب خانہ رحیمیہ، سنہری مسجد دہلی سے علیحدہ علیحدہ چھپا تھا، پہلا حصہ ۱۳۴۸ھ [۱۹۳۰ء] میں چھپا، یہ اشاعت بہت مقبول ہوئی، بار بار چھپتی رہی اور کثرت سے فروخت ہوئی اور اب تک بھی، فتاویٰ رشیدیہ کا بنیادی

نسخہ اسی کو سمجھا جاتا ہے۔ رحیمیہ کی اس کے اشاعت کے بعد سے، فتاویٰ رشیدیہ کے جس قدر بھی نسخے ہیں، وہ تمام اسی اشاعت کی گویا نقل ہیں، کسی مرتب وناشر نے ترتیب وتبویب میں جزوی ترمیم کی ہے، یا بعض عنوانات میں کچھ حذف واضافہ کیا ہے، عموماً نسخہ وہی ہے جو رحیمیہ سے چھپا تھا۔

کتب خانہ رحیمیہ سے شائع چند اور اشاعتیں رحیمیہ کی طباعتیں کچھ اس درجہ مقبول اور پسندیدہ خاص وعام ہوئیں، کہ اس ادارہ نے فتاویٰ کے کئی ایڈیشن متواتر چھاپے اور یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا۔ رحیمیہ دہلی کی اشاعت کے بعد، دہلی کے یا کسی اور جگہ کے کسی ادارہ نے، فتاویٰ رشیدیہ چھاپا ہو، میرے علم میں نہیں مگر ۱۹۴۷ء کے بعد، غالباً سب سے پہلے کراچی کے ناشرین نے، فتاویٰ رشیدیہ کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا، ان کی اور رحیمیہ کی نقول ہندوستان میں بھی چھپتی رہیں، بعد میں دیوبند سے بار بار چھپی اور چھپ رہی ہے، بیس سے زائد طباعتیں میری نظر سے گذری ہیں مگر ان میں کوئی نئی بات، ترتیب، تصحیح مقابلہ وغیرہ کی کوئی کوشش مجھے نظر نہیں آئی۔

کراچی کی طباعتیں اور فتاویٰ رشیدیہ میں چند اضافات وترمیمات ۱۹۴۷ء کے بعد، کراچی سے فتاویٰ رشیدیہ کی نئی اور متواتر، طباعت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، اس میں بھی تصحیح وتعلیق وغیرہ کا کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا گیا۔ صرف ایک اشاعت مطبع سعیدی کراچی کی، ایسی نظر سے گذری تھی، جس پر ایک تحریر مولانا سبحان محمود صاحب کی چھپی ہوئی تھی کہ ہم نے اس کی تبویب اور تصحیح کی ہے۔ چونکہ ہمارے یہاں [ہند پاکستان دونوں ملکوں میں] دوسروں کی کتابوں، مطبوعات کو، بلا کسی اجازت کے، غیر شرعی طور پر [چوری سے] چھاپنے کی وبا عام ہے، اس لئے اس طباعت کی نقلیں بھی [شروع کی تصدیقات وگذارشات نکال کر] ہند پاکستان میں کثرت سے چھپیں۔ پھر کراچی ہی کے کسی ناشر نے اپنی راہ الگ نکالی، فتاویٰ کا ایک نیا ایڈیشن شائع کیا، جس میں حضرت مولانا گنگوہی کے فقہی ارشادات وملفوظات بھی شامل کر لئے۔ اگر چہ یہ طریقہ بالکل غلط اور قطعاً غیر علمی تھا، فقہ وفتاویٰ کے ذمہ دارانہ کام میں، اصولاً، ملفوظات کی [جن کا حوالہ بھی درج نہ ہو] کچھ اہمیت نہیں، مگر جب افادی پہلو پر "کل جدید لذیذ" کا نظریہ غالب ہو، ایسے میں استدلال واعتماد کی بات بے فائدہ ہوتی ہے، یہی اس طباعت میں بھی ہوا، کہ ملفوظات والانسخہ چھپتے ہی، اس کی نقلیں عام ہو گئیں۔ اس وقت سے یہی نسخہ چھپ رہا ہے، چل رہا ہے۔

فتاویٰ کی ملفوظات کے ساتھ کراچی سے اشاعت یہ طباعت جس میں ملفوظات فتاویٰ کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں، کس نے مرتب کیا تھا اور سب سے پہلے کس نے اس کو شائع کیا، اس کا صحیح علم نہیں مگر اس قسم کی جو سب سے پہلی اشاعت، راقم کو ملی، وہ کارخانہ محمد علی، دستگیر کالونی، کراچی [پاکستان] کی ہے، اس میں مرتب کا نام اور سنہ اشاعت موجود نہیں، غالباً ۱۴۰۰ھ کے قریب کی اشاعت ہے، اس میں تبویب وترتیب میں مزید عمدگی اور بہتری کا اعلان

کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ میں ملفوظات کی شرکت، اس ادارہ کی ''حرکت'' نہیں تھی، یہ کام اس سے پہلے کسی اور ناشر نے کیا تھا، زیرِ نظر نسخہ [کارخانہ محمد علی، کراچی] میں، ملفوظات کو صرف موضوعات کے لحاظ سے، مرتب کرکے پیش کرنے کی کوشش ہوئی ہے، یعنی ملفوظات ہر اک باب کی مناسبت سے، علیحدہ علیحدہ کرکے، اس باب کے آخر میں درج کئے گئے ہیں۔ ناشر نے لکھا ہے:

''حضرت گنگوہی کے یہ فتاوے یوں تو اس سے پہلے بھی شائع ہوتے رہے ہیں، لیکن ہم نے جدید عکسی ایڈیشن کی ترتیب وتہذیب کو، فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا ہے اور عصرِ حاضر کی ذہنی اور مزاجی کیفیات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ [یعنی چہ؟ نور] ہم نے جملہ مسائل کو ان کو نوعیت اور اقسام کے اعتبار سے، الگ الگ کتاب اور ابواب کے ماتحت ایک جگہ کر دیا ہے، اس طرح قاری کو کسی بھی مسئلہ میں اس کا جواب تلاش کرنے میں، دقت اور پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی، فہرست مضامین میں متعلقہ مسائل کی کتاب اور باب پر نظر ڈالئے اور صفحہ متعلقہ کھول کر، جواب حاصل کر لیجئے۔

اسی طرح پچھلی اشاعت میں ملفوظات منتشر ومتفرق تھے، ہم نے انہیں بھی ابواب کے اختتام پر، ایک جگہ کر دیا ہے، ان تمام مساعی اور کوششوں کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ، اس مفید چیز کے افادے کو زیادہ سے زیادہ وسیع کر دیا جائے''۔ (۱)

تالیفاتِ رشیدیہ فتاویٰ رشیدیہ کی ایک معروف اشاعت وہ ہے، جو تالیفاتِ رشیدیہ کے نام سے ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۷ء میں ادارہ اسلامیات، لاہور سے پہلی مرتبہ چھپی تھی۔ اس میں فتاویٰ کے علاوہ، حضرت مولانا گنگوہی کی چند تالیفات بھی شامل وشائع کی گئی ہیں۔

اس اشاعت میں شامل، فتاویٰ غالباً اس اشاعت کی نقل ہیں، جس کا اشاعت کراچی کے تحت تعارف گزرا ہے، اس کی تمہید اور مندرجات بھی وہی ہیں، جو نسخہ کراچی کے تھے، مگر تفصیلات سے قطع نظر، یہ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ دونوں اشاعتیں تصحیح اور اصول سے مطابقت کی نہایت محتاج ہیں۔ (۲) نیز اس کو مجموعہ تالیفاتِ رشیدیہ کہنا بھی شاید صحیح نہیں، اس لئے کہ اس میں حضرت مولانا کی جملہ تالیفات شامل نہیں، جو ہیں وہ مجموعہ فتاویٰ کے ضمیمہ کے طور پر ہیں، اگر اس کا نام ''فتاویٰ

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ص: ۳ [ناشران: محمد علی کارخانہ اسلامک کتب۔ کراچی: ۳۸۔ بلاسنہ]

(۲) ان دونوں طباعتوں کی فروگذاشتوں، بعض بلاحوالہ اضافوں، نیز کتابت کی بڑی غلطیوں پر مفصل مضامین کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ہمارے بے شمار دینی اداروں میں فتاویٰ رشیدیہ اور تالیفاتِ رشیدیہ سے بلاتکلف رجوع کیا جاتا ہے مگر کسی نے بھی اس کی تصحیح پر توجہ نہیں کی، اس کی فروگذاشتوں پر نظر نہیں ڈالی، اس کے سقطات، اضافوں اور کم وبیش پر، علمی تبصرہ اور فنی جائزہ کی ضرورت اب تک محسوس ہوتی ہے

رشیدیہ مع چند تالیفات حضرت مولانا گنگوہی'' ہوتا، تو زیادہ موزوں اور برمحل تھا۔

پشتو ترجمہ حضرت مولانا کے شاگردوں اور منتسبین کا سلسلہ، موجودہ پاکستان کے آخری صوبہ اور افغانستان تک پھیلا ہوا تھا، (۱) صوبہ سرحد اور پشتو بولنے والے تمام علاقوں میں، حضرت مولانا کے اثرات، حضرت سے علمی وابستگی اور حضرت کے علوم سے استفادہ کا سلسلہ تھا، اس رابطہ اور ارادت کی وجہ سے حضرت کے مجموعہ فتاویٰ کے، مقامی زبان پشتو میں ترجمے بھی کئے گئے۔ فتاویٰ رشیدیہ کا پشتو میں ایک ترجمہ، مولانا لطافت الرحمٰن سواتی صاحب [ولادت: ۱۹۲۸ء] نے کیا تھا۔ مولانا، پاکستان کے ممتاز عالم مصنف، مدرس، مفتی اور اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔ (۲) یہ ترجمہ شائع ہوا ہے یا نہیں، اس کا مجھے علم نہیں، اس کا تعارف راقم سطور کو نہیں ملا۔

پشتو کا ایک اور ترجمہ پشاور صوبہ سرحد [حال خیبر پختون خواہ] کے ایک ناشر نے چھاپا ہے یہ ترجمہ مولانا عبداللطیف اسکندر نے کیا ہے جو تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہنوز میری دسترس سے دور ہے، اس لئے اس ترجمہ کے مزید تعارف سے قاصر ہوں۔

فتاویٰ رشیدیہ کی تخریج مسائل اور تحقیق جزئیات فتاویٰ رشیدیہ کے مضامین و مندرجات اول سے اہل فتاویٰ کی توجہ کا مرکز رہے اس سے یہ بھی خیال رہا، کہ ان کے مندرجات و مآخذ کی تلاش کی جائے، اس مبارک کام کی تکمیل اور فتاویٰ کی تخریج کے لئے، کئی علمائے کرام اور مفتی صاحبان نے علیحدہ علیحدہ کوشش کی، جس میں، میری ناچیز معلومات کے مطابق سب سے پہلا مکمل اور جامع ترین حاشیہ یا تحقیق فتاویٰ وہ ہے، جو حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب شاہ جہانپوری دہلوی کی زیر نگرانی مرتب ہوا تھا۔

(۱) حضرت مفتی کفایت اللہ کی نگرانی میں حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ کی تالیف کتب خانہ رحیمیہ دہلی سے فتاویٰ کے شائع نسخہ کو جو قبول عام حاصل ہوا، اس کی وجہ سے خیال ہوا تھا کہ اس کا ایک اور اعلیٰ عمدہ نسخہ، فتاویٰ کے مآخذ کی تحقیق اور مکمل حوالوں کے ساتھ، علمی انداز کا کام ہو کر، فتاویٰ کے ساتھ چھپنا چاہئے، اس بڑے کام کے لئے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے گذارش کی گئی، مفتی صاحب نے سنبھل [مراد آباد، یوپی] کے ایک عالم سے، اپنی نگرانی میں یہ کام کرانے کا ارادہ

(۱) ان دونوں طباعتوں کی فروگذاشتوں، بعض بلاحوالہ اضافوں، نیز کتابت کی بڑی غلطیوں پر مفصل مضامین کی ضرورت ہے۔ اگر چہ ہمارے بے شمار دینی اداروں میں فتاویٰ رشیدیہ اور تالیفات رشیدیہ سے بلاتکلف رجوع کیا جاتا ہے مگر کسی نے بھی اس کی تصحیح پر توجہ نہیں کی، اس کی فروگذاشتوں پر نظر نہیں ڈالی تھی، اس کے سقطات، اضافوں اور کم و بیش پر، علمی تبصرہ اور فنی جائزہ کی ضرورت اب تک محسوس ہوتی ہے۔

(۲) مولانا لطافت الرحمٰن صاحب کے مختصر تعارف اور اس ترجمہ کے حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو: مفتی اعظم [مولانا مفتی محمد شفیع] نمبر: ماہ نامہ البلاغ کراچی: [۱۳۹۹ھ- کراچی] ص: ۹۳۳-۹۳۴۔ زیر عنوان: ''حضرت کے معروف تلامذہ اور ان کی خدمات''

فرمایا، ان عالم صاحب نے بہت محنت اور توجہ سے مفصل حاشیہ لکھا، جس کا تخریج جزئیات وروایات کی وجہ سے، بڑا حصہ عربی میں تھا، چند توضیحات وفوائد اردو میں بھی لکھے گئے تھے، مگر افسوس کہ فتاویٰ کی ضخامت وغیرہ بہت بڑھ جانے کے خیال سے، اس قیمتی حاشیہ کو، جس میں مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے بڑے مفتی کی نگرانی وسرپرستی شامل تھی، شائع نہیں کیا گیا۔

میں نے سنا ہے کہ یہ حاشیہ ساڑھے تین سو، پونے چارسو صفحات پر مشتمل تھا، اس کو میرے ایک بڑے علمی محسن، نہایت کرم فرما، صاحب نظر اور باذوق، حافظ توفیق احمد صاحب علوی کیرانوی رحمہ اللہ نے، کتب خانہ رحیمیہ کے وارثین کے یہاں، ایک سے زائد مرتبہ دیکھا اور وہاں سے اس کی نقل یا عکس لینے کے لئے، خاصی کوشش کی مگر وہ صاحبان آمادہ نہیں ہوئے، اور ان سطور کی تحریر کے دوران جب اس خانوادہ کے موجودہ اصحاب سے رجوع کیا گیا، تو یہ تکلیف دینے والی اطلاع ملی، کہ گھر کی نئی تعمیر کے وقت گھر میں جو علمی اثاثہ اور کتابیں وغیرہ تھیں، وہ سب مختلف افراد، اپنے اپنے ذوق کے مطابق اٹھا کر لے گئے تھے، اس لئے معلوم نہیں اس کا کیا ہوا اور کون اس کو لے گیا۔

(۲) حاشیہ، مرتبہ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی ایک اور نسبۃً مفصل اور جامع حاشیہ، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی [خیرآباد، اعظم گڈھ] مفتی دارالعلوم دیوبند کا ہے۔ دو جلدوں اور ساڑھے گیارہ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے، کمپوز ہو کر اشاعت کے لئے تیار رکھا ہے، بعض اور کام سامنے آجانے کی وجہ سے، اس کی طباعت میں تاخیر ہو رہی ہے۔

(۳) حاشیہ، مرتبہ مفتی محمد یوسف صاحب [دیوبند غالباً ۱۴۲۹ھ] ایک اور حاشیہ دارالعلوم دیوبند ایک اور استاد، مولانا مفتی یوسف [تاؤلی، ضلع مظفرنگر] کا ہے، اس میں متوسط حاشیہ ہے، تصحیح اور مقابلہ متن کے لئے اور نسخوں کی طرح، اس میں بھی توجہ نہیں کی گئی، تاہم ہندوستان میں اس وقت تک حسن طباعت طباعت کے لحاظ سے، سب سے بہتر ہے، کمپوزنگ اور طباعت عمدہ ہے، جلد بھی خوبصورت ہے، یہ حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ کے معروف مطبوعہ نسخہ پر مبنی ہے۔

دونوں جلدوں کے نوسو چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہیں، سنہ طباعت درج نہیں، اندرونی ضمنی مندرجات سے، ۱۴۲۹ھ معلوم ہوتا ہے۔

(۴) حاشیہ مطبوعہ اکوڑہ خٹک، بلاسنہ نسخہ دیوبند کے بعد ایک حاشیہ، مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور، پاکستان سے چھپا ہے، اس پر تعلیق کا کام مفتی نصیر محمد حقانی اور مفتی عبدالہادی حقانی نے، مفتی غلام قادر نعمانی کی نگرانی میں کیا ہے۔ حاشیہ نسخہ دیوبند کی طرح اوسط درجہ کا ہے، مگر اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں فقہ حنفی کے اہم مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، ضمنی ثانوی کتابوں کا تذکرہ ہے نہ حوالہ، مجموعی طور پر نسخہ دیوبند سے مفید اور بہتر معلوم ہوتا ہے۔

یہ طباعت ایک ہی جلد میں ہے، کمپوزنگ متن اور حواشی دونوں کی صاف ستھری ہے، آٹھ سو پینتیس ۸۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، جلد کا ڈیزائن وغیرہ دلکش ہے۔

(۵) سنا ہے کہ تخریج تعلیق کا ایک اور کام کوئٹہ [بلوچستان، پاکستان] کے ایک علمی ادارہ میں ہوا ہے، اور بہ ظاہر شائع ہو چکا ہے، مگر اس کی کوئی تفصیل راقم کو دستیاب نہیں ہوئی۔

خلاصہ فتاویٰ رشیدیہ فتاویٰ رشیدیہ کے تینوں حصوں کا ایک خلاصہ بھی مرتب کیا گیا تھا، جس میں سوالات حذف کردیئے ہیں اور جوابات میں بھی تمام مندرجات کا احاطہ نہیں، مرتب نے اپنے ذوق یا شاید ضرورت کے مطابق، اہم اور ضروری ضروری جوابات ترتیب وار نقل کئے ہیں، تینوں حصوں کے منتخبات پر علیحدہ شمار درج ہے۔ یہ پورا مجموعہ یا انتخاب درمیانی پیمائش کے، ایک سو پچیس صفحات پر مشتمل ہے، تحریر عمدہ صاف ستھری رواں ہے، شروع میں تینوں حصوں کی مکمل فہرست اور اختتام پر "ختم شد" کی وضاحت بھی ہے مگر کاتب و ملخص نے اپنا نام، مقام اور سنہ کتابت وتحریر رقم نہیں کیا، لیکن اس کے ساتھ شامل بعض اور تحریروں سے خیال ہوتا ہے، کہ یہ انتخاب ۱۳۵۵ھ، ۱۹۳۶ء کے بعد کسی وقت ہوا ہے۔ اس کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ پر چند شبہات واعتراضات: فتاویٰ رشیدیہ اگرچہ کثرت سے چھپتا ہے، پڑھا جاتا ہے اور اس سے استفادہ کچھ کم نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر چند شبہات واعتراضات بھی کئے جاتے ہیں، یہاں ان کا بھی کچھ تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ کے تینوں حصے ۱۳۲۳ھ سے ۱۳۲۸ھ کے درمیان چھپے تھے، اسی وقت سے ان کو قبول عام اور کثرت استفادہ کا امتیاز حاصل ہے۔ ان فتاویٰ کی اشاعت سے تقریباً ۱۳۵۰ھ [۱۹۳۱ء] تک، ان فتاویٰ پر شبہ، یا ان کی نقل واشاعت میں بد دیانتی کا خیال نہیں تھا، نہ ان کے جامع ومرتب مولانا عزیز الدین صاحب پر کوئی اعتراض کیا گیا، کوئی الزام نہیں لگایا گیا، حالانکہ اس وقت حضرت مولانا گنگوہی کے کئی سو شاگرد اور بے شمار مستفیدین موجود تھے، جن میں سے پچاسوں فقہ وفتاویٰ میں وسیع گہری نظر رکھتے تھے اور حضرت مولانا کے فتاویٰ کے طرز اور اسلوب تحریر کو خوب جانتے سمجھتے تھے، مگر کسی نے بھی فتاویٰ رشیدیہ کی اس طباعت اور اس میں شامل فتاویٰ کے، حضرت مولانا گنگوہی سے انتساب پر سوال نہیں اٹھایا، اس مجموعہ فتاویٰ کو بلا کسی تحفظ کے پڑھا گیا اور اس سے بلا تامل اخذ واستدلال بھی ہوا۔

اس مجموعہ فتاویٰ کی اشاعت کے تقریباً پچیس سال بعد، جب اس کے کم سے کم، پانچ ایڈیشن شائع ہو کر، عام ہو چکے تھے، پہلی مرتبہ یہ بات سامنے آئی کہ فتاویٰ رشیدیہ پر کامل اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اس کے بعض فتاویٰ کی، حضرت مولانا گنگوہی

کی جانب نسبت مشتبہ ہے۔ غالباً یہ بات سب سے پہلے اس وقت کہی گئی، جب بھاول پور میں قادیانیوں کے کفر اور ان سے نکاح فاسد ہونے کا بہت اہم اور تاریخی مقدمہ چلا ہوا تھا، اس میں قادیانی جماعت کے بڑے مبلغ اور نمائندے جلال الدین شمس قادیانی نے، اپنے ایک دعویٰ میں فتاویٰ رشیدیہ کی ایک عبارت، ثبوت کے طور پر پیش کی تھی، اس کا جواب دیتے ہوئے، [اوائل ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ/ مارچ ۱۹۳۳ء میں، اس مقدمہ میں مسلمانوں کے بڑے نمائندے اور مقدمہ کے اصل پیروکار] مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوری نے، فتاویٰ رشیدیہ کی علمی استنادی حیثیت پر، شبہہ ظاہر کرتے ہوئے، فتاویٰ رشیدیہ کی استنادی حیثیت سے انکار کیا تھا اور جواب دعویٰ میں لکھا تھا کہ:

۱) فتاویٰ رشیدیہ میں کچھ فتاوے ہیں، جن میں اکثر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اور بہت سے دوسروں کے بھی، چنانچہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے بھی، ان میں فتاوے ہیں اور مولوی لطف اللہ صاحب کے بھی۔

۲) ان کو جمع کر کے اولاً ایک غیر مقلد، عزیز الدین مراد آبادی نے شائع کرایا ہے اور غیر مقلدین کو حضرت سے خصوصی عناد تھا۔

۳) ان میں اکثر فتاوے کے متعلق اکابر علماء دیوبند برابر فرماتے رہے ہیں کہ، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں، بلکہ غلط اُن کی طرف منسوب ہیں۔

۴) القاسم، الرشید وغیرہ میں، اس کے کل فتاوے نہ معتبر ہونے کا نوٹ بھی مل سکتا ہے۔(۱)

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے بھی بعض جزئیات کے اضافہ کے ساتھ، اسی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ اپنے مجموعۂ فتاویٰ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ان کی [فتاویٰ رشیدیہ] اشاعت حضرت کی وفات کے بعد، مختلف اطراف میں گئے ہوئے، خطوط کو جمع کر کے کی گئی اور ان میں ایک اختلاط یہ بھی پیش آ گیا، کہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی بینائی نزول ماء سے جاتی رہی تھی (تذکرۃ الرشید، ج:۱ص:۱۰۰) خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے تھے، اس وقت اکثر خطوط اور فتاویٰ کا جواب، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمایا کرتے تھے، جن میں کبھی تو حضرت بطور املاء کے الفاظ لکھواتے تھے اور کبھی مضمون بتلا دیا کہ یہ لکھ دیں۔ اس لئے جو استناد و اعتماد کا درجہ حضرت ممدوح کے فتاوے کو ہونا چاہئے تھا، اس میں ایک حد تک کمی رہ گئی۔

(۱) مقدمہ مرزائیہ بھاول پور، ص: ۱۴۳۸، جلد سوم۔ [اسلامک فاؤنڈیشن۔ لاہور: ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء] جواب دعویٰ میں تین تنقیحات [Point] اور ہیں ان میں کوئی قابل ذکر بات نہیں، اس لئے ان کا یہاں تذکرہ نہیں کیا گیا۔

فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے جو تین حصے شائع ہوئے ہیں، ان میں سے بعض مسائل ایسے بھی ہیں، جن کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مخصوص تلامذہ ومریدین اور خلفا، حضرت ممدوح کے فتاویٰ، شائع شدہ فتویٰ کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ان میں ابتداءً حضرت گنگوہی کا وہی فتویٰ ہو جو شائع ہوا ہے، لیکن آخر تک حاضر خدمت رہنے والے اکابر علماء نے جو نقل کیا، وہی آخری فتویٰ اور راجح قول شمار ہوگا۔

مسئلہ ربوانی دار الحرب کے متعلق فتاویٰ رشیدیہ میں، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول مشہور کے موافق، دار الحرب میں کفار سے سود لینے کو ناجائز لکھا ہے، مگر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعدد خلفاء اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بارہا یہ سنا، کہ حضرت گنگوہی کا فتویٰ اس باب میں صاحبین اور جمہور کے موافق تھا، اور اسی وجہ سے حضرت ممدوح نے، حضرت حکیم الامت کے رسالہ تحذیر الاخوان پر دستخط نہیں فرمائے کہ اس کے مضمون سے حضرت کو اختلاف تھا۔ اسی طرح سماع موتے کے مسئلہ میں، جو مضمون فتاویٰ رشیدیہ میں طبع ہوا ہے، استاذی وسیدی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی دار العلوم، حضرت گنگوہی کا فتویٰ اس کے خلاف نقل فرماتے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال.(۱)

ہندوستان کے ایک اور بڑے مفتی، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کی بھی تقریباً یہی رائے تھی، جو مفتی صاحب کے حوالہ سے کئی لوگوں نے نقل کی ہے۔ مولانا بدر الحسن قاسمی نے مفتی صاحب پر اپنے ایک مضمون [کچھ یادیں کچھ باتیں] میں لکھا ہے کہ:

''فقہاء کے وہ اقوال جو فتویٰ کے لئے مختار سمجھے جاتے ہیں وہ ان کو اچھی طرح از بر تھے۔ دوسری طرف امداد الفتاویٰ، بوادر النوادر، فتاویٰ عبد الحئی، فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ بھی ان کی نگاہوں میں اس طرح رہا کرتے تھے کہ مسئلہ کا ذکر آتے ہی، ان کا ذہن فوراً متعلقہ صفحات کی طرف منتقل ہو جاتا، پھر مثال کے طور پر فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ عزیزیہ کی تدوین کے دوران مرتبین کی طرف سے جو تھوڑی بہت کمی بیشی کی گئی ہے اور جس کی وجہ سے بعض مسائل میں، ان کے درجہ استناد میں فرق آیا ہے''(۲)......(۳)

مفتی صاحب اس گفتگو میں، مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری [سابق مفتی دار العلوم، دیوبند] کا بھی نام لیا کرتے تھے۔

خود میں نے ایک مرتبہ مفتی صاحب سے عرض کیا کہ، اس اطلاع کا ماخذ کیا ہے، فرمایا:

دار الافتاء [دار العلوم] میں فتاویٰ رشیدیہ کے ایک پرانے چھپے ہوئے نسخہ پر، مولانا محمد سہول صاحب کی تحریر ثبت ہے۔

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم [امداد المفتین] فتاویٰ مولانا مفتی محمد شفیع۔ مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع ص:۶ جلد دوم [دار المعارف، کراچی: ۱۳۸۴ھ]

(۲) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ۔ [فروری ۱۹۹۷ء۔ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ۔ جلد: ۶۵۔ شمارہ: ۲]

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

راقم فوراً دارالافتاء گیا اور وہاں، مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب کی عنایت وتعاون سے، دارالافتاء میں موجود فتاویٰ رشیدیہ کے تمام نسخوں کو توجہ اور تفصیل سے دیکھا، اگرچہ دارالافتاء میں طبع اول سے، مطبوعہ رحیمیہ دہلی و دیوبند تک، تقریباً تمام نسخے موجود تھے، مگر وہ نسخہ نہیں ملا، جس پر مولانا محمد سہول کی تحریر تھی، یہ بات میں نے واپس آ کر، مفتی صاحب سے عرض بھی کردی تھی، اور [یہ نسخہ اب تک دریافت نہیں ہوا، اللہ جانے کہاں گیا]۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا

(۳) حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے منسوب اس روایت میں فتاویٰ رشیدیہ کے علاوہ فتاویٰ عزیزیہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس لئے [اگرچہ میری جسارت وگستاخی شمار ہوگی مگر] فتاویٰ عزیزیہ کے متعلق بھی چند پہلوؤں کا تذکرہ غیرہ مفید نہ ہوگا۔

فتاویٰ عزیزیہ: حضرت شاہ صاحب کی حیات میں مرتب ان مجموعوں پر مشتمل ہے، جن میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ نے، حضرت شاہ صاحب کے فتاویٰ اور مسائل نقل اور یکجا کئے تھے۔ اس قسم کے متعدد مجموعے اب تک موجود ہیں، ان میں سے ایک مختصر مجموعہ ایسا بھی ہے، جو خود حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک شاگرد کو عطا فرمایا تھا [یہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے] اور بھی کئی نسخے ہیں، ان میں ایک بڑا اور اہم نسخہ، جو حضرت شاہ صاحب کی وفات کے صرف تین سال بعد ۱۲۴۲ھ میں مرتب ومکمل ہوا ہے، راقم کی نظر میں ہے اور اس کا فوٹو اسٹیٹ بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی قلمی نسخے ہند پاکستان اور مغربی ملکوں کے کتاب خانوں میں موجود ہیں۔

فتاویٰ عزیزی کا معروف مطبوعہ نسخہ سب سے پہلے ۱۳۱۱ھ [۱۸۹۴ء] میں مطبع مجتبائی دہلی سے چھپا تھا [بعد کی تمام طباعتیں اسی کی نقل ہیں] اور جیسا کہ اس طباعت میں تصریح ہے، اس کا قلمی نسخہ مولانا خلیل الرحمن برہان پوری کے ذخیرہ سے حاصل ہوا تھا، اس کی تصحیح اور مقابلہ کی خدمت، مشہور عالم، مصنف، مترجم، محقق اور ناشر، مولانا محمد احسن نانوتوی [برادر حقیقی مولانا محمد مظہر نانوتوی، جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے عم زاد تھے] نے انجام دی تھی اور اس نسخہ کے لئے حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے خانوادہ کے حالات مولانا محمد بیگ دہلوی نے مرتب کئے تھے، جو خاندان ولی اللہی کے نہایت قریب اور دہلی کے ممتاز اہل علم تھے، اس لئے اس نسخہ میں: ''مرتبین کی طرف سے تھوڑی بہت کمی بیشی کی بات'' حیرت انگیز ہے۔

راقم کے پاس فتاویٰ عزیزیہ کا جو قدیم ترین نسخہ [عطا فرمودہ حضرت شاہ عبدالعزیز] اور دوسرے نسخوں کے فوٹو اسٹیٹ ہیں اور راقم نے ان میں سے متعدد تحریرات وفتاویٰ کا مجتبائی کی طباعت سے مقابلہ کیا ہے، ان میں کوئی فرق اور تحریف وتغیر کا نشان نہیں ملا، اور اگر مولانا محمد احسن نانوتوی جیسے بلند مرتبہ علماء پر بھی تحریف وتصحیف یا دانستہ کمی بیشی کی بات کہی جائے گی الزام لگایا جائے گا، تو باقی کیا رہے گا۔ کونسا عالم اور مصحح ایسا ہوگا جس کی شائع کی ہوئی کتابوں پر اعتماد کیا جائے گا، یہاں یہ فراموش نہ ہونا چاہئے کہ مولانا محمد احسن کا اکابرین دیوبند میں شمار ہے، اور وہ حضرت شاہ ولی اللہ کی اعلیٰ ترین تصنیفات کی تصحیح وتعلیق کے علاوہ، علوم شرعیہ اسلامیہ کی بیسوں اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے ایسے نادر روزگار مصحح وناشر ہیں کہ ان کی شائع کی ہوئی کسی ایک کتاب پر بھی، آج تک تحریف وتصحیف یا دانستہ کسی علمی کوتاہی کا الزام نہیں لگا اور مولانا کی شائع کی ہوئی اکثر بنیادی کتابیں، اب تک نہایت معتبر اور گویا متن کی تصحیح کے لحاظ سے سند سمجھی جاتی ہیں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، ان ہی دونوں اکابر، حضرت شاہ عبدالعزیز اور حضرت مولانا گنگوہی کو فقیہ النفس، فرماتے ہیں اور عجب سوئے اتفاق ہے کہ ہمارے یہاں، ان ہی دونوں کے مجموعہائے فتاویٰ کے متعلق شبہات ظاہر کئے جاتے ہیں، حال آں کہ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت علامہ کے سامنے بھی فتاویٰ عزیزیہ اور فتاویٰ رشیدیہ کی یہی اشاعتیں اور نسخے رہے ہوں گے، جن کی بنیاد پر حضرت علامہ کشمیری نے وہ بڑا فیصلہ کیا اور متاخرین نے یہ کہہ دیا کہ ان پر اعتماد ہی نہیں کیا جاسکتا۔

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا؟

ان دونوں مجموعوں کے بعض مسائل وفتاویٰ کا خصوصاً متاخر فقہائے احناف کی رائے سے مختلف ہونا اور بات ہے، محرف اور غیر معتبر ہونا اور۔ میرا ناقص خیال ہے کہ دوسری بات سے اتفاق صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

غریب شہر سخن ہائے گفتی دارد درج بالا اطلاعات، بڑے علماء اور جلیل القدر مفتیان کرام کے ارشادات ہیں، لیکن جب کوئی معمولی طالب علم ان کو پڑھتا، استفادہ کرتا ہے اور قدیم فتاویٰ رشیدیہ کو دیکھتا ہے، تو چند سوالات اس کے سامنے آتے ہیں، جو جواب چاہتے ہیں۔

مولانا ابوالوفاء صاحب کے ارشادات کی نوعیت توالزامی جواب کی ہے، مقدمہ ومناظرہ میں، فریق مخالف کو خاموش لاجواب کردینا، اصل مقصد ہوتا ہے، کسی بات کے سوفیصد صحیح ہونے اور علمی تحقیق سے، اس کی مکمل مطابقت ضروری نہیں سمجھی جاتی، اس لئے مولانا کے فرمودات کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، تاہم چند گوشے توجہ طلب ہیں:

(۱) کیا مولانا ابوالوفاء صاحب کے ارشادات صحیح اور بہرحال لائق اعتماد ہیں۔

(۲) فتاویٰ رشیدیہ کا کم سے کم پہلا حصہ، حضرت مولانا گنگوہی کی حیات میں مرتب ومکمل ہوکر، طباعت کے لئے تیار ہوگیا تھا، حضرت کے اکثر خواص اور منتسبین کو اس کی ترتیب وطباعت کا علم تھا، خود حضرت مولانا بھی اس سے ناواقف نہ ہوں گے۔

(۳) فتاویٰ رشیدیہ میں کچھ [یعنی گنتی کے چند] نہیں، مجموعی طور پر، تقریباً بارہ سو فتاویٰ شامل ہیں، جو سو فیصد حضرت مولانا کے، یا حضرت مولانا کے نائب اور کاتب، مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے لکھے ہوئے ہیں۔ مولانا لطف اللہ علی گڈھی وغیرہ، علماء کے جو فتوے آئے ہیں، وہ تمام ضمناً یا تصدیق کے لئے، یا تنقیح وتصحیح کے لئے آئے ہیں، ان کو اصل فتاویٰ میں شمار کرنا، کسی طرح بھی درست نہیں۔

(۴) مولانا عزیز الدین صاحب کا، حضرت مولانا گنگوہی سے طویل رابطہ اور ارادت تھی اور اس وقت تک، ان پر غیر مقلدیت کا کچھ اثر نہیں تھا اور نہ ہی مولانا کو، اصحاب تقلید اور حضرت مولانا سے [خدانخواستہ] خصوصی عناد تھا۔ یہ تعبیر قطعاً بے محل ہے۔

(۵) ماہنامہ القاسم اور الرشید میں، اس مجموعہ فتاویٰ کے غیر معتبر ہونے کا حوالہ اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ (۱)

اگرچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے، کمال دیانت کا اظہار کرتے ہوئے متعلقہ روایات نقل کردی ہیں، مگر واللہ اعلم بحقیقۃ الحال لکھ کر، ان اطلاعات پر خواہی سوالیہ نشان بھی لگادیا ہے، کہ حقیقت کی جستجو باقی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں بھی، چند معروضات پیش ہیں۔

---

(۱) ماہنامہ القاسم [دور اول] ۱۳۲۸ھ [۱۹۱۰ء] میں دار العلوم کے اجلاس دستار بندی کے موقع سے شائع ہونا شروع ہوا تھا، جو بارہ سال تک متواتر چھپتا رہا، اس کے سب سے پہلے نمونہ کے شمارہ سے آخری جلد تک تمام شمارے مکمل سیٹ راقم کے ذخیرہ میں ہے، اس میں ایسی کوئی تحریر نظر میں نہیں آئی، اسی طرح الرشید کے بھی اکثر شمارے اور تمام مضامین راقم کی نظر سے گزرے ہیں، اور ان کا بھی بڑا حصہ ہمارے ذخیرہ میں ہے مگر ان میں بھی یہ اطلاع نہیں ملی۔

(۶) حضرت مولانا گنگوہی نے اگرچہ ۱۳۱۴ھ میں درس حدیث کا سلسلہ ختم فرمادیا تھا، اس وقت کثیر مصروفیات کے علاوہ، بینائی بھی کسی قدر متاثر ہوگئی تھی مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، کہ حضرت نے اس وقت فتاویٰ لکھنے بھی ترک کردیئے تھے، حضرت کے اپنے قلم سے ۱۳۱۷ھ تک کے لکھے ہوئے فتاویٰ معلوم ہیں،(۱) اس کے بعد اپنی مہر مولانا محمد یحییٰ کے سپرد فرمادی تھی۔

(۷) حضرت گنگوہی کے فتاویٰ میں، فتاویٰ مکتوبہ مولانا محمد یحییٰ کی وجہ سے، اعتماد واستناد کی کمی کی بات بھی حیرت انگیز ہے، کیونکہ مولانا یحییٰ صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے جو فتوے، فتاویٰ رشیدیہ میں شامل کئے گئے ہیں، ان میں سے ہر اک پر: ''بقلم مولانا محمد یحییٰ'' کی صراحت ہے، جو اس کی بھی علامت ہے کہ اس میں حضرت مولانا یحییٰ کے مکتوبہ، صرف یہی فتوے ہیں، جن پر مولانا کا نام لکھا ہوا ہے۔

اور اگر مولانا محمد یحییٰ صاحب کے علاوہ حضرت کے کسی اور شاگرد کے قلم کا لکھا ہوا ہے تو مولوی عزیز الدین صاحب نے موقع پر اس کی تصریح کردی ہے کہ یہ فتویٰ فلاں کے قلم کا مکتوبہ ہے۔

(۸) حضرت مولانا گنگوہی کے وہ فتاوی، جو فتاویٰ رشیدیہ میں درج فتاویٰ کے خلاف ہیں اور وہی معتمد ہیں، کیا یہ فتاویٰ موجود ہیں؟ کسی دیکھنے والے نے ان کا معتبر متن نقل کیا ہے، کیا وہ کہیں محفوظ ہے؟ اگر نہیں، تو اس صورت میں روایت معتبر ہوگی یا وہ تحریر، جو موجود ہے؟

(۹) نیز جب مرتب فتاویٰ رشیدیہ، مولانا عزیز الدین صاحب اس کے، حصہ اول کی اشاعت کے وقت سے، تینوں حصوں کی اشاعت کے ساتھ اور اس کے بعد بھی، تقریباً دس سال تک، مسلسل یہ اعلان کرتے رہے، کہ ان تمام فتاویٰ کی اصل میرے پاس موجود ہے، جس کو بھی شک ہو، یا مزید اطمینان حاصل کرنا چاہے، وہ بلاتامل آکر دیکھ سکتا ہے، تو لمبے عرصہ تک مسلسل اعلان واطلاع کے باوجود، اصل فتاویٰ سے رجوع کی، کیوں زحمت نہیں کی گئی، [حال آں کہ وہ جملہ فتوے ۱۴۰۰ھ کے بعد تک موجود ومحفوظ رہے] اس کی وجہ سے ان فتاویٰ سے شک وشبہ بھی ختم ہوجاتا اور بعد میں ان موضوعات کے جو اور فتوے، مطبوعہ فتاویٰ سے مختلف بیان کئے جاتے ہیں، ان کے زمانۂ تحریر اور راجح مرجوح کا قضیہ بھی طے ہوجاتا ہے۔

---

(۱) اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کو جو اجازت وسند عطا ہوئی، اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ۱۳۱۹ھ [۱۹۰۲ء] تک خود لکھتے تھے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے: حررتہ تاسع ذی الحجۃ من الشہر المنتظم فی سنۃ الف وثلاثمائۃ وتسع عشرۃ من الهجرۃ. نفحۃ العنبر ص: ۲۹۵

(۱۰) ایک اور پہلو بھی توجہ طلب معلوم ہوتا ہے، کہ وہ حضرات، جو حضرت مولانا گنگوہی کے خاص تربیت یافتہ تھے، خصوصاً فقہ و فتاویٰ میں حضرت مولانا کے نمائندہ اور جانشین سمجھے جاتے تھے، ان میں سے کسی ایک سے بھی، ان فتاویٰ کے عدم استناد یا مشتبہ ہونے کی کوئی روایت منقول نہیں، اس سلسلہ میں خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی [سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند] کے نام سرفہرست ہیں، جو فقہ و فتاویٰ میں حضرت مولانا کے خاص تربیت یافتہ تھے، ان حضرات نے اس سلسلہ میں کوئی اظہار خیال نہیں فرمایا، بلکہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے، مرتب فتاویٰ، مولانا عزیز الدین صاحب سے فتاویٰ رشیدیہ کے حقوق خرید کر، دارالعلوم کی جانب سے، اپنے مطبع قاسمی دیوبند سے، ان کی نئی عمدہ طباعت کا اہتمام کیا۔ اس وقت اس کا سب سے بہتر موقع تھا، کہ اس مجموعہ فتاویٰ کی استنادی حیثیت پر گفتگو کی جاتی، یا اس کا اشارہ کر دیا جاتا، مگر اس اشاعت میں ایسا کوئی تذکرہ موجود نہیں۔

ان وجوہات سے فتاویٰ رشیدیہ کی ترتیب واستناد کے حوالہ سے، درج بالا عنوانات ومباحث کی تحقیق وتنقیح نہایت ضروری ہے، اس سے پہلے اس مجموعہ فتاویٰ کے حوالہ سے غیر مستند ہونے کا فیصلہ صادر کرنا، غالباً مناسب نہ ہوگا۔

جسارت کی معافی چاہتے ہوئے، یہاں ایک بات اور عرض کر دینی چاہئے:

جب ہمارے تمام بڑے جلیل القدر علماء، فقہاء، محدثین اور جملہ اہل فتویٰ اس کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ، حضرت مولانا گنگوہی، تفقہ اور دقت نظر میں علامہ ابن عابدین شامی اور ان کے ہم عصر علماء سے، بہت فائق اور ممتاز ہیں، نیز تفقہ اور فہم مسائل میں، حضرت مولانا، علامہ ابن ہمام اور علامہ ابن نجیم کی صف کے دیدہ ور فقیہ اور اسی مقام ومرتبہ کے شخص ہیں، تو حضرت مولانا کے لکھے ہوئے مسائل کی، شامی اور فقہائے متاخرین کی جزئیات اور اطلاعات سے مطابقت کیوں ضروری سمجھی جاتی ہے؟

حضرت مولانا نے زبدۃ المناسک کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب کے لئے ردالمحتار (شامی) مقدمہ اور خاتمہ فتح القدیر اور عالمگیری سے استفادہ کیا ہے، لیکن اس کے بعد جو ایک فقرہ تحریر فرمایا ہے، وہ نہایت اہم ہے، فرماتے ہیں: "اگر کہیں مخالف پائیں جلدی سے غلطی پر حمل نہ فرمائیں" (۱) اس ایک مختصر سے فقرہ میں حضرت مولانا نے بہت کچھ کہہ دیا یعنی اگرچہ تمام مراجع میرے سامنے ہیں اور میں نے ان سے اخذ واستفادہ کیا ہے مگر بعض موقعوں پر میری رائے ان

سے مختلف ہے اور بلا تحقیق میری اس رائے یا اختلاف کو غلطی پر مبنی نہ سمجھیں۔ اس طرح کے فقرے حضرت کے اور بھی متعدد فتاویٰ میں موجود ہیں، ایک جگہ لکھا ہے: "اگر چہ فقہاء نے اس کا تذکرہ نہیں کیا مگر میں کہتا ہوں، ایک اور جگہ ہے: "اگر چہ فقہاء نے یہ بات کہی ہے مگر غلط ہے، امید ہے کہ صاحب نظر قارئین زیر نظر مجموعہ میں اس قسم کے اور بھی الفاظ وکلمات پڑھیں گے، یہ بات حضرت مولانا کے تمام فتاویٰ پر بھی صادق آتی ہے۔ حضرت مولانا کئی موقعوں پر فقہائے کرام اور معروف فقہی جزئیات سے اختلاف فرماتے ہیں مگر اس کا بہت واضح اظہار نہیں کرتے، صرف اپنی رائے یا فتویٰ لکھ دیتے ہیں، اسی میں حضرت مولانا کا فقہی تعمق محسوس کیا جاسکتا ہے۔ صحیح بخاری کے بارے میں ائمہ محدثین کا ارشاد ہے: "فقه البخاری فی تراجمه" اسی طرح حضرت مولانا کی شان تفقہ کا، ان ہی اختلافی فیصلوں اور جزئیات میں مشاہدہ کیا جانا چاہئے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا، کہ حضرت مولانا گنگوہی کے اس مجموعہ فتاویٰ کو خاص توجہ اور گہری نظر سے بار بار پڑھ کر، اس کا بہتر تجزیہ کیا جاتا، جو مسائل فقہائے متاخرین کے مطابق نہیں ہیں، ان کی وجہ تلاش کی جاتی اور تالیفات سے، فقہی اصول اخذ کئے جاتے (۲) ان کو نئے مسائل ومباحث کے حل کرنے میں رہنما اور اساس قرار دے کر، اسی نہج پر اور مسائل حل کرنے کی کوشش ہوتی، حضرت گنگوہی کی فقہی فکر اور نظریہ کو آگے بڑھایا جاتا، اس کے لئے متقدمین کی کتابوں سے دلائل وتوثیق فراہم کی جاتی، حضرت مولانا نے جو متعدد مسائل میں، بالکل نئے مگر نہایت محکم استدلال کئے ہیں، ان کی معنویت کیا ہے، اس پر غور وفکر کیا جاتا، حضرت مولانا نے متعدد مسائل میں حنفی مسلک سے تجاوز کرتے ہوئے، جو فتاویٰ صادر کئے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کی اور اس سمت میں رہنمائی فرمائی، مثلاً جس کا شوہر غائب ہو، مالکیہ کے فتوے کے مطابق چار سال بعد، اس کا فسخ نکاح اور دوسرے نکاح کی اجازت، جس کو حضرت مولانا تھانوی نے "ألحيلة الناجزه للحليلة العاجزه" میں مرتب ومدون فرمایا ہے اور برصغیر ہند میں تمام احناف کے یہاں اسی پر عمل ہے۔ یہ دراصل حضرت مولانا گنگوہی کی ہی فکر ہے جو ان کو ان کے اساتذہ [خصوصاً مفتی صدر الدین آزردہ] اور خاندان کے علماء [مولانا قاضی سراج الدین گنگوہی] وغیرہ سے ملی تھی، حضرت مولانا گنگوہی اس پر عمل بھی کیا اور اس کے مطابق فتوی دینے کی ہدایت بھی فرمائی۔

اسی طرح حضرت مولانا کی، مولانا تھانوی کو یہ ہدایت ووصیت کہ معاملات کے جن مسائل میں، احناف کے یہاں کم گنجائش ہے مگر لوگ عموماً اس میں مبتلا ہیں، ان میں دوسرے مسلک کے مطابق، جس میں گنجائش اور جواز ہے، فتویٰ دے

---

(۱) حضرت مولانا کی مختصر تالیف سبیل الرشاد اور رسوم وبدعات کی تحقیق وحقیقت پر وہ مراسلت، جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے ہوئی تھی، اس میں خاص مددگار ہوسکتی ہیں۔

(۲) ملاحظہ ہو: زبدۃ المناسک، باہتمام مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی، [بلالی اسٹیم ساڈھورہ] نیز زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک از مولانا شیر محمد صاحب سندھی، ص:۱۶ [دار الاشاعت کراچی: ۱۹۶۲ء]

دینا چاہئے۔ اور بھی کئی گوشے اور کئی عنوانات ومباحث ایسے تھے، کہ ان پر حضرت کی تحریرات وفتاوی کی روشنی میں، تحقیق اور نئے مسائل کی جانب پیشرفت کی جاسکتی تھی۔

مگر ہمارے یہاں آج تک، حضرت مولانا کی شان تفقہ، طریقہ استخراج مسائل اور ان مباحث ومتعلقات پر کوئی قابل ذکر کام ہی نہیں ہوا، اور جب حضرت مولانا کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے فتاوی کی تحقیق تلاش اور طباعت کے مسئلہ پر ہی ہم نے کوئی قدم نہیں بڑھایا، کوئی کوشش نہیں کی تو دوسرے عنوانات کی جانب کس طرح پرواز ہو سکتی تھی اور عجب نہیں کہ ہمارے محبت وتعلق کے اس دعوے کو، جو کبھی کبھی "عشق سعدی تا بہ زانو" کا مصداق معلوم ہوتا ہے دیکھ کر حضرت مولانا کی روح ہم جیسے نام لیواؤں کو مخاطب کر کے یوں کہتی ہو:

کس منھ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو کچھ بھی نہ ہو سکا!

افسوس!

آخر میں عرض ہے کہ حضرت مولانا کی ذات گرامی اور ان فتاوی پر لکھنے کے لئے، راقم کے سامنے جو اطلاعات ومعلومات تھیں، زیر نظر صفحات میں ان کا کچھ حصہ آیا ہے۔ جو کچھ اس وقت تک راقم سطور کے سامنے ہے، اگر اس سب کو مرتب کر کے پیش کیا جائے، تو امید ہے کہ ان شاء اللہ ڈھائی سو، پونے تین سوصفحوں کی کتاب ہوگی لیکن ظاہر ہے کہ یہاں اس کا موقع نہیں تھا، اس لئے اسی قدر قلیل پر اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں، اللہ تعالی کو منظور ہوا تو ان شاء اللہ حضرت پر کسی وقت ایک مستقل کتاب شائع کی جائے گی۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

نور الحسن راشد کاندھلوی

۲۰/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

باقیات فتاویٰ رشیدیہ

[محدث دوراں، افقہ زماں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے
تقریباً ایک ہزار ایسے فتاویٰ کا مجموعہ
جو فتاویٰ رشیدیہ میں شامل نہیں اور چند کے علاوہ تمام غیر مطبوعہ اور نہایت
نادر و کم یاب تھے]

جمع و ترتیب حواشی اور مقدمہ

نور الحسن راشد کاندھلوی

مزید حواشی و افادات

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دام ظلہ
شیخ الحدیث و صدر المدرسین، دار العلوم دیوبند

ناشر

حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

کاندھلہ، ضلع پربدھ نگر (مظفر نگر) یوپی۔انڈیا

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ

توضیح اشارات

یعنی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ کے قلمی نسخوں کے اشارات و مخففات، جس سے اس مجموعہ کا بڑا حصہ اخذ کیا گیا ہے، یا دو قلمی نسخے جن سے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔

اس مجموعہ کا اہم ترین بنیادی مآخذ حضرت مولانا کے وہ مجموعۂ فتاویٰ ہیں جو بتمام کمال حضرت مولانا کے نوشتہ ہیں، یہ دو مجموعے یا کاپیاں ہیں۔

(الف) اس میں ایک سو پینسٹھ سوالات اور آخر میں مسلسل جوابات درج ہیں، یہ تمام جوابات صدفی صد حضرت مولانا کے مبارک قلم سے ہیں، آخر میں حضرت مولانا کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ تحریر فرمایا ہے: کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

زیر نظر مجموعہ "باقیات فتاویٰ رشیدیہ" میں اس کا حوالہ فتوے یا سوال کے نمبر شمار کے حوالہ سے دیا گیا ہے۔

(ب) دوسرا مجموعہ دو سو اکتالیس سوالات و جواب پر مشتمل ہے، اس میں نمبر شمار درج نہیں، اس میں ہر ایک سوال کے بعد جواب کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی، اسی پر حضرت نے جواب لکھا ہے، یہ تمام جوابات بھی بلاتردد، حضرت مولانا کے قلم سے ہیں، درمیان میں کئی جگہ دستخط فرمائے ہیں .... "رشید احمد گنگوہی"

اس مجموعہ پر راقم سطور نے صفحہ نمبر ڈال دیئے ہیں، اور زیر نظر مجموعہ میں، اسی صفحہ کا صفحات کے ساتھ ذکر آیا ہے۔

(ج) اسی سلسلہ کے دو ورق علیحدہ ہیں، ان پر دس سوالات اور ان کے جوابات لکھے ہوئے ہیں، یہ جوابات بھی حضرت مولانا کی یادگار ہیں، کئی جگہ دستخط ثبت ہیں .... "رشید احمد گنگوہی"

(د) پانچ فتوے، جو مختلف موضوعات پر ہیں، علیحدہ علیحدہ اوراق پر ہیں، یہ بھی حضرت مولانا کا اثر قلم ہیں، ہر ایک پر دستخط ہیں۔ دو پر مہر بھی موجود ہے [رشید احمد]

(ہ) حضرت مولانا کا ایک فتویٰ اور ہے، جس پر مہر بھی ثبت ہے، دستخط بھی ہیں مگر اس کی تحریر حضرت مولانا کی نہیں۔ یہ بظن غالب مولانا محمد یحییٰ صاحب کا لکھا ہوا ہے۔

(و) حضرت مولانا کے قلم سے مکتوبہ تین فتوے، جن میں سے دو پر مہریں بھی ثبت ہیں، رئیس الخطاطین اور مشہور مرشد حضرت سید شاہ نفیس الحسینی مرحوم کے ذاتی ذخیرہ میں تھے، ان کا عکس شاہ صاحب کی عنایت سے دستیاب ہوا تھا۔

مذکورہ تمام مسائل و فتاویٰ کا، جو سوا چار سو سے زائد ہیں، بدست خاص کے عوان سے ذکر کیا گیا ہے۔

مجموعۂ کلاں یہ اس وقت دستیاب، حضرت مولانا گنگوہی کے غیر مطبوعہ اہم فتاویٰ کا، غالباً سب سے بڑا ذخیرہ ہے، افسوس ہے کہ یہ اول آخر سے ناقص ہے، اس لئے اس کے جامع اور کاتب کا نام معلوم نہیں، مگر اس کے اندراجات سے جھلکتا ہے، کہ یہ مجموعہ حضرت مولانا کی حیات میں ۱۳۲۰ھ سے پہلے مرتب وقلم بند کیا گیا تھا۔

یہ مجموعہ متوسط پیمائش کے دوسو چوالیس صفحات پر مشتمل ہے، ابتدائی سات ورق اور آخر سے بھی غالباً چند صفحات ضائع ہوگئے ہیں، چوں کہ یہ سب سے بڑا ذخیرہ ہے، اس لئے اس کو مجموعۂ کلاں کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

مجموعۂ چندیانوی چندیانہ ضلع بلند شہر، مغربی یوپی کا ایک قصبہ ہے، یہاں کے ایک عالم، مولانا عبدالغفور، ان کے اہل خاندان کی روایت کے مطابق، حضرت مولانا گنگوہی کے شاگرد تھے، مولانا نے حضرت کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جو ننانوے صفحات پر ہے۔ مولانا چندیانوی اس کی کتابت سے ۲۳/ جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ کو فارغ ہوگئے تھے۔ مولانا کے مکتوبہ نسخہ کا عکس راقم کے سامنے رہا ہے۔

مجموعہ رام پور مدرسہ فرقانیہ رام پور، یوپی کے کتب خانہ میں، حضرت مولانا گنگوہی کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ محفوظ ہے، فل سکیپ سائز کے صرف انتیس صفحات پر مشتمل ہے، آخر سے ناقص ہے، تحریر سے لگتا ہے کہ مولانا سید احمد امروہوی کے قلم سے ہے۔

مجموعہ فرخ آباد فرخ آباد یوپی میں، مولانا نظیر حسین خاں ایک عالم تھے، جو حضرت مولانا گنگوہی سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے اور علمی تحقیقی سوالات دریافت کرتے رہتے تھے، یہ مجموعہ مولانا کے سوالات اور حضرت مولانا کے جوابات کا جامع ہے، جو غالباً خود مولانا نظیر حسین خاں نے مرتب کرایا تھا، راقم سطور کے سامنے اس کا فوٹو اسٹیٹ رہا ہے۔

اوراق کراچی نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں، حضرت مولانا کے مکتوب وفتاویٰ پر مشتمل بڑے سائز کے تیرہ صفحات موجود ہیں، ان میں زیادہ تر میں حضرت مولانا گنگوہی کے، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے اہم علمی خطوط وسوالات کے جوابات درج ہیں، مگر اس کے علاوہ بھی چند جوابات وفتاویٰ ہیں، جو اس مجموعہ میں شامل کئے گئے ہیں۔

مجموعۂ حسن پور حضرت مولانا گنگوہی کے مشہور شاگرد، مولانا سید احمد شاہ حسن پوری (حسن پور ضلع مراد آباد، یوپی) کے قلم سے مختصر سا مجموعہ، جو صرف بارہ ورق پر مشتمل ہے اس کا مجموعہ حسن پور کے عنوان سے حوالہ ہے، اس پر تاریخ تحریر درج نہیں۔

دیگر یہ اہم بنیادی ماخذ ہیں، اس کے علاوہ بھی چند قلمی کتابوں اور بیسوں مطبوعہ فتاویٰ اور رسائل ومؤلفات سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا حوالہ موقع پر درج ہے، مفصل فہرست مراجع انشاءاللہ آخر میں شامل کی جائے۔ (نور)

باقیات فتاویٰ رشیدیہ

محدث دوراں، افقہ زماں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے
تقریباً ایک ہزار ایسے فتاویٰ کا مجموعہ
جو فتاویٰ رشیدیہ میں شامل نہیں اور چند کے علاوہ تمام غیر مطبوعہ اور نہایت
نادر و کم یاب تھے

جمع و ترتیب حواشی اور مقدمہ

نور الحسن راشد کاندھلوی

مزید حواشی وافادات

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دام ظلہ
شیخ الحدیث وصدر المدرسین، دار العلوم دیوبند

ناشر

حضرت مفتی الٰهی بخش اکیڈمی

کاندھلہ، ضلع پربدھ نگر (مظفر نگر) یوپی - انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

کتاب الایمان والعقائد

ایمان اور کفر کے مباحث ومتعلقات

(۱) ایمان اور اسلام کی پہچان اور ان کا باہمی امتیاز کیا ہے؟ **سوال:** ایمان اور اسلام کی تعریف کیا ہے اور فرق ان میں کیا ہے؟ [جواب] علیحدہ علیحدہ ہو۔

جواب: ایمان، تصدیق قلبی اور اقرار لسانی ہے، حق تعالیٰ کے وحدہ لاشریک لہ ہونے کا، اور اس کے جمیع احکام قبول کرنے کا، جس کی تفصیل طویل ہے، اور اسلام تسلیم کرلینا سب احکام کا، باطن وقلب میں، اور انقیاد جملہ اوامر کا ظاہر میں، پس باعتبار شریعت کے دونوں ایک شئے ہوئی، کہ ایمان بدون اسلام کے نہیں ہوتا، اور اسلام بدون ایمان کے نہیں ہوسکتا، مگر لغت میں فرق ہے، کہ باعتبار تصدیق قلب کے ایمان، اور باعتبار ظاہری انقیاد کے اسلام ہوتا ہے۔ پس فرق ہوا لغت اور ترجمہ میں، اور کچھ فرق نہیں، بلکہ ایک شئے ہیں، دونوں دین محمدی اور شرع مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [مہر] (بدست خاص، نیز مجموعۂ کلاں ص ۱۸۱)

(۲) مسلم اور مؤمن میں فرق؟ **سوال:** مومن اور مسلم کا فرق [کیا ہے]؟

جواب: ایسا ہی حال ہے مومن اور مسلم کا، کہ شریعت میں مومن اور مسلم ایک ہے، اگرچہ بحسب لغت کے فرق ہے، کہ ظاہری انقیاد والا مسلم ہے اور باطنی تصدیق والا مؤمن، مگر کوئی مومن بدون مسلم کے نہیں ہوسکتا اور کوئی مسلم بدون مومن کے نہیں ہوسکتا، شرع میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [مہر] (بدست خاص، نیز مجموعۂ کلاں ص ۱۸۱)

(۳) کافر اور مشرک کی پہچان؟ **سوال:** کافر اور مشرک کی تعریف مفصلاً؟

جواب: کافر وہ ہے کہ کسی حکم قطعی [کا] انکار کرے، یا کوئی ایسا معاملہ کرے کہ علامت انکار کی ہو، یا شعار

وزنی (۱) کفر کی ہو، یا بتنگ حرمت احکام الٰہی کی کرے، پس ایسا شخص کافر ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کی ذات کا، یا کسی صفت کا انکار کرے، یا زنار گلے میں ڈالے، یا بت کو سجدہ یا تعظیم کرے، یا قرآن کی بے ادبی کرے، یا بے پروائی سے کلمہ کفر کا نکالے اگر [چہ] ان سب کے ساتھ دل میں تصدیق رکھتا ہو، (۲) وہ کافر ہی ہوگا، یا بسبب اطوار کے، یا بسبب عناد وجحود کے، یا بسبب بے پروائی حکم کے، یا بسبب بے تعظیمی کے۔

اور مشرک اس کو کہتے ہیں، کہ حق تعالیٰ جیسی صفت یا اس کی جیسی تعظیم وعبادت غیر خدا کو یقین کرے، یا بدون یقین کے ایسا معاملہ کرے، جس سے ان امور پر دلالت ہو، مثلاً سجدہ غیر اللہ تعالیٰ کو کرتا ہے، مگر عقیدہ میں لائق سجدہ کے نہیں جانتا۔ پس ایسا شخص مشرک ہے، اور دل کی تصدیق کافی نہیں، اس کو شرک جحودی کہیں گے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (بدست خاص، مجموعہ کلاں ۱۸۲)

(۴) اللہ تعالیٰ کی خاص صفات کا کسی اور کے لیے ثابت کرنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں: کہ جو اوصاف مخصوص بالذات الٰہی ہیں، مثل: حاجت روائی ومشکل کشائی وغیرہ وغیرہ، باوجود مدعی مولوی ہونے کے، ان صفات سے غیر اللہ کے لیے مقر ومثبت ہے، تو وہ مشرک ہوگا یا نہیں، اور اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں، اور ایسی شخصیت سے جو بیعت ہوئے ہوں، انھیں توبہ لازم ہے یا نہیں، اور بعد ارتکاب شرک احدالزوجین تفریق زوجین ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: اوصاف خاصہ بذات پاک حق تعالیٰ کے، کسی غیر کو ثابت کرنا شرک جلی ہے، نہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہو، نہ اس سے بیعت کرنی چاہئے۔ اگر غلطی سے ہوگئی تو فسخ بیعت کرنا فرض ہے اور اگر بعد نکاح کے ایسا عقیدہ کسی کا ہوگیا، تو بسبب مرتد ہونے اس شخص کے نکاح بھی فاسد ہو جائے گا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی

---

(۱) زنی: علامت، پوشاک (نور)

(۲) قولہ: دل میں تصدیق رکھتا ہو یعنی اگر چہ اس کے دل میں تصدیق ہو اور توحید ورسالت کا ایمان ویقین موجود ہو۔ **اطوار**: طور کی جمع ہے، وضع، ڈھنگ، طریقہ۔۔۔۔ قولہ: بسبب اطوار کے: اس کی مثال شعار وزنی کفار ہے۔ قولہ: بسبب عناد وجحود کے: اس کی مثال حکم قطعی کا انکار ہے۔ قولہ: بسبب بے پروائی حکم کے جیسے بے پروائی سے کلمہ کفر بکنا۔ قولہ: بسبب بے تعظیمی کے جیسے قرآن پھینکنا وغیرہ (پالن پوری)

اس فتوے کی حضرت مولانا گنگوہی کے قلم سے لکھی ہوئی تحریر، جس پر حضرت کی مہر بھی ثبت ہے، محب گرامی مولانا حکیم رضی الدین صاحب (محلہ مظفر نگر) کے ذاتی سرمایہ میں موجود تھی، موصوف نے راقم کو عنایت فرما کر ممنون ومسرور فرمایا ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اس میں یہ تینوں مسائل اسی ترتیب سے درج ہیں، مگر اس میں سوالات نہیں، یہ سوالات مجموعہ کلاں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ (نور)

(۳) جحود کے معنی ہیں انکار کرنا۔ شرک جحودی شرک عملی کو کہتے ہیں، اس کا مقابل شرک قولی اور شرک تصدیقی ہے۔ (پالن پوری)

الجواب صحیح: عبدالعلی۔ جواب صحیح ہے: محمود حسن عفی عنہ دیوبندی

المجیب مصیب [مہر صد شکر کہ من پیر محمد دارم] الجواب صحیح: سید احمد دہلوی

محمد ابو عبدالرحمٰن، عبدالمجید، محمد مسعود نقشبندی، محمد اسماعیل۔ جواب صحیح ہے: رحم الٰہی عفی عنہ

(طریقت وشریعت۔ تالیف: مولانا حشمت علی خلف سید محمد علی بنارسی ص۱۱) (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۱ھ)

(۵) مومن وہ ہے جو ظاہر وباطن دونوں پہلوؤں سے ہو: **سوال:** اگر اظہارِ اسلام کوئی شخص نہ کرے، صرف ایمان خدا اور رسول اور دیگر احکامات پر لاوے، یہ اس کی نجات کے لئے کافی ہے، یا نہیں، اور شرع شریف میں اس پر اطلاق اسلام یا مومن کا ہوگا، یا نہیں؟ فقط

جواب: ان سب جوابات سے واضح ہوگیا، کہ مومن مستوجب نجات وہ ہے کہ، [دل میں سب احکام کو تصدیق کر کے ان سب کا اقرار کرے اور] محل اظہار میں اظہار کرے، اور کوئی امر کفر وشرک اس سے سرزد نہ ہو، اور ظاہر وباطن سے مزین بایمان واسلام ہو، اگر دل میں مومن رہا اور بظاہر کافر، تو وہ بھی باعتبار حکم شرعی کے کافر ہے، نہ کہ مومن، اور جو بظاہر مومن رہا اور دل میں تصدیق کامل نہیں، وہ بھی منافق کافر ہے، نہ [کہ] مومن۔ دونوں پر شرع میں اطلاق مومن کا نہیں ہوسکتا۔ کذا فی الکتب الشرعیۃ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مہر حضرت مولاناؒ) (۱) (بدست خاص نیز مجموعۂ کلاں ۱۸۲)

(۶) کیا ایمان اور دل کا فعل حادث ہے؟ ایمان اور دل [کا] فعل عبد کا حادث ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(مجموعۂ فرخ آباد، ص: ۴۳-۴۴)

(۷) کلماتِ کفر کا ارتکاب اور اس کا حکم؟ **سوال:** ایک شخص نے ایک عورت سے کہا کہ نماز پڑھ، بلا تأمل جواب دیا کہ نہیں پڑھتی، خدا ہمارا کام نہیں کرتا، ہم اس کی نماز [نہیں] پڑھتے۔ پھر اس عورت نے اس شخص سے کہا کہ فلاں کام ہمارا کردو، اس شخص نے جواب دیا کہ اللہ پاک کے اختیار میں ہے، تو اس عورت نے یہ جواب دیا، کہ اللہ کے اختیار میں تو کبھی نہیں ہونے کا، تم سے نہیں ہوسکتا اور اللہ کردے گا۔ پھر اس عورت بددین نے یہ کہا، کہ ہم کو نہایت تنگدستی ہے، مرد نے جواب دیا کہ اللہ مالک ہے، عورت نے در جواب یہ کہا کہ ہاں! اب تیرے واسطے اوپر سے ہگے گا۔ حسب کتب شرع شریف کے ایمان اس خبیثہ کا رہا یا نہ؟ بصورت عدم، نکاح باطل ہوا یا نہ؟ بشرطِ بطلان بعد انقضائے عدت اور توبہ کے، اگر کوئی شخص غیر زوجِ اول کے، نکاح بلا طلاق زوج اول کے کرلے، تو جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) سب سے پہلے تینوں جوابات اور جواب مندرجہ نمبر: ۵، ایک کاغذ کے دو صفحات پر، خود حضرت مولانا گنگوہیؒ کے نوشتہ، جس پر حضرت کی مہر بھی ثبت ہے، ہمارے ذخیرہ کی زینت ہے، سوالات اس صفحہ میں درج نہیں، تمام سوالات کی عبارتیں مجموعۂ کلاں سے لی گئی ہیں۔ یہ اصل فتویٰ محبی وکرمی مولانا حکیم رضی الدین احمد صاحب [پھلت ضلع مظفر نگر، یوپی] نے عنایت فرما کر ممنون کیا۔ شکریہ! جزاہ اللہ خیر الجزاء (نور)

جواب: یہ عورت مرتد ہوگئی، کہ ایسے کلماتِ کفر اس نے بکے، اور نکاح بھی اس کا باطل ہوگیا، مگر عدت میں یا بعد عدت، اس کو توبہ کرا کر، پہلے خاوند کو دی جائے گی اور دوسرے سے نکاح نہ ہونا چاہئے، اور اگر توبہ نہ کرے تو کسی سے نکاح مرتدہ کا درست نہیں۔ پس ایسی کو چاہئے کہ خاوند اپنی قید میں حبس رکھے، بلکہ حسب فتویٰ بعض، یہ لونڈی زوج کی ہوجاوے گی، اگر زوج جبراً اس کو اپنی قید [میں] رکھے گا۔ فقط۔ کذا فی ردِّ المحتار (۱) واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعۂ کلاں ۲۴۲)

(۸) قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کا منسوخ ہونا، کس طرح ثابت ہے؟ (۲)

مسئلہ: جو شئے پہلی شریعت میں مباح تھی اور ہماری شریعت میں اس کی ممانعت نہیں، وہ مباح ہوتی ہے، اور حدیث بھی شرع محمدی ہے، تو قاعدہ اصول کا یہ ہے، مگر خاص قرآن میں نسخ ہونا، پہلی شرع کا کس اصولی نے لکھا ہے، جو آپ قرآن سے نسخ سجدۂ تحیۃ کا طلب کرتے ہیں، دوسرے نقل کرنا قرآن میں کسی کی شرع کا اور ہے اور حکمِ جواز ہونا قرآن میں دوسرا

---

(۱) ولیس للمرتدة التزوج بغیر زوجها، به یفتی، وعن الامام: تُسترق ولوفی دارالاسلام (شامی). کتاب الجهاد، باب المرتد. فصل لوتاب المرتد هل تعود حسناته.

الف: شامی (۳/۳۰۴) (اکمل المطابع، دہلی) ب: شامی (۴/۲۵۲) (دارالفکر، بیروت: ۱۳۸۶ھ) [نور]

(۲) سجدۂ تحیہ پہلی امتوں کا جائز تھا۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو یہ سجدہ کیا ہے اور برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو یہ سجدہ کیا ہے۔ ہماری شریعت میں یہ سجدہ بھی ممنوع ہے۔ کسی نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے یہ اصولی سوال کیا ہے، کہ پہلی شریعتوں کی جو بات قرآن میں منقول ہو اور اس پر نکیر نہ ہو، تو وہ حکم ہماری شریعت کے لئے بھی ہوتا ہے، حالانکہ ہماری شریعت میں یہ سجدہ ممنوع ہے، پس اس کی کیا وجہ ہے؟...... حضرت رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا، کہ جو چیز پہلی شریعت میں مباح تھی اور ہماری شریعت میں اس کی ممانعت نہیں کی گئی، تو وہ مباح ہوتی ہے، مگر یہ بات اس مسئلہ میں متحقق نہیں کیونکہ احادیث میں سجدۂ تحیہ کی ممانعت آئی ہے اور حدیث بھی شریعت کا ایک جز ہے، شرائع سابقہ کے کسی حکم کا نسخ قرآن ہی سے ہونا ضروری ہے، یہ بات اصول فقہ کی کسی کتاب میں مذکور نہیں، پس سائل قرآن کریم سے سجدۂ تحیہ کے نسخ کا مطالبہ کیوں کرتا ہے؟ ...... علاوہ ازیں قرآن کریم میں شرائع سابقہ کے کسی حکم کے مذکور ہونے سے اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن کریم میں اس کا مذکور ہونا نقل شرائع سابقہ کی حیثیت سے ہے، اس آیت کے واسطے مشروعیت کی حیثیت سے نہیں، اس لئے اس حکم کو قرآن سے ثابت شدہ حکم قرار نہیں دے سکتے، کہ خبر واحد سے اس کا نسخ نہ ہو سکے۔ ...... اور آخری بات یہ ہے کہ سورۂ حم السجدة (آیت: ۳۷) میں ہے: ''تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اس خدا کو سجدہ کرو، جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تمہیں خدا کی عبادت کرنی ہے'' یہ آیت پاک سجدہ تحیہ کے لئے ناسخ ہے، اس آیت میں مطلق سجدہ کی ممانعت ہے، خواہ عبادت کا سجدہ ہو، یا تحیہ کا، اور غایت درجہ کی تعظیم کے طور پر سجدہ کرنا بھی عبادت ہے۔ اور ''للہ'' کا لام اختصاص کے لئے ہے، پس ہر قسم کا سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوگیا، کسی طرح کے سجدے کی اور کے لئے گنجائش نہیں رہی ...... اور اگر کوئی آیت کی یہ تاویل کرے کہ اختصاص اللہ کی ذات کے لئے سجدہ کا ہے اور وہ عبادت ہی کے طور پر ہوتا ہے اور تحیہ (سلامی) کا سجدہ اس قبیل سے نہیں، تو خیر، سجدہ تحیہ کو کفر و شرک نہیں کہا جائے گا، مگر فسق و معصیت تو کہا جائے گا؟ یہ تاویل فاسد ہے، قابل التفات نہیں، مطلق سجدہ غیر اللہ کے لئے ممنوع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خبر واحد سے سجدۂ تحیہ کی حرمت ثابت ہے، اور یہ حدیث کسی قطعی آیت کے خلاف نہیں ہے، ہاں بہ ظاہر پہلی شریعت کے خلاف ہے، مگر ہم بتا چکے ہیں کہ پہلی شریعت کی بات نقل کرنے سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا، جب تک شارع (قرآن وحدیث) سے سکوت ثابت نہ ہو، اور یہاں حدیث میں حرمت کی صراحت موجود ہے، اگرچہ وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کا سَرَجی فاسق ہوتا ہے۔ (عبارت دقیق ہے قارئین غور سے پڑھیں) (پالن پوری)

ہے۔ پس کون سی آیت سے جواز سجدہ معلوم ہوا، کہ قطعی میں گِنا، اس اہمیت کے واسطے، پھر اس کا نسخ خبر واحد سے نہ ہو، قرآن تو محض نقل پہلی شرع کی کر کے، ساکت ہے، اور فقط شرع سابق کا ہونا، موجب حکم نہیں:

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ. الآیة (فصلت-۳۷) اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے انکو بنایا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ناسخ موجود ہے۔ کیوں کہ سجدہ مطلق ہے، تحیہ وعبادت کو، اور تحیہ غایت درجہ کی تعظیم کا بھی عبادت ہے، اور نام اللہ کا تخصیص کو چاہتا ہے، بعد اس کے ایسی تاویل ذات سے سجدہ کرنا، کفر نہ ہوگا، تو فسق سے کیا کم رہے گا، اور ایسی ہی تاویلات فاسدہ ہیں، کہ قابل التفات نہیں۔ فقط

اور خبر واحد کا منکر بھی فاسق ہوتا ہے، خبر واحد کی حرمت سجدہ کی کسی آیت قطعی کے خلاف نہیں، پہلی شرع کے خلاف ہے۔ بظاہر تو نقل پہلی شرع سے کچھ حکم ثابت نہیں ہوتا، جب تک شارع سے سکوت ثابت نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۶-۵۷)

(۹) قرآن کریم کے الفاظ تصرف کر کے پڑھنا؟

سوال: ایک شخص اس طرح حاضرات(۱) کرتا ہے: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ وَجِبْرِیْلَ رَبُّکَ وَمِیْکَائِیْلَ رَبُّکَ تمام سورت میں فرشتوں کا نام شامل کرتا ہے اور اجرت لیتا ہے، اس کو امام بنانا جائز ہے، یا نہیں؟ لفظ واؤ اور یا جائز ہے، یا نہیں؟ فقط

جواب: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ وَجِبْرِیْلَ رَبُّکَ وَمِیْکَائِیْلَ رَبُّکَ کلمہ کفر کا ہے، اگر وہ شخص معنی جان کر پڑھتا ہے، تو کافر ہے، ورنہ قرأت میں تصرف کر کے پڑھنے سے فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا نہیں چاہئے، امام صالح آدمی مقرر کرنا چاہئے۔ اسی طرح یا جبرئیل پڑھنا گناہ ہے، اگر یہ عقیدہ ہے کہ جبرئیل غیب کی آواز سنتے ہیں، تو کافر ہے، ورنہ گنہگار ہے، اور قرأت میں تصرف کرنا، ناجائز ہے۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۴۷)

(۱۰) مزارات اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا؟

سوال: وہ بدعتی یوں کہتا ہے کہ سجدہ علی غیر اعضاء السبع یعنی بوسہ دینا، یا سر ٹیک دینا، کسی ولی اللہ کے مزار پر، یا مرشد کے پَیر پر، بے شک درست ہے، کسی قسم کی اس میں قباحت نہیں، کیونکہ جو حدیث در باب امتناع مُتمسَک ہے، اس سے اس کی کسی طرح کی نفی ثابت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لَوْ کُنْتُ آمُر... الخ فرمایا ہے، حرف لَوْ سے صاف ثابت ہے کہ فرضیت کی نفی ہے نہ کہ مطلقاً حرام ہو جاوے۔ جیسے یہ حدیث لولا أن أشق علی أمتی لأمرتهم بالسواک اس سے نفی فرضیت [مراد ہے] ویسے ہی وہاں سمجھ لینا چاہئے

(۱) حاضرات: حاضر کی جمع مؤنث: جنات اور بھوتوں وغیرہ کو بلانے، حاضر کرنے اور ان سے بات چیت کرنے کی کوشش، جو عامل کیا کرتے ہیں۔ (پالن پوری)

اور مسواک کرنا سرے سے منع ہو جاوے۔ انتہی! اس شبہ کو مع دلائل نقل وغیرہ خوب مشرح فرماویں۔ (۱)

جواب : سجدہ کے معنی لغت میں خضوع کرنا اور سر جھکانا اور وضع الجبھة علی الارض لکھا ہے، اور یہی معنی اقرار عبادت میں ہیں، اور یہی سجدہ کفار آلہہُ باطلہ کو کرتے تھے، اور اس کی ہی حرمت اور شرک ہونا نصوص قرآنی میں ارشاد ہوا تھا:

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (ھود-۲) کہ عبادت نہ کرو مگر اللہ کی (ترجمہ شیخ الہند)

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (سورہ حم سجدہ-۳۷) اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا، اگر تم اس کو پوجتے ہو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یہ خود ظاہر ہے اور سجدہ علی سبعۃ اعضاء کو مشرکین کیا جانتے تھے، اور کہاں تھا یہ؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم [کو] تکمیل حسن سجدہ للہ تعالیٰ بتلایا گیا تھا، لہٰذا اس کو فقہاء نے سنت لکھا ہے، فرض فقط وضع الجبھة اور اس کے موقوف علیہ کو لکھا ہے۔ پس ایسی بات کہنی سخت نادانی ہے، بہر حال سجدہ جو شرک ہے، وہی ہے (جو) کہ عرب کرتے تھے، اور لغت میں لکھا ہے اور اسکے ہی شرک پر اتفاق علماء کا ہے۔

پس [سجدہ] لغوی چونکہ اوّل نبوت میں شرک ٹھہر چکا تھا اور سب سے پہلے اس کا حکم ہو چکا تھا، تو تمام اسلام میں اشتہار اسکے شرک کا ہو گیا تھا، جب بعد ہجرت کے بعض صحابہ نے کفار کو دیکھا کہ اپنے مَرزبان (۲) کو سجدہ کرتے ہیں، تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، آپ نے فرمایا: لا تفعلوا، لو کنت آمرُ الخ. مشکوٰۃ میں دیکھ لینا۔ (۳)

---

(۱) حدیث: لاتفعلوا، لو کنت آمر أحدا أن یسجد لأحدٍ لأمرتُ النساء أن یسجدن لأزواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من حق - یعنی مجھے سجدہ مت کرو۔ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے، تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہروں کا بیویوں پر حق رکھا ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد نے قیس بن سعد سے اور امام احمدؒ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ مشکوٰۃ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء، فصل ثالث حدیث: ۳۲۶۶۔ ج ۳/ص: ۱۲۵۵ [مکتبۃ التوبہ دارابن حزم. ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۳ء] (نیز صحیح بخاری نسخۂ ہندیہ ص: ۲۸۲ نقل مطبوعہ اصح المطابع دھلی) [نور]

اور لاتفعلوا کے بغیر یہ روایت امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء الفصل الثانی ج: ۲ ص: ۲۸۱ رشیدیہ اصح المطابع دھلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوٰۃ شریف باب مذکور ج: ۳ ص: ۱۲۵۱. حدیث ۳۲۵۵، ت: رمضان بن احمد بن علی آل عوف [مکتبۃ التوبہ دارابن حزم ۱۴۲۳ھ] اور حدیث لولا ان أشق الخ متفق علیہ روایت ہے۔ (مشکوٰۃ ص: ۴۴ باب السواک فصل اول مشکوٰۃ شریف باب السواک الفصل الاول ص: ۴۴ [نقل اصح المطابع رشیدیہ دھلی: ۱۳۷۵ھ نیز مشکوٰۃ شریف ج: ۱ ص: ۱۸۱، حدیث: ۳۷۶ [مکتبۃ التوبہ ت: رمضان بن احمد بن علی ال عوف ۱۴۲۳ھ] سات اعضاء پر سجدہ کرنے کی روایت بھی متفق علیہ ہے (مشکوٰۃ، باب السجود حدیث: ۸۸۷) اور سات اعضاء سے مراد دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پیر اور پیشانی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پہلی حدیث میں جس سجدہ کی ممانعت آئی ہے، یہ وہ سجدہ ہے جو سات اعضاء پر کیا جاتا ہے، پس اگر کوئی یہ سجدہ نہ کرے بلکہ مزار وغیرہ کو بوسہ دے، یا اس پر سر ٹیک دے تو اس حدیث سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ نیز مذکورہ حدیث میں لفظ لَو ہے، جو فرض کرنے کے لئے آتا ہے، پس اس سے فرضیت کی نفی ہوگی۔ مطلقاً حرمت ثابت نہیں ہوگی، اس کی نظیر دوسری حدیث ہے، اس میں بھی لَو ہے، چنانچہ اس سے مسواک کی فرضیت کی نفی ہوتی ہے، استحباب اور سنیت کی نفی نہیں ہوتی...... اس شبہ کا جواب طلب کیا گیا ہے۔ جواب واضح ہے، البتہ مفصل ہے، غور کر کے خلاصہ نکال لیں۔ (پالن پوری) بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

اوّل تو سیاق حدیث سے واضح ہے کہ جو امر پہلے حرام ہو چکا تھا، اس کی طلب اباحت اور اجازت بعض صحابہ نے چاہی تھی، اس کو آپ نے رد فرمایا اور انتفاء اجازت کر دیا، پس جب انتفاء مطلق اجازت اباحت ہوگئی، تو یہ فعل حرام کا حرام ہی رہا، اسی وجہ سے اس میں اباحت نہیں آئی۔ یہاں امر سے وجوب کے معنی لینے، بالکل جہل وحماقت ہے۔

دوسرے قبل اس ارشاد کے لاتفعلوا فرمایا کہ صیغہ نہی کا ہے، جس سے حرمت کو مصرح حرام کر دیا تھا، جب اس تاکید کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت فرمائی کہ اوّل لاتفعلوا ارشاد کیا، اور بذریعہ لو کے امر اباحت [کی] نفی فرمائی، اور پہلے سے حرمت اس کی محقق تھی بلتو اب حرمت زیادہ تر ثابت ہوگئی۔ اس جگہ امر کے معنی وجوب کے سمجھنے، کس قدر مخالف شرع اور عقل کے ہے۔

اور مسواک، قدیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے مستحسن اور سنت چلی آئی ہے، آپؐ نے اسکی تاکید کے واسطے فرمایا تھا کہ دشوار نہ ہوتی تو واجب کر دیتا، وہاں لاریب! عقلاً اور سیاق حدیث سے وجوب کے معنی ہیں، سو اس کو اس پر قیاس کرنا جنون محض ہے، اُس شخص کی عقل وفہم پر رونا آتا ہی تھا، مگر آپ کے تردد [پر] بھی ہنسی آتی ہے۔ رہا بوسہ، سو یہ البتہ شرک نہیں، بلکہ اس کو بدعت اور گناہ لکھا ہے اور جہاں ثابت ہے وہاں درست ہے، جیسا کہ مصحف کو اور دست علماء کو مثلاً۔ فقط۔

(مجموعہ کلاں ص ۵ تا ۷)

(۱۱) طوافِ قبور کے شرک ہونے اور قیامِ تعظیمی کے شرک نہ ہونے کی وجہ؟

سوال: آپ کے بعض مکتوبات میں یہ مضمون مطالعہ میں آیا ہے، کہ طواف کا ذکر رکوع اور سجدہ کے ساتھ آیا ہے، اور خدا نے اسے اپنی تعظیم کے لئے مقرر کیا ہے، لہٰذا طواف بھی عبادت ہے، پس قبور اولیاء کا طواف شرک ہے؟

اس مضمون پر دو شبہ وارد ہوتے ہیں: اول یہ کہ اس صورت میں قیام تعظیمی بھی شرک ہونا چاہئے، کیوں کہ وہ بھی نماز میں خدا کی تعظیم کیلئے فرض ہے، اور طائفین کے ساتھ قائمین کا بھی ذکر آیا ہے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا

(۲) مرزبان: فارسیوں کا سردار، بادشاہ، آتش پرستوں کا بزرگ اور عالم (لغات سعیدی۔ مؤلفہ مولوی عبد العزیز، ص: ۵۲۲۔ مطبع مجیدی کانپور: ۱۹۳۰ء) [نور]

(۳) ملاحظہ فرمائیے: مشکوۃ کتاب النکاح باب عشرۃ النکاح ومالکل واحدۃ من الحقوق. رقم الحدیث ۳۲۶۶ (مشکوۃ ج:۱، ص ۲۸۳ نسخہ ھندیہ رواہ ابوداؤد عن قیس بن سعد قال أتیت الحیرۃ فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فأنت یا رسول اللہ أحق أن یسجد لک. قال: أرأیت لو مررت بقبری أکنت تسجد لہ؟" قال قلت لا قال: فلاتفعلوا لو کنت آمراً أحداً ان یسجد لأحد، لأمرت النساء أن یسجدن لأزواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من الحق" (۳/۴۵) رقم: ۲۱۴۰۔ ۲۱۳۳۔ ت: شیخ محمد عوامہ [مؤسسۃ الریان بیروت ط: ۲، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴م۔ والحاکم فی المستدرک (۲/۱۸۷) دار المعرفۃ بیروت واحمد فی مسندہ، عن معاذ بن جبل ص/۳۶۵۔ ج ۱۴۔ رقم ۱۹۲۹۸، ص ۱۵۷۔ ج ۱۶۔ رقم ۲۱۸۸۴۔ ت: احمد محمد شاکر، حمزہ احمد زین [دار الحدیث، القاہرۃ ط ۱، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵م] [نور]

دوسرا شبہ یہ ہے کہ، طواف اور سجدہ اگر مطلقاً عبادت مانا جائے، تو غیر خدا کی عبادت ہمیشہ ممنوع رہی ہے، اور سجدہ تحیہ پہلی امتوں میں جائز تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف اور سجدہ، عبادت اسی وقت ہوتے ہیں کہ انتہائے تعظیم کے ارادہ سے ہوں، اور اگر فقط تعظیم کے ارادہ سے ہوں، تو عبادت نہیں ہے۔

جواب: قیام دست بستہ کو تو بعض شرک کہتے ہیں، جو نماز کے مشابہ ہے گو علی الراجح شرک نہیں، اور طواف کے ساتھ جو سورۂ حج میں مذکور ہے: للطائفین و القائمین اس قیام سے نماز مراد ہے، چنانچہ مفسرین نے صاف لکھا ہے (۱) سو نماز مثل طواف کے ہوئی، دونوں غیر کے واسطے شرک ہیں اور قیام خواص صلوٰۃ سے نہیں، تو آپ کا ایک شبہ تو دفع ہوا۔

اور پہلی امتوں کے فعل کی آپ کو حجت لانا درست نہیں، بوقت آدم علیہ السلام، بہن سے نکاح درست تھا، اب حرام قابل رجم کے ہے، پس ایسا ہی سجدہ تحیہ میں سمجھ لو۔ مع ہٰذا! بعض علماء سجدہ تحیہ کو سجدہ نہیں کہتے، بلکہ جھکنا کہتے ہیں اور قرآن میں بھی سجدہ ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو، جھکنا ہی ترجمہ کرتے ہیں، جلالین کو دیکھو۔ (۲) بہر حال پہلی امت میں اس کو عبادت نہ ٹھہرایا تھا اور مباح تھا، اب شرع میں اس کو حرام فرمادیا اور خواصِ عبادت میں کردیا۔

نہایۃ الامر یہ ہے کہ شرک ہونا سجدۂ تعظیم کا ادنیٰ درجہ شرک کا ہو، اور عبودیت کا اعلیٰ درجہ، مگر شرک ہونے میں برابر ہے۔ آپ کی خوشی رہے۔ تشبیہ سجدہ کی، طواف کا شرک ہونے میں کم درجہ ہوا، مگر شرک تو ہوگیا۔ اگر نیت پر مدار آپ کے نزدیک ہے، تو بت کو سجدہ کرنا بدونِ نیت شرک نہ ہو، اور زنار ڈالنا اور قرآن کو پلیدی میں ڈالنا، بدون اہانت کے شرک نہ ہو۔ توبہ! توبہ!

جنابِ من! شرک کی بات بہر حال شرک ہوتی ہے، اگر قصداً کرے اور نیت نہ ہو، مگر جو امر مشترک ہے اس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ فقط

(مجموعۂ فرخ آباد: ص ۱۲،۸، ۱۳)

(۱۲) کعبہ کے علاوہ اور مسجدوں کے طواف میں، کفر کا خوف ہے:

سوال: طواف اگر مطلقاً عبادت ہے، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض نے لکھا ہے کہ کعبہ کے سوا اور مسجدوں کے طواف کرنے میں، کفر کا خوف ہے۔ اگر

---

(۱) یہ سورۂ حج کی آیت: ۲۶ ہے۔ اس کی تفسیر میں قاضی بیضاوی لکھتے ہیں: لعله عبر عن الصلاة بأركانها اور شیخ زادہ نے اس کی شرح کی ہے: وهي القيام والقراءة والركوع والسجود واختار (أي البيضاوي) أن القائمين هم المصلون (شیخ زادہ ۳: ۲۸۱) المطبعة العثمانية استانبول، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء یہی بات ابن کثیر نے بھی لکھی ہے: والقائمين: أي في الصلاة (ابن کثیر ۳/ ۲۱۷) [مکتبۃ الریاض الحدیثۃ الریاض] یہی بات صاحب روح المعانی نے فرمائی ہے: روح المعانی۔ للعلامۃ محمود آلوسی، ۱۴۳:۳۰/ ج: ۱۷۔ [مکتبہ امدادیہ ملتان] [پالن پوری]

(۲) سورۃ البقرۃ آیت: ۳۴ میں ہے: [واذكر إذ قلنا للملئكة اسجدوا لآدم] سجود تحية بالإنحناء (جلالین) علامہ سلیمان جمل میں لکھتے ہیں: قوله سجود تحية أي سجود تعظيم لآدم ..... وقوله بالانحناء: أي من غير وضع الجبهة على الأرض، وهذا أصح القولين في المقام (جمل شرح جلالین ۱/ ص ۳۵) [پالن پوری]

طواف عبادت ہے تو سب مسجدیں بھی خدا کے گھر ہیں، اگر چہ کعبہ سے کم ہیں، پھر کفر کے خوف کی کیا وجہ ہے۔ غایۃ الامر یہ ہے کہ بدعت کہا جائے؟

جواب : طواف عبادت ہے، بے محل کرنا اس کا ممنوع ہے۔ مسجد کا طواف کرنا اور اس کو جائز جاننا مخالف شرع کے اور اپنی طرف سے ہے، ممنوع ہے۔ جیسے تلاوتِ قرآن عبادت ہے، قیام میں ثواب ہے، رکوع سجود میں منع ہے۔ فقط

(مجموعہ سفرخ آباد ص ۹، ۱۰، ۱۴، ۱۵)

(۱۳) جس سے جان بوجھ کر یا استہزاءً کلمۂ کفر سرزد ہو، اس کے اعمال کا کیا حکم ہے؟

سوال : کلماتِ کفر کسی کی زبان سے دانستہ یا بے دانستہ نکلے، اور پھر اس نے توبہ کی، تو اس کے اعمالِ حسنہ سابقہ، مثلاً نماز، حج وغیرہ جاتے رہے، یا برقرار رہے، اور اس کا نکاح بھی رہا یا ٹوٹ گیا۔ حج اور نکاح دوبارہ کرے، یا کیا کرے؟

جواب : جو کلمہ کسی سے اس طرح نکلے کہ وہ مرتد ہو گیا ہو، عمداً یا استہزاءً! تو اس کا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے اور اعمال بھی سب حبط ہو جاتے ہیں۔ اگر اب اس پر فرضیت حج کی ہے، دوبارہ اس کو حج کرنا ہوگا۔ باقی اعمال حسنہ پہلے کے حبط ہو گئے، ان کی قضاء نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۵۷)

(۱۴) ایمان کم زیادہ ہوتا ہے، یا نہیں؟

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین، اس مسئلہ میں: کہ ایمان زیادہ کم ہوتا ہے، یا نہیں؟ اور ایمان اہلِ آسمان اور اہلِ زمین کا برابر ہے، یا کم زیادہ؟ اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور مومنین وصالحین اور فاسقین وفاجرین، سب کا ایمان برابر ہے، یا کم یا زیادہ؟

جواب : ایمان کیفیت میں کم زیادہ ہوتا ہے، کہ جس قدر یقین انبیاء علیہم السلام کو ہے، مثلاً، اس قدر عامۂ مومنین کو نہیں، مگر اجزاء مؤمَن بہ (۱) میں کمی زیادتی نہیں۔ پس جو کہتا ہے کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں، اس کی غرض دوسرے معانی سے ہے، لہٰذا وجہ [ے]۔ الحاصل کیفیات ایمان کی کم زیادہ ہیں اور مؤمَن بہ سب کا ایک ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(مجموعۂ کلاں ص ۱۶۷)

(۱۵) ایمان کے کم زیادہ ہونے میں علماء کے اختلاف کی نوعیت؟

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ زید کہتا ہے کہ جو شخص کہے کہ ایمان کم وزیادہ ہوتا ہے، وہ کافر ہے۔ اور یہ بات بھی علماء پر ظاہر ہے کہ اکابر صحابہ میں سے، مثل حضرت عمر وحضرت علی وابن مسعود ومعاذ بن جبل وابو الدرداء وابن عباس وعبد اللہ بن عمر وعمارہ وابو ہریرہ وحذیفہ وحضرت عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم، کمی زیادتی ایمان کے قائل تھے۔ از قسطلانی شرح بخاری وغیرہ۔

(۱) المؤمَن بہ: وہ باتیں جن پر ایمان لایا جاتا ہے، جو حدیث جبرئیل میں مذکور ہیں اور وہ چھ باتیں ہیں، جن پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔ (پالن پوری)

اور ایسے ہی تابعینِ عُظام اور اتباع ان کے اور جملہ محدثین اور فقہاء، خاص کر تینوں امام، مالک وشافعی واحمد ابن حنبل رحمہم اللہ کے مذہب حق سمجھے جاتے ہیں اور سفیان ثوری اور اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ، خصوصاً حضرت امام ابراہیم نخعی، استاذ امام صاحب (۱) یہاں تک کہ سیدنا حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، یہ سب اہل سنت اکابرانِ دین، کمی زیادتی ایمان کے قائل تھے اور اہل حق میں شمار! کیونکہ ان سب کا استدلال قرآن وحدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ پس ظاہر ہے کہ زید کا قول بالا، عام بات ہے، مگر اختلاف کی وجہ سے ایک نے دوسرے کو کافر نہیں فرمایا اور احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو کوئی کسی کو کافر یا ملعون کہتا ہے، اگر وہ قابلِ کفر یا لعنت ہوتا ہے تو اس پر پڑتی ہے، ورنہ وہ کفر لعنت کہنے والے کی طرف عائد ہوتی ہے۔ اور اگر زید کو سمجھایا جاتا ہے کہ اس قول سے توبہ کر، تو ہرگز نہیں مانتا، بلکہ اپنے قول پر زیادہ مصر ہوتا ہے اور ہٹ (۲) کرتا ہے، مطلقاً باز نہیں آتا۔ پس صورتِ مذکورہ بالا کا کیا حکم ہے؟

یعنی یہ اکابرانِ دین، بفضلہ تعالیٰ کسی طرح کفر کے مصداق نہیں ہیں، اب زید باوجود اس تکفیر عام کے اور اصرار کے، قابل کفر ہے، یا نہیں؟ اور جب تک تائب نہ ہو، اس کے پیچھے نماز جائز ہے، یا نہیں؟ اور امام صاحب سے لے کر سلف حنفیہ معتبرین میں سے، کسی نے زید کا سا فتویٰ ایمان کے کم زیادہ کہنے والوں کے حق میں دیا ہے، یا نہیں؟ حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے کسی کا جواب تحریر فرما کر، مہریں ثبت فرماویں، خدائے غنی سے اجر پاویں گے۔

میرا پتہ یہ ہے: مقام کوئٹہ راجپوتانہ میں۔ مولوی محمد قابل شاہ صاحب کے مکان پر، محمد یحیٰی کو ملے۔

جواب: اس میں اختلاف نہیں ہے کہ ایمان باعتبار کیفیت کے اور مراتب کمال کے کم زیادہ ہوتا ہے، اور باعتبار کمیت کے کم وزیادہ نہیں ہوتا۔ پس نزاع مابین الفریقین صرف لفظی ہے، جو نافی کمی وزیادت ہیں، وہ کمیت کو کہتے ہیں، اور جو مثبت کم وزیادت ہیں، وہ کیفیت کے اعتبار سے اثباتِ زیادت ونقصان کرتے ہیں۔ اور جب اصل منشاء اختلاف میں باعتبار مآل ومقصود اتحاد ہے، تو فریقین کا قول حق ہوا، اور نسبتِ خطا وضلال کسی ایک کی طرف بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو کافر یا مشرک کہنے والا، خود خاطی اور سخت جرمی (۳) ہے، مگر چونکہ اس کی تکفیر بنا بر تاویل ہے، نہ کہ ہوائے نفس سے، اس لئے اس کو بھی کافر کہنا مناسب نہیں، البتہ! اس قدر فقہاء ومحدثین کی جماعت کو برا کہنے والا سخت درجہ کا فاسق اور گنہگار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

(میزان الإیمان لتبیان ما فیہ من الزیادۃ والنقصان مولانا محمد دیدار علی الوری۔ ص ۴۰۔ مطبع صدیقی۔ لاہور)

---

(۱) حضرت ابراہیم نخعی امام اعظم رحمہ اللہ کے استاذ نہیں، بلکہ آپ کے استاذ الاستاذ ہیں۔ (پالن پوری)

(۲) ہٹ: ضد، بیجا اصرار۔ [نور]

(۳) جرمی: خطا کار، گنہگار، مجرم، جو اپنے گناہوں غلطیوں کا خود اعتراف کر رہا ہو۔ (نور)

(۱۶) ایمان میں تجزی کا مسئلہ؟

سوال: قوله صلی اللہ علیه وسلم: فاخرج من کان فی قلبه ادنیٰ ادنیٰ ادنیٰ مثقال حبة من خردل من ایمان، فاخرجه من النار. (۱)

اس کو مقتضی ہے کہ جس میں ادنیٰ ادنیٰ درجے کا ایمان ہوگا، وہ بشفاعت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نار سے خارج ہوگا، تو اس کے بعد جو ارشاد ہوا:

فاقول ائذن لی فی من قال لا اله الا الله لأخرجنّ (۲) منها من قال لا اله الا الله.

اگر اس سے مراد مؤمن ہے، تو وہ پیشتر ادنیٰ درجہ کے ایمان میں داخل ہو کر تحت شفاعت داخل ہو چکا، تو اس جگہ لیس ذلک لک کے کیا معنیٰ ہیں؟ اور اگر کافر یا منافق مراد ہے، جو بلا تصدیق قلبی کلمہ گو ہوا ہے اور بظاہر یہی ہے، کیونکہ وراء ادنیٰ درجہ ایمان کے کوئی درجہ باقی نہیں، تو پھر لأخرجن منها کے کیا معنیٰ ہوئے؟ کفار منافق نہ داخل شفاعت، نہ مستحق اخراج عن النار!

جواب: جس نے کلمہ کہا اور دل میں ادنیٰ درجہ تصدیق معانی کلمہ کا ہو، وہ مؤمن ہے کہ ایمان میں تجزی (۳) نہیں، کمی زیادتی کیفی ہے، یہاں تک تو شفاعت سے نکلے۔ اب آخر درجہ ایمان کا یہ ہے کہ زبان سے کلمہ کہا اور دل میں اس کے، کوئی درجہ تصدیق کا نہیں، مگر تکذیب بھی نہیں، بلکہ قلب اس کا بالکل تصدیق و تکذیب سے سادہ ہے، اور تصدیق و تکذیب مانعۃ الجمع ہیں، مانعۃ الخلو نہیں، پس یہ لوگ بھی آخر کار نکالے جاویں گے۔ یہ توجیہ شاید تم کو تعجب میں ڈالے، مگر اس کا نشان حدیث سے دوں گا، اگرچہ مقام دشوار ہے، جب علماء سے پوچھو گے تب لطف پاؤ گے۔ ابن ماجہ کے ص ۳۰۳، ابواب الفتن میں باب ذهاب القرآن والعلم میں حدیث حذیفہ میں مذکور ہے (۴) یہ مضمون وہاں سے نکل آوے گا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

از رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۹، ۲۰)

---

(۱) یہ حدیث شفاعت کا ایک حصہ ہے۔ متفق علیہ روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیسری مرتبہ امت کے لئے سفارش فرمائیں گے تو حکم ہوگا: جایئے! اور اس شخص کو جس کے دل میں رائی کے دانے سے ادنیٰ ادنیٰ ادنیٰ درجہ کا ایمان ہو، اس کو دوزخ سے نکال لایئے۔ چنانچہ آپ تشریف لے جائیں گے اور ایسے لوگوں کو نکال لیں گے، پھر چوتھی مرتبہ شفاعت فرمائیں گے، کہ اے میرے پروردگار! مجھے اجازت عنایت فرمایئے کہ جس نے بھی لا الہ الا اللہ کہا ہے اس کو دوزخ سے نکال لوں۔ اللہ پاک ارشاد فرمائیں گے: یہ بات آپ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ قسم ہے میری عزت کی، میرے جلال کی، میری کبریائی کی، میری عظمت کی! البتہ ضرور نکالوں گا میں جہنم سے، اس کو جس نے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہا ہے۔ (مشکوة، کتاب أحوال القيامة، باب الحوض والشفاعة ص: ۴۸۹. نقل اصح المطابع رشيديه دهلی: ۱۳۷۵ھ. نیز مشکوة شریف ج ۵ ص: ۲۱ رقم الحديث: ۵۵۷۳. ت: رمضان بن احمد بن علی آل عوف [مکتبة التوبه دار ابن حزم ۲۰۰۳ء] [پالن پوری]

(۲) یہ حدیث قدسی ہے اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: فاقول یا ربّ ائذن لی فیمن قال لا اله الا الله، قال لیس ذالک لک، ولکن و عزّتی و جلالی و کبریائی وعظمتی، لأخرجنّ منها من قال: لا إله إلا الله. (متفق عليه، عن انسؓ. مشکوة، باب الحوض والشفاعة ص ۴۸۸-۴۸۹ ..... ت محمد رمضان عوف. ۲۰۰۵ء/ مکتبة التوبه ریاض۔ ۱۴۲۳ھ/ رقم الحديث ۵۵۷۳) [نور]

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

(۱۷) دین میں مشتبہ امور سے احتیاط ضروری ہے: از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم،

جواب: جواب مرسل ہے۔(۱) آدمی کو اپنا دین بچانا ضروری ہے اور جو امر متفق علیہ امت کا ہو، اس سے دین حاصل کرنا واجب ہے۔ مشتبہ امور اور مختلف فیہ میں کیوں مبتلا ہو، خصوصاً عقائد میں۔ جزئیات اعمال میں وسعت ہے، مگر عقائد میں ہرگز توسع نہیں۔ مختلف مسائل جو قرون ثلاثہ میں اعمال ہو گئے، ان میں کسی پر عمل کرنا مضائقہ نہیں، مگر جو امور اُن قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے اور اب علماء ان کو منع کریں اور قواعد شرع کے بظاہر خلاف ہوں، تو پھر بتاویل یا بتقلید

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا

(۳) التجزی: جز جز ٹکڑے ٹکڑے ہونا یعنی مؤمن بہ کے اعتبار سے سب مؤمنین کا ایمان یکساں ہے۔ اگرچہ کیفیت یعنی یقین کے اعتبار سے ایمان کے درجات کم زیادہ ہیں، پس جس کا یقین نہایت ضعیف ہے رائی کے دانہ سے بھی کم، کم، کم ہے، وہ بھی کسی درجہ میں مؤمن ہے اور تیسری مرتبہ شفاعت سے، ایسے سب مؤمنین جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ مگر ایمان کا ایک درجہ اس کے بعد بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ زبان سے لاالٰہ الا اللہ کہتا ہو اور دل تصدیق وتکذیب سے خالی ہو۔ تصدیق وتکذیب ایک ساتھ جمع تو نہیں ہو سکتے، مانعۃ الجمع کا یہی مطلب ہے مگر دونوں کی نفی ہو سکتی ہے، یعنی دونوں باتوں سے دل سادہ ہو سکتا ہے۔ یہ مانعۃ الخلو کا مطلب ہے۔ ایسے مؤمنین کو رب ذوالجلال اپنی عنایت ومہربانی سے جہنم سے نجات عطا فرمائیں گے۔

اور ایسے لوگ جن کا دل تصدیق وتکذیب سے خالی ہو، وہ بھی مؤمن ہیں، اس کی دلیل ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اس طرح مٹ جائے گا، جس طرح کپڑے کا نقش مٹ جاتا ہے، یہاں تک کہ نہیں جانا جائے گا کہ روزہ، نماز، حج، اور صدقہ کیا چیز ہے، اور رات بھر میں قرآن اٹھالیا جائے گا، زمین میں اس کی ایک آیت بھی باقی نہیں رہے گی اور کچھ ایسے نہایت بوڑھے اور بوڑھیاں رہ جائیں گے، جو کہیں گے: ہم نے اپنے بڑوں سے لاالٰہ الا اللہ سنا ہے، پس ہم اس کو کہتے ہیں۔ صلہ نامی ایک طالب علم نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا: جب وہ نماز، روزہ، حج، اور صدقہ نہیں جانتے، تو لاالٰہ الا اللہ سے ان کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ حضرت حذیفہ نے اس کی بات ان سنی کر دی، اس نے تین مرتبہ یہ بات پوچھی، ہر مرتبہ حضرت حذیفہ اس سے اعراض کرتے رہے، پھر تیسری مرتبہ میں اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یا صلۃ! تنجیھم من النار. حضرت حذیفہؓ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ یعنی ایسا کلمہ پڑھنا بھی ان کو دوزخ سے نجات دے گا۔ یہی وہ آخری درجہ کا ایمان ہے، یہ لوگ بھی اللہ کے فضل وکرم سے جہنم سے نکالے جائیں گے (اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاکم نے اس کو مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه، واقره الذهبي. المستدرک ۵۴۵ ج: ۴. [دار المعرفة بيروت] (پالن پوری)

(۴) عن حذيفة بن اليمان، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يدرس الاسلام كما يدرس وشي الثوب، حتى لايدرى ما صيام ولا صلوة ولا نسك ولا صدقة وليسرى على كتاب الله عزوجل في ليلة فلايبقى في الارض منه آية، وتبقى طوائف من الناس الشيخ الكبير والعجوز، يقولون ادركنا آباءنا على هذه الكلمة لااله الا الله فنحن نقولها. فقال له صلة ما يغني عنهم لااله الا الله وهم لايدرون ما صلوة ولاصيام ولانسك ولاصدقة. فاعرض عنه حذيفة ثم ردها عليه ثلاثا، كل ذالك يعرض عنه حذيفة، ثم اقبل عليه الثالثة: ياصلة تنجيهم من النار ثلاثاً. ابن ماجه ص ۳۰۳ ج ۲ باب ذهاب القرآن والعلم (مطبع فاروقی. دهلی بلاسنه) سنن ابن ماجه بتحقيق، علامه شعيب الارنؤوط. ومحمد كامل قره بلالي. رقم الحديث: ۴۰۴۹. ص: ۱۷۳، ج: ۵. [شركت الرسالة العالمية. دمشق. ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء] [نور]

(۱) اصل مآخذ میں صرف مذکورہ جواب درج ہے، سوال یا سائل کے خط کی نقل شامل نہیں۔ (نور)

بعض، ایسا امر کرنا خلاف فہم سلیم کے ہے۔ بہر حال دین کو مشتبہ امر سے حاصل کرنا ممنوع ہے، خود حدیث ہے کہ برا آدمی ہے جو حاصل کرے دین مشتبہات (۱) سے، لہٰذا ایسے امور سے اجتناب لازم ہے۔ فقط والسلام جو حق تھا عرض کردیا، اگر خلاف طبع ہو تو معذور رکھیں۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۰۳)

(۱۸) یاس کی توبہ مقبول ہے ایمان مقبول نہیں:

سوال: توبہ یاس کی قبول ہے، یا نہیں؟ قرآن شریف میں ہے: وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ، قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْئٰنَ. (۲) تو اس آیت شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توبۂ یاس قبول نہیں ہے، اور نسخہ مالابد مسائل متفرقہ میں تحریر ہے کہ:

توبۂ یاس اصح آنست کہ مقبول است۔ ترجمہ: توبۂ یاس صحیح یہ ہے کہ مقبول ہے۔ (۳)

اور حاشیہ پر بحوالہ درمختار لکھا ہے کہ: توبۂ یاس مقبول است لقولہ تعالیٰ: وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّئَاتِ. (۴)

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ توبۂ یاس مقبول ہے، تو اس میں بڑا اختلاف واقع ہوا۔ تو فرمائیے کس پر عمل کیا جاوے۔ ارقام فرماویں۔

---

(۱) طبرانی میں ضعیف سند سے مروی ہے، بئس العبد عبد يستحل المحارم بالشبهات (مجمع الزوائد ۱۰: ۲۳۴) اس کا ترجمہ وہی ہے جو حضرت نے کیا ہے۔ اور اوپر ایک لفظ ''اعمال'' آیا ہے اس کے معنی ہیں معمول بہ، یعنی قرون ثلاثہ میں اس پر عمل شروع ہو گیا تھا۔ (پالن پوری)

(۲) ترجمہ: اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام، یہاں تک کہ جب سامنے آجائے ان میں سے کسی کے موت، تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب۔ (سورۂ نساء، آیت: ۱۸۔ ترجمہ شیخ الہند)

(۳) مالابد منہ، تالیف مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی، بتصحیح از نسخہ مؤلف وحواشی محققانہ از مولانا محب اللہ پانی پتی وغیرہ علماء۔ ص ۱۵۲۔ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۴۶ھ) [نور]

(۴) ترجمہ: اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی اور معاف کرتا ہے برائیاں۔ (سورہ شوریٰ آیت نمبر ۲۵، ترجمہ شیخ الہندؒ) [نور]

سوال مذکور پہلی آیت سورۂ نساء کی آیت: ۱۸ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: اور ایسوں کی توبہ نہیں، جو برے کام کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آجاتی ہے تو وہ کہنے لگتا ہے: کہ میں اب توبہ کرتا ہوں (یعنی اب کیا ہوت ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت) اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ؟ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مایوسی کے وقت کی توبہ مقبول نہیں۔

اور مالابد منہ (ص: ۱۵۲) اور درمختار کی عبارتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مایوسی کے وقت کی توبہ بھی مقبول ہے اور دلیل سورۃ الشوریٰ کی آیت: ۲۵ ہے، جس کا ترجمہ ہے: اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں، اور برائیوں سے درگذر فرماتے ہیں۔ یہ آیت مطلق ہے، ہر حال کی توبہ کی قبولیت پر دلالت کرتی ہے، پس مایوسی کیوقت کی توبہ بھی مقبول ہے۔ پس دونوں آیتوں میں اور دونوں باتوں میں تعارض ہو گیا۔

حضرت رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مایوسی کے وقت کی توبہ تو مقبول ہے، دوسری آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ مگر توبہ سے مراد گناہوں سے توبہ ہے، یعنی پہلے سے مؤمن ہو مگر گناہ گار ہو، پس بوقت یاس ان گناہوں سے توبہ کرے، تو اللہ تعالیٰ وہ برائیاں معاف فرمادیتے ہیں۔

اور مایوسی کے وقت کا ایمان معتبر نہیں، پہلی آیت میں جس توبہ کی نفی کی گئی ہے، اس سے مراد کفر سے توبہ کرنا ہے، فرعون نے ڈوبتے وقت کفر سے توبہ کی تھی، جسے قبول نہیں کیا گیا۔ یعنی جب دونوں توبہ مختلف ہیں، تو دونوں آیتوں میں تعارض نہیں رہا، تعارض کے لئے دونوں کا ایک عنوان کے تحت ایک جیسا ہونا ضروری ہے۔ (پالن پوری)

جواب: توبۂ یاس کی مقبول ہے، مگر ایمان یاس کا مقبول نہیں۔ پس مراد توبہ سے توبہ عن المعاصی ہے اور آیت میں بھی مراد توبہ عن الکفر ہی ہے، پس مخالفت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۹۹-۱۰۰)

(۱۹) تقدیر کا منکر گمراہ ہے: **سوال:** ایک شخص کہتا ہے، کہ اگر زید نے علم پڑھا، یا ہنر سیکھا یا کوئی کام کیا، یا جاہل رہا اور ہنر نہ سیکھا یا کوئی کام نہ کیا، تو یہ سب امور تقدیر سے ہیں، کہ اگر خواستۂ خدا ہوتا تو یہ امور ہوتے، ورنہ نہ ہوتے، اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں، ان میں تقدیر کا کیا تعلق ہے؟ یہ کام کرنے نہ کرنے پر منحصر ہیں، جیسا کرے ویسا ہو، اور وہ کہتا ہے کہ نہیں! اگر اللہ تعالیٰ ہی اس کی ہمت ادھر نہ لگاوے، تو کیسے کر سکتا ہے؟ ان میں کونسا حق پر ہے اور کون سا نہیں؟

جواب: بدون تقدیر کچھ نہیں ہوتا، تقدیر کا منکر ضال ہے۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص ۳۱)

(۲۰) علماء اور دینی کتابوں کی توہین کرنے والا فاسق و بددین ہے: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ بعض آدمی اس قسم کے ہوویں، کہ اہل اسلام کے سامنے دعویٰ کریں کہ ہم مسلمان ہیں، اور اہل سنت والجماعت اور مذہب ہمارا حنفی ہے، اور یہی اقرار کچہریوں میں ہووے۔ لیکن لامذہبوں میں لامذہب پکے ہوویں، (۱) ذریات کو خفیہ خفیہ ایسے مسئلے تعلیم کریں، جس میں گمراہی پائی جاوے، اور چاروں اماموں اور عقائد کی کتابوں کی در پردہ حقارت پائی جاوے، اور اس عقیدہ کے نشان نہ ہیں۔ کوئی لامذہب ایک مولوی اہل سنت والجماعت کو، فریب دھوکا دیکر شہر کے باہر لے جاکر مار پٹوادیں، اور اس کا مال لٹوادیں، اور ایسے مولوی ہوویں، کہ جس کی شہرت دہ بدہ قصبہ بقصبہ شہر بشہر ہووے، اور ہزاروں نمازی بے نمازی ہوجاویں۔ پس ایسے لامذہبوں کے حق میں کیا حکم ہے، شرع شریف میں؟

اور عداوت اس کو یہ ہو کہ ایک فتویٰ تقلید کی بابت لکھا گیا، اور اس کی عداوت حدیث سے ہے، دنیا سے نہیں ہے۔ اور ان کے مددگاروں کے واسطے کیا حکم ہے؟ گناہ کبیرہ ہوا یا صغیرہ! اور ان کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں، اور ان کی عورت پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس کا جواب تحریر فرما کر کہ دین اسلام کی حقارت ہوئی یا نہیں، ثواب عظیم حاصل کریں۔ **بینوا توجروا۔**

جواب: جو شخص کہ بظاہر اپنے آپ کو سنی اور حنفی کہے اور عوام کو گمراہ کرے، اور ائمہ مجتہدین اور کتب فقہ کی حقارت کرے، اگرچہ کیسا ہی ہو، کوئی ہو، ضال مضل، گمراہ، بددین، فاسق فاجر، عدو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر اس کو بوجہ اہانت کتب شریعت کے کافر کہا جائے، تو بھی بجا ہے۔ کیوں کہ بغض و اہانت کتب شرع کی اور علماء کی کفر ہے، قال القاری:

(۱) یہاں لامذہب سے مراد غیر مقلد ہیں۔ (نور)

وفی الخلاصة: من أبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر(۱)

جو شخص کسی عالم سے کسی ظاہری وجہ کے بغیر بغض رکھے، اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ [نور]

اور حدیث میں خود سبِّ مسلم کو حرام اور فسق فرمایا ہے، چہ جائے کہ ائمۂ دین:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: سبابُ المسلم فسوق، وقتاله کفر الحدیث (۲)

اور جو شخص تائید ایسے شخص کی کرے وہ بھی ایسا ہی ہے، کہ مؤید عصیان کا عاصی ہوتا ہے، بحکم شارع علیه السلام۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس ایسے لوگوں سے ملاقات ترک کرے اور امام نہ بنائے کہ ہم کو حکم اہانت فساق کا ہے، نہ تعظیم فساق کا۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ٥ (مائدة-۸۱)

اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو نبی پر اترا تو کافروں کو دوست نہ بناتے۔ لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۹۷-۱۹۸)

(۲۱) کسی مسلمان کو بلا کسی وجہ کے کافر کہنا؟

سوال: زید عمر بکر اہل سنت وجماعت، خالد کے پاس دعوت کھانے کے واسطے گئے، خالد نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ فلاں فلاں شخص بھی آئے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ وہ تو نہیں آئے، [کہا] کہ تم سب کافر ہو گئے، حالانکہ ان کے اہل سنت وجماعت ہونے کا علم خالد کو ہے۔

جواب: جو شخص بلا وجہ کسی کو کافر کہے وہ فاسق ہے، اور وبال اس کے کفر کی نسبت کا اس پر عائد ہوتا ہے، بخاری نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:

---

(۱) شرح فقہ اکبر، علامہ ملا علی قاری۔ فصل فی العلم والعلماء: ص ۲۱۰ (مطبع حنفی، دہلی: ۱۲۶۹ھ) [نور]

(۲) الحدیث متفق علیه: رواہ البخاری فی کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۴۸، صحیح بخاری ص: ۱۲ [مطابق اصح المطابع دهلی] ومسلم فی کتاب الایمان ج: ۱ ص: ۵۸ رقم الحدیث: ۱۱۲، باب سباب المؤمن فسوق وقتاله کفر، نظر ابو قتیبہ نظر محمد الفاریابی [دار طیبہ ۱۴۲۷ھ] مسلم شریف باب مذکور ج: ۱ ص: ۵۸ [مجتبائی دهلی: ۱۳۱۹ھ] عن عبد اللہ بن مسعود [نیز دیکھئے مشکوۃ، باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم ص ۴۱۱] [نقل اصح المطابع رشیدیہ دهلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ شریف ج: ۳ ص: ۱۳۵۷ حدیث: ۴۸۱۴ [ت: رمضان بن احمد بن علی آل عوف ۱۴۲۳ھ] [نور]

ترجمہ: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا یعنی لڑنا اور جنگ کرنا کفر ہے۔ [پالن پوری]

من دعا رجلاً بالکفر او قال عدوّ اللّٰہ ولیس کذلک إلّا حار علیہ الحدیث(۱)
اگر کوئی کسی کو کافر کہے یا اللہ کا دشمن کہے اور حقیقۃً وہ ایسا نہ ہو تو یہ گالی خود کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گی۔ [ت نور]

اور دوسری حدیث بخاری کی ہے، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

سبابُ المسلم فسوقٌ. الحدیث (۲)
مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

پس ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوگیا، کہ جو کوئی کسی مسلمان کو بُرا کہے وہ فاسق ہے، اور اگر کافر کہے تو وہ اس قائل پر لوٹ آتا ہے، پس بحکم شرع یہ مکفر فاسق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مجموعہ کلاں ص:۴۰)

(۲۲) دنیاوی معاملات کی وجہ سے، کسی عالم کو برا کہنا؟

سوال: میان عالمے وعامی درامر دنیاوی تکرار شدہ بود، عامی تعدی کردہ گفت، کہ تو عالم نیست، بل خراست وخنزیر است، ودُشنامہائے نالائق از روئے استحقار واستہزا داد، پس دریں صورت عامی مذکور مرتد خواہد شد یا نہ؟ (مجموعہ کلاں ص:۱۵۵)

ترجمۂ سوال: ایک عالم اور ایک عامی کے درمیان، ایک دنیاوی معاملہ میں کچھ جھگڑا ہوگیا تھا، عامی شخص نے زیادتی کرتے ہوئے کہا، تو عالم نہیں ہے بلکہ گدھا ہے اور سور ہے، اور بری گالیاں حقارت اور استہزاء کے طور پر دیں۔ اس صورت میں یہ عامی، مرتد ہوا یا نہیں؟

جواب: ہر کہ عالم را در امر دنیاوی دُشنام دہد فاسق است، مرتد وکافر نمی گردد۔ ودر احادیث است کہ صحابہ را باہم در امور دنیاوی مخاصمت می شد، ویکے دیگر را بوجہ بشریت سب می کرد، کسے براں حکم کفر نداد۔ علیٰ ہذا حال دیگراں باید شناخت۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص:۱۵۶)

ترجمۂ جواب: جو شخص کہ کسی عالم کو دنیا کے کسی معاملہ میں گالی دے وہ فاسق ہے، مرتد اور کافر نہیں ہوتا۔ احادیث میں ہے کہ حضرات صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں دنیاوی معاملات میں مخالفت ہو جاتی تھی اور بشریت کی وجہ سے (کبھی کبھار) ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ دیتے تھے، مگر کسی نے بھی (معاذ اللہ) ان کے کفر کا حکم نہیں دیا، اسی کے مطابق دوسروں کے حال کو پہچاننا چاہیے۔ واللہ اعلم (ت: نور)

---

(۱) متفق علیہ صحیح بخاری، (ج:۳، جز:۸، ص:۱۳، رقم الحدیث:۶۰۴۴) کتاب الادب باب ماینھی عن السباب. [مکتبۃ الرحمۃ الحدیثہ ۱۴۰۳ھ] نیز بخاری شریف باب مذکور ج:۲ ص:۸۹۳ رقم الحدیث:۵۸۰۹۔ نیز ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم واللعن، الفصل الاول ص:۴۱۱ [نقل اصح المطابع رشیدیہ دہلی:۱۳۷۵ھ] نیز مشکوٰۃ شریف باب مذکور ج:۲ ص:۴۷۷، حدیث:۴۸۱۷، ت: رمضان بن احمد بن علی آل عوف ۱۴۲۳ھ (نور)

(۲) اس کی تخریج ابھی گذری۔ نیز دیکھئے صحیح بخاری کتاب الادب باب ماینھی من السباب واللعن، رقم الحدیث:۶۰۴۴، حوالہ بالا، نیز بخاری شریف کتاب الفتن. باب قول النبی ﷺ لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔ الخ ج:۳ جز:۹ ص:۲۳ رقم الحدیث:۷۰۷۶ [مکتبۃ الرحمۃ الحدیثہ ۱۴۰۳ھ] نیز بخاری شریف باب مذکور ج:۲ ص:۱۰۴۸ رقم:۶۷۴۷۔ (پالن پوری)

(۲۳) نیچریوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ **سوال:** [جو] لوگ عقائد اہل نیچری کہ خلقت افلاک و فرشتگان وغیرہ کے قائل نہیں، ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: قوم نیچری کافر ہیں، کہ منکر قطعیات کے ہیں، ان کی امامت ہرگز درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مہر) (مجموعہ کلاں ص ۲۳۵-۲۳۶)

(۲۴) یزید کو کافر کہنا کیسا ہے؟ **سوال:** یزید کافر ہے یا نہیں اور اس نے بہن کا بھائی سے نکاح [کیا]، اور مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے اور خانہ کعبہ کا جھول [غلاف] پھونکا اور شراب خواری پھیلائی کی ہے، یا نہیں؟ اور اسی طرح سب قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کافر ہیں، یا فاسق؟

جواب: یزید کو کافر کہنا نہیں چاہئے، اور یہ افعال اس نے اگر کئے تو فاسق ہوا، اور یہ کہ اس کو وہ حلال جانتا تھا کس طرح ثابت ہو، دل کی بات ہے۔ اب مسلمان زنا کرتے ہیں، ان کو کافر نہیں کہہ سکتے، دل کی خبر نہیں، حالانکہ زنا کا مستحل کافر ہے، پھر یزید کی کہاں سے تحقیق کسی کو ہوگئی، علیٰ ہذا قتل حسینؓ فسق ہے، مستحل کافر ہے، اور نیت قاتلین کی معلوم نہیں، پس کافر کہنا نہیں چاہئے، زبان کو کفر سے روکنا بہتر ہے، اگرچہ کافر کہنا گناہ بھی نہیں، بسبب ظاہر حال قاتلین کے۔

(بدست خاص، ص ۲۰)

(۲۵) مروان بن الحکم کے متعلق چند سوالات: **سوال:** مروان کافر تھا یا مسلمان؟ اور اس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے سہ فرسنگ نکال دیا تھا یا نہیں، اور بعد نکال دینے کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، اپنی خلافت میں اس کو بلایا یا نہیں، اور اگر بلایا تو کیا وجہ تھی، اور نکالا تھا تو کیا وجہ تھی، یا یہ سب خلاف [غلط؟] ہے؟

جواب: مروان مسلمان تھا، اس کو آپ نے نہیں نکالا، اس کے باپ کو نکالا تھا اور مروان اس وقت صغیر تھا، مگر آخری عمر میں بلانے کی اجازت فرمادی تھی، لہٰذا حضرت عثمان نے بلالیا تھا۔ (۱)

(بدست خاص، ص ۱۹)

---

(۱) قولہ اور مروان اس وقت صغیر تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ اور اصابہ میں حکم بن ابی العاص (مروان کے والد) کے تذکرہ میں ہے، کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم کو مدینہ بلایا، تو لوگوں نے اعتراض کیا، تو حضرت عثمان نے جواب دیا کہ میں نے اس کو مدینہ واپس لانے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تھی اور میں نے اس معاملہ میں سفارش کی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کو واپس لانے کا وعدہ کیا تھا۔ (اصابہ ۱:۳۴۴ ط: السعادۃ مصر ۱۳۲۸ھ) [پالن پوری]

(۲۶) اہل عرب کے جو اقوال خلاف شریعت ہوں، وہ مردود ہیں: سوال: اہل عرب کل مردود و بدعتی ہیں، ان کے فتاویٰ و اقوال ہمارے واسطے سند اور حجت نہیں ہو سکتے۔ فقط

جواب: اہل عرب کا قول و فعل جو خلاف شرع ہو وہ البتہ بدعت و برا ہے، اگرچہ علماء ہی کیوں نہ ہوں، مگر سب عرب کو بدعتی اور برا کہنا زبوں ہے۔ عرب سے محبت کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ بقولہ: احبوا العرب الخ (۱) پس یک لخت سب عرب کو برا کہنا برا ہے۔ ہاں ان کے بدعتی برے ہیں اور ان کا عمل خلاف شرع مردود ہے اور ان کے قول و فعل کی حجت نہیں، حجت دین میں قرآن و حدیث و فقہ کی ہے اور بس۔ الحاصل! یہ جو لکھا گیا عقیدہ اہل سنت کا ہے، اس کے موافق جو کہے وہ متبع سنت ہے، اس سے ملنا اور اس کا وعظ سننا لازم ہے اور جو خلاف اس کے کہے، وہ قابل التفات نہیں۔ اور قلیل فرق کہ مآل دونوں کلام کا ایک ہی ہو جائے، وہ فرق نہیں ہوتا، اور افراط و تفریط خوب نہیں، دین میں میانہ روی موافق حدیث کے لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی۔ فقط (چندیانوی ۸۸،۹۲)

....

....

---

(۱) احبوا العرب لثلاث: لأنی عربیّ والقرآن عربيّ، وكلام أهل الجنّة عربيّ یعنی عربوں سے تین وجہ سے محبت کرو۔ پہلی وجہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں، دوسری وجہ: قرآن پاک عربی میں ہے، تیسری وجہ: جنتیوں کی زبان عربی ہوگی یہ حدیث حاکم نے متعدد سندوں سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے (۴/۸۷) ط، دار المعرفۃ بیروت۔ حُبِّ عرب سے متعلق بعض سندوں پر حاکم نے صحیح کا نشان بنایا ہے، لیکن دوسرے بعض محدثین نے اس حدیث کو انتہائی درجہ ضعیف قرار دیا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ حُبِّ عرب سے متعلق احادیث سند کے اعتبار سے چاہے فرداً فرداً ہو کر ضعیف ہوں، مگر مجموعی حیثیت سے حسن ہو کر قابل استدلال ہیں۔

صاحب تنزیہ الشریعہ فرماتے ہیں: فالحدیث ضعیف لاصحیح ولاموضوع. وقال: ان الحدیث أخرجه من هذا الطریق البیهقی فی الشعب والحاکم فی المستدرک [ص:۸۷ ج:۴] وصححه وله شاهد من حدیث ابی هریرة: انا عربی والقرآن عربی ولسان اهل الجنة عربی أخرجه الطبرانی فی الاوسط، وفیه الشبل بن العلاء بن عبدالرحمن له مناکیر، وقال الحافظ العراقی محجة القرب حدیث ابی هریرة أصح من حدیث ابن عباس، وشبل بن العلاء احتج به ابن حبان فی صحیحه. تنزیه الشریعة المرفوعة ص: ۳۰، ۳۱ ج:۲ [دار الکتب العلمیة بیروت: ۱۴۰۱ھ] [نور]

وقد وردت اخبار کثیرة فی حب العرب، یصیر الحدیث بمجموعها حسنا - کشف الخفاء ومزیل الالباس - للعجلونی (۱/۵۴) دار احیاء التراث العربی، بیروت: ۱۴۰۱ھ.] اس کی نہایت مفصل و محقق جامع بحث کے لئے دیکھئے: نوادر الفقہ [مجموعہ افادات و مکتوبات حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب دام ظلہ العالی] مرتبہ مولانا محمد زید مظاہری ص: ۴۳۳ و مابعد (لکھنؤ: ۱۴۳۱ھ)

شیعیت

(۲۷) ہندوستان کے شیعوں کا کافر ہونا راجح ہے: **سوال:** رافضی یعنی شیعہ کافر ہیں، یا فاسق؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، راجح بندہ کے نزدیک، کفر یہاں کے روافض کا ہے۔

(مجموعہ کلاں ص ۳۰)

نوٹ: شیعوں کے کفر ایک اور نسبةً مفصل اور واضح فتوی، ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ (نور)

(۲۸) فضیلت شیخین کا منکر رافضی ہے: **سوال:** چہ می فرمایند علمائے دین، درحق مردے کہ خود را شمول باہل سنت وجماعت سازد، وبرخلاف اہل سنت والجماعت درعقیدہ خود، فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ براصحاب ثلثہ اَئی حضرت صدیق اکبر وعمر فاروق وعثمان غنی، رضی اللہ عنہم اجمعین داند، وگوید کہ ایں ہر سہ اصحاب از زمرۂ ولایت واہل بیت خارج اند۔ ودر شان حضرت علی رضی اللہ عنہ: "لحمک لحمی و دمک دمی" است۔ وولی وصی نبی خاتم الولایت وزوج بتول بنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ازیں جہت فضیلت حضرت علی مرتضی براو، درجہ اول بہترین صحابہ است۔

ونیز ایں کلام مخالف شرع واجماع امت متوجہ شود، کہ روزے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بخدمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شکایت غصہ وغضب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کردند.........(۱) عتابا فرمود کہ اے فاطمہؓ چہ می گوئی، اگر علی ترا، دراں حالت غیظیت وجلالت طلاق دادندے، مشکل واقع گردیدے۔ پس درحق گوئندہ ایں کلام ومنکر خلافت شیخین عظام، شرعاً چہ حکم است، بیان فرمایند بسند کتاب، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے بارے میں: جو خود کو اہل سنت وجماعت میں شمار کرتا ہے اور اہل سنت والجماعت کے خلاف اپنا عقیدہ، حضرت علیؓ کی اصحاب ثلثہ حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت جانتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ تینوں حضرات زمرۂ ولایت اور اہل بیت سے خارج ہیں۔ حضرت علی کی شان میں "تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے" آیا ہے۔ حضرت علی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی، وصی، خاتم الولایت اور بنت رسولؐ کے شوہر ہیں اس وجہ سے حضرت علیؓ کی ان پر فضیلت ہے، وہ بہترین صحابہ میں اول درجہ پر ہیں۔

نیز شریعت اور اجماع امت کے خلاف یہ بھی کہتا ہے، کہ ایک دن حضرت فاطمہؓ نے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں، حضرت علیؓ کے غصہ اور ناگواری کی شکایت فرمائی۔

---

(۱) یہاں چند کلمات پڑھے نہیں گئے۔ [نور]

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ناپسندیدگی کے ساتھ فرمایا: اے فاطمہؓ! کیا کہتی ہو، اگر علیؓ نے تمہیں اس غصہ کی حالت میں طلاق دیدی، تو مشکل پڑ جائے گی۔ پس اس کلام کے کہنے والے اور منکر خلافت شیخینؓ عظام کے متعلق، شرعاً کیا حکم ہے۔ بیان فرمائیں، کتاب کے حوالے کے ساتھ (ت۔نور)

جواب: کسے چنیں عقیدہ فاسد دارد، رافضی است، اگر دعویٰ شمول اہل سنت کند۔ چرا کہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما متفق علیہ جمہور ائمہ اہل سنت است، کہ کسے معتبرے را دراں خلاف نیست، وہمچناں افضلیت عثمان رضی اللہ عنہ متفق علیہ جمہور ائمہ واہل سنت است۔ نووی در شرح مسلم گوید:

اتفق أهل السنة على أنّ أفضلهم أبوبكر ثمّ عمر. قال جمهورهم ثم عثمان ثم علي، وقال ابو منصور البغدادي: أصحابنا مُجمعون على أنّ أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور (انتهى)(۱)

(ترجمہ) جواب: جو شخص ایسا فاسد عقیدہ رکھے وہ رافضی ہے، اگرچہ اہل سنت میں شامل ہونے کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ تفضیل شیخینؓ تمام ائمہ اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ ہے، ایسا کہ کسی بھی معتبر عالم کو اس سے اختلاف نہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ حضرات صحابہ میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر (رضی اللہ عنہم) اور ابو منصور بغدادی نے فرمایا: ہمارے اصحاب اسی پر متفق ہیں، کہ چاروں خلفائے راشدین کی فضیلت، ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے۔

ودر فقہ اکبر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ، می فرمایند:

أفضل النّاس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلّم، أبوبكر الصديق ثمّ عمر بن الخطاب ثمّ عثمان بن عفّان ثمّ علي بن ابي طالب رضي الله عنهم اجمعين(۲) انتهىٰ

ترجمہ: اور فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر بن الخطاب، پھر عثمان بن عفان، پھر علی بن ابی طالب، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۱) نووی شرح مسلم ص ۲۷۲ جلد ثانی (باب فضائل الصحابۃ) بحذف واختصار (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۹ھ) (نور)

(۲) فقہ اکبر مع شرح ملا علی قاری، ص ۷۶-۷۷ مطبوعہ مطبع حنفی دہلی ۱۳۰۹ھ۔ نیز شرح فقہ اکبر از احمد بن محمد مغنیساوی، ص ۲۵۔ نیز شرح فقہ اکبر ابو منصور محمد بن محمد بن محمود السمرقندی ص ۱۳۶۔ (مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ حیدرآباد ۱۳۲۱ھ) (نور)

وہمچنیں در شرح عقائد و شرح مقاصد و جملہ کتب مذکور است، و مراد از فضیلت کثرت ثواب و تقرب الی اللہ تعالیٰ است، و ہمیں را درجہ ولایت می گویند: المراد بالأفضلية كثرة الثواب. انتهى (۱)

ترجمہ: اسی طرح شرح عقائد میں اور شرح مقاصد وغیرہ سب کتابوں میں مذکور ہے، اور افضلیت سے مراد کثرت ثواب اور حق تعالیٰ کے یہاں تقرب اور مرتبہ ہے اور اسی کو ولایت کہتے ہیں۔

پس خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم در زمرۂ ولایت و تقرب داخل اند، و از حضرت امیر رضی اللہ عنہ سابق اند، ہر کہ آں حضرات را از زمرۂ ولایت خارج داند، قطعاً شیعی و رافضی است۔ و از معنی ولایت........ ولحمک لحمی کہ روافض دلیل رفضیت تراشیدہ اند، از جہل ایشاں است۔ اگر ایں معنی مراد دارند کہ لحم و دم، حضرت امیر رضی اللہ عنہ ہمون لحم و دم فخر عالم علیہ السلام است، کہ وحدت ثابت گردد، پس ایں عین حماقت آں فرقۂ ضالہ است۔ اگر علی رضی اللہ عنہ چو پیغمبر علیہ السلام واحد بودند، چگونہ با فاطمہ رضی اللہ عنہا نکاح علی رضی اللہ عنہ درست شود، کہ ہمچناں کہ آں پاک دیں، دختر پیغمبر علیہ السلام، دختر علی رضی اللہ عنہم خواہد گشت۔ و اگر مراد مجاز ایں باشد، کہ مایان از یک حد در نسب شریک ہستند، پس ازیں چہ فضیلت می خیزد، دریں معنی عباس رضی اللہ عنہ و صد ہا ابرار داخل اند، و ایں فضل جزوی است کہ کسے را ازیں کار نیست، و کلام در تقرب الٰہی و کثرت ثواب است، و علیٰ ہٰذا زوج فاطمہ بودن را باید فہمید، و وصی بودن حضرت ایشاں خود عقیدۂ روافض است، کہ ہیچ حجت بر ثبوت آں نیست۔ عقیدہ وصایا ہم خلاف سنت [و] جماعت است۔

و آں چہ روایت طلاق فاطمہ رضی اللہ عنہا از جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ، کذب است صریح و افتراء قبیح (لعنة الله على واضعه) کہ روافض وضع کردہ اند، و بنا آں بر ہمون وحدت جناب فخر عالم علیہ السلام بحضرت علی رضی اللہ عنہ ہست، و جوابش شنیدی! ورنہ کدام عاقل چنیں کلام بے ہودہ می تواں گفت، کہ زوجہ کسے را دیگرے طلاق دہد، (۲) کہ خلاف عقل و فہم است، و ہیچ کتاب اہل سنت ایں کلام حماقت را نقل نکردہ۔

ترجمہ: افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے، پس تینوں خلفائے رضی اللہ تعالیٰ عنہم زمرۂ ولایت و تقرب میں داخل ہیں اور حضرت امیر (علی کرم اللہ وجہہ) سے بڑھے ہوئے ہیں، جو شخص بھی ان حضرات کو زمرۂ ولایت

(۱) اصل تحریر میں اسی طرح لکھا ہے جو تفتازانی کی عبارت کا حاصل ہے، مکمل اقتباس یہ ہے: والسلف كانوا متوقفين في تفضيل عثمان، حيث جعلوا من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الختنين، والانصاف انه ان اريد بالافضلية كثرة الثواب! فللتوقف جهة وان اريد كثرة ما يعده ذوو العقول من الفضائل فلا انتهى. شرح عقائد تفتازانی ص ۱۰۸۔ (مطبوعہ مطبع قیومیہ کانپور: ۱۳۴۷ھ) [نور]

(۲) اصل میں اسی طرح ہے اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ [نور]

ے باہر سمجھے قطعاً شیعی اور رافضی ہے، اور معنی ولایت لحمک لحمی جس سے کہ رافضیوں نے رافضیت کی دلیل تراشی ہے، یہ ان کے جہل کی وجہ سے ہے۔

اگر وہ یہ معنی سمجھتے ہیں کہ حضرت امیرؓ کا خون اور گوشت، بعینہٖ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحم اور گوشت ہے، جس سے کہ کامل وحدت ثابت ہوجائے، پس یہ اس فرقہ کی عین گمراہی ہے۔ اگر علیؓ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ جسد واحد کی طرح تھے، تو حضرت فاطمہؓ کا، علی مرتضیٰؓ سے نکاح کس طرح صحیح ہوگا، اس لئے کہ وہ پاک دین (جگر گوشہ رسول علیہ السلام) دختر پیغمبر علیہ السلام، علی کی بیٹی ہوجائیں گی، اور اگر اس سے مجازاً یہ مراد ہو کہ ہم (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ) ایک حد تک نسب میں شریک ہیں، تو اس سے کیا فضیلت لازم آئی ہے، اس طریقے سے اس فضیلت میں حضرت عباسؓ اور سینکڑوں کاملین داخل ہیں، اور یہ فضیلت جزوی ہے جس سے کسی کو کچھ لینا دینا نہیں۔ گفتگو تقرب دربار الٰہی اور کثرت ثواب میں ہے، اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ کا شوہر ہونے کی بات کو سمجھنا چاہئے اور حضرت کا وصی ہونا، یہ بھی رافضیوں کا عقیدہ ہے، جس کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے، وصیت کا عقیدہ بھی اہل سنت وجماعت کے خلاف ہے۔

اور جو حضرت علیؓ فاطمہؓ کو طلاق دینے کے متعلق روایت نقل کرتے ہیں، وہ کھلا جھوٹ اور ناپاک الزام ہے (اللہ تعالیٰ اس گھڑنے والے پر لعنت فرمائے!) اس کو شیعوں نے گھڑا ہے، اور اس کی بنیاد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی سے یکسانیت اور ایک ذات ہونے پر ہے، اور اس کا جواب تم سن چکے، ورنہ کون ذی ہوش ایسی احمقانہ بات کرے گا، کہ کسی شخص کی بیوی کو دوسرا طلاق دے، جو عقل اور سمجھ کے خلاف ہے، اہل سنت کی کسی کتاب نے اس بیوقوفی کی بات کو نقل نہیں کیا۔

الحاصل ایں شخص کہ چنیں عقائد دارد لاریب رافضی است وفاسق، .... ہرگز ہرگز اہل سنت والجماعت نیست، آں چہ عقیدہ اہل سنت علماء واہل طریقت اولیاء دارند ومرتبہ ولایت وتقرب الی اللہ، خلفاء ثلثہ را افضل واقدم دانند وبس۔ واللہ اعلم

رشید احمد گنگوہی۔

(مجموعہ کلاں۔ ص ۲۲۱)

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص جو ایسا عقیدہ رکھتا ہے شیعہ ہے، ہرگز ہرگز اہل سنت نہیں ہے۔ جو کچھ عقیدہ اہل سنت علماء اور اہل طریقت اولیاء اللہ رکھتے ہیں، وہ تینوں خلفائے راشدین کو، ولایت اور تقرب الٰہی میں افضل اور سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اور بس۔

[ت۔ نور]

(۲۹) حضرات شیخینؓ کی حضرت علیؓ پر فضیلت، قطعی ہے یا ظنی؟

سوال: شخصے تفضیل شیخین راظنی می انگارد، مثل صاحب مواقف وشرح مواقف، وملا سعد الدین تفتازانی وشیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ایں اکابر وآں شخص قائل ظنیت، در عداد روافض وتفضیلی شامل ہستند یا نہ، وشخصے کہ ایشاں راشیعہ تفضیلیہ گوید، وے راحکم چیست؟

ترجمہ: ایک شخص حضرات شیخینؓ کی حضرت علیؓ پر فضیلت کو جزوی سمجھتا ہے، جیسے مواقف اور شرح مواقف کے مصنف اور شرح مواقف کے مصنف اور ملا سعد الدین تفتازانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی، یہ بزرگ اور وہ شخص جو ظنی ہونے کا قائل ہے، رافضیوں کی جماعت میں شامل ہیں یا نہیں اور جو شخص ان کو شیعہ تفضیلیہ کہتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟ [ت: نور]

جواب: افضلیت حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی حضرت امیر المومنین پر قطعی ہے، **علی التحقیق!** شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ:

مسئلہ افضلیت شیخین در ملت اسلام قطعی است، وانیجا قطع حاصل شود بدو وجہ، یکے تعدد طرق حدیث، تا آں کہ اصل مسئلہ متواتر بالمعنی شود، مانند سخاوت حاتم وشجاعت رستم، دیگر حفوف قرائن، زیرا کہ خبر واحد بسبب حفوف قرائن بسر حد یقین می رسد، الخ۔ (۱)

ترجمہ: حضرات شیخین (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے افضل امت ہونے کا مسئلہ، مذہب اسلام میں قطعی ہے اور یہاں دو وجہ سے قطعیت حاصل ہوئی ہے، ایک حدیث شریف کے تعدد طرق سے، جس کے نتیجہ میں اصل مسئلہ (افضلیت شیخینؓ) متواتر بالمعنی ہو جائے گا۔ جیسے حاتم کی سخاوت اور رستم کی بہادری۔ دوسرے اس حدیث کا تمام قرائن کا جامع ہونا ہے، اس لئے کہ خبر واحد محتف بالقرائن یقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ (ت: نور)

مگر تاہم جو شخص اس تفضیلیت کو ظنی کہے، اس کو شیعہ اور تفضیلی کہنا نہیں چاہتا، کیوں کہ بعض علماء نے اس کو ظنی بھی کہا ہے۔ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

اختلف العلماء فی أنَّ التفضيل المذكور قطعيٌّ أم لا؟ و ممَّن قال بالقطع، أبو الحسن الأشعرى، قال: وهم في الفضل على ترتيبهم في الإمامة، و ممَّن قال بأنَّه اجتهاديٌّ ظنيٌّ، أبوبكر الباقلانی۔ (۲)

(۱) ازالۃ الخفاء (مسلک دوم نکتہ اولی) ص ۳۰۱۔ ج (عکس طبع اول مطبع صدیقی بریلی۔ سہیل اکیڈمی لاہور: ۱۳۹۶ھ) (نور)

(۲) نووی شرح مسلم ملخصاً باب فضائل الصحابۃ ص ۲۷۲ جلد ۲ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) وکذا قال الامام قاضی عیاض فی اکمال المعلم ۳۸۰-۳۷۹/۷، ط: دار الوفاء القاہرۃ، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء۔ [نور]

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ (خلفائے ثلاثہ کی) افضلیت جو مذکور ہے وہ قطعی ہے یا نہیں؟ جس نے اس کو قطعی کہا وہ ابوالحسن اشعری ہیں۔ ان کا قول ہے کہ یہ حضرات فضیلت میں اسی ترتیب پر ہیں، جس ترتیب پر امامت (امامت کبری یعنی خلافت) میں ہیں، اور جنہوں نے اس فضیلت کو ظنی کہا وہ ابوبکر باقلانی ہیں۔ (ت۔نور)

اور صاحب مواقف اور سعد الدین تفتازانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے، جو باتباع ان کے ظنی لکھا ہے، تو ان کا قول قابل التفات نہیں، کہ یہ لوگ ائمہ معتبرین میں سے نہیں ہیں، ناقل ہیں، اور بمقابلۂ ائمہ معتبرین، مثلاً شیخ اشعری، قول ان کا قابل تعویل نہیں۔ لیکن ان بزرگوں کو مع ہذا، تفضیلی کہنا بھی زیبا نہیں، کہ آخر مسئلہ خلافی ہوگیا ہے، اگرچہ قول ظنیت بلحاظ کثرت احادیث واجماع محققین، بہ پایۂ اعتبار ہی نہ ہو۔ فقط (مجموعۂ کلاں ص ۹-۱۰)

(۳۰) کمالاتِ ولایت کی وجہ سے، حضرت علیؓ کی افضلیت کا درجہ؟

سوال: شخصے باوجود تفضیل شیخین، باعتبار کثرت ثواب وظہور کمالاتِ نبوت، حضرت علی رضی اللہ عنہ در مقام ولایت ترجیح می دہد، وغالب می داند۔ چنانچہ شیخ مجدد الف ثانی صاحب، در مکتوب دوصد و پنجاہ و یکم می فرمایند کہ:

”حضرت صدیق وحضرت فاروق رضی اللہ عنہما، باوجود حصول کمالات محمدی ووصول بدرجات ولایت مصطفوی، علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام، درمیان انبیاء ماتقدم، در طرف ولایت، مناسبت بحضرت ابراہیم صلوٰات اللہ تعالیٰ تسلیماتہ علی نبینا وعلیہ دارند، ودر طرف دعوت کہ مناسب مقام نبوت است، مناسبت بحضرت موسیٰ صلوٰات اللہ سبحانہ تعالیٰ تسلیماتہ علی نبینا وعلیہ، وحضرت ذی النورین [رضی اللہ عنہ] در ہر دو طرف، مناسبت بحضرت نوح دارند صلوٰات اللہ تعالیٰ تسلیماتہ علی نبینا وعلیہ، وحضرت علی رضی اللہ عنہ در ہر دو طرف، مناسبت بحضرت عیسیٰ سبحانہ صلوٰات اللہ تعالیٰ تسلیماتہ علی نبینا وعلیہ، وچوں حضرت عیسیٰ روح اللہ است، وکلمۂ او، لاجرم طرف ولایت در ایشاں غالب است، از جانب نبوت و در حضرت امیر نیز بواسطۂ آں مناسبت طرف ولایت غالب است۔“(۱)

ترجمہ: حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کمالات محمدی کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات پر فائز ہونے کے باوجود، گذشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ولایت کی جانب، حضرت ابراہیم صلوٰات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے

(۱) مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب دوصد و پنجاہ و یکم ص ۳۶۹ ج ۱ (مطبع احمدی، شاہدرہ دہلی: ۱۲۸۸ھ) نیز نسخہ مرتبہ مولانا نور احمد صاحب امرتسری۔ ص۔ حصہ چہارم [نقل طبع امرتسر۔ مکتبہ القدس، کوئٹہ]

ہیں اور دعوت کی جانب جو کہ مقام نبوت کے مناسب ہے، حضرت موسیٰ صلوات اللہ سبحانہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف (ولایت ودعوت) کے لحاظ سے، حضرت نوح صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف (ولایت ودعوت) میں حضرت عیسیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں، اس لئے لازمی طور پر نبوت کی جانب، بہ نسبت ولایت کی جانب کے ان میں غالب ہے، اور حضرت امیر میں بھی اسی مناسبت کی وجہ سے ولایت کی جہت غالب ہے۔ (۱)

ونیز دریں مکتوب فرمودہ اند:

"اے برادر! حضرت امیر، چونکہ حامل بار ولایت محمدی اند علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ! تربیت مقام اقطاب وابدال واوتاد کہ از اولیاء عزلت اند، وجانب کمالات ولایت در ایشاں غالب است، مفوض بامداد واعانت آں حضرت است۔ بر قطب الاقطاب کہ قطب مدار است، زیر قدم او است، قطب مدار بہ حمایت ورعایت او مہم خود را سر انجام می نماید، واز عہدہ مداریت می بر آید۔ حضرت فاطمہ وامامین نیز دریں مقام با حضرت امیر رضی اللہ عنہم شریک اند، انتہی" (۲)

ترجمہ: اے بھائی! چونکہ حضرت امیر (علی) بار ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے حامل ہیں، اس لئے اقطاب، ابدال اور اوتاد کے مقام کی تربیت، جو اولیاء عزلت میں سے ہیں اور کمالات ولایت کی جانب، ان میں غالب ہے۔ ان کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اعانت وامداد کے سپرد ہے۔ قطب الاقطاب، یعنی قطب مدار کا سر حضرت امیر کے زیر قدم ہے، قطب مدار، انہی کی حمایت اور رعایت سے اپنی مہم سر انجام دیتا ہے اور مداریت سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ اور امامین (حضرات حسنؓ وحسینؓ) بھی اس مقام میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شریک ہیں۔ (۳)

ونیز قاضی ثناء اللہ صاحب در تفسیر مظہری ارشاد می فرمایند، بحوالہ شیخ مجدد صاحب تحت آیت:

---

(۱) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی از مولانا: سید زوار حسین شاہ صاحب، حصہ دوم ص: ۱۸۱۔ دفتر اول مکتوب: ۲۵۱ [ادارہ مجددیہ، کراچی: ۱۹۹۱ء]

(۲) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی۔ مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری ص: ۵۶۔۵۷ حصہ چہارم [عکس نسخہ امرتسر۔ مکتبۃ القدس، کوئٹہ]

(۳) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی از مولانا: سید زوار حسین شاہ صاحب، حصہ دوم ص: ۱۸۱، دفتر اول مکتوب: ۲۵۱۔ [ادارہ مجددیہ، کراچی: ۱۹۹۱ء]

"وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ" [قلت]: أشار النبي صلى الله عليه وسلم إلى أهل البيت، لأنهم أقطاب الإرشاد فى الولايات، أوّلهم على رضى الله عنه ثم أبناؤه إلى الحسن العسكرى، وآخرهم غوث الثقلين محى الدين عبد القادر لجيلى رضى الله عنهم اجمعين. لايصل أحد من الأولين و الآخرين الى درجة الولاية إلا بتوسّطهم. كذا قال المجدد رضى الله عنه. (۱)

ونیز ہمچنیں شاہ عبدالعزیز صاحب در تحفہ اثناعشریہ فرمودہ اند:

ولہذا محققین صوفیاء نوشتہ اند، کہ شیخین حامل کمالات نبوت بودند، وحضرت امیر حامل کمالات ولایت، ولہذا کار انبیاء کہ جہاد با کفار وترویج احکام شریعت، واصلاح امور ملت است، از شیخین رضی اللہ عنہما خوبتر سرانجام یافت، وکار اولیاء از تعلیم طریقت وارشاد باحوال ومقامات سالکین، وتنبیہ بر غوائل نفس وترغیب بزہد در دنیا، از حضرت امیر بیشتر مروی گشت۔

وعقلی است کہ استدلال بر ملکات نفسانیہ، بصدور افعال مختصہ بآں ملکات می تواں کرد، مثلاً اگر شخصے در معرکہ ثبات می کند، ودر مقابلہ اقران وصنعت سیف وسنان کار از پیش می برد، دلیل صریح بر شجاعت نفسانیہ اوست، بلکہ حب وبغض خوف ورجاء، ودیگر امور باطنہ از ہمیں راہ افعال ومعاملات معلوم تواں کرد۔

برہمیں قیاس امتیاز در کمالات باطنیہ شخص، کہ آیا از قسم کمال انبیاء است، یا از جنس کمال اولیاء، بخارجیہ بودن او در یکے ازیں دو کارخانہ عمدہ حاصل می شود۔ (۲)

نظر بریں ایں اکابر واتباع ایشاں را شیعہ وفاسق وتفضیلیہ پنداشتن جائز است یا نہ، وشخصے کہ ایشاں را فاسق گوید، وے را حکم چیست؟ فقط

ترجمہ: اس لئے محقق صوفیاء نے لکھا ہے کہ شیخین [رضی اللہ عنہما] کمالات نبوت کے حامل تھے اور حضرت امیر [علی کرم اللہ وجہہ] کمالات ولایت کے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کے کام، جو جہاد کافروں کے ساتھ اور احکامات شریعت کی تبلیغ وترویج اور ملت کے معاملات کی اصلاح ہے، حضرت شیخین ؓ سے بہت اعلیٰ درجہ میں سرانجام ہوئے، اور اولیاء کا کام تعلیم طریقت وارشاد، سالکین کے حالات ومقامات کے مطابق، نفس کے رذائل اور

(۱) تفسیر مظہری ص ۱۰۳ ج ۲ (مجلس اشاعت العلوم، جید برقی پریس، دہلی، بلاسنہ) در تفسیر آیت آل عمران: ۱۰۱۔ (نور)

(۲) تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم در امامت، ذیل: تمہید کلام وتقریر مرام، تتمہ بحث الامامۃ سے پہلے، ص: ۳۳۹ [مطبع ثمر ہند، لکھنؤ: ۱۲۹۵ھ] (نور)

فریب کاریوں پر اطلاع [اوران کا علاج یہ اور] دنیا سے بے تعلقی کی باتیں، اکثر حضرت امیر [علی کرم اللہ وجہہ] سے روایت ہوئی ہیں۔

اور یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ نفسانی کیفیتوں، صلاحیتوں پر استدلال، ان خاص کیفیتوں کے صادر وظاہر ہونے سے ہی ہوسکتا ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص لڑائی میں ثابت قدم رہے اور اپنے دشمنوں اور مخالفین [کے حملہ اور عناد کی وجہ سے] تلوار اور ڈھال کو استعمال کرے، تو یہ بات صاف طور پر اس کی جسمانی بہادری کی دلیل ہے، بلکہ محبت ونفرت، ڈر اور امید اور دوسرے اندرونی معاملے، اسی طریقہ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

اسی قیاس اور طریقہ سے باطنی کمالات کو پہچانا جاسکتا ہے کہ اس [شخص] کے کمالات باطنی انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا اثر ہیں، یا کمالات اولیاء کی قسم سے ہیں۔ اوران سے صادر ہونے والے دونوں کمالات، ان میں سے کسی ایک طریقہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان بزرگوں اوران کے ماننے والوں پر نظر کرتے ہوئے، شیعوں کو فاسق اور تفضیلی سمجھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور جو شخص کہ ان کو فاسق کہے، اس کا کیا حکم ہے؟ [ت۔نور]

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، باب ولایت میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے، بایں وجہ افضل کہنا کہ اکثر طرق مشائخ وسلاسل اولیاء، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مربوط ہیں، اور ہزار ہا اولیاء حضرت علیؓ سے متوسل اور فیضیاب ہیں، مضائقہ نہیں کہ فضیلت جزئیہ ہے اور فضیلت جزئیہ مخالف فضیلت کلیہ کی نہیں ہوتی، اور یہی معنی ہیں کلام حضرت مجددؒ کے، جو سائل نے نقل کیا۔

کیوں کہ ان حضرات نے مقامات اولیاء کے دو درجہ لکھے ہیں: ایک ولایت صغریٰ، کہ اس کو کمالات اولیاء سے تعبیر فرماتے ہیں اور بمنزلہ مبادی اور زینہ مقصود کے فرماتے ہیں، اور دوسرا درجہ اعلیٰ ومقصود ولایت کبریٰ، کہ اس کو کمالات انبیاء سے تعبیر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ بعض میں کمالات ولایت، کمالات نبوت سے غالب ہوتے ہیں اور بعض میں عکس۔

اس کے بعد کے مکتوب میں لکھتے ہیں، کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) میں جو دو مرتبے ہیں، ان میں کمالات ولایت غالب ہیں، ان کے کمالات نبوت پر۔ لہٰذا حامل بارِ کمالات محمدیہ وہ ہوئے اور اس کی تربیت ان کے سپرد ہوئی، اور شیخین میں ان کے کمالاتِ ولایت سے کمالات نبوت غالب تھے، اس واسطے حاملِ بارِ کمالاتِ نبوت وہ ٹھہرے۔ اور اسی مکتوب میں لکھتے ہیں کہ کمالاتِ ولایت بہ نسبت کمالات نبوت کالمطروح في الطريق ہیں۔ پس اقطاب اور ابدال حضرت علی سے استفاضہ کرتے ہیں، حضرات شیخینؓ سے ان کا علاقہ نہیں، حضرات شیخینؓ اعلیٰ درجہ کی تدبیر فرماتے ہیں، تو یہ فضیلت جزئیہ ہوئی گو اعلیٰ کمال نہیں، مگر اس فضیلت جزئیہ سے حضرت علیؓ شیخینؓ پر افضل نہیں ہوسکتے، نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ولایت حضرت علیؓ کی ولایت شیخینؓ سے غالب ہے، جیسا کہ سائل لکھتا ہے۔

عموم روایات سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ ولایت شیخین ؓ کی ہی، ولایت حضرت علیؓ سے غالب ہے، جیسے کہ کمالات نبوت ان کے حضرت علی سے غالب ہیں، اور بالفرض اگر کہیں کچھ ثبوت بھی ہووے، تاہم فضیلت جزئیہ ہے [جو] کہ قادح نہیں، کیوں کہ مبادی کا غلبہ، مقاصد کے غلبہ کے مقابلہ قابل ترجیح کے نہیں ہوسکتا، اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا، جو سائل سمجھے ہیں۔

الحاصل فضیلت کلیہ کمالات ولایت وکمالات نبوت میں، حضرات شیخین کو حضرت علیؓ پر مجمع علیہ جمہور امت ہے،(۱) پس خلاف اس کے عقیدہ کرنا، شیعہ تفضیلی وخلاف امت کے عقیدہ کے ہے، اور یہ جو مفہوم مکتوب امام ربانی سے ہوا، وہی مقصد قاضی صاحب وشاہ عبدالعزیز صاحب کا ہے۔ فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم و علمہٗ أتم و أحکم.

واناالراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی۔

(مجموعہ کلاں ص ۱۱ تا ۱۴)

(۳۱) حضرت علیؓ کی تدفین سے متعلق ایک معروف روایت کی حقیقت:

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا، اپنے جنازہ کو صندوق میں رکھنے کو فرمانا، اور قبر میں دفن کرنے سے منع کرنا، اور یہ فرمانا کہ اونٹنی پر رکھ دیکھیو جہاں چاہے لے جاوے گی، صحیح ہے یا غلط؟

جواب: یہ قصہ غلط ہے (۲)، بعد انتقال دفن ہوئے۔

(بدست خاص، سوال ۱۹)

(۳۲) حضرات حسنینؓ حضرت امیر معاویہ سے افضل ہیں:

سوال: امامین افضل ہیں، یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہم، یا برابر ہیں درجہ میں؟

جواب: حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ بہت افضل ہیں، حضرت معاویہؓ سے۔

(بدست خاص، سوال ۷۸)

(۳۳) حضرت حسینؓ نے یزید سے بیعت کیوں نہیں کی تھی؟

سوال: جب کہ امامت فاسق کی بھی جائز ہے، تو حضرت حسین نے کس سبب سے، بیعت یزید کی نہیں کی تھی؟

جواب: احتیاط اور تقویٰ سے نہ کی تھی، اگرچہ جائز تھی۔ اپنی قوت پر آپ امام ہونا چاہتے تھے مگر نہ ہوسکا۔ فقط

(مجموعہ بدست خاص، ص ۳۹)

---

(۱) شرح فقہ اکبر میں ہے: "وافضل الناس بعد النبیین ابو بکر الصدیق ثم عمر الفاروق" ص ۱۳۶ شرح ابو منصور محمد بن محمد السمرقندی. عکس نسخہ دائرۃ المعارف حیدرآباد. نیز ملاحظہ ہو "قرۃ العینین" از حضرت شاہ ولی اللہؒ، ص: ۲۰۴ (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۰ھ) [نور]

(۲) علامہ مؤرخ، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ومن قال: انہ حمل علی راحلتہ فذھبت بہ فلایدری این ذھب، فقد اخطا وتکلف مالاعلم لہ بہ، ولایسیغہ عقل ولاشرع (البدایۃ والنہایۃ ۷: ۳۲۹۔ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حضرت علیؓ کے مدفن پر خاصی گفتگو کی ہے۔ مدفن کے متعلق کئی روایتیں نقل کی ہیں مگر مدفن کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر کی نظر میں ان تمام روایات واطلاعات میں شک وشبہ کی گنجائش ہے۔ (ملاحظہ ہو: البدایۃ والنہایۃ ۷: ۳۲۹، ۳۳۰۔ دار الفکر بیروت) [نور]

(۳۴) یزید کی خلافت کے انعقاد اور حضرت حسینؓ کے خروج کی تحقیق:

سوال: بیعت یزید بعد انعقاد خلافت و امارتِ او واجب بود، یا نے؟ والفاظ حدیث: اسمعوا و اطیعوا ولو عبداً حبشیاً، او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم(۱) راچہ مطلب است، از بیعت صحابہ کبار بلا عذر وانکار ظاہر می شود کہ نزد شاں، بیعت فاسق و فاجر ہم بعد انعقاد امارت او واجب بود، دریں صورت انکار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مبنی بر چیست، آیا خطاء اجتہادیست یا عمل بعزیمت! واگر بیعت واجب نبود بل جائز و رخصت، درصورتے کہ در انکار قتل نفس مقصود بود، عمل بریں عزیمت اولیٰ است یا بر خصت، وحضرت امام رضی اللہ عنہ بچہ عمل فرمودند؟

وکسانے کہ بمقابلہ امام حسب حکم امیر، درآمدند مثل عمر بن سعد وغیرہ معذور بودند، یا نے۔ صاحب تقریب، نسبت عمر بن سعد می نویسد: صدوق لكن مقته الناس لكونه أميراً على الجيش الذين قتلوا الحسين(۲)

ازیں عبارت ظاہر می شود کہ مقت از عوام بدیں سبب بود، وایں مقابلہ امام وقتل در دینداری او قادح نگشت، تحقیق آں چیست، یزید را پلید گفتن رواست، یانہ؟

جواب: یزید فاسق [تھا] اور بیعت فاسق کی مکروہ ہے، لہٰذا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزیمت پر عمل کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے رخصت پر، بسبب فتنہ کے عمل کیا۔ حضرت ابن عمرؓ بظن غالب جانتے تھے کہ مقاومت یزید کی نہ ہو سکے گی، رفع فتنہ مستحسن ہے اور حدیث: وإن أُمّر عليكم (۳) اس ہی باب میں وارد ہے اور حضرت حسینؓ کو جزم تھا بسبب تحریرات اہل کوفہ کے، کہ مجھ کو غلبہ ہو جاوے گا اور شوکت ان کے ذہن میں حاصل تھی۔ پس یزید خلیفہ حق نہ ہوا، اس واسطے ابن زبیرؓ نے اپنی [بیعت] جدا لی، پس عمل حضرت حسینؓ کا عمل بعزیمت ہوا، اور قتل جو واقع ہوا، اس کا مظنہ بسبب شوکت کے نہ تھا، اور عزیمت میں تکالیف اور شہادت کا ہونا ہوتا ہے۔ امر بالمعروف ذی سلطان کو کرنا اور جان دینا، اعلیٰ درجہ کی شہادت حدیث میں ارشاد ہوا ہے۔ پس عمر بن سعد کا امیر لشکر یزید ہونا، اگر بتاویل نہ تھا تو موجب تفسیق کا تھا، مگر فسق کو کذوب ہونا لازم نہیں، جیسا مروان کے حال میں گذرا۔

---

(۱) رواه البخاری عن انسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اسمعوا و اطيعوا، و ان استُعمل عليكم عبد حبشى كانّ رأسه زبيبة. كتاب الاحكام، باب السمع والطاعة، رقم الحديث: ۷۱۴۲، [مكتبه رياض الحديثه مكه مكرمه] [نیز دیکھئے مشکوۃ کتاب الامارۃ و القضاء. الفصل الاول ج:۲، ص:۳۱۹ [نقل اصح المطابع رشیدیہ دہلی: ۱۳۷۵ھ] نیز ج:۳ ص:۱۴۰۵ رقم الحديث: ۳۶۶۳][ت: رمضان بن احمد بن آل عوف، مکتبۃ التوبہ بیروت: ۱۴۲۳ھ] (نور)

(۲) مکمل عبارت یہ ہے: عمر بن سعد بن ابی وقاص المدنی نزیل الکوفة صدوق .... تقریب التہذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی. ص ۱۹۰ (مطبع فاروقی، دہلی: ۱۲۹۰ھ) نیز ص: ۲۷۹، [مطبع احمدی دہلی: ۱۲۷۰ھ] [نور]

(۳) رواه مسلم عن أم الحصين، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أمّر عليكم عبد مُجدّع اسود، يقودكم بكتاب الله تعالى فاسمعوا له واطيعوا. (صحيح مسلم كتاب الحج باب استحباب رمى جمرة العقبة يوم النحر راكبا، (۱/ ۵۸۹) رقم ۱۲۹۷، ط: دار طيبة الرياض ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء) [نیز دیکھئے مشکوۃ المصابیح کتاب الامارۃ و القضاء ص ۳۱۹ [نقل اصح المطابع رشیدیہ دہلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ شریف باب مذکور ج ۲ [نقل اصح المطابع رشیدیہ دہلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ شریف باب مذکور ج: ۳ ص: ۱۴۰۵، رقم الحديث ۳۶۶۲ [مکتبہ التوبہ دار ابن حزم بیروت: ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء] [نور]

لہٰذا صدوق ہونا منافی اس فسق خاص کے نہیں، اور جو بتاویل [ہو] تو کچھ خدشہ ہی نہیں، اگر چہ تاویل باطل ہو۔ اور یزید کو لعن کرنا مبنی اس کے آخر حال کی تحقیق پر ہے، جس کو سوء خاتمہ اس کا متحقق ہوگیا، وہ سب کچھ کہتا ہے اور جس کو تأمل ہے اور وہ بھی احوط ہے، وہ کف لسان کرتا ہے۔ علیٰ ہٰذا لفظ پلید وغیرہ کا حکم ہے۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۶۴ تا ۱۶۶)

(۳۵) سبِّ شیخینؓ کفر ہے، تو قاتلان حسینؓ کیوں کافر نہیں؟

سوال: شیخینؓ کو برا کہنے سے جب کفر ہوتا ہو، تو قاتل امام حسین رضی اللہ عنہ نے تو بدرجہ اولیٰ بے حرمتی کی حتی کہ قتل کیا ہے، وہ کیوں کافر نہ ہوئے؟

جواب: جو قتل کرتا ہے، اپنے نفع دنیا کے واسطے براجان کر کرتا ہے، سو فاسق ہے اور سب شیخین جو کرتے ہیں تو شیخین کو کافر جان کر کرتے ہیں، ایسے قطعی مسلمان کا کافر جاننا، کفر ہے۔ اگر قتلِ حسین کو حلال جان کر قتل کیا تھا [تو] وہ بھی کافر ہوں گے، مگر بلا ثبوت کافر کہنا نہیں چاہئے۔ فقط (بدست خاص سوال ۷۶)

(۳۶) حضرت حسینؓ کا سر مبارک کہاں دفن ہے؟

سوال: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک تنہا بقیع میں مدفون ہے، یا جسد اطہر کے ساتھ، کربلا معلّٰی میں؟

جواب: سرِ مبارک مدینہ طیبہ میں ہے اور جسد کربلا میں۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۸)

(۳۷) حضرات حسنینؓ سے منسوب ایک بے حقیقت قصے کا تذکرہ:

سوال: واعظ مرقوم [اس کے حوالہ سے اور بھی کئی سوال ہیں۔ جس میں سے ایک روزہ کے باب میں درج ہے۔ نور] نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما ایام طفولیت میں، بسم اللہ لکھ کر، حضرت رسالت پناہ کے حضور میں لے گئے، اور استفسار کیا کہ نانا جان دونوں میں سے کون سی خوش خط ہے، حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ بیٹا میں کس کو خوشخط بتاؤں اور کس کو بدخط، مجھے تو تم دونوں برابر ہو۔ اگر ایک کو خوشخط بتاؤں گا تو بدخط والا رنجیدہ ہوگا۔ الغرض آپ نے کچھ جواب نہ دیا، پھر دونوں صاحبزادے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا آپ فرمایئے، ان میں سے کون سی اچھی ہے، اور کون سی بری، آپ نے کہا جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا، تو میں کیوں کر بتاؤں۔ غرض اسی طرح بہت سے مقاموں میں گئے، سب نے یہی کہا کہ جب جناب رسالت مآب وصدیق عالی صفات نے نہیں بتایا، تو ہم کیوں کر بتاویں، آخر میں حضرت حسنینؓ اللہ کے پاس گئے اللہ نے بھی وہی جواب دیا اور کہا کہ جب میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے صدیقؓ نے بھی نہیں بتایا تو میں کیوں کر بتاؤں اور چلتے وقت ایک پر سرخ اور ایک پر سبز نشان کر دیا۔

آیا یہ تینوں باتیں صحیح ودرست ہیں، (۱) مفصل تحریر فرمایئے، اور کیا مسئلہ ثانی کی تفسیر میں کسی مفسر نے، یہ تحریر وتفسیر کی

---

(۱) سائل نے اس واعظ کے سوال میں تین باتیں ذکر کی ہیں: اول: وہ عرفہ کے روزے کو منع کرتا ہے۔ دوم: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا" کی تفسیر میں کہتا ہے کہ نصوح ایک شخص تھا اور وہ قصہ بیان کرتا ہے۔ جو ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی کتاب "توبۃ النصوح" میں لکھا ہے۔ سوم: یہ واقعہ جو یہاں مذکور ہے۔ (پالن پوری)

ہے اور کیا تیسری روایت، سنیوں کی کسی معتبر کتاب میں پائی جاتی ہے، یا نہیں؟۔

پھر واعظ مرقوم الصدر، نہ کبھی نماز کی فضیلت بیان کرتا ہے، اور نہ کبھی اس کے ارکان جاہلوں کو سناتا ہے، اور نہ کبھی سود وزنا اور شراب کی حرمت وبرائی وطرح طرح کی وہ خرابیاں، جو ان کی وجہ سے دنیا وآخرت میں پیش آتی ہیں بیان کرتا ہے، بلکہ اس کے عوض میں جنت وحور وقصور وغلمان کا ہمیشہ تذکرہ رہتا ہے، اور یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی بڑی ہے کہ وہ فرماتا ہے کہ اگر تم گناہ نہ کروگے یا نہ کرتے ہو تو میں ایک ایسی قوم کو پیدا کرتا، جو ہمیشہ گناہ کرتی اور میں اسے بخش کر اپنی رحمت دکھلاتا۔

اور جو اس سے فرصت پاتا ہے اور کسی ایسے محلہ ومقام میں جاتا ہے، جہاں رافضی لوگ کثرت سے رہتے ہیں، تو وہاں شہادت بیان کرتا ہے، اور خوب آپ بھی روتا وپیٹتا ہے وماتم کرتا ہے اوروں سے کراتا ہے، زانو پر دوہتڑ مارتا ہے، اور اس وقت سامعین کی یہ نوبت کردیتا ہے کہ جیسے کسی کا کوئی مرگیا ہو، اور اس شخص کی وجہ سے شیعوں کی عورتیں، سنیوں میں مل کر ماتم کرتی ہیں، اور سنیوں [کی عورتیں] بھی ان کو دیکھ کر ویسا ہی کرتی ہیں۔

حالاں کہ علمائے سلف صالح نے وعظ جنت وحور وقصور ووسعت رحمت ورجاء، کو معیوب ومذموم اس کے غیر محل میں، جیسے اس کا آج محل نہیں ہے، لکھا ہے اور ماتم کی برائیاں اپنی تصنیفوں میں خاص کر ردّ روافض میں تحریر کی ہیں۔

امام غزالیؒ، وعظ کے باب میں، اپنی کتاب: "یاأیها الولد" میں تحریر فرماتے ہیں کہ واعظ کا یہ ارادہ ہونا چاہئے کہ لوگوں کو دنیائے آخرت کی طرف بلاوے اور معصیت سے طاعت کی طرف اور حرص سے قناعت کی طرف وغیرہ، عبارت مذکورہ یہ ہے:

ان الواعظ ينبغي له أن يكون عزمهٗ وهمّتهٗ أن يدعو النّاس من الدّنيا إلى الآخرة، ومن المعصية إلى الطّاعة، ومن الحرص إلى القناعة، ويحبّب إليهم الآخرة، ويبغض عليهم الدّنيا، ويعلّمهم العبادة والتقوىٰ، لأنّ الغالب في طباعهم الزّيغ عن منهج الشّريعة، والسعى فيما لايرضى الله تعالىٰ، فيلقي في قلوبهم الرّعب ويخوّفهم عما يستقبلهم من المخاوف لعل صفات باطنهم تغير، و معاملة ظاهرهم تتبدل، ويظهر منهم الحرص إلى الطّاعة والرّجوع عن المعصية، وهذا هو الطريق للواعظ. النصحية للنصيحة، و كل واعظ لايكون وعظه هكذا فوعظه وبال على السامع والقائل، بل قيل إنّه شيطان فى صورة الانسان يخرج الخلق عن طريق الحقّ ويهلكهم، فيجب عليهم أن يفرّوا منه فرارهم من الأسد، لأن مايفسده هذا الواعظ من دينهم لايستطيع أن يّفسده بمثله الشّيطان، ومن كان لهٗ يدوقدرة يجب عليه أن ينزلهٗ من منابر المسلمين ويمنعه عما باشره، لانه من جملة الأمر بالمعروف والنّهي عن المنكر.

جواب میں اس امر کی خوب تصریح فرماویں کہ آیا یہ وعظ جائز ہے یا نہیں، اور مرتکب ایسے افعال کا شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: یہ قصہ [حضرات] حسنین کا محض افتراء اور کذب محض ہے، کہیں اس کی اصل نہیں اور ایسی حکایاتِ واہیہ بے معنی کرنے والا، بڑے بے تمیز ہے، اس کا ہرگز وعظ نہ سننا چاہئے، ایسا واعظ گمراہ کرنے والا ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (۱)

ترجمہ: جو کوئی جھوٹ بولے مجھ پر جان کر، چاہئے کہ وہ ٹھکانہ کرلیوے اپنا آگ میں۔ (ت-ن)

پس یہ کہانی واہیہ، افتراء علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ایسا واعظ فاسق گمراہ کنندہ ہے، اور اس کا وعظ سننا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ مہر: رشید احمد

الجواب صحیح اسمہ احمد۔ مہر، سید محمد مرتضیٰ، مہر محمد منفعت علی۔ مہر، پیر محمد خان۔ الجواب صحیح محمد حسن مدرس مدرسہ دیوبند۔ ابوالخیرات محمد مصطفیٰ۔ اصاب المجیب ذوالفقار علی۔ الجواب صحیح، احمد نانوتوی۔ اصاب من اجاب، محمد محمود دیوبندی مدرس مدرسہ دیوبند۔ الجواب صحیح، حبیب الرحمٰن دیوبندی، محمد رحم الٰہی۔ نور احمد سہارنپوری۔ محمد یحییٰ دیوبندی۔ عنایت الٰہی سہارنپوری۔ الجواب حق، عبدالمؤمن۔ الجواب صحیح، احمد علی (۲)

(مجموعہ کلاں ص: ۱۳۸ تا ۱۴۲)

(۳۸) سرالشہادتین میں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں، ان کی کیا حیثیت ہے؟

سوال: شاہ عبدالعزیز در سرالشہادتین، چیزہا از احادیث نقل فرمودہ، کہ قبل از دیدن او، آں ہمہ اخبار غلط می نمودند۔ یعنی در یوم عاشورہ وقوع ظلمت تا سہ روز، و برآمدن دم از زیر حجر بیت المقدس، و سماع نوحہ جن وغیرہ، و جواب سر [حضرت] حسین رضی اللہ عنہ بہ بعضے قاریان آیت، و ایں روایات از بیہقی و ابونعیم وغیرہ نقل کردہ، و سند ذکر نہ فرمودہ۔ ہنوز در صحت ایں اخبار، بلا دیدن اسناد تردد ہا است۔ اگر ایں اخبار ضعیف بغایت یا موضوع بودند، نقل [از] شاہ عبدالعزیز بے مستبعد است، و ہمچنیں دادن ملک تراب احمر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، و اخذ ام سلمہ آں تراب را وغیرہ۔ حال ایں روایات چیست، و خون شدن آں تراب روز قتل امام حسین رضی اللہ عنہ، ثابت است یا نہ؟

---

(۱) یہ حدیث صحاح ستہ کی ہر کتاب میں موجود ہے اور بشمول عشرہ مبشرہ دسیوں صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ [نور]

(۲) یہ دستخط، محدث جلیل حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے نہیں ہیں۔ ایک اور عالم بھی احمد علی نام کے تھے، جو مظاہر علوم میں کچھ دنوں مدرس بھی رہے اور جو مشہور مناظر بھی تھے، مؤخرالذکر کا "سراوہ" میں علمائے اہل حدیث سے بڑا مناظرہ ہوا تھا، جس کی بہت شہرت ہوئی تھی۔ (نور)

جواب: روایات سر الشہادتین کی جن کو بلاسند نقل فرمایا ہے، نہ بندہ کے پاس وہ کتب ہیں، جو روایت کی تحقیق کرسکوں اور نہ دیگر کتب سے ان کی تحقیق۔ بظاہر نقل شاہ صاحب کی بعد وثوق کے ہے، اگر ضعاف ہیں تو بعدد طرق جبر ضعف ہوگیا ہوگا، بندہ کو تحقیق ان کی نہیں۔ فقط (۱) (مجموعہ کلاں ص ۱۲۶)

(۳۹) حضرت علیؓ کی تلوار کہاں گئی؟ **سوال:** ذوالفقار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کیا ہوئی اور کس کے پاس رہی؟

جواب: ہزار ہا اشیاء فنا ہوئیں، گم ہوئیں، کیا خبر کہاں گئی، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی فنا ہو کر چھپ گئے۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۸)

مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت

(۴۰) مرزا قادیانی کا مثل عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا عقیدہ فاسد اور سلف وخلف کے خلاف ہے۔ (۲)

مولوی غلام احمد صاحب قادیانی کی فتح الاسلام (۳) بندہ نے بھی دیکھی، اجمالاً ان کو جو اول گمان تجدید ہوا ہے اس کا ہی ضمیمہ ہے، کہ اب ان کے خیلہ میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ مثیل عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔ اس باب میں بندہ یہ گمان کرتا ہے کہ دنیا طلبی تو ان کو مقصود نہیں، بلکہ ایک خود پسندی ان کے خیلہ میں بوجہ صلاحیت قائم ہوئی تھی، اب یہ خیالات بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور اس کو وہ دین وتائید دین اور اپنے کمالات جانتے ہیں، اس میں مجبور ہیں۔ اس مثل عیسیٰ علیہ السلام ہونے کو، اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کی روایات کے حقیقی معنی کے انکار کو، چند جگہ سے جو بندہ سے استفسار کیا گیا، تو بندہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ عقیدہ فاسد وخطا خلاف جملہ سلف وخلف کے ہے، ان کو مالیخولیا ہوگیا ہے کہ خلاف عقل کے ایسی بات لکھتے ہیں کہ،

---

(۱) یہ تمام روایات موضوعات کے قبیل سے ہیں۔ مشتبہ، کمزور اور حد درجہ کی ضعیف تو ان میں سے ہر ایک ہے، تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔ یہ واقعتا محل تعجب ہے کہ شاہ عبد العزیزؒ کے حوالہ سے یہ چیزیں نقل کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سر الشہادتین کی اکثر روایتیں موضوع اور پایہ اعتبار سے ساقط ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند والا تبار، برصغیر کے استاذ العلماء اور علامہ اجل محقق، نیز تحفۂ اثنا عشریہ جیسی کتابوں کے مصنف ایسی لغو وبے بنیاد روایتیں اپنی کتاب یا تالیف میں نقل فرمائیں، اس لئے اس کتاب میں یا تو الحاق ہوا ہے، یا اس کا حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے انتساب صحیح نہیں۔ (نور)

(۲) مرزا غلام احمد قادیانی: حضرت گنگوہی قدس سرہ کا معاصر تھا، حضرت کی ولادت ووفات کی تاریخیں یہ ہیں: ولادت: ۱۸۲۸ء وفات: ۱۹۰۵ء اور قادیانی ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا، ۱۹۰۸ء میں دنیا سے گیا، قادیانی کی گمراہی بتدریج بڑھی ہے، حضرت کو جوں جوں اس کے احوال کا علم ہوتا رہا، حضرت کے فتاویٰ اور تحریروں میں شدت آتی رہی، حضرت کی تحریرات کے مضامین مختلف ہونے کا یہی سبب ہے۔ (نور)

(۳) مرزا قادیانی کی تالیف، فتح الاسلام پہلی بار جمادی الاول سنہ ۱۳۰۸ میں چھپی تھی۔ [دسمبر ۱۸۹۰ جنوری ۱۸۹۱ء] (نور)

تمام عالم نے اس کو نہ سمجھا، اب ان کو اس کی فہم ہوئی اس پر اشتہار مباحثہ دیا ہے اور بندہ کو مخاطب بنایا ہے، اور تکفیر نہیں چاہئے کہ وہ ماوّل ہے اور معذور ہے۔(۱)

(۴۱) نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار عقیدہ مخترعہ ناصواب وناحق ہے:

بعد سلام مسنون، مطالعہ فرمائند، عقیدہ جمہور خلف وسلف علمائے معتبرین کا یہ ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر سے نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے، جو ایک شخص خاص زندہ مدعی الوہیت کا خروج کرے گا۔ اور اس باب میں جس قدر احادیث صحاح ہیں کہ خروج دجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام کا اثبات ان احادیث سے ہوتا ہے، وہ سب اپنے حقیقی معانی اور ظاہر پر ہیں، نہ کوئی اس بات میں تاویل ہے، نہ معنی مجاز واستعارہ کے، کہ اشارہ غیر مفہوم غیر متبادر معنی کی طرف ہے۔ پس صاحب فتح الاسلام ومرزا غلام احمد نے جو اس کے خلاف تحقیق کیا ہے، کہ احادیث کے ظاہر معنی مراد نہیں، اور استعارات ہونا ان کا ثابت کیا ہے، اور نزول حضرت عیسیٰ کا اور خروج دجال موعود معین کا انکار کیا ہے، اور اس کو اپنا عقیدہ اور حق الامر قرار دیا ہے۔ یہ تحقیق ان کی، اور یہ عقیدہ ان کا اور یہ مراد لینا ان کا ان اخبار سے خطا فاش اور انحراف جادۂ صواب ہے۔ اس میں چند وجوہ ہیں:

اولاً: باتفاق تمام اہل لغت وعلمائے دین کے، نصوص کے معانی حقیقی پر عمل کرنا واجب ہے، جب تک یہ فرقہ بندی محقق نہ ہوئی۔(۲)

ثانیاً: عقائد کے باب میں ایسے استعارات اور اشارات سے ارشاد کرنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، اس عقیدہ کو کہ سوائے ایک دو مفہم محدث،(۳) طبقہ تیرہویں صدی کے کوئی اس کی مراد کو نہ پہنچے۔ منصب نبوت کے خلاف ہے، کیوں کہ ایسے احکام کو واضح طور پر بیان کرنا ضروری ہوتا ہے، نہ بطور معما کے۔

ثالثاً: اس تحقیق سے تمام علما، سلف وخلف کو نہ فہم کرنے والے، مراد ان احادیث کے قرار دینا ہے، کہ کوئی بھی آج تک ان احادیث کے مقصد کو نہ سمجھا، یہ سخت آفت ہے۔

رابعاً: تمام امت کو عقیدۂ ناحق وناصواب پر معتقد قرار دینا ہے، کہ وہ سب مقبول ایسے غلط امر پر مدت العمر متفق ومذعن رہے اور یہ بھی نہایت نازیبا رائے ہے۔

---

(۱) مکتوبہ شعبان ۱۳۰۸ھ غالباً نصف آخر مارچ ۱۸۹۱ء۔ ... مکتوبات رشیدیہ۔ مرتبہ مولانا عاشق الٰہی۔ مکتوب: ۳۸۔ ص: ۹۰۔ طبع اول میرٹھ (نور)

(۲) یعنی جب تک امت میں گروہ بندی شروع نہیں ہوئی نصوص کو حقیقی معنی پر محمول کیا جاتا تھا، بعد میں گمراہ فرقوں نے مجازی اور استعاراتی معنی لینے شروع کئے۔ (پالن پوری)

(۳) مفہم: ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسب واکتساب اور تعلیم وتعلم کے بغیر، بارگاہ مقدس کی تائید سے، نوع انسانی کی حالت کو سمجھتا ہو اور اس کے دینی ودنیوی منافع کو جانتا ہو (رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۲) محدث: یعنی ملہم، روشن ضمیر جس کے ساتھ باتیں کی گئی ہوں، وہ امتی جو اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے نبی کے مشابہ ہو (رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ ۲/۳۲۸) [دیوبند ۱۴۲۲ھ] [پالن پوری]

خامساً: حدیث: "لاتجتمع امتی علی الضلالة" (۱) کورد کر دیتا ہے، کہ ہر طبقہ کے علماء اس عقیدہٴ ناصواب کے سبب مجتمع علی الضلالۃ ہو جاتے ہیں، لہٰذا واضح ہے کہ یہ عقیدہ محدثہ مخترعہ ناصواب و ناحق ہے۔ نامعتقد علیہ اور معلوم امت مقبولہ کا۔ مگر مع ہذا، اس صاحب عقیدہ کی تکفیر مناسب نہیں، اور انتظار جلد ثالث کا کرنا چاہئے، کہ وہ خود توقف کرنا علماء کا تا مطالعہ جلد ثالث تحریر و تقریر سے لکھتے ہیں، بندہ انتظار جلد ثالث کا کرتا تھا۔ (۲) اب آپ کے تقاضہ سے اپنی رائے سے آپ کو مطلع کرتا ہوں، اور تخالف اس عقیدہ سے ظاہر کرتا ہوں۔ فقط والسلام۔ مرزا صاحب سے ملنے میں مضائقہ نہیں۔ (۳)

> یہ مکتوب ۱۰ر جمادی الاول ۱۳۰۸ھ [دسمبر ۱۸۹۰ء] اور جمادی الاخری [۴ر فروری ۱۸۹۱ء] کے درمیان کا لکھا ہوا ہے۔ (نور)
>
> مفاوضات رشیدیہ، مکتوبات حضرت مولانا گنگوہیؒ بنام مولانا اشرف علی سلطان پوری ص: ۳۷-۳۹ (طبع دوم، سہارنپور: ۱۳۹۶ھ)

(۴۲) مرزا غلام احمد جو بشارت عیسیٰ و مہدی کو، اپنے پر منطبق کرتے ہیں، رد کرنے کے لائق ہیں:

مرزا غلام احمد کے یہ اقوال، جو بشارات حضرت عیسی علیہ السلام و مہدی کے اپنے پر منطبق کرتے ہیں، قابل تسلیم نہیں، رد کرنے چاہئیں۔ اگر یہی کہتے ہیں اور جو تاویل طلب ہیں، تو سکوت چاہئے۔ اگر وہ اشتہار طویل بندہ کے پاس بھی کہیں سے لیکر، ارسال کریں، تو بہتر ہے۔ بہر حال ان امور میں اعتقاد کرنا جائز نہیں۔ اگر ایسے دعوے کرتے ہیں تو مجنوں ہیں، اب تک جو ان کے مشہودات تھے، تاویل کئے جاتے تھے۔ دعویٰ مسیحیت و مہدویت، سراسر غلط ہے۔

فقط والسلام

۲۴ر جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ (۴ر فروری ۱۸۹۱ء) (مفاوضات رشیدیہ ص: ۳۹)

(۴۳) مرزا غلام احمد کا خیال القائے شیطانی ہے:

مرزا صاحب کی ہٹ اور اِصرار اپنے خیال باطل پر جما چلا جاتا ہے، گویا دماغ میں ان کے فتور آ گیا ہے، اب مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ اہل ہوا میں داخل ہوں۔ شوال کی کسی تاریخ (میں) مولوی محمد حسین بٹالوی سے مناظرہ تحریری کی ٹھہری ہے، تم کیا ملوگے، کچھ ضرورت نہیں۔ ان کی تقریر دلپذیر کو سن کر، اکثر علماء، سفہائے پنجاب ان کے ہم مشرب ہوتے جاتے ہیں۔ معاذاللہ عن ھذا القصد! پس آپ ان سے نہ ملیں، سوائے تکدر کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ خیال ان کا خطرہ و القائے شیطانی ہے، اور پہلے بھی [فاسد خیالات] ان کے تھے،

---

(۱) علامہ عجلونی نے اس روایت کے مآخذ و منابع پر مفصل گفتگو فرمائی ہے، ملاحظہ ہو: کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتھر من الاحادیث علی السنة الناس ج:۲ ص: ۳۵۰ رقم الحدیث: ۲۹۹۹ (نور) یہ حدیث ترمذی۔ اور مستدرک حاکم (۱/۱۱۶) [دار المعرفۃ بیروت: بلا سنہ] میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔ (مشکوۃ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔ الفصل الثالث ص: ۳۰ [نقل اصح المطابع رشیدیہ دہلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ شریف باب مذکور ج: ۱ ص: ۱۰۳ رقم الحدیث: ۱۷۳ [مکتبۃ التوبہ۔ دار ابن حزم بیروت: ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء] (پالن پوری)

(۲) مرزا کی پہلی تالیف، براہین احمدیہ کی تیسری جلد بلکہ حصہ کا ذکر ہے، جو اس خط کی تحریر کے وقت تک چھپا نہیں تھا۔ (نور)

(۳) مفاوضات رشیدیہ، مکتوبات حضرت مولانا گنگوہیؒ بنام مولانا اشرف علی سلطان پوری ص: ۳۷-۳۹ (طبع دوم، سہارنپور: ۱۳۹۶ھ) یہ مکتوب ۱۰ر جمادی الاول ۱۳۰۸ھ [دسمبر ۱۸۹۰ء] اور جمادی الاخری [۴ر فروری ۱۸۹۱ء] کے درمیان کا لکھا ہوا ہے۔ (نور)

جس کو وہ الہام جانتے تھے، شدہ شدہ شیطان نے اپنا کام نکال لیا، صلحاء کو شیطان، طریق خیر سے آ کر، ورطہ میں ڈالتا ہے۔ لہٰذا نہ فنا ہے نہ کچھ، خطرۂ شیطانی ہے۔ دلائل الخیرات کی اجازت ہے۔ فقط والسلام۔

مرقومہ ۲۲ر رمضان ۱۳۰۸ھ [۲ر مئی ۱۸۹۱ء] (مفاوضات رشیدیہ۔ مکتوب: ۲۵، ص: ۴۰)

(۴۴) مرزا حدیث شریف کے مطابق، ایک کذاب ودجال پیدا ہوا ہے: مولوی محمد اشرف علی صاحب سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون! آ نکہ آپ کا خط ملا، صلاح احوال پر شکر کرتا ہوں۔ مرزا، حسب وعدہ فخر عالم علیہ السلام، دجال کذاب پیدا ہوا ہے، مثل مختار (ثقفی) کے۔ اول دعوی تائید دین کیا، اب مدعی نبوت در پردہ ہو کر مضل خلق ہوا، اور بڑا چالاک ہے کہ اشتہار مناظرہ دیتا ہے اور جب کوئی مقابل ہوتا ہے، لطائف الحیل سے ٹال دیتا ہے، اور مناظرۂ موت وحیات عیسیٰ علیہ السلام میں کرتا ہے، اور اپنے دعوی کے باب میں بالکل مناظرہ نہیں ہوتا۔ بندہ نے اس کے باب میں فتویٰ لکھا ہے، وہ ملفوف ہے[1] ہرگز تردد نہ کرنا چاہئے جو نصوص کا منکر ہوگا، وہ اہل ہوا میں داخل ہے۔ آپ اپنی طرف کے لوگوں کو قطعا ممانعت اس سے ملنے کی کردیں۔ ہرگز اس کے ناحق واہل باطل ہونے میں تأمل نہ فرماویں۔ فقط والسلام۔

۲۷ر ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ [۵ر جولائی ۱۸۹۱ء] (مفاوضات رشیدیہ ص: ۴۱)

مرزا قادیانی اور قادیانیت کے متعلق، علمائے دیوبند کے فتاویٰ

(الف) فتوی حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی: حامداً ومصلیاً۔ عقائد مندرجہ سوال مخالف کتاب اللہ ومعارض سنت رسول اللہ، ومناقض اجماع امت ہیں، اور تاویلات مذکورہ از قبیل تحریفات وتکذیبات ہیں، اگر اس قسم کی بیہودہ اور لغو تاویلاتوں کا باب کھولا جائے، تو اسلام کا کوئی مسئلہ اعتقادی یا عملی ثابت نہ ہو، اور تمام دین درہم وبرہم ہو جائے۔ اور محدثیت وملہمیت، محض تزئین نفس اور تسویل شیطان ہے، مخترع، ان عقائد کا ضال ومضل، بلکہ دجلہ میں کا راس رئیس ہے اور اس کے متبع [بھی]۔ حق تعالیٰ اپنے دین کی، ایسے بے دینوں سے حفظ وحمایت فرماوے، اور ان کو رجوع کی توفیق دیوے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

حررہ خلیل احمد مدرس دوم مدرسہ عربی دیوبند

(ب) فتوی مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی: حامدا للّٰہ العلی الاعلی ومصلیاً ومسلما علی رسولہ سیدنا محمد سید الوری، والہ واصحابہ نجوم الہدیٰ، من اقتدی بھم

(۱) اس مکتوب میں جس فتوے کا ذکر ہے، وہ ایک مفصل فتوی تھا، جو اشتہار کی صورت میں حضرت مولانا گنگوہی نے اپنے معمول کے مطابق شائع کرایا تھا۔ اس فتوے کا کئی جگہ تذکرہ ملا۔ مگر اصل فتوی دستیاب نہیں ہوا۔ یہ فتوی اور اشتہار قادیانیت کے مسئلہ پر غالباً واضح فیصلہ پر مشتمل ہوگا۔ شاید اسی فتوی کی اشاعت کے بعد، مرزا نے حضرت مولانا گنگوہی کو اپنے سخت ترین مخالفین میں شمار کرلیا تھا، اور اسی وجہ سے وہ اپنی تالیفات اور اشتہارات میں منجملہ اور علمائے کرام کے، حضرت مولانا گنگوہی کو بھی سخت الفاظ لکھتا رہتا تھا...... (نور)

اهتدى، ومن اخطأ طريقهم غوى وردى، وبعد فان ما اعتقده القادياني واتباعه إلحاد بلاامراء وإبطال للشريعة المستقيمة البيضاء، ليس له فيه شاهد من الكتاب وسنة النبي المستطاب، والله تعالىٰ أعلم وعلمهٗ أحكم.

بعد حمد وصلوٰۃ...... قادیانی اور اس کے پیرو جو اعتقاد رکھتے ہیں، وہ بلاشک الحاد ہے، اور شریعت کا ابطال ہے۔ اس اعتقاد پر کتاب وسنت کی شہادت پائی نہیں جاتی۔ کتبہ عزیز الرحمٰن دیوبندی

(ج) فتویٰ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی: الأمور المنسوبة إلى المرزا هدانا الله وإياه، لاشك أنها منبوذة بنصوص الدّين ومردودة بإجماع المسلمين. وجملة هذه الأقوال معتزلة عن الطّريق المستقيم، أي اعتزال لايجترئ عليه إلّا جاهلٌ غويّ، ولايعتقد عليه إلّا ضالٌّ شقيّ. والله سبحانهٗ وليّ الرّشاد وأعلم بحال العباد.

جن مسائل کو قادیانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ان کو بلاشک نصوص قرآن وحدیث پھینک رہی ہیں، یعنی رد کر رہی ہیں اور وہ باجماع مسلمین مردود ہیں۔ راہ راست سے ایسے برکنار ہیں، کہ کوئی شخص بجز جاہل اور گمراہ کے ان پر جرأت نہیں کر سکتا، اور ان کا معتقد نہیں ہو سکتا۔ العبد محمود دیوبندی معروف مولوی محمود حسن صاحب

فتوی حضرت مولانا گنگوہیؒ

(۴۵) مرزا قادیانی منجملہ دجالوں کذابوں میں سے ہے اس کے ماننے والے بھی ایسے ہی ہیں: یہ جواب صحیح ہے،(۱) مرزا غلام احمد قادیانی، بوجہ ان تاویلات فاسدہ اور ہفوات باطلہ کے، منجملہ دجالوں کذابوں کے، خارج از طریقہ اہل سنت وداخل زمرۂ اہل اہواء ہے، اور اس کے اتباع بھی مثل اس کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد رشید احمد گنگوہی مہر: [رشید احمد] (۲)

(۴۶) مرزا قادیانی ضال ومضل ہے: مرزا غلام احمد قادیانی کے کلمات ودعاوی، جہاں تک مجھے معلوم ہوئے، بیشک موجب فسق ہیں، اور وہ قطعاً فاسق وضال ومضل اور داخل، فرقہائے مبتدعہ واہل ہوا ہے۔ اس سے

---

(۱) یہ جواب یعنی فتاویٰ علماء دیوبند جو نمبر: ۴۸ کے بعد درج کئے گئے ہیں۔

(۲) یہ فتوے مجملہ اور فتاوی کے، اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی کے رسالہ، ماہ نامہ اشاعت السنہ، بٹالہ ضلع گورداسپور، کی اس خاص اشاعت میں چھپے تھے، جو تیرہویں جلد کے چار سے سات اور بارہ تیرہ نمبر شمارہ پر مشتمل ہے۔ مطبوعہ سنہ ۸......۱۳۰۷ھ مطابق سنہ ۱۸۹۱ء ص: ۳۷۲ [نور]

اور اس کے پیروان سے ملنا، ہرگز ہرگز جائز نہیں اور جو لوگ اس کی تکفیر کرتے ہیں، وہ بھی حق پر ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی مہر: [رشید احمد] (۱)

نذر ومنت کے احکام

(۴۷) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی نذر ماننا؟ مسئلہ: نذر حق تعالیٰ کی درست ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے، اور نذر پیروں کی حرام ہے اور اس کا پورا کرنا بھی حرام ہے۔ کیوں کہ نذر عبادت ہے، اور عبادت بجز پاک ذات پروردگار اوروں کی کفر اور حرام ہے۔ چنانچہ درمختار میں مرقوم ہے:

اعلم! أن النذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها، إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام. انتهى (۲)

ترجمہ: جان لو! کہ جو نذر اکثر عوام واسطے مُردوں کے کرتے ہیں، اور جو دراہم اور موم بتی اور روغن زیتون وغیرہ اولیائے کرام کی قبروں پر لے جاتے ہیں، تا کہ وہ خوش ہو جائیں [اور ان کے یہاں ہماری جگہ اور منزلت ہو جائے] پس وہ جملہ بالاجماع باطل وحرام ہے۔

اور اسی طرح فتاویٰ عالمگیریہ (۳) میں مذکور ہے اور اسی طرح بحر الرائق میں مسطور ہے، اور کچھ زائد بھی مرقوم ہے۔ وہ زائد یہ ہے:

فهذا النذر باطل بالإجماع، بوجوه منها أنه نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لايجوز، لأنه عبادة، والعبادة لاتكون للمخلوق. انتهى (۴)

ترجمہ: پس یہ نذر جو بزرگوں کے نام کی کیا کرتے ہیں باطل ہے، باجماع علماء، بچند وجوہ، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ نذر واسطے مخلوق کے ہے، اور نذر واسطے مخلوق کے غیر جائز ہے۔ کیوں کہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی۔

بہر حال نذر جب کرے صرف حق تعالیٰ کی کرے، کیوں کہ نذر غیر حق تعالیٰ کی، اگر کرے گا، تو فی الفور کافر ہو جاوے گا، ایسا کام اہل فہم اور عقل سے نہایت بعید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(۱) تصدیق بر: الخطاب المليح فى تحقيق المهدى والمسيح تالیف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔ طبع اول/ ناشر مولانا محمد یحیی کاندھلوی۔ مقیم گنگوہ بلاسنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۲)
(۲) درمختار فصل فى العوارض ص ۱۵۵ ج ۱ [عکس نسخہ مجتبائی مطبوعہ ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء۔ نیز الدر المختار على هامش رد المحتار ج: ۲/ ص: ۴۳۹ (دار احیاء التراث العربی بیروت: ۱۳۸۶ھ) [نور]
(۳) عالمگیری ص ۲۰۴ ج ۱۔ باب النذر فصل متفرقات۔ [نور]
(۴) البحر الرائق ص ۳۲۰ ج ۲ باب فصل من نذر صوم يوم النحر نیز ص ۳۲۱ (دار المعرفه، بیروت لبنان، بلاسنہ) [نور] نیز البحر الرائق۔ ص: ۲۱-۳۲۰۔ ج: ۲ [دار المعرفه، بیروت، بلاسنہ] [نور]

(۴۸) نذر مانی ہوئی چیز پر کس کا حق ہے؟

سوال: عوام جہلا میں یہ رسم پڑی ہوئی ہے کہ مثلاً جب کوئی بیمار ہو جاوے یا کوئی چیز کھوئی جاوے یا اور کوئی مراد ہو تو یوں کہتے ہیں کہ یا خدا! اگر فلاں بیمار اچھا ہو جاوے، یا فلاں چیز مل جاوے، یا فلاں مراد پوری ہو جاوے، تو میں تیرے نام کی شیرینی بانٹوں، یا تیرے نام کی پلاؤ پکا کر کھلاؤں، یا مسجد میں بھیجوں۔ پھر جب کہ ان کی مراد پوری ہو جاتی ہے، تو جو کچھ قبولیت ہوتی ہے، تو اس کو برادری میں، اور اپنی ریل میل کی جگہ میں، کہ فقراء وغنی سب شامل ہوتے ہیں، تقسیم کرتے ہیں، یا مسجد میں اغنیاء اور فقراء کھا لیتے ہیں۔ اور وہ قبولنے والے اس مسئلہ سے واقف نہیں ہیں کہ جو کچھ قبولا جاتا ہے، وہ مساکین کے واسطے ہوتا ہے، بلکہ اپنے عرفِ عام میں اور قبول کرنے کے وقت بھی، یہی دل میں جانتے ہیں کہ برادری وغیرہ میں تقسیم کر دیں گے اور خود بھی کھا لیں گے۔ بلکہ جو آدمی واقف بھی ہو گئے ہیں، یا کوئی ان کو کہتا ہے تو یہی جواب دیتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو وقت قبولیت کے یہی تھا، کہ سب کو کھلاویں گے اور خود بھی کھاویں گے۔ تو اس نیت سے ان کی جو وقت قبولیت ہوتی ہے، وہ شئے نذر کی غنی کھاوے یا نہ [کھاوے] یا کھانے اور کھلانے والے دونوں، ضرور عاصی ہوتے ہیں؟

جواب: نذر ذمہ پر واجب ہو جاتی ہے اور اس کا دینا فقیر کو ضروری ہے، غنی کو اور اولاد کو اور والدین کو اور سید کو اس کا دینا درست نہیں، جوان کو دے گا تو ادا نہ ہووے گی۔ ذمہ پر واجب رہے گا اور ان کا نیت کرنا لغو ہے، ان کی نیت سے دینا اغنیاء کو درست نہ ہووے گا، یہ نیت ان کی بیہودہ بے فائدہ ہے، حکم شرعی کا بدلنا ہے۔

(بدست خاص، سوال ۱۰۱)

(۴۹) غیر اللہ کے نام سے جانور پالنا؟

مسئلہ: بکرا یا گائے یا مرغ وغیرہ کوئی جانور شیخ سدو یا کسی اور کے نام کا پالا جائے یا خریدا جائے اور وقت ذبح گو نام خداوند عالم سے ذبح کیا جاوے وہ حرام و مردار ہے، ہرگز ہرگز وہ جانور حلال نہیں ہوتا۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب نے تفسیر عزیزیہ (۱) میں اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر (۲) میں لکھا ہے، کہ اس کی

---

(۱) حضرت شاہ عبد العزیز نے لکھا ہے: یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است، خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نے، زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے است، ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد، چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت، وخبثے در وے پیدا گشت کہ زیادہ از خبث مردار است، زیرا کہ مردار بے ذکر نام خدا جان دادہ است، وجان ایں جانور را بنام غیر خدا قرار دادہ گشتہ اند، وآں عین شرک است، وہر گاہ ایں خبث در وے سرایت کرد دیگر بذکر نام خدا حلال نمی شود، مانند سگ وخوک، کہ اگر بنام خدا ذبح شوند حلال نمی گردند۔ کنہ ایں مسئلہ آں است کہ جان را برائے غیر جاں آفریں نیاز کردن درست نیست۔ وماکولات ومشروبات ودیگر اموال را نیز اگر چہ از راہ تقرب بغیر اللہ دادن حرام وشرک است۔ (فتح العزیز، ص: ۶۴۲، مطبع افضل المطابع دہلی: ۱۲۷۶ھ) نیز ص: ۶۱۵، ج: ۱، سورہ بقرہ تحت آیت انما حرم علیکم، مطبع محمدیہ ۱۲۶۴ھ (نور)

(۲) انما حرم علیکم المیتۃ الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یتناول ما مات حتف انفہ وما لم یدرک ذکاتہ علی الوجہ الشرعی، واذا کانت محرمۃ وجب الحکم بنجاستہا اجماعاً ... فالآیۃ تدلّ علی حرمۃ جمیع التصرفات إلاّ ما أخرجہ الدلیل. (غرائب القرآن، للحسن بن محمد القمی النیشاپوری ۱/۱۷۹، مطبوعہ ۱۲۸۰ھ)

حرمت پر علماء کا اجماع ہو چکا ہے، اور تفسیر کبیر میں مرقوم ہے:

قال العلماء: لو أنّ مسلماً ذبح ذبيحة، وقصد بذبحها التقرب الى غير الله تعالىٰ، صار مرتداً، وذبيحته ذبيحة مرتد.(۱)

ترجمہ: اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس کے ذبح کرنے سے مقصود ہو تقرب غیر خداوند تعالیٰ کا تو وہ شخص اس فعل سے مرتد ہو جاتا ہے اور اس کا ذبیحہ گویا مرتد کا ذبیحہ ہو گیا ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا، کہ جو ذبیحہ بہ نیت تقرب الی غیر اللہ تعالیٰ ذبح کیا جاوے، وہ حرام ہو جاتا ہے، اور کرنے والا کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔ درمختار میں مذکور ہے:

ذبح لقدوم أمير و نحوه من العظماء يحرم، لأنّه أهل به لغير الله تعالى ولو ذكر اسم الله تعالىٰ، وهل يكفر؟ قولان. فى أنه يكره ولا يكفر، لانا لا نسيئى الظن بالمسلم، أنه يتقرب إلى الآدمى بهذا النحر ونحوه فى شرح الوهبانية عن الذخيرة (۲)

ترجمہ: جو جانور وقت قدوم کسی امیر وغیرہ کے، بہ نیت تقرب نہ بقصد دعوت، ذبح کیا جاوے، وہ حرام ہو جاتا ہے، اس واسطے کہ یہ ذبح کیا گیا ہے واسطے غیر خداوند عالم کے، اگرچہ وقت ذبح کے نام لیکر ذبح کیا گیا ہو۔ آیا یہ شخص اس فعل سے کافر ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں: بعض کا یہ قول ہے کہ یہ فعل حرام ہے اور کفر نہیں، اس واسطے کہ ہم بدگمانی نہیں کرتے کہ مسلمان ہو کر ذبح کرنے میں نیت تقرب کسی آدمی کی کرے اور اسی طرح شرح وھبانیہ میں منقول ہے ذخیرہ سے۔

---

(۱) تفسیر کبیر ص ۱۱ ج ۵۔ تحت آیت: إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ سورہ بقرہ، آیت ۱۷۳، پارہ ۲۔ (طبع ثانی، مطبوعہ دار التراث العربی: بیروت) [نور]

(۲) درمختار ص ۲۳۰ ج ۲، کتاب الذبائح بحاشیہ از مولانا نظام الدین کیرانوی (عکس نسخہ مطبوعہ مجتبائی: دہلی، کراچی[ ]) نیز الدر المختار مع الشامی ص ۳۰۹ ج ۶۔ کتاب الذبائح (دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) نیز شامی ۵/۱۹۶، کتاب الذبائح [مطبع مجتبائی دھلی] [نور] اصل مسودہ میں صرف وہی عبارت درج ہے جو اوپر نقل ہوئی، چونکہ اس کے ساتھ ترجمہ بھی حضرت گنگوہی کا کیا ہوا ہے، اس لئے اس کو چھیڑا نہیں گیا ہے، مگر وہ مکمل عبارت کا خلاصہ ہے۔ درمختار کی مکمل عبارت یہ ہے: ذبح لقدوم الأمير ونحوه، كواحد من العظماء يحرم، لأنه أهل به لغير الله، ولو وصلية ذكر اسم الله تعالى، ولو ذبح للضيف لا يحرم، لأنه سنة الخليلؑ، واكرام الضيف اكرام الله تعالى، والفارق أنه إن قدمها لياكل منها، كان الذبح لله والمنفعة للضّيف أو للوليمة أو للرّبح، وإن لم يقدمها لياكل منها بل ليدفعها بغيره، كان لتعظيم غير الله فتحرم. وهل يكفر؟ قولان. (بزازية، وشرح وهبانية) قلت: وفى صيد المنية أنه يكره ولا يكفر لأنا لا نسيئ الظّن بالمسلم أنّهُ يتقرّب إلى الآدمي بهذا النحر ونحوه فى شرح الوهبانية عن الذخيرة. [نور]

در [فتاویٰ] قاضی خاں درکتاب الردۃ مرقوم است: رجلٌ أذبَحَ لوجه إنسان في وقت الخلعة والتهاني في الجوازات وما أشبه ذلک، قال الشَيخ الإمام أبو بکر: هذا هو کفر والمذبوح میتة، تؤکل. قال جماعة من العلماء یکون کفراً، انتهیٰ. (۱)

ودر نصاب الاحتساب مرقوم است: مایفعله الجهلة من الذبح عند قبور المشائخ والشهداء وغیرهم وعند اشتراء الدار وعلى البناء الجدید وباب البیوت وعند دخول الأمیر وفی وجه انسان وما أشبه ذلک فهذا یوجب الحرمة إذا کان لغیر الله، وإن کان ذکر اسم الله تعالیٰ علیه، ویکفرون بذلک. وهذا أمرٌ غفل الناس عنه الخواص ،فکیف عوامهم انتهیٰ من صواعق الٰهیة. (۲)

درفتاویٰ مطالب المومنین مرقوم است: من ذبح فی وجه إنسانٍ شیئًا وقت الخلعة، فقد کفر الذابح والمذبوح میتة . انتهیٰ . (۳)

ودر ذخیرہ مرقوم است: ومن ذبح فی وجه انسانٍ شیئًا وقت الخلعة أو اتخذ خوازه فقد کفر الذابح والمذبوحة میتة. انتهیٰ من صواعق الٰهیة. (۴)

اب دیکھنا چاہئے کہ یہاں ذکر نام حق تعالیٰ سے ذبیحہ کسی کے نزدیک بھی حلال نہ ہوا، حرام ہی رہا، البتہ ذبح کرنے والے کے کفر میں اختلاف ہے اور صاحب منیہ اور شارح وھبانیہ نے تکفیر میں اس واسطے تأمل کیا، کہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس کی نیت خراب ہے، اور درصورتے کہ خود مسلمان علی الاعلان تقرب الی غیر اللہ بآواز بلند پکارتا ہو، تو اس سے حسن ظن کیا مفید ہوگا۔ الغرض درصورت مذکورہ ذبیحہ مردار اور ذبح کرنے والا کافر ہے، اور وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے ہرگز حلال نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر قبل از ذبح، پہلی نیت بدل جائے اور اس نیت فاسدہ سے توبہ کرلے اور پھر جانور کو حق تعالیٰ کے نام کا اور پاک کرکے ذبح کرے، تو البتہ جائز اور حلال ہوجائے گا، اور اگر کوئی شخص یہ نیت کرے کہ یہ جانور خداوند عالم کے نام کا ہے اور اس کے گوشت کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچاوے، یہ حلال ہے۔ اس میں کچھ اندیشہ نہیں، کیونکہ وہ جانور حق تعالیٰ کے نام کا ہے، کسی غیر اللہ کے نام کا نہیں، وہ پاک وطیب ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۳۵-۳۶)

---

(۱) فتاوی قاضی خان، کتاب السیر، باب مایکون کفراً فی المسلم ومالایکون (۴/۴۶۹) [مطبع مصطفائی دہلی: ۱۳۱۰ھ]

(۲) نصاب الاحتساب

(۳) مطالب المومنین

(۴) ذخیرہ

اولیائے کرام حق تعالیٰ کے سامنے بے بس اور مجبور محض ہیں

(۵۰) بزرگان دین حق تعالیٰ کے سامنے، بے بس اور مجبور محض ہیں، ان کو تصرف کرنے والا اور خود مختار سمجھنا، بدینی اور سخت گمراہی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس شخص کے حق میں جو علی الاعلان اپنے وعظوں میں مندرجہ ذیل مضامین بیان کرتا ہے، اور اپنے کلام کی کچھ تاویل نہیں کرتا، اور درصورت استفتاء کے غصہ کرتا ہے، لوگوں کو مرید کرتا ہے اس کے مریدوں کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے اقوال یہ ہیں:

(۱) بعضے وقت صوفی کا علم، خدا کے علم پر بھی غالب آجاتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

علم حق با علم صوفی گم شود   این سخن کے باور مردم شود (۱)

اس کی یہ مثال ہے کہ حضرت بایزید بسطامی کے پاس ایک ٹوپی تھی، اس پر یا محمد لکھا ہوا تھا۔ خدائے عاشق کو اپنے معشوق کے نام کی ٹوپی پسند آگئی، کہا اے بایزید! یہ ٹوپی ہم کو دیدے اور اس کے عوض جو چاہے ہم سے مانگ لے! بایزید نے کہا تیرے پاس کیا رکھا ہے، جو مانگوں؟ خدا تعالیٰ نے اصرار کیا کہ مانگ! بایزید نے رسالت مانگی، خدا نے فرمایا، وہ محمد ﷺ پر ختم ہوگئی! بایزید! صدیقیت دیدے، خدا! وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوگئی۔ بایزید! سخاوت، خدا! عثمان پر ختم ہوئی۔ بایزید! شجاعت، خدا! علی پر ختم ہوئی۔ بایزید! شہادت، خدا! امام حسین پر ختم ہوئی۔ بایزید! کرامت، خدا! پیران پیر پر ختم ہو چکی۔

بایزید نے کہا کہ میں اول ہی کہہ چکا تھا کہ تیرے پاس کچھ نہیں رہا، اب صرف دوزخ اور جنت باقی ہے۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ ان میں سے ہی کچھ مانگ! کہا تو وہ بھی نہ دے گا، خدا نے کہا کہ میں ضرور دوں گا۔ بایزید نے دوزخ مانگی، کہا کہ وہ تو میرے دشمنوں کی جگہ ہے، کہا کہ میں تو وہی لوں گا؟ کہا اچھا دیا۔ بایزید نے کہا کہ میں دوزخ کے در پر لاٹھی لیکر بیٹھوں گا، جو اس میں آوے گا اس کی ٹانگ توڑ دوں گا اور اندر نہیں جانے دوں گا، فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا، پھر میں دوزخیوں کو کہاں رکھوں گا، کہا بس، تو یہ بھی نہ دے سکا۔ اگر تیرے سوا کوئی اور شخص وعدہ خلافی کرتا، تو میں اس کے منافق ہونے کا فتویٰ دیتا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اگر تو ایسی گستاخی کرے گا، تو میں اپنے بندوں کو مطلع کردوں گا کہ وہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے۔ بایزید نے کہا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کردوں گا، وہ تجھ کو کبھی سجدہ نہ کریں گے۔ پوچھا کس طرح؟ کہا میں ان کو کہہ

(۱) مطبوعہ نسخہ ۳۰، ماخذ میں "بود" تھا، مگر اصل مثنوی میں "شود" ہے، اس لئے تصحیح کردی گئی۔ (نور)

دوں گا کہ دنیا میں ایک رحمت کا یہ ظہور ہے کہ کسی نافرمان کا نہ رزق بند کیا جاتا ہے، نہ پردہ فاش۔ قیامت کو ننانوے رحمتوں کا ظہور ہوگا تو کیوں کر کوئی شخص دوزخ میں جاوے گا؟ حق تعالیٰ لاجواب ہوگیا اور کہا اے بایزید خاموش ہوجا، نہ میں کسی سے کہوں نہ تو کسی سے کہہ، شعر مذکور کے یہی معنی ہیں۔

(۲) ایک مال دار عورت نے حضرت عثمان ہارونی سے کہا، کہ میں بے اولاد ہوں مجھ کو اولاد ملے، آپ نے دعاء کی، خداتعالیٰ کی طرف سے جواب ملا، کہ اس کی قسمت میں اولاد نہیں ہے، آپ نے لوح محفوظ، عرش، کرسی وغیرہ پر دیکھا کہ کسی جگہ، اس عورت کی قسمت میں اولاد لکھی ہوئی نہیں تھی۔ آپ نے عورت کو جواب دے دیا، عورت پیرانِ پیر کے پاس گئی، آپ نے دعاء کی تو وہی جواب آپ کو بھی ملا، آپ نے اصرار کیا، ادھر سے انکار ہوتا رہا، آخر کار آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک بیٹا دیا، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ خاموش! کہا دو دیئے. کہا خاموش! کہا کہ میں نے تین دیئے، غرض حق تعالیٰ آپ کو روکتا رہا، آپ بڑھتے رہے، یہاں تک کہ میں نے سات بیٹے دیئے۔ خداتعالیٰ نے فرمایا کہ بس کرو، اس قدر بہت ہیں۔ اس عورت کے اول لڑکی پیدا ہوئی، آپ نے وہ لڑکا بنادیا، پھر چھ لڑکے پیدا ہوئے، پورے سات ہوگئے۔ عورت نے جاکر حضرت عثمان ہارونی سے یہ قصہ بیان کیا، انہوں نے کہا کہ خدا کیا ہے،، بڑا ہی دغاباز ہے،، مجھ سے کہا، کہ اس کی قسمت میں اولاد نہیں ہے، پھر سید عبدالقادر کے کہنے سے اتنی اولاد دے دی۔ اسی وقت زنار پہن کر بت خانے میں جابیٹھے، چھ ماہ تک بت خانہ کی گھنٹی بجاتے رہے، سب مرید بھاگ گئے، صرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی باقی رہے، کہ پیر کافر ہے، تو میں بھی کافر ہوں، بعد مدت خداتعالیٰ نے، حضرت سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس بھیجے کہ سمجھا کر لاؤ۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سمجھایا کہ حضرت پیرانِ پیر کی زبان پر وہ سات بیٹے لکھے ہوئے تھے، وہاں آپ نے نہیں دیکھا تھا، یہ خود تمہاری غلطی ہے۔

حضرت عثمان ہارونی مسلمان ہوکر بت خانے سے نکلے، خواجہ معین الدین کی پشت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی، حضرت عثمان نے فرمایا کہ پشت ادھر مت کرو، انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ آپ نے مکرر سہ کرر منع کیا، تو خواجہ معین الدین چشتی نے جواب دیا کہ میرے پاس تو ایک ایمان تھا وہ آپ کو دے چکا، اب دوسرے کی طرف کس طرح سے توجہ کروں، خواجہ عثمان اس پر بہت خوش ہوئے اور ان کو خلافت عطا کردی۔

(۳) حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس کچھ الواح تھی، ان پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا، آپ ان پر اپنے پاؤں رکھ کر کھڑے ہوگئے، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ صاحب زادے! قرآن شریف کا ادب کرو، سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جبریل (علیہ السلام) کو ڈانٹا کہ خبردار! قرآن پر قرآن رکھ دیا، تو کیا حرج ہے۔ پھر صاحب زادے کو ارشاد فرمایا، کہ آپ انہیں اپنے پاؤں دکھلایئے، تو دونوں پاؤں کے نیچے تلووں میں قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔

(۴) کلمہ توحید میں دو چیزیں کفر ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا ہے، تو یہ کفر ہے اور جو جانے کہ آپ غیر خدا ہیں، یہ بھی کفر ہے۔

(۵) ایک بار جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا، کہ خداوندا! مجھ کو اپنا خاص بندہ دکھا دے، فرمایا فلاں بت خانے میں جا، آپ گئے، دیکھا کہ ایک شخص بت کے اعضاء پر ہاتھ رکھ کر کہتا تھا، خدایا یہ تیرا ناک ہے، یہ تیرا منہ ہے، یہ تیری آنکھیں ہیں، بت سے ہر بار آواز آتی تھی "لبیک عبدی" (اے میرے بندے میں حاضر ہوں!) حضرت جبرئیل لاحول پڑھ کر بھاگے، خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جبرئیل تو نے اسکے ظاہر کو دیکھا، وہ تو خاص ہم کو پکارتا تھا، ہم ہی جواب دیتے تھے۔

(۶) خدا تعالیٰ ہم کو ہرگز عذاب نہ کریگا، کیونکہ وہ ہم کو رزق دیتا ہے، پالتا ہے، دیکھو لکڑ کو پانی ڈبوتا نہیں ہے اس واسطے کہ اس کا پرورده ہے، ایک چور لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنے گھر لے جاتا تھا اور وہاں لے جاکر قتل کر دیتا تھا اس کا اسباب چھین لیتا تھا۔ ایک روز ایک شخص کو لے گیا، اس کو کچھ ضرورت پیش آ گئی، مسافر کو چھوڑ کر باہر گیا، اس کی بیوی صالحہ تھی، اس نے کہا کہ میاں مسافر تم کہاں پھنس گئے؟ یہ ظالم تم کو مار ڈالے گا، مسافر نے کہا میں بھوکا ہوں، کچھ کھلاؤ، عورت نے دو روٹیاں دے دیں، اس نے ایک کھائی، ایک باقی تھی، اتنے میں چور آ گیا، کہا تجھ کو یہ روٹی کس نے دی؟ کہا تمہاری بیوی نے، کہا چل جا تو نے میری روٹی کھائی ہے، اب میں تجھ کو نہیں مارتا۔

(۷) خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سید عبد القادرؒ سے کہا، کہ ہم کو سماع کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا کہ قوال نہیں ہے مگر ایک لڑکا قوال کا ہے، وہ بلایا گیا، اس نے کہا کہ مجھ کو گانا نہیں آتا، آپ نے اس کے باپ کی قبر پوچھی، وہ قبر پر لے گیا، [خواجہ صاحب نے] قُم بِاِذنی (یعنی میرے حکم سے اٹھ جا!) کہہ کر اس کو قبر سے باہر نکالا، وہ مع ساز اور باجے کے گاتا بجاتا ہوا قبر سے نکلا، دونوں صاحبوں نے راگ سنا اور وجد کیا، اس وقت پیران پیر اس طرح کھڑے تھے، کہ ایک ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا اور عصا مبارک زمین پر کھڑا کر کے زیر زنخ دبایا ہوا تھا، کسی نے سبب پوچھا فرمایا کہ میں نے اوپر کے ہاتھ سے آسمان کو اور عصا سے زمین کو تھاما تھا، اگر میں ان کو نہ تھامتا تو آسمان ٹوٹ پڑتا اور زمین پارہ پارہ ہو جاتی۔

الغرض اس کا کچھ وعظ اسی قسم کا ہوتا تھا، ان میں سے بخوفِ طوالت ان چند اقوال پر اکتفا کی جاتی ہے۔ بہت سادہ لوح مسلمان اس کو عارف باللہ سمجھ کر اس کے مرید ہو گئے، اور اس کے طریقے کو طریق حق جانتے ہیں، اب علمائے ربانی سے سوال یہ ہے کہ:

(۱) روایات صحیح ہیں یا نہیں؟ (۲) اگر صحیح ہیں، تو ان کا کیا مطلب ہے؟ (۳) جس کی ایسی گفتگو ہو تو وہ عارف باللہ اور شیخ کامل ہو سکتا ہے، یا نہیں؟ (۴) اس کی بیعت روا ہے، یا ناروا؟ کیا مرید کو ایسا ہی کرنا چاہئے، جیسا کہ خواجہ معین الدین

کی طرف منسوب (١) ہوا ہے۔ (٥) اس کے مرید جو ایسا عقیدہ رکھیں، جو اس کو عارف باللہ اور شیخ برحق جانیں کیسے ہیں؟ ان کی امامت درست اور ان کا ذبیحہ حلال ہے، یا نہیں؟ اور ان کو اسکی بیعت پر قائم رہنا چاہئے، یا نہیں؟ (٦) اس کا وعظ سننا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

جواب: قال اللہ تعالیٰ: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (٢)

یعنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی، اس کے بندوں نے قدر نہیں جانی، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کے جلال وقہر وغضب، رافت ورحمت سے جہلا کو اور اس وقت کے بعض جاہل نام کے مولویوں کو خبر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے حکم کے سامنے، نہ کسی ولی کو یارائے دم زدن ہے، نہ نبی کو: مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (٣) جب کسی پر حق تعالیٰ انعام کرنا چاہتا ہے، تو کوئی روک نہیں سکتا اور جب کوئی شئے کسی سے روک لیں، تو کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔ مشرکین عرب بھی اپنے الٰہ باطلہ کے سامنے، اللہ پاک جل جلالہ کو عاجز ومجبور نہیں جانتے تھے، اس وقت کے مسلمانوں نے نعوذ باللہ، اللہ پاک جل جلالہ کو اس کے بندوں کے سامنے (اپنے دعوی مسلمان پر) عاجز ومجبور ٹھہرا دیا۔

یہ شخص جس کا ذکر سوال میں ہے، اس کے کفر میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں، اس کا یہ تمام وعظ جو سراسر جہالت اور ضلال ہے، احادیث صحیحہ صریحہ اور نصوص قطعیہ کے سراسر خلاف ہے۔ چونکہ یہ امر بالکل ظاہر وبدیہی ہے، اس لئے اس مضمون کے اثبات کے واسطے، نہ نقل آیات کی ضرورت ہے نہ بسط روایات کی۔ پس ایسے شخص سے بیعت ہونا، یا اس کے وعظ ودرس میں شریک ہونا، یا اس کا کلام سننا، یا اس سے ملنا اور محبت کرنا، یا اس کا ذبیحہ کھانا، یا اس کی کسی ایسی تالیف وتصنیف کو دیکھنا، یا اس کے پیچھے نماز پڑھنا، کسی طرح اور کسی حال میں درست نہیں ہے، اور اگر بیعت کرلی ہو تو فسخ کرنا واجب ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

حجۃ الاسلام، تالیف عبدالحق کرنالی (طبع اول، مطبع بلالی اسٹیم، ساڈھورہ، ١٣٢٠ھ)

---

(١) یعنی یہ کہ اگر پیر کافر ہو تو مرید کہے کہ میں بھی کافر ہوں گا، اور یہ کہ ایک ایمان تھا وہ جب پیر کو دیدیا تو خدا اور رسول کو اس میں شامل ہونے کی گنجائش نہیں۔ حاشیہ ص ٦ حجۃ الاسلام، مرتبہ عبدالحق کرنالی۔ [نور]

(٢) سورۃ الزمر آیت ٦٧۔ ترجمہ: اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے، اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اس کی، دن قیامت کے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ) [نور]

(٣) سورۃ الفاطر آیت ٢۔ ترجمہ: جو کچھ کہ کھول دے اللہ ان لوگوں پر رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا، اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے سوائے، اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ) [نور]

مذکورہ سوال اور حضرت مولانا کے جواب کی تصدیق پر مبنی تحریر

جناب مولوی محمد حسین صاحب فقیر [مفتی، دہلوی]: ما أجابه (۱) الحضرة المجیب الذی أخذ من الشریعة الحظ الأوفی و شرب من رحیق الحقیقة کل کأس أصفی، قائد المرشدین وشائد معالم الطریقة و کسا تابعیه من حُلل أنوار الحقیقة، نائب رسول الله الأحد، مولانا المولوی الحاجی الحافظ الأورع رشید أحمد أدامه الله الصمد. فهو حقّ أحقّ بالا تّباع و أولیٰ، لأنّ الحقّ یعلو ولا یُعلیٰ. ولا شک فی کفر هٰذا الدجال الکذّاب المشرک المبتدع الّذی هٰذه عقائده. فیا أیّها النّاس دلائل الجواب قد جاء کم موعظةٌ من ربّکم فمن اهتدی فإنّما یهتدی لنفسه ومن ضلّ فإ نّما یضل علیها، ولعمری قد استطار الشرّ، وتزاید الضّرر، وظهر الکفر والارتداد والبدع والمنکرات والسّیئات فی قالب البرّ والخیر و التّصوف والحسنات والعبادات، ومن یضلل الله فما لهٗ من هاد، ومتی قضی اللّٰه أمراً فما لهٗ من رادّ، مادری المرتد أن أولئک السّابقین المقربین السابقون الأولون وأن هولاء الأوباش الذین

---

(۱) ترجمہ: حضرت مجیب (جنہوں نے شریعت کا کامل حصہ لیا ہے اور حقیقت کی خالص شراب کے نہایت صاف صاف پیالے نوش فرمائے ہیں، طلبگاران راہ خدا کے وہ رہبر اور مریدوں کے لئے طریقت کے نشانوں کو محکم کرنے والے ہیں [محفوظ ہیں، انہوں نے اپنے تابعین کو انوار حقیقت کے لباس پہنائے اللہ احد کے رسول (علیہ الصلوات والسلام) کے نائب حاجی حافظ پرہیز گار مولانا رشید احمد صاحب (اللہ بے نیاز ان کو سلامت با کرامت رکھے) انہوں نے جو جواب میں تحریر فرمادیا ہے حق اور اتباع (پیروی) کے لائق ہے (اس مسئلہ حق کا کوئی مبتدع ہرگز معارضہ نہیں کرسکتا) کیونکہ حق غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کے یہ عقیدے ہیں، (جو سوال میں لکھے ہیں) اس دجال جھوٹوں کے سردار، مشرک، بدعتی کے کفر میں (کچھ بھی) شک نہیں ہے پھر (جاؤتم) اے لوگوں (کہ یہ ہدایت کی) دلیلیں (جواس) جواب کی (عبارت سے واضح ہیں) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت نصیحت آئی ہیں۔ پس جو شخص (اس جواب سے) دین کے راستہ پر آجاویگا وہ اپنے ہی نفع کے لئے آویگا۔ اور جو کوئی بے راہ چلے گا وہی (راہ حق سے دور) بھوکا رہے گا۔ اور مجھ کو قسم ہے کہ شر پھیل گیا اور ضرر بڑھ گیا۔ اور کفر اور بے دینی اور بدعتوں اور خلاف شرع شریف کاموں اور گناہوں نے بھلائی اور بہترائی اور تصوف اور نیکیوں اور عبادتوں کے قالب میں ظہور پکڑا ہے جس کو خدا تعالیٰ گمراہ کرے اس کا کوئی ہادی نہیں اور جب اللہ تعالیٰ ایک امر کو جاری کرے اس امر کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اس (واعظ مذکور) مرشد نے یہ نہ جانا کہ یہ (حضرت بایزید اور پیران پیر وغیرہ) پہلے زمانہ میں بزرگ اور خدا کے مقرب بندے گذرے ہیں۔ یہ سب حضرات (ایمان اور اسلام کے قبول کرنے شعائر اسلام کو شریعت کے احکام اور آداب کو رواج دینے میں اور کفر، شرک، بے دینی، بدعت وحریت کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے میں بڑھ بڑھ کر درجہ اول پر پہنچنے والے تھے (اور نہ اس مرتد شخص نے یہ جانا) کہ یہ اوباش (دوغلے، بیرڑے، بازاری) لوگ جن کے یہ (خراب) عقیدے ہیں (جو سوال میں درج ہیں) یہ لوگ کمینے اور ارذل ہیں جس نے توحید اور سنت سے مخالفت اور انحراف اور روگردانی کی وہ شخص درماندہ ہو (حق کا رستہ گم کرکے گمراہی کے جنگلوں سرگرداں رہا) درماندہ ہوا (انہیں جنگلوں میں اس کا خاتمہ خراب ہوجاوے گا) اور نہیں عدول کرتا اس (راہ توحید اور سنت سے) مگر وہ شخص کہ جس کی (حق بین آنکھوں کا نور جاتا رہا۔ (اب ہماری دعاء یہ ہے کہ) حق تعالیٰ حضرت مجیب کو (یعنی جناب مولوی رشید احمد صاحب کو) سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ بطفیل حضرت سید المرسلین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے۔ اس عربی عبارت کو فقیر محمد حسین دہلوی نے لکھا ہے۔

هذه عقائد هم لئام أرذلون، كلّ من حادّ التّوحيد والسنّة وصدف عنها انحرف، ولا يعدل عنها إلاّ من نور بصيرته انكسف؛ فجزى الله المجيب رادّ الكفر خير الجزاء عن جميع المسلمين بجاه سيد المرسلين عليه الصلوٰة والسّلام.

حرره الفقير محمد حسين الدهلوی

نوٹ: عربی عبارت اور اس کا ترجمہ دونوں مولانا محمد حسین فقیر کی تحریر و یادگار ہیں۔ اگر چہ ترجمہ میں بعض فروگذاشتیں اور چند اضافے بھی ہیں، مگر ان سے کوئی خاص مسئلہ وابستہ نہیں، اور ترجمہ بھی خود عربی لکھنے والے کا ہے، اس لئے اس میں تصحیح و ترمیم نہیں کی گئی۔ العبد نورالحسن راشد کاندھلوی

(۵۱) تحریر جناب مولوی ابومحمد عبدالحق صاحب (صاحب تفسیر حقانی) أقول و بالله التوفيق!

یہ شخص در پردہ اولیاء اللہ (رحمہم اللہ) کا دشمن ہے اور غالباً یہ رافضی ہے، اسلئے کہ ایسے ویسے واہی تباہی قصص وہی بیان کیا کرتے ہیں۔ مثلاً پہلی روایت میں یہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی توہین کرتا ہے، کہ وہ معاذ اللہ ایسے گستاخ اور خدا تعالیٰ کو ایک معمولی شخص سے بھی محتاج اور عاجز سمجھتے تھے، یعنی تو کیا دے سکتا ہے اور تیرے پاس کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ (۱) جن لوگوں کی حقیقی خدا تک رسائی نہیں وہ اپنے قیاس باطل سے خدا تعالیٰ کو بھی دنیا کے معمولی آدمیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ مگر جس نے حقیقی خدا تعالیٰ کا جلال دیکھا ہے وہ تو کیا، آسمان کے ملائکہ مقربین بھی دہشت کے مارے سر نہیں اٹھا سکتے ہیں قال الله تعالىٰ: حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ الآية (۲) تو اس جاہل کے نزدیک حضرت بایزید گویا ایک ایسے ہی معمولی جاہل اور وہم پرست تھے۔ پھر اس کے نزدیک جاہل اور مبطل شریعت بھی تھے۔ کیونکہ شہادت کو امام حسین پر ختم کر کے اوروں کو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام میں سے ان اوصاف سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ پھر اس کے نزدیک نہ حضرت علی سخی تھے، نہ حضرت ابو بکر شجاع تھے، نہ حضرت عمر سخی تھے، نہ شجاع، نہ بعد کے ائمہ اہل بیت علیہم الرحمہ ان اوصاف سے متصف تھے، اور اس جاہل کو یہ معلوم نہیں کہ بایزید بسطامیؒ پہلے تھے یا حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ۔

دوسری حکایت میں اس کی غرض حضرت عثمان ہارونی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی (رحمہما اللہ) کی توہین ہے، کہ

---

(۱) سورۃ الجاثیہ، آیت: ۲۳۔ بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو (ترجمہ شیخ الہند)

(۲) سورۃ سبا، آیت: ۲۳۔ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جائے ان کے دل سے (ترجمہ شیخ الہند)

خواجہ کے پیرایسے بے دین اور کافر اور بد یقین اور خدا کے دشمن تھے۔ معاذ اللہ! عارفین الٰہی اور حقیقی اہل تصوف ان خرافات سے کوسوں دور ہیں۔ ایسا شخص بدمذہب، بے دین، جاہل، اولیاء اللہ کا دشمن ہے۔ اس شیطان مجسم سے دور بھاگنا چاہئے، اس کو تصوف اور طریقت سے مس بھی نہیں۔ علم کلام کی کتابوں میں علمائے اسلام اور حضرات صوفیہ کرام، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت عبدالقادر جیلانی نے تصریح فرمادی ہے کہ ایسے کلمات کفر ہیں، اور ایسا شخص شیطان ہے۔ ابومحمد عبدالحق

جواب مولانا رشید احمد صاحب کا صحیح ہے۔ محمد مرسلین مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی (نقل مہر) محمد مرسلین

واقعی جو جواب مولانا سلمھم اللہ تعالیٰ نے دیا عین حق ہے، اس سے تجاوز نہ چاہئے اور وہ واعظ خود گمراہ اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ محمد کرامت اللہ عفا اللہ عنہ

فی الواقع اس شخص کے دجال ہونے میں کوئی شبہ نہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ قربِ قیامت میں بہت سے دجال کذاب ہوں گے، یعنی علاوہ بڑے دجال کے۔ سومراد اس سے ایسے ہی لوگ ہیں، غرض اس شخص کو نہ مسلمان سمجھنا جائز نہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز۔ اور پیر یا امام بنانا تو بڑی بات ہے، وہ کیسے جائز ہوگا۔ غرض جو لوگ غلطی سے اس کے دام میں آگئے ہیں، ان پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور بیعت فسخ کر دیں، ورنہ قیامت میں اس شخص کے زمرہ میں شمار ہوں گے۔ المرء مع من احب (۱) کتبہ احقر اشرف علی عفی عنہ (۲)

مجیب سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا ہے وہ صحیح ہے، مسلمانوں کو ایسے عقیدے اور کفریات سے بچنا واجب ہے، اور نادانی اور کم فہمی کے سبب ان سے جو امر (۳) وقوع میں آیا، اس سے توبہ کرنا چاہئے، ورنہ ان کے لئے انجام برا ہوگا۔ خلافِ خدا اور رسول ہے۔ فتح محمد تھانوی

الأجوبة كلها صحيحة — محمد یحییٰ عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ عربیہ [گنبدان] پانی پت

الجواب صحيح — محمد جلیل اللہ مدرس مدرسہ عربیہ پانی پت

الجواب صحيح والرأي نجيح — محمد ابراہیم پانی پتی عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ عربیہ، [گنبدان] پانی پت

فی الواقع ایسے شخص کے کفر میں کچھ کلام نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ محمد عبدالحق اسلام آبادی

---

(۱) متفق عليه، عن ابن مسعودؓ :بخاری، كتاب الادب، باب علامة حب الله عز وجل، رقم الحديث : ۶۱۶۸ ج:۳، جز۸ ص:۳۳ [مكتبة الرياض:۱۴۰۴ھ] نیز بخاری شریف ج:۲ ص:۹۱۱ رقم الحدیث:۵۹۲۹ [مرادآباد:۱۴۱۵ھ] نیز مسلم، کتاب البر والصلة، باب المرء مع من احب، ج:۲، ص:۱۲۱۹، رقم الحديث: ۲۶۴۰ .ت: ابوقتيبه نظر محمد الفاريابى دارطيبه الرياض:۱۴۲۷ھ. نیز ج:۲ ص:۳۳۲ [مكتبه مجتبائی دهلی:۱۳۱۹ھ] [نیز دیکھئے مشکوۃ، کتاب الادب، باب الحب فی الله ومن الله، ج:۴ص:۱۸۶۴ رقم الحديث ۵۰۰۸.] نیز باب مذکور ص:۴۲۶ [عكس اصح المطابع رشيديه دهلی:۱۳۷۵ھ] [نور]

(۲) یعنی (حضرت مولانا) مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (وفات:۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) [نور]

(۳) یعنی اس شخص کا مرید ہونا تعظیم کرنا وغیرہ [نور]

جس قدر زمانہ سرور کائنات (علیہ الصلوات والسلام) سے بعد ہوتا جاتا ہے، ایسے ایسے فتنہ انداز دین میں ظاہر ہوتے جاتے ہیں: اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ۝ (۱) علاوہ اس کے مولانا روم علیہ الرحمہ اپنی مثنوی میں عام امت محمدیہ کو کس طرح سے آگاہ فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہر دستے نباید دا د دست

یہ شخص قطعی کافر ہے۔ معاذ اللہ من ذالک واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ احقر العباد رحیم بخش پانی پتی عفی عنہ

جوابات مندرجہ بالا سب صحیح ہیں، عوام الناس کو ایسے بے ادبوں اور جاہلوں کی صحبت سے بھی گریز کرنا واجب ہے، چہ جائیکہ ان سے بیعت کرنی اوران کو اپنا مرشد بنانا۔ یہ لوگ ضال مضل رخنہ انداز شریعت مصطفویہ علی صاحبها ألف ألف تحية ہیں، ان سے گریز واجب ہے اور اس قسم کے عقائد عین کفر کے عقائد ہیں، مسلمانوں کے ایسے مضمون کے اقوال سننا بھی نہیں جائز، جس نے ایسے شخص سے بیعت کی ہے، اس کو بموجب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ فسخ بیعت اور توبہ کرنی چاہئے۔ واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم

کتب العبد المذنب عبد السلام عفی عنہ الأنصاری پانی پتی ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ

الجواب صحیح والمجیب نجیح. بندہ ضیاء الحق عفا اللہ عنہ

قد أصاب من أجاب. واللہ ھو الموفق للصواب. محمد فضل الرحمان عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ عربیہ کرنال

تحریر حبرِ نبیل، فاضل جلیل، حقائق آگاہ، جناب مولانا مولوی عبد اللہ شاہ صاحب جلال آبادی، ثم الکرنالی

بسم اللہ الرحمان الرحیم

حامداً و مصلیاً !اقول وبا للہ التوفیق. اس جاہل واعظ نے سخت دلیری کی، اول اللہ تعالیٰ شانہ کی توہین کی، دوم بزرگان دین کے کلام کے غلط معنی بیان کیے، سوم پیشوایانِ دین کو تہمت لگائی، چہارم اُن کو دین کا اہانت کرنے والا ثابت کیا، پنجم جھوٹ اس قدر بولا کہ کسی طرح احتمال صدق کا نہیں رکھتا، ششم مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالا، ہفتم علماء وصلحاء زمانہ اُس کے کفر پر متفق القول ہیں اور اُس کی بیعت توڑ ڈالنے کو واجب لکھتے ہیں، ہشتم عقل سلیم اس کے اقوال کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے، پھر بھی نادان اور سادہ لوح مسلمان اُس کی اتباع اور تقلید کا دم بھریں تو تعجب ہے، معلوم نہیں

(۱) سورۂ توبہ آیت: ۴۹ سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں اور بیشک دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ہے کہ اُنھوں نے اپنے واسطے کیا حیلہ تجویز کیا ہے، جسکے ذریعہ سے بروز قیامت خدائے تعالیٰ کے سامنے بری الذمہ اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہوں گے۔

امرِ اوّل: یعنی توہین شان خداوندی کی، تو یہ کری ہے کہ کہا خداوند تعالیٰ کے علم پر صوفیوں کا علم غالب آجاتا ہے، اور یہ کہ بایزید تقریر میں خدائے تعالیٰ پر غالب آگئے اور نعوذ باللہ اُس کو منافق ہونے کی دھمکی دی، اور خدا نے بندوں کو اپنا حامی بنالینے کا اظہار کیا، تو کہا کہ میں اُن کو بھی تیری بندگی سے روک دوں گا، حتی کہ نعوذ باللہ خدا نے ہار کر صلح کر لی۔ اسی طرح کا مضمون حضرت عثمان ہارونی کی کہانی کا ہے، تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

امرِ دویم: یہ ہے کہ مثنوی شریف کے شعر کا یہ مطلب بیان کیا، کہ خدا کے علم پر صوفی کا علم غالب آجاتا ہے، حالانکہ کلمات طیبات میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس شعر کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ذات بحت کے مرتبہ میں صوفی کی توجہ صفات کی طرف نہیں رہتی، نہ صفت علم کی طرف، نہ کسی اور صفت کی طرف، اس میں خدا کے علم پر غالب آنے کا ذکر بھی نہیں ہے۔ (۱)

امرِ سوم: مثنوی کے شعر کا مطلب بیان کرنے سے اور بایزید کی کہانی سے بخوبی ثابت ہے، اور نیز اس سے کہ حضرت عثمان ہارونی نے کہا کہ میں ایسے دغاباز خدا کو نہیں پوجتا اور تسبیح توڑ کر بت خانہ میں چلے گئے، گھنٹی بجانے لگے۔ چھ ماہ کے بعد حضرت سرورِ عالم صلی اللہ وسلم نے آکر خدا تعالیٰ کی طرف سے صلح کی اور بت خانے سے نکالا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی (رحمۃ اللہ علیہ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پشت کرلی اور پیر کے منع کرنے پر بھی باز نہ آئے، پھر آخر یہ کہہ دیا کہ میرے پاس ایک ایمان تھا وہ آپ کو دیدیا میں پیغمبر کو کیا جانوں، نعوذ باللہ من ذالک۔ ان حضرات کی شان ان کفریات سے اعلیٰ وارفع ہے اور ملفوظات خواجگان چشت اہل بہشت میں، حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی (رحمۃ اللہ علیہ) کی خلافت کا قصہ مذکور ہے، اُس میں ان کفریات کا بالکل ذکر نہیں ہے۔

امرِ چہارم: ان کہانیوں کے تسلیم کرنے سے، اچھی طرح ثابت ہوجاتا ہے اور نیز حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) کے قصے سے۔ جب ایسے مقدس لوگ قرآن کی اہانت کریں، نعوذ باللہ منہ تو پھر کون تعظیم کرے گا۔

---

(۱) اس تحریر میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے حوالے میں سہو ہوا ہے، یہ تحقیق اور کلمات حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"علم حق با علم صوفی گم شود — ایں سخن کے باور مردم شود

یعنی: وقتیکہ صوفی متوجہ ذات بحت می شود، درآں وقت صفات الٰہی ہم مدنظر نمی باشد، پس صادق آمد کہ علم حق کہ صفتے از صفات حقیقیہ حق است، وانفکاک او از ذات محال است، دراں وقت در علم صوفی آں ہم مطرح نمی باشد، پس در علم صوفی گم شود، نہ در نفس الامر"۔

(کلمات طیبات، مکتوب حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، بنام قاضی شیخ محمد (قاضی کیرانہ)، مکتوب پنجم صفحہ: ۱۷۷-۱۷۸ [مطبع العلوم مراد آباد۔ ۱۳۰۳ھ] [نور]

امرپنجم: یعنی کذب، یہ اگرچہ اُس کے ہر ہر فقرہ سے ثابت ہے، مگر زیادہ توجہ کے قابل یہ بات ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ٢٦١ھ میں ہے اور حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ٤٧١ھ میں۔ پس آپ دوسو برس بعد وفات بایزید بسطامی کے پیدا ہوئے، حالانکہ آپ (یعنی واعظ مذکور) نے بایزید کی کہانی میں یہ بیان کیا، کہ خدا تعالیٰ بایزید کو کرامت دینے سے اس واسطے عاجز رہا کہ وہ حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ پر ختم ہو چکی تھی۔ ماشاء اللہ آپ کو تاریخ میں بھی بڑا کمال ہے۔ علاوہ ازیں نبوت کا ختم تو آیہ کریمہ: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (١) سے ثابت ہوا، مگر دیگر مراتب کے ختم ہو جانے کے واسطے کوئی وحی انہیں پر نازل ہوئی ہوگی، اور یہ کیسا غلط خیال ہے، کہ خدائے تعالیٰ کے خزانہ میں مراتب مذکورہ کے سوا اور کوئی رتبہ نہیں ہے۔ عبودیت، محبت، عشق، فنا، بقا، قرب وغیرہ ہزاروں مراتب بایزید مانگ سکتے تھے، مگر قصہ تراشنے والے کی غرض خدائے تعالیٰ کی عاجزی ثابت کرنا ہے۔ اِس واسطے ایسا کیا۔ عیاذًا باللہ.

امرششم: خود ظاہر ہے۔ سادہ لوح مسلمان اُس کو سید اور شیخ طریقت سمجھ کر مرید ہو گئے اور ایمان کو خیرباد کہا۔ علماء نے اُن پر کفر عاید ہونے کو فتوے تحریر کر دیئے، اب اگر بیعت پر قائم رہیں تو خرابی اور توڑ دیں تو خندیدگی ہے۔ میری رائے میں دنیا کی خندیدگی تو چند روزہ ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں، جب علماء اُس کی بیعت توڑنے کو واجب لکھتے ہیں، تو کسی جاہل کے کہنے سے ضد نہ کرنی چاہیئے، تاکہ عاقبت برباد نہ ہو۔

امرہفتم: علماء کی تحریروں اور اُن کے دستخطوں اور مواہیر سے جو مذکور ہو چکی، خوب واضح ہے۔

امرہشتم: بھی واضح ہے جو اوصاف خدائے تعالیٰ کے اور جو افعال اس نے بزرگوں کے بیان کئے ہیں، بالبداہت عقل اُن سے اباء اور انکار کرتی ہے۔ اب اس قدر روشن دلیلوں کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو اُس پر صادق آتا ہے: فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ ۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ٥ (٢) یعنی اس کے بعد کونسی بات باقی رہ گئی، جس کے ذریعہ سے یہ لوگ ایمان لاویں گے۔ خدایا تو گواہ رہ ہم نے سمجھا دیا، اب جو شخص نہ مانے اور ضد کرے اُس کا حساب خدائے تعالیٰ پر ہے۔ واللہ یهدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم. وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

دستخط مولوی عبداللہ شاہ صاحب

---

(١) سورۃ الاحزاب آیت ٤٠۔ ترجمہ: لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔ (ترجمہ شیخ الہند)

(٢) الاعراف: ١٨٥، ترجمہ: سو اس کے پیچھے کس بات پر ایمان لائیں گے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

(۵۲) صریر[1] افضل از جریر[2] برخاستہ ازقلم معجز رقم مقبول بارگاہ رب کریم جناب مولانا مولوی محمد ابراھیم صاحب کرنالی ادامہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا المجیب (جناب مولوی رشید احمد صاحب عمت فیوضھم وبرکاتہم ودام ظلہم) نے اور دیگر علماء نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے، احقر نے وہ سب دیکھا، حق اور لائق اتباع ہے۔ سوال کو بھی میں بوجہ اپنی ذاتی واقفیت کے بے کم وکاست ٹھیک اور درست پاتا ہوں، واعظ مسئول عنہ کے وہی اقوال درج سوال ہیں، جو تواتر اور شہرت کے طور پر اُس کے ایام وعظ میں، میرے پاس پہنچے تھے اور بعض وہ اقوال ہیں، جو میرے مکان کے قریب محلہ قصابان میں، اُس نے وعظ کے اندر کہے، اور میں نے اپنے گھر بیٹھے ہوئے سنے، ہم نے پیغام دیا کہ گفتگو کرلو، احقاقِ حق ہوجاوے۔ اُس نے اپنے فقیر ہونے کا عذر اور بہانہ کر کے گفتگو سے انکار کردیا، والی اللہ المشتکی (۳)

فی الواقع اس شخص کے اقوال باطلہ، کفار امم سابقہ اور مشرکین عرب سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں۔ وہ اپنے باطل معبودوں کی ذات یا صفات کو، خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات پر غالب نہیں کہتے تھے اور خدا تعالیٰ کو کسی سے (نہ بوجہ تعشق نہ بوجہ عجز وعدم قدرت) کسی طرح پر بھی دبنے والا، لاجواب ہونے والا نہیں جانتے تھے۔ اس پر بھی ان کے عقاید باطلہ اور اقوالِ فاسدہ کو (جو اس شخص کے عقاید اور اقوال سے کمتر باطل اور فاسد تھے) مٹانے کے لئے، حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے، آسمانی کتابیں نازل کیں، جملہ کتب سماوی اور شریعتیں حضرت خداوند تعالیٰ کے جلال اور قہر اور غضب اور قدرت کے سامنے، جمیع مخلوقات کا (جس میں تمام ملائک اور انبیاء اور اولیاء بھی شامل ہیں) عاجز اور ناتواں اور جملہ صفات یعنی سمع، بصر، قدرت، علم وغیرہ وغیرہ میں مغلوب، بلکہ کان لم یکن ہونا ظاہر کررہے ہیں۔ ان جہلاء نے خالق اور مخلوق، خدا اور بندہ، واجب اور ممکن میں کچھ بھی فرق نہیں سمجھا، ذات وصفات خداوندی واجب اور قدیم اور تمام مخلوق، اپنی ذات وصفات میں ممکن اور حادث، بلکہ مخلوق کی صفات کو صفات خداوندی کے ساتھ سوائے مشارکت اسمی کے اور کچھ بھی مشارکت اور مجانست نہیں ہے: سُبْحٰنَهٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ (۴)

(۱) صریر آواز قلم کہ بوقت نوشتن برخیزد ۱۲۔ [از مرتب فتوی مذکور]
(۲) جریر نام افصح الشعرائے عرب ۱۲۔ [از مرتب فتوی مذکور]
(۳) یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے شکایت ہے۔ [از مرتب فتوی مذکور]
(۴) سورۂ بنی اسرائیل آیت: ۴۳۔ ترجمہ: وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تمام مسلمانوں کا (جس میں اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام بھی شامل ہیں) یہی عقیدہ ہمیشہ رہا، اور اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گا اور یہی عقیدہ فارق ہے درمیان کفر اور اسلام کے اور فارق ہے درمیان خدا کے دوستوں اور دشمنوں کے۔ اور نیز یہ عقیدہ مسلمانوں کا ہے کہ کوئی ولی کسی نبی کے رتبہ کو نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے، تمام اولیائے امت کو جس قدر قرب خداوندی نصیب ہوا، وہ سب بذریعہ اتباع شریعت اور برکت کفش برداری حضرت سرور عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے نصیب ہوا۔ جملہ اولیاء اللہ آداب شرعیہ کے ساتھ متادب رہے، اور اسی پر اُن کا خاتمہ ہوا، (اللہ تعالیٰ اُن سب پر اپنی رحمت فرماوے اور ہم کو اُن کا اتباع نصیب کرے آمین)۔

جس نے مندرجہ بالا عقاید کے خلاف کچھ کہا یا مانا، وہ اسلام سے خارج ہوا اور کفر میں داخل ہوا، یہ امور بھی ضروریات دین سے ہیں اور ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے، ایسا ہی فقہ اور عقاید کی کتابوں میں ہے۔ جس شخص کے اقوال درج سوال ہیں، وہ علوم دینی سے تو بے بہرہ تھا ہی، مگر معلوم ہوا کہ اُس نے اولیاء اللہ کے حالات اور سوانح عمری کی کتابیں بھی نہیں دیکھی سنیں، تذکرۂ مشائخ کی اور سیر و تواریخ کی متعدد کتابیں اس وقت میرے روبرو رکھی ہیں، منجملہ ان قصوں اور کہانیوں کے کسی کتاب میں ایک کی بھی، کچھ اصل یا نقل موجود نہیں ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ جاہل کسی اور بھی معتبر کتاب میں نہیں دکھلا سکتا۔ ظاہر اس کے ان قصے کہانیوں کے گھڑ لینے سے غرض، مُریدوں پر اپنا سکہ بٹھانا ہے، کہ ہم نے ایسے ڈر اور کارخانہ خدائی میں ہمارا ایسا دخل اور زور سمجھو، اور ہماری کسی حالت اور ہمارے کسی عمل بد کو بُرا نہ سمجھو۔

بعید نہیں کہ یہ شخص (جیسا کہ مولوی عبدالحق صاحب نے لکھا ہے) رافضی غالی ہو، مگر ہم نے جہاں تک تحقیق کیا، اس زمانہ میں اس خیال کے شیعہ نہیں ہیں اور نہ اُن کی یہ عادت ہے، البتہ اس قسم کی چالاکیاں مشن کے عیسائیوں میں پائی جاتی ہیں، عجب نہیں ہے کہ وہ شخص عیسائی ہو یا یہودی ہو اور اُس نے مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالنے کو یہ شیوہ اختیار کیا ہو۔ واللہ اعلم

اگرچہ ہم کو نقل آیات اور بسط روایات کی اس جگہ ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جس کو ایمان ہو اور اسلام سے کچھ بھی بہرہ حاصل ہے وہ ان اقوال اور عقاید کے بطلان میں اور ایسے شخص کے کفر اور گمراہی میں، اور اُس کی صحبت اور بیعت کے حرام اور اُس کے ذبیحہ کے مردار ہونے میں، کچھ بھی شک اور شبہ نہیں کر سکتا۔ البتہ مجھ کو حضرت بایزید بسطامی اور سیدنا محبوب سبحانی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی اور خواجہ معین الدین چشتی (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) کے کچھ اقوال اور احوال (برخلاف بیان اُس بدنام کنندۂ نکونامے چند کے) لکھ دینے مناسب معلوم ہوتے ہیں، تا کہ عوام پر بخوبی واضح ہو جاوے کہ یہ سب بزرگ اُن قصوں سے جو درج سوال ہیں، بالکل مبرّا ہیں، اور اُن کی شان اس سے منزہ ہے اور اس واعظ کی بیان کردہ حکایات سراسر جھوٹ اور ان بزرگوں پر صریح تہمت ہیں۔

امام شعرانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) لواقح الانوار میں، بذیل تذکرۂ حضرت بایزید بسطامی (قدس سرہ العزیز) آنجناب کا قول نقل

کرتے ہیں فرمایا کہ، میں نے ایک رات محراب میں اپنا پاؤں پھیلایا تھا، ہاتف نے آواز دی کہ جو شخص بادشاہوں کے پاس بیٹھے، اُس کو حسنِ ادب سے بیٹھنا چاہئے۔

آپ نے انتہاءِ مدارج میں دعاء کی کہ الٰہی مجھ کو اب تک تیرے قرب کی راہ نہیں ملی، کیا کروں، حکم ہوا کہ تیرے تمام قبض کی کشائش، جملہ مشکلات کا حل، دوری اور مجبوری سے خلاص، صرف ہمارے حبیب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت میں ہے، اُن کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ کر اور اُن کی پیروی پر مداومت رکھ۔

لوائح میں حضرت محبوب سبحانی سیدی عبدالقادر جیلانی غوث اعظم (قدس سرہ) کے حال میں لکھا ہے کہ، آپ اپنے مدرسہ میں صبح وشام علوم تفسیر، حدیث، فقہ، اُصول، نحو پڑھاتے اور فتوے دیتے تھے، وصفاً وحکماً وحالاً طریقہ توحید پر اور ظاہراً وباطناً حقیقت شرع شریف پر، آپ فرماتے تھے: اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تفرقوا یعنی اتباع شریعت کا کرو، بدعت نہ کرو۔ اطاعت کرو، تفرقہ نہ کرو۔ (۱) اور فرماتے تھے جب تو اپنے دل میں کسی شخص کا بغض یا حب پاوے، تو اُس کے افعال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم پر عرض کر، اگر وہ افعال کتاب اور سنت میں محبوب ہوں، تو اُس شخص کو دوست رکھ اور اگر مکروہ ہوں تو مکروہ رکھ، تا کہ تو کسی کو اپنی نفسانی خواہش سے مبغوض یا محبوب نہ رکھے، قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۲) اور کسی شخص کو نہ چھوڑ مگر واسطے اللہ کے، یعنی جب کہ تو اُس کو کسی کبیرہ کا مرتکب، یا کسی صغیرہ پر مصر دیکھے۔ اور فرمایا ہر حقیقت جس کی شہادت شریعت نہ دے، باطل ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (قدس سرہ) کی کتاب دلیل العارفین سے نقل کیا ہے، کہ خواجہ معین الدین چشتی (قدس سرہ) فرماتے ہیں کہ، میں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ، خداتعالیٰ کے ایسے ایسے دوست ہیں کہ اگر وہ تھوڑی دیر بھی دنیا میں خداتعالیٰ سے محجوب رہیں، تو نیست ونابود ہو جاویں۔ (۳)

مسلمانو! سوچو، سمجھو، کہ ان سچے قصوں سے حضرت بایزید بسطامیؒ کا کس قدر متادب بآداب شریعت ہونا ثابت ہوتا ہے:

حافظا علم وادب ورز کہ مجلس شاہ هر کرا نیست ادب لایق صحبت نیست (۴)

---

(۱) ترجمہ صاحب تحریر کا ہے۔ یہ روایت مذکورہ الفاظ میں مجھے نہیں ملی، اس کے قریب کے الفاظ پر مشتمل روایت یہ ہے: اتبعوا ولا تبتدعوا فقد کفیتم، رواه الطبرانی فی الکبیر، عن عبدالله بن مسعودؓ قال الهیثمی "ورجاله رجال الصحیح".
(مجمع الزوائد، باب الاقتداء بالسلف ص۱۸۱ ج: ۱ دارالکتب العلمیة بیروت: ۱۴۰۸ھ) (نور)

(۲) سورہ صٓ آیت ۲۶۔ ترجمہ: یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ خواہش کی پیروی نہ کر کیونکہ خواہش کی پیروی تجھ کو اللہ کی راہ سے بچلا دیوے گی۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

(۳) اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۷، فارسی (مطبع احمدی دہلی: ۱۲۷۰ھ) [نور]

(۴) یہ شعر حافظ کا نہیں ہے، حافظ کے دیوان میں نہیں ملا، یہ دراصل سعدی اور حافظ کے دو مصرعوں کو ملا کر نیا شعر تیار کیا گیا ہے۔ [نور]

اور حضرت محبوب سبحانی پیران پیر (علیہ الرحمۃ والغفران) کس قدر عالم معلم، بدعت شکن، متبع سنت ثابت ہوئے:

مپندار سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفی
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید (۱)

اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے قول سے ثابت ہوا، کہ اس واعظ نے آنجناب کی شان پر کس قدر بہتان عظیم افترا کیا ہے، کہ وہ خدائے تعالیٰ سے روٹھ کر ایک عرصہ دراز تک بت خانہ میں گھنٹی بجاتے رہے، آنجناب تو ایک لمحہ کی بھی جدائی کو باعث ہلاکت فرمارہے ہیں۔ شیخ صاحب نے خواجہ معین الدین چشتی (قدس سرہ) کا قول لکھا ہے کہ، محبت کی یہ نشانی ہے کہ تو مطیع ہووے اور اس بات سے ڈرتا رہے کہ کبھی مجھ کو دوست، اپنی درگاہ اور حضوری سے نکالدے، اور فرمایا، ہم سالہا اس کار (مجاہدہ اور حضوری) میں مجاور رہے، انجام کار ہیبت کے سوا اور کچھ ہم کو نصیب نہیں ہوا، آدمی منزل معرفت اور حضوری سے نزدیک نہیں ہوتا، مگر نماز میں فرمانبرداری کرنے سے، کیونکہ نماز مؤمنوں کی معراج ہے۔

کتاب سیر الاقطاب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی (قدس سرہ) کے حال میں لکھا ہے کہ "آپ حافظ قرآن مجید تھے، دو ختم ہر روز کرتے تھے، ایک دن کو ایک رات کو، صائم الدہر، قائم اللیل تھے، ہمیشہ عشاء کی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔" (۲)

ان حکایتوں سے کس قدر خواجہ معین الدین چشتی (قدس سرہ) کا، پابندِ اطاعتِ سنت، خائف عظمت وہیبت اور شان خداوندی سے دبے ہوئے رہنا، اولیاء کے علم کا علم خداوندی کے سامنے بے حقیقت اور نابود ہونا، نماز اور طاعت کی عظمت دل میں رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی اور خواجہ معین الدین چشتی اور بابا فرید گنج شکر (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) کے دست مبارک پر لاکھوں کافر مسلمان ہوئے تھے۔ اگر ان حضرات کے عقاید، احوال، اقوال ایسے ہوتے جیسے کہ اِس جاہل واعظ نے بیان کیے، تو ان حضرات کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ کسی کو مسلمان بناتے۔ اس شخص کے قول اور مسلک کے موافق تو اسلام اور کفر میں کچھ بھی فرق نہیں ہے اور اسلام کو کفر پر کچھ تفوق نہیں۔ نعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا. (۳)

---

(۱) بوستان سعدی حمد، ص: ۹ (نول کشور، کانپور۔ ۱۸۸۱ء) مگر اشعار کی یہ ترتیب درست نہیں، جو شعر پہلے درج ہے وہ بعد کا ہے اور بعد کا پہلے آنا چاہئے۔

ترجمۂ اشعار: جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کے خلاف چلا وہ کبھی بھی صحیح راستہ پر نہ پہنچے گا۔ سعدی یہ نہ سمجھ کہ سچائی کی راہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کہیں اور بھی ہے۔

(۲) سیر الاقطاب مشائخ چشت کے احوال پر شیخ اللہ دیا چشتی کیرانوی کی تالیف ہے (مؤلفہ ۱۰۵۴ھ) مگر اس موقع پر سیر الاقطاب کا حوالہ لکھنے میں سہو ہوا۔ سیر الاقطاب [کے اردو ترجمہ، از محمد علی جویا، مطبوعہ منشی نول کشور پریس، لکھنؤ ۱۲۹۹ھ۔ ۱۸۸۲ء میں] حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے، اگرچہ ص: ۱۱۵ سے ص: ۱۲۸ تک واقعات درج ہیں، مگر اس میں یہ الفاظ یا اس مفہوم کی کوئی عبارت موجود نہیں [نور]

(۳) ترجمہ: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے عملوں کی برائیوں سے۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب محروم شد از فضل رب

اسلام میں حفظ مراتب، بہت بڑی اور نہایت ضروری چیز ہے۔　ع

گرحفظ مراتب نہ کنی زندیقی

واللّٰہ یھدی من یشاء إلیٰ صراطٍ مستقیم.(۱) وصان اللّٰہ تعالیٰ إیانا وإیاہ وإیاکم من شر کل غبی وغوی وعن مخالفات الحق والیقین. وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین.

حـــرره العبــــد

الاحقر الاثیم راجی رحمۃ ربہ الکریم محمد ابراہیم .... محمد بن شیخ ابی العلی الحنفی القادری النقشبندی الکرنالی

هذه الأجوبة صحيحة ومنكره فضيح　　ابوالقاسم سید احمد عفی عنہ دہلوی

أصاب من أجاب واللّٰہ أعلم وعنده أم الكتاب　سید میران شاہ عفی عنہ مولاہ مدرس دار العلوم لکھنؤ

(حجۃ الاسلام- مرتبہ محمد عبدالحق کرنالی ص۳ تا ص۲۱ مطبع بلالی سٹیم، ساڈھورہ: ۱۳۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو ندا کرنا اور کسی سے مدد چاہنا

(۵۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جانا صحیح ہے مگر اس کی وجہ سے آپ کو ندا کرنا جائز نہیں

سوال: اعمال امت کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر صبح وشام یا دوشنبہ پنجشنبہ کو پیش ہوتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: اعمال امت کے فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش ہوتے ہیں،(۲) بعض روایات میں صبح وشام کا

---

(۱) ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھی راہ دکھادے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور اُس شخص کو اور تم (اس فتوے کے پڑھنے والوں) کو ہر ایک غبی اور کجرو کی بدی سے اور حق ویقین کی مخالف باتوں سے بچاوے اور آخر میں ہمارا یہ کلام ہے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور اللہ رحمت بھیجے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی سب آل واصحاب پر۔ [نور]

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمال پیش کئے جانے کی روایت، حکیم ترمذی سے سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کی ہے [حدیث نمبر: ۳۳۱۶] کے الفاظ یہ ہیں: تعرض الأعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللّٰہ وتعرض علی الأنبیاء وعلی الآباء والأمہات یوم الجمعۃ، الی آخر الحدیث. ترجمہ: پیر اور جمعرات کو اللہ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں، اور انبیاء پر (ان کی امتوں کے) اور ماں باپ پر، جمعہ کے دن پیش کئے جاتے ہیں، پس وہ ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی چمک دمک میں اضافہ ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو نہ ستاؤ، یہ روایت مقطوع ہے، عبدالعزیز کے والد سے مروی ہے۔ (فیض القدیر ۳: ۲۵۱) اس کے علاوہ دوسری کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ (پالن پوری)
بعض اور جزئیات کی معلومات کے لئے دیکھئے: نوادر الفقہ [مجموعہ افادات حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہم ودامت برکاتہم شیخ الحدیث، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور] ص: ۱۹۰-۱۹۲ [لکھنؤ: ۱۴۳۱ھ] (نور)

بھی ذکر ہے، مگر اس پیشی اعمال سے ندا کرنا آپ کو درست (معلوم) نہیں ہوتا، کہ مشابہت بشرک اور عوام کے عقیدہ کے افساد کا سبب ہے لہٰذا ناجائز ہے۔ علی ھٰذا دیگر امور کا خیال کرنا چاہئے، اجمالاً اشارہ عاقل کو کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ اللہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں۔ ص: ۱۴۴-۱۴۵)

(۵۴) بزرگوں کے نام سے حق تعالیٰ سے توسل جائز ہے:

سوال: خواندن سلسلہ نقشبندیہ باشد یا قادریہ یا سہروردیہ، جائز است، یا نہ؟ ہر چہ باشد مع دلیل، بیان وارقام فرمایند، تا اجر عند اللہ یابند۔ زیرا کہ بعض مولویان شرک گویند۔

ترجمہ: سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا (شجرہ) پڑھنا چاہئے یا قادریہ یا سہروردیہ کا، جائز ہے یا نہیں ہے، جو کچھ (مسئلہ) ہو، دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیں، تا کہ حق تعالیٰ سے اجر پائیں۔ یہ اسلئے کہ بعض مولویوں نے اس کو شرک کہا ہے۔

جواب: در سلسلہ خواندن جز ایں نیست کہ بوسیلہ اسماء بزرگان دعا می کنند کقولھم: الٰہی بحرمت فلاں عاقبت بخیر گرداں، مثلاً۔ پس توسل باسماء مقبولان در دعاء چہ باک است؟

جواب: سلسلہ (شجرہ) پڑھنے میں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کہ بزرگوں کے نام کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں، جیسے پڑھنے والوں کا کہنا: اے اللہ! بحرمت فلان انجام بخیر فرما۔ یہ دعا بطور مثال ہے، پس دعا میں مقبول بندوں کے نام سے توسل کرنے میں کیا بات ہے۔

در حدیث است در دعاء صبح وشام:

أسئلک بنور وجھک و بحق السائلین علیک (الخ)(1) پس ہر گاہ کہ بحق السائلین سوال جائز شد، دیگر مقبولان را ذکر کردن چرا جائز نہ باشد؟

آرے لفظ حق بسبب شیوع عقیدہ رفضہ ومعتزلہ فقہاء مکروہ گفتہ اند، مگر لفظ بحرمت را کسے ناجائز نہ گفت، فقط۔ البتہ اسماء بزرگان مثل ذکر حق تعالیٰ کردن درست نیست، کما قالوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) روایت کے الفاظ یہ ہیں: وعن ابی امامۃ الباھلی، قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اصبح واذا امسیٰ دعا بھذا الدعاء اللھم انت احق من ذکر وأحق من عبد وانصر من ابتغی وأرأف من ملک وأجود من سئل وأوسع من اعطی، انت الملک لاشریک لہ والفرد لایھلک، کل شیٔ ھالک إلّا وجھک... وأنت اللہ الرؤف الرحیم أسألک بنور وجھک الذی أشرقت لہ السموات والأرض بکل حق ھو لک وبحق السائلین علیک أن تقبلنی فی ھذہ الغداۃ أو فی ھذہ العشیۃ وأن تجیرنی من النار بقدرتک. رواہ الطبرانی وفیہ فضال بن جبیر وھو ضعیف، مجمع علی ضعفہ. مجمع الزوائد (۱۰/ ۱۱۷) دار الکتب العلمیۃ بیروت] [نور]

ترجمہ: (اے اللہ!) میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے چہرے کے نور کے واسطے سے، اور ان لوگوں کے واسطے سے جو آپ سے سوال کرتے ہیں۔

پس جب کہ بحق سائلین سوال جائز ہے، تو دوسرے مقبولانِ بارگاہ کا ذکر کرنا کیوں جائز نہ ہوگا۔ ہاں! مگر لفظ حق، شیعوں اور معتزلہ کے عقیدہ میں عام ہونے کی وجہ سے، فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ہے، مگر لفظ بہ حرمت کو کسی نے بھی ناجائز نہیں کہا۔ فقط مگر بزرگوں کے ناموں کو حق تعالیٰ کے اسماء کی طرح ورد کرنا (پڑھنا) صحیح نہیں، جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ (ت۔ نور)

(مجموعہ کلاں ص ۳۰-۱۳۱)

(۵۵) غیر اللہ سے مدد مانگنا یا دعا کرنا شرک ہے:

سوال: ایک شخص نے منت اس طور سے مانی کہ یا علی، یا پیران پیر! آپ میری طرف سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ مجھے اولاد دے، یا شیخ! جو میری مراد بر آوے تو آپ کے نام کے پانچ روپیہ کی شیرینی یا پلاؤ پکوا کر، فاتحہ کراؤں، چنانچہ اس کی مراد بر آئی، اس نے بعد بر آنے مراد کے، ایک تاریخ مقرر کر کے، اس بزرگ کے نام کی شیرینی پر خوب دھوم دھام سے فاتحہ کرائی۔

اور اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر جا کر کہے، یا حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ میری فلاں مراد بر آوے، تو یہ کہنا شرک ہے، یا نہیں؟

جواب: اس طرح نذر کرنا کہ یا پیر تم دعا کرو! دور دراز سے، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اولیاء اللہ دور سے سنتے جانتے ہیں، شرک ہے۔ علم غیب سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں، خود قرآن شریف میں موجود ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ. (سورہ انعام آیت ۵۹)

اور حق تعالیٰ ہی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اسکے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور جو چیز خاصہ حق تعالیٰ کا ہو، اس کو دوسروں کے واسطے ثابت کرنا شرک ہوتا ہے، پس جو کوئی اولیاء میں غیب دانی ثابت کرتا ہے تو وہ شرک ہے۔ ہاں حق تعالیٰ بعض اوقات بعض اشیاء کا علم اپنے مقبولوں پر ظاہر کر دیتا ہے، سو یہ امر دائی نہیں، اور سب اشیاء کا علم اس سے ہو سکے [یہ ممکن نہیں] پس اگر یہ عقیدہ کسی کا ہو [کہ] بعض وقت بعض اشیاء کا علم ولی کو باعلام اللہ تعالیٰ حاصل ہوتا ہے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اور نذر اس طرح کی کرنی کہ اگر ہمارا کام ہو گیا، تو پانچ روپے کی شیرینی پر تمہارے نام سے فاتحہ کریں، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ بواسطہ تم کو ثواب پہنچائیں گے، اس نیت میں کچھ حرج نہیں، کہ نذر حق تعالیٰ کی ہے اور ثواب بزرگ کی روح کو پہنچایا ہے، مگر اس شیرینی اور طعام کا فقراء کو کھانا درست ہے اور اغنیاء کو حرام ہے۔ اور اگر یہ معنی مراد ہیں کہ

تمہارے ہی نام کی نذر ہے، تو بیشک یہ شیرینی اور طعام بالکل حرام ہے، فقیر اور غنی کسی کو اس کا کھانا درست نہیں۔ قال فی الدر المختار وشرحه:

اعلم أنّ النذر الّذی یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدّراهم والشّمع والزّیت ونحوها، إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً الیهم، کأن یقول یا سیدی ان....... قضیت حاجتی فلک من الذهب اومن الطعام او الشمع اوالزیت کذا، فهو بالإجماع باطل وحرام بوجوه:

منها انه نذر للمخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز، لانه عبادة والعبادة لا تکون للمخلوق.

ومنها انه ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللّٰه تعالیٰ، واعتقاده ذلک کفر اللّٰهم إلاّ ان قال یا اللّٰه! انی نذرت لک ان شفیت مریضی.... ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدة نفیسه او الامام الشافعی مثلا.........

مما یکون النذر للّٰه تعالیٰ والنفع للفقراء، وذکر الشیخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقیه القاطنین برباطه او مسجده، فیجوز بهذا الاعتبار ولا یجوز ان یصرف ذلک لغنی.... ولا ینعقد ولا تشتغل الذمة به ولا نه حرام بل سحت" انتهٰی مختصراً(۱)

ترجمہ: جان لو! وہ نذر جو اکثر عوام مردوں کے لئے کرتے ہیں اور جو کچھ پیسے موم، تیل اور اس جیسی چیزیں بزرگوں کے مزارات پر ان کی قربت [وتوجہ] حاصل کرنے کے لئے لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے میرے سردار! اگر میری فلاں ضرورت پوری ہوگئی، تو میں تمہارے لئے اس قدر سونا، یا کھانا یا روشنی یا تیل وغیرہ لاؤں گا۔ تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نذر باطل اور حرام ہے، اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مخلوق کے لئے نذر ہے اور مخلوق کے لئے نذر جائز نہیں؛ کیونکہ یہ عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی۔

(۲) اور یہ ہے کہ اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ میت (قبر والا) ہمارے معاملات (اور کام) کے پورا کرنے

(۱) درج بالا اقتباس میں اصل عبارت میں سے کچھ حذف وتخفیف ہے، تسلسل کے ساتھ مکمل عبارت نقل نہیں کی گئی، الدر المختار باب مایفسد الصوم ومالا یفسد فصل فی العوارض ج: ۱ ص: ۱۵۵ [عکس مجتبائی دیوبند: ۱۳۱۳ھ] ملاحظہ ہو: شامی فصل فی العوارض، مطلب فی العذر الذی یقع الموت ص: ۱۲۸، ج: ۲، باب الذی یقع الاموات [مجتبائی دہلی] نیز شامی فصل مذکور مطلب مذکور، ج: ۲ ص: ۴۳۹ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ] ونیز شامی فصل مذکور ج: ۲ ص: ۱۳۹ [مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۳۹۹ھ] (نور)

میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ دخل رکھتا ہے، اور ایسا عقیدہ (اور خیال) صرف کفر ہے۔

مگر ہاں! یہ صورت درست ہے کہ یہ کہے اے اللہ! میں تیرے لئے نذر مان رہا ہوں، اگر میرا مریض صحت پالے، تو میں غرباء کو جو مثلاً سیدہ نفیسہ یا امام شافعی کے دروازوں پر ہیں، کھانا کھلاؤں گا۔

اس صورت میں نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور اس کا نفع غریبوں کے لئے اور شیخ نے ذکر کیا ہے کہ (ایسی) نذر اس کے مستحقین کا حصہ ہے (اپنی اپنی کوٹھریوں میں) کسی سرائے یا مسجد میں رہتے ہوں، تو یہ نذر اس پہلو سے درست ہوگی، اور اگر اس کو صاحب حیثیت لوگوں پر خرچ کرے گا، تو درست نہیں ہوگی۔ ایسی نذر نہ واجب ہوتی ہے اور نہ اس کا پورا کرنے کی ذمہ داری ہے، کیوں کہ یہ نذر حرام بلکہ (ناپاکی) اور گمراہی ہے۔

الغرض اس روایت سے صاف معلوم ہوگیا کہ نذر اگر حق تعالیٰ کے نام کی ہے تو صدقہ (ہے)، فقیر کو کھانا حلال ہے، غنی کو حرام ہے۔ اور اگر نذر خود شیخ کے نام کی ہے، تو نذر حرام ہے اور طعام بحت وحرام ہے، کسی کو اس کا کھانا درست نہیں، نہ فقیر کو نہ غنی کو، مگر جیسا مردار کھانا، وقت اضطرار درست ہوجاتا ہے، تو فقیر کو اضطرار میں جب کچھ نہ ملے، تو اس کو بھی کھانا درست ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں۔ اور قبر پر کسی ولی کی جاکر یہ کہنا، کہ تم میرے واسطے دعاء کرو، اس میں اختلاف ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

والاستمداد مِنْ أهل القبور في غير النبي صلى الله عليه وسلم او الأنبياء عليهم السلام، فقد أنكره كثير من الفقهاء، وقالوا ليس الزيارة إلا لدعاء الموتىٰ والاستغفار لهم، وإيصال النفع اليهم بالدعاء وتلاوة القرآن. واثبته المشائخ الصوفية قدس الله أسرارهم وبعض الفقهاء، رحمهم الله تعالىٰ. (۱)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ، اہل قبور میں سے کسی سے مدد طلب کرنا؟ اکثر فقہاء نے اس سے منع کیا ہے اور ان سب نے کہا ہے کہ قبروں کی زیارت صرف مردوں کے لئے دعاء، استغفار اور قرآن شریف کی تلاوت کے ذریعہ، نفع پہنچانے کیلئے ہے۔ مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اس کو ثابت بھی کیا ہے۔ (یعنی صحیح کہا ہے)۔

الحاصل اس طرح قبور پر جاکر دعاء کا طالب ہونا قرون ثلاثہ میں ثابت نہیں ہوا، لہٰذا بدعت ہونا اس کا اشبہ بالصواب

(۱) ملاحظہ ہو لمعات التنقیح (کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور ص: ۳۷۸ جلد رابع۔ (لاہور: ۱۳۹۵ھ) (نور)

ہے، اگرچہ بسبب خلاف علماء کے اس کے فاعل پر ملامت نہیں کر سکتے، مگر عوام کو اس سے منع کرنا ضروری ہے، کہ رفتہ رفتہ شرک تک نوبت پہنچادیں گے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں۔ص ۵۴،۵۵،۵۶)

(۵۶) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا، وظیفہ پڑھنے کا حکم؟

مسئلہ: وظیفہ پڑھنا یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا جائز نہیں، البتہ اگر حاضر و عالم و متصرف جان کر پڑھتا ہے تو وہ مشرک ہے، اور جو یہ نہیں جانتا تو مشرک نہیں، مگر پڑھنا اس کا تاہم جائز نہیں، اور اس کے جاری کرنے والے سے، جس نے اول ایجاد کیا، بندہ کو اطلاع نہیں۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتویٰ عدم جواز یا شیخ عبدالقادر جیلانی، مرتبہ مرزا نذیر احمد بیگ (بسی کوٹلہ کرت پور بجنور) ص ۱۰۵ (مطبع العلوم، مرادآباد: ۱۳۰۸ھ)

(۵۷) یا شیخ عبدالقادر جیلانی کا، ورد کرنے والے کا تفصیلی حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ پڑھنا یا شیخ عبدالقادر جیلانی کا شرک ہے، یا جائز؟ اگر شرک ہے تو جو شخص اس کو جائز رکھتا ہو اور پڑھتا ہو، اس کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟ اگر نادرست ہے تو جو نماز اس کے پیچھے پڑھی ہو، اس کا اعادہ چاہئے، یا نہیں؟

جواب: اس کا پڑھنا شرک اس وقت ہے، کہ شیخ کو عالم غیب و متصرف مستقل جانے، اور جو اس لفظ میں برکت اور اثر جان کر پڑھے، تو بعض مشائخ قادریہ کا معمول ہے، ایسے پڑھنے پر نہ تکفیر ہو سکے اور نہ تفسیق۔ اگرچہ ایسے وظیفہ کا پڑھنا اولیٰ بھی نہیں ہے اور کسی مسلمان پر گمان کفر اور شرک وفسق کا کرنا، جب تک تاویل اس کے قول کی حسن ہو سکے، درست نہیں، اور جب تک کہ وہ اقرار کچھ نہ کرے، تو تاویل کر کے مسلمان بنادے، اور جو تاویل اچھی بیان کرے، تو پھر اس پر گمان بد کرنا خود معصیت ہے۔

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات آیت ۱۲) ترجمہ: مقرر بعضی تہمت گناہ ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

لہٰذا ایسے شخص کی امامت بھی درست ہے اور پہلی صلوٰۃ بھی درست ہے، اور باہم اتفاق واجب ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

فتویٰ عدم جواز یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ مرتبہ مرزا نذیر بیگ ص ۱۱۲ (مطبع العلوم مرادآباد: ۱۳۰۸ھ)

(۵۸) یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کو، اسم اعظم کہنا بالکل غلط اور سخت گناہ ہے:

سوال: یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کو اسم اعظم کہنا بالکل غلط ہے، اسم اعظم حق تعالیٰ کا نام ہوتا ہے اور اس

کے وظیفے کرنے اور پڑھنے کو خود علماء نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

كذا قول شيئًا لله قيل بكفره.(۱) انتهى

اسی طرح شیئاً للہ پڑھنا، بعض علماء نے اس پڑھنے والے کے کفر کا خیال ظاہر کیا ہے۔ (ت: نور)

کیونکہ اس کے بعض معنی موجب کفر ہیں، اور بعض وجہ سے جو معنی درست ہوتے ہیں، اس معنی کو بھی اگر حضرت شیخ کو حاضر و ناظر عالم الغیب متصرف، نافع وضار جان کر کہے گا، تو بھی موجب کفر ہوگا۔ چنانچہ البحر الرائق میں مذکور ہے:

منها لو ظن أن الميت يتصرف في الأمور، دون الله تعالىٰ واعتقاده ذلك كفر (۲) انتهى

ترجمہ: بعض وجوہ باطلہ میں سے یہ ہے، کہ جو شخص [غیر خدا کی نذر منت مانتا ہے اور] یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ میت امور میں متصرف ہے، سوائے حق تعالیٰ کے، یہ عقیدہ اس کا کفر ہے۔ [ترجمہ حضرت گنگوہی]

اور جو بدون کسی عقیدہ کے کہے گا تو بھی مشابہت اہل بدعت سے ہوگی اور کلام لغو ہوگا۔ پس ایسے کلمات کا وظیفہ کرنا ممنوع ہے اور ہر تقدیر پر یہ وظیفہ ناجائز ہے، اور اس کو اسم اعظم کہنا، بالکل بے ہودہ کلام ہے۔ اس کا منع کرنے والا مصیب اور حق پرست ہے، مانع کو برا کہنا گناہ اور حرام ہے۔ اور بھی زمانے میں بہت محضر، اس کے عدم جواز پر مرقوم ہو چکے ہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں، ص ۴۳-۴۴...... نیز مجموعہ چندیانوی ص ۱۲-۱۳ و مجموعہ حسن پور ص ۸-۹)

---

(۱) اصل میں اسی طرح ہے، یہ دراصل منظومہ وھبانیہ کے اشعار میں سے ایک شعر کا مصرعہ ہے، پورا شعر اس طرح ہے:

كذا قول شيئًا لله قيل بكفره ويا حاضر و يا ناظر ليس بكفر

الدر المختار كتاب الجهاد، باب المرتد ج: ۱ ص: ۳۶۱، [عكس طبع مجتبائی ۱۳۳۱ھ] نیز الدر المختار على هامش رد المحتار مطلب هل يجب على الصبي الايمان ص: ۳۰۷/ج: ۳. [مجتبائی دهلی] ونیز الدر المختار على هامش رد المحتار مطلب مذکور ج: ۴، ص: ۲۵۹ [دار الفكر، بيروت: ۱۳۸۶ھ]

مگر یہ شعر اس صورت میں شرح وھبانیہ میں موجود نہیں، وہاں دوسرا شعر آیا ہے:

وَمَنْ قَالَ شَيْءٌ لِلّٰهِ بَعْضٌ مُكَفِّرٌ وَيَخْشَى عَلَيْهِ الْكُفْرُ بَعْضٌ يُقَدِّرُ

شرح منظومہ ابن وھبان، لابن الشحنہ ص ۳۱۴ ج ۱۔ مرتبہ زیر نگرانی مولانا سید ارشد مدنی (دیوبند: ۱۴۳۲ھ) [نور]

(۲) البحر الرائق، فصل في النذر ص ۳۲۱ جلد ثانی۔ (دار المعرفة، بيروت: بلا سنہ) [نور]

(۵۹) بزرگوں کو عالم الغیب اور حاجت روا سمجھنے اور یا عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کے وظیفہ کا حکم؟

سوال: (۱) اگر شیخ (عبد القادر) را عالم الغیب وقاضی الحاجات مستقل پنداشتہ گفت نا جائز، واگر مظہر عون الٰہی دانستہ، بطور توسل گفت جائز۔ در انتباہ (۲) مسطور است:

بعض اصحاب طریقہ قادریہ یا شیخ [عبد القادر] را، برائے حصول مطالب بایں طور ختم می کنند، کہ اول دو رکعت نفل، بعد ازاں یک صد و یازدہ بار کلمہ تمجید و یک صد و یازدہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبد القادر جیلانی، ازینکہ ارواح کمل را دست تصرف در دنیا و اختیار ارشاد بنی نوع خود دادہ اند۔ انتہی

ترجمہ سوال: اگر شیخ عبد القادر (جیلانی) کو غیب کا جاننے والا اور ہمیشہ ضرورتوں کا پورا کرنے والا سمجھ کر کہا (تو) ناجائز ہے اور حق تعالیٰ کی مدد کا ایک مظہر سمجھ کر توسل کے طور پر کہا، تو جائز ہے۔ انتباہ میں لکھا ہے:

سلسلہ قادریہ کے بعض صاحبان، یا شیخ عبد القادر، مطالب کے حصول کے لئے اس طرح ختم کرتے (پڑھتے) ہیں، اول دو رکعت نفل، اس کے بعد ایک سو گیارہ مرتبہ کلمہ تمجید اور ایک سو گیارہ مرتبہ "**یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ**" اس لئے کہ کاملین کی روحوں کو، دنیا میں اپنے ہم جنسوں میں تصرف کرنے اور ارشاد و تلقین فرمانے کا اختیار دیا ہے۔

ودر تفسیر عزیزی تفسیر **اذا السماء انشقت** در بیان حالات اموات وبعضے از خواص اولیاء اللہ را، کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند، دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ، واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد، واویسیاں تحصیل کمالات باطنی از ایشاں می نمایند، وارباب حاجات مطالب حل مشکلات خود را از آنہا می طلبند و می یابند۔ (۳)

اور تفسیر عزیزی میں، تفسیر **اذا السماء انشقت** کے تحت مردوں کے احوال کے بیان میں ہے، بعض خاص اولیاء اللہ جنہیں حق تعالیٰ نے ان جیسے انسانوں کی تکمیل وارشاد کا ذریعہ اور واسطہ بنایا ہے، انہیں اس

---

(۱) اصل نسخہ میں اس پر یہ حاشیہ درج ہے: فی الواقع یہ بھی جواب صحیح ہے، لیکن چونکہ غلط محض ہے اور اس میں بھی بالفعل ثبوت شرک ہے۔ لہٰذا اس جواب کو ہی اپنے سوال پر لکھا ہے اور سوال حذف کر دیا ہے۔ غالباً یہ بھی حضرت مولانا گنگوہیؒ کا افادہ ہے۔ (نور)

(۲) سوال میں انتباہ کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کی گئی ہے، اس میں اگر انتباہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی: "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" مراد ہے، تو یہ حوالہ اور اقتباس صحیح نہیں۔ الانتباہ کا بنیادی نسخہ وہ ہے جو مطبع احمدی دہلی سے سید احمد ولی اللہی کے زیر اہتمام چھپا تھا، اس پر سنہ طباعت درج نہیں، مگر غالباً سنہ ۱۳۰۱ھ کے قریب کا ہے، بعد کی تمام طباعتیں اسی کی نقل یا اس پر مبنی ہیں۔ اس میں یہ عبارت موجود نہیں۔ لہٰذا اس کا شاہ ولی اللہ کی انتباہ سے انتساب درست نہیں۔ [نور]

(۳) تفسیری عزیزی، پارہ عم ص: ۱۱۲ سورہ انشقاق (مطبع محمدی لاہور بلا سنہ) [نور]

حالت میں بھی دنیا میں تصرف کی صلاحیت بخشی ہے۔ ان حضرات کا (حق تعالیٰ کی یاد میں) استغراق کے سبب، جوان کے مدارج کمال کی وسعت کی وجہ سے ہے، اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اویسی ان سے باطنی کمالات میں فائدہ اٹھاتے ہیں اور اہل ضرورت ان سے اپنی (دنیاوی اور دینی) مشکلات کا حل (بھی) طلب کرتے ہیں اور اپنے ان مقاصد کو پالیتے ہیں (یعنی ان میں کامیاب ہوجاتے ہیں)

ونیز قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ (علیہ) پانی پتی، در پارۂ دوم، زیر آیت بل أحياء می فرمایند:

ان الله تعالىٰ يعطى لأرواحهم قوة الأجساد، فيذهبون من الأرض والسماء والجنة حيث يشاؤن وينصرون أولياءهم ويدمرون أعداءهم، ان شاء الله تعالىٰ! ولذلك قالت الصوفية العلية ارواحنا اجسادنا، واجسادنا ارواحنا، وقد تواتر عن كثير من الأولياء، أنهم ينصرون اولياءهم ويدمرون اعداءهم. انتهى.(۱)

وقد افتى صاحب الخيرية: بجوازه، بيّنا مفهومه قال: يا شيخ عبد القادر فهو نداء واذا اضيف اليه شيئاً لله فهى طلب شيء اكراماً لله تعالىٰ، فما الموجب بحرمته(۲) انتهى

اور قاضی ثناء اللہ نے بھی دوسرے پارہ میں، آیت کریمہ: بل احياء کے ذیل میں فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ اولیاء کی ارواح کو اجسام کی قوت دیتے ہیں، پس وہ زمین آسمان جنت میں جہاں چاہے جاتے ہیں، اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں، اور اپنے دشمنوں پر تباہی ڈالتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، اور بڑے درجہ کے صوفیاء نے کہا ہے: ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں، اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں، اور بہت سے اولیاء سے بطریق تواتر مروی ہے کہ، وہ اپنے دشمنوں پر تباہی ڈالتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں (تفسیر مظہری کی بات پوری ہوئی)۔

اور خیریہ کے مصنف نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، ہم اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں: انہوں نے کہا ہے کہ، جملہ یاشیخ عبدالقادر نداء ہے اور جب اس کے ساتھ شیئاللہ ملایا جائے، تو وہ کوئی چیز مانگنا ہے، بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اعزاز کیا ہے، پس اس کے عدم جواز کی کیا وجہ ہے؟ اور اسم اعظم ہے۔(۳) فقط

---

(۱) تفسیر مظہری ص ۱۵۲/ جلد اول، سورہ بقرہ آیت............(اشاعت العلوم، حیدرآباد: بلاسنہ) [نور]

(۲) فتاویٰ خیریہ ص: ۱۸۲ [میر محمد کتب خانہ، کراچی بلاسنہ]

(۳) قولہ اور اسم اعظم ہے۔ یعنی یہ جملہ یاشیخ عبدالقادر شیئاللہ اسم اعظم ہے اور یہ اس کے جواز کی مستقل دلیل بیان کی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے جواب کے شروع میں اس کی تردید کی ہے، یہ کسی مستفتی کے سوال کا جواب ہے، جس میں اس نداء کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ (پالن پوری)
اصل میں سوال کو حذف کرکے، اس غلط جواب ہی کو سوال بنایا گیا ہے، جس کا حضرت نے آگے جواب لکھا ہے۔

جواب : از مولانا صاحب مدظلہ: اس کلام کا پڑھنا اور اسم اعظم سمجھنا بالکل غلط ہے، اسم اعظم حق تعالی کے نام کو کہتے ہیں، اور شیئاً للّٰہ کو علماء نے خود منع کیا ہے، فی الدر المختار: کذا قول شیئًا للّٰہ قیل بکفرہ انتھی.

اقول: اس کلام کا پڑھنا کسی وجہ سے جائز نہیں، اگر شیخ قدس سرہ کو عالم غیب، متصرف مستقل جان کر کہتا ہے، تو خود شرک محض ہے۔ **لقولہ تعالیٰ:**

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ. (سورہ انعام آیت ۵۹)

اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی، کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ودیگر نصوص فقہیات قال فی البزازیۃ وغیرھا من الفتاویٰ: من قال إن أرواح المشائخ حاضرۃ تعلم، کفر! ومن ظن ان المیت یتصرف دون اللّٰہ واعتقادہ ذلک کفر. کذا فی البحر الرائق (۱) انتھیٰ

بزازیہ وغیرہ کتب فتاویٰ میں لکھا ہے: جس نے کہا کہ مشائخ کی روحیں (ہر جگہ) حاضر ہیں، یہ جہالت اور کفر ہے، اور جس نے یہ خیال کیا کہ مردے بدون اذن الٰہی بالاستقلال (دنیا کے معاملات میں) تصرف کرتے ہیں (اور دخل رکھتے ہیں) اور اس کا اعتقاد رکھا۔ یہ بھی کفر ہے۔

اور جو یہ عقیدہ نہیں تو بھی ناجائز ہے، کیونکہ اس صورت میں گو "یائے ندا" شرک نہ ہو مگر مشابہ بہ شرک ہے، اور جو لفظ موہم معنی شرکیہ کا ہو، اس کا بولنا بھی ناروا ہے. لقولہ تعالیٰ :

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا، وَقُوْلُوا انْظُرْنَا. (البقرۃ-۱۰۴)

ترجمہ: تم نہ کہو راعنا، اور کہو انظرنا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ولقولہ علیہ السلام :

لاتقولوا ماشاء اللّٰہ وشاء فلان ولکن قولوا ماشاء اللّٰہ ثم شاء فلان. (۲) الحدیث

ترجمہ: یہ نہ کہو کہ جو کچھ اللہ تعالی چاہیں اور فلاں چاہے، بلکہ کہو اللہ تعالی چاہیں، پھر فلاں چاہے۔

---

(۱) اس اقتباس میں بزازیہ کا حوالہ آیا ہے مگر بزازیہ "فصل فی النذر" میں یہ الفاظ نہیں ملے، ممکن ہے صاحب بزازیہ نے یہ بات کسی اور موقع پر فرمائی ہو، مگر وہاں ہماری رسائی نہیں ہوئی۔ بزازیہ علی ھامش العالمگیریہ ص:۱۰۳۔ج:۴۔[عکس طبع امیریہ بولاق، مصر ۱۳۱۰ھ] معمولی تصرف کے ساتھ۔ اس کے بعد کا فقرہ بحر الرائق کا ہے، ملاحظہ ہو البحر الرائق، فصل من نذر یوم النحر ص ۳۲۱ ج ۲ (مطبوعۃ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان) [نور]

(۲) عن حذیفۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تقولوا ما شاء اللّٰہ و شاء فلان، ولکن قولوا ماشاء اللّٰہ ثم شاء فلان۔ اخرجہ احمد فی مسندہ، ت: احمد محمد شاکر، حمزہ احمد الزین (۱۶/۶۱۰) رقم: ۲۳۲۷۴، ۲۳۲۴۰، ۲۳۱۸، ۲۳۱۵۸ [دار الحدیث القاہرۃ۔ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵م] [نور]

اور حالانکہ صحابہ کی نیت میں کوئی معنی قبیح نہ تھے، مگر بہ سبب مشابہت اور توہم معنی قبیح کے یہ الفاظ ممنوع ہو گئے۔ پھر عوام اس درجہ شرک اور گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، کہ جب خواص اصلاح معنی کے ساتھ اس کا ورد کریں گے، عوام بھی اس کو جائز جان کر بلا تمیز درمیان صحیح وقبیح پڑھیں گے، اور خراب ہوں گے، اور جس سے عوام کو غوایت [گم راہی] ہو، وہ عمل خواص کو بھی درست نہیں۔ فی العالمگیریة:

لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة، و كل مباح يؤدي اليه فمكروه(۱) انتهى

کیوں کہ جاہل لوگ اس کو سنت اور واجب سمجھ لیں گے، اور ہر وہ مباح چیز جس کو سنت یا واجب سمجھا جائے، وہ مکروہ ہے۔

مع ہذا، خود تفسیر عزیزی میں درمیان وجوہ شرک [کے] مذکور ہے:

از آں جملہ کسانیکہ در ذکر دیگر آں را با خدا تعالے ہمسری کنند، و از اں جملہ اند کسانیکہ در دفع بلا دیگراں را می خوانند، و ہم چنیں در تحصیل منافع بہ دیگراں رجوع می نمایند، بالاستقلال زاں کہ توسل باآں دیگراں نمایند۔

ترجمہ: شرک میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو انسانوں وغیرہ کے مرتبہ کو حق تعالی کے برابر کرتے ہیں، اور ان ہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو بلاؤں مصیبتوں کے دور کرنے کے لئے (اللہ تعالیٰ کے علاوہ) کسی اور کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں، اور اسی طرح وہ بھی اسی میں شامل ہیں، جو اپنے فائدوں اور ضرورتوں کے لئے (حق تعالیٰ کے علاوہ) اوروں سے براہ راست رجوع کرتے ہیں، بغیر اس کے کہ کسی اور سے ان کے ذریعہ سے وسیلہ حاصل کر لیں۔

اور پھر ظاہر ہے کہ دعوت اس کلام کی داخل ہر دو قسم میں ہے، کیونکہ غرض اس سے دفع بلا وجلب منافع ہے، یا مثل ذکر اللہ کے اس سے تحصیل برکات وتقرب مقصود ہے، یا بوجہ ترک کے اس کو تکرار کرتے ہیں۔ ہاں کسی کے توسل سے دعاء کرنی درست ہے، مگر یہ صورت توسل کی ہرگز نہیں، بلکہ دعاء واستعانت ہے۔ مجیب صاحب کو شبہ واقع ہوا کہ دعاء کو توسل سمجھ گئے۔

توسل کی صورت یہ ہے کہ کہے: یا اللّٰہ بجاہ شیخ عبد القادر [جیلانی] شیئًا، نہ یہ کہ خود شیخ سے طلب کرے بصیغہ دعاء: یَا شَیْخُ اَعْطِنِیْ شَیْئًا یہ توسل کس طرح ہو سکتا ہے!! مع ھذا لفظ شیئاً للّٰہ کا موہم معنی شرک کو ہے، کیوں کہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں، کہ کچھ حق تعالیٰ کو دو، اس واسطے کہ لفظ لام معطی لہ پر آتا ہے تو یہ معنی تو اشد شرک ہوئے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ شیخ مجھ کو دو، کچھ بوجہ اللہ تعالیٰ کے، تو اس معنی میں اگر مستقل شیخ کو جانتا ہے، تو بھی شرک ہوا، اور جو باذن اللہ معطی سمجھتا ہے، تو اس کی توجیہ وہ ہے، جو تفسیر عزیزی سے مجیب نے نقل کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے بعض اولیاء کو حق تعالیٰ نے آلۂ تکمیل وارشاد خلق بنایا ہے، کہ اس کے ذریعہ سے باذن اللہ مطالب خلق برآمد اور حل مشکلات خود خلق

---

(۱) (الف) عالمگیری، ص: ۱۹۰ ج ۱ باب ما یتصل بذالک مسائل سجدة الشكر (مطبوعہ بندر ہوگلی، کلکتہ) ب: عالمگیری ص: ۱۳۶ ج ۱: الباب الثالث عشر مما يتصل بذلك، مسائل سجدة الشكر (مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ) [نور]

بذریعہ ان کے حق تعالیٰ سے چاہتے ہیں، نہ یہ کہ اولیاء خود متصرف مستقل بن جاتے ہیں۔ شاہ صاحب نے خود آلہ جارحہ سے اس وہم شرک کو دفع کر دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب وہ آلہ ٹھہرے، تو اگر چہ بظاہر حاجت روائی بذریعہ آلہ ہوتی ہے، مگر خود آلہ سے دعا واستعانت طلب کرنا شرک ہے۔ پس ایسی صورت میں متصرف حقیقی کو چھوڑ کر، آلہ سے طلب کرنا بھی، خالی از مشابہت شرک نہیں۔ ندا ودعاء کرنا دوسری شئے ہے، کہ منادی کے علم وتصرف کو چاہتا ہے اور ذریعہ ہونا اور امر ہے، کہ ذریعہ کا واسطہ اور مقبول ہونا، بدرگاہ فیاض اس سے مستفاد ہوتا ہے۔ شتّان بینهما.

مثلاً نور بواسطہ شمس کے آتا ہے، مگر طلب نور کی شمس سے شرک ہے، ندا کسی کو کرنا مبنی بر علم وتصرف منادیٰ کے ہے اور بس۔ پس عبارت (تفسیر) عزیزی سے جواز ندا کا کیوں کر مفہوم ہوا؟ بڑا تعجب ہے۔ اگر گاہے اولیاء کو خبر بطور کشف باذن اللہ تعالیٰ ہو جاوے، اس سے بروقت یا استقلالاً علم وتصرف کا ہونا، کہاں سے لازم آتا ہے۔ پس ایسی دعوت بہر حال یا شرک جلی ہے یا خفی، یا لغو، مشابہ بشرک ہو کر حرام وناجائز ہووے گی، کسی وجہ سے جواز کا شائبہ اس میں نہیں ہوسکتا۔

اب استدلالات مجیب کا حال سنو! کہ جو اس کلام کو بطور توسل جائز فرماتے ہیں، حالانکہ اس صورت میں کوئی توسل کی صورت نہیں کما مر۔ اور شاہ ولی اللہ نے طریقہ بعض جیلانیہ کا بیان کیا ہے، اس سے اجازت ومشروعیت کا فہم غلط ہے اور تحکم [ہے] (۱) اور شاہ عبد العزیز کی عبارت کا مطلب خود واضح ہو گیا، کہ وہ ندا کو ہرگز جائز نہیں فرماتے، بلکہ شرک لکھتے ہیں، اور جو وہ فرماتے ہیں اس سے جواز ندا وطلب ہرگز مستفاد نہیں ہوسکتا! علی هذا تفسیر مظہری کا مطلب ہے، ندا واستعانت اولیاء سے نہ حیات میں روا ہے نہ بعد موت۔

اور خبر یہ [سے] جو نقل کیا ہے اول تو اس کی عبارت معلوم نہیں کہ کیا ہے، جب تک سابق ولاحق کا حال معلوم نہ ہو، اس پر حکم نہیں ہوسکتا۔ سلمنا! اگر اس کی یہی مراد ہے جو مجیب نقل کرتے ہیں، تو وہ فتویٰ ان کا مردود ہے اور یہ نصوص قطعیہ وروایات فقہاء معتبر ہیں، کہ سابق میں لکھی گئی ہیں کہ ندا غیر اللہ کو بہر حال ناجائز ہے اور شیئاً للہ کے معنی موہم شرک ہیں، اگر چہ نیت داعی کے صحیح معنی کے موافق ہو، تاہم درست نہیں، یہ وجہ حرمت کلام کی ہے، اگر چہ موجب حرمت کا خبر یہ کو معلوم نہ ہوا، مگر نصوص وروایات سے ہم ثابت کر چکے ہیں۔ پس [جو] فتویٰ خلاف نصوص وروایات صحیحہ کا ہووے گا، وہ قطعاً مردود ہووے گا۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم

المجیب رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں۔ ص ۱۴ تا ۱۹)

---

(۱) تحکم بروزن تکلم، زبردستی، دھونس دکھانا، صرف اپنی بات چلانا اور منوانا۔ لغات سعیدی مؤلفہ مولوی عبد العزیز، تصحیح ونظر ثانی، (مولوی محمد سعید انصاری ندوی) ص: ۱۲۵ (مطبع مجیدی، کان پور: ۱۹۳۶ء)

[نور]

علم غیب اور امکانِ کذب وغیرہ کی بحث

(۶۰) علم غیب کی تحقیق: مسئلہ: علم غیب میں تمام علماء کا یہ عقیدہ ہے اور مذہب ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے علم غیب کسی کو نہیں۔ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ. (سورہ انعام آیت ۵۹)

ترجمہ: حق تعالیٰ ہی کے پاس ہے، علم غیب کا۔ سوائے اس کے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔

پس اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو شرک صریح ہے، مگر جو بات حق تعالیٰ اپنے کسی بندہ مقبول کو، بذریعہ وحی یا کشف بتادے، تو وہ اس کو معلوم ہوجاتی ہے اور پھر وہ مقبول اوروں کو بتادے، تو ان کو بھی معلوم ہوجاتی ہے۔ جیسا علم جنت، دوزخ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو بتادیا، پھر انہوں نے اپنی اپنی امت کو خبر دے دی۔ چنانچہ آیت سورہ جن سے واضح ہے۔(۱) جس کا حاصل یہ ہے کہ جو خبر غیب کی حق تعالیٰ اپنے مقبول کو بتادے، اس کو وہ خبر معلوم ہوجاتی ہے، اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جملہ اشیائے غائبہ، نبی کو معلوم ہوجاتی ہیں، کیونکہ اگر یہ مطلب ہو کہ رسول کو تمام علم غیب ہوجاتا ہے، تو دوسری آیت صاف اس کے مخالف خبر دے رہی ہے۔ وہ یہ ہے:

قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ. (سورہ اعراف آیت ۱۸۸)

ترجمہ: کہہ دے تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو کہ میں مالک نہیں، اپنی جان کے کچھ نفع نقصان کا، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے، اور اگر مجھ کو علم غیب ہوتا تو البتہ بہت جمع کر لیتا میں نیکی، اور مجھ کو کچھ ضرر نہ ہوتا۔

پس اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ آپ کو جملہ اشیائے غائبہ کا علم نہیں، یہاں تک کہ اپنی ذات کا نفع اور ضرر بھی آپ کے اختیار میں نہیں، پس یہ عقیدہ البتہ خلاف آیت قرآن کے شرک ہوا، خود دوسری جگہ موجود ہے:

---

(۱) سورۂ جن کی وہ آیت یہ ہے: ''عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ'' الآیۃ. ترجمہ: غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔ پس (وہ اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس کے آگے پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ جان لیں کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کا پیغام (رسول تک بہ حفاظت) پہنچا دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان پہرہ داروں کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اور انکو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔ (آیات: ۲۶-۲۸) (پالن پوری)

مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ. ترجمہ: مجھ کو معلوم نہیں کہ آخرت (میں) میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ (سورہ احقاف آیت ۹)

پس جب صاف ظاہر ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب نہیں، مگر جس قدر آپ کو اطلاع دی جاتی اور اس پر بہت آیات اور احادیث شاہد ہیں۔ پس خلاف اس کے یہ عقیدہ رکھنا، کہ انبیاء علیہم السلام تمام غیب کو جانتے ہیں، شرک قبیح جلی ہوگا۔ معاذ اللہ! حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے عقیدۂ فاسدہ سے نجات دے اور توبہ نصیب کرے، آمین۔

بس یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک ہوا، اور جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہ ہوا، تو یا رسول اللہ کہنا بھی غیر جائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے گا، کہ آپ بسبب علم غیب کے دور سے سن سکتے ہیں، تو یہ عقیدہ کفر ہے اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو کفر نہیں، مگر یہ کلمہ مشابہ بہ کفر ہے۔

البتہ اگر یہ کلمہ درود شریف کے درمیان پڑھا جائے، اور یہ عقیدہ ہو، کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے روبرو عرض کرتے ہیں، تو درست ہے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے کہ درود بندہ مومن کا، ملائکہ آپ کی خدمت بابرکت میں پیش کرتے ہیں اور ایک جماعت ملائکہ کی اسی خدمت پر ماموُر ہے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص: ۴۹-۵۰)

[نوٹ: اس فتویٰ کے ساتھ مزید سوالات اور ان کے جوابات بھی مرقوم ہیں، جو اسی مجموعہ فتاویٰ میں اپنے اپنے موقع پر درج ہیں، آخر میں لکھا ہے۔ فقط -نور-]

اس پر مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی تصدیق وتصحیح بھی درج ہے: الأجوبة صحيحة محمد یعقوب نانوتویؒ

(۶۱) کذب باری کو واقع ماننا سراسر گمراہی ہے: (۲)

سوال: (۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ ذات باری (تعالیٰ) عزاسمہ موصوف بصفت کذب ہے، یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے، یا نہیں؟ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، وہ کیسا ہے؟ فقط۔

---

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان لله ملائكة في الارض سياحين يبلغوني من امتي السلام. رواه الإمام أحمد في مسنده (۵۳۶/۳) رقم: ۳۶۶۶، نیز ج: ۴ ص: ۲۱۶، رقم: ۴۳۲۰ [دار الحديث القاهرة: ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء] رواه النسائي والدارمي، عن ابن مسعود. دیکھئے مشكوة المصابيح، الفصل الثاني، باب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم، ص ۸۶ ج ۱- [کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۹۵۵ء] القول البديع للامام السخاوی مع تخریج وتحقیق شیخ محمد عوامه ص: ۳۲۳ [دار اليسر للنشر، مدينه منوره: ۱۴۳۲ھ، ۲۰۱۱ء] [نور]

(۲) کذب باری: مسئلہ کی صحیح تعبیر نہیں، صحیح تعبیر عموم قدرت باری تعالیٰ ہے اور یہ نہایت آسان اور بدیہی مسئلہ ہے، مگر تعبیر کی خرابی نے ایک نہایت اہم بحث کھڑی کردی۔ بھلا کون مومن یہ بات تسلیم کرے گا کہ خدائے تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے، یعنی خلاف واقعہ بات فرماتا ہے۔ بحث درحقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جو خبریں دی ہیں، مثلاً فرعون، ہامان اور ابولہب جہنمی ہیں اور جن کا ایمان پر خاتمہ ہوگا وہ...... **بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر**

جواب: ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک منزہ ہے، اس سے کہ متصف بصفتِ کذب کیا جاوے، (معاذ اللہ تعالیٰ!) اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا بھی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا. (نساء آیت ۱۲۲) ترجمہ: بات میں کوئی اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا نہیں۔

جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے، یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے، وہ قطعاً کافر (و) ملعون ہے اور مخالف قرآن وحدیث کا اور اجماع امت کا ہے۔ وہ ہرگز مومن نہیں:

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ الظالمون عُلُوًّا كَبِيْرًا. ترجمہ: اللہ تعالیٰ ظالموں کی بات سے، بہت ہی اونچا ہے۔

یہ عقیدہ اہل ایمان کا سب کا ہے، کہ خدا تعالیٰ نے مثلاً فرعون وہامان وابی لہب کو قرآن مجید میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ علم قطعی ہے۔ اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا۔ وہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دیدے، عاجز نہیں ہوئے گا، قادر ہے، اگرچہ ایسا (اپنے اختیار سے) نہ کرے گا۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّىْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۝ (الم سجدہ: ۱۳)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ، لیکن ٹھیک پڑ چکی ہے میری کہی بات، کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ، جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا جنتی ہیں، ان اخبار کی جانب مخالف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں یا نہیں؟ یعنی کیا وہ اس پر قادر ہیں کہ وہ فرعون وغیرہ کو جنت میں بھیج دیں اور مؤمنین کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالدیں؟ جواب نہایت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں پہلوؤں پر قادر ہیں، کیونکہ وہ قادر مطلق ہیں، مگر وہ اپنی خبر کے خلاف نہیں کریں گے، کیونکہ ارادہ احد المقدورین کی ترجیح کا نام ہے، پس انہوں نے جو فیصلہ کردیا ہے وہی ہوگا۔ اس کے برخلاف نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنی اختیاری دو چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح اگر اس مسئلہ کو پہلے ہی سے عموم قدرت باری تعالیٰ سے تعبیر کیا جاتا تو کچھ اختلاف نہیں ہوتا، مگر افسوس ہے کہ اس کے لئے بلاوجہ [کذب باری تعالیٰ کی تعبیر اختیار کی گئی اور یہ تعبیر پہلے سے چلی آرہی تھی، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے یہ تعبیر ایجاد نہیں کی، مگر اس کی وجہ سے سخت اعتراضات اٹھائے گئے، حضرت نے جواب میں اسی کی وضاحت کی ہے، کہ کذب باری کا جو ظاہری مفہوم ہے وہ کفر ہے، البتہ وہ فاعل مختار ہے، پس اس کی قدرت اخبار کے دونوں پہلوؤں پر، یکساں حاوی ہے اور یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے۔ یعنی عموم قدرت باری تعالیٰ کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، اس کی مزید وضاحت اگلے نمبر پر آرہی ہے۔ (پالن پوری)

(۳) یہ فتویٰ مجموعہ ''مکتوبات اکابر دیوبند'' مرتبہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی (معراج بک ڈپو دیوبند، طبع اول بلاسنہ) میں ص ۵۸-۶۰ پر اور تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ (طبع دوم، ادارہ اسلامیات لاہور: ۱۴۱۲ھ) میں ص ۹۶ پر درج ہے، مگر موخر الذکر کا ماخذ معلوم نہیں اور اول الذکر کا ماخذ بہت معتبر نہیں۔ اس فتویٰ کا قدیم ترین ماخذ ''فیوض رشیدیہ (طبع اول فخر المطابع میرٹھ: غالباً ۱۳۱۰ھ) ہے، جس میں یہ فتویٰ صفحہ ۲۶-۲۷ پر موجود ہے۔ جس کے الفاظ مذکورہ دونوں نقلوں سے کچھ مختلف ہیں اور اس پر متعدد تصدیقات بھی درج ہیں، اسی لئے اس کو یہاں شامل کیا گیا ہے۔ (نور)

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اگر حق تعالیٰ چاہتا اس کو مؤمن کر دیتا، مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کریگا، اور سب اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں۔ وہ فاعل مختار: فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ ہے، یہ عقیدہ تمام علمائے امت کا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

هذا الجواب صحيح محمد مراد مدرس مظفر نگر (۱)

[فیوض رشیدیہ: ص: ۲۶-۲۷ غالباً خیر المطابع، میرٹھ: ۱۳۱۰ھ]

(۶۲) شاہ محمد اسماعیل کی تحریر میں امکانِ کذب سے کیا مراد ہے؟

سوال: جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحوم دہلوی، اپنے رسالہ یک روزی (۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ، اللہ تعالیٰ کو قدرت علی الکذب ہے، مگر وقوع بسبب مصلحت وحکمت ازلی محال ہے، اور جناب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم بھی امکانِ کذب باری تعالیٰ شانہ کے قائل تھے، اور کتب عقائد وغیرہ سے بھی امکان خلف وعید وغیرہ مفہوم ہوتا ہے، مگر بعض طلباء نے جو مولوی لطف اللہ صاحب کولوی (۳) سے اور مولوی احمد حسن صاحب مدرس کانپوری (۴) سے دریافت کیا، تو یہ کہا کہ امکان اور قدرت علی الکذب کہنا بددینی ہے، اور کذب پر اللہ تعالیٰ شانہ ہرگز قادر نہیں، محال بالذات ہے کہ سبب نُقص کا ہے۔ لہٰذا آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ جو بات حق ہو تحریر فرما کر ارسال فرماویں، اگر دلائل بھی ہوں تو بہتر ہے۔

---

(۱) اس فتویٰ کا یہ حصہ فیوض رشیدیہ ص ۲۶ پر درج ہے، مگر تالیفات رشیدیہ ص ۹۶ وغیرہ میں اس فتویٰ کے آخر میں بیضاوی کے حوالہ سے جو عبارت ہے وہ فیوض رشیدیہ میں موجود نہیں۔ (نور)

(۲) رسالہ یک روزی، صفحہ ۲۴ برحاشیہ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح (افضل المطابع ۱۲۸۶ھ) رسالہ یک روزی، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی مختصر مگر معروف تالیفات میں سے ہے۔ یہ رسالہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے چند اعتراضات کے جواب میں ہے، شاہ محمد اسماعیل کے دہلی سے سفر ہجرت وجہاد پر روانگی (آخر ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۵ء) کے آٹھ مہینے کے بعد مولانا خیر آبادی نے شاہ شہید کی ایمان افروز، انقلابی تصنیف تقویۃ الایمان کی ایک عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے، امکانِ کذب وغیرہ کی متکلمانہ مگر پامال بحثوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی۔ مولانا خیر آبادی کی یہ تحریر یا مختصر رسالہ مولانا شہید کو سفر کے دوران، شکار پور سندھ کے قیام کے درمیان (جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ مطابق جنوری، فروری ۱۸۲۶ء میں) ملا تھا، مولانا شہید نے اسی وقت بلکہ اسی نشست میں اس کا قلم برداشتہ جواب لکھ دیا، اسی وجہ سے اس کو رسالہ یک روزی کہا جاتا ہے۔ رسالہ یک روزی پہلی مرتبہ شاہ شہید کی تالیف ایضاح الحق الصریح کے حاشیہ پر مطبع افضل المطابع سے ۱۲۸۶ھ میں چھپا تھا۔ رسالہ یک روزی کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ (نور)

(۳-۴) مولانا احمد حسن اور مولانا لطف اللہ، دونوں گویا ایک مرتبہ کے عالم تھے، دونوں کا علم وکمال، درس وافادہ میں بہت بڑا نام اور مقام تھا، دونوں سے بے شمار بڑے علماء نے پڑھا اور مرتبہ پایا۔ مولانا لطف اللہ علی گڈھی۔ [علی گڈھ کو پرانے دور میں کول کہا جاتا تھا] اپنے زمانے کے بہت مشہور جلیل القدر عالم، بلند پایہ مدرس تھے، وفات: ۹رذی الحجہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۸راکتوبر ۱۹۱۶ء۔ تفصیلات کے لئے: استاذ العلماء، مولانا نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی۔

مولانا احمد حسن، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سب سے پہلے نائب صدر مدرس تھے، تقریباً بیس سال مظاہر علوم میں رہے، پھر کانپور چلے گئے تھے ان کا ایک بہت بڑا علمی کارنامہ، مثنوی مولانائے روم کی تصحیح اور اس کی نہایت عمدہ طباعت ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے اجازت حاصل تھی۔ وفات: ۳رصفر المظفر ۱۳۲۲ھ مطابق ۲راپریل ۱۹۰۴ء۔ مولانا کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے راقم سطور کی تالیف: تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ۔ (نور)

جواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ السلام علیکم

اس مسئلہ میں بحث کرنا بد انجام رکھتی ہے۔ ذات پاک حق تعالیٰ کی ہر عیب سے پاک اور بری ہے، پہلے مسعود احمد (۱) نے پوچھا تھا تو انکار کردیا تھا، اب آپ کی تحریر پر لکھتا ہوں۔ (۲)

اِخبار فی ذاتہ خیر محض ہے، خبر کذب میں جو شر عارض ہوا، بسبب عدم لاحق کے ہوا [یعنی بسبب اس قول کے عدم کے ہوا] کہ خلاف محکی کے ہے۔ کلمہ خبر میں کہ وجود محض ہے، کوئی شر نہیں، پس نسبت کسی چیز کی اور کسی فعل کی الی الخالق، قبیح نہیں ہوسکتی۔

---

(۱) مولانا حکیم مسعود احمد، حضرت مولانا کے بڑے فرزند تھے، والد سے تعلیم حاصل کی، طب پڑھی اور خاص شان کی زندگی گزاری۔ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۵۱ھ کو گنگوہ میں وفات ہوئی۔ (بیاض کبیر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ [قلمی عکس نسخہ مؤلف مملوکہ راقم سطور]) (نور)

(۲) سوال یہ تھا کہ مولانا شہید اور مولانا نانوتوی امکان کذب کے قائل ہیں اور علم کلام کی کتابوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وعدہ وعید میں خلف (پیچھے رہ جانا یعنی پورا نہ ہونا) ممکن ہے اور یہی امکان کذب ہے۔ مثلاً "ان اللہ لایغفران یشرک بہ" وعید کی آیت ہے، پس ممکن ہے کہ یہ بات نہ پائی جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ مشرک کی مغفرت کردیں، یہ بات ممکن ہے، یہی امکان خلف وعید ہے اور اسی کا نام امکان کذب ہے، مگر مولانا لطف اللہ صاحب اور مولانا احمد حسن صاحب اس کا انکار کرتے تھے اور اس کو محال بالذات قرار دیتے تھے۔

حضرت نے اس تحریر میں دونوں فریقوں کی تصویب کی ہے، اس تحریر کے آخر میں فرمایا ہے کہ مولانا شہید کی بات برحق ہے، مگر ان کے مخالفین نے لفظوں کے ظاہری معنی کے پیش نظر اس تعبیر کو بددینی قرار دیا ہے، اور عوام کو ایسا ہی جواب دینا چاہئے، وہ امکانی ذاتی اور امتناع بالغیر کا فرق نہیں سمجھ سکتے۔

رہی یہ بات کہ مولانا شہید کی بات برحق کیسے ہے؟ اس کو اگر حضرت تعبیر بدل کر سمجھاتے تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی، جیسا کہ ہم نے پچھلے نمبر پر لکھا ہے، مگر حضرت نے اسی تعبیر کو برقرار رکھتے ہوئے، اس کے برحق ہونے کو واضح کیا ہے، جس کو سمجھنے کے لئے پہلے چار باتیں جان لینی چاہئیں:

۱- ہر کلام خبری کے لئے محکی عنہ ہوتا ہے، پھر اگر نسبت کلامیہ نسبت واقعہ کے مطابق ہے تو کلام صادق ہے۔ ورنہ کاذب ہے، جیسے: زید نائم علی السریر کلام خبری ہے اور اس میں نسبت ایجابیہ ہے اور خارج میں زید کا چارپائی پر سویا ہوا ہونا محکی عنہ ہے اور یہی نسبت واقعیہ ہے۔ پس اگر واقعۃً زید چارپائی پر سویا ہوا ہے تو یہ کلام سچا ہے، ورنہ جھوٹا ہے۔

۲- ہر چیز اللہ تعالیٰ کے تعلق سے خیر ہے، بندوں کے تعلق سے خواہ وہ شر ہو۔ جیسے توحید اور شرک اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے اعتبار سے خیر ہیں، مگر بندوں کے کسب و عمل کے اعتبار سے ایک خیر ہے اور ایک شر۔ پس ایسی صورت میں کہیں گے کہ دونوں باتیں فی نفسہ خیر ہیں اور لغیرہ ایک خیر ہے اور ایک شر اور یہ مضمون حدیث جبرئیل میں آیا ہے کہ تقدیر خواہ اچھی ہو یا بری (یعنی بندوں کے اعتبار سے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان کی طرف سے دونوں باتیں خیر محض ہیں۔

۳- ایک اصل ہے اور ایک عارض ہے، اصل کے اعتبار سے حکم اور ہو اور عارض کے اعتبار سے حکم دوسرا ہو، یہ بات ممکن ہے، جیسے تازہ دودھ اچھی چیز ہے اور بگڑا ہوا دودھ ناقابل استعمال ہے۔

۴- محال اور ممتنع کی دو قسمیں ہیں: محال بالذات اور محال بالغیر! جیسے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ملک سے نکال دیں، یہ بات بالذات محال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ملک کے علاوہ کوئی ملک ہے ہی نہیں، نکال کر جہاں بھی کریں گے وہ انہی کا ملک ہوگا، اور اللہ تعالیٰ شرک کو بخش دیں، یہ بات محال بالغیر ہے، جب وہ اس کی عدم مغفرت کی خبر دے چکے ہیں تو اب بخشش ممکن نہیں ہے، البتہ فی نفسہ چونکہ ان کی قدرت ضدین کو شامل ہے، اس لئے بالذات یہ بات ممکن ہے، یعنی عموم قدرت کے پیش نظر اس کا امکان و احتمال ضرور ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ اللہ کی دی ہوئی تمام خبریں خواہ ان کا تعلق وعدوں سے ہو یا وعیدوں سے خیر محض ہیں، البتہ اگر وہ وعدہ وعید پورے نہ ہوں تو وہ خبریں جھوٹی ہوں گی اور جھوٹ شر ہے، مگر یہ شر عارضی ہے، چونکہ وعدہ وعید پورے نہ ہوئے اور محکی عنہ کے خلاف ہوگیا، اس لئے یہ شر عارض ہوا، مگر اخبار کے اصل الفاظ میں کوئی شر نہیں، وہ وجود محض ہے، اس لئے امکان کذب ایک امر عارض ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبریں فی نفسہ صادق ہیں، اور کذب محال بالعرض ہے، محال بالذات نہیں جو سبب نقص ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ کذب یا تو محال بالذات ہے یا بالغیر! بصورت اول اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور بصورت ثانی ثابت کرنا ممکن ہے، کیونکہ اس صورت میں بالذات امکان ہوتا ہے اور بالغیر استحالہ، یہ بہت دقیق بات ہے، لیکن اگر ہم مسئلہ کی تعبیر بدل دیں اور عموم قدرت سے اس کو تعبیر کریں تو بات بالکل واضح اور بدیہی ہوجائے گی۔ (پالن پوری)

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى شَانُهٗ. اور تقدیر اچھی ہو یا بری، اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے۔

عقیدہ اجماعیہ ہے کہ خالق تمام شرور، حتیٰ کہ کفر کا، حق تعالیٰ شانہ ہے۔ کذب کا خالق بھی وہی ہے، بندہ کاسب کفر و کذب ہے اور بس! کفر اور کذب کا قبح حق کسب میں باثر خالق ہے، اگر اجازت ہوتی، کیا قبح تھا؟ پس قبح مقبوحات نسبت بہ عبد ہے، نہ نسبت بمالک مولیٰ تعالیٰ شانہ۔ پس کلام مولانا مرحوم حق ہے، اس میں کوئی تردد نہیں، مخالف ظاہر کے حال کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں اور ایسا ہی جواب عوام کو دینا لازم ہے اور ان کا تقاضہ یہی ہے۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ! استغفر اللہ! فقط والسلام۔

(مجموعہ کلاں۔ص ۲۰-۲۱)

(۶۳) حق تعالیٰ شانہ کے سامنے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، مرتبہ و درجہ کیا ہے؟

سوال: علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں: کہ مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نزدیک خدائے عزوجل کے، ایسا جاننا کہ بادشاہ کے روبرو چمار کا،(۱) پس یہ عقیدہ اہل اسلام کے واسطے کیسا ہے؟ فقط

جواب: جناب فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام درگاہ حق تعالیٰ میں نہایت مقرب ہیں، کہ کسی کو وہ تقرب حاصل نہیں، مگر یہ تقرب محض بفضل حق کے ہے۔ لقولہ تعالیٰ:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (نساء-۱۱۳) اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ولقوله عليه السلام:

إلا أن يتغمدني الله منه بفضل ورحمة. (۲) الحديث

مگر ذات فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذات حق تعالیٰ کی بہ نسبت اگر تصور کیا جاوے، تو ذات بابرکات آپ کو حق تعالیٰ سے کوئی نسبت متصور نہیں ہوتی۔ یہ نسبت جو سائل نے لکھی ہے، یہ بھی بعید ہے، کیونکہ حق تعالیٰ خالق بے مثل [ہے]

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ. (الشوریٰ-۱۱) نہیں ہے اس کی طرح کا کوئی۔ (ترجمہ شیخ الہند)

---

(۱) یہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کے ان الفاظ کی طرف اشارہ ہے، جو شاہ شہید نے تقویۃ الایمان میں تحریر فرمائے ہیں۔ لکھا ہے:

''اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے''

الف: ص ۲۶ تقویۃ الایمان، طبع اول (مطبع احمدی، کلکتہ: ۱۲۴۲ھ ۲۷-۱۸۲۶ء)

ب: ص ۲۵ تقویۃ الایمان، نسخہ مرتبہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری (از نسخہ مکتوبہ ۱۲۴۴ھ) (کراچی) [نور]

(۲) آیت پاک سورۂ نساء کی آیت: ۱۱۳ ہے اور اسکا ترجمہ ہے: اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے، اور حدیث مسلم شریف کی ہے اور اس کا ترجمہ ہے: مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل میں مجھے ڈھانک لیں۔

رواه مسلم. في كتاب صفة القيامة والجنة والنار. باب لن يدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالیٰ (۱۲۹۶/۲) رقم: ۲۸۱۶ [دار طیبۃ، الریاض: ۱۴۲۷ھ]

[نور]

اور فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوق مرزوق محتاج حق تعالیٰ کے:

قَالَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. (الزمر-۱۵)

فرمایا کہ اگر تو نے شریک مان لیا، تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہوگا، ٹوٹے میں پڑا۔

(ترجمہ شیخ الہند)

اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا. (۱) (سورہ ملک-۲۸)

اگر ہلاک کردے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر رحم کرے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

پس جس شخص نے نسبت چمار پیش بادشاہ کو، بوجہ ذات آپ کی ذات حق تعالیٰ سے عقیدہ کیا، وہ مصیب ہے اور یہ نسبت امر صحیحہ واقعہ سے بہت کم ہے اور جو بوجہ تقرب کے ایسا عقیدہ کرلے، وہ خلاف عقیدہ اسلام کے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایسے مسائل کو علماء جانتے ہیں، عوام کے روبرو کہنا، ان کی فہم سے بڑھ کر کلام کرنا ہے، اغوائے خلق اس میں حاصل ہے۔ اور ایسی بحث عوام کو حرام ہے اور اس امر میں جہلا کی گفتگو موجب کفر کا ہے، کہ جاہل یا حق تعالیٰ کی شان عالی کی تنقیص کر کے کافر ہووے گا، یا فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تذلیل جان کر، کافر بنے گا۔ فقط واللہ یهدی من یشآء الی صراط مستقیم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۴۸-۱۴۹)

....

....

(۱) پہلی آیت: سورۃ الشوریٰ کی آیت: ۱۱ ہے، اس کا ترجمہ ہے: اس کی طرح کا کوئی نہیں۔ دوسری آیت سورۃ الزمر کی آیت: ۱۵ ہے، اس کا ترجمہ ہے: بخدا! اگر آپ نے شریک ٹھہرایا تو آپ کا عمل اکارت جائے گا، اور آپ ٹوٹے میں پڑنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ تیسری آیت سورۃ الملک کی آیت: ۲۸ ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کردیں یا ہم پر رحم فرمائیں۔

قولہ: بوجہ تقرب: یہ فضل حق کا مقابل ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کچھ مقام و مرتبہ ہے، وہ بفضلہ تعالیٰ ہے اور اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالذات یہ مقام حاصل کرلیا ہے، تو یہ بات اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے۔ (پالن پوری)

بدعات و رسوم

میلاد اور قیام

(۶۴) کس قسم کی محفل مولود جائز ہے؟ از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خط آیا اور حال معلوم ہوا، جواب مسائل یہ ہے:

مولود کا پڑھنا اس طرح کہ اس میں کوئی روایت غلط اور ضعیف نہ ہو، (۱) صحیح حال ولادت وغیرہ کا ہو، اور مجمع خاص اس ذکر کے واسطے نہ کیا ہو، بلکہ وعظ میں یا بدون جمع کے کیف ما اتفق لوگ بیٹھے ہوں، اور کوئی قید شیرینی و روشنی کی بھی نہ ہو، اور سننے والے فاسق (و) فاجر، تماشہ بیں نہ ہوں اور اہتمام اس کا مثل وعظ اور نماز کے بھی نہ ہو، اور کوئی امر خلاف شرع بھی وہاں اور اس میں نہ ہو، تو درست اور مندوب ہے، اور جس طرح عقد مجلس ہو کر اب رواج ہے، یہ بدعت ہے اور منع ہے۔ ایسی مجلس میں شریک ہونا بھی منع اور گناہ ہے۔ (مجموعہ کلاں ص ۲۲۶)

(۶۵) مجلس میلاد کی حرمت وکراہت کی وجہ؟ **مسئلہ:** جیسا ذکر تمام سیر و احوال فخر عالم علیہ السلام کا مستحسن ہے، ایسا ہی ذکر ولادت آپ کا ذکر خیر ہے، مگر جب کوئی امر مکروہ و بدعت اس کے ساتھ منضم ہو جاتا ہے، تو وہ محفل وبیان، بسبب انضمام امر مکروہ و بدعت بن جاتی ہے۔ مثل نماز کہ عمدہ عبادت اور افضل اطاعت ہے، اگر اس کو وقت مکروہ یا زمین غصب میں کوئی پڑھے، تو اس مُصلّی پر شرع کی طرف سے زجر وارد ہوتی ہے اور وہ نماز حرام و مکروہ ہو جاتی ہے، نہ بوجہ صلوٰۃ، بلکہ بوجہ انضمام اس امر غیر مشروع کے۔ علیٰ ہذا حال ذکر مولود ہے، کہ اگر اس کو بروایات صحیحہ بیان کریں اور کوئی امر امور ممنوعہ غیر مشروعہ سے وہاں موجود نہ ہو تو جائز ہے، مگر مولود بہیئت مروجہ فی زماننا ہذا، بدعت و حرام ہے۔ کہ اس میں چند امور غیر مشروع موجود ہوتے ہیں۔

اوّل: مولود خواں جہال اور مؤلف اس کے، ایسی ایسی روایات فاسدہ بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کی اصل نہیں پائی جاتی، اور قواعد شرع کے خلاف ہیں اور موضوعات اور مفتریات روایات کو بیان کرکے، جہلاء کو خراب کرتے ہیں، جس کے بسط میں طول ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے، اپنا

---

(۱) ضعیف بمعنی نہایت ضعیف اور موضوع ہے۔ (پالن پوری)

ٹھکانا دوزخ میں کرلے (۱) پس سامع اور قاری جملہ گنہگار ہیں، تو ایسی محفل پر لاریب حکم حرمت کا ہوگا اور اس میں شریک ہونا حرام کہا جائے گا۔

دوم: چراغ اور شموع زائد از حاجت جلاتے ہیں اور یہ اسراف ہے اور اسراف حرام ہے، چنانچہ قرآن شریف میں موجود ہے کہ مسرفین بھائی شیطان کے ہیں (۲) پس ایسی محفل میں شریک ہونا گناہ ہے۔

سوم: تعین اوقات مولودخوانی اپنی رائے سے کرنا کہ فلاں روز زیادہ ثواب ہے اور فلاں تاریخ میں ضروری، یہ سب بڑ ہے کہ حکم مطلق کو اپنی رائے سے مقید کرنا، بدعات قبیحہ سے ہے۔

چہارم: اہتمام مثل اہتمام نماز، روزہ وغیرہ ضروریات دین بلکہ بقدر زوائد، عوام تو اس کو مثل نماز روزہ وغیرہ ضروریاتِ دین نہایت ضروری جانتے ہیں، خواص گو دل میں ضروری نہیں جانتے، مگر معاملہ مثل ضروریات دین کرتے ہیں، یہ بھی سخت بدعت ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، کہ کوئی آدمی تم میں سے اپنی نماز میں شیطان کا حق اور حصہ مقرر نہ کرے، کہ اپنے اوپر ضروری اور لازم کرے اس بات کو، کہ بعد اتمام نماز اپنی جانب راست ہی کی طرف رخ کرکے بیٹھا کرے، اور اپنی جانب چپ کی طرف رخ کرنے کو بُرا جانے، کہ اہتمام و التزام ممنوع ہے۔ (۳)

عالمگیری میں مرقوم ہے کہ جو امر مباح درجہ اباحت سے بڑھ کر، مثل واجب وسنت شمار کیا جاوے، تو وہ مکروہ اور حرام ہو جاتا ہے۔ (۴) غرض دین وایمان کا دارومدار اسی پر ہے کہ فرض، واجب وسنت، مستحب ومباح، حرام ومکروہ جملہ احکام کو اپنے اپنے درجہ پر رکھا جائے، اور ہر ایک کا اہتمام وعظمت حسب حیثیت وبقدر مرتبہ کیا جائے، اور مرتبہ ہر ایک کا ضرور ملحوظ اور مدنظر رہے، ورنہ دین واسلام برائے نام ہے اور بس۔

---

(۱) من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. متفق عليه، اس حدیث کی تخریج گزرچکی ہے۔ یہ حدیث جو سند اور متن دونوں طرح سے متواتر ہے۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں، کہ یہ حدیث اٹھانوے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل وروایت کی ہے، جس میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ اور ابن دحیہ نے کہا ہے کہ چار سوطرق سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على السنة الناس" علامہ عجلونی، ص۲۷۵ ج۲

(داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع ثالث: بلاسنہ) [نور]

(۲) إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْآ إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ. وكان الشيطان لربه كفوراً (بنی اسرائیل: ۲۷) [نور]

(۳) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن عبد الله بن مسعودؓ قال: لايجعل احدكم للشيطان شيئًا من صلوته، يرىٰ ان حقا عليه، ان لاينصرف الا عن يمينه، لقد رأيت النبي صلى الله عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره. متفق عليه: رواه البخاري في كتاب الأذان ج:۱ ص:۱۴۰ رقم الحديث: ۸۵۲ [رياض: ۱۴۰۴ھ - ۱۹۸۴ء] و مسلم في كتاب صلوٰة المسافرين ج:۱ ص:۳۲۰ رقم الحديث: ۷۰۷ [دارطيبه رياض: ۱۴۲۷ھ - ۲۰۰۶ء] [نور]

(۴) (الف): عالمگيری. باب مايتصل بذالک مسائل سجدة الشكر ج ۱ ص ۱۹۰. مطبوعه كلكته ۲۵۸ ھ. (ب): عالمگيری ص: ۱۳۶ ج۱ الباب الثالث عشر، مما يتصل بذلک مسائل سجدة الشكر (مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ: ۱۴۰۳ھ) [نور]

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اور تداعی وزیب وزینت، تقسیم شیرینی بروز مولود، یہ سب اہتمام میں داخل ہیں۔

پنجم: محفل مولود میں فُسّاق وفُجّار بہ لباس وصورت غیر مشروع حاضر ہوتے ہیں، ان کے ساتھ بلاضرورت جمع ہونا اور مداہنت کرنا پڑتا ہے، یہ بھی ممنوع ہے۔ بہر حال یہ سب امور مذکورہ وغیر ذلک، مانع جواز حضور محفل مولود، ہمارے زمانہ کے ہیں۔ ایسے مجامع میں جانا، ناجائز وممنوع ہے۔

باقی رہا قیام وقت ذکر ولادت، اول تو یہ قیام کسی روایت سے ثابت نہیں اور قرونِ ثلاثہ میں ذکر ولادت پر قیام، کہیں ثابت نہیں ہوا۔ مع ہٰذا! خصوصاً اسی محفل میں قیام کرنا تو ضروری جانا جائے، اور سوائے اس محفل کے اگر کوئی بیان کردے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں تاریخ ویوم ووقت میں پیدا ہوئے، تو کوئی بھی قیام نہیں کرتا۔ یہ تخصیص بلاوجہ بدعت ہے، اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ وقت ذکر ولادت، روح پر فتوح حضرت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس محفل میں تشریف لاتی ہے، چنانچہ جہالِ زمانہ ہٰذا کا یہی عقیدہ ہے، تو اس نیت واعتقاد سے قیام عین شرک ہے اور افتراء محض!! اس عقیدہ سے قیام کرنا سخت حرام ہوگا، اور شرکاء اس محفل کے گنہگار ہوں گے۔

الحاصل! ہمارے زمانے کے میلاد میں جانا ممنوع ہے، اور وجہ حرمت وکراہت تحریر بالا سے واضح ہو چکی۔ اب ایسے مولود کو جائز کہنا اہل علم کا کام نہیں، باقی جہال جو چاہیں بکیں اور مانع کو طعن کرنا بھی سخت بیجا ہے، طاعن فاسق ہوگا۔ کیونکہ امر منکر کا منع کرنے والا امتثال امر ونہی عن المنکر کرتا ہے، اس کو طعن کرنا حدیث پر طعن کرنا ہے، اور ایسے مولود کو جائز کہنا محض خطا اور غلطی وجہل قواعد شرعیہ سے ہے۔　فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　(مجموعہ کلاں ص ۳۵ تا ۳۸)

(۶۶) مروجہ میلاد وقیام بدعت ہیں: قیام مروجہ میلاد بدعت ہے، مکروہ ہے، نہ فرض، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب، اس کی کہیں اصل نہیں، اختراع جہلاء ہے۔　فقط　کتبہ الراجی رحمۃ ربہ　رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(مجموعہ کلاں۔ ص ۳۰)

(۶۷) مروجہ مجالس مولود بدعت ہیں: مجالس مولود مروجہ مکروہ وبدعت ہیں، ان کی شرکت بھی ممنوع ہوئی۔ اگرچہ نفس ذکر ولادت مستحسن ہے اور روشنی حاجت سے زیادہ اسراف اور حرام ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ　رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　(مجموعہ کلاں ص ۱۰۲)

(۶۸) مجلس میلاد اور قیام کی شرعی حیثیت؟ **سوال:** زید نے وقت میلاد قیام نہ کیا، عوام نے

تعرض کیا، زید [نے] عذر کیا کہ میرے نزدیک مستحب ہے، تارکِ مستحب گنہگار نہیں، اور اصل وجہ یہ ہے کہ جو کتاب اس وقت ہوئی تھی، اس میں اس موقع پر اشارہ قیام نہیں، اس وجہ سے میں نے قیام نہیں کیا۔ اس پر زید کی تکفیر کی گئی اور اسکے بعد زید نے بارہا اسی خوف سے قیام کیا، مگر کفر سے عوام وخواص نے زید کو سبکدوش نہ فرمایا اور علماء نے بھی کہا، کہ پنج وقتہ زید پر لعنت مقدار ریگِ بیاباں کے اور ریگِ دریا کے بھیجو، مسجد میں بھی نہ آنے دو اور مواکلت، مشاربت اور مجانست بھی، اسکے ساتھ مت رکھو، اس کے سب ہمراہی وساتھی کافر ہوگئے، اگرچہ نیت اہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھی۔ فقط

جواب: مجلس میلاد اور قیام عند ذکر ولادت کا کہیں اثر، زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ صحابہ وتابعین سے معلوم نہیں ہوتا، یہ امر بعد چھ سو برس کے مخترع ہوا ہے (۱) اور کتبِ حدیث اور فقہ سے ثابت نہیں ہوتا، کہ بوقت ذکر ولادت قیام مسنون یا مستحب ہو۔ پس ایسے امر پر اہتمام کرنا اور ضروری جاننا محض بدعت ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هـذا ماليس منه فهو رد. الحديث (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی (یا ملائی) وہ مردود ہے۔

اگر کوئی کنج وکاوعرق ریزی کر کے، اباحت وندب اس مجلس کا وقیام کا مدعی ہووے، تو بھی ہرگاہ کہ اس مجلس کو واجب جاننے لگے، یا عوام اس کو ضروری سمجھنے لگیں، تو یہ فعل بدعت، ناجائز ہو جاتا ہے۔ [ملا] علی قاری شرح مشکوٰۃ میں کہتے ہیں:

من أصر على أمر مندوب وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعة أو منكر. انتهى (۳)

جس نے مستحب پر عمل کیا اور اس کو ضروری سمجھ لیا اور رخصت پر کاربند نہ ہوا، پس اس کو شیطان نے گمراہی میں ڈال دیا ہے، تو اس کا کیا حال ہوگا جو کسی بدعت یا منکر پر اصرار کرتا ہے۔

---

(۱) ائمہ مؤرخین نے اس کی صراحت کی ہے کہ، جشن میلاد مظفر الدین کوکبری بن علی ابوسعید نے ایجاد کیا، وہ اس کی بہت لمبی چوڑی نہایت مسرفانہ اور فضول محفلیں منعقد کیا کرتا تھا، جو چار چار دن تک جاری رہتیں۔ ان مجلسوں کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں: ابن خلکان ۲/۲۹۱ (دار التراث العربي۔ بیروت: ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء) البدایہ والنہایہ ۱۳/۱۳۶ (مکتبۃ الریاض)۔ [نور]

(۲) متفق عليه عن عائشةؓ: بخاری. كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود. ص ۳۷۱ ج ۱. (مرادآباد ۱۳۱۵ھ) نیز بخاری شریف ج: ۱/ص: ۱۲۰. رقم الحديث: ۲۶۹۷، [مكتبه رياض] و مسلم كتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور ج: ۲/ص: ۸۲۱. رقم الحديث ۱۷۱۸. [دار طيبه، رياض. ۱۴۲۷ھ - ۲۰۰۶ء] [نیز دیکھئے: مشكوة، باب الاعتصام بالكتاب والسنه ص ۲۷ ج ۱. (عکس طبع نور محمد، رشید یہ دہلی: بلاسنہ]

(۳) باب الدعاء فی التشهد، الفصل الاول، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۵۳ جلد ثانی (مکتبہ امدادیہ ملتان: ۱۳۸۶ھ) [نور]

فتاویٰ عالمگیریہ باب السجدات میں لکھا ہے:

وما يفعل عقيب الصلوٰة مكروه، لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. انتهى(۱)

اور جو کچھ (چند لوگ) نماز کے بعد کرتے ہیں، وہ مکروہ ہے، کیوں کہ جاہل لوگ، اس کو دین کا ضروری کام خیال کریں گے، اور ہر وہ مباح جو فسادِ عقیدہ کا سبب بنے، وہ مکروہ ہے۔

پس یہ شخص جو زید کو بہ سبب عدم قیام ذکر ولادت کے، کافر کہتا ہے، جاہل ہے نہ [کہ] عالم، گمراہ ہے نہ [کہ] مہتدی۔ زید ہرگز ہرگز، ترک قیام کے باعث کافر فاسق، عاصی نہیں، ہاں اس مجلس کی شرکت کے باعث گنہگار ہے، اور جو کوئی ایسے مسلمان کو بلا وجہ کافر کہتا ہے، خود کفر کا وبال اس پر عائد ہوتا ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايرمي رجلٌ رجلاً بالفسوق ولايرميه بالكفر، إلاَّ ارتدت عليه، ان لم يكن صاحبه كذالك. رواه البخاري(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ حکم لگائے کوئی شخص کسی کو فسق کا اور نہ کفر کا ورنہ وہ (اسی کہنے والے کی طرف) لوٹ جائے گا اگر وہ (جس کے لئے یہ کہا گیا ہے حقیقت میں) ایسا نہ ہو۔ [ت: نور]

پس یہ جاہل جو زید کو کافر بتاتا ہے خود بلائے کفر میں مبتلا ہے اور زید بوجہ عدم قیام کافر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی (مہر)

(مجموعہ کلاں ص ۲۷-۲۹)

(۶۹) ذکر ولادت کے وقت قیام کے بدعت ہونے کی مفصل بحث: **مسئلہ:** وقت ذکر میلاد کھڑے ہونے کی کہیں شرع میں قرونِ ثلاثہ سے اصل ثابت نہیں، جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر اور حالات اور ولادت کا ذکر، ان قرون میں بطور وعظ وتحدیث وتدریس، ہزار ہا دفعہ ہوتا تھا، مگر کسی روایت سے کہیں ثابت نہ ہوا، کہ بروقت ذکر ولادت کوئی کبھی کھڑا ہوا ہو، یا کہیں خود جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کچھ استحباب یا ادب ارشاد فرمایا ہو۔ یہ بات کہ خود جناب علیہ السلام کی تعظیم کو کوئی کھڑا ہو، یہ دوسری بات ہے، مگر آپ کے ذکر ولادت یا غیر ولادت پر

---

(۱) (الف): عالمگیری ص ۱۹۰ ج ۱۔ ومما يتصل بذالک مسائل سجدة الشكر (مطبوعہ بندر ہوگلی کلکتہ۔ ۱۲۵۸ھ)

(ب): عالمگیری ص ۱۳۶ ج ۱ الباب الثالث عشر ومما يتصل بذالک مسائل سجدة الشكر مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ۱۴۰۳ھ) [نور]

(۲) رواہ بخاری عن ابی ذرؓ ص ۸۹۳ ج ۲۔ کتاب الادب باب ما ينهى عن السباب واللعن (مرادآباد: ۱۳۱۵ھ) نیز بخاری شریف ج: ۳ جز: ۸: ص: ۱۳ رقم الحدیث: ۶۰۴۵ [مکتبہ ریاض مکۃ المکرمہ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء] نیز دیکھئے مشكوة، باب حفظ اللسان و الغيبة، الفصل الاول ج: ۲/ص ۴۱۱۔ رقم الحديث: ۴۸۱۶۔ [عكس طبع نورمحمد، رشيديه دهلی: ۱۹۵۵ء] [نور]

قیام کرنا، ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ ایک روایت صحیحہ بھی اس باب میں وارد نہیں۔ پس اولاً تو یہی حجت قیام کے بدعت غیر اصل ہونے کو کافی ہے، کہ ثبوت اس کا قرونِ ثلاثہ میں ثابت نہیں ہوسکتا۔

اور پھر جب اس قدر غلو ہو جائے کہ اس کو واجب کہنے لگیں، اور تارک پر ملامت ہونے لگے، تو خواہ مخواہ منکر و بدعت ہو جائے گا۔ یہ تو ایک امر محدَث ہے، اگر کسی امر ثابت جائز کو بھی عوام واجب جاننے لگیں، وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه: قال لايجعل احدكم للشيطان نصيبا من صلوته، يرىٰ أن حقا عليه ان لاينصرف الا عن يمينه، لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره. (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: کوئی بھی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے اس طرح کہ دائیں جانب سے رخ کرنے [پھرنے] کو لازم سمجھ لے، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، بار ہا بائیں جانب سے گھومتے ہوئے [بھی] دیکھا ہے۔

قال على القارى فى شرح المشكوة فى شرح هذا الحديث: من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أومنكر. انتهى (۲)

ملاعلی قاری، اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جس نے مستحب پر ضروری سمجھ کر عمل کیا اور رخصت پر کاربند نہ ہوا، اس کو شیطان نے گمراہی میں ڈال دیا۔ پس کیا حکم ہوگا اس شخص کا، جو بدعت اور منکر پر اصرار کرتا ہے۔ [ت: نور]

اور عالمگیری میں ہے:

ومايفعل عقيب الصلوات مكروه، لأن الجهال يعتقدونها سنة أوواجبة، وكل مباح يؤدى إليه فمكروه. انتهىٰ (۳)

جو کچھ (فرض) نمازوں کے بعد کیا جاتا ہے، وہ مکروہ ہے، کیونکہ جاہل لوگ اس کو دین کا ضروری کام خیال کریں گے، اور ہر وہ مباح کام جس کو واجب سمجھ لیا جائے، مکروہ ہے۔

---

(۱) اس حدیث کی تخریج ابھی قریب ہی گزر چکی ہے۔

(۲) مرقاة شرح مشكوة ص ۳۵۳ ج ۲. (امداديه ملتان: ۱۳۸۶ ھ) [نور]

(۳) (الف) عالمگیری ص۱۹۰ ج۱۔ باب ومما يتصل بذالک مسائل سجدة الشكر مطبوعہ بندر ہوگلی: ۱۲۵۸ھ) [نور]

(ب): عالمگیری ص۱۳۶، ج۱۔ الباب الثالث عشر مما يتصل بذلک مسائل سجدة الشكر (مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ) [نور]

پس اولاً ثابت ہوگیا کہ قیام وقت ذکر ولادت، کہیں حدیث وآثار سے قولاً وفعلاً وتقریراً ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہ امر خود محدث ہوا۔ اور ثانیاً اگر فرضاً کچھ ثابت بھی ہو جاوے، تو واجب وسنت ومستحب تو ہرگز نہیں ہوسکتا، کیوں کہ واجب وہ حکم ہے کہ نص قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ، یا نص ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ سے ثابت ہو، اور یہاں درباب قیام کے کوئی نص بھی قوی یا ضعیف نہیں، اور سنت اس حکم کو کہتے ہیں کہ مواظبت جناب فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام یا خلفائے راشدین کی اس پر ثابت ہو، اور یہ فعل ایک بار بھی ثابت نہیں ہوا، تو سنت کیا مندوب ومستحب بھی نہیں ہوسکتا۔ نہایت الامر! اباحت وادب ثابت ہوگا اور جب کسی امر مباح کو واجب بنایا جائے، تو وہ خود بدعت ومکروہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قول ابن مسعود اور ملا علی قاری اور روایت عالمگیریہ سے اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

بہر حال اس قیام کو واجب کہنا حرام ہے اور کہنے والا فاسق مرتکب کبیرہ کا ہے، کیوں کہ جو فعل مستحب ومندوب بھی نہ ہو، اس کو واجب کہنا خود مجادلہ شارع علیہ السلام سے کرنا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ: اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف، تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی، اور ڈالیں گے ہم اسکو دوزخ میں، اور وہ بہت ہی بری جگہ پہنچا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

الغرض قیام ذکر ولادت، بایں وجہ ہے کہ ان لوگوں کو کوئی حدیث موضوع، درباب ثواب قیام مذکور ملی ہو، یا کسی بزرگ کا قول یا فعل ان کو معلوم ہو، کہ اس کے موافق ثواب جان کر قیام کرتے ہیں اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ احادیث غیر معتبر وموضوعہ سے ثواب وعقاب کا ثبوت نہیں ہوتا، اور قول وفعل بزرگوں سے بھی جواز واستحباب ثابت نہیں ہوتا، جب تک کہ کوئی دلیل شرعی موجود نہ ہو۔ پس باوجود امور مذکورہ [کے] ہرگز یہ فعل موجب ثواب ومستحسن نہیں ہوسکتا، بلکہ بدعت ہی رہے گا، اور بالفرض اگر کوئی امر مبیح یا موجب ثواب بھی ہوگا، تو بعد تسلیم درجہ ندب سے نہ بڑھے گا اور اگر عوام اس قیام کو ضروری جانیں گے، تو حسب تحقیق مذکور ندب سے بدعت وکراہت میں آجائے گا۔ بہر حال یہ فعل سراسر حماقت ہے، کیوں کہ اگر یہی وجہ قیام کی ہے تو قیام بروقت ولادت آپ کے ہونا چاہئے، نہ یہ کہ ہر روز، اس کی نقل کیا کریں، اور آپ کی حالت ولادت کا سانگ بنایا جائے، معاذ اللہ! اور مثل کفار ہنود، کہ کنہیا کے پیدا ہونے کے روز اس کے جنم لینے کا سانگ اور نقل کرتے ہیں، یا روافض کہ ہر سال شہادت اہل بیت کا سانگ بناتے ہیں۔ یہ اعداءِ سنت آپ کی ولادت شریفہ کو فرض کر کے ہر روز ولادت قرار دیتے ہیں اور یہ خود حرام وقبیح اور حماقت ہے، شرع میں کہیں اس کی [کوئی] نظیر نہیں، کہ ایک فرضی امر کے ساتھ معاملہ حقیقت کا کیا جائے۔ اگر عید وجمعہ وغیرہ میں اعادہ ہے، تو بہ سبب حدوث اسباب اور تکرار وجود سبب نعمت کے ہے، اور جمعہ

میں شرافت ذاتی کی وجہ سے ہے، یوم ولادت میں، یا ہر مجلس ذکر میلاد میں کون سا سبب ولادت فخر عالم علیہ السلام کا مکرر ہوتا ہے جو گستاخ ایسی حرکتِ قبیحہ سے خود فضیحت ہوتے ہیں۔ پس یہ قیام بایں وجہ حرام اور موجب تشبہ بکفار وفساق ہے۔

یا بایں وجہ قیام کرتے ہیں کہ ان مبتدعین نے زعم فاسد میں، روح پرفتوح فخر عالم علیہ السلام کی، اس مجلس ذی شرور میں کہ محل معاصی اور خلافِ شرع اور مجمع فساق اور مَحْضَرِ بدعات وشرور ومناہی ہے، تشریف لاتی ہے، تو یہ عقیدہ خود شرک ہے [اور] اگر آپ کو عالم غیب قرار دیتے ہیں، تو بایں عقیدہ قیام شرک ہوگا، اور در باب عقائد نص قطعی کی ضرورت ہے، ظنیات سے اعتقادیات کا ثبوت نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ ضعاف اخبار اور موضوعات سے۔ اور اگر عالم غیب علیہ السلام کو قرار نہیں دیتے، تو کس طریق سے حضورِ روح پرفتوح کا اثبات کیا، کیوں کہ بدون نصوص قطعیہ عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا اور یہاں کوئی نص نہیں، نہ قطعی اور نہ غیر قطعی، پس یہ خیال فاسد وسوسۂ شیطانی ہوگا اور اس کا اتباع محض اتباعِ ھوا ہوگا۔

الحاصل! یہ قیام درصورتِ اولیٰ بدعت ومکروہ ہے، اور درصورتِ ثانیہ حرام وکبیرہ، اور درصورتِ ثالثہ شرک وکفر اور درصورتِ رابعہ اتباع ہَوائے شیطان وکبیرہ گناہ۔ (۱) پس یہ قیام کسی وجہ سے مشروع نہیں، اس کو واجب کہنا صراحت خلاف شرع اور اپنی عقل سے احکام ثابت کرنا ہے، ایسے شخص پر خوف کفر کا ہے۔ حق تعالیٰ ہم کو اس سے بچاوے اور اس کو ہدایت اور توبہ نصیب کرے۔ آمین! اور ضمن تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مجلس میلاد فی زماننا بہیئت کذائیہ خود بدعت اور غیر مشروع اور گناہ ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۸۰-۸۳)

(۷۰) میلاد میں قیام کے ممنوع اور بدعت ہونے کی وجہ؟

مسئلہ: قیام وقت ذکر ولادت بدعت ہے، کیوں کہ قیام تعظیم وقت استماع نام پاک حق تعالیٰ، فقہاء نے اذان میں بھی ذکر کیا ہے، اور وقت آنے کسی معظم کے بھی احادیث سے ثابت ہے، (۲) وقت ذکر ولادت اگر بایں وجہ ہے کہ آپ کا نام پاک صلی اللہ علیہ وسلم ذکر ہوا ہے،

---

(۱) صورت اولیٰ: کسی حدیث موضوع یا کسی بزرگ کے قول وفعل کی وجہ سے بوقت ذکر ولادت قیام کرنا۔ صورت ثانیہ: ولادت کا سانگ بنانا، صورت ثالثہ: روح پرفتوح کے تشریف لانے کے عقیدہ سے قیام کرنا۔ صورت رابعہ: بغیر اس عقیدہ کے قیام کرنا۔ [پالن پوری]

(۲) یہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب غزوہ بنی قریظہ کے موقعہ پر گدھے پر سوار ہوکر بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کے لئے آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلہ کے لوگوں سے فرمایا: قوموا إلى سيدكم، اس حدیث سے بعض حضرات نے معظم ومحترم کے آنے پر قیام تعظیمی کے جواز پر استدلال کیا ہے، مگر یہ استدلال کچھ زیادہ قوی نہیں، کیونکہ اسی حدیث میں فانزلوہ کی صراحت بھی ہے یعنی جاؤ وہ بیمار ہیں، ان کو سہارا دے کر اتارو، اور الیٰ بھی اس کا قرینہ ہے اگر یہ قیام تعظیمی ہوتا تو لام آتا اور لسیدکم کہا جاتا۔ (پالن پوری)

روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن ابى سعيد الخدرى أن اهل قريظة لما نزلوا على حكم سعد أرسل اليه النبى صلى الله عليه وسلم، فجاء على حمار أقمر، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: قوموا إلى سيدكم أو إلى خيركم، فجاء حتى قعد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابوداؤد كتاب الآداب، باب فى القيام، (۵/ ۴۳۷) رقم: ۵۱۷۳ [موسسۃ الریان بیروت: ۱۴۲۵ھ]

[نور]

تو بعد تسلیم مشروعیت، اس وقت اور اس ہیئت مجلس اور اس ذکر ولادت کے ساتھ، کیا وجہ تخصیص قیام کی ہے، جب نام پاک سنا جائے، قیام چاہئے، حالانکہ اذان اور اقامت میں قیام نہیں کرتے۔ بہرحال یہ تخصیص بدعت ہوگی۔

اور اگر بایں وجہ قیام ہے کہ آپ کی روح پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتی ہے، تو خود اندیشہ شرک کا ہے اور اگر اس وقت ولادت کا یہاں نقشہ تصور کر کے یہ قیام ہے، تو خود ایک تصویر پرستی اور مشابہت بت پرستاں اور اپنے خیال کے عابدوں کے ساتھ تشبہ ہے، یہ اشد بدعت ہے۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۷۹-۸۰)

(۷۱) محفل ذکر ولادت کا شرعی حکم؟

سوال: ذکر ولادت ومعجزات بلا ذکر وفات بشرط خلو، از بدعات ومنکرات، محض بنظر ثواب نہ بطور رسم ہدایت ہے یا ضلالت، اگر ہدایت ہے تو تداعی بموجب ارشاد نبوی:

من دعا الى هدى كان له من الأجر، مثل أجور من تبعه. الحديث رواه مسلم(۱)

جس نے کسی کو بھلائی کی طرف بلایا، تو اس کے لئے ان لوگوں کے عمل کے برابر ثواب ہوگا، جس نے اس [کے بلانے کی وجہ سے] پر عمل کیا۔ (ت: نور)

کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو صورت اجتماع کے واسطے ذکر ولادت کے، کہ جس کی نسبت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،مأۃ مسائل میں اجازت فرماتے ہیں، کیا ہے۔ وعبارته هكذا:

وقیاس عرس، بر مولود شریف غیر صحیح است، زیرا کہ در مولود ذکر ولادت خیر البشر است، وآں موجب فرحت وسرور است، ودر شرع اجتماع برائے فرحت وسرور کہ خالی از بدعات ومنکرات باشد آمدہ۔ فقط(۲)

عرس کو مولود شریف پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ مولود میں خیر البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کا ذکر ہے، وہ تازگی اور خوشی کا ذریعہ ہے اور شریعت میں مسرت وخوشی کے ایسے موقعوں پر جو بدعتوں اور برائیوں سے خالی ہو، جمع ہونے کی اجازت ہے۔

جواب: نفس ذکر ولادت ومعجزات وسیر فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ادب ومستحب ہے، مگر جو اس کے ساتھ کوئی امر مذموم شرعی مضموم ہو جاوے گا تو مکروہ اور حرام اور بدعت بن جائے گا۔ یہ امر متفق علیہ تمام امت کا ہے اور اہتمام وتداعی نوافل صلوٰۃ میں کہ ذکر ولادت سے بمراتب زیادہ ہے، فقہاء نے مکروہ تحریمی ہی لکھا ہے، سب کتب فقہ میں صریح منقول

(۱) الف: صحیح مسلم ص ۳۴۱، ج ۲۔ کتاب العلم، باب من سن سنة (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۹ھ)

ب: ص ۱۲۳۴ جلد دوم۔ رقم الحدیث: ۲۶۷۴ ت: ابو قتیبہ نظر محمد فاریابی [دار طیبہ ریاض: ۲۰۰۶ء] [نور]

(۲) مائۃ مسائل: ص ۳۰۔ سوال پانزدہم (مطبع مصطفائی: ۱۲۸۳ھ) [نور]

ہے۔ پس مجلس مولود ہمارے زمانے کی، اگرچہ روایات غیر صحیحہ اور منکرات اور رسوم منکرہ سے خالی ہو، تداعی اور اہتمام کی وجہ سے بدعت ہوگی، گو در اصل جائز تھی۔

اب جواب عبارت مأۃ مسائل کا طلب فرمانا زائد ہے، کیونکہ اس میں شرط جواز خلو از بدعات و منکرات لکھا ہے، اور اہتمام من جملہ بدعات ہے، اور پھر اس زمانہ کو آپ کے وقت پر قیاس کرنا غیر مناسب ہے، کہ اس وقت ایسا شاید گاہ گاہ کسی کو اتفاق ہوتا ہو اور کچھ بھی اہتمام نہیں ہوتا تھا اور نہ کچھ نفوس میں اس کا وجود مثبت تھا، نہ عوام کو اس کی عمدہ عبادت ہونے کی خبر تھی، برخلاف اس وقت کے، کہ عوام تو اس کو فرض نماز سے بھی زیادہ موجب مغفرت نماز جانتے ہیں اور تارک کو وہابی قابل ملامت سمجھتے ہیں اور اس کا ترک مثل موت کے جانتے ہیں۔ قلوب میں تارک کی برائی اور اس جلسہ کی خوبی اس درجہ راسخ ہو رہی ہے، کہ جس کی تحریر فضول ہے۔ ایسے وقت میں مباح مستحب بھی ناجائز و مکروہ ہو جاتا ہے، کہ عوام کے اعتقاد کو مؤکد ہوتا ہے۔ تعیین کسی سورت کی قرآن شریف سے، کسی وقت معین میں جو مکروہ ہوئی، یہی وجہ ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) اس ہی باب میں فرماتے ہیں، کہ تیرے ایمان کو شیطان نہ نکال لیوے، کہ تو یوں جان جائے کہ بعد نماز کے داہنی جانب سے پھرنا ضروری ہے، کیونکہ میں نے جانب چپ بھی، جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پھرتے دیکھا ہے۔

غرض مؤکد ہو جانا سنت مطلقہ کا ایک شق میں، موجب نزع ایمان فرمایا، ایسی حالت میں کسی وجہ سے، اس مجلس کا انعقاد درست نہیں ہو سکتا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں۔ ص ۷۶-۷۷)

(۷۲) ذکر ولادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام؟ نیت ایک امر فرض ہے، اگر فقط دل سے نہ کر سکے تو زبان اس کی قائم مقام ہو سکتی ہے، اس وقت زبان سے نیت کا کرنا فرض ہوگا اور زبان کے کہنے سے دل خوب حاضر ہو جائے گا، تو زبان سے نیت کا کرنا مستحب ہوگا، کہ امر فرض کی تحصیل کو معین ہے اور جو ایسی شئے ہو کہ فرض کے ادا میں اعانت کرے، وہ مستحب ہوتی ہے، اس کو قیام مولود سے کچھ مناسبت نہیں، کیوں کہ:

اولاً: یہ امر کہ وقت ذکر ولادت کے ملائکہ کا نزول ہوتا ہے، بالکل غلط ہے، کسی روایت میں یہ نہیں لکھا۔ اگر ہے تو یہ ہے کہ وقت ذکر خیر کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، پس چاہئے کہ ابتدائے ذکر خیر سے آخر تک کھڑے رہیں، تعظیم ملائکہ کے واسطے، یا اول جب شروع ذکر خیر کا ہو، اس وقت وقتِ نزول ہے، جب قیام کریں۔

ثانیاً: خصوصیت ذکر ولادت کے قیام کے واسطے بدعت ہووے گی، کہ کسی ذکر میں قیام نہ کرے، خاص ذکر ولادت میں کیا وجہ تخصیص کی ہے، کسی امر مطلق کو مخصوص کرنا بدعت ہو جائے گا، پھر نیت تو امر فرض تھا، قیام تعظیم کی کونسی فرضیت کی دلیل ہے، بہر حال یہ توجیہ اہل بدعت سراسر پوچ بے معنی ہے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد۔ جوابات سوالات مولوی نظیر حسین فرخ آبادی ص ۱۸-۱۹)

عاشورا ومحرم سے متعلق احکام ومسائل

(۷۳) عشرہ محرم میں حلیم کھانے، شربت پلانے اور دیگر بدعات کا حکم؟ **سوال:** عشرۂ محرم میں حلیم پکانا اور شربت پلانا درست ہے، یا نہیں؟ یا جو خوش عقیدہ ہیں وہ اس میں داخل ہیں، اور عشرہ محرم میں نوافل بجماعت پڑھ کر، روح پر فتوح حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو، ثواب پہنچانا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: شربت وحلیم سب بدعت ہیں اور رسم روافض ہے، خواہ بدعقیدہ کرے خواہ خوش عقیدہ۔ بدعت خوش عقیدہ سے زیادہ تر معیوب ہے، نوافل عشرہ [محرم] بھی بدعت [ہیں] خصوصاً بجماعت، مکروہ تحریمی ہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد گنگوہی

الف: مجموعہ کلاں ص ۲۷ ب: مجموعہ فتاویٰ، مکتوبہ مولانا عبد الغفور چندیانوی ۱۳۱۱ھ ص ۴

ج: مجموعہ فتاویٰ مرتبہ ومکتوبہ: مولانا احمد شاہ حسن پوری۔ (بلاسنہ) ص ۳

(۷۴) عشرہ محرم میں ذکر شہادت پڑھنا، روزہ رکھنا اور صدقہ دینا کیسا ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: عشرہ محرم کو ذکر شہداء بیان کرنا اور اسی عشرہ میں روزہ رکھنا اور خیرات کرنا کیسا ہے؟ اس کا جواب کتب معتبرہ سے دیجئے۔ **بینوا توجروا۔**

جواب: عشرہ میں ذکر شہادت پڑھنا حرام ہے، اس واسطے کہ بہ مشابہ رافضیوں کے ہے، وہ اس ایام میں اس ذکر کو افضل عبادت جانتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی کسی قوم سے مشابہ کام کرے، وہ ان میں ہی ہے (۱) پس ایسا کام کرنا رافضی ہونا ہوا۔ اور روزہ عشرہ کی نویں کو مستحب ہے (۲) اور خیرات وصدقہ دینا سب روز درست ہے، اس دن میں

---

(۱) من تشبہ بقوم فھو منھم. رواہ احمد عن ابن عمر رقم الحدیث: ۵۱۱۴-۵۱۱۵. ص: ۵۱۶/ج: ۴. تحقیق علامہ احمد محمد شاکر. وابو داؤد، کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ ص: ۵۵۹ [مطبع اصح المطابع، کلکتہ:] نیز باب مذکور ابو داؤد ج: ۴/ص: ۳۹۱ رقم الحدیث: ۴۰۳۱ [دار القبلہ، للثقافۃ الاسلامیہ. طبعہ ثانیہ جدہ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء] [نور]

(۲) روزہ عشرہ کی نویں کو مستحب ہے، یعنی دسویں کے ساتھ نویں کو بھی روزہ رکھے، کیونکہ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا تھا، اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نویں کا بھی روزہ رکھوں گا۔ (پالن پوری)

عن ابن عباسؓ، حین صام رسول اللہ ﷺ عاشوراء و امر بصیامہ، قالوا یا رسول اللہ انہ یوم یعظمہ الیھود والنصاریٰ، فقال رسول اللہ ﷺ لئن بقیت الی قابلٍ لاصومنّ التاسع. رواہ مسلم. ج: ۱ ص ۳۵۹. [مطبع مجتبائی دھلی: ۱۳۱۹ھ] نیز صحیح مسلم ج: ۱/ص: ۵۰۵ رقم الحدیث: ۱۱۳۴ [دار طیبہ، ریاض: ۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶ء] [نیز دیکھئے مشکوۃ باب صیام التطوع الفصل الاول، ص ۱۷۸-۱۷۹، [طبع نور محمد، رشیدیہ دھلی: ۱۹۵۵ء] نیز مشکوۃ شریف ج: ۲/ص: ۸۱۰ رقم الحدیث: ۲۰۴۱ [مکتبہ التوبہ، ریاض. ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۳ء]

[بھی] جائز ہے، مگر تخصیص کہ اسی روز میں ضرور ہو، بدعت ہے۔ کسی کام کو بدون اجازتِ شرع کے خاص کرنا، حدیث (۱) میں منع فرمایا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۳۳)

(۷۵) عشرہ محرم میں ذکر شہادتین صحیح نہیں: عشرہ میں اور روز عشرہ کے، ذکر شہادتین گناہ ہے، ہرگز نہ کرے، اور نہ اس میں شریک ہو، یہ مشابہ روافض کے اور حرام ہے، فقراء کو کھانا کھلانا ہر روز اچھا ہے، مگر خصوصیت عشرہ کی کرنا اور اس کو ضرور (ی) جاننا، البتہ گناہ ہے۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۶)

(۷۶) تعزیہ نکالنے اور محرم کے مہینہ کی اور بدعات کا حکم؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ تعزیہ داری کرنا اور بچوں کو طوق بیڑی پہنانا اور ماتم کرنا، اور بھوسا اُڑانا وغیرہ، اور ذکر سوانح و وقائع شہادت وغیرہا میں سامان کرنا، اور اس پر رونا اور رلانا اور اس کے واسطے انعقاد مجلس تعزیت کرنا، موجب ثواب ہے یا باعث عقاب، اور نوحہ اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے اور یزید کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہئے؟ **بینوا توجروا.**

جواب: تعزیہ بنانا، اس میں شریک ہونا، اس پر چڑھاوا چڑھانا، یا منت ماننا، ان ایام عشرہ محرم میں ذکر شہادت حسنین کرنا، رونا پیٹنا، چلاّنا، نوحہ کرنا، کپڑے پھاڑنا یہ سب نادرست ہے اور بدعت سیئہ، اور یزید کو برا کہنا خلافِ احتیاط ہے۔ فقط، واللہ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

تصدیق: تعزیہ داری کرنا وغیرہ امور مذکورہ فی السوال ناجائز و بدعت ہیں اور موجب عقاب، اور یزید اپنے کئے کو پہنچ گیا، اب اُس پر لعنت کرنا، اس کو گالی دینا، بُرا کہنا نہ چاہئے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

لا تسبوا الأموات فإنهم قد افضوا الى ماقدموا. رواه البخاری (۲) كذا فی بلوغ المرام.

والله تعالیٰ اعلم بالصواب. الراقم سید محمد عبد السلام غفرله.

ضمیمہ فتاویٰ نذیریہ۔ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی ص ۲۵، ۲۸۔ جلد دوم (طبع اول: دہلی: ۱۳۳۳ھ)

---

(۱) وقد جاء فی الحديث "لا يجعلن احدكم للشيطان من نفسه جزءاً يرى أن حقا عليه أن لا ينصرف الا عن يمينه. متفق علیہ اس کی تخریج باب دوم فصل اول میں گزر چکی ہے۔ [نور]

(۲) صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب ما ينهىٰ من سب الاموات. ص ۱۸۷ ج ۱ [مرادآباد ۱۴۱۵ھ]. نیز بخاری شریف باب مذکور ج: ۱ ص: ۸۹-۹۰ رقم الحدیث: ۱۳۹۳ [مکتبہ ریاض، مکة المکرمہ طبعہ ثالث. ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء] [نیز دیکھئے مشکوۃ باب المشی بالجنازة والصلوة عليها. الفصل الاول ص ۱۴۵ ج ۱. [نقل اصح المطابع رشیدیه دهلی: ۱۳۷۵ھ] نیز باب مذکور ص: ۲۶۳ جلد دوم رقم الحدیث ۱۶۶۴ ت: رمضان بن احمدبن علی: [دارابن حزم ۲۰۰۳ء] [نور]

میت سے متعلق رسوم وبدعات اوران کے احکام ومتعلقات

(۷۷) ایصالِ ثواب کے لئے وقت کی تعیین کیسی ہے؟ مسئلہ: میت کوثواب طعام ونقد وکلمہ وقرآن شریف کا، بغیر کسی قیداور تعیین تاریخ کے، پہنچانادرست ہے، مگر یہ قید تعیین تاریخ کہ ذرا بھی پس وپیش نہ ہواوراس کو ضروری جانا جائے، بدعت ہے، اور غیر جائز۔ جس امر کوشریعت نے مطلق اور بے قید فرمایا ہے، اپنی طرف سے اس میں قید لگانا حرام ہے۔

اسی طرح بزرگوں کی زیارت درست ہے، بطریق سنت، (۱) اور اولیاء سے مدد مانگنا حرام ہے، مدد صرف حق تعالیٰ سے مانگنی چاہئے، سوائے حق تعالیٰ کے کوئی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ غیر حق تعالیٰ سے مدد مانگنا، اگرچہ نبی ہو یا ولی، شرک ہے۔

اور یہ نذر کہ اگر حق تعالیٰ مرا کام کردے، تو دس روپیہ حق تعالیٰ کے نام صدقہ کروں گا، درست ہے اور اگر یوں کہے کہ اگر میرا کام ہوگیا، تو دس روپیہ فلاں بزرگ کے نام دوں گا، یہ نذر حرام اور غیر جائز ہے، کیوں کہ نذر عبادت ہوتی ہے اور عبادت بجز ذاتِ پاک حق تعالیٰ، کسی کی درست نہیں۔ ہاں اگر یہ کہے کہ اگر حق تعالیٰ میرا کام کردے، تو دس روپیہ خدا کے نام پر خیرات کروں گا اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچاؤں گا، تو یہ درست ہے، کچھ مضائقہ نہیں، کیوں کہ یہ نذر غیر اللہ نہیں۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۴۸)

(۷۸) میت کے ایصالِ ثواب کے لئے جمع ہوکر، قرآن شریف پڑھنا؟ مسئلہ: شیخ عبدالحق، درشرح سفر السعادۃ نوشتہ:

وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز (جنازہ) جمع شوند، وقرآن خوانند وختمات خوانند، نہ برسر گور نہ غیر آن۔ وایں مجموعہ بدعت است ومکروہ۔ (۲)

ترجمہ: پہلے لوگوں کی عادت نہیں تھی، کہ مردے کے لئے نماز جنازہ کے وقت کے علاوہ، جمع ہوں، قرآن مجید اور اوراد پڑھیں، نہ قبر پر نہ اس کے علاوہ، یہ سب بدعت ہے اور مکروہ ہے۔ [ت: نور]

(۱) زیارت قبور کا، خواہ وہ بزرگوں کی قبور ہوں یا عام مسلمانوں کی، مسنون طریقہ یہ ہے کہ قبر کے پاس کھڑے ہوکر ایصال ثواب کرے اور دعاء مغفرت کرے اور بس علامہ ابن الہمام، فتح القدیر (۱۰۲/۲) میں تحریر فرماتے ہیں: "والمعهود من السنة ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً، كما كان يفعل النبي صلى الله عليه وسلم في الخروج البقيع.. واختلف في اجلاس القارئين ليقرأ واعند القبر والمختار عدم الكراهة الخ. محقق ابن ہمام کی اس صراحت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے پاس تلاوت کے علاوہ کوئی اور عمل کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے (پالن پوری)

(۲) صراط مستقیم [شرح سفر السعادۃ] ص: ۲۷۳ (مطبع نول کشور لکھنؤ: ۱۲۹۲ھ)

نعم التعزیت اہل میت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت ومستحب است، اما ایں اجتماع مخصوص بروز سوم وارتکاب تکلفات دیگر، وصرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است وحرام۔ انتہیٰ۔ من تفہیم المسائل فقط (۱)

ترجمہ: ہاں امرنے والوں کے عزیزوں کی تعزیت، ان کوتسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا سنت ہے اور مستحب ہے مگر یہ خاص طور سے مرنے کے تیسرے دن جمع ہونا اور فضول تکلفات کا اہتمام کرنا، اور مردے کی وصیت کے بغیر، یتامیٰ کے مال میں سے کچھ خرچ کرنا بدعت ہے، اور حرام۔ تفہیم المسائل سے نقل مکمل ہوئی۔

شیخ کبیر علی متقی، استاذ الاستاذ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، در رسالہ رد بدعات تعزیہ نوشتہ:

ترجمہ: علامہ کبیر شیخ علی متقی استاذ الاساتذہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے [اپنے] رسالہ رد بدعات تعزیہ میں لکھا ہے:

الأول الاجتماع للقراء بالقرآن على الميت، بالتخصيص في المقبرة أو المسجد أو البيت، بدعة مذمومة. لأنه لم ينقل من الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم شيء، وفيه ترك الآداب بالأنواع، انتهىٰ. من تفهيم المسائل.

ترجمہ: سب سے پہلے کسی شخص مرحوم کے [ایصال ثواب] کے لئے خصوصاً قبرستان میں، مسجد میں یا گھر میں اکٹھا ہونا بری بدعت ہے، کیونکہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس سلسلہ میں کوئی بات [ثابت اور] نقل نہیں، اور اس کام میں ادب کا کئی طرح سے چھوڑنا ہے [اس لئے بھی منع ہے] (ت: نور)

در رسالہ تخصیص السنن مرقوم است:

إن هذا الاجتماع في اليوم الثالث، خصوصًا ليس فيه فرضية ولا فيه وجوب، ولا فيه سنة ولا فيه استحباب، ولا فيه منفعة، ولا فيه مصلحة في الدين، بل فيه لعن ومذمة وملامة على السلف، حيث لم يبينوا له، بل على النبي صلى الله عليه وسلم حيث ترك حقوق الميت، بل على الله سبحانه تعالىٰ حيث لم يكمل الشريعة.

وقد قال الله تعالىٰ في تكميل الشريعة: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾. (المائدة: ۳) الآية

(۱) شرح سفر السعادة ص ۲۷۳، باب احوال المیت۔ [منشی نول کشور ۱۲۹۳ھ]

تفہیم المسائل راقم سطور کو دستیاب نہیں ہوئی اس لئے حوالہ سے معذور ہوں۔ (نور)

وقد قال اللّٰہ تعالیٰ: وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَامُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِہٖ الآية (الانعام: ۱۱۵) فيكون حرامًا لتضمنه هذه القبائح وغيرها من تفهيم المسائل. فقط (مجموعہ کلاں ص ۴۱)

ترجمہ: رسالہ تخصیص السنن میں لکھا ہے:

بلاشبہ یہ اجتماع جو خصوصاً مرنے کے تیسرے دن کیا جاتا ہے، نہ اس میں فرضیت ہے، نہ وجوب ہے، نہ اس میں سنت ہے اور نہ ہی اس میں مستحب ہونا ہے، نہ اس میں فائدہ ہے اور نہ اس میں دین کا [نفع اور] مصلحت ہے، بلکہ اس میں لعنت اور برائی ہے اور ائمہ سلف پر اعتراض ہے کہ انہوں نے اس کا ذکر اور وضاحت نہیں کی، بلکہ توبہ! توبہ! اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے حقوق ترک کئے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ پر اعتراض ہے، کہ اس نے شریعت کو مکمل نہیں فرمایا۔

حالاں کہ حق تعالیٰ نے شریعت کی تکمیل کے لئے یہ فرمادیا ہے: آج میں پورا کر چکا ہوں تمہارے لئے دین تمہارا۔ [ترجمہ۔نور]

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: اور تیرے رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی، کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

(۷۹) موجودہ مروجہ عرسوں میں شریک ہونا، کیسا ہے؟

سوال: جس مجمع میں طوائف اور مزامیر اور فساق وفجار ہوتے ہیں اور قبروں پر چراغ جلاتے ہیں اور طواف قبور اولیاء اللہ اور قبروں کو سجدہ کرتے ہیں، ایسے مجمع اور عرس میں جانا کیسا ہے؟

جواب: یہ تو خود ظاہر ہے کہ ناچ کرنا اور دیکھنا حرام ہے اور مزامیر بھی، احادیث صحاح سے اس کی حرمت ثابت ہے اور قبر پر چراغ جلانے میں، احادیث صحیحہ میں لعنت ثابت ہے، اور طواف قبر اور سجدہ قبر کو شرک ہے، ایسے افعال کرنے والے فاسق اور کافر ہیں، اور یہ مجمع فساق وفجار کا ہے، جو شخص اس مجمع میں شریک ہوگا، وہ بھی کافر و فاسق ہوگا، اگرچہ وہ افعال مذکورہ کو نہ کرے۔ لقولہ علیہ السلام:

من كثّر سواد قوم فهو منهم. رواه ابو يعلى في مسنده و الديلمي في الفردوس (۲) وعبد الله بن المبارك في كتاب الزهد و الرقائق (۳) كذا في إمداد الاحتساب. فقط

الف: (مجموعہ کلاں ص ۵۷-۵۸)

ب: (چندیانوی ۲۰-۲۱)

(۸۰) کھانے پر فاتحہ دینا بدعت ہے:

سوال: طعام پر فاتحہ اور قل پڑھ کر، اللہ جل شانہ کی جناب پاک میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا [کہ] الٰہی اس کلام اور طعام کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا، یہ فعل کون سی حدیث اور آیت سے منع

(۱) یہ حدیث ہمیں مسند ابو یعلی میں نہیں ملی۔ نسخہ تحقیق خلیل بن مامون شیحا۔ [دار المعرفۃ، بیروت: ۱۴۲۶ھ]

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

ہے، اورمیت کے سوم یا چہلم میں کلمہ شریف نخود پر واسطے شمار کے، یا کلام اللہ شریف پڑھ کر، یا اللہ خیرات صدقہ دے کر، اس کا ثواب میت کو پہنچانا، کون سی آیت اور احادیث صحاح ستہ سے منع ہے، جواب عنایت ہو۔ فقط

جواب : طعام پر بطور معروف قرآن شریف پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعاء، ایصال ثواب کرنا، طریق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام اور قرونِ ثلاثہ وفقہائے امت رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نہیں ہے، ایک امر جدید اور محدَث ہے: الحدیث:

إياكم و محدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة. (۱)

ترجمہ: تم نئی باتوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (ت: نور)

و حديث: وشر الأمور محدثاتها. (۲) (رواه الترمذی و البخاری) (۳)

ترجمہ: [دین کی] باتوں میں سب سے بری وہ باتیں ہیں [جو نئی ایجاد ہیں] (ت: نور)

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا (۲) مسند الفردوس، دیکھئے: الفردوس بماثور الخطاب، ۵۱۹/۳، رقم الحدیث: ۵۲۲۱. ملاحظہ ہو: الف: نصب الرایة للزیلعی ص۳۴۶ ج۴۔ [باہتمام مجلس علمی ڈھابیل دار المامون: القاہرہ۔ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء] ب: من كثر سواد قوم فهو منهم، هكذا رواه ابن المبارك في الزهد عنه موقوفا، من غير التفسير السابق. وقد روى مرفوعا من حديث ابن مسعود، ان رجلا دعا ابن مسعود الى وليمة، فلما جاء ليدخل سمع لهوا، فلم يدخل، فقيل له، فقال: انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وذكره، وزاد: ومن رضى عمل قوم كان شريك من عمل به. اخرجه ابو يعلى وعلى بن معبد فى كتاب الطاعة والديلمى، وله شاهد من حديث ابن عمر عن احمد وابى داود، من تشبه بقوم فهو منهم۔ ملاحظہ ہو: اتحاف السادة المتقين، للزبیدی ص۱۲۸ ج۶۔ [دار احیاء التراث العربی، بیروت: بلا سنہ] [نور]

(۳) کتاب الزہد، ابن مبارک میں یہ روایت نعیم بن حماد کے نسخہ میں ہے، مروزی (ابوعبداللہ، حسین بن حسن وفات ۲۴۶ھ) کی روایت میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: "زيادات نعيم بن حماد، على مارواه المروزى عن ابن مبارك جو کتاب الزہد ابن مبارک، مرتبہ مولانا حبیب الرحمان اعظمی کے آخر میں (اصل کتاب کے بعد) شامل ہے۔ روایت ۴۲۔ صفحہ ۱۲۔ باب استماع اللهو (مجلس احیاء المعارف، مالیگاؤں. ۱۳۸۵ھ) [نور]

(۱) رواه احمد ۱۲۶/۴، المكتبة الاسلامى بيروت: بلاسنہ. نیز. مسند احمد. ت: حمزہ احمد الزین [مسند العرباض بن ساریہ من مسانید الشامین] ج: ۱۳ ص: ۲۷۹ رقم الحدیث: ۱۷۰۷۹ [دار الحديث القاهرة ۱۹۹۵ء] والترمذی فی کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع ج: ۵ ص: ۴۳ رقم الحدیث: ۲۶۷۶. ت: کمال یوسف الحوت، [دار الكتب العلمية بيروت، لبنان] سنن ترمذی ج: ۲/ ص: ۱۰۳ مطبع احمدی میرٹھ ۱۲۸۲ھ، وابو داؤد فی کتاب السنة، ج: ۵/ ص: ۱۹۳ رقم الحدیث: ۴۶۰۷ [دار القبلة للثقافة الاسلاميه. جده، بيروت. ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء] وابن ماجه فى كتاب السنة، حديث: ۴۳ و ۴۴. عن العرباض بن سارية [نیز دیکھئے مشکوۃ، باب الاعتصام بالكتاب و السنة الفصل الثانی ص ۳۰. [عکس اصح المطابع. رشیدیہ دہلی: ۱۹۵۵ء] ابوداؤد کتاب السنة، باب فی لزوم السنة ص: ۱۹۳ الجلد الخامس رقم الحدیث: ۴۶۰۷/۴۵۹۹. ت: الشیخ محمد عوامہ [مؤسسة الريان بيروت. لبنان ۲۰۰۴ء]

(۲) بخاری، کتاب الاعتصام باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم. ص: ۱۰۸۱ ج: ۲ (مراد آباد ۱۳۱۵ھ) نیز باب مذکور ج ۳/ ص: ۷۵ رقم الحدیث: ۷۲۷۷، مکتبة الرياض، مكة المكرمه طبعہ ثانیہ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔ [نیز دیکھئے مشکوۃ باب الاعتصام بالكتاب والسنة. الفصل الاول ص: ۲۷ مطبع مذکور جلد اول. نیز ص: ۱۰۰ جلد اول. رقم الحدیث: ۱۶۵ [مكتبة التوبة ۲۰۰۳ء نیز ص: ۹۰ جلد اول رقم الحدیث: ۱۴۱] (مكتبة التربة ۲۰۰۳ء

(۳) یعنی پہلی روایت امام ترمذی نے اور دوسری امام بخاری نے روایت فرمائی ہے۔ (نور)

اس کو رد کرتی ہے اور ثواب اہل طعام کی نیت سے پہنچتا ہے یا ہرزہ سرائی آکل سے، البتہ اگر کھانے والا اللہ قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچادے، تو نیت قاری کی معتبر ہے۔ سو بعد فراغ از طعام یا دو چار گھڑی قبل پڑھنے سے کون منع کرتا ہے اور ہیئت مخصوص کی کیا دلیل جواز ہے، لاریب! یہ طریقہ جدید خلاف طریق سنت ہے، اور لوگ اس کو سنت جان کر کرتے ہیں اور عوام جہال تو ضروری جانتے ہیں، بلکہ ایصال ثواب ایسی ہیئت خاص پر موقوف سمجھتے ہیں، یہ عین بدعت وضلالت ہے، اگر مباح امر کو بھی مؤکد سمجھا جائے، تو ناجائز وحرام ہو جاتا ہے، چنانچہ کتب فقہ میں جا بجا مذکور ہے، چہ جائیکہ امر محدث فی الدین، خلاف ادب طعام ہو، امام محمد غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: ادب طعام ہے کہ بعد آنے روٹی کے سالن کا انتظار نہ کرے کہ ترک ادب طعام ہے۔(۱) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاصلوٰۃ بحضرۃ الطعام (۲) کھانے کی موجودگی میں، نماز صحیح نہیں ہوتی۔ (ت: نور)

جب وقت حضور طعام نماز و قرآن کا محل نہ رہا، تو اس محل پر قرآن پڑھنا بدعت ہوگا، پھر جب سنت جان کر پڑھا تو گمراہی پر گمراہی ہوئی۔ اے کاش! یہ عوام کالانعام، اگر اس کو خلاف طرز سنت جان کر بھی کرتے، بھلا کچھ تو گمراہی کم ہو جاتی اور فی الجملہ قریب اباحت ہو جاتا، عمومات احادیث صحاح سے تو بدعت ہونا، اس فعل کا معلوم ہوتا ہے۔ اب بنظر دقیق یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل مُحدَث کفار ہنود سے ماخوذ ہے، لہٰذا فقہاء اس صورت خاص کا کچھ ذکر نہیں کرتے اور کسی ولایت میں یہ فعل مروج نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے مگر ہاں جہال کہیں ..... حضرات جہال ہند وارد ہوں۔ کفار ہنود طعام پر اشلوک کا شاستر پنڈت سے پڑھواتے ہیں، ان بدنام کنندہ مسلمانوں نے قرآن شریف پڑھوانا شروع کر دیا۔ الغرض اس فعل محدث میں تشبہ بالہنود ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم. (۳) جس قوم نے کسی اور قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ اسی قوم کے ساتھ شمار ہوگی۔ (ت: نور)

---

(۱) من كرامة الخبز ان لاينتظر به الإدام إحياء العلوم، الباب الاول، فيما لابد للاكل...... القسم الاول فى الآداب ص ۲ ج ۲. (مطبع مصريه، مصر، ۱۲۷۸ھ) (نور)

(۲) رواه مسلم عن عائشةؓ، ص: ۲۰۸ جلد اول كتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب كراهة الصلوة بحضرة الطعام [مطبع مجتبائی دهلی: ۱۳۱۹ھ] نیز باب مذكور ص: ۲۵۱ جلد اول رقم: ۵۶۰. ت: ابوقتيبه نظر محمد فاريابى [دار طيبه، رياض ۲۰۰۶ء] حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "لاصلوة بحضرة طعام ولاهو يدافع الاخبثان." [نیز دیکھئے مشكوة. كتاب الصلوة باب الجماعة و فضلها ص ۹۶ ج ۱ [نقل اصح المطابع رشيديه دهلى ۱۹۵۵ء] نیز باب مذكور ج: ۱/ص: ۳۳۹ رقم الحديث: ۱۰۵۷ [مكتبة التوبه، دار ابن حزم، بيروت: ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء] (نور)

(۳) رواه احمد ۲/ ۵۰، [دار الفكر بيروت: ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء] نیز ج: ۴/ص: ۵۱۶ رقم الحديث: ۵۱۱۵ [دار الحديث القاهره ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء] وابو داؤد، ج: ۲/ص: ۵۵۹ [نقل اصح المطابع، دار الاشاعت الاسلاميه كلكته ۱۴۰۰ھ] كتاب اللباس باب فى لبس الشهرة، نیز باب مذكور ج: ۴ ص: ۳۹۱ رقم الحديث: ۴۰۲۷. دار القبلة بيروت: ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء رقم الحديث: ۴۰۲۷ [نیز دیکھئے مشكوة، كتاب اللباس الفصل الثانى ج: ۲/ص ۳۷۵] نیز ج: ۴ ص: ۱۲۳۵ رقم الحديث: ۴۳۴۷ مكتبة التوبة بيروت لبنان. طبعه اولى ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء] (نور)

اس فعل کو رد کرتا ہے، اگر احادیث کو تلاش کیا جائے، تو معلوم ہو جائے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر تجبہ سے امت کو اجتناب فرمایا ہے، بہر حال یہ فعل خلاف تعامل صحابہ کرام ہے اور ایصال ثواب [اس پر] موقوف نہیں، پھر کیا ضرورت ہوئی کہ اس فعل محدَث کو اس قدر مؤکد کیا اور خلاف سنت نبوی اختیار کیا۔ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ نے چارپائی پر دوا نہ پی، کہ حدیث شریف سے کھانا کھانا پینا سریر پر، ثابت نہیں ہوا۔ افسوس صد افسوس کہ ان کے توابع ایک امر محدَث خلاف شریعت کو، دین وایمان قرار دیتے ہیں اور سنت اور واجب سے زیادہ مؤکد سمجھتے ہیں، پس یہ فعل محدَث حدیث شریف سے مردود ہے۔ وھو ھذا:

من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو ردٌّ. رواه البخارى (۱)

جو شخص پیدا کرے ہمارے اس دین میں، جو بات کہ دین کی نہیں ہے، پس وہ مردود ہے۔ روایت کیا اسکو بخاری نے۔ [ترجمہ حضرت]

باقی اس مقام پر جو اہل بدعت سنت اور بدعت میں تمیز اور فرق نہیں کر سکتے، کچھ ہذلیات بکا کرتے ہیں، مگر اہل فہم پر فرق پوشیدہ نہیں، اس کی تفصیل تطویل طلب ہے اور منصف کو اسی قدر کافی وبس ہے۔

اور ثواب صدقہ اور قرآن اور کلمہ کا میت کو بلا تعین پہنچانا جائز اور ثابت ہے، اور قیود اور تعین یوم وتاریخ وغیرہ مروجہ باطل وغیر ثابت ہے۔ مجد الدین [فیروز آبادی] سفر السعادۃ میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس کی شرح میں، در باب تعینات مروجہ جہال فرماتے ہیں۔ بعینہٖ عبارت نقل کرتا ہوں:

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن شریف خوانند وختمات خوانند، نہ بر سر گور، نہ بر غیر آں، وایں مجموعہ بدعت است ومکروہ۔ نعم تعزیت اہل میت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت ومستحب است۔ اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است وحرام۔ انتہی (۲)

(سلف) کی عادت نہیں تھی کہ مرنے والے (کے ایصال ثواب) کے لئے جمع ہوں، قرآن شریف پڑھیں اور اوراد ختم وغیرہ پڑھیں، نہ قبر پر، نہ اس کے علاوہ، یہ سب بدعت ہے اور مکروہ۔ ہاں! میت والوں کی تعزیت ان کو تسلی اور صبر دینا سنت اور مستحب ہے، مگر اس مقصد کے لئے دوسرے تکلفات (فضول کام) کرنا، اور مردے کی وصیت کے بغیر یتیموں کے مال میں سے کچھ خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔ (ت: نور)

---

(۱) رواہ البخاری عن عائشةؓ، کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا عن صلح. ص ۳۷۱ ج اول (مرادآباد ۱۴۱۵ھ)
متفق علیہ، نیز بخاری ج: ۱، ص: ۱۲۰ رقم الحدیث: ۲۶۹۷ [مکتبہ ریاض، مکة المکرمہ: ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء] (اس حدیث کی تخریج گذر چکی ہے)

(۲) شرح سفر السعادة ص ۲۷۳۔ باب احوال المیت (مطبع منشی نول کشور: ۱۲۹۲ھ) (نور)

شیخ الاسلام، کتاب کشف الغطاء میں فرماتے ہیں:

دآں چہ بعداز سالے یاشش ماہی یا چہل روز دریں دیار پزند، ودرمیان برادران بخش کنند، چیزے داخل اعتبار نیست وبہتر آں ست کہ نخورند۔ انتھیٰ (۱)

ترجمہ: اور جو کچھ کہ (کسی مرنے کے) ایک سال، یا چھ مہینے یا چالیس دن کے بعد، یہ ہمارے علاقوں میں پکاتے ہیں اور اپنی برادری میں تقسیم کرتے ہیں، ان میں کوئی بات بھی بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔ اچھا یہ ہے کہ ایسے کھانے کو نہ کھائیں۔

الحاصل میت کو ایصال ثواب طعام، بغیر قیودِ زائدہ اور بلا تکلف حقوق وریاء برادری جائز وسنت ہے، اور یہ قیود مروجہ مشہورہ بدعت ہیں، اور بدعت کا مردود ہونا، اوپر حدیث شریف سے ثابت ہو چکا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۵۱ تا ۵۴)

(۸۱) کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ طعام کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا مسنون ہے، یا بدعت؟

دوم: بعد دفن جنازہ قبر پر فاتحہ پڑھنا اور مردہ کے واسطے دعاء خیر کرنا جو بظاہر مسنون ہے، علاوہ اس کے پٹیالہ میں یہ طریقہ ہے کہ ستر قدم ورے قبر سے آ کر، دعا مردہ کے واسطے کرتے ہیں، یہ دعا کرنا مسنون ہے، یا بدعت؟ بینوا توجروا۔

جواب: اس طرح فاتحہ خوانی بدعت اور مکروہ ہے، نہ کرنا چاہئے، اور بعد دفن کے اگر کچھ ذکر کر کے مردہ کو ثواب پہنچا دیویں، تو درست ہے، سو اس طرح ستر قدم لوٹ کر بدعت اور ایجاد جہلاء ہے۔ ہرگز ہرگز نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۰۵)

(۸۲) چنے کے دانوں پر کلمہ طیبہ پڑھنے کا اہتمام کیسا ہے؟ **سوال:** نخود بریاں پڑھنے کیسے ہیں، کہ ان پر کلمہ طیب پڑھا جاتا ہے اور مقصود پڑھنے سے یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (۲) کہ جس شخص پر ستر ہزار (۷۰۰۰۰) مرتبہ کلمہ طیب پڑھا جاوے، تو وہ شخص بخشا جاتا ہے، تو وہ کلمہ ان پر پڑھا جاتا ہے، تو فرمائیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ہے؟

(۱) کشف الغطاء، تالیف: مولانا شیخ الاسلام دھلوی (از اخلاف شیخ عبدالحق محدثؒ) ص ۴۷، فصل در حکم ماتم (مطبع احمدی دہلی: غالباً ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ھ)

(۲) یہ روایت عوام میں مشہور ہے مگر اس کی اصل کتب حدیث شریف میں نہیں ملی۔ یہ روایت غالباً فقیہ ابوالليث سمرقندی کی تصانیف سے چلی ہے، وہیں سے کتب فقہ میں نقل ہوئی، بہر حال اس کو حدیث کہنا درست نہیں۔ (نور)

جواب: نخود کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ تخصیص دانہ نخود کی ایسی، کہ اس کا ترک گراں بار طبع ہو مکروہ ہے۔ پس یہ کلمہ خوانی بوجہ اس تخصیص کے اور تعیین یوم ثالث کے مکروہ ہے، نہ نفس کلمہ خواندنی۔ اگر کلمہ خوانی بغیر اس امر مذموم کے ہو، کیا اندیشہ ہے، درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۹۹، ۱۰۱)

(۸۳) رسوم سوم کی حقیقت اور اس کے ثبوت میں پیش کی گئی، ایک حدیث پر نظر:

سوال: بعض لوگ بنا بر جواز رسم سوم، یہ حدیث حجت لاتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الہ الا اللہ الف الف مرۃ وجعل ثوابھا للمیت غفر اللہ لہ و ان کان مستوجبًا للعقوبۃ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایک لاکھ مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا، اور اس کا ثواب کسی مردے کو بخش دیا، تو اللہ تعالیٰ اس مردہ کی مغفرت فرمادیں گے، چاہے وہ سزا کا مستحق ہو گیا ہو۔

آیا یہ حدیث صحیح ہے، یا غیر صحیح؟ اور در صورت صحت کتب صحاح ستہ کی [ہے] یا کسی دوسری کتاب کی؟ اور کلمہ شریف واسطے ثواب رسانی میت کے، کس طرح پڑھنا چاہئے؟ فقط

جواب: یہ حدیث کتب صحاح ستہ و مشکوۃ شریف و دارمی شریف و مؤطا امام مالک و مؤطا امام محمد میں کہ ہندوستان میں کتب مشہور ہیں، کہیں موجود نہیں، اور حال صحت وغیر صحت بدون سند کے معتبر نہیں۔ ہاں البتہ بعض روایات میں ایصال ثواب کلمہ شریفہ کا آیا ہے، مگر عجب ہے کہ جواز ایصال ثواب کلمہ سے سوم درست ہو جائے، کیوں کہ ایصال ثواب کلمہ کا سب حنفیہ اقرار کرتے ہیں، جب چاہے ثواب پہنچاوے کوئی وقت مقرر نہیں، اور سوم کی وجہ کراہت یہ ہے کہ در اصل سوم رسم ہنود ہے، کہ تیسرے روز قوم ہنود جمع ہو کر، پھول چنا کرتے ہیں اور مسلمانان ہند جو جہل میں مبتلا ہیں، تیسرے روز جمع ہو کر قرآن پڑھوانے کو بہتر سمجھے، اور یہ نہ سمجھے کہ اس میں مشابہت رسم کفار کی لازم آتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل مشابہت کفار سے منع فرمایا ہے۔

ایک درخت تھا کہ اس کو ''ذات انواط'' کہتے تھے، اس میں مشرکین عرب ہتھیار لٹکایا کرتے تھے، سوائے اس کے کچھ شرک و بت پرستی وہاں نہ تھی، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ ہمارے واسطے بھی کوئی ''ذات انواط'' مقرر کر دیجئے، آپ نہایت ناراض ہوئے، اور یہ فرمایا کہ سبحان اللہ! یہ تو تم نے ایسی بات کہی، کہ جیسی بات بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی، کہ ہمارے واسطے ایک معبود مقرر کر دو، جیسے مشرکین کے معبود ہیں۔ غرض آپ اس مشابہت سے نہایت ناراض

ہوئے (۱) حالانکہ کوئی شرک کی بات نہ تھی۔

اب یہ سمجھو کہ سوم رسم ہنود ہے، اس روز جمع ہونا اور ہنود سے مشابہت کرنا مسلمانوں کو کیونکر درست ہوگا؟ شیخ عبد الحق شرح سفر السعادۃ میں لکھتے ہیں:

تعزیت اہل میت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت ومستحب است، اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر، وصرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت ست وحرام۔ انتھی (۲)

میت والوں کی تعزیت، ان کو تسلی اور صبر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے، مگر اس مقصد کے لئے دوسرے تکلفات (فضول کام) کرنا، اور مردے کی وصیت کے بغیر، یتیموں کے مال میں سے کچھ خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔ (ت: نور)

اب انصاف شرط ہے کہ اگر حدیث سے اجتماع ثابت ہوتا، تو صاحب سفر السعادت کیونکر اس کو بدعت فرماتے؟ ہاں ایصال ثواب بلاتقرر یوم، ہر روز جب چاہو درست ہے، اور تعیین یوم اپنی رائے سے، کہ اس روز کو ضروری جانیں اور تقدیم وتاخیر ہرگز نہ کریں، یہ بھی بدعت (اور) مکروہ ہے۔ سو سوم کی کراہت، بسبب تعیین یوم بلاثبوت اور مشابہت کفار کی کہ دراصل رسم ہنود ہے، ثابت ہوئی۔ کلمہ شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا، اگر حدیث سے ثابت بھی ہوا، تو سوم کیونکر ثابت اور جائز ہوجائے گا۔ کلمہ [شریفہ] کا ثواب پہنچانا اور بات ہے اور اجتماع بروز سوم اور بات! یہ غلط فہمی مبتدعین کی ہے کہ ایصال ثواب کلمہ سے سوم کو جائز جانتے ہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الف: (مجموعہ کلاں ص: ۷۴ تا ۷۶) ب: (چندیانوی ص ۵۳ تا ۵۷)

(۸۴) سوم وچہلم وغیرہ مروجہ رسمیں، کافرانہ شعار اور حرام ہیں: مسئلہ: ایصال ثواب

مردہ کو بلاقید یوم وطعام کے درست ہے، مگر سوم دہم چہلم وغیرہ رسوم جملہ بدعت ومکروہ ہیں۔ کیوں کہ یہ جملہ رسوم لوگوں نے ہنود

(۱) ذات انواط کا واقعہ غزوۂ حنین کا ہے، سنن ترمذی میں ابو واقد اللیثی سے روایت ہے: ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خرج الی غزوۃ حنین مر بشجرۃ للمشرکین، کانوا یعلقون علیھا اسلحتھم یقال لھا ذات انواط، فقالوا یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللّٰہ، ھذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ، والذی نفسی لترکبن سنن من کان قبلکم. رواہ الترمذی. ت: کمال یوسف الحوت، کتاب الفتن، باب ماجاء لترکبن سنن من کان قبلکم رقم الحدیث: ۲۱۸۰ ص: ۴۱۲، ج: ۴ [دار الکتب العلمی، بیروت] [نیز دیکھئے] مشکوۃ المصابیح، باب الملاحم، الفصل الثالث ص ۴۶۵۔ [عکس اصح المطابع، رشیدیہ دھلی: ۱۹۵۵ء] نیز کتاب الفتن: الفصل الثالث رقم الحدیث: ۵۴۰۸ ت: رمضان بن احمدبن علی ص: ۲۰۱۹ ج: ۴. [مکتبۃ التوبۃ بیروت: ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء]

(۲) شرح سفر السعادۃ ص ۲۷۳ باب احوال میت (مطبع نامی منشی نول کشور: ۱۳۹۲ھ) [نور]

سے لی ہیں، چنانچہ یہ جملہ رسوم ہنود کفار ہنود میں رائج ہیں، ایسے ایصال ثواب میں تشبہ بالکفار لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم۔ (۱) اور تشبہ بالکفار حرام ہے اور جس قدر تشبہ اسی قدر گناہ، اور ایسے رسوم کو دین سمجھنا ایمان کی بربادی ہے، مع ہٰذا التقرر بالتاریخ، کہ کچھ بھی پس وپیش نہ ہو، چنانچہ فی زماننا مروج ہے، قطع نظر عن التشبہ فی حد ذاتہٖ بھی بدعت ہے کہ حکم مطلق کو اپنی رائے سے مقید کرنا ہے اور یہ ممنوع ہے، چنانچہ جواب بالا سے معلوم ہو چکا ہے۔ پس ایسے مجمع میں شریک ہونا ناجائز ہے، اور کھانا بھی مکروہ ہے، کہ اس طرح کا کھانا کھانا محض راہ ورسم وفخر سے ہوتا ہے اور حدیث شریف میں اہل فخر کے طعام سے ممانعت ہے اور اگر بالفرض نیت محض ایصال ثواب کی ہے، تاہم بوجہ شرکت ایسے مجمع کی مکروہ ہی ہوگا۔ چنانچہ شیخ الاسلام کشف الغطاء میں، شیخ عبدالحق سے نقل کرتے ہیں:

آنچہ بعداز سالے یا شش ماہے یا چہل روز دریں دیار پزند، ودرمیان برادران بخش کنند، چیزے داخل اعتبار نیست، وبہتر آنست کہ نہ خورند۔ انتھی (۲)

ترجمہ: اور جو کچھ کہ (کسی کے مرنے کے) ایک سال یا چھ مہینے یا چالیس دن کے بعد، ہمارے علاقوں میں پکاتے ہیں، اور اپنی برادری میں تقسیم کرتے ہیں، ان میں کوئی بات بھی بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔ اچھا یہ ہے کہ ایسے کھانے کو نہ کھائیں۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الف: (مجموعہ کلاں ص: ۴۰۔۴۱) ب: (چندیانوی ص: ۹) ج: (حسن پور ص: ۶)

(۸۵) رسوم سوم وچہلم وغیرہ کے متعلق ایک بدعتی عالم کے فتوے کا مفصل جواب:

سوال: بعدمیت رسوم سوم، دہم، چہلم وغیرہ کہاں سے ثابت ہیں؟ فقط

ایک بدعتی عالم کا جواب: رسوم سوم، دہم، چہلم وغیرہ بنیت ثواب مردہ کے لئے، شریعت محمدی میں جائز اور درست ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں لایا ہے:

إن المسلمين مازالوا فی كل عصر، يجتمعون ويقرأون القرآن لموتاهم من غير نكير، فكان ذلک اجماعاً (۳)

---

(۱) رواه ابوداؤد عن ابن عمر "من تشبه بقوم فهو منه" راجع المسند للإمام احمد مسندعبدالله بن عمرؓ. ت: احمدمحمدشاكر برقم الحديث: ۵۱۱۵ .(دارالحديث. القاهرة ۱۹۹۵ء) وص: ۵۰، ج: ۲ مسندعبدالله بن عمر) دارالفكربيروت ۱۹۷۸ء. [نیز دیکھئے] مشكوة كتاب اللباس الفصل الثانی ص ۳۷۵ [عكس اصح المطابع برشيديه دهلی: ۱۹۵۵ء] نیز ج: ۴ ص: ۱۶۳۵ رقم: ۴۳۴۷ [مكتبة التوبه، بيروت: ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء]

(۲) كشف الغطاء ص ۷۴. فصل درماتم (مطبع احمدی دہلی۔ تقریباً ۱۲۷۰ھ) (نور)

(۳) باب فی قراءة القرآن للميت او علی القبر ص ۱۳۰ [دار الكتب العربية الكبری مصر: ۱۳۲۹ھ] (نور)

بلاشبہ مسلمانوں کی [اکثریت] کا ہر دور میں یہ طریقہ اور معمول رہا، کہ وہ اکٹھے ہوتے تھے اور اپنے مردوں کے لئے بلاکسی ممانعت اور روک ٹوک کے، قرآن مجید پڑھتے تھے، تو گویا اس پر اجماع ہوگیا۔ (ت: نور)

پس سوم پر اجماع ہے علمائے دیندار کا، اور اجماع ہونا علمائے دیندار کا، دلیل قوی ہے شریعت احمد میں۔ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے: کہ، قوم انصار مرنے کے بعد مردے کی قبر پر آکر قرآن پڑھا کرتے تھے اور ایسا ہی عینی اور تاتارخانی میں مذکور ہے اور ایسا ہی فتاویٰ اوزجندی قاری میں سوم کا مذکور ہے، اور اسی طرح مرفوع روایات اور سراج الہدایہ سید جلال الدین بخاری (۱) اور تفسیر مظہری ثناء اللہ پانی پتی میں، عرس کو جائز لکھا ہے اور اسی طرح خزانہ جلالی اور جامع الجوامع (۲) میں اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر عزیزیہ (۳) میں: واقع سورۃ اذا السماء انشقت. ما تحت آیت:

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ. انشقاق-۱۸)

ترجمہ: اور چاند کی جب جب بھر جائے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

کی جگہ تک صدقہ اور دعا اور فاتحہ سے مردوں کو یاد رکھنا مذکور (ہے) کیا ہے۔ مولوی محمد اسماعیل موحد دہلوی، اپنی کتاب صراط مستقیم ص ۱۶۰ یک صد وشصت چھاپہ میرٹھ میں لکھتے ہیں:

نہ پنداری کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی [خوب] ہست چہ ایں معنی بہتر وافضل است۔ (۴)

کیا تم نہیں جانتے کہ مردوں کو کھانے اور فاتحہ پڑھنے کے ذریعہ سے فائدہ پہنچانا اچھا ہے، کیا معنی بہتر اور افضل ہے۔

---

(۱) سراج الہدایہ، برصغیر ہند کے نامور بزرگ اور شیخ طریقت، سید جلال الدین، حسین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، (وفات ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ، فروری ۱۳۸۳ء) سے منسوب، اور مخدوم جہانیاں کے مجموعہ ملفوظات کے طور پر متعارف ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ کتاب غالباً کسی شیعہ کی تالیف ہے، مخدوم جہانیاں سے اس کا انتساب درست نہیں۔ اس کتاب کے مرتب مولانا قاضی سجاد حسین بھی، مخدوم جہانیاں سے اسکے انتساب کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''نسبت سراج الہدایہ بحضرت مخدوم صحیح و درست نیست'' مقدمہ سراج الہدایہ ص ۱۴ (طبع اول دہلی: ۱۹۸۳ء)

اس مجموعہ میں صحیح وغلط مسائل اور بے اصل بلکہ موضوع روایات بھی نقل کی گئی ہیں، اس لئے کسی دینی فقہی مسئلہ میں اس سے استدلال صحیح نہیں۔ (نور)

(۲) اصل میں اسی طرح لکھا ہے، یہ کیا کتاب ہے، اس کے مؤلف ومرتب کون تھے، معلوم نہیں، اس لئے اس حوالہ کی اصلیت وحیثیت کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت گنگوہی کے جواب سے لگتا ہے کہ اس سے ''جمع الجوامع'' سیوطی کی طرف اشارہ ہے، مگر راقم کو اس میں تامل ہے کہ اس کا اشارہ امام سیوطی کی جمع الجوامع کی طرف ہو، تاہم ممکن ہے کہ اس سے وہ جمع الجوامع مراد ہو جو فقہ شافعی کا مشہور متن ہے، اور تفسیر جلالین کے ایک مصنف، علامہ جلال الدین محلی کی اس کی شرح معروف ہے۔ کچھ اور تعارف ص: ۱۰۲ پر ملاحظہ ہو۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مخدوم جہانیاں کا ایک اور مجموعہ ملفوظات جامع العلوم مراد ہو۔ جس کا اردو ترجمہ، الدر المنظوم فی ترجمة جامع العلوم ملفوظ المخدوم کے نام سے، مولانا ذوالفقار علی سارنگ پوری نے کیا تھا، جو دو جلدوں میں مطبع انصاری دہلی سے سنہ ۱۳۰۹ھ میں چھپا تھا۔ (نور)

(۳) تفسیر عزیزی ص ۱۶۸ ''والقمر إذا اتسق'' سورۃ انشقاق پارہ عم (مطبع محمدی دہلی: بلاسنہ)

(۴) مجیب صاحب نے یہی لکھا ہے، جیسا کہ پیش نظر ماخذ سے معلوم ہو رہا ہے، مگر اس اقتباس اور اس کے حوالہ میں دو بڑی غلطیاں ہیں:

الف: صفحہ درست نہیں، یہ عبارت اور اس موضوع کی بحث صراط مستقیم (مطبوعہ مطبع ضیائی، میرٹھ: ۱۲۸۵ھ) میں صفحہ ۱۶۰ پر نہیں ہے بلکہ صفحہ ۷۳ پر ہے۔

ب: صراط مستقیم کے اس صفحہ پر جو عبارت ہے، وہ اس سے مختلف ہے، جو یہاں نقل کی گئی۔ اصل عبارت یہ ہے:

''و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست، چہ ایں معنی بہتر وافضل، غرض آنست کہ مقید برسم نہ باید شد۔ بے تعیین تاریخ وروز وجنس وقسم طعام ہر وقت وہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود، بعمل آرد۔'' ص ۷۳

یہی الفاظ صراط مستقیم کی ایک اور طباعت (مجتبائی، دہلی: ۱۳۲۲ھ) کے صفحہ ۶۴ پر بھی درج ہیں۔ (نور)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

حفظ اعراس مشائخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں و انتظام فاتحہ وصدقات دادن خوب است ۔(۱)	مشائخ کے عرس کی پابندی، ان کے قبروں کی زیارت اور فاتحہ کا انتظام اور صدقہ دینا بہت اچھا ہے۔

اور خلاصۃ الفقہ میں مسطور ہے:

روز اعراس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ صد شتر بروح حضرت ہدیہ دادہ۔ (۲)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرس کے دن حضرت ابوبکرؓ سو اونٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو ہدیہ پیش فرماتے تھے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مردہ کے ساتھ سلوک کرنا صدقہ ودعاوفاتحہ سے بہت افضل ہے۔ خاص کر ابتداء ایام میں تو ضرور ہی چاہئے، اور نہیں (کذا) جس وقت کوئی مردہ کو دعاء اور فاتحہ سے یاد کرتا ہے، روح مردہ کی خوش ہوتی ہے۔ فقط

تمام شد جواب انبالوی۔

تحقیق جواب بالا، از حضرت گنگوہیؒ: ایصال ثواب صدقہ کا بہ اتفاق امت ثابت ودرست ہے، اور ایصال ثواب قرآن شریف اور ذکر وغیرہ عبادت بدنی میں، امام شافعی اور امام مالک نے انکار کیا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بدنی کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

جلال الدین سیوطی شافعی المذہب ہیں، انھوں نے شرح الصدور میں یہ بات ثابت کی ہے کہ ثواب بدنی عبادت کا بھی پہنچتا ہے اور اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا قول نہیں مانا، امام ابوحنیفہؒ کے قول کو راجح کیا ہے۔ یہی معنی ہیں اس عبارت شرح الصدور کے، جو مجیب نے نقل کی ہے۔ (۳)

بہر حال حسب تحقیق جلال الدین [سیوطی] مرحوم اجماع وصول ثواب عبادت بدنی پر ثابت ہوا اور یہی مطلب ملا علی قاری کی عبارت کا ہے، کہ انصار مردہ کی قبر پر قرآن شریف پڑھتے تھے اور یہی مدعا عینی اور تاتارخانی بلکہ تمام کتب فقہ حنفیہ کا ہے، اگر مجیب میرے پاس ہوں تو بہت سی کتب مطالعہ کرادوں، مگر سبحان اللہ! جواز وصول ثواب کے اجماع سے جواز رسوم وغیرہ کو سمجھ لینا، استدلال عجیب وغریب ہے، کہ یہ کام جناب مجیب کا ہی ہے۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ کا کوئی مجموعہ فتاویٰ نہ مرتب ہوا اور نہ اب تک اس کا کسی نے ذکر کیا، اس لئے یہ حوالہ جعلی اور فرضی ہے۔ حضرت نے اپنی تحریروں اور تصانیف میں عرس اور بدعات ورسومات کی صاف صاف تردید کی ہے، خصوصاً وصیت نامہ میں، لہٰذا اس عبارت کا شاہ صاحب سے انتساب صحیح نہیں۔ (نور)

(۲) خلاصۃ الفقہ، فارسی میں مسائل فقہ پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جو ملا عبداللطیف لاہوری [گیارہویں صدی ہجری] سے منسوب کیا جاتا ہے، اس کا فارسی بھی چھپا ہے اور اردو نظم ونثر میں اس کے کئی ترجمے بھی ہوئے ہیں، تاہم معتبر نہیں ہے۔ (نور)

(۳) شرح الصدور باب فی قراءة القرآن للمیت او علی القبر ص: ۱۲۹، (دار الکتب الکبریٰ مصر: ۱۳۲۹ھ) وکذا فی المغنی لابن قدامہ. کتاب الجنائز ص: ۵۶۸ ج ۲ (دار الکتب العلمیۃ بیروت: ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) (نور)

اے مردِ عجیب! ایصالِ ثواب میں کون انکار کرتا ہے اور کس نے منع کیا ہے اور سائل کب اس بات کو پوچھتا ہے، وہ تو یہ غرض رکھتا ہے، کہ خصوصیت رسم سوم کی کہاں سے نکلی؟

اصل اس رسم سوم کی عرب میں از زمان خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم، آج تک نہیں پائی گئی۔ صراط مستقیم میں مجد الدین [فیروز آبادی] لکھتے ہیں:

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند، نہ برسر گور ونہ غیر آں، وایں مجموعہ بدعت ست ومکروہ۔	پہلے لوگوں کی عادت نہیں تھی کہ مردے کیلئے (نماز جنازہ کے وقت علاوہ) جمع ہوں، قرآن مجید اور اوراد پڑھیں، نہ قبر پر نہ اس کے علاوہ۔ یہ سب بدعت ہے اور مکروہ!

اور شیخ عبد الحق دہلوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

نعم، تعزیت اہل میت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت ومستحب ست، اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر، وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ، بدعت ست وحرام، انتہیٰ (۱)	ہاں! اہل میت کی تعزیت ان کو تسلی اور صبر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے، مگر یہ تیسرے دن اکٹھا ہونا اور دوسرے تکلفات کا ارتکاب کرنا اور یتیموں کے حق میں سے، بلا وصیت خرچ کرنا، بدعت اور حرام ہے۔

ایسا ہی کشف الغطا میں شیخ الاسلام (۲) تحریر فرماتے ہیں۔ سو آنکھ کھولو اور سمجھ کر جواب دو، اور یاد رہے کہ **نعم** کا لفظ جو کلام شیخ کے شروع پر ہے، حرف ایجاب ہے، اس کے معنیٰ "ہاں" ہیں: بفتح نون وعین وسکون میم۔

اور اس کو **نِعْمَ** فعل مدح پڑھنا بالکل بے معنی ہے اور پڑھنے والا جاہل اور ناواقف فارسی اور عربی اور سلیقۂ کلام سے ہوگا۔ اس واسطے ایک کلام لغو بیچ میں لکھتا ہوں: کہ مولوی عبد الغنی بھی اس کو نعم فعل مدح فرما کر، اپنے حوصلۂ علمی کو ظاہر کر کے، لڑکوں سے گنگوہ میں اپنے آپ کو ہنسوا چکے ہیں۔ شاید یہ مجیب صاحب بھی ان کا اقتداء کریں، الغرض مطلق ایصال ثواب میں تکرار نہیں، کلام اس میں ہے کہ سوم، چہلم وغیرہ رسم ہنود ہند کی ہے، اس کو اپنے معاملات میں اہل اسلام کو لینا، کیوں کر درست ہوا؟ شرع سے ان کی مخالفت کا حکم ہے، تم ان کی رسم کیوں لیتے ہو، اور عوام کے نزدیک خصوصیت سوم وغیرہ کا اس قدر اہتمام ہے، کہ ہرگز پہلے دن اور دوسرے دن اور چوتھے دن قرآن نہیں پڑھتے، اور (سوم) دہم وغیرہ میں ایک دن بھی پس وپیش نہیں کرتے اور محض تکلفات دنیاوی بجالاتے ہیں۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا؟ چاہئے کہ مشابہت ہنود سے مکروہ ہو، اور اس اہتمام

(۱) شرح سفر السعادۃ مجد الدین فیروز آبادی ص ۳-۱۲۷ احوال میت (مطبع نول کشور: ۱۲۹۲ھ)

(۲) کشف الغطا شیخ الاسلام دہلوی ص ۷۰ (بحکم ماتم) (مطبع احمدی، دہلی: بلا سنہ)

کے سبب اور خصوصیت کے سبب بدعت ہو، مجیب (کو) اس امر کا حوالہ دینا تھا، باقی مطلق ثواب رسانی بلا قید و خصوصیت، جب کبھی ہو سکے کون منع کرتا ہے۔

مطلق شئے کے جائز ہونے سے، اس مقید شئے کا جواز، کہ بمنزلہ وجوب پہنچا اور باقی الفاظ مطلق متروک محض ہو گئے ہوں، کیوں کر ثابت ہوگا۔

دیکھو! نماز نفل ہر روز مستحسن ہے، رجب کے ماہ میں (بھی) بہتر ہے، مگر صلوٰۃ رغائب [کا] رجب کی تاریخ معین پر، جو اہتمام کرتے ہیں، تمام فقہاء نے منع اور بدعت لکھی ہے۔ سجدہ ہر دم مستحسن ہے، مگر عالمگیریہ میں لکھا ہے (۱) کہ بعد نماز کے سجدہ نفل نہ کرے، کہ عوام اس کو سنت اور مستحب جان کر کرنے لگیں گے، اور قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ جو فعل مباح سنت اور وجوب کے درجہ کو پہنچے، مکروہ ہو جاتا ہے، بلکہ مستحب بھی اگر درجۂ وجوب کو پہنچے مکروہ ہے۔ دیکھو! نماز میں جو سورت چاہے پڑھے اور بعض سورتیں بعض نماز [وں] میں مستحب ہیں جیسے سبح اسم و هل اتٰـک نماز جمعہ میں، مگر دوام کرنا ان سورتوں پر فقہاء منع کرتے ہیں، کہ عوام کبھی سنت اور واجب نہ سمجھ لیں۔ ذرا کتب فقہ و حدیث کو غور کرو، صدہا نظیر موجود ہیں۔ سمجھ کر بات کہو عوام کو دھوکہ دینا، دینداروں کو زیبا نہیں۔

شیخ عبدالحق ماثبت بالسنہ میں لکھتے ہیں کہ، تعیین روز ایصال ثواب (میں) من حیث الاطلاق سنت ہے و من حیث التخصیص بدعت ہے، عبارت نقل آگے ہوگی۔ رسم باپ دادا کی پابندی میں اپنی عاقبت خراب کرنی، عقل کی بات نہیں۔ شیخ الاسلام کشف الغطاء میں لکھتے ہیں:

وآنچہ بعد از سالے یا شش ماہے یا چہل روز، دریں دیار پزند، و درمیان برادران بخشش کنند، چیزے داخل اعتبار نیست (۲)	اور جو کچھ کہ (کسی کے مرنے کے) ایک سال، یا چھ مہینے یا چالیس روز کے بعد ہمارے علاقوں میں پکاتے ہیں اور اپنی برادری میں تقسیم کرتے ہیں، ان میں کوئی بات بھی بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔ (ت۔نور)

تمہارے ملک میں سب صدقۂ خیرات نام کا ہے، سوم سے لے کر برسی تک سب رسم ہے اور قید رسم آبائی ہے، ورنہ ثواب رسانی میں کیا خصوصیت کسی وقت اور قید کی ہے، اور فتاویٰ اوزجندی کو ملا علی قاری کی طرف نسبت کرنا ایسا ہی ہے، کہ جیسا مشہور ہے "چہ خوش گفتہ است سعدی در زلیخا" سبحان اللہ! اوزجندی (۳) کجا اور علی قاری کجا!

---

(۱) الف: عالمگیری ص۱۹۰ جلد اول (مسائل سجدة الشکر) (مطبوعہ بندر ہوگلی کلکتہ: ۱۲۵۸ھ) ب: عالمگیری ص:۱۳۶، ج:۱، الباب الثالث عشر مما یتصل بذلک مسائل سجدة الشکر (مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ) (نور)

(۲) کشف الغطاء ص ۷۴، فصل ماتم (مطبع احمدی دہلی: بلاسنہ) (نور)

(۳) فتاویٰ اوزجندی، فتاویٰ قاضی خاں کو کہتے ہیں، قاضی صاحب کا وطن اوزجند اصفہان کے قریب تھا۔ (نور)

اور وہ روایت ابوذر کی، سوم کے باب میں جہلاءِ زمانہ در پیرایہ علماء، نے نقل کی ہیں، سراسر بہتان اور وضع حدیث ہے، کسی بددین بے سلیقہ نے بنائی ہے، کہ ہنوز حسب قاعدہ عربی اس کے الفاظ بھی صحیح و درست نہیں، عیب کرنے کو ہنر چاہئے۔ جناب افصح البلغاء کی طرف ایسے چر بوز(۱) الفاظ کی نسبت کرنی کمالِ بلادت اور حماقت ہے۔

اوپر لکھ چکا ہوں کہ ہزار ہا حدیث بددینوں نے، اپنے فسق کے رواج دینے کو بنائی ہیں۔ سو اگر مجیب صاحب یا کوئی اور طرف دارِ مجیب، اس حدیث کو جو اوزجندی سے نسبت کرتے ہیں، ثابت کریں، تو حسب قاعدہ اصول حدیث ثابت کریں، ورنہ خاکِ مذلت اپنے سر پر ڈال کر، مصداق اس حدیث صحیح کے ہوں:

من كذب عليَّ متعمّدًا فليتبوّأ مقعدهٗ من النار(۲)

جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کر لے۔ (ت۔نور)

اور مجموع الروایات اور سراج الہدایہ کو فقیر نے دیکھا نہیں، اس میں کیا مذکور ہے، اگر موافق کتب صحاح کے ہے، تو صحیح ہے۔ ورنہ کب حلال ہے کہ کسی شخص غیر معتبر کی روایت کو آدمی تمسک کرے اور عمدہ صحیح روایت کو ترک کرے، یہ عین خیانت ہے۔ آیا! دین داری اسی کا نام ہے کہ جہاں کہیں سے کوئی بات اپنے نفس کے موافق مل جائے، اس پر عمل کرے، نہیں! بلکہ دین کی بہت تحقیق کر کے، صحیح مذہب اور قوی روایت کو لیوے، غیر صحیح کو رد کرے۔ درمختار (۳) میں ہے کہ "عمل روایت مرجوح پر باطل ہے"۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب نے عرس کو منع لکھا ہے، یہ اس کی عبارت ہے:

"لايجوز مايفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السرج والمساجد عليها، ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسا"(۴)

ترجمہ: یہ جائز نہیں ہے جو جاہل، اولیاء اور شہدا کی قبروں پر سجدے اور طواف کرتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے

(۱) چربوز(ف) صفت، لغو، بیہودہ، لچر۔ فرہنگ آصفیہ ص ۱۰۷ ج ۲ (دہلی: ۱۹۷۴ء) (نور)

(۲) بخاری شریف ص ۲۱ ج ۱ کتاب الایمان باب اثم من کذب علی، (مراد آباد ۱۳۱۵ھ) نیز بخاری شریف باب مذکور ج: ۱ ص: ۲۸ رقم الحدیث: ۱۱۰ [مکتبہ ریاض، مکۃ المکرمہ] ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء [نیز دیکھئے مشکوۃ] کتاب العلم، الفصل الاول، ص: ۳۲ [اصح المطابع رشیدیہ دہلی: ۱۹۵۵ء] نیز مشکوۃ [مکتبۃ الوبہ، ریاض ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء] حدیث ۲۳۳ ص: ۱۴۸ ج: ۱ مقدمہ صحیح مسلم ص: ۱ ص: ۷ [مطبع مجتبائی ۱۳۴۹ھ] نیز دیکھئے مقدمہ مسلم شریف ج: ۱ ص: ۵ رقم ۳ نظر محمد الفاریابی۔ [دار طیبہ بیروت۔ طبعہ اولی ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء۔ حدیث: ۵] (نور)

(۳) مقدمہ الدر المختار ج: ۱ ص: ۱۵ [عکس مجتبائی دہلی: ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء] نیز مقدمہ الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۷۵۔ [دار الفکر بیروت: طبعہ ثانیہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء]

(۴) تفسیر مظہری ص ۲۵ جلد ۲ ثانی سورہ آل عمران تحت آیت ...... (ولا یتخذ بعضنا بعضاً من دون الله) [مجلس اشاعت العلوم، حیدرآباد] (بلا سنہ)

ہیں، مسجدیں [اور چلہ گاہیں] بناتے ہیں اور ایک سال بعد عید [کے معمول] کی طرح وہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کو عرس کہتے ہیں۔ (ت:نور)

سبحان اللہ! حضرت قاضی صاحب مرحوم! تو عرس کو منع اور حرام مثل سجدہ اور طواف کے لکھیں اور حضرت مجیب بے دیکھے بھالے قاضی صاحب کی طرف جوازِ عرس کی نسبت کریں۔ جانتے ہیں کہ یہ کتاب [کسی] کسی کو ملتی ہے، بہت کم یاب ہے، کون دیکھے گا اور کون ہمارے جھوٹ سے مطلع ہوگا۔ سبحانک هٰذا بهتان عظيم(۱) اور جمع الجوامع کا وجود تو تمام ہندوستان میں نہیں، مجیب نے اس کو کہاں سے دیکھا کہ اس کی نقل کر کے لکھی، اہل علم کے سامنے ایسی بات لکھنے سے شرم چاہئے اور سیوطی نے اگر جمع الجوامع (۲) میں بھی اثبات وصول ثواب عبادت بدنی کا کیا ہو، تو مطلب مجیب کا جواز سوم وغیرہ ہے، نہیں معلوم کیوں کر برآمد ہوگا کہ یہاں سوال تعیین ایام کا ہے، نہ مطلق ایصال ثواب ہے۔ بہر حال حرمت عرس مروجہ حال قاضی صاحب کی تفسیر سے تو معلوم ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایصال ثواب، بتعیین یوم کے باب میں، اپنی کتاب ماثبت بالسنہ میں لکھا ہے:

"فإن قلت: هل لهٰذا العرف الذی شاع فی دیارنا، فی حفظ أعراس المشائخ فی أیام وفاتهم أصل، فإن کان عندک علم بذالک فاذکره؟

قلتُ: قد سألت عن ذالک شیخنا الإمام عبد الوهاب المتقی المکی، فأجاب بأن ذالک من طرق المشائخ وعاداتهم ولهم فی ذالک نیّات؛ قلت: کیف تعیین ذالک الیوم، دون سائر الأیام؟ فقال الضیافة مسنونة علی الإطلاق، فاقطعوا النظر عن تعیین الیوم، وله نظائر کمصافحة بعض المشائخ بعد الصلوٰة وکالاکتحال یوم عاشوراء، فإنه سنة علی الإطلاق وبدعة من جهة الخصوصیة .... ثم أطرق ملیا، ثم رفع رأسه فقال: لم یکن فی زمن السلف شیء من ذالک، و إنما هو من مستحسنات المتأخرین، انتهی"(۳)

پس اگر تم کہو کہ اس رواج کی جو ہمارے علاقوں میں، بزرگوں کی تاریخ وفات کے عرس کے سلسلے میں چل پڑا ہے، کچھ اصل ہے؟ اگر آپ کے پاس اس سلسلہ میں کچھ معلومات ہیں، تو بیان کیجئے:

(۱) سورہ نور کی آیت نمبر ۱۶ کا ایک حصہ ہے۔ (نور)

(۲) یہاں جمع الجوامع سے علامہ سیوطی کی جمع الجوامع مراد نہیں، علامہ سیوطی کی جمع الجوامع میں صرف احادیث جمع کی گئی ہیں، ائمہ فقہ کے مسالک اور ان کے دلائل کا اس میں مطلق ذکر نہیں ہے۔ یہاں جمع الجوامع سے اصول فقہ شافعی کا تذکرہ ہے، جو کہ مشہور کتاب علامہ جلال الدین محلی [صاحب تفسیر جلالین] کی شرح کے ساتھ، سب سے پہلے ۱۳۰۴ھ/۱۳۰۶ھ میں مصر سے چھپی تھی، ملاحظہ ہو: معجم المطبوعات العربیه والمعربه یوسف سرکیس، کالم: ۱۰۰۳، جلد اول [عکس طبع اول: ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء۔ دار صادر بیروت۔ بلاسنہ] (نور)

(۳) ماثبت بالسنة فی ایام السنه مع اردو ترجمہ از مولانا سبحان بخش شکارپوری۔ ص: ۱۶۹ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء) (نور)

تو میں کہوں گا، میں نے اس کے متعلق اپنے شیخ امام عبدالوہاب متقی مکی سے سوال کیا تھا، انہوں نے جواب میں فرمایا، یہ مشائخ کا ایک معمول اوران کی عادات میں سے ہے، اوران کی اس میں مختلف نیتیں ہوتی ہیں۔ میں نے کہا تمام دنوں کو چھوڑ کر، اس خاص دن کی تعیین کیسی ہے؟ تو فرمایا، مطلق دعوت مسنون ہے، اس لئے دن کی تعیین کی بات پر توجہ نہ کرنی چاہئے، اس کی مثالیں بھی موجود ہیں، جیسے بعض مشائخ کا نماز کے بعد مصافحہ اوردس محرم کوسرمہ لگانا، کیوں کہ یہ چیزیں علی الاطلاق، بلاکسی تعیین کے سنت ہیں، مگرکسی خصوصیت کے التزام کی وجہ سے بدعت ہوجاتی ہیں۔ اس کے بعد (شیخ عبدالواب نے) کچھ دیر کے لئے سر جھکالیا، پھر سراٹھایا اور کہا! ان میں سے کوئی بات بھی سلف کے زمانے میں نہیں تھی، یہ سب متاخرین کی پسندیدہ ہیں۔ (ت:نور)

ترجمہ اس کا لکھنا ضرور[ی] نہیں، مجیب خود مدعی علم ہیں، سمجھ لیں گے، مگر اتنا جان لو کہ مطلق ایصال ثواب وضیافت مسنون ہوئی اور خصوصیت کسی دن کی بدعت ہوئی۔ باقی مشائخ نے کوئی نیت صالحہ اس میں اگر ٹھہرائی (ہو) تو وہ دوسری بات ہے، مگر باوصف نیت صالحہ شیخ عبدالحق نے اوران کے پیر نے اس کو بوجہ خصوصیت بدعت کہا، مگرمشائخ کو ہرگز تاکید تعیین یوم کی مثل اس زمانہ کے جہلاء کے نہ تھی، پھر بھی بدعت کہا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سلف میں ہرگز یہ رسم نہ تھی۔ اب ناواقف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے عرسوں کو، اپنی ہفوات میں لکھتے ہیں، دیکھو کہ کس قدر مبتلائے کذب و بہتان و مالیخولیا ہیں۔ معاذ اللہ!

باقی عرس کا مستحسن متاخرین کے نزدیک ہونا، سو وہ وہی عرس تھا کہ جس میں ان کو تاکید تعیین روز کی، اب کے جہال جیسی نہ تھی اوراس تعیین کو سنت یا مثل سنت نہیں جانتے تھے، اگر ضروری جانتے لاریب! بدعت سیئہ ہوجاتی۔ مع ہذا! کہ وہ ضروری نہیں جانتے تھے، پھر بھی شیخ نے اس کو بدعت ہی کہا، اب فہم والے کو تأمل درکار ہے اوراپنے اصرار بیجا سے توبہ واجب ہے، کہ شیخ، خود مجیب اوراتباع مجیب کے مسلم الثبوت مقتدا ہیں، وہ کیا فرماتے ہیں اور حضرت مولانا عبدالعزیز نے یہ لکھا ہے کہ ہفتہ اور چہل روز تک مردہ کو زیادہ احتیاج ثواب ہے(۱) ان دنوں میں زیادہ ایصال ثواب کرتے رہیں، بایں معنی کہ وہ ہنوز نوگرفتار ہے، مفارقت دنیا اور قرار قبر[سے] اس کو اگر اس عرصہ میں ثواب سے یاد رکھیں گے، تو موجب انس وحشت [سے] ہوگا، کہ ہر روز اس عرصہ میں ان کے خبرگیر رہیں۔ نہ یہ بات کہ خاص کر صرف چالیسویں اور دسویں اور بیسویں دن اور سوم کو معین کرکے، اس کا اُلاہنا سا اتار دیا کریں (۲) چالیس روز تک ثواب پہنچانا اور چالیسویں روز ثواب پہنچادینے میں، زمین وآسمان کا فرق ہے۔ آیا اس وقت کے عالم، اپنی زبان ہندی کے معنی بھی نہیں سمجھتے [تھے]۔ سبحان اللہ! اگر یہی استدلالات ہیں تو علم وفہم کا خاتمہ ہوچکا۔

(۱) تفسیر عزیزی، شاہ عبدالعزیز۔ ص ۱۶۸ سورہ انشقاق پارہ عم۔ (مطبع محمدی دہلی: بلاسنہ) [نور]

(۲) اُلاہنا اتارنا، ظاہر میں نام کردینا تاکہ پھر کوئی کچھ نہ کہے، اصل کار نہیں کیا۔ محاورات ہند، مولانا سبحان بخش شکارپوری ص ۱۶،۱۵۔ (دہلی: ۱۹۹۴ء) [نور]

مولوی محمد اسماعیل صاحب بھی بعد رد کرنے رسوم چہلم وغیرہ کے، یہ استدراک کرتے ہیں کہ ثواب رسانی خوب شئے ہے، ہمارے چہلم وغیرہ کے منع کرنے سے رسوم کا منع کرنا مراد ہے، نہ ایصال ثواب کا منع کرنا کہ وہ خوب چیز ہے۔(۱) مجیب نے اول عبارت کو حذف کر کے کیا[ہی] عمدہ مطلب اپنا ثابت کیا ہے، کہ ہر ایک کو تعجب ہوتا ہے اور یہی مطلب شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم کا ہے(۲) اور یہ خلاصۃ الفقہ غیر معتبر، واہی کتاب ہے(۳) معلوم نہیں کہ اس کا مؤلف کون ہے، کہ محض کذب واہی حدیث نقل کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوا، اگر کوئی جاہل ناواقف کچھ نقل کرے، بالکل بہتان صریح ہے۔ شیخ عبدالحق کے کلام سے مطلقاً سلف میں نہ ہونا، عرس وغیرہ کا اوپر منقول ہو چکا ہے۔ اور یہ تمام صحاح ستہ ومشکوٰۃ شریف وکتب فقہ معتبرہ موجودہ میں، کہاں سے اثبات عرس وغیرہ کا کیا، بلکہ خلاف اس کے نکلتا ہے، اس ایک شخص کا ایسا جھوٹ لکھنا کب سند ہے۔ یہ بات جب ہے کہ فی الواقع خلاصۃ الفقہ مجیب میں یہ روایت موجود ہو، ورنہ احتمال غالب ہے کہ یہ حضرت مجیب کی ہی چالاکی ہو، چنانچہ تفسیر مظہری کی طرف ایک روایت کی نسبت فرماتے ہیں، حالاں کہ اس میں اُس کے بالکل خلاف لکھا ہے، اسی طرح خلاصۃ الفقہ کی طرف بھی یہ روایت منسوب کر دی ہو، تو کیا بعید ہے۔

الحاصل! ان سب روایات سے ثابت ہو گیا کہ ایصال ثواب مطلق بلاقید رُسمِیَّت بہتر ہے اور قیودِ مرسومہ تو ان روایات سے ہرگز ثابت نہیں ہوتیں، مجیب ان کا اثبات بروایات صحیحہ فرمادیں اور ہماری روایات کا جو درباب بدعت ومکروہ ہونے قیود اور تعیین اوقات رسوم ہیں، جواب لکھیں، ورنہ نفس ایصال ثواب میں کاغذ سیاہ کرنا ضرور[ی] نہیں، اس کا کسی کو انکار نہیں۔ سائل تعیین ایام سوم ودہم وبستم وچہلم وغیرہ کو پوچھتا ہے، بروایات صحیحہ ثابت کرو، روایات واہیہ کو کوئی نہیں سنے گا، یا اپنے اجتہاد سے کچھ ثابت کرو، لہٰذا بحث مطلق ومقید اصول کو ہم نے بھی اس جواب میں مشرح نہیں لکھا، دوسرے وقت پر رکھا ہے۔

فقط، واللہ اعلم! رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الف: (مجموعۂ کلاں ص ۶۳ تا ۷۱) ب: چندیا نوی ص ۳۲ تا ۳۹)

(۸۶) سوم چہلم وغیرہ رسومات اور خاص مقررہ وقت پر ایصالِ ثواب کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، مسائل مفصلہ ذیل میں:

اول: تیجہ ودسواں وبیسواں وچالیسواں وسہ ماہی وشش ماہی وبرسی وغیرہم، کہ جو بعد مرگ کرتے ہیں، اور قرآن شریف

---

(۱) صراط مستقیم کی عبارت اسی فتوے کے حاشیہ میں گذر گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: الف: صراط مستقیم (مطبوعہ مطبع ضیائی میرٹھ: ۱۲۸۵ھ) ص ۴۳۔
ب: صراط مستقیم (مطبوعہ مجتبائی، دہلی: ۱۳۲۲ھ) ص ۶۴ [نور]

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ کی طرف یہ نسبت بالکل غلط ہے، حضرت شاہ صاحب کی معلوم تصانیف میں یہ بات کہیں نہیں ملی۔ [نور]

(۳) خلاصۃ الفقہ تعارف گزر گیا ہے۔

پڑھواتے ہیں اور کھانا فقیروں کو کھلاتے ہیں، آیا کرنا ان کا جائز ہے، یا غیر جائز؟ قائل جائز (۱) مُستدل دلیل پیش کرتا ہے کہ، اگر اس کو باعث رسم کفار کے منع کیا جاوے، تو پانچویں، گیارھویں، بائیسویں، یا بیالیسویں دن کر لیویں، تو رسم کفار نہیں پائی جاتی، تو کیا حرج واقع ہوتا ہے اور اگر بوجہ منع کرتے ہو، کہ تعیین منع ہے، تو احادیث سے اکثر تعیین نکلتی ہے۔ جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واسطے وعظ کے یوم جمعہ تعیین فرمایا ہے، تو ہم بھی اس کی تعیین کرتے ہیں، عملاً بالحدیث۔ اس لئے کہ یہ بھی کار خیر میں سے ہے، اور اگر بسبب اس کے منع ہے، کہ لوگ ان کو بہ نیت رسوم کرتے ہیں، نہ بہ نیت ثواب، تو ہم اس کو بہ نیت ثواب کرتے ہیں، تو پھر کیا حرج لازم آتا ہے اور کھانا اس [کھانے] کا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ ایام مقررہ ہنود کے ہیں، ان میں صدقہ خیرات کرنا بہ سبب تشبہ کفار کے منع ہے۔ مع ہذا! اگر نیت خالص ایصال کی ہے تو ثواب طعام کا پہنچے گا اور جو تاریخیں بدل دیوے تو کچھ حرج نہیں، کہ تشبہ رفع ہو گیا، مگر پھر ان تواریخ کا ایسا التزام نہ کرے، کہ پس و پیش نہ ہو، تا کہ وہ بھی بسبب تقیید مطلق کے مکروہ نہ ہو جائے اور تعینات شرعیہ تو من الشارع ہیں، اس واسطے یہی مامور ہوئے، مگر ان پر قیاس کر کے اپنی طرف سے تعیین کرنا، کہ اطلاق شارع کے مزاحم ہو، موجب عدم جواز کا ہوتا ہے۔ پس قیاس تعیین یوم وعظ پر کرنا، خلاف قواعد شرع کے ہے، بلکہ یہ قیاس مزاحم اطلاق شرع کے ہو کر، موجب کراہت کا ہوتا ہے، قیاس خلاف نفس کے کرنا اور ایسا قیاس کہ تغیر حکم شرع کا کرے، حرام ہے۔ پس سائل صاحب اول قواعد اصول فقہ سوچ کر سمجھیں، پھر اپنی اس توجیہ کی حقیقت سے متنبہ ہوویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۹۹-۱۰۱)

(۸۷) تیجہ چالیسواں سب حرام ہیں:

سوال: اور ایک رسم تیسرے روز تیجے کی ہے اور چالیسویں روز چہلم کرتے ہیں، یہ سب درست ہیں، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: تیجا اور دہم اور چہلم وغیرہ رسوم کا حال یہ ہے کہ سب حرام ہیں، کہ اس میں برادری کے طعن کا خیال ہوتا ہے اور مشابہت ہنود کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ مسائل بہت دفعہ کتب ورسائل میں طبع ہو چکے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۰۱ھ

(فیوض رشیدیہ ص ۶)

(۸۸) سوم تیجہ کرنا سب حرام ہے:

سوال: رسم سوم میت بہ تعیین تاریخ بے شک ممنوع و بدعت ہے۔ مگر اس کے ترک سے مردہ ثواب سے محروم رہتا ہے اور محبت دلی مقتضی ہے کہ کسی طرح اس کو ثواب پہنچے، پس اس صورت میں اگر تاریخ وغیرہ مقرر نہ ہو، اول روز یا دوسرے روز یا چوتھے یا پانچویں روز، احباب کو بلا کر قرآن شریف، کلمہ شریف نخود پر یا تسبیح پر پڑھوا لیا جائے، تو کیا قباحت ہے؟

(۱) اصل میں یہاں، قائل ناجائز لکھا ہے [کلاں ص:۹۹] جو یقیناً سہو کاتب ہے۔ صحیح لفظ قائل جائز ہے، اس لئے درست کر دیا۔ (نور)

اور جس قدر کلمہ کلام جماعت کثیرہ سے تھوڑی دیر میں ہوسکتا ہے، ایک دو آدمی یا ایک گھر کے آدمیوں سے، بہت دیر میں بھی ممکن نہیں، اور ظاہر ہے کہ غائبانہ کون پڑھتا ہے، محض بنظر ثواب رسانی اجتماع بروز غیر مقررہ ہو، تو کیا حرج ہے؟

جواب: صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ:

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ برسر گور و نہ غیر آں۔ و ایں مجموع بدعت ست و مکروہ۔

سلف صالحین کی عادت شریفہ نہیں تھی کہ مردہ کیلئے جمع ہوں، قرآن شریف پڑھیں اور ختمات کا اہتمام فرمائیں، نہ قبر پر نہ اسکے علاوہ، یہ سب بدعت اور مکروہ ہے۔

وعادت نبود کہ برائے کساں طعام کنند۔ انتہیٰ (۱)

اور یہ بھی عادت نہیں تھی کہ کسی کے مرنے کے بعد لوگوں کو کھانا کھلائیں۔

پس امر بدعت کے واسطے یہ اہتمام کہ ترک اس کا گناہ ہے، مگر محبت مقتضی ترک کو نہیں، خالی از بدعت و داعیہ نفس نہیں ہوتا، باقی سب بہانہ ہے۔

تیسرے روز میں تشبہ با لیہود تھا، اب اہتمام امر مباح کا ہوکر دوسرا امر بدعت ہو جاوے گا۔ جو دوست اخلاص والے ہیں وہ غائبانہ بھی پڑھیں گے، جو غیر مخلص شرما شرمی آویں گے، ان کا پڑھنا بھی مفید نہ ہوگا، ایک دو قرآن اور کلمہ خود گھر والے بھی پڑھ سکتے ہیں، بہر حال یہ حیلہ ہے کہ رسم مرتفع نہ ہو، نہ اخلاص اسلام۔ واللہ اعلم (چندیا نوی ص ۱-۲)

(۸۹) قبر کے پاس بیٹھ کر اجرت لے کر قرآن شریف پڑھنے کا حکم؟

مسئلہ: قرآن شریف کا ثواب اگر خالص نیت سے پڑھ کر ہبہ کیا جاوے، تو پہنچتا ہے، مگر یہ رسم جو قبر پر حافظ بیٹھ کر پڑھتا ہے مخترع ہے، کہ قرون ثلاثہ سے اسکا ثبوت نہیں، اور یہ حافظ اجرت پر پڑھتا ہے، ہبہ کی نیت ہرگز نہیں ہوتی، تو ایسے قرآن کا ثواب خود حافظ کو بھی نہیں ملتا، کہ اسکی نیت روپیہ اور متاع کی ہے، تو جب خود حافظ کو اس قرآن کا ثواب حاصل نہ ہوا، تو وہ دوسرے کو کیا دے گا؟ سو یہ پڑھوانا محض فضول ہے، نفع آخرت اس میں کچھ نہیں۔ رسم دنیوی پوری کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ الاجوبۃ صحیحۃ. محمد یعقوب نانوتوی

(مجموعہ کلاں ص ۴۲)

(۹۰) ایصالِ ثواب کیلئے اجرت جائز نہیں:

سوال: ہر چہ در طحطاوی نوشتہ اند، از ملتقط عبارت ایں است: [ترجمہ] جو کچھ کہ طحطاوی میں لکھا ہے ملتقط سے اس کی عبارت یہ ہے۔

(۱) شرح سفر السعادۃ ص ۲۷۳۔ باب احوال میت (مطبع نول کشور: ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) (نور)

والمختار جواز الاستجار علی قراءة القرآن علی القبور مدة معلومة(١) فتویٰ بریں قول ہست یانہ؟۔ بینوا توجروا.

ترجمہ: اورمختار مسئلہ قبر پرایک متعین مدت تک قرآن مجید کے پڑھنے پر، اجرت لینے کے جواز کا ہے۔

جواب: صحیح ومفتی بہ ومختار مذہب ائمہ دین ہمیں است، کہ استیجار برائے ایصال ثواب جائز نیست، خواہ بر قبر باشد خواہ بر غیر آں، وخلاف اینست لایعبأ بہ است۔ وآنچہ متاخرین بر تعلیم قرآن، مثلاً فتویٰ جواز دادہ اند، بنابر مصلحت وضرورت ضروریہ دینی است، کہ در ایصال ثواب ہرگز آں امر یافتہ نمی شود، پس قیاس آں بریں خارج از قواعد فقہ ہست۔ در تحقیق آں صاحب رد المحتار سعی بلیغ فرمودہ، قدرے ازاں نقل می شود:

ترجمہ: صحیح مفتی بہ اور ائمہ دین کا راجح قول ومذہب یہی ہے کہ ایصال ثواب کے لئے اجرت (معاوضہ لینا اور دینا) جائز نہیں ہے۔ چاہے قبر پر پڑھنے کی اجرت ہو، یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے، وہ ناقابل اعتبار ہے۔ اور وہ جو متاخرین نے قرآن مجید کی تعلیم پر تنخواہ کے جائز ہونے کا فتوی دیا ہے، وہ ایک دینی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے ہے، یہ بات ایصال ثواب میں بالکل بھی نہیں پائی جاتی، پس (اس کا) اس پر قیاس، فقہ کے اصول وقواعد سے خارج ہے۔ اس کی تحقیق میں رد المحتار (شامی) کے مصنف نے خوب کوشش کی ہے، اس میں سے کچھ نقل کیا جاتا ہے۔

وقد اتفقت کلمتهم جميعاً في الشّروح والفتاویٰ علی التعليل بالضّرورة، وهی خشية ضَيَاع القرآن كما فی الهداية. وقد نقلت لک ما في مشاهير متون المذهب الموضوعللفتویٰ، فلاحاجة الی نقل ما فی الشروح والفتاویٰ.

وقد اتفقت كلمتهم جميعا علی التصريح، بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته، فهٰذا دليل قاطع وبرهان ساطع علی أن المفتیٰ به ليس هو جواز الاستئجار علی كلّ طاعة، بل علی ما ذكروه فقط، مما فيه ضرورة ظاهرة، تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرق المنع الخ(٢)

ترجمہ: اور بلاشبہ ان سب [فقہاء] کے الفاظ شروحات اور فتاویٰ میں ضرورت پر مبنی ہیں، وہ قرآن مجید کے

(١) طحطاوی ص ٣٠ ج ۴ باب اجارة الفاسدة (عکس طباعت قدیم۔ مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت لبنان: ١٣٩٥ھ) [نور]

(٢) ردمحتار شامی ج:٦/ص ٥٦۔ باب مطلب تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة (مطبوعہ دار الفکر بیروت: ١٣٩٩ھ) نیز شامی ص ٣۵ ج ۵ باب تحریر مهم فی عدم جواز الاستیجار علی التلاوة (مجتبائی دہلی: ١٣٨٧ھ) [نور]

ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

اور میں نے آپ [قارئین] کے لئے وہ سب نقل کردیا ہے جو مذاہب فقہ کے ان متون میں ہے جو فتاویٰ کی اساس ہیں، اس لئے ان عبارتوں کی نقل کی ضرورت نہیں جو شروحات اور فتاویٰ میں ہیں۔

اور ان سب کے الفاظ وکلمات، اصل مذہب کی صراحت کے مطابق، قرأت قرآن مجید کی اجرت جائز نہ ہونے پر متفق ہیں، پھر بعد میں اس کا استثناء کیا، جیسا کہ میں نے بتادیا ہے، اس لئے یہ اس کی دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے کہ جس پر فتویٰ ہے وہ کسی بھی عبادت پر، اجرت کا صحیح ہونا نہیں ہے، بلکہ صرف ان عبادتوں پر، جن کا ہم نے ذکر کیا۔ اس لئے کہ اس میں ایک واضح ضرورت ہے، جس کی وجہ سے، اصل مذہب سے نکلنا جائز ہے۔ [ت۔نور]

بعدازیں بحث طویل ونقول کثیرہ آوردہ، پس آنچہ طحطاوی گفتہ قابل تعدیل نیست۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

ترجمہ: اس کے بعد لمبی بحث اور بہت سی عبارتوں کو نقل کیا ہے، اس لئے طحطاوی نے جو کچھ کہا ہے، وہ منصفانہ (اور لائق توجہ) نہیں۔

(مجموعہ کلاں ص ۱۱۶:۱۱۵)

(۹۱) قبروں پر پھول اور کنکری ڈالنا کیسا ہے؟

سوال: قبر پر پھول ڈالنا جائز ہے، یا نہیں، اور کنکری ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: قبر پر پھول ڈالنا مکروہ ہے، کنکریں قبر پر ڈالنا، کہ خاک نہ اڑے تو درست ہے، ورنہ کچھ نہ ڈالے۔

(بدست خاص۔ سوال وجواب ۱۱۵)

(۹۲) مزارات پر دست بستہ کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

سوال: کسی بزرگ کے مزار کو قریب سے یا دور سے، سر جھکا کر سلام کرنا، یا سامنے مزار کے دست بستہ مؤدبانہ ایسا حال کرنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: مزار اولیاء کے سامنے سر جھکانا اور دست بستہ کھڑا ہونا، مشابہت بالشرک ہے، نہ چاہئے۔ بطریق سنت زیارت کرے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۹)

(۹۳) مزارات اولیاء کے سامنے سر جھکانا اور دست بستہ کھڑا ہونا کیسا ہے؟

مسئلہ: مزار اولیاء کے روبرو قریب وبعید سے سرنگوں ہونا اور دست بستہ کھڑا ہونا مشابہ بشرک ہے، اس سے اجتناب ضرور[ی] ہے، بطریق سنت زیارتِ قبور چاہئے۔ فقط۔

رشید احمد گنگوہی

الف: (مجموعہ کلاں ص ۸۴) ب: (چندیانوی ص ۷۳)

(۹۴) بزرگوں کی قبروں کا طواف حرام ہے: مسئلہ: طواف قبور اولیاء اللہ حرام ہے، سوائے بیت اللہ شریف کے (طواف کے) کسی چیز کا طواف حلال نہیں۔ ملا علی قاری شرح مناسک میں فرماتے ہیں:

(ولایطوف) أی ولا یدورُ حول البقعة الشریفة، لأن الطواف من مختصات الکعبة المنیفة، فیحرم حول قبور الأنبیاء والأولیاء و لاعبرة بما یفعله العامة الجهلة ولو کانوا فی صورة المشائخ و العلماء. انتهی (۱)

ترجمہ: طواف نہ کرے گرد کسی مکان متبرک کے، کہ طواف خصوصیات کعبہ شریف سے ہے۔ پس حرام ہے طواف گرد قبور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے، اور کچھ اعتبار نہیں جو جاہل لوگ قبور کا طواف کیا کرتے ہیں۔ اگرچہ صورت مشائخ اور علماء کی ہو۔ [ترجمہ قدیم]

اور معراج میں مرقوم ہے:

لوطاف حول مسجد سوی الکعبة یخشی علیه الکفر انتهی.

ترجمہ: اگر کوئی طواف کرے گرد مسجد کے، سوائے کعبہ شریف کے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

[ترجمہ قدیم]

ہرگاہ کہ مسجد کے طواف سے خوف کفر کا ہوا، تو طواف قبور سے بطریق اولیٰ کافر ہو جائے گا۔ پس اگر چہ کوئی بصورت عالم درویش ہو کر طواف کرے، وہ نہایت بد اور گمراہ ہے۔ اس کے قول وفعل کا کچھ اعتبار نہیں، اور اس کی صحبت سے اجتناب بضرور (۲) ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۴۶-۴۷)

(۹۵) تصویر روضۂ مطہرہ وغیرہ کو بوسہ دینا؟ سوال: بر تصویر روضۂ منورہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (نقشہ مدینہ منورہ زادها الله شرفًا) ونقشہ مکہ مکرمہ، کہ در دلائل الخیرات واقع است، بوسہ دادن وچشم مالیدن ازروئے شرع جائز است، یانہ؟

ترجمہ: سوال: روضہ اقدس حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ مکرمہ کے عکس کو (جو دلائل الخیرات میں چھپا ہوا ہے) چومنا اور آنکھوں سے ملنا شریعت کی رو سے جائز ہے، یا نہیں۔ [ت۔نور]

(۱) شرح مناسک ص ۲۷۶۔ باب زیارة سید المرسلین صلی اللہ علیه وسلم طبع اول (مطبع الماجدیة مکة المکرمة: ۱۳۲۸ھ)

(۲) بضرور۔ نہایت ضروری۔ ضرور بالضرور۔ اردو لغت، تاریخی اصول پر، ص: ۲۳۔ ج: ۱۳/ [کراچی: ۱۹۹۱ء] (نور)

جواب: بوسہ دادن وچشم مالیدن بریں نقشہا ثابت نیست، واگراز غایت شوق سرزد ملامت وعتاب ہم برجا نباشد۔
کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ **الجواب صحیح اشرف علی عفی عنہ** ۲ محرم ۱۳۲۲ھ

ترجمہ: جواب: ان نقشوں کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے ملنا ثابت نہیں، اگر غایت شوق میں بے ساختہ ہوجائے، تو اس پر ملامت کرنا اور غصہ کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔ (ت: نور)

(امداد الفتاویٰ، مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ص ۲۶۴-۲۶۵ جلد چہارم (کراچی)

(۹۶) قبر کا بوسہ دینا حرام ہے:

سوال: بوسہ لینا قبر کا جائز ہے، یا حرام؟

جواب: بوسہ لینا قبر کا حرام ہے۔

فی المدارج: "وبوسہ دادن قبر را وسجدہ کردن آں را وکلّہ نہادن حرام وممنوع است۔ ودر بوسہ دادن قبر والدین روایت بیہقی نقل می کند، وصحیح آں است کہ ما یجوز (۱) وادنی [ما] لایجوز، گناہ صغیرہ است واصرار برآں کبیرہ است، **ھکذا فی الشرح عین العلم**۔

ترجمہ: قبر کو بوسہ دینا اور اس کو سجدہ کرنا اور اس پر رخسار رکھنا حرام اور قطعاً منع ہے، والدین کی قبر کو بوسہ دینے کی روایت بیہقی نقل کرتا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ (یہ) جائز نہیں ہے۔ اور ناجائز ہونے کا کم سے کم درجہ، گناہ صغیرہ جیسا ہے اور اس پر اصرار گناہ کبیرہ ہے۔ شرح عین العلم میں یہی لکھا ہے۔

(فتویٰ عدم جواز یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ، مرتبہ مولانا محمد نذیر بیگ کرتپوری، بجنوری ص ۱۰۰ (مطبع مطبع العلوم، مراد آباد)

(۹۷) قبروں پر گنبد اور پختہ عمارتیں بنانا منع بلکہ حرام ہے:

سوال: قبر پر پختہ عمارت اور گنبد بنانا، کس حدیث سے ثابت ہے؟ فقط

جواب ازانبالوی: (۲) قبر پر پختہ عمارت اگرچہ مکروہ ہے، مگر خواص اولیاء اللہ کی قبر پر درست وجائز ہے، چنانچہ شیخ عبد الحق نے صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ، ہمارے زمانہ میں بعض مکروہ، حکم مستحب کا رکھتے ہیں۔ چنانچہ مزار اولیاء اللہ کا پختہ بنانا جائز ہے، واسطے شوکت اسلام کے، اور عبد الوہاب نجدی بڑا بے ادب اور گمراہ تھا کہ حضرت کے روضہ مبارک کو شہید کرنے گیا، یہ نہ سمجھا کہ اصحاب کبار نے حضرت کے روضہ کو بنایا ہے، میری کیا طاقت کہ شہید کروں اور حضرت کے واسطے پختہ عمارت درست ہے، اگر منع ہوتی تو حضرت کے خلیفہ نہ بناتے! واہ وہ نجدی عامل بالحدیث تھا، یہ کہو کہ بڑا خبیث تھا۔ جو حدیث میں آیا ہے کہ پختہ قبر منع

---

(۱) مدارج النبوۃ، شیخ عبد الحق محدث۔ ص ۵۴۷ ج ۲ (مطبع نول کشور لکھنؤ: ۱۲۹۴ھ) اس کے بعد کی عبارت مدارج کی نہیں ہے، شرح عین العلم سے اضافہ کی گئی ہے۔ [نور]

(۲) یہ انبالوی صاحب کون تھے ان کا تذکرہ نہیں ملا۔ (نور)

ہے، وہ عوام الناس کی قبر کا [حکم] ہے نہ خواص کی قبر کا۔ شیخ عبدالحق نے اس حدیث کی خوب شرح لکھی ہے، بسبب طول کے اسکو نقل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ایسے عقیدہ والوں کو ہدایت کرے۔ فقط

تردید جواب بالا از حضرت گنگوہی: کتب حدیث وفقہ سے ثابت ہے کہ قبر پر پختہ عمارت مکروہ ہے (۱) چنانچہ مجیب بھی اس کا اقرار کرتے ہیں، مگر قبور اولیاء اللہ کا استثناء کتب حدیث اور معتبر کتب فقہ میں کہیں نہیں آیا ہے۔ فقط ایک شیخ عبدالحق کا قول خلاف حدیث وقول فقہاء کے اس بارے میں معتبر نہیں ہوسکتا۔ شیخ کیا، اگر سو عالم بھی خلاف نص صحیح کے، کچھ بھی لکھیں ہرگز معتبر نہ ہوگا۔ یہ روایت بخاری میں موجود ہے (۲) عبدالوہاب بیچارہ کیا کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو متعین کیا، کہ جو تصویر دیکھوں محو کردوں اور جو قبر بلند نظر پڑے، اس کو زمین کے برابر کردوں۔ (۳) سو عبدالوہاب نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا (ہے) اگر عمل کرنا سنت پر بے ادبی ہے، تو شاید مجیب کے نزدیک ترک سنت اور ہدم سنن ہدیٰ کا نام ادب ہوگا۔ معاذ اللہ توبہ!

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں مدفون ہوئے تھے اور یہ حکم خواص انبیاء میں سے ہے کہ گھروں میں مدفون ہوں، چنانچہ کتب فقہ میں موجود ہے (۴) اور پھر صحابہ کے زمانہ میں، یا تابعین یا تبع تابعین کے وقت

---

(۱) صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. صحيح مسلم كتاب الجنائز ص: ۳۱۲، ج: ۱ [مطبع مجتبائی دهلی: ۱۳۱۹ھ] نیز کتاب مذکور باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه ج: ۱ ص: ۴۳۰ رقم الحديث: ۹۷۰. نظر محمد الفاريابی مكتبه دارطيبه رياض: ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء] اور در مختار ج: ۱ ص: ۱۲۵ میں ہے: ولا يرفع عليه بناء" (وفى الشامى) يحرم لو للزينة، ويكره لو للإحكام بعد الدفن۔ مطلب فى دفن الميت ص: ۲۰۱، ج: ۱ باب الجنائز [مطبع مجتبائی] نیز ردالمحتار على الدرالمختار ج: ۲ ص: ۲۳۷ [دارالفكر، بيروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء]

(۲) پیش نظر مآخذ میں یہاں بخاری لکھا ہوا ہے مگر غالباً یہ سہو کاتب ہے، یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ کتاب الجنائز ص ۳۱۲ ج: ۱، [مطبع مجتبائی دهلی: ۱۳۱۹ھ] نیز بروایت امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد ت: محمد عوامه كتاب الجنائز: باب فى البناء على القبر رقم الحديث: ۳۲۱۷، ص: ۲۵، ج: ۴ [دار القبلة للثقافة الاسلاميه بيروت: ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء] نیز دیکھئے: ابن ماجه باب مذكور ج: ۲ ص: ۵۰۲ رقم ۱۵۶۲، ۱۵۶۴، شعيب الارنؤوط [دارالرسالة العلمية، دمشق، طبعه اولى ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء] ترمذی ت: محمد فواد عبدالباقی كتاب الجنائز: باب ماجاء فى كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها باب التحفة ۵۸ رقم الحديث: ۱۰۵۲ ص: ۳۶۸، ج: ۳ [دار الكتب العلمية بيروت، لبنان] نے بھی جنائز میں ذکر فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود نہیں۔ (نور)

(۳) عن ابی الهياج الاسدی قال: قال على ألا أبعثک على مابعثنى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويته۔ صحيح مسلم ص ۳۱۲ ج ۱ [مطبع مجتبائی دهلی: ۱۳۱۹ھ] نیز مسلم شريف كتاب الجنائز باب الامر بتسوية القبر، ج: ۱ ص: ۴۳۰-۴۲۹، رقم الحديث: ۹۶۹ [دارطيبه، نظر محمد الفاريابی ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء]

(۴) در مختار ج: ۱ ص: ۱۳۴ [عکس مجتبائی دہلی] میں ہے: ولا ينبغى ان يدفن الميت فى الدار ولو كان صغيرًا. الدر المختار مع الشامی كتاب الجنائز، باب مطلب فى دفن الميت ج: ۲ ص: ۲۳۵ [دارالفكر بيروت: لبنان ۱۳۸۶ھ] نیز الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۲۰۰ [مطبع مجتبائی دهلی: بلاسنه]

میں ہرگز کسی نے اس پر قبہ نہیں بنایا، یہ ایک سلطان نے بنایا ہے۔ تاریخ مدینہ کا کہ جس کا ترجمہ جذب القلوب (۱) ہے، مجیب مطالعہ کر کے دیکھیں اور انصاف کریں، کہ قبہ کس عالم یا صحابی کا بنایا ہوا ہے (۲) اور پھر اپنی تحریر کے صدق وکذب کو تولیں، خصوصاً جب خصوصیت انبیاء کے مزار کی ہو، تو پھر کیا تاب وقیاس مزار اولیاء کی باقی رہی، البتہ اگر تبعاً کسی ولی کو قبہ نبی میں دفن کریں، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو دفن کیا ہے، سو کچھ حرج نہیں۔

دیکھو صلوٰۃ وسلام تبعاً غیر نبی پر درست ہے اور بالاستقلال منع ہے۔ بہر حال خلاف قیاس پر قیاس کرنا روا نہیں۔ جناب مجیب ذرا ہوش میں ہوں، اب جواب الجواب تو تمام ہوا۔ اگر ممکن ہو حسب قاعدہ اصول وفقہ بروایات صحیحہ جواب تحریر فرمائیں، ورنہ تکلیف جواب نہ اٹھاویں، کہ ادھر سے بجز تحریر قواعد علم اور کوئی طرز تحریر نہیں، سب وشتم ہمارا کام نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الف: (مجموعہ کلاں ص ۷۲-۷۴) ب: (چندیانوی ص ۴۹ تا ۵۲)

اذان سے متعلق بدعات

(۹۸) اذان کے وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

سوال: وقت استماع نام پاک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اذان میں، تقبیل ابہامین کس حدیث سے ثابت [ہے] ؟

جواب یکے از علمائے اہل بدعت: تقبیل ابہامین وقت استماع نام پاک جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، موجب ثواب عظیم ومسنون ہے۔ چنانچہ مولوی فضل رسول (۳) اور مولوی کریم اللہ (۴) نے اس کے اثبات

---

(۱) جذب القلوب الی دیار المحبوب، مدینہ منورہ کی تاریخ پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور تالیف ہے۔ اس کا فارسی متن بھی چھپا ہے اور اردو میں کئی ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ فارسی متن کی پیش نظر اشاعت مطبع ناصری، دہلی کی ہے جو سنہ ۱۲۸۴ھ کی چھپی ہوئی ہے۔

(۲) شیخ عبدالحق نے لکھا ہے: روضہ شریف کی عمارت سنہ ۶۷۸ھ (۱۲۸۰ء) میں منصور قلاوون صالحی نے بنوائی تھی۔ جذب القلوب ص: ۸۲۔ نیز ملاحظہ ہو: وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) علامہ نور الدین علی السمہودی، ص: ۴۳۵ وما بعدہ ج ۱ (مطبعۃ الآداب، مصر ۱۳۲۶ھ)

(۳) مولوی فضل رسول عثمانی بدایونی، وفات: ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء [نور]

(۴) مولوی کریم اللہ دہلوی، وفات: ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء [نور]

میں مدلل رسائل تحریر کئے ہیں، مگر وہابی (و) منکر اولیاء اللہ اس کو ناجائز جانتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں اس کا مسنون ہونا اور موجب ثواب ہونا خود موجود ہے، جو مجھ کو معلوم ہے، اس کو لکھتا ہوں:

فرمایا حضرت نے:

وقد نقل عن مسند الفردوس، المؤلفة للحافظ الإمام شهر دار بن الحافظ شهرويه الديلمى، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قبّل ظفر إبهاميه عند سماع أشهد أن محمداً رسول الله فى الأذان، أنا قائده ومدخله فى صفوف الجنة.

وفى جمل الأحاديث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فى عشر المحرم عند الأسطوانة حذاء أبى بكر، فقام بلال، فأذن فلما بلغ أشهد أن محمدا رسول الله قبل أبوبكر ظفر إبهاميه و وضعهما على عينيه، فقال، قرة عينى بك يا رسول الله! فلما فرغ بلال من الأذان توجه النبى (صلى الله عليه وسلم) إلى أبى بكر، فقال من فعل مثل مافعلت يا أبابكر، غفر الله ذنوبه حديثها وقديمها و عمدها و خطأها.

مسند فردوس، تالیف امام حافظ شہر دار ابن شہرویہ میں نقل کیا گیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان میں اشهد ان محمداً رسول اللہ سننے کے وقت اپنے انگوٹھے چومے، میں ان کا سردار ہوں گا۔ اور ان کا جنت کی صفوں میں داخلہ ہوگا۔

اور "جمل احادیث" میں ہے کہ رسول ﷺ دس محرم کو مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اس کے تنے کے سامنے ٹھہر گئے، جو حضرت ابوبکر کے (گھر کے) سامنے تھا، بلال کھڑے ہوئے او اذان پڑھی، جب اشہد ان محمداً رسول اللہ ﷺ پر پہنچے تو ابوبکرؓ نے انگوٹھوں کے ناخن چومے اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا اور کہا.... میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ سے ہے، اے اللہ کے رسول! جب بلالؓ اذان سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ابوبکر! جو اس طرح کرے جس طرح تم نے کیا، اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ، نئے پرانے، جان کر اور بھول کر کئے ہوں، سب معاف فرمادے گا۔

غرض اس بارے میں جماعت کثیر علماء وصلحاء محدثین کا اتفاق ہے، عبارات کتب صحیحہ کی کہاں تک لکھوں، منکر اس کا بڑا بے نصیب اور بے ادب ہے، گمراہ ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔ فقط از انبالوی (۱)

---

(۱) یہ انبالوی صاحب کون تھے سراغ نہیں ملا، اندازہ یہی ہے کہ اس دور کے بدعتی علماء میں معروف تھے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ان کے متعدد فتووں کی تردید وتصحیح فرمائی ہے۔ (نور)

مذکورہ بالا تحریر کا رد اور تصحیح از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی: (۱)

[امام] بخاری نے روایت کیا [ہے] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ منافق کی تین نشانی ہیں، ایک ان میں سے یہ ہے کہ جب مخاصمہ کرے، بیہودہ اور گالی بکے (۲) سو مجیب نے اپنے جوابات میں جو الفاظ بیہودہ تحریر کئے ہیں، حسب حدیث صحیح، خود اپنی زبان سے بنے جو کچھ بنے۔ اہل علم کو لازم ہے کہ مناظروں میں زبان کو تھامیں اور لغو نہ بکیں۔

ازیں بعد بہوش سننا چاہئے، کہ ہزارہا حدیث بددینوں نے اپنی طرف سے بنالی ہیں اور صدہا حدیث موضوع صلحاء نے معمول اپنی کی ہیں اور غلطی سے اس گناہ میں پڑے ہیں، چنانچہ اس امر کو اہل علم خوب جانتے ہیں، حاجت میری تحریر کی نہیں، خطبہ صحیح مسلم اس امر کے واسطے کافی ہے۔ اسی ہزار حدیث وضعی امام ابو یوسف کو یاد تھیں، تو بس، ہر عبارت پر کہ لوگوں نے اطلاق لفظ حدیث کر دیا ہو، وہ حدیث نہیں ہوا کرتی، جب تک سند صحیح سے اس کا ثبوت نہ ہو، اور ائمہ حدیث اس کی تصحیح و تصدیق نہ کریں، اس کو حدیث جاننا اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا اور کسی اہل علم کو اس کا بیان کرنا روا نہیں، ہاں البتہ جہلاء جو لباس علماء میں ہو کر، اپنے آپ کو ہوائے نفس کے مقلد کرتے ہیں اور کسی عالم کی بات کو رعونت سے تسلیم نہیں کرتے، ان کا شیوہ ہے کہ وضعی حدیثیں پیش کر کے، اپنی بدعت کو رواج دیا کرتے ہیں، تو اہل علم کو ایسے امر سے اجتناب فرض ہے۔ غرض جو حدیث کتب معتبرہ میں بسند صحیح ہو وہ قابل اعتبار ہے، ورنہ واجب الرد ہے۔ جس کو حدیث اور اصول حدیث اور فقہ اور اصول فقہ پر، کچھ نظر اور عبور ہوگا، وہ تو میری اس تقریر کو حق جانے گا، اور جس کو علم سے بہرہ نہیں، البتہ وہ جہل کی باتیں بنا دے گا، مگر اہل علم کی مجلس میں خوار ہوگا۔

بعد اس کے سنو! کہ انگوٹھے چومنے کے باب میں کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں ہوئی، اور یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں لکھتا، ردالمحتار شرح درمختار میں جو شامی کے نام سے مشہور ہے، نقل کیا ہے کہ لوگوں نے اس باب میں روایات کثیرہ نقل کی ہیں، مگر کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں ہوئی:

---

(۱) اصل فتوی میں ''ردالجواب از اہل تحقیق'' عنوان ہے۔ [نور]

(۲) عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب، و اذا وعد أخلف، و اذا ائتمن خان و فی رواية عبد الله بن عمرو فی هذا الباب واذا خاصم فجر، نیز دیکھئے مشکوۃ باب الکبائر وعلامة المنافق الفصل الاول ص: ۱۷ [اصح المطابع، رشیدیہ دھلی] نیز مشکوۃ باب مذکور ج: ۱ ص: ۵۰ رقم الحدیث: ۵۵ [مکتبة التوبه ودار ابن حزم بیروت: طبعه اولی ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء] صحیح البخاری ص ۱۰ ج: ۱ کتاب الایمان باب علامة المنافق. [مرادآباد: ۱۴۱۵ھ] نیز بخاری شریف ج: ۱ ص: ۱۲، رقم الحدیث: ۳۳ و ۳۴ [مکتبة الرياض: ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء] [نور]

وقال الجراحي ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. انتهى(۱)

ترجمہ: جراحی نے کہا ہے کہ اس میں ایک روایت بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں۔ (ت: نور)

باقی اگر کوئی قول کسی کا منقول ہو تو ثواب وعقاب میں کسی کا قول ہر گز معتبر نہیں ہوتا، اس امر میں مرفوع حدیث ہی معتبر ہوتی ہے، چنانچہ یہ قاعدہ اصول کا اہل علم پر بدیہی ہے، مجھ کو حاجت اس کے اثبات کی نہیں اور شوکانی نے اپنے رسالہ احادیث موضوعہ میں لکھا ہے کہ، مسند فردوس میں جو روایت مسح عینین کی عند تشهد المؤذن بروایت ابی بکر منقول ہے اور ایسا ہی بلفظ قرة عيني جو اس باب میں روایت ہے، وہ صحیح نہیں ہوئی (۲) اور وہ بھی حدیث مجیب کی ہے، جس کو مجیب اپنی معلومات میں نقل کرتے ہیں اور شاہ عبد العزیز صاحب نے بھی اپنے جوابات میں یہی تحریر فرمایا ہے، کہ یہ روایت ثابت نہیں ہوئی، لہٰذا قابل عمل نہیں، اور وقت سماع نام پاک، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجز صلوٰۃ وسلام کے کچھ ثابت نہیں ہے۔ تو پس مجیب نے جو کتب احادیث اور علم حدیث سے اور ناواقف فن اصول اور اصول حدیث سے جو روایات اوراق منتشرہ پر سے، نقل کر کے پیش کرتے ہیں، دیانت و دینداری سے بعید ہے۔ ہر شخص عامی بنام علماء ہو کر جب مفتی ومجیب ہوا، تو قیامت آ گئی، اول سلیقہ تنقید روایات واجب ہوتا ہے، ازاں بعد مرتبہ افتاء ہوتا ہے۔ الحاصل یہ روایت دیلمی منقولہ مجیب، بتصریح شوکانی حیطہ صحت سے خارج ہوئی، اور شامی نے امام جراحی کے قول سے، اس باب کی سب احادیث کا غیر صحیح ہونا ثابت کر دیا، تو اب مجیب صاحب پر لازم ہے، کہ یا اس مسئلہ میں دم نہ ماریں، اور اگر جوش تقلید آبائی، سکوت کی اجازت نہیں دیتا، تو حسب قاعدہ اصول حدیث اور اصول فقہ کے اپنی احادیث کی سند کو ثابت کریں، ورنہ مفت غوغا لاحاصل ہے، قاعدۂ علم سے خارج ہے۔ علماء کے نزدیک اس وقت کلام وتحریر معتبر ہوگی، جو قاعدہ علمی کے موافق تحریر ہو، ورنہ قابل استماع نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۵۹ تا ۶۲)

(۹۹) اذان کے وقت انگوٹھے چومنا بدعت اور بے اصل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ جس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام، اذان میں یا اور کچھ پڑھنے میں آتا ہے، تو اکثر لوگ انگوٹھے چوم کر آنکھوں

---

(۱) عبارته: و ذكر ذالك الجراحي و اطال ثم قال، قال الجراحي ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيءٌ الخ رد المحتار ۳۹۸ ج ۱ (باب مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد.) ص: ۲۹۳. ج: ۱. (عكس دار الكتب العربية مصر ۱۳۲۳ھ) ب: شامی، نسخہ ہندیہ ص ۲۶۷ ج ۱ (مطبع مجتبائی دهلی: ۱۲۸۷ھ)

(۲) رواه الديلمي في مسند الفردوس، عن ابی بكر [الصديقؓ] مرفوعاً، قال ابن طاهر في التذكرة لا يصح (تذكرة الموضوعات، علامه محمد طاهر پٹنی، ص: ۳۴. (امین دمج، بیروت) الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة. العلامه شوكانی ص ۱۴ (طبع فخر المطابع، دهلی: ۱۲۷۲ھ) طبع جدید نیز ص: ۲۷ ت مجدی فتحی سید [مكتبه توفيقيه قاهره مصر: بلاسنه] نور)

سے اگا لیتے ہیں۔ اگر یہ چومنا نص قرآن اور حدیث صحیح سے ثابت ہے، تو چاہئے کہ حکم عام دیا جاوے، اور جو اصل میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے، تو امر بلا ثبوت مانا جاوے۔ بینوا توجروا!

جواب: حامداً و مصلیاً! اس امر کی کوئی نص قرآن شریف یا حدیث صحیح سے نہیں، اور جو روایات لوگ اس کے باب میں نقل کرتے ہیں، وہ موضوع یا واہی ہیں، قابل اعتماد کے نہیں۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا نہیں چاہئے، بلکہ عوام کو منع کر دینا مناسب ہے، فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۰۵)

متفرق بدعات

(۱۰۰) چند مسائل کی تحقیق، جن کو ایک شخص نے اہل سنت کا عقیدہ بتایا ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ: ایک شخص چند عقائد مفصلہ ذیل، منجملہ عقائد اہل سنت والجماعت بیان کرتا ہے، اور حنفی المذہب ہونے کا اقرار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ جب تک سنیہ ان عقائد پر مستقیم اور راسخ الاعتقاد نہ ہو، فرقہ سنیہ کے خطاب کا مستحق نہیں، اور عقائد یہ ہیں:

اول: مولود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کہ اس میں آپ کے مناقب اور درود شریف وذکر ولادت ومعجزات ومعراج شریف وحلیہ شریف، وفات شریف، نیز مسائل نماز، روزہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں، بدعت مردود ہے اور اس کا فاعل بدعتی وکافر ہے، اور مجوزین مولود شریف یعنی جو مولود شریف کو جائز کہتے ہیں، مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ودیگر وغیرہ سب بدعتی ہیں؟

دوم: بر سر بازار ایک تخت بچھا کر، اور اس کو فرش مکلّف سے آراستہ کر کے اور وعظ سے پہلے کچھ اردو اشعار پڑھ کر، پھر وعظ اس تخت پر کھڑے ہو کر شروع کرتا ہے، ہیئت مجموعہ سے بالتخصیص موضع، یعنی بازار و تعیین یوم وعظ کہنا فرض عین ہے، اس کا تارک کافر اور نیز مسجد میں وعظ کہنا منع ہے۔

سوم: ارواح پیغمبران ومُرسلان واولیاء اللہ کا سیر کرنا ممکن ہے، اور ان سے فیض واستمداد لینا، عند الشرع ممنوع وامر ناجائز ہے، اس کی اصل شرع میں نہیں پائی جاتی۔

چہارم: مراقبہ ومکاشفہ وبیعت کرنا بدعت ہے، اس کا مرتکب بدعتی ہے۔

پنجم: اجماع امت کا فقط صحابہ تک رہا، بعد ازاں نہیں۔

ششم: مولانا جامی ونظامی ومولانا روم وغیرہ کا کلام ایسا ہے کہ کفر کو پہنچتا ہے، گویا وہ اس کے نزدیک کافر ہیں۔

ھفتم: اہل عرب کل مردود وبدعتی ہیں، ان کے اقوال اور فتاویٰ ہمارے لئے حجت اور سند نہیں ہوسکتے۔ جس شخص کے ایسے عقائد ہیں وہ اہل سنت والجماعت ہے کہ نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں؟ اگر اس کو واعظ ہونے کا دعویٰ ہے، اس کا وعظ سننا اور اس سے مجانست وموانست کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ **بینوا توجروا. ان الله لایضیع أجر المحسنین.**

(مجموعۂ کلاں ص ۲۳-۲۴)

جواب: مولود کی مجلس زمانہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں اور ائمہ مجتہدین کے دور میں، کبھی نہیں ہوئی، اس کا ایجاد تین چار سو سال سے ہوا ہے۔ اگرچہ نفس ذکرِ ولادت وبیان احوال جناب سرور عالم کا درست ہے، مگر یہ مجالس مروّجہ ہمارے زمانہ کی بدعت وگناہ ہیں، بوجوہ کثیرہ کے، کہ جس کے بیان میں طول ہے، مگر ایک وجہ لکھی جاتی ہے کہ، مولود اگرچہ جملہ مناہی ومخالف شرع سے خالی ہو، مگر چوں کہ عوام اس کو سنت مؤکدہ وموجب کمال ثواب ومہتم بالشان جان رہے ہیں، تو ایسی شے کا کرنا مکروہ ہووے گا۔ عالمگیریہ میں لکھا ہے:

مایفعل عقیب الصلوات مکروہ، لأن الجھال یعتقدونھا سنة أو واجبة. وکل مباح یؤدی إلیه فمکروہ، انتھی (۱)	جو کچھ کہ لوگ نماز کے بعد (مثلاً سجدہ) کرتے ہیں وہ مکروہ ہے، کیونکہ جاہل اس کو سنت اور واجب سمجھ لیتے ہیں، اور ہر وہ مباح چیز جس کو ضروری سمجھا جائے وہ مکروہ ہے۔

پس صاف معلوم ہوگیا کہ جس امر مباح کو عوام سنت جاننے لگیں، وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا مولود کی مجلس، اگرچہ اس میں کوئی خرابی نہ ہو، ناجائز ہے، چہ جائیکہ اس میں دیگر محرمات بھی موجود ہوں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے کہیں ایسی مجلس مولود کو جائز نہیں لکھا، نہ کسی دیگر معتبر نے۔ فقط۔

۲۔ اور وعظ سر بازار بھی درست ہے، اور مسجد میں بھی، جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں وعظ فرمایا ہے، احادیث اس سے پُر ہیں۔ غرض وعظ سب جگہ درست ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے، خواہ کہیں ہو۔

اور ارواح انبیاء اور اولیاء کا ہر جگہ سیر کرتے پھرنا، کہ اُن سے استعانت واستمداد لوگ کریں، بے شک خلاف شرع کے ہے، بلکہ خود قبر کے پاس بھی جائز نہیں۔ مجمع البحار میں لکھا ہے:

(۱) عالمگیری ص ۱۹۰ ج ۱۔ باب ومما یتصل بذالک مسائل سجدة الشکر بندر ہوگلی: ۱۲۵۸ھ) ب: عالمگیری ص ۱۳۶، ج ۱۔ الباب الثالث عشر مما یتصل بذلک مسائل سجدة الشکر (مکتبۂ ماجدیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ) [نور]

من قصد بزيارة قبور الأنبياء والصلحاء، أن يصلي عند قبورهم ويدعو عندها ويسئلهم الحوائج، وهذا لايجوز عند أحد من علماء المسلمين. فان العبادة وطلب الحوائج والاستعانة حق لله (تعالى) وحده. انتهى(۱)

جس شخص نے انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کا اس وجہ سے ارادہ (یا سفر) کیا کہ ان کی قبروں کے پاس نماز پڑھے گا اور وہاں دعائیں کرے گا، اور اپنی ضرورتوں کو طلب کرے گا، تو یہ علمائے اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز پڑھنا اور ضرورتوں کا مانگنا اور مدد چاہنا، یہ صرف حق تعالیٰ وحدہ لاشریک کا حق ہے۔

ہاں، البتہ اگر استمداد کے یہ معنی ہوں، کہ ان کی حرمت سے دعا حق تعالیٰ سے کرے، درست ہے اور مراقبہ ذکر اور فکر ہے، اور دل کو برے خطرات سے بچانا، قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر-۲) سو عبرت پکڑو اے آنکھ والوں (ترجمہ شیخ الہند)

پس اس کو کون ناجائز کہہ سکتا ہے؟ ہاں ایسے مراقبات کہ خلافِ شرع لوگوں نے ایجاد کئے ہیں، وہ البتہ منع ہیں، اور ایسا ہی بیعت سنت ہے، کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، بیعت ترکِ معاصی واتباع سنت پر کی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الحشر-۲) تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے، وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور بیعت میں توبہ کرنا گناہوں سے اور استقامت طریقہ سنت پر، اور طریقہ استقامت شریعت کا سیکھنا ہوتا ہے، اور رسول اسی واسطے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس کے سنت ہونے میں کیا کلام ہے؟ ہاں اگر شیخ خلافِ شرع ہو، یا شرائط پیری کی اس میں نہ ہوں، یا ایسے بیعت ہو کہ عوام جہال کرتے ہیں، کہ فقط بیعت ہونے کو موجب نجات جانتے ہیں، خواہ کچھ کرو، تو ایسی بیعت لاریب منع اور بدعت ہے۔

اور اجماع امت ہر روز مقبول ہے، مگر امت سے مراد امت مقبولہ ہے، کہ علماء واتقیاء ہوں اور حجت شرعیہ کے موافق اجماع ہو، اور خلاف نص کے اور اجماع سابق کے خلاف نہ ہو۔ جب شرائط اجماع موجود ہو جاویں گے، معتبر ہووے گا۔ اجماع ناقص رائے پر خلاف نص کے اور مخالف ائمہ ہدیٰ کے کچھ ٹھہراویں، مردود ہے اور غیر معتبر۔

اور مولانا جامی وغیرہ اولیاء سب مقبول ہیں، ان کے بعض کلام ایسے ہیں، کہ ظاہر میں موہم خلاف شرع کے ہوتے ہیں، مگر تأمل سے اہل علم جانتے ہیں کہ خلاف شرع کے نہیں، سو جس کو فہم ایسا نہ ہو وہ حسن ظن رکھے، بدگمان نہ ہو، وہ مقبول ہیں،

(۱) مجمع بحار الانوار، علامہ محمد طاہر پٹنی، مادہ "زور" ص: ۴۴۴، ج: ۲ (حیدرآباد: ۱۳۹۰ھ) [نور]

ان کو برا کہنا زبوں [برا] ہے، اور اہل عرب کا قول و فعل جو خلاف شرع کے ہو، وہ البتہ برا و بدعت ہے، اگر چہ علماء سے کیوں نہ ہو، مگر سب عرب کو برا اور بدعتی کہنا بہت زبوں ہے۔ عرب سے محبت کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کقولہ أحبوا العرب (۱)

پس اسی طرح یک لخت سب عرب کو بدعتی کہنا برا ہے، ہاں ان کے بدعتی برے ہیں اور عمل خلاف شرع مردود ہے، ان کے قول و فعل کی کچھ حجت نہیں۔ حجت دین میں قرآن اور حدیث اور فقہ کی ہے اور بس۔

الحاصل یہ جو لکھا گیا عقیدہ اہل سنت کا ہے، اس کے موافق جو کہے وہ متبع سنت ہے، اس سے ملنا اور وعظ سننا لازم ہے، اور جو اس کے خلاف کہے وہ قابل التفات کے نہیں، اور قلیل فرق کہ مآل دونوں کلام کا ایک ہی ہو جاوے، فرق نہیں ہوتا اور افراط و تفریط اچھی نہیں دین میں۔ میانہ روی موافق حدیث کے لازم ہے۔ واللہ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں، ص ۲۷-۲۵)

(۱۰۱) صلوٰۃ رغائب بدعت ہے:

السلام علیکم۔ خط آپ کا آیا بندہ کو آج تک اس کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا، آج سے شروع جواب کرتا ہوں۔

مسئلہ: صلوٰۃ رغائب کو امام نووی نے شرح مسلم میں بدعت لکھا ہے (۲) آج کل کے علماء کا اگر اعتبار نہیں تو پہلوں کے قول کا اعتبار کرو اور پھر یہ سنو کہ اگر غزالیؒ نے اس صلوٰۃ کو لکھا ہے (۳) مگر اس کا اہتمام کرنا اور ضروری جاننا بھی تو بدعت ہے۔ اسکے بدعت ہونے کا تو خلاف کسی کو نہیں۔ غزالی نے اہتمام رغائب کو نہیں لکھا ہے، اگر نفس صلوٰۃ کو لکھا

(۱) قال رسول اللہ ﷺ: أحبو العرب لثلاث لأنی عربی، والقرآن عربی، و کلام اھل الجنة عربی. رواہ البیھقی فی شعب الایمان، عن ابن عباس، ۲۴۲/۴، رقم الحدیث: ۱۴۹۶ [نیز دیکھئے مشکوۃ الفصل الثالث ص: ۵۵۳، ج: ۲ باب مناقب قریش، [اصح المطابع رشیدیہ، دھلی: ۱۹۵۵ء] نیز دیکھئے: مشکوۃ ج: ۵ ص: ۲۳۲۲ رقم الحدیث: ۶۰۰۲. ت رمضان بن احمدبن علی آل عوف [مکتبة التوبہ ریاض: ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء]

واخرجه الحاکم فی المستدرک (۸۷/۴) [دار المعرفة بیروت] وقال تابعه محمدبن الفضل عن ابی جریح، وصححه ولم یوافقه الذھبی. و شاھد آخرفی حدیث ابی ھریرة أخرجه الطبرانی فی الأوسط، فالحدیث ضعیف لاصحیح ولاموضوع– تنزیه الشریعة لابن عراق (۳۰/۲-۳۱) [دار الکتب العلمیة بیروت: ۱۴۰۱ھ] [نور]

(۲) اس کے بعد اصل ماخذ میں یہ فقرہ بھی درج ہے "کہ غزالی سے بھی مقدم ہے" جو کہ سہو ناسخ بھی ہو سکتا ہے، صحیح نہیں۔ اس لئے اس کو اوپر متن میں درج نہیں کیا۔ کیونکہ حجۃ الاسلام امام غزالی، (محمد بن محمد) کی ولادت ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں اور وفات ۵۰۵ھ (۱۱۱۱ء) میں ہوئی ہے۔ اور محدث جلیل، شارح صحیح مسلم، امام نووی، یحیٰی بن شرف کی ولادت ۶۳۱ھ (۱۲۳۳ء) میں اور وفات ۶۷۶ھ (۱۲۷۷ء) میں ہوئی۔ یعنی علامہ نووی کی ولادت امام غزالی کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی، امام غزالی اور علامہ نووی کی وفات میں تقریباً پونے دوسو (۱۷۱) سال کا فاصلہ ہے۔ ملاحظہ ہو: الف: وفیات الاعیان ابن خلکان تذکرہ امام غزالی ص ۳۳۵-۳۳۶ ج ۲ (دار احیاء التراث العربی، بیروت: ۱۴۱۷ھ) ب: الاعلام للزرکلی ص ۲۲-۲۳ ج ۷۔ (بیروت ۱۹۷۹ء) [نور]

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

ہے تو اہتمام بہر حال بدعت رہا اور جماعت کرنا، اس کا مکروہ تحریمی، سب کتب فقہ میں لکھا ہے۔ فقط

(فرخ آباد ص ۱۷-۱۸)

(۱۰۲) بدعات کا مرتکب گنہگار ہے: **سوال:** مسائل مختلفہ، مثل فاتحہ مروجہ و مولود شریف مروجہ وغیرہ کا عمل کرنے والا شخص، بباعث اختلاف گنہگار اور بدعتی ہوگا، یا نہیں؟

جواب: گنہگار ہوگا کہ مرتکب بدعات ہے۔ فقط (بدست خاص ص ۳۹)

(۱۰۳) مرتکب کبیرہ اور بدعات میں ملوث شخص کی، دینی غلطی کا ذکر غیبت ہے، یا نہیں؟ **مسئلہ:** جو شخص گناہ کبیرہ اور بدعات کرتا ہو، اس کی غیبت اور برائی بغرض اطلاع عوام، کہ اس کی صحبت سے احتراز کریں، درست ہے، بلکہ ضروری اور موجب اجر ہے۔ بدعتی کی غیبت غیبت نہیں ہوتی۔ فقط رشید احمد گنگوہی

الف: (مجموعہ کلاں ص ۸۵) ب: (چندیانوی ص ۷۶)

(۱۰۴) بابا فرید گنج شکر کے متعلق، چند مبالغہ آمیز اشعار کا حکم؟

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین: دربارہ شخصے محمد حسین نامی، از اولاد حضرت بابا فرید الدین چشتی پاک پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کہ خلاف عقائد اہل اسلام قائل تناسخ شدہ است، والزام دروغ گوئی خویش، بنام گرامی بابا فرید الدین گنج شکر صاحب منسوب ساختہ۔

......بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا......

نماز رغائب کو اور بھی متعدد بڑے علماء اور محدثین نے بدعت کہا ہے۔ علامہ ابن فرحون مالکی (وفات ۷۶۹ھ) فرماتے ہیں: "وقد نص العلماء على انها من البدع" تاريخ المدينة المنورة المسمى نصيحة المشاور وتعزية المجاور، مرتبہ حسین محمد علی شکری۔ ص ۲۵ (المدينة المنورة: ۱۴۱۷ھ)

رد المحتار (شامی) میں ہے: قال في البحر ومن هنا يعلم كراهية الاجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب۔ ص ۴۶۱ ج ۱۔ شامی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۷ھ) نیز ردالمحتار على الدرالمختار ج: ۲ ص: ۲۶ [دار الفكر بيروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء] [نور]

(۳) قال الغزالي في الاحياء: أما صلاة رجب فقد روى باسناد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من احد يصوم أول خميس من رجب ثم يصلي فيما بين العشا والعتمة الخ (إحياء علوم الدين ص: ۱۱۲ ج ۱ مطبع نولکشور ۱۲۹۰ھ)

وتعقبه المرتضى الزبيدي فقال في اتحاف السادة: قال ابن الجوزي موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقد اتهموا به ابن جهضم ونسبوه الى الكذب، وسمعت شيخنا عبد الوهاب الحافظ يقول: رجاله مجهولون، وقد نبشت جميع الكتب فماوجدتهم انتهى.

وقال [ ] ولقد ابدع من وضعها وقال وانما حدثت بعد اربعمأة اتحاف السادة ۳/۴۲۳-۴۲۴ [مطبوعه دار احياء التراث العربي. عكس مطبع ميمنية مصر، مطبوعه ۱۳۱۱ھ]. [نور]

علامہ ابن عراق نے اس حدیث کے موضوع ہونے پر تنزیہ الشریعہ کی پہلی فصل میں مفصل بحث کی ہے، اس کتاب کی پہلی فصل میں وہی احادیث درج ہیں، جو بالاتفاق موضوع ہیں (تنزية الشريعه المرفوعه لابى الحسن ابن عراق الكنانى كتاب الصلاة فصل اول. ص ۹۰ ج ۲) (دار الكتب العلمية بيروت، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء)

[نور]

در رسالہ سیف فریدی، مطبوعہ مطبع دبیر ہند واقع شہر امرتسر، پنجاب، بالائے صفحہ شصت ویک، ایں ابیات کہ دال بردعویٰ باطلہ تناسخ وے اند، برائے معائنہ ومشاہدہ علماء وفضلاء نقل ابیات وے رقم می شود، تا کہ عقائد باطلہ وے معلوم گردد۔ نقل ابیات از سیف فریدی:

ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرح متین محمد حسین نام کے ایک شخص کے بارے میں؟ حضرت بابا فریدالدین چشتی پاک پٹنی کی اولاد میں ہے، یہ شخص اہل اسلام کے عقیدہ کے خلاف تناسخ کا قائل ہوا ہے اوراپنی اس جھوٹی بات کو، بابا فریدالدین گنج شکر سے منسوب کرتا ہے۔

رسالہ سیف فریدی (جو مطبع دبیر ہند امرتسر کی چھپی ہوئی ہے) کے ص:۶۱ پر یہ شعر جو اس کے تناسخ کے جھوٹے دعوے کا ثبوت ہیں، علماء فضلا کے نقل اور مشاہدہ کے لئے لکھے جاتے ہیں، تا کہ اس کے باطل عقیدہ کو معلوم کرلیں۔[ت:نور]

نقل اشعار از سیف فریدی:

کروں پہلے تعریف رسول — لکھوں حال پیر اپنے کا ہو قبول
یہ تھا حکم بابا فرید زماں — سہ کرر لکھا دیکھا میں نے عیاں
کہ ہو تین باری جہاں میں ظہور — میرا چار سو بسکہ نزدیک و دور
زمانہ یہ اول تو موجود ہے — کہ ظاہر میرا نام مسعود ہے
زمانہ دگر میں ہوں، ثانی فرید — باہم ابراہیم ہوں میں پدید
زمانہ ثالث میں جب پھر آؤنگا — محمد حسین نام دھراؤں گا
اسی کے میں کسوقت میں ہونگا پدید — سمجھنا مجھے گویا ثالث فرید
کہ آخر زمانہ کا ہے یہ ظہور — ہے اسرار ثالث فریدی کا نور
زمانہ وہ ثالث کا اب آگیا — یہ ارشاد بابا کا پورا ہوا

پس بینوا توجروا! از جواب ایں مسئلہ تناسخ کہ بابا فرید صاحب، بحسب تحریر محمد حسین پاک پٹنی، بعد از وفات دو مرتبہ اندریں جہان فانی، بذریعہ والدین دیگر تولید یافتہ اند، مرتبہ اول پیدا شدند، بنام شیخ ابراہیم کہ سجادہ نشین پاک پٹنی بود، موسوم گردیدند۔ ومرتبہ دوئم بعد شش صد سال، درخانہ تاج محمود چشتی پاک پٹنی، ظہور تولید یافتند ومحمد حسین نام نہادند۔

وایں محمد حسین، مانند مرزا غلام احمد قادیانی، درکتاب اسرار عترت فریدی خویش، بکذب نویسی از قادیانی سبقت بردہ است۔ ایں سائل را مسرور وممتاز فرمایند، وجوابش بروایات کتب معتبرہ تحریر نمایند۔

ترجمہ: پس بیان کیجئے اور اجر پائیے کہ تناسخ کے اس مسئلہ کے جواب میں، کہ حسب تحریر محمد حسین پچتی، بابا فرید اپنی وفات کے بعد، اس جہان فانی میں، دوسرے والدین کے ذریعہ دو مرتبہ اور پیدا ہوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ شیخ ابراہیم پاک پٹن کے سجادہ نشین کے نام سے، دوسری مرتبہ چھے سو سال کے بعد، تاج محمود چشتی کے گھرانہ میں، ظہور ولادت ہوا، اور محمود حسین نام رکھا گیا۔

اور یہ محمد حسین مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح، کتاب اسرار عترت فریدی میں جھوٹ لکھنے میں، قادیانی سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اس سوال کے جواب سے سائل کو مسرور فرمائیں، جواب کتب معتبرہ کی روایتوں سے تحریر فرمائیں۔

بندہ سائل سید حسن شاہ بخاری النقوی، ساکن موضع پانہ مہار، ڈاک خانہ بصیر پور، تحصیل دیال پور، ضلع منٹگمری

معروضہ ۲۹ رماہ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ

جــواب: تعدد تولد کہ مبنی بر تناسخ است نزد اہل سنت والجماعت باطل است، و نسبت آں بحضرت شیخ (یعنی بابا فرید گنج پاک پٹنی علیہ الرحمہ) محض افترا است، و مدعی ایں نسبت و ایں مذہب محض جاہل است، تصدیق دعواش ناروا است، و اقوالش محض خطا۔ از آنجا کہ مسئلہ تناسخ در جملہ کتب کلام مزین است، و کذب ایں بیان باشارات آیات و احادیث مُبیّن، و بندہ بوجہ معذوری چشماں، از نقل روایات مجبور، لہٰذا بر نفس مسئلہ اکتفا کردہ شد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

ترجمہ: (ایک ہی شخص یا روح کے) کئی مرتبہ پیدا ہونے کا خیال تناسخ کے نظریہ پر مبنی ہے، جو اہل سنت والجماعت کے نزدیک باطل (اور قطعاً بے حقیقت) ہے، اس کا حضرت شیخ بابا فرید گنج شکر) سے انتساب صرف افتراء ہے۔ بابا فرید کی نسبت اس بات کو صحیح جاننے اور اس نظریہ کو صحیح ماننے والا بے عقل ہے، اس کے دعویٰ کو سچ سمجھنا غلط ہے، اس کی باتیں فضول ہیں۔ اس لئے کہ تناسخ کا مسئلہ عقائد و کلام کی سب کتابوں میں موجود ہے، اور اس کا جھوٹ ہونا آیات و احادیث اور دلائل سے صاف ظاہر ہے۔ بندہ آنکھوں سے معذوری کی وجہ سے روایات فقہیہ نقل کرنے سے مجبور ہے، اس لئے ضروری مسئلہ لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ [ت۔نور]

[مندرجہ فتاویٰ نذیریہ: مولانا سید نذیر حسین محدث ص ۹۔۱۰، ضمیمہ، جلد اول (طبع اول: دہلی شوال ۱۳۳۳ھ]

(۱۰۵) جو شخص تقویۃ الایمان کو برا کہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ مسئلہ: جو کوئی کتاب تقویۃ الایمان کو برا جانتا ہے، اس کے ایمان میں شک ہے، کہ اس میں آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کے سوا کچھ نہیں، اور جملہ مسائل اس کے نہایت صحیح اور درست ہیں، اس پر عمل کرنا عین ایمان ہے، اس کے خلاف شرک و فسق ہے۔

فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص: ۳۵)

باب دوم

کتاب الطہارت

پانی کے مسائل

(۱۰۶) پانی کی کتنی مقدار پاک یا ناپاک ہے؟ سوال: برسات میں جو پانی چھپ چھپا سا ہو جاتا ہے، مثلاً قریب چھ سات گز کے پانی، ایک پتھریلی زمین میں بھر گیا، حالانکہ اس میں گو برو غیرہ بھی خورد، ریزہ ریزہ پڑا ہوا ہے، وہ پانی پاک ہے، یا ناپاک؟

جواب: اگر پانی کثیر ہے قدر دس دس ہاتھ کے لمبا چوڑا، چار انگشت گہرا، تو پاک ہوگا، جیسا حوض کا پانی۔ جب تک رنگ، بو، مزہ گوبر کا اس میں اثر نہ آوے۔

(رشید احمد عفی عنہ)

(بدست خاص، سوال ۲۳)

(۱۰۷) کس تالاب کا کس قدر پانی پاک ہوتا ہے؟ سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے، کہ جو تالاب بستی کے آس پاس ہوا کرتے ہیں، کہ جن میں برسات کے موسم میں پانی بھر جاتا ہے اور بعد برسات خشک ہو جاتے ہیں، اور پھر لوگ ان میں پاخانہ پیشاب کیا کرتے ہیں، تو ایسے تالاب کا یہ حکم ہے کہ ان میں پانی خواہ کتنا ہی ہو جائے [مگر] جب تک وہ پانی بہہ کر نکل نہ جائے، تب تک وہ تالاب ناپاک رہتا ہے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے، یا غلط؟

جواب: اگر چہ مسئلہ صحیح ہے، مگر فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پانی بہت ہو تو پاک ہے۔ واللہ اعلم۔ (بدست خاص ص ۱۰)

(۱۰۸) اگر کتا کنویں میں پیشاب کر دے تو؟ مسئلہ: اگر چاہ میں سگ [کتے] نے پیشاب کر دیا، نجس ہو گیا، سب پانی نکال دیویں پاک ہو جاوے گا۔

(مجموعہ کلاں ص ۳۲۹)

(۱۰۹) اگر کنویں میں کوئی جاندار گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سوال: اگر کنویں میں کوئی چوہا گر گیا یا اور کوئی ناپاک چیز جاندار، مثلاً گیدڑ اور زندہ نکلا، تو کتنے ڈول نکالیں، یا آدمی ہی گر کر زندہ نکلا؟

جواب: گیدڑ وغیرہ جو ناپاک نہیں، جیسے چوہا، تو کچھ نکالنا نہیں آتا، زندہ نکلے تو کچھ پانی نہ نکالے۔ احتیاطاً دس بیس ڈول نکال دیوے۔

[ضروری وضاحت: یہ جواب ناقص ہے، اصل تحریر کا کونا جھڑ گیا ہے، تاہم جو موجود تھا یہاں لکھدیا۔ نور]

(بدست خاص سوال ۱۵۳)

(۱۱۰) اگر کنویں میں سے سڑا ہوا سانپ نکلے، تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر چاہ [کنویں] میں سے سانپ سڑا گلا ہوا نکلے، تو کچھ ڈول نکالے جاویں گے، یا نہیں؟

جواب: ناپاکی کے سبب پانی نکالنا ضروری نہیں، (۱) مگر زہر کی وجہ سے چاہئے (کہ) نکال دے۔ واللہ اعلم۔

(بدست خاص، ص:۱۰)

(۱۱۱) کنویں کے پانی کے مسائل میں وسعت ضروری ہے:

سوال: حامداً و مصلیاً و مسلماً! کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ جب کوئی جانور مثل گلہری وغیرہ کے، کنویں سے پھٹا پھولا برآمد ہو، اندریں صورت سارا پانی کنویں کا نکالا جاوے، یا فقط دوسو تین سوڈول پر کفایت کی جاوے، جیسا کہ بعض رسائل میں مسطور ہے۔ باوجود مالدار اور ذی استعداد ہونے اہل محلہ کے، اور بوقت متعذر ہونے اخراج سارے پانی کے، سب پانی کیونکر نکالا جاوے؟ اور اگر باوصف علم ضعف روایت ہذا یا ماؤل ہونے، روایت مسطور کے تین سوڈول نکال کر، اسی کنویں کے پانی سے باوصف ہونے پانی موجودہ کنویں کی، چار پانچ ہزار ڈول، اسی سے وضو کرتے رہے، نمازیں پڑھتے رہے، وہ نمازیں واجب الاعادہ ہونگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب هو الموفق للصواب: بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على حبيبه سيد المرسلين و على آله و صحبه أجمعين. اللّهم رب زدني علماً! کوئی نجاست کنویں میں گر جائے، بقول راجح سارا پانی نکالا جائے گا، نہ کہ دوسو تین سوڈول، کما فی الهداية:

وإذا وقعت في البئر نجاسة نزحت، و كان نزح ما فيها من الماء طهارةً لها بإجماع السلف. و مسائل البئر مبنيةٌ على إتباع الآثار دون القياس. (۲)

---

(۱) سانپ میں دم مسفوح نہیں ہوتا۔ شامی میں ہے: قوله جلدحية صغيرة أي لها دم وأما مالادم لها فهي طاهرة لماتقدم أنها لو وقعت في الماء لاتفسده (شامی: ج ۱ ص: ۱۳۶ باب المياه/مطلب في احكام الدباغة [مطبع مجتبائی: دهلی] ج: ۱ ص: ۱۳۹؛ (عكس دار الكتب العربية مصر: ۱۳۱۳ھ مكتبه ماجديه. كوئته: ۱۳۹۹ھ)؛ شامی ج: ۱ ص: ۲۰۳، [دار الفكر بيروت: ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء] [پالن پوری]

(۲) هداية، ص: ۲۲، ج: ۱ فصل في البئر (مصطفائی کانپور: ۱۲۸۹ھ)

ترجمہ: اور جب کنویں میں ناپاک چیز گر جائے، تو اس کا پانی نکالا جائے گا اور باجماع سلف یہ پانی کا نکالا جانا، اس کنویں کے لئے مطہر و پاک کرنے والا ہوگا۔

علی ھذا! جب کوئی جانور چھوٹا یا بڑا، کنویں سے پھٹا یا پھولا برآمد ہو، سارا پانی نکالنا چاہئے، جیسے بوقت مرجانے بڑے جانور مثل بکری وغیرہ کے سارا پانی نکالا جاتا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

و إن ماتت فيها شاة أو آدمي أو كلب نزح جميع مافيها من الماء، لأن ابن عباس و ابن الزبير أفتيا بنزح الماء كله حين مات زنجي في بئر زمزم. فإن انتفخ الحيوان فيها أوتفسخ نزح جميع مافيها صغر الحيوان أو كبر. انتهى.(۱)

ترجمہ: اور اگر کنویں میں بکری یا آدمی مرجائے یا کتا گر کر مرجائے، اس کا تمام پانی نکالا جائے گا۔ کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ نے تمام پانی نکالنے کا فتویٰ دیا تھا، جب ایک حبشی زمزم کے کنویں میں گر کر مر گیا تھا۔ اگر اس میں جانور پھول گیا یا پھٹ گیا (اس وقت بھی) تمام پانی نکالا جائے گا، جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

اور اگر بوجہ کثرت پانی کے بالکل صاف کرنا متعذر ہو، دو عادل آدمیوں کے اندازہ کے موافق، جن کو معاملۂ پانی میں بصارت ہو، پانی موجودہ نکلوایا جاوے۔ پینداجھاڑ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ کما في در المختار:

و إن تعذرنزح كلها لكونها معينًا، فبقدر ما فيهاوقت ابتداء النزح، قاله الحلبي. يوخذ ذالك بقول رجلين عدلين، لهما بصارة بالماء، به يفتى.(۲)

وقال الشامي شارحه: هو الأصح كافي و درر وهو الصحيح و عليه الفتوىٰ ابن كمال، وهو المختار معراج، و هو الأشبه بالفقه هداية، أي الأشبه بالمعنى المستنبط من الكتاب و السنة. (۳)

اس کے شارح علامہ شامی نقل کرتے ہیں کہ کافی اور دُرَر میں اس کو اصح قرار دیا ہے اور ابن کمال نے اس کو ہوالاصح اور علیہ الفتویٰ سے ذکر کیا ہے اور معراج میں ہوالمختار کے لفظ سے اور ہدایہ میں ہوالاشبہ بالفقہ کے الفاظ سے اسکو ذکر کیا ہے۔

---

(۱) ہدایۃ ص: ۲۷ ج: ۱، فصل في البئر [مصطفائی کانپور: ۱۲۸۹ھ]

(۲) در مختار، ص: ۳۹، ج: ۱، فصل في البئر. [عکس مجتبائی، دیوبند: ۱۳۳۲ھ]

(۳) شامی ص: ۱۴۳ ج: ۱، فصل في البئر (مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۷ھ) شامی ص ۲۱۴ ج ۱ (دار الفکر، بیروت: ۱۳۹۹ھ) [نور]

اور چونکہ یہ قول کتاب وسنت یعنی قرآن اور حدیث کے موافق ہے، اور روایت دوسوڈول کی، اس کے مقابلے میں غیر معتبر ہے، یا ماٰ ول اور مقید آ بار بغداد، لہٰذا صاحب الہدایہ نے صراحت کردی فقال: فکأنہ بنی قولہ علی ما شاھد فی آبار بغداد.

اور صاحب درمختار نے روایت دوسوتین سوڈول کو، بعد بیان روایت مذکور کے بہ لفظ قیل جو ضعف روایت کی طرف اشارہ ہے، نقل کیا [ہے] حیث قال وقیل یفتی بمائتین الی ثلثمائۃ اور پھر شامی نے شرح لفظ قیل میں خوب ہی تردید اور تضعیف، روایت مذکورہ دوسوڈول کے بعد، بیان اقوال مختارین روایت ہذا کی ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے:

قولہ قیل جزم بہ فی الکنز و الملتقی، وھو مروی عن محمد، و علیہ الفتویٰ(۱)

ترجمہ: مصنف کا قول، قیل اسی پر کنز اور ملتقی میں جزم ہے اور یہی امام محمد سے مروی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

یہ جو درمختار میں ہے کہ بعض کا فتویٰ دوسوڈول کی روایت پر ہے، ایسا ہی کنز میں ہے اور ملتقی الابحر میں اور یہ قول امام محمد کا ہے اور صاحب خلاصہ لکھتے ہیں کہ اس پر فتویٰ ہے اور ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے بموافقت نصاب اور بموافقت عتابیہ:

و تاتارخانیۃ عن النصاب و ھو المختار معراج عن العتابیۃ و جعلہ فی العنایۃ روایۃً عن الإمام. (۲)

اور اسی تاتارخانیہ نصاب سے نقل کیا گیا ہے اور صاحب معراج نے عتابیہ سے مختار قرار دیا ہے اور اس کو عنایہ میں امام کی روایت کے طور پر نقل کیا ہے۔

صاحب معراج اس قول کو: مختار عن الامام و ھو المختار والأیسر کما فی الاختیار و أفاد فی النھر أن المائتین و اجبتان لکھتے ہیں اور عنایہ میں اس روایت کو امام صاحب کی طرف منسوب کرکے مختار لکھتا ہے اور موجب آسانی۔ بحوالہ کتاب الاختیار شامی اور نہر الفائق میں ہے کہ:

والمائۃ الثالثۃ مندوبۃ، فقد اختلف التصحیح و الفتویٰ و ضعف ھذا القول فی الحلیۃ وتبعہ فی البحر: بأنہ إذا کان الحکم الشرعی نزح الجمیع فالاقتصار علی عددٍ مخصوصٍ یتوقف علی دلیل سمعیٍ یفیدہ، و أین ذالک! بل المأثورۃ عن ابن عباس

(۱) شامی، بحوالہ بالا۔ [نور]

(۲) شامی ص ۲۱۵ ج ۱ (دارالفکر، بیروت: ۱۳۹۹ھ) نیز ملاحظہ ہو: البحر الرائق ص ۱۱۹، ج ۱ [نور]

وابن الزبیر خلافه حین أفتیا بنزح الماء کله حین مات زنجی فی بیر زمزم، و أسانید ذالک الأثر مع دفع ما أورد علیها مبسوطةٌ فی البحر وغیره(۱)

دوسوڈول نکالنا واجب ہے اور تین سوڈول مستحب۔ صاحب شامی فرماتے ہیں کہ مفتیٰ بہ ہوئی بروایت دوسوڈول، اور کل پانی میں ان کتابوں سے معلوم ہوا کہ اختلاف ہے، مگر دوسوڈول کی روایت کو صاحب حلیہ اور بحرالرائق نے اس دلیل کے ساتھ ضعیف لکھا ہے، کہ جب احادیث صحیحہ سے سب پانی نکالنا ثابت ہے، پھر دوسوڈول پر کفایت نہیں کرسکتے۔ جب تک کہ کسی حدیث قوی سے اس کا ثبوت نہ ہوجائے اور حدیث کیا کسی دلیل شرعی سے، اس روایت کا ثبوت نہیں، بلکہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ وعبداللہ ابن زبیرؓ سے، اس کے برخلاف ثابت ہے، کہ دونوں صحابہؓ نے سارے پانی نکالنے کا حکم دیا تھا، جب ایک حبشی چاہ زمزم میں مرگیا تھا۔

اور اس حدیث کی سند مع جواب ان اعتراضوں کے، جو بعض حضرات نے کئے ہیں، مفصل بحرالرائق وغیرہ میں لکھے ہیں:

قال فی البحر و کان المشائخ إنما اختاروا ما عن محمد، لانضباطه کالعشر تیسیرًا کما مر، قلت لکن مر أن مسائل الآبار مبنية علی اتباع الآثار، علی أنهم قالوا إن محمداً أفتی فیما شاهد فی آبار بغداد فإنها کثیرة الماء، و کذا ماروی عن الإمام من نزح مائةٍ فی مثل آبار الکوفة لقلة مائها، فیرجع إلی القول الأول، لأنه تقدیر ممن له بصارة و خبرة بالماء فی تلک النواحی، لا لکون ذالک لازماً فی آبار کل جهة. واللہ اعلم(۲)

ترجمہ: بحر میں ہے کہ بعض مشائخ امام محمد کی روایت کو بطریق اندازہ کے اس طرح قبول کرتے ہیں، جیسے دہ دردہ کے اندازہ کو حوض میں بغرض آسانی (شامی لکھتے ہیں) مگر میں کہتا ہوں کہ پہلے بھی گزر چکا ہے اور آئندہ آوے گا، کہ کنویں کے مسائل مبنی احادیث پر ہیں، علاوہ بریں وہی مشائخ فرماتے ہیں کہ امام محمد کا فتویٰ بغداد کے کنوؤں کے پانی کے اندازہ کے موافق تھا، کہ ان میں چشمہ دار پانی بہت تھا، گو موجود کم ہو۔ اور اسی طرح امام صاحب کا فتویٰ کوفہ میں سوڈول کا، وہاں کے اندازہ کے موافق، بوجہ کم ہونے پانی کے، پس دونوں قول کا مآل اسی اول قول کی طرف ہوگیا، کہ کل پانی موجود ان آدمیوں کے اندازہ سے نکلوادیا جائے، جو اس شہر کے پانی کے اندازہ سے واقف ہوں۔ نہ یہ کہ ایک شہر (کنویں) کے اندازہ کے موافق سب شہروں کے کنوؤں میں یکساں فتویٰ لازم ہوجاوے۔

(۱) الف: شامی ص: ۱۴۳، ج: ۱ (مجتبائی دہلی: ۱۳۲۸ھ) نیز النہر الفائق ص:...... نیز البحر الرائق ص: ۱۱۷، ج: ۱۔ ب: شامی ص: ۲۱۵، ج: ۱ (دار الفکر، بیروت: ۱۳۹۹ھ) [نور]

(۲) البحر الرائق ص: ۱۲۹، ج: ۱۔ نیز شامی ص: ۱۴۳، ج: ۱، فصل فی البئر (مجتبائی دہلی) شامی ج: ۱/ص: ۲۱۵ [دار الفکر بیروت] [نور]

اور جب بصورت عدم تاویل وتقیید مرجوح ہونا روایت ہذا کا باحسن وجہ معلوم ہوگیا، پھر فتویٰ دینا روایت مرجوح پر باوجود موجود ہونے قول قوی مدلل کے جہالت ہے اور خرق اجماع۔

كما في مقدمة الدر المختار: وان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهلٌ وخرق للإجماع.(۱)

ترجمہ: جیسا کہ درمختار میں ہے کہ حکم اور فتویٰ قول مرجوح پر، جہالت اور اجماع کے خلاف ہے۔

قال الشامي في شرحه: قوله، بالقول المرجوح كقول محمد مع وجود قول ابي يوسف، إذا لم يصح ويقو وجهه (۲)

علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے، کہ قول مرجوح کی بات، جیسے امام محمد کا قول امام ابو یوسف کا قول ہوتے ہوئے، جب کہ قول اول صحیح نہ ہو اور اس کی تقویت کی کوئی وجہ ہو۔

اور جب مقید یا غیر معتبر ہونا روایت دوسوتین سوڈول کا بخوبی معلوم، پھر جن لوگوں نے باوصف علم، عدم اعتبار روایت مذکور، اس پانی سے غسل اور وضو کر کے نماز پڑھی گنہگار رہوئے اور وہ سب نمازیں واجب الاعادہ ہوئیں، بوجہ علم نجاست، اب بوجہ عدم اعتبار روایت دوصد ڈلو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ العبد الضعیف محمد دیدار علی رضوی حنفی

صح الجواب	المجیب مصیب	جواب بہت صحیح بلکہ اصح ہے	جواب صحیح ہے
(محمد کرامت اللہ خان)	(محمد عبد الرحیم مفتی راج الور)	(ابو محمد عبد الرحمٰن پنجابی ثم الالوری)	(محمد دلاور علی حنفی)

واضح ہو کہ مولانا کرامت اللہ صاحب نے جو فی زمانہ آفتاب دہلی ہیں، اور مقتدا اور استاد بڑے بڑے عالموں کے، جو مدرسہ حسین بخش پنجابی واقع دہلی کے واعظ ہیں۔ اس فتویٰ کی تائید میں معہ مہر مولوی جمیل صاحب، چونکہ بہت بڑا فتویٰ مرتب فرما کر بھیجا تھا، لہٰذا بغرض اختصار کے کہ رسالہ بہت دراز نہ ہو جائے، ان کے دستخط پر فقط کفایت کی گئی، فتویٰ میرے پاس موجود ہے۔ یہ عبارت طویلہ اور جواب سب صحیح ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ تفسخ حیوان سے جب کل پانی نجس ہو جائے، تو بصارت اہل بصیرت پر اعتماد کیا جائے، کہ پانی جدید کنویں میں ظاہر ہو جائے، یا تخمینہ کر کے اس قدر پانی نکال دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

عبد الرحمٰن پانی پتی عفی عنہ

بقلم عبد السلام انصاری عفی عنہ تحریر ۱۷ ذوالحجہ ۱۳۱۳ھ

یہ دستخط مولانا عبد الرحمٰن صاحب قاری محدث پانی پت کے ہیں، جو شاگرد رشید ہیں مولانا شاہ محمد اسحاق کے، بوجہ کبرسنی اور ضعف کے دستخط اور مہر مولانا کے صاحبزادۂ کلاں عبد السلام صاحب سے لکھوائے ہیں۔

---

(۱) در مختار، مقدمة المصنف ج: ۱/ص: ۵۱ [عکس مجتبائی] [نور]

(۲) شامی، ص: ۵۱ ج: ۱ مطلب لا يجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا (مجتبائی دهلی ۱۲۸۷ھ) نیز شامی، ج: ۱ ص: ۷۵–۷۴ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء] [نور]

یہ فتویٰ جب بخدمت مولانا رشید احمد گنگوہی ہمراہ عریضہ اول بھیجا گیا، فتویٰ بلا مہر واپس فرمایا۔ لہٰذا نقل بعینہ اس مکتوب مولانا کے جو متعلق اس فتویٰ کے ہے، نقل کی جاتی ہے، اور بعدہٗ جو جواب استفتاء مرسلہ پر، ہمراہ عریضہ مذکورہ تحریر فرمایا ہے، معہ مضمون استفتا تحریر ہوتا ہے:

تحقیق از حضرت مولانا گنگوہی: از بندہ رشید احمد بعد سلام مسنون! آں کہ آپ کا مکرمت نامہ پہنچا۔ باب تطہیر چاہ آب میں وسعت بہت مناسب ہے، بلکہ ضروری ہے، ورنہ بہت حرج ہو جاتا ہے۔ چونکہ بہت علماء کا فتویٰ اس پر بھی ہو چکا ہے اور تمام پانی کے نکالنے میں دقت اور دشواری ظاہر ہے، اگر بعض جگہ سہل ہو، اور احکام شرع عموم پر ہوتے ہیں، تو سہولت کی روایت پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا بہتر ہے، اور ہمارے دیار کے چاہ کثیر الماء ہیں، گمان کرتا ہوں کہ الور کے کوئیں بھی ایسے ہی ہوں۔ تو فتویٰ امام محمد کا ایسے ہی چاہ میں دوصد دلو کا ہے، چنانچہ آپ خود شامی سے آخر عبارت نقل فرماتے ہیں اور قلیل الماء چاہ عرب اور پہاڑ کے ہوتے ہیں، بعض چاہ دہلی میں بھی بندہ نے ایسے دیکھے کہ پانی ان کا موجود، قدر دو تین سو ڈول کا ہوتا ہے، سوا اس میں تمام آب نکالنا دشوار نہیں ہوتا۔ بندے نے مدرسہ دار البقاء دہلی کے چاہ کو بھی دیکھا اور تجربہ کیا کہ وہ ناپاک ہوا، تو اسی قدر دلو نکالے، پھر اس قدر پانی اس میں رہا کہ ڈول اس میں نہیں ڈوبا، بعد دو تین پہر کے اس میں پانی پھر جمع ہوا اور دوسرے روز پانی مثل سابق ہو گیا۔ تو شامی یہ توفیق کرتا ہے کہ تمام آب کے نکالنے اور دوصد دلو میں توفیق حاصل ہے۔ پس آپ بھی دوصد دلو پر فتویٰ اگر دیں، اپنے ممالک میں، تو قطع نظر سہولت کے مدعیٰ حاصل ہے، اور پھر امام صاحب کوئی تحدید نہیں فرماتے، رائے مبتلیٰ بھم پر چھوڑتے ہیں، اگر کسی کو یہ ظن ہو جائے کہ دوسو ڈول سے کم ہی میں، سب پانی موجود نکل گیا ہے، تو اس کے نزدیک چاہ پاک ہو گیا۔

الحاصل پانی کے باب میں وسعت ضروری ہے اور چاہ کے مسائل میں، اس قدر تنگی صعوبت سے خالی نہیں، اس واسطے صاحبین کے مذہب پر فتویٰ دیتے ہیں، اسقدر شبانہ روز کی نجاست میں تمام فرش وظروف مسجد ومحلہ ناپاک ہوتے ہیں، اور ثوب اور جس شئے کو رطوبت لگے اور یہ خشک رطب شئے کو لگا، سب نجس ہوا ہے، تو سخت دشواری ہے۔ فقط والسلام

تحقیق المسائل۔ مولانا دیدار علی الوری (ص ۱۱ تا ص ۱۸ طبع اول: بلا سنہ)

(۱۱۲) اگر دو کنویں ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہوں، تو کیا ایک کے ناپاک ہونے سے، دوسرا ناپاک ہو جائے گا؟ اگر دو کنوئیں بفاصلہ یک دست بھی ہو دیں، تو ایک [کی] نجاست سے دوسرا نجس نہیں ہوتا، جب تک تحقیق قطعانہ ہو جائے کہ، اس قدر زمین میں نجاست سرایت کر سکتی ہے، دس ذراع کی روایت، یا...... کی شرح وقایہ کی قابل اعتبار نہیں (۱) مگر ہاں جو ایسی زمیں متخلخل ہووے، کہ دس در دہ تک اثر پہنچے، ہم اپنے دیار میں ایسا نہیں

(۱) شرح وقایہ ص ۸۸ ج ۱ فصل مایجوز بہ الوضوء (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۲۷ھ) [نور]

پاتے اور اگر ایسا اتصال ہے کہ سرایت جزماً ہوتی ہے، تو دونوں کو طاہر کرے [دونوں] ناپاک ہوئے۔

(مجموعہ مکتوبات بنام مولانا خلیل احمد صاحب، مکتوب نمبر ۲۶ قلمی)

(۱۱۳) ڈھیکلی کے کھنچے ہوئے پانی کا حکم: سوال: ڈھیکلی (۱) کا کھنچا ہوا پانی پینا کیسا ہے؟

جواب: پاک ہے، اور استعمال اس کا درست ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں، جہلاء کی واہیات غلط ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بدست خاص، ص ۲۳)

(۱۱۴) جو پانی درختوں کے پتوں کی وجہ سے خراب ہوگیا ہو، اس کا حکم؟ سوال: جس پانی میں درخت کے پتے، بہت دنوں تک پڑے رہنے سے پانی بگڑ گیا ہو، تو اس سے وضوء جائز ہے، یا نہیں، اور وہ پانی پاک ہے، یا ناپاک؟

جواب: پانی پاک اور وضو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(بدست خاص، ص ۳۲)

(۱۱۵) اگر کنویں میں استعمالی جوتا گر پڑے تو؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ اگر ایک کنویں میں جوتا مستعمل گر پڑا ہو، اور وہ کنواں تحت وتصرف اہل اسلام کے ہو اور جوتے کا نکلنا، بباعث کثرت آب غیر ممکن ہو، یعنی غوطہ مارنے وکانٹا ڈالنے وچرس ڈالنے سے پانی نہ ٹوٹے اور جوتہ نہ نکلے اور اس بستی میں کوئی اور ایسا کنواں یا تالاب نہ ہو، جس سے اہل دیہہ اکتفا کرسکیں، آیا ایسے کنویں کا پانی پینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ایسے کنویں میں سے تین سو ڈول نکال دیویں، پاک ہوجائے گا، اگر چہ جوتی نہ نکلے، (۲) جوتی اگر چہ اس میں پڑی رہے، پانی نکال ڈالیں پاک ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۰۵-۲۰۶)

(۱۱۶) اگر گوہ کنویں میں گر جائے، تو کیا حکم ہے؟ سوال: اگر ضب از چاہ بعد از وقوع زندہ برآوردہ شود، حکم چاہ چیست؟ بینوا توجروا۔

ترجمہ: اگر گوہ کنویں میں گرنے کے بعد زندہ نکالی جائے، تو اس کنویں کے لئے کیا حکم ہے؟

---

(۱) ڈھیکلی۔ کنویں سے پانی نکالنے کی ایک بڑی تدبیر، ایک بلّی [بڑی لکڑی] کے ایک سرے پر بہت بڑا ڈول، دوسرے سرے پر ایک بھاری وزن باندھ دیتے ہیں بڑے ڈول کو پانی میں ڈبو کر چھوڑ دیتے ہیں، تو پچھلے بھاری وزن کے دباؤ سے وہ بڑا ڈول نما، پانی سے نکل آتا ہے۔

مستفاد: از اردو لغت [مرتبہ اردو لغت بورڈ، حکومت پاکستان] ص: ۲۶۴، جلد: ۱۰ کراچی: ۱۹۹۰ء] (نور)

(۲) یہ بات بسبب تعذر ہے، درمختار میں ہے: ینزح کل مائها بعد اخراجه الا اذا تعذر (۱/۳۹) فصل فی البئر [عکس، مجتبائی دهلی] نیز شامی [فصل فی البئر ص: ۱۴۱ ج: ۱ مطبع مجتبائی: دہلی] اور سوال سے یہ بات واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں جوتا نکالنا دشوار تھا۔

جواب: ضب از حشرات است کہ خون ندارد، خوردنش نزد حنفیہ ناجائز است، مگر چاہ از وقوع آں ناپاک نمی گردد مثل مار۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۶)

ترجمہ: گوہ حشرات [ارض] میں سے ہے، جس میں خون نہیں ہوتا، حنفیوں کے یہاں اس کا کھانا ناجائز ہے، مگر اس کے گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا، جس طرح سانپ کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پاکی اور ناپاکی کے مسائل

(۱۱۷) اگر نجاست قلیل پر پانی ڈالا، وہ بہہ کر پھیل گیا، تو یہ کپڑا کیسا ہے؟ **سوال**: اگر درم سے کم نجاست لگی ہوئی ہے اور اس پر پانی ڈالا، اور وہ پانی بہہ کر کپڑے میں درم سے زیادہ پھیل گیا، مگر وہ نجاست اپنی جگہ سے نہیں ٹلی اور نہ پھیلی ہے، گو وہ پانی اس نجاست میں اچھی طرح پھیل کر، کپڑے میں پھیلا ہے، تو ایسی صورت میں اس کپڑے سے نماز ہوجاتی ہے، یا نہیں؟ علیٰ ہذا القیاس، اگر نجاست بدن میں لگی ہوئی ہو، اور اس کا بھی ایسا ہی معاملہ ہو، تو کیا حکم ہے؟

جواب: وہ پانی نجس مثل نجاست کے ہے، تو پھیلنے پانی سے زائد از قدر درہم پارچہ و بدن نجس ہوا، اب نماز صحیح نہ ہووے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۲۶)

(۱۱۸) اگر بدن پاک ہے اور کپڑا گیلا یا اس کا عکس، تو کیا کیا جائے؟ **سوال**: بدن ناپاک ہے، مثلاً پیشاب میں بھیگ کر خشک ہوگیا، اور کپڑا پاک گیلا ہے، یا کپڑا ناپاک خشک ہے اور بدن گیلا ہے تو ہر دو صورت میں کپڑا پہننے سے، کپڑا یا بدن ناپاک ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر ایسی رطوبت ہو کہ کپڑے سے بدن کو لگے، پھر بدن سے کپڑے پر لگے، تو ناپاک ہوگا، یا عرق سائل ہو کہ کپڑا تر ہوجاوے، اس صورت میں نجس ہوگا، ورنہ نہیں۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۲۴)

(۱۱۹) اگر بدن کا نصف حصہ نجاست سے آلودہ ہو، تو پورے جسم کا دھونا ضروری ہے، یا نہیں؟

سوال: اگر کسی کا بدن زائد از نصف، نجاست سے بھرا [ہوا ہو، یعنی خراب ہو] تو تمام بدن کا غسل فرض ہے، یا بدن نجاست آلودہ کا؟

جواب: نجاست جہاں لگی ہو، اس کا دھونا فرض ہے، سارے بدن کا دھونا فرض نہیں۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۱۱۲)

(۱۲۰) جنبی کا پسینہ پاک ہے، لیکن اگر اس کے بدن پر نجاست ہو تو؟ **سوال:** جنبی کو پسینہ آیا تو کپڑے پاک رہے یا ناپاک، یا بدن کو پیشاب لگا ہوا ہے اور پسینہ آیا تو کپڑا پاک رہا یا نہیں؟

جواب: جنبی کا عرق پاک ہے، اور ناپاک نجاست سے بدن آلودہ ہوا اور عرق بہتا ہوا نکلا، جس سے کپڑا تر ہو کر بدن کو لگے، تو کپڑا ناپاک ہو جاوے گا۔ (بدست خاص، سوال ۱۳)

(۱۲۱) اگر بھیگے ہوئے ناپاک کپڑے پر پاک کپڑا رکھا گیا تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** اگر نجس پانی کے بھیگے ہوئے کپڑے پر، پاک کپڑا رکھا ہوا ہو، تو وہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ اگر اس میں تری آ جائے؟

جواب: اگر تری اس قسم کی ہو کہ ہاتھ کو لگے، تو نجس ہے اور اگر صرف اس کی ٹھنڈک ہاتھ کو لگتی ہو تو نجس نہیں۔ (بدست خاص، ص ۳۹)

(۱۲۲) اگر بھیگا ہوا کتا جس میں سے پانی ٹپک رہا ہے، کپڑے پر بیٹھ جائے تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** اگر کتا پانی میں بھیگا ہوا ایسا ہو کہ اس کے بالوں میں سے پانی ٹپکتا ہے اور وہ کپڑے پر بیٹھ جائے اور کپڑا بھیگ جاوے، مگر ایسا نہیں جو نچوڑا جاوے، یا وہ کتا ایسا بھیگا ہو کہ اس کے بالوں میں سے پانی نہیں ٹپکتا، مگر کپڑے پر بیٹھ جانے سے کپڑے پر اثر معلوم ہو تو وہ کپڑا پاک رہا یا نہیں؟

جواب: اگر کپڑے پر اتنی رطوبت پہنچے، کہ ہاتھ کو اس کی رطوبت لگ جاوے، تو نجس ہے اور اگر صرف ٹھنڈک ہاتھ کو لگتی ہے، تو نجس نہیں۔ (بدست خاص، ص ۳۹)

(۱۲۳) اگر بھیگے ہوئے کتے کے جھڑ جھڑانے سے چھینٹیں کپڑوں پر لگ جائیں تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** اگر کتا پانی میں بھیگا ہوا ہے، بال جھڑ جھڑاوے اور اس کی چھینٹیں کپڑے کو لگ جاویں، مگر ایسی تری نہیں ہوئی کہ جو کپڑے سے نچوڑی جاوے، تو وہ کپڑا ناپاک ہوا، یا نہیں؟

جواب: جن کے نزدیک کتے کی کھال ناپاک ہے، کپڑا ناپاک ہوگا، اور جو پاک کہتے ہیں، ان کے نزدیک بشرطیکہ پانی پہلے سے ناپاک نہ ہو، کپڑا پاک رہے گا (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۳۷)

---

(۱) امام شافعی کے نزدیک کتا نجس العین ہے، اس کی کھال بھی ناپاک ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک کتا دیگر درندوں کی طرح نجس العین نہیں ہے، بیل، بکری وغیرہ کی طرح اس کی کھال پاک ہے، اسی وجہ سے کتا اگر ناپاک پانی میں بھیگا ہوا نہیں ہے تو اس کے جھڑ جھڑانے اور کپڑے پر چھینٹیں پڑنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ [پالن پوری]

(۱۳۴) کتے کے پیر پر گارا لگا ہوا تھا، پھر خشک مٹی لگ گئی اور وہ کپڑے پر بیٹھ گیا، تو کیا حکم ہے؟ **سوال**: اگر کتے کے پاؤں پر گارا لگا ہوا ہے، یا اس کے پاؤں بھیگے ہوئے تھے اور پھر خشک مٹی لگ گئی ہے، اگر وہ کتا کسی کپڑے پر پاؤں رکھ دے، اور اس کے پاؤں کا گارا یا مٹی کپڑے کو لگ جاوے، تو وہ کپڑا پاک رہا، یا نہیں؟

جواب: اگر وہ مٹی اتنی تر ہے کہ کپڑے پر اس کی رطوبت ایسی اثر کر گئی ہے، کہ ہاتھ لگانے سے ہاتھ کو رطوبت لگتی ہے، تو ناپاک، اور اگر صرف برد (ٹھنڈک) محسوس ہوتی ہے، تو کپڑا نجس نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص ۳۹)

(۱۳۵) گھوڑے یا بیل کی دُم سواری کے لگ جائے، تو کیا حکم ہے؟ **سوال**: بیل اور گھوڑے کی دُم [پر] سواری کی حالت میں جو پانی راستہ میں آ جاتا ہے، اس میں بھیگ جاتی ہے، پھر وہ دُم کو سوار کے کپڑوں کے مار دیتے ہیں، تو وہ کپڑے بھیگ کر ناپاک ہو جاتے ہیں، یا پاک رہتے ہیں؟

جواب: پاک رہتے ہیں، کیونکہ جب دُم سے اثر نجاست کا جاتا رہا، پاک ہو گئی۔ البتہ اگر دُم پر نجاست لگی ہو تو اس حالت میں پارچہ نجس ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۴۲)

(۱۳۶) راستوں میں جو گارا کیچڑ ہو جاتا ہے، اس کی چھینٹوں کا حکم: **سوال**: راستوں میں جو کیچڑ اور گارا ہوا کرتا ہے، اس کی چھینٹیں جو سواری کے جانور کے باعث کپڑوں کو لگ جاتی ہیں، تو وہ پاک رہتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: پاک ہیں، جب تک نجاست کیچڑ کی محقق نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۴۲)

(۱۳۷) اگر کپڑے کا ایک حصہ پاک ہے کچھ ناپاک ہے، اس پر نماز پڑھنے کا حکم: **سوال**: ایک کپڑے کا کچھ [حصہ] پاک ہے اور کچھ ناپاک، یا اسکے ایک سرے پر ناپاکی لگی ہوئی ہے اور دوسرا پاک ہے، تو اس کپڑے پر ناپاکی کو بچا کر، یا اس دوسرے سرے پاک پر نماز پڑھنا، جائز ہے یا نہیں؟ اور کپڑا خواہ بہت لمبا چوڑا ہو، جیسے جاجم (۱) اور فرش، خواہ چھوٹا ہو جیسے چادر یا نصف چادر۔

جواب: نجاست کو بچا کر، اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کو اوڑھ کر نماز پڑھنا درست نہیں۔

(بدست خاص، ص ۴)

---

(۱) جاجم بکسر سوم واردو میں بفتح سوم زبانوں پر ہے، چھپا ہوا فرش، ایک قسم کا کپڑا جس پر بیل بوٹے وغیرہ چھاپ کر فرش بناتے ہیں۔

(نور اللغات، ص ۶۳-۳، ج ۲) [انور]

(۱۲۸) اگر بوریہ یا فرش دبیز ہو اور اس کا ایک حصہ ناپاک ہو جائے، تو دوسرے رخ پر نماز کا حکم؟ **سوال:** بوریہ کے نیچے کی جانب، اگر ناپاکی لگ جاوے اور وہ تن دار ہو یا نہ ہو، مگر اوپر کی جانب کچھ اس کا اثر نہیں ہے، تو اس بوریہ پر نماز پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر وہ بوریا اور فرش اسقدر موٹا ہے، کہ بیچ میں سے اس کی تقسیم ہو سکتی ہے، تو نماز دوسری جانب پر جائز ہے، ورنہ ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۳)

(۱۲۹) کورے ناپاک برتن، کس طرح پاک ہوں گے؟ **سوال:** کورے برتن پر اگر پیشاب یا کتے کی رال گر جاوے، تو وہ دھونے سے پاک ہوتا ہے، یا آگ میں جلانے سے؟

جواب: پاک ہو جاتا ہے۔ [دونوں طرح سے] (بدست خاص، ص ۱۴)

(۱۳۰) ناپاک لکڑی اور اینٹ خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے یا نہیں؟ **سوال:** خشک لکڑی پر یا اینٹ خام یا پختہ پر، اگر پیشاب گر کر سوکھ جاوے، تو وہ پاک رہی یا ناپاک، اور لکڑی خشک درو شدہ [جلی ہوئی] ہو یا قائم خواہ تر ہو، سب کا حکم ایک ہی ہے، یا جدا جدا؟

جواب: لکڑی یا خشت ناپاک سوکھنے سے پاک نہیں ہوتی، مگر جو زمین میں کبھی [پیوست یا زمین میں گڑی ہوئی] ہو، وہ تبعاً زمین کے، پاک ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بدست خاص، ص ۳۰)

(۱۳۱) اگر بچہ کچے یا پکے فرش پر پیشاب کردے تو وہ جگہ کس طرح پاک ہوگی؟ **سوال:** فرش پختہ یا خام پر یعنی زمین یا مسجد میں، اگر لڑکا پیشاب کردے، تو بعد خشک ہونے کے، بدون دھوئے جگہ پیشاب کے، وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر خشک ہو کر اثر باقی نہ رہے، یعنی دھبہ پیشاب کا بھی نہ رہے، تو پاک ہو جاتی ہے، خواہ فرش پختہ ہو یا خام زمین ہو۔ فقط (بدست خاص، سوال ۱۱)

(۱۳۲) گوبر کو مٹی میں ملا کر زمین لیپنا جائز ہے، مگر؟ **سوال:** ایک حصہ گوبر اور ایک حصہ مٹی یا دونوں ملا کر اس سے دیوار یا زمین کو لیپنا جائز ہے، یا نہیں؟ پھر جب وہ زمین خشک ہو جائے تو اس پر بغیر مصلے کے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور ایسی دیوار یا زمین پر جو پانی گرے اس کی چھینٹیں پاک ہیں، یا ناپاک؟

جواب: جس گارے میں گوبر ملا ہے، وہ نجس ہے، مگر زمین و دیوار اس سے لھیسنا درست ہے، پھر جب خشک ہووے، تو اس پر کسی شے کے بچھائے بغیر نماز نہیں ہووے گی، مگر جب گوبر کو مٹی کھا کر فنا کر دیوے، کچھ اثر گوبر کا کسی طرح

نہ رہے اس وقت زمین، دیوار پاک ہوجاتی ہے، پھر اس زمین پر بدون پردہ، نماز درست ہوتی ہے اور یہی حال اس زمین، دیوار پر پانی گر کر جو چھینٹ اڑے، کہ اگر اثر گوبر کا پانی میں پائے، اگر کپڑے کو پانی لگا تو نجس ہے اور جو خشک پر پانی پڑ کر، فوراً چھینٹ اٹھے اور کچھ اثر گوبر کا اس میں نہیں، تو پاک ہے۔ فقط (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۴-۳۶)

(۱۳۳) گوبر ملی ہوئی مٹی سے لیپے ہوئے، مکان کی طہارت ونجاست کا حکم؟ گوبر مٹی مخلوط سے مکان کا لیپنا جائز ہے [مگر] مکان نجس ہوگا، اگر ثوب مبسول (لٹکا ہوا) اس پر پڑا اور اثر گوبر کا آیا، تو ثوب بھی نجس ہوجائے گا۔ خشک کپڑا اگر تر پر رکھا اور محض نمی آئی تو نجس نہیں، اگر اجزاء پانی کے آگئے کہ دبانے سے ظاہر ہوجاویں، ہاتھ پر یا پارچہ پر، تو وہ بھی نجس ہوا۔ کذا فی کتب الفقہ۔ (فرخ آباد ص ۲۲-۲۱)

(۱۳۴) اگر کوئی غذا یا رقیق دوا ناپاک ہوجائے تو؟ **سوال:** ایک بڑے ظرف میں کوئی غذا یا دوا رقیق بیش قیمت رکھی ہے، پھر اس میں کوئی ایسی نجاست گری، جو نمودار نہیں ہے، تو اب دوا یا غذا کسی طرح طاہر ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

بعض اشخاص کہتے ہیں کہ اس کو آگ پر رکھا جاوے، یہاں تک کہ تھوڑا سا حصہ اس میں سے جل جائے، تو وہ طاہر ہوجائے گی، یہ قول صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو اس کے طاہر کرنے کا اور کیا طریق ہے؟ فقط

جواب: جب بڑا ظرف کسی سیال شئے جیسا رس شکر کا، مثلاً نجس ہوا، تو اب وہ کسی طرح پاک نہیں ہوسکتا، البتہ روغن (۱) سیاہ پاک ہوجاتا ہے کہ وہ چکنا ہے، پانی میں [خلط] نہیں ہوتا۔ فقط (فرخ آباد ص ۲۵-۲۷)

(۱۳۵) آم کے درخت کے کیڑے کے جسم کا مادہ، اگر کپڑوں پر لگ جائے تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** آموں کے بَور کے موسم میں سفید رنگ کے کیڑے چوڑے چوڑے، جس میں سے زرد پیپ سی نکلا کرتی ہے جو ہوجاتے ہیں، اگر وہ دب کر مرجاویں اور ان کی زردی تھوڑی یا بہت، کپڑے کو لگ جائے تو وہ کپڑا پاک رہتا ہے، یا نہیں؟

جواب: کپڑا پاک ہے، ناپاک نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم (بدست خاص، ص ۴۳)

(۱۳۶) بلی اور کنٹو کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ **سوال:** پیشاب کنٹو اور بلی کا پاک ہے یا ناپاک؟

جواب: بول بلی کا ناپاک اور کنٹو [گلہری] کا بھی ناپاک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، سوال ۱۹۱)

(۱) روغن سیاہ، کڑوا تیل، سرسوں کا تیل۔ (نور)

طہارت کے متفرق مسائل

(۱۳۷) جس شخص کا مرض کی وجہ سے ہر وقت پیشاب جاری رہتا ہو، اس کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** معذور آدمی جس کا بول ہر وقت جاری رہتا ہو کہ کپڑا پاک نہ رہ سکے، اس کا حکم کیا ہے؟ ہر وقت نماز میں اور [پاک] کپڑے سے نماز پڑھا کرے (کذا) یا اسی ناپاک سے، کیونکہ ہر وقت میں [کپڑا] بدلنے اور پاک کرنے میں دقت ہوتی ہے؟

جواب: ہر وقت وضو نیا کرے اور ہر وقت کپڑے کو پاک کر لیوے، کپڑا پاک کرنے میں کچھ حرج نہیں، تین دفعہ پانی نکال دیوے۔ فقط واللہ اعلم (بدست خاص، ص ۷۱)

(۱۳۸) بڑا استنجا کرتے وقت اگر ہوا خارج ہو، تو کیا کرنا چاہئے؟ **سوال:** پانی سے بڑا استنجا کرنے کے وقت اگر بائے سرے (یعنی ریح خارج ہو جاوے) تو طہارت دوبارہ کرے، یا نہیں؟

جواب: استنجاء پانی سے کرتے [وقت] اگر بائے نکل جاوے، دوبارہ استنجا [کرنے] کی ضرورت نہیں، کیونکہ بائے نجس نہیں اور بائے کے ساتھ جو کچھ پانی نکلے گا، اس میں نجاست مخلوط نہیں ہوئی، جو کچھ ہوئی ہوگی، تو وہ بہت قلیل غیر معتبر ہووے گی، مگر ایک بار پانی ڈال دینا بہتر ہے۔ فقط (مجموعہ خاص، سوال ۷)

(۱۳۹) ڈھیلے سے استنجا خشک کرتے وقت سلام کرنا اور اس کا جواب دینا؟ **سوال:** استنجا کلوخ (۱) سے کرنے کے وقت سلام علیک کرنا، یا جواب دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس وقت سلام کرنا، جواب سلام کا دینا جائز ہے، جیسا کلام کرنا درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۰۲)

رنگوں کے پاک یا ناپاک (۲) ہونے کا بیان اور متعلقہ مسائل

(۱۴۰) پڑیا کا رنگ پاک ہے، یا ناپاک؟ **سوال:** گولی اغنی پڑیا کے رنگ کا کیا حکم ہے، طاہر [ہے] یا غیر طاہر، سب کا ایک ہی حکم [ہے] یا جدا جدا؟

---

(۱) مٹی کے ڈھیلے۔

(۲) تقریباً چالیس سال پہلے تک، کپڑے رنگنے کے لئے کئی قسم کے رنگ آتے تھے، بعض کچے بعض پکے، کچھ گولی (Teblet) کی صورت میں، کچھ کھلے ہوئے گویا پسے ہوئے، پھر ان میں کچھ دیسی کہلاتے تھے، یعنی ہندوستانی یا مقامی لوگوں کے بنائے ہوئے، کچھ کو خصوصاً ٹکیہ والے رنگوں کو ولایتی کہا جاتا تھا۔ [نور]

الجواب: گولی کا جواب تحقیق پر ہے، سنا ہے معتبریوں ہے کہ سوائے بادامی کے، سب گولی میں شراب پڑتی ہے، لہٰذا نجس ہے، مگر پختہ رنگ کی گولی کو، بعد رنگ کے پاک کر کے استعمال کرے، تو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

(مجموعۂ رامپور ص ۳)

(۱۴۱) کیا سب انگریزی رنگ، ناپاک ہیں؟ سوال: پڑیا کا رنگ سب قسم کا استعمال کرنا، ناجائز ہے، یا علاوہ بادامی رنگ کے، اور جونسی پڑیا بجائے نیل کے دھوبی لوگ کپڑوں میں استعمال کرنے لگے ہیں، وہ بھی جائز ہے، یانہیں؟

جواب: پڑیا انگریزی سب نجس ہیں، مگر سنا ہے کہ بادامی پاک ہے اور دھوبی نیل بڑی لگاتے ہیں، اگر وہ بھی پڑیا لگادیں تو بیجا ہے۔

(بدست خاص، سوال ۱۰۴)

(۱۴۲) کن رنگوں سے رنگے ہوئے کپڑوں سے، نماز درست ہے؟ سوال اول: پڑیا یا کسنبہ کی رنگی ہوئی روئی (اور) کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے، یانہیں؟

سوال دوم: رضائی رنگ وبچھونے وغیرہ میں روئی [میں] پڑیا، خواہ کسنبہ کی رنگی ہوئی، ڈالنی جائز ہے، یانہیں؟

جواب: پڑیا تو نجس ہے اس کو نہ ڈالے اور دوسرے رنگ کی خواہ کسنبہ ہو یا اور کچھ، عورت کو درست [ہے] اور مرد کسنبہ کو نہ استعمال کرے۔ فقط [دونوں سوالات کا ایک ہی جواب درج ہے۔ نور] (بدست خاص، سوال ۵۲-۵۳)

(۱۴۳) چھلپرہ کا رنگا ہوا کپڑا پہننا صحیح ہے: سوال: چھلپرہ (۱) کا رنگا کپڑا مرد عورت کو پہننا جائز ہے، یانہیں؟

جواب: چھلپرہ کا رنگ مرد عورت کو، دونوں کو درست ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۳)

(۱۴۴) جس رنگ کے ناپاک ہونے کی تحقیق نہ ہو، وہ پاک ہے: سوال: کچے رنگ کی دریس اور ململ سرخ سے بھی نماز ہو جاتی ہے، یا مثل پوڑیہ کے رنگ کے، یہ بھی ناپاک ہے؟

جواب: اس رنگ کی مجھے تحقیق نہیں، مگر جب تک نجاست ثابت نہ ہو، پاک کہنا چاہئے۔ (بدست خاص، ص ۴۵)

(۱۴۵) انگریزی رنگ ناپاک ہیں: سوال: رنگنا کپڑے کا پڑیہ میں جائز ہے، یا غیر جائز؟ مفصل ارقام فرماویں۔

جواب: پوڑیا میں اکثر اقسام میں شراب کا ملنا محقق ہوا ہے، لہٰذا نجس ہے، نہ رنگنا چاہئے۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۰۲)

---

(۱) چھلپرہ کیا ہے، اس کا رنگ کیسا ہوتا ہے، راقم سطور کو خاصی جستجو کے باوجود اس کا پتہ نہیں ملا۔ (نور)

حیض ونفاس اور متعلقہ مسائل

(۱۴۶) حیض کی غیر متعینہ مدت میں، اکثریت کا خیال کیا جائے گا: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ ایک عورت کی عادت غیر معینہ ہے، کبھی خون چار روز جاری رہتا ہے اور کبھی پانچ، علی ہذا آٹھ روز تک۔ اس عورت نے چھ روز میں بعد موقوف ہونے خون کے، غسل کیا اور نماز ظہر ادا کی، بعد نماز پھر خون ظاہر ہوا عشاء تک، پھر کچھ اثر نہ پایا، پس اس عورت کیلئے کیا حکم ہے۔ بعد عشاء کے غسل یا قبل غسل، اپنے خاوند سے صحبت کرے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: عشاء کی نماز دوسرا غسل کر کے پڑھے، اور زوج اس کا اس کے پاس نہ جاوے، جب تک آٹھ روز تمام نہ ہولیویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۱-۱۳۲)

(۱۴۷) حیض کی تعیین کے لئے درد سے آنے کی قید؟ سوال: لکھا ہے کہ حیض وہ ہے جو بے درد کے خون آوے ایام معتاد میں، سو اگر ایام معتاد میں درد سے خون آوے، وہ بھی حیض ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: یہ قید لغو ہے، درد سے کچھ بحث نہیں، درد بسبب مرض کے ہوتا ہے۔

(بدست خاص، سوال ۴۷)

(۱۴۸) اگر مقررہ دنوں کے علاوہ کسی دوا وغیرہ کی وجہ سے حیض آئے تو نماز روزہ کا کیا حکم ہے؟ سوال: اگر غیر ایام معتاد میں دوا دینے سے کسی کو حیض ہوا، تو وہ عورت نماز روزہ کرے، یا نہیں؟

جواب: اگر دوا کے سبب حیض آوے، تو نماز روزہ ترک کرے، مگر استحاضہ ہو تو ترک نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

(بدست خاص، ص ۶۱)

(۱۴۹) جو خون پندرہ دن سے پہلے آوے وہ حیض نہیں: سوال: ایک عورت کو ایک مہینے میں دو بار حیض آتا ہے، تو وہ ہر دو دفعہ میں نماز، روزہ ترک کرے، یا کیا کرے؟

جواب: اگر ایک حیض سے پاک ہونے پر، پندرہ روز بعد آوے تو وہ حیض ہے، نماز روزہ ترک کرے، اور جو پندرہ روز سے پہلے آوے، تو وہ استحاضہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۶۲)

---

(۱) اسی طرح اگر دوا لینے کی وجہ سے معتادہ کو ایام عادت میں بالکل خون ظاہر نہ ہو تو وہ پاک ہے، اور اگر تھوڑا بھی خون ظاہر ہوگیا تو حائضہ ہے۔ عورتیں حج کے موقعہ پر ایک دوا لیتی ہیں اس کا یہ حکم ہے۔ اور دوا کے سبب اگر خون آئے تو اگر پندرہ دن یا زیادہ طہر کے بعد آئے اور وہ تین دن تک جاری رہے تو وہ حیض شمار ہوگا، اگرچہ وہ غیر عادت میں ہو، جیسا کہ حضرت نے بیان فرمایا ہے، اور خود آنے میں اور دوا کے ذریعہ نکالنے میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ خود آنے میں اور دوا کے ذریعہ روکنے میں کوئی فرق نہیں۔ (پالن پوری)

(۱۵۰) ایام حمل میں خون آنے کی وجہ سے، نماز روزہ ترک نہ کرے: سوال: ایک عورت کو حیض معمولی طور پر ایام حمل میں ہوتا ہے، تو وہ نماز روزہ کرے، یا نہیں؟ علی ہذا!! اگر عورت حاملہ کو غیر معتاد ایام میں حیض آجاوے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایام حمل میں حیض نہیں ہوتا، استحاضہ ہوتا [ہے] روزہ نماز ترک نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۶۲)

(۱۵۱) حیض ونفاس کی حالت میں، سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا: سوال: حائض ونفساء کو سجدہ تلاوت سننے سے، واجب ہو جاتا ہے، یا نہیں؟

جواب: واجب نہیں ہوتا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۶۸)

(۱۵۲) حائضہ کے ساتھ اس کے شوہر کا حائل کے ساتھ مس کرنے کا، کیا حکم ہے؟ سوال: حائض عورت کو بالائے زانو معہ جامہ یا عریاں مس کرنا، اور شہوت نکالنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: برہنہ ناجائز اور حائل کے ساتھ درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۴۵)

وضو کا بیان

(۱۵۳) وضو کے وقت کلی اور ناک میں پانی دینے میں مبالغہ کرنا؟ سوال: وضو کرتے ہوئے دہن اور ناک میں پانی دینے کے وقت مبالغہ کرنا، کیسا ہے؟

جواب: بہ مُبالغہ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا مستحب ہے۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص ۶)

(۱۵۴) وضو میں ٹھوڑی تک دھونے میں عورت مرد، بالغ نابالغ سب کے لئے؟ سوال: نابالغ یا عورت وضو کرتے ہوئے ٹھوڑی کے نیچے، جس جگہ تک ڈاڑھی کے بال جمے ہوئے ہوتے ہیں، وہاں تک دھوئے یا فقط ٹھوڑی ہی دھوئے۔ گلے کو جہاں تک بال ہوتے ہیں، نہ دھوئے، یعنی گلے کی ہڈی جو اُبھری ہوئی ہوتی ہے، وہاں تک دھوئے، یا کہاں تک؟

جواب: اس میں بالغ نابالغ، مرد عورت سب کا ایک حکم ہے، تفاوت نہیں۔ واللہ اعلم!

(بدست خاص، ص ۵۲)

---

(۱) حیض ونفاس میں عورت نماز کی مکلف نہیں اور سجدہ نماز کا جز ہے، پس اس کی بھی مکلف نہیں۔ (پالن پوری)

(۱۵۵) عورتوں کے لئے پورے سر کا مسح؟ سوال: عورتیں بھی مسح سر کا مثل مردوں کے کریں یا اور طرح؟

جواب: عورتوں کو مسح سر کا کرنا مثل مردوں کے فرض ہے، اور سب امور میں مسح سر کے، عورتیں مثل مردوں کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ

(مجموعہ کلاں، ص ۲۳۲)

(۱۵۶) مسواک کرنا اور استنجا میں ڈھیلا لینا، عورت کے لئے کیسا ہے؟ سوال: مسواک کرنا اور ڈھیلا لینا عورت کو مستحب ہے مثل مردوں کے، اگر حاجت ہو، اور ڈھیلے کی حاجت مرد کو نہ ہو تو اس کو [بھی] ضرور[ی] نہیں۔

جواب: مسواک کرنا مستحب ہے، اگر نہ ملے یا دانت میں تحمل نہ ہو، کسی دوسری شئے [سے] صاف کرلیوے، مگر سنت لکڑی سے ہی حاصل ہوتی ہے، کہ فعل فخر عالم علیہ السلام کا ہے، اگر چہ صفائی دوسری شئے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے۔

(مجموعہ فرخ آباد، ص ۴۳)

(۱۵۷) مرد عورت کی شرمگاہوں کے ملنے سے، بغیر پانی نکلے وضو کا حکم؟ سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ، اگر فرج بر فرج باشد...... وضو شکستہ شود، آیا پانی نکلنے سے وضو جاوے گی، یا بدون نکلنے پانی کے، فقط ایستادگی ذکر و فرج بر فرج ہونے سے وضو جاتی رہتی ہے؟

جواب: مساس سے بغیر نکلے پانی کے، وضو جاتی رہتی ہے۔ فقط

(بدست خاص، ص ۲۶)

(۱۵۸) اگر چہ مرد عورت کے ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتی، لیکن؟ سوال: مرد عورت اگر ایک دوسرے کو ہاتھ لگاویں، قصداً یا بلا قصد ہاتھ یا بدن لگ جاوے اور وہ محرم ہوں یا غیر محرم، تو وضو اور نماز رہتی ہے، یا نہیں؟

جواب: ہاتھ لگانے سے امام صاحب کے نزدیک وضو نہیں جاتی، احتیاط اولیٰ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک (۱) [وضو] جاتی رہتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۲۶)

---

(۱) امام شافعی کے نزدیک نامحرم کے مباشرہ یعنی جسم سے جسم لگ جانے پر وضو ٹوٹتا ہے، نامحرم غیر مشتہاۃ کو ہاتھ لگانے سے نہیں ٹوٹتا ہے، جب کہ امام مالک کے نزدیک بالشہوۃ ہاتھ لگانے سے ٹوٹتا ہے۔ ملاحظہ ہو المغنی، لابن قدامہ ص: ۱۹۳ ج: ۱ [مکتبۃ الریاض الحدیثہ ریاض: ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء] نیز تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالرحمن مبارک پوری ص: ۲۳۸ ج: ۱ [دار الکتب العلمیۃ، بیروت: ۱۴۱۸ھ] [نور]

تیمّم

(۱۵۹) جنبی کو غسل اور وضو کے لئے تیمم میں، ایک ہی نیت کافی ہے: سوال: تیمم میں غسل اور وضو کے واسطے جنبی کو فقط نیت غسل کی کرنا کافی ہوگا، یا وقت تیمم غسل اور وضو دونوں کی نیت کرے، اور دونوں کے واسطے علیحدہ علیحدہ ضرب لگاوے؟

جواب: ایک تیمم میں دونوں کی نیت کرلے، ایک ہی تیمم کافی ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!

(بدست خاص، ص ۵۸)

(۱۶۰) سفر کی حالت میں جب تک مجبور نہ ہو، تیمم کا کیا حکم ہے؟ سوال: سفر میں راستہ چلتے ہوئے اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے، کہ اپنے ہمراہی لوگ بباعث جلدی کے ٹھہرتے نہیں اور نہ اتنا تساہل کرتے ہیں، کہ جو آدمی کہیں وضو کرلے اور پانی اپنے پاس ہوتا نہیں، اور بعض جگہ ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ اندھیرے میں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ پانی کہاں ملے گا، اور اگر کوئی گاؤں یا چاہ یا تالاب معلوم بھی ہوا کہ فلاں جگہ ہے، تو ساتھی لوگ ٹھہرتے نہیں، اور تنہا وہاں تک جانے میں دقت ہے، کہ رات ہوگئی ہے، کہیں ٹھہرنے کا موقع نہیں، ادھر ہمراہی لوگ الگ ہوتے ہیں، یا اور کوئی ضروری کام ہے، کہ جو بہت جلد منزل پر پہنچنے سے ہوتا ہے، تو ایسے وقت میں نماز تیمم سے جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ہندوستان میں جائز نہیں، (۱) اور نہ ایسی صورت میں تاخیر نماز جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

(بدست خاص، ص ۴۵)

---

(۱) کیونکہ ہندوستان میں ہر جگہ پانی ملنے کی امید ہوتی ہے مگر وہ علاقے اس سے مستثنیٰ ہیں، جہاں کئی کئی میل تک پانی نہیں ملتا، گویا مفقود ہے، جیسے ہندوستان میں راجستھان وغیرہ کا علاقہ، اس کے لئے یہ حکم نہیں۔ [نور]

تیسرا باب

کتاب الصلوٰۃ

اذان واوقاتِ صلوٰۃ

(۱۶۱) حنفی اورواقف کے لیے،ایک مرتبہ حی علی الصلوٰۃ،حی علی الفلاح کہنا؟ سوال: [ایک شخص] بروقت کہنے تکبیر کے،حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح ایک ایک مرتبہ کہتا ہے، یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: ایک ایک بار حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح کہنا مذہب شافعی، مالک میں ہے، مگر یہ شخص یا جاہل ہے یا غیر مقلد، لہٰذا اس کی یہ حرکت بوجہ نفسانیت وہوا کے ہے، بیجا ہے۔ واللہ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۱۲۹-۱۳۰)

(۱۶۲) تہجد اوراذان کا جواب؟ سوال: تہجد سنت مؤکدہ ہے یا مستحب اور جواب اذان اور دعا بعد اذان اور سننا اذان کا واجب ہے، یا کیا؟

جواب: تہجد میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مؤکدہ اور بعض کے نزدیک مستحب، اور اذان کا سننا مستحب اور اس کا جواب بھی مستحب [ہے] فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۵۶)

(۱۶۳) اذان کے بعدلوگوں کوجماعت کے لئے بلانا؟ سوال: لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب اذان مسجد میں ہوجائے، تو مؤذن کو یا اور جو آدمی داخل مسجد ہے، اگر باہر سے ان آدمیوں کو جو باہر کسی مکان میں دس بیس بیٹھے ہیں، اس غرض سے بلائے کہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہیں، تو ایک کفارہ کا بکرا آتا ہے، ان کو بلانا جائز ہے یا نہیں، اور کفارہ آتا ہے، یا نہیں؟

جواب: بعد اذان کے مؤذن یا دیگر حاضر مسجد کو کسی کو جماعت کی شرکت کے واسطے اطلاع کردینا اور بلانا درست ہے، بلکہ ثواب ہے اور یہ عوام کا کلام ہے کہ بکرا کفارہ آتا ہے، سو یہ غلط ہے۔ البتہ بعد اذان کے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنے کی عادت کرنا، بعض علماء کے نزدیک بدعت ہے، اور یہی صحیح ہے کہ عوام کے نزدیک اذان لغو ہوجاتی ہے اور موجب سستی کا ہوتا ہے، مگر کسی رہ گئے کو مطلع کردینا، یہ ہرگز منع نہیں، نہ اس میں کچھ کفارہ ہے فقط۔ واللہ اعلم

رشید احمد (فیوض رشیدیہ ص ۴۳)

(۱۶۴) جو افراد اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید نہیں کرتے، وہ سخت گنہگار ہیں: **سوال:** ایک عورت اپنے بھائی اور باپ اور والدہ اور خاوند کو، اگر انھوں نے اس کو نماز کی تاکید نہ کی ہو، تو دوزخ میں لے جاوے گی، صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص اپنے متعلقین کو زوجہ ہو یا غیر زوجہ، نماز کی تاکید نہ کریں گے باوجود قدرت کے، تو بے شک وہ گنہگار ہیں، مستحق عذاب، مگر جو خدائے تعالیٰ معاف فرمادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۵۵)

(۱۶۵) سایہ اصلی کی تحقیق نیز ظہر اور عصر کا وقت مسنون؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ زید کہتا ہے کہ حدیث ظل الرجل کطولہ کا یہ مطلب ہے کہ مرد کا سایہ بعد دلوک الشمس مشرق کی طرف شمار کرنا چاہیے، فئے زوال کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے، پھر اپنے اس قول کی تشریح بیان کرتا ہے۔ تشریح یہ ہے زید کہتا ہے کہ بعد دلوک الشمس سوائے فئے زوال کے، ایک مثل مشرق کی جانب یعنی پورب کی طرف ناپنا چاہیے، مثلاً ایک لکڑی سیدھی کھڑی کی جاوے مثلاً..... یہ لکڑی ہے، اس کا سایہ دوپہر کے وقت آج کل شمال کو ہوتا ہے، اس سایہ کو کچھ شمار نہ کرنا چاہیے، جبکہ اب جو سایہ مابین پورب وشمال کی طرف بڑھتا جائے، اس کو اس لکڑی کی جڑ سے لکڑی کے برابر ہونا چاہیے، تو ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ یعنی جو سایہ بڑھتا جاوے گا، اس کے سرے سے سیدھی لکڑی جنوب کی طرف کھینچتے رہیں گے، جب اس لکڑی کی جڑ سے سرے تک، برابر اس کے مقدار کے پورب کی طرف ہو جاوے گا، تو ایک مثل ہوگا، یہ مطلب حدیث ظل الرجل کطولہ کا ہے، اور جو سایہ مابین مشرق وشمال کی طرف بڑھتا جائے گا اُس کا شمار نہ ہوگا فقط۔

عمرو کہتا ہے کہ مطلب حدیث ظل الرجل کطولہ کا یہ ہے کہ جس طرف بغیر قید جہت کے، کسی شئے لکڑی وغیرہ کا سایہ پڑے بعد دلوک الشمس اس کو برابر یعنی ایک مثل لینا چاہیے، سوائے فئے زوال یعنی اصلی سایہ چھوڑ کر، وہ وقت عصر کا ہے۔ یہی مطلب بیان کیا ہے نواب صدیق حسن خان صاحب نے مسک الختام میں زیر حدیث مذکور (وبگردد سایہ شخص مقدار درازی وے ورائے فئے زوال) (۱) اور اسی کتاب کے ص ۱۲۹ میں ہے:

شاہ ولی اللہ در مصفی گفتہ کہ باشد سایہ ہر چیز مانند قامت آں چیز سوائے۔ فئے زوال (۲)

اور امام شوکانی نے نیل میں، ص ۲۹۰۔

(۱) مسک الختام فی شرح بلوغ المرام نواب صدیق حسن خاں۔ ص ۱۲۷۔ جلد اول، آغاز، باب المواقیت (مطبع نظامی کان پور: محرم ۱۲۹۰ھ) [نور]

(۲) مصفی شرح مؤطا حضرت شاہ ولی اللہ باب الاوقات التی یستحب فیہا اداء الصلوات الخمس ص ۷۷، جلد اول۔ (طبع اول، مطبع فاروقی دہلی: ۱۲۹۳ھ) [نور]

بمصیر ظل الشیٔ مثله غیر الظل الذی یکون عند الزوال دخل وقت العصر(۱) اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے مالابد میں، سایہ ہر چیز مثلِ او شود سوائے سایہ اصلی (۲) اور وقت ظہر بعد دلوک الشمس ہوگا، کرده اندازہ ساڑھے بارہ بجے ہے۔ اس سے پیشتر نماز ظہر درست نہ ہوگی، کیوں کہ نقشہ تصدیق کردہ شاہ ولی اللہ صاحب میں ماہ حال یعنی شروع پھاگن میں، وقت درمیان طلوع آفتاب و زوال چودہ گھڑی ہے۔ اس وقت سورج سات بجنے کے قریب نکلتا ہے، تو حساب سے چودہ گھڑی ساڑھے بارہ بجے ہی ہے اور اپنا تجربہ بھی یہی ہے اور وقت عصر باب نصف پھاگن میں، اندازہ پونے چار بجے کے بعد ہوتا ہے، جو اس سے پیشتر نماز پڑھے گا، اس کی نماز عصر صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ نصف پھاگن میں سات انگل کی لکڑی کا اصلی سایہ پانچ انگل ہے، اور ایک مثل کے سات انگل، تو اس کا مجموعہ بارہ انگل پونے چار بجے کے بعد پورا ہوتا ہے اور وقت سے پہلے نماز درست نہیں۔ اب علمائے ربانی سے استفسار ہے کہ موافق مذہب اہل حدیث، کس کا مطلب و پیمائش درست ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب اول از مولانا عبدالجبار غزنوی: زید کا قول صحیح نہیں، عمرو کا قول مطابق حدیث وعلمائے مذاہب اربعہ ومشاہدہ کے ہے، ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

كانت قدر صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصيف ثلاثة أقدام إلى خمسة أقدام وفى الشتاء خمسة أقدام إلىٰ سبعة أقدام(۳)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ فیِ زوال کو اعتبار ہے، ورنہ یہ فرق کیوں ہوتا۔ اس حدیث میں اگرچہ قدرے ضعف ہے، مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث کے ضعف کو رفع کرتا ہے، جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

متى خرج وقت الظهر بمصير ظل الشیء مثله، غير الظل الذى يكون عند الزوال دخل وقت العصر. (۴)

جب ہر اک چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا، ظہر کا وقت ختم ہوگیا (یہ سایہ) اس سایہ کے علاوہ ہے جو زوال کے وقت موجود تھا، تو عصر کا وقت داخل ہوگیا۔

---

(۱) نیل الاوطار، علامہ شوکانی، ج:۱، ص:۳۴۳، رقم الحدیث:۴۱۶ (دار الکتب العلمیہ، بیروت: ۱۴۱۵ھ) [نوٹ]

(۲) مالابد منہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص:۲۹ (مجتبائی دہلی: ۱۳۳۶ھ) [نوٹ]

(۳) عن عبد الله بن مسعودؓ .... باب وقت صلوة الظهر ...... سنن ابوداؤد، ج:۱، ص:۵۸ (نقش مع المطابع، مطبوعہ کلکتہ)

ب سنن ابی داؤد: ت: شیخ محمد عوامہ کتاب الصلوة : باب المواقیت باب وقت صلاة الظهر رقم الحدیث: ۴۰۳، ج:۱، ص:۳۳۳ (دار القبلة للثقافة الإسلامية بيروت: ۱۴۲۵ھ)

(۴) شرح النووی علی مسلم (باب اوقات الصلوة الخمس) ص: ۲۲۲، ج: اول (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) [نوٹ]

اور زرقانی علی الموطا میں ہے:

صل الظهر اذا كان ظلك مثلك، اى مثل ظلك بغير ظل الزوال(۱)

ظہر کی نماز پڑھو، جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو جائے۔ یعنی اس سایہ کے بغیر جو زوال کے وقت ہو۔

شرح مختصر حنابلہ میں ہے:

وقت العصر المختار من غير فصل بينهما و يستمر الى مصير الفيء مثليه بعد فى الزوال اى بعد الظل الذى زالت عليه الشمس. (۲)

عصر کا پسندیدہ وقت ان دونوں کے بیچ میں، بغیر کسی فاصلہ کے ہے، اور یہ ہمیشہ سایہ مثل کی طرف لوٹتا ہے، جو زوال کے بعد ہوا، یعنی اس سایہ کے بعد جس پر سورج کو زوال ہوا۔

امام نووی منہاج میں جو فقہ شافعیہ میں نہایت معتبر کتاب ہے، لکھتے ہیں:

آخره (اى وقت الظهر) مصير ظل الشيء مثله سوى ظل استواء الشمس. (۳)

اس (ظہر) کا آخر وہ ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے بنصف النہار (وقت) زوال کے سایہ کے علاوہ۔

ابن ابی زید مالکی اپنے رسالہ میں جو فقہ مالکی میں معتبر کتاب ہے، لکھتے ہیں:

آخر وقت الظهر ان يصير ظل كل شيء مثليه بعد ظل نصف النهار.

زوال کے وقت جو سایہ ہوتا ہے اس کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

اور فقہائے حنفیہ کی کتابوں میں تو یہ بات مشہور و معروف ہے:

وقالا اذا صار ظل كل شيء مثله سوى فئ الزوال و هو رواية عن أبي حنيفة (فى الزوال) هو الفيء الذى يكون للأشياء وقت الزوال. (۴)

اور دونوں (حضرات صاحبین) نے کہا ہے کہ جب کسی بھی چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، زوال کے سایہ کے علاوہ۔ اور یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے (زوال کے بارے میں) یہ وہ سایہ ہے، جو زوال کے وقت ہوتا ہے۔

---

(۱) شرح الزرقانى على الموطا، كتاب الصلوة، ص: ۳۷، (دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۱۱ھ) [انور]

(۲) الروض المربع شرح زاد المستقنع للعلامة منصور بن يونس، البهوتى المصرى مع حاشيه عبدالله بن عبدالعزيز العنقرى ج ۱ ص: ۱۳۵ (مكتبة الرياض الحديثة، رياض ۱۴۰۸ھ)

(۳) منهاج الطالبين وعمدة المفتين ص: ۷، مطبع ميمنيه، مصر ۱۳۰۲ھ [انور]

(۴) یہ الفاظ کہاں سے لئے گئے ہیں، خاصی تلاش کے باوجود راقم کو نہیں ملے۔ [انور]

اسی طرح شوکانی نیل الاوطار میں اور دُرَرُ البھیه میں فرماتے ہیں:

و آخره مصير ظل الشيئ مثله، سوى فيئ الزوال.(۱)	اس (ظہر) کا آخر وہ ہے جب ہر ایک چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، نصف النہار (وقت زوال) کے سایہ کے علاوہ۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مصفی (۲) وحجۃ اللہ البالغۃ (۳) میں اور نواب صاحب نے اپنی تصانیف میں، اس کے ساتھ تصریح کی ہے۔ غرض فیئ زوال کے سوا ایک مثل یا مثلین تک ظہر کا وقت رہتا ہے، اور من بعد عصر کا وقت ہونا مسئلہ متفق علیہا ہے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ اس ملک میں پوس ماگھ کے مہینوں میں سارے دن میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا، کہ سایہ ہر شئی کا اس سے زیادہ نہ ہو، تو وقت ظہر کونسا ہوا، لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ سوائے فی الزوال کے، جب ایک مثل ہو جائے تو وقت عصر داخل ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ فیئ زوال کس طرح نکالنا چاہئے، علماء نے اس کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ زمین ہموار میں ایک لکڑی کو سیدھا کھڑا کر کے دیکھے، کہ عین استوائے شمس میں سایہ اس لکڑی کا کس قدر ہے، لکڑی کے مثل یا کم وبیش، جس قدر سایہ ہو، اُسی قدر سایہ چھوڑ کر، اُس پر زائد جو ایک مثل ہو جاوے عصر کا وقت داخل ہوتا ہے، لکڑی کی جڑ سے ایک مثل پورا کرنے سے وقت عصر کا داخل نہیں ہوتا۔ امام ابوالحسن مالکی، شرح رسالہ ابن ابی زید میں لکھتے ہیں:

و يعرف الزوال قال بان يقام عود مستقيم اذا تناهى الظل فى النقصان و أخذ فى الزيادة فهو وقت الزوال، ولا اعتداد بالظل الذى زالت عليه الشمس فى القامة بل يعتبر ظله ليعطف ظله مفردا عن الزيادة.

اور زوال کو پہچاننا (اس طرح سے) کہا کہ ایک لکڑی سیدھی کھڑی کیجئے، جب اس کے سایہ کی کمی ختم ہو جائے اور وہ بڑھنا شروع ہو جائے، وہ زوال کا وقت ہے۔ اس سایہ کا حساب نہیں ہے، جو سورج کے زوال سے پہلے کے وقت تھا، بلکہ اعتبار اس سایہ کا ہے جو زوال کے سایہ کے علاوہ ہو۔

---

(۱) نیل الاوطار ابواب المواقیت باب وقت الظہر ص: ۳۲۳-۳۲۴ ج: ۱ رقم الحدیث: ۴۱۹ ضبطه وصححه محمد سالم هاشم (دار الکتب العلمیة، بیروت ۱۴۱۵ھ) نیز الدر البھیه مع اردو ترجمه، از نواب صدیق حسن خان ص: ۷ [مطبع فاروقی، دہلی: ۱۲۸۹ھ] [نور]

(۲) حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے: "ابتدائے وقت ظہر زوال شمس است از وسط آسمان، وآخر وقت او آنست کہ باشد سایہ ہر چیزے مانند قامت آں چیز" (مصفی معہ مسوی ص: ۷۷، طبع اول، فاروقی، دہلی: ۱۲۹۳ھ) اور مسوی میں فرماتے ہیں: آخر وقت الظهر أن يكون ظل كل شيئ مثله، ص: ۱۱۱، ج: ۱ رقم الحدیث: ۱۲۸ [دار الکتب العلمیة، بیروت ۱۴۰۱ھ] (نور)

(۳) حجة الله البالغة، باب اوقات الصلوة (۱/۲) ت البالن پوری [دیوبند ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۷ء] [نور]

اور طحطاوی میں ہے:

واستثنیٰ فیئ الزوال، لأنه قد يكون مِثْلاً في بعض المواضع في الشتاء، و قد يكون مثلين، فلو اعتبر المثل من عند ذي الظل لما وجد وقت الظهر عندهما ولا عنده.(۱)

اور فیئ زوال کو مستثنیٰ کیا ہے، کیوں کہ کبھی کبھی گرمی میں بعض مقامات پر ایک مثل سایہ ہوتا ہے اور کبھی دو مثل ہوتا ہے۔ پس اگر مثل یا مثلین کا زوال کے وقت سایہ کے ساتھ حساب کیا جائے، تو ظہر کا وقت نہ مثل اول پر ملے گا، نہ مثلین پر۔

اور شامی میں ہے:

قوله ولولم يجد مايغرز، اشار إلى أنه إن وجد خشبةً يغرزها في الأرض قبل الزوال، و ينتظر الظل مادام متراجعاً إلى الخشبة، فإذا أخذ في الزيادة حفظ الظل الذي قبلها فهو ظل الزوال: فإذا بلغ الظل طول القامة مرتين أو مرة سوى ظل الزوال، فقد خرج وقت الظهر، و دخل وقت العصر.(۲)

اگر ایک لکڑی مل جائے اس کو زمین میں زوال سے پہلے گاڑ دو، اور زوال کے وقت کا انتظار کرو، جب لکڑی کا سایہ اس لکڑی کی طرف واپس آنے لگے، تو جب سایہ بڑھنے لگے، اس کو پہلے سایہ سے الگ یاد رکھیں، جو سایہ اس سے پہلے کا ہے وہ زوال کا سایہ ہے، جب سایہ اصل چیز کی لمبائی سے دوگنا ہو جائے، زوال کے سایہ کے علاوہ، تو ظہر کا وقت ختم ہوا اور عصر کا وقت داخل ہو گیا۔

اور شرح وقایہ میں ہے:

مثلا إذا كان فيئ الزوال مقدار ربع المقياس، فآخر وقت الظهر أن يصير ظله مثلي المقياس وربعه، هذا في رواية عن أبي حنيفةؒ، و في رواية أخرى عنه وهو قول أبي يوسف و محمد والشافعي: إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيئ الزوال.(۳)

مثلاً جب فیئ زوال پیمائش کی لکڑی کی چوتھائی کے برابر ہو جائے، ظہر کا آخری وقت وہ ہے، جب اس لکڑی کا سایہ دوگنے سے سوا ہو جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ہے، امام صاحب کی دوسری روایت میں اور یہی امام

---

(۱) الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة ص: ۱۷۳-۱۷۴ ج: ۱، عكس طبع قديم (دار المعرفة، بيروت ۱۳۹۵ھ)

(۲) شامی (۱/۲۴۰) مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ۔ نیز شامی ج:۱ص:۳۶۰۔ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء] (نور)

(۳) شرح وقاية معه حاشيه عمدة الرعاية ص: ۱۴۷، ج: ۱ (مجتبائی، دہلی: ۱۳۲۷ھ) [نور]

ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کا قول ہے، کہ جب ہر اک چیز کا سایہ زوال کے سایہ کے علاوہ، اس لکڑی کے برابر ہو جائے۔

اور کفایہ میں ہے:

و طريق معرفة الزوال، أن ينصب عوداً مستوياً فى أرض مستوية، فما دام ظل العود فى النقصان، علم أن الشمس فى الارتفاع لم يزل بعد، و إن استوى الظل علم أنه حال الزوال، فإذا أخذ الظل فى الزيادة علم أنها زالت. فيخط على رأس الزيادة فيكون من راس الخط إلى العود فئ الزوال، فإذا صار ظل العود مثليه من رأس الخط لامن العود، خرج وقت الظهر عنده.(۱)

اور زوال کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہموار زمین میں ایک لکڑی سیدھی گاڑ دی جائے، تو جب سورج کا سایہ اس لکڑی سے کم رہے، تو سمجھ لو کہ سورج چڑھ رہا ہے، جب سایہ اس لکڑی کے برابر ہو جائے، تو معلوم ہوا کہ زوال کا وقت ہے اور جب سایہ بڑھنے لگے تو معلوم ہوگا، کہ زوال ختم ہوا۔ اس زاید سایہ پر نشان لگا دیں، اس نشان کو لکڑی تک فئ زوال ہے، اور جب فئ زوال کا سایہ اس نشان سے بڑھ کر ایک مثل ہو جائے، (اس کا خیال رہے کہ یہ سایہ لکڑی کی جڑ سے شمار نہ ہوگا) تو ظہر کا وقت نکل جائے گا۔

اور شرح مختصر وقایہ میں ہے:

ثم يعلم على رأس الظل، علامة عند الخرافه، فإذا صار الظل من تلك العلامة لا من العود مثلى العود ،خرج وقت الظهر عند ابى حنيفة.(۲)

پھر جانو کہ سایہ کے آغاز پر اہل فن کے یہاں ایک نشان ہوتا ہے، پس جب سایہ اس نشان سے بڑھ کر اصل لکڑی کے برابر ہو جائے، نہ کہ لکڑی سے اس تک، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہو گیا۔

شاید زید یہ دو قول متاخرین حنفیہ کے دیکھ کر، اس سے اپنا مطلب نکالتا ہے، مگر در حقیقت یہ اس کی سمجھ کا فرق ہے، ان دونوں قولوں کا بھی وہی مطلب ہے جو شامی اور صاحب شرح وقایہ نے بیان کیا ہے۔ مطلب اس علامت اور خط سے بھی

(۱)الكفاية شرح الهداية ، كتاب الصلوة ،باب المواقيت، ص:۱۷۰ جلداول.[مطبوعہ، مولوی عبدالمجید کلکتہ:۱۸۳۱ء] (نور)
نیز الكفاية شرح الهداية باب المواقيت ص:۲۸ ج:۱[مطبع احمدی اموجان دہلی]

(۲)شرح الوقاية ، كتاب الصلوٰة، بيان الاوقات للصلوات الخمس، ص:۱۴۷ ،حاشیہ:۳، جلداول[مطبع مجتبائی دهلی:۱۳۲۷ھ]

یہی ہے کہ فی الزوال کا قدر معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس علامت اور خط کے اندازہ پر سایہ جس طرف ہو جاوے، اُسی قدر بوقت عصر چھوڑ کر، زائد ازاں یک مثل پورا کرنا ضروری ہے۔ غرض کہ زید کی تشریح و بیان کی سند میں میری نظر سے نہ کسی محدث کا قول گذرا ہے اور نہ کسی فقیہ کا۔ یہ فقط اُس کا عندیہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

عبدالجبار ابن عبداللہ الغزنوی

جواب مولانا رشید احمد گنگوہی: بے شک فیصلہ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی بہت درست ہے، اور پیمائش ان کی موافق حدیث جابرؓ جو ذیل میں درج ہے، بہت ٹھیک ہے، کہ جس طرف سایہ بعد زوال پڑے، لکڑی کی جڑ سے بقدر سایہ اصلی یعنی فی زوال اور ایک مثل کے ہو جانے سے، وقت عصر کا ہو جاوے گا۔ حدیث یہ ہے:

عن بشير بن سلام قال: دخلت أنا و محمد بن علي، على جابر بن عبد الله الأنصاريؓ فقلنا له: أخبرنا عن صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم، و ذاك زمن الحجاج بن يوسف. قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى الظهر حين زالت الشمس و كان الفيء قدر الشراک، ثم صلى العصر حين كان الفيء قدر الشراک و ظل الرجل الخ.

بشیر بن سلام سے روایت ہے کہ میں اور محمد بن علی، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق بتایئے اور یہ حجاج بن یوسف کا دور تھا، انہوں نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور ظہر کی نماز پڑھی جب سورج ڈھل گیا اور اس وقت ہر چیز کا سایہ اس کے بالکل برابر تھا، پھر عصر کی نماز پڑھی جب سایہ ہر شے اور آدمی کے سایہ کے برابر ہو گیا تھا۔

یہ حدیث نسائی میں صحیح سند سے مروی ہے اور سندھی محدث نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

قدر الشراک بكسر الشين أحد سيور النعل التي تكون على وجهها، و ظاهر هذه الرواية أن المراد الفيء الأصلي لا الزائد بعد الزوال، ولذلک استثنیٰ في وقت العصر(۲)

شراک، شین کے زیر سے ہے، جوتے کا تسمہ جو جوتے کے اوپر ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اصل سایہ مراد ہے، وہ زائد سایہ نہیں جو زوال کے بعد ہوتا ہے، اسی لئے اس سے وقت عصر کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

(۱،۲) سنن نسائی مع حاشیہ سندھی، کتاب المواقیت، باب آخر وقت المغرب جلد اول (مطبوعہ مجتبائی، دہلی: ۱۳۱۵ھ)
نیز سنن نسائی مع حاشیہ مذکور ص: ۱۳۷۔ حدیث: ۵۲۰، تحقیق صدقی جمیل العطار ۲۰۰۵ء [دار الفکر بیروت: ۱۴۲۵ھ/۱۴۲۶ھ] [نور]

اور مجمع البحار میں لفظ شراک کے تحت میں، اس حدیث شراک کی شرح یوں کی ہے:

صلى الظهر حين كان الفئ بقدر الشراك، هو أحد سيور النعل تكون على وجهها، و قدره هنا ليس على وجه التحديد لكن زوال الشمس لايبين إلا بأقل ما يرى من الظل و كان حينئذ بمكة هذا القدر، و الظل يختلف باختلاف الأزمنة و الأمكنة الخ (۱)

ظہر کی نماز پڑھیں جب کہ فئے زوال اور (زاید) سایہ اس طرح برابر ہو جائیں، جیسے ایک جوتے کا تلہ دوسرے تلے کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی یہ مقدار یہاں تحدید کے لئے نہیں، کیوں کہ سورج کے زوال کا وقت صحیح طور سے محقق نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ سایہ ذرا سا بڑھ نہ جائے، اور مکہ مکرمہ میں یہی پہچان تھی اور سایہ وقت اور علاقوں کے اعتبار سے کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

یہ پیمایش موافق حدیث ایک مثل کے ہے، یہی مذہب راجح ہے اور مذہب ثانی جو راجح نہیں، لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیسا کہ حدیث ابوہریرہ کا مضمون ہے:

صَلِّ الظهر إذا كان ظلك مثلك، والعصر إذا كان ظلك مثليك (رواه في المؤطا).

ظہر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو جائے اور عصر پڑھو جب تمہارا سایہ دوگنا ہو جائے، اس کو مؤطا میں روایت کیا ہے۔

اسی واسطے مولوی عبدالجبار صاحب نے مذہب ثانی کی پیمایش بھی درج کردی، ورنہ ان کے نزدیک روایت معمول بہا ایک ہی مثل ہے۔ اور زید کی پیمایش پر جو قول کسی فقیہ یا محدث کا نہ ملا تو بیان کردیا کہ یہ اس کا عندیہ ہے، پھر پیمایش زید مخالف ہے حدیث کے بھی، حدیث کہتی ہے فی یعنی سایہ پیمایش کیا جاوے اور زید کی پیمایش میں دھوپ چلتی ہے اور دوسرے مخالف ہے حدیث قیراط سے بھی، جو بخاری در باب وقت عصر من أدرک رکعة قبل الغروب لایا ہے، جس سے عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کم معلوم ہوتا ہے، نہ برابر نہ زیادہ۔ فتح الباری میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے، اگر وقت عصر کے ایک مثل پر تفریع کی جاوے، جیسا کہ مذہب جمہور کا ہے:

وأجيب بمنع المساواة و ذالک معروف عند أهل العلم بهذا الفن، وهو أن المدة التى بين الظهر والعصر أطول من المدة التى بين العصر والمغرب (۳)

(۱) مجمع البحار، علامہ محمد طاہر پٹنی، ص: ۲۱۲، ج: ۳ (تحت الشرک) (دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۹۱ھ) [نور]

(۲) مؤطا، امام مالک ص ۳ (وقوت الصلوة) (مجتبائی، دہلی: ۱۳۲۰ھ) نیز ص: ۵ [نور محمد، اصح المطابع ۱۳۰۴ھ] نیز موطا امام مالک باب مذکور ج: ۱ ص: ۱۳ رقم الحديث: ۹، تحقیق: دکتور محمود احمد القیسیہ [موسسة النداء ابوظبی ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء] (نور)

(۳) فتح الباری، کتاب مواقیت الصلوة وفضلها باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب، حدیث نمبر ۵۵۸) ص ۴۰ ج ۲۔ [دار الفیحاء، دمشق]

منع مساوات سے (اعتراضات کا) جواب دیا گیا ہے اور یہ اس فن کے ماہرین میں مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو وقت ظہر اور عصر کے بیچ میں ہوتا ہے، وہ اس وقت سے زائد ہوتا ہے، جو عصر اور مغرب کے بیچ میں ہوتا ہے۔

زید کی پیمائش میں برخلاف اس کے، زید کا مقولہ درست نہیں ہے، ورنہ لازم آوے گا کہ جن ایام میں سایہ اصلی ایک مثل یا اس سے زائد ہو، تو نماز ظہر کا کوئی وقت نہ رہے گا، اس لئے کہ بفور ڈھلنے کے ایک مثل سایہ ہوجانے کے، سبب اس تقدیر پر عصر کا وقت ہوجاوے گا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (۱)

(فتاویٰ نذیریہ ضمیمہ جلد دوم ص ۱۴ تا ۱۸ (طبع اول، دتی پرنٹنگ ورکس دہلی: ۱۳۳۳ھ)

(۱۶۶) مثل ثانی ظہر میں داخل ہے یا نہیں؟ **سوال:** مثل ثانی بقول معتمد علیہ در ظہر داخل است یا نہ؟ و آں کہ بعضے دریں باب حتی یساوی ظل .... حجت می آورند، نزد آں صاحب قابل حجت است یا نہ؟ اگر ہست وجہ استدلال بیان نمائید، والا محض جواب کافی است۔

ترجمہ: مثل ثانی معتمد علیہ قول کے مطابق ظہر میں داخل ہے یا نہیں، اور وہ بعض اصحاب جو اس بحث میں: حتی یساوی ظلہ کو دلیل میں لاتے ہیں، آنجناب کے نزدیک لائق استدلال ہے، یا نہیں۔ اگر ہے تو استدلال کی وجہ بیان کیجئے، ورنہ صرف جواب کافی ہے۔

---

(۱) اس فتوی کے ضمن میں مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ نے حضرت مولانا گنگوہی کی تحقیق سے کچھ اختلاف بھی کیا ہے، مناسب ہے کہ اس کو بھی یہاں نقل کردیا جائے۔ دونوں مجیب نے جو کچھ لکھا ہے، بہت صحیح و درست لکھا ہے مگر مجیب ثانی نے جو یہ فرمایا کہ "مذہب ثانی (یعنی وقت ظہر کا مثلین تک باقی رہنا) جو راجح نہیں لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، جیسا کہ حدیث ابوہریرہؓ کا مضمون ہے:

"صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك"

سو یہ ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ ابوہریرہ کی اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا بااصل ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس واسطے کہ اس حدیث میں ظہر و عصر کے اول وقت کا بیان نہیں ہے، بلکہ آخر وقت کا بیان ہے اور مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے ایک مثل تک ہے۔ اور عصر کا وقت ایک مثل سے مثلین تک، پس اس حدیث کے مضمون سے مذہب ثانی کا بااصل ہونا نہیں ثابت ہوتا ہے، بلکہ معاملہ برعکس ہے: قال فی التعلیق الممجد:

و اقتصر فيه على ذكر اواخر الاوقات المستحبة دون اوائلها، فكانه قال الظهر من الزوال الى ان يكون ظلك مثلك والعصر من ذلك الوقت الى ان يكون ظلك مثليك انتهى۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔
فتاویٰ نذیریہ ص ۱۸ ج اول [نور]

الف: رواہ فی الموطا. ج: ۱/ص: ۱۳ رقم الحدیث: ۹ . تحقیق: الدکتور محمود احمد [موسسة النداء ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء]
ب: التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد. للعلامة اللکنوی کتاب الصلوة، باب وقوت الصلاة. ص: ۴۱. حاشیہ: ۹ محمد یوسف. لکھنؤ مطبع بلاسنہ. نیز التعلیق الممجد علی المؤطا باب مذکور ج: ۱ ص: ۱۵۱-۱۵۲، تحقیق: الدکتور تقی الدین الندوی ناشر ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء.

جواب: در مثل ثانی علماء حنفیہ اختلاف کردہ اند، مشہور روایت ہموں است کہ مثل ثانی در ظہر است مگر بعض معتمدین بر مذہب صاحبین فتوی دادہ اند۔ واحوط ہمیں است کہ ظہر در مثل وعصر بعد مثلین خوانند، وچونکہ از اہل ترجیح ایں ناکارہ نیست، در وجہ ترجیح کلام نمی تواند کرد۔ فقط واللہ تعالی اعلم

جواب: مثل ثانی میں علمائے احناف نے اختلاف کیا ہے، مشہور وہی روایت ہے کہ مثل ثانی ظہر میں ہے، مگر بعض معتمدین صاحبین کے مذہب پر فتوی دیتے ہیں۔ اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر مثل اول میں اور عصر مثلین کے بعد پڑھیں، چوں کہ یہ ناکارہ اہل ترجیح میں سے نہیں ہے، وجہ ترجیح میں گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۷۷-۱۷۸)

(۱۶۷) خروج دجال کے وقت نماز کس طرح پڑھی جائے گی؟

از رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، بعد سلام مسنون! آنکہ خط تمہارا آیا حال معلوم ہوا تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارے بھائی کی مغفرت ہوئی۔

اور جواب مسائل کا یہ ہے، کہ جس وقت خروج دجال ہوگا وہ اپنے تصرف سے نظر بندی کردے گا، جس کی وجہ سے لوگوں کو دن معلوم ہوگا، تو درحقیقت اس برس روز میں، مثل اور ایام کے طلوع وغروب واستواء وغیرہ سب کچھ ہوگا لیکن نظر بندی کی وجہ سے نظر کچھ نہ آئے گا، تو ایسی صورت میں اسباب نماز پنج وقتی بے شک واقع ہوئے، لیکن قصور اپنے ادراک کا ہوا، لہٰذا فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اندازہ کرکے پڑھو۔ (۱) بخلاف اس کے کہ جب درتوبہ بند ہوگا اور آفتاب مغرب سے نکلے گا، اس سے قبل تین روز تک آفتاب طلوع نہ ہوگا، تو وہاں یہ فرمایا کہ جیسے بالفرض اگر آفتاب ابر غلیظ میں نظر نہ آئے اور عالم میں اندھیرا رہے، تو اندازہ کرکے نمازیں پڑھنا چاہئے، کیونکہ اسباب واقع میں متحقق ہیں، گو ہم کو کسی وجہ سے محسوس نہ ہویں اسی طرح دجال کا ایک دن درحقیقت برس روز ہے، یعنی تین سو ساٹھ روز ہیں، اور ان میں طلوع وغروب اپنے اپنے موقع سے ہوتا ہے، گو ہم کو بوجہ نظر بندی نظر نہ آوے، تو ہر دن کی نمازیں، اندازہ سے پڑھنا چاہئے اور قواعد اصول کے کچھ منافی نہیں۔ (۲)

(مجموعہ رام پور، ص ۲۳)

---

(۱) خروج دجال کی روایت حضرت نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے جو مسلم شریف میں ہے: قلنا یا رسول اللہ فذالک الیوم الذی کسنۃ اتکفینا فیہ صلوۃ یوم، قال: لا اقدروا لہ قدرہ، الخ مسلم کتاب الفتن، باب ذکر الدجال ص: ۴۰۱، جلد دوم (مطبع مجتبائی: دھلی ۱۳۱۹ھ) نیز: کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب ذکر الدجال وصفۃ امامعۃ ص: ۱۳۲۲، جلد دوم رقم الحدیث: ۲۹۳۷ ت: ابو قتیبہ نظر محمد فاریابی (دار طیبۃ ریاض ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء) (مشکوۃ، کتاب الفتن، باب العلامات بین یدی الساعۃ الفصل الاول ص: ۴۷۳، اصح المطابع، رشیدیہ دھلی ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء) نیز مشکوۃ شریف ج ۳ ص: ۲۰۴۶، ۲۰۴۷ (مکتبۃ التوبہ، ریاض، ت: رمضان بن احمد بن علی آل عوف) ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء

اور اگلی روایت کہ جب درتوبہ بند ہوگا الخ یہ روایت کہیں پڑھنے میں نہیں آئی۔ واللہ اعلم (پالن پوری)

(۲) نوٹ: یہ گرامی نامہ ان ہی الفاظ پر ختم ہوگیا ہے، بظاہر ناتمام ہے۔ (نور)

سمتِ قبلہ اور متعلقہ مسائل

(۱۶۸) قطب تارہ سے قبلہ کارخ پہچاننے کا کیا طریقہ ہے؟ **سوال:** قبلہ کارخ قطب تارہ سے کس طرح پہچانتے ہیں، اس کو داہنے مونڈھے پر رکھیں یا اس سے آگے، اور اسی طرح آفتاب سے کیوں کر پہچانیں؟ جیسا سنا ہے کہ، موسم سرما میں آفتاب نمازی [سے] بائیں جانب رہے، اور موسم گرما میں داہنی جانب رہے۔

جواب: ہندوستان کے لوگ داہنے مونڈھیں پر اس کو لیویں اور سوا نہیں، کہ جس سے آگے پیچھے کا حال ضبط ہوسکے، یہ ریاضی سے علاقہ رکھتا ہے .... (اس کے بعد کچھ عبارت ضائع ہوگئی ہے۔ نور)

(بدست خاص، سوال ۱۳۵)

(۱۶۹) ریل کے سفر میں نماز کا مسئلہ؟ **سوال:** ریل میں بحالت روانگی نماز ہوتی ہے، یا نہیں، اور اکثر ریل میں قبلہ کی جانب منھ بھی نہیں کرسکتا اور نہ سجدہ ہوسکتا ہے، تو کیا کرے، پڑھے یا نہ پڑھے؟

جواب: ریل جاری میں نماز نفل تو ہوتی ہے اور فرض میں اختلاف ہے، احتیاط اولیٰ ہے، چلتی میں نہ پڑھے، کھڑی ہوئی پر پڑھے، اور جو سجدہ نہ کرسکے تو توقف کرے، چوکی پر جاکر نیچے اتر کر پڑھے۔(۱)

(بدست خاص، سوال ۱۳۶)

(۱۷۰) ریل کے سفر میں تیمّم، نماز اور قبلہ کا مسئلہ؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ اکثر اوقات بحالت سفر ریل میں، نمازی کو دشواریاں پیش آتی ہیں، بعض وقت پانی میسر نہیں ہوتا، بعض موقعوں پر جگہ نہیں ملتی، بعض صورتوں میں سمت ٹھیک نہیں ہوتی۔ آیا درصورت نہ ملنے پانی کے تیمّم کرلیا جاوے اور درحالت جگہ نہ ملنے کے اشارے سے نماز ادا کی جائے اور سمت کا عمل اس طرح کیا جاوے، جیسا جہاز اور کشتی پر حکم ہے، نہایت ضرور [ت] ہے۔ اس مسئلہ کی۔

اس کا جواب بدلائل مدلل، بنا بر مذہب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمایئے، کیونکہ سفر ریل میں اکثر نماز قضا کردیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) چلتی ریل گاڑی میں نماز کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ شروع میں اختلافی تھا، لیکن اب اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ چلتی ریل میں بلا تامل نماز ہوجاتی ہے، فرض ہو یا نفل، جو کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتا ہو، اس کا بیٹھ کر نماز پڑھنا یا استقبال قبلہ کے بغیر پڑھنا یا رکوع وسجود اشارہ سے کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر گاڑی تیز رفتار ہو اور نماز کے وقت میں رکنے والی نہ ہو اور کوئی بوڑھا یا بیمار ہو کہ صحیح طرح کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو، فرض نماز بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا ہے اور بھیڑ کا عذر معتبر نہیں، اس صورت میں نماز مؤخر کرے یا قضا پڑھے اس کو کچھ تفصیل اگلے نمبر پر آرہی ہے۔ (پالن پوری)

جواب: اگر ریل میں پانی نہ ملے اور قریب اسٹیشن پہنچنے پر، امید پانی ملنے کی ہو، تو اخیر تک انتظار کرے، اور جب اندیشہ نماز قضا ہونے کا ہو جائے، تو تیمم سے نماز ادا کر لینی چاہئے اور ایسے ہی جگہ نہ ملنے پر بھی، انتظار کیا جاوے، جب وقت نکلنے کا اندیشہ ہو، تو اشارہ سے اس وقت نماز ادا کر لینی چاہئے، مگر ان دونوں صورتوں میں، پھر اطمینان کے وقت اعادہ نماز کا اولیٰ ہے اور اقرب الی الاحتیاط ہے۔ اور سمت قبلہ وقت نماز شروع کرنے کے متعین و متحقق کر لینی چاہئے، پھر اگر اثنائے نماز میں ریل پھر جاوے اور اطلاع ہو جاوے تو پھر جانا چاہئے، اور اگر اطلاع نہ ہو تو خیر پھر اعادہ نہیں آتا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم　　مہر　　بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

> یہ فتویٰ ایک ناقص کتاب میں ہے، جو نماز کے مسائل اور اوراد کی جامع ہے، اس کتاب کے صرف چند اجزاء، اول آخر سے ناقص میرے پاس ہیں، ص ۱۵۳ ص ۱۹۲ تک۔ اسی میں یہ فتویٰ شامل ہے ص ۱۷۸ تا ۱۸۹۔ اس کتاب کے نام، اس کے مصنف اور سنہ اشاعت وغیرہ کی تحقیق نہیں۔ (نور)

(۱۷۱) ریل میں تیمم، سمتِ قبلہ اور نماز کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ اکثر اوقات بحالت سفر ریل، مسافر کو نماز پڑھنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں، بعض وقت پانی میسر نہیں آتا، بعض موقع پر جگہ کم و تنگ ملتی ہے، بعض صورت میں سمت کعبہ ٹھیک نہیں ہوتی۔ آیا در صورت پانی نہ ملنے کے تیمم کر لیا جاوے اور در حالت جگہ نہ ملنے کے، اشارہ سے نماز ادا کی جاوے اور سمت کا عمل اس طرح پر ہو، جیسا کہ جہاز یا کشتی پر حکم ہے۔ اس کا جواب کتب فقہ سے بعبارت عنایت ہو۔ بینوا توجروا۔

جواب: اگر ریل میں نماز کا وقت آ جائے اور پانی موجود نہ ہو اور اسٹیشن بھی قریب نہ ہو، تو نماز تیمم سے درست ہے۔ ایسے ہی اگر سمت ریل کی قبلہ کی طرف ٹھیک نہ ہو، تو اس کو اسباب وغیرہ رکھ کر قبلہ کی طرف نماز ادا کرنا چاہئے اور تھوڑا انحراف نماز کی صحت میں مضر نہیں ہے، البتہ اگر بالکل ہی جنوب یا شمال کی طرف رخ ہوگا، تو نماز درست نہ ہوگی، اور اشارہ سے نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ جہت کا بھی انتظام ہو سکتا ہے، اور اتنی جگہ بھی مل سکتی ہے کہ نماز ادا کر لے، اور پھر جب قدرت ہو اس وقت اعادہ کرے۔ فقط والسلام

بندہ آنکھوں کی معذوری کے سبب نقل روایات سے مجبور ہے۔　فقط والسلام　بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

قال فی الدر المختار: من عجز عن استعمال الماء لبعده میلاً الخ و هو المختار فی المقدار تیمّم.(۱)

---

(۱) الدر المختار ج: ۱/ص: ۱۳۱ عکس مجتبائی دیوبند. الف: شامی ص: ۱۵۵، ج: ۱ مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۷ھ۔ ب: رد المحتار علی الدر المختار، ص: ۲۳۲ - ۲۳۳ ج: ۱، باب التیمم (دار الفکر بیروت) [نور]

ولغيره أى غير معانيها اصابة جهتها بأن يبقى شئ من سطح الوجه سامتاً للكعبة أو لهواء ها الخ . (۱)

ومنها القيام فى فرض لقادر عليه و على السجود الخ (۲) فقط

کتبہ رشید احمد گنگوہی   الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ

الجواب صحیح: [حیبان خدا میں سب سے بڑھ کر ہے، حبیب احمد۔ مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی)

[بجمع فتح محمد متمسک ۱۳۱۵] (مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی)   اصاب المجیب: محمد حسن عفی عنہ   الجواب صحیح: بندہ محمود عفی عنہ

جواب مولانا مولوی رشید احمد صاحب کا ہے بہت ہی ٹھیک ہے، راکب ریل کو ان شرائط مذکورہ کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے۔ محمد عبدالغنی عفا اللہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی   الجواب صحیح: محمد رمضان عفی عنہ واعظ جامع مسجد آگرہ۔

> یہ فتویٰ بھی اسی ناقص کتاب میں ہے، جو نماز کے مسائل اور اوراد کی جامع ہے، اس کتاب کے صرف چند اجزاء اول آخر سے ناقص میرے پاس ہیں، ص ۱۵۳ اص ۱۹۲ تک۔ اسی میں یہ فتویٰ بھی شامل ہے ص ۱۷۹ تا ۱۸۰۔ (نور)

سترہ

(۱۷۲) نماز پڑھنے والے کے سامنے، اگر گزرنے والا سترہ رکھدے تو؟ سوال: زید نماز پڑھتا ہے اور بکر اس کے آگے کو جانا چاہتا ہے، تو اگر بکر خود ایک لکڑی مقدار سترہ سامنے کھڑی کر کے، نمازی کے روبرو سے گزر جاوے تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ کرنا جائز ہے اور سترہ اس سے ہو جاتا ہے۔ (۳)

(بدست خاص، ص ۵۱)

---

(۱) الدر المختار ج: ۱/ص: ۶۸، مطبع عکس مجتبائی دیوبند .الف: الدر المختار مع الشامی ۱/ ۲۸۷، باب شروط الصلاة ، مبحث فی استقبال القبلة (مجتبائی ، دهلی: ۱۲۸۷ھ)ب: شامی ج: ۱/ص: ۴۲۸. دار الفکر بیروت: ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۶ء. [نور]

(۲) الدر المختار ۱/ ۷۰ ، باب صفة الصلوٰة (مطبوعہ سعید کمپنی ایجوکیشنل پریس: کراچی۔ عکس مجتبائی، دہلی: ۱۳۳۱ھ) نیز الدالمختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۲۹۸. ۲۹۹ [مجتبائی دهلی: ۱۲۸۷ھ] [نور]

(۳) اس فتویٰ کا مصداق یہ صورت ہے کہ نمازی کے سامنے پہلے کوئی سترہ قائم کر دیا جائے، پھر گذرنے والا گذر جائے اور سترہ وہیں قائم رہے۔ جیسے پلیٹ فارم پر کوئی نماز پڑھ رہا ہے، اس کے سامنے اٹیچی رکھی پھر آگے سے گذر گیا اور اٹیچی وہیں رکھی رہی، یا کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے، تو اس کے سامنے کوئی تختہ رکھ کر سترہ بنا دیا، لیکن اگر نمازی کے سامنے اپنا ہاتھ لمبا کر کے، رومال یا کوئی کپڑا لٹکا دیا اور اس سترے کے ورے سے گزر کر، رومال لے کر چلا گیا تو یہ صورت اس جواب کا مصداق نہیں، یہ رومال لٹکانا سترہ شمار نہ ہوگا، کیونکہ اس سے نمازی کی نماز میں جو خلل پڑنا تھا پڑ گیا، اور مستقل سترہ بنانے میں نمازی کی توجہ مقصور ہو جائے گی۔ واللہ اعلم   (پالن پوری)

(۱۷۳) نماز پڑھنے والے کے سامنے سے کس قدر فاصلے سے گزرنے کی اجازت ہے؟

سوال: نمازی کے آگے کو نماز پڑھتے ہوئے نکل جانا، کتنے فاصلہ تک جائز ہے؟

جواب: جنگل میں سجدہ کی جگہ کو بچا کر نکلنا درست ہے، اور جو مسجد چالیس ہاتھ لمبی اور چالیس ہاتھ چوڑی ہو اس میں بھی ایسا ہی (ہے) اور اس سے کم مسجد اور گھر میں، مطلقاً آگے جانا منع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص:۲۳)

(۱۷۴) امام محمدؒ کے قول: "اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنے سے باز نہ رہے تو اس سے قتال نہ کیا جائے"، کا کیا مطلب ہے؟

سوال: امام محمدؒ کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سامنے نمازی کے گزرنے سے باز نہ آئے، تو اس سے لڑنا بھی نہیں چاہئے (۱) اس صورت میں قتال کا مطلب کیا ہوگا؟

جواب: امام محمدؒ نے کہیں نہیں لکھا کہ نمازی کے سامنے سے جانے سے باز نہ آوے (۲) (کذا) معلوم نہیں تم سے کس نے کہا ہے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۰-۴۲)

امامت و جماعت کے مسائل و متعلقات

(۱۷۵) جماعت اور صف کی درستگی ضروری ہے، چاہے تکبیر کے بعد ہو: **سوال:** تکبیر جب شروع ہو جائے یا ختم ہو چکے، اس وقت جماعت کو دائیں بائیں سرک جانا، کیسا ہے؟

جواب: جماعت [کی] اصلاح اور سیدھا [ہونا] ضرور[ی] ہے، اگر چہ تکبیر کے بعد ہو۔ درستی جماعت کرنی چاہئے۔

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۳-۲۳۴)

(۱۷۶) مسجد کی اندرونی و بیرونی صفوں کے، درمیان اگر کپڑے کا پردہ ہو؟ **سوال:** مسجد میں پردہ پڑا ہوا ہے اور جماعت ہو رہی ہے، باہر کے فرش پر بھی جماعت ہے اور پردہ درمیان میں حائل ہے، درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر پردہ حائل ہے، نماز ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۶۷)

---

(۱) اصل میں اسی طرح ہے، غالباً صحیح عبارت یوں ہوگی: "تو اس سے لڑنا نہیں چاہیے"۔

(۲) یہ فقرہ اسی طرح ناتمام ہے۔ (نور)

(۱۷۷) نماز کی صفوں میں، سب سے زیادہ ثواب کس جگہ کا ہے؟ **سوال:** جماعت میں ثواب زیادہ اوّل جماعت والوں کو ہے، یا سب میں برابر ہے، یا دائیں بائیں والوں میں، یا جو شخص امام کے پیچھے ہے ان میں بروئے ثواب تفاوت ہے؟ تحریر فرمادیں۔

جواب: اول صف کو زیادہ ثواب ہے اور اول صف میں امام کے پیچھے کو زیادہ، پھر داہنے کو پھر بائیں کو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (بدست خاص ص ۴۲)

(۱۷۸) نابالغ بچہ تنہا صف میں کس جگہ کھڑا ہو؟ **سوال:** نابالغ یعنی لڑکا اگر اکیلا ہو، تو صف اول میں بالغوں کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھے، یا پیچھے تنہا کھڑا ہو کر پڑھے؟

جواب: اگر تنہا ہو تو بائیں جانب صف میں کھڑا ہو جاوے۔ (بدست خاص، ص ۵۲)

(۱۷۹) جو شخص قرآن شریف اچھا پڑھتا ہے اس کی امامت: **سوال:** [ایک شخص] قرآن خوانی میں یہ کہتا ہے کہ میرے برابر دوسرا کوئی شخص نہیں پڑھ سکتا اور میری نماز کسی مولوی کے پیچھے نہیں ہوتی۔

جواب: اگر چہ وہ شخص قرآن اچھا پڑھتا ہے، مگر اس کے پیچھے کہ قرآن قدر ما یجوز پڑھے، نماز اس کی درست ہے، اور عالم جو قرآن بقدر ما یجوز پڑھتا ہو، اس کا امام ہونا حق ہے۔ اور یہ قول اس کا کہ میری نماز کسی کے ساتھ نہیں ہوتی محض جہل، ناشی تکبر اور عجب سے ہے، دین کی بات نہیں۔ (مجموعہ کلاں ص: ۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰)

(۱۸۰) نابینا اگر محتاط ہو تو اس کی امامت؟ **سوال:** یہ شخص اندھا اور ذات سے جولاہا ہے، اس کے پیچھے ہم لوگ نماز پڑھیں یا نہیں اور قابل رکھنے کے ہے یا نہیں؟

جواب: اندھا اگر محتاط ہو اور مسائل نماز سے واقف ہو اور قرآن اچھا پڑھتا ہو، اس کی امامت درست ہے بلا کراہت، اور جولاہے کی اقتداء بھی درست ہے، اندھا ہونا اور جولاہا ہونا مضر امام کو نہیں۔ البتہ جسکے ایسے حالات ہوں کہ اوپر کے سوالات میں مذکور ہوئے، اس کو امام بنانا منع اور سخت بیجا ہے۔ اگر واقعی اسکے ایسے حالات ہیں، وہ ہرگز قابل رکھنے کے نہیں۔ اگر ایسے شخص کو امام بنادیں گے تو سب ماخوذ اور گنہگار ہوں گے۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۲۹-۱۳۰)

(۱۸۱) باصلاحیت نابینا امام کسی بھی برادری کا ہو، اس کی امامت؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں: کہ امام مسجد ایک شخص نابینا، قوم کا تیلی عرصہ دراز سے مقرر ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے، بشرط موجودگی اور امام عالم کے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: احق بالامامت وہ شخص ہے کہ علم صلوٰۃ سے واقف ہو اور قرآن اچھا پڑھتا ہو اور متقی ہو، ایسے شخص کو امامت کے واسطے مقرر کریں۔ اگر خلاف اس کے امام مقرر کریں گے تو مکروہ ہے اور جب امام حی مقرر ہو گیا تو امامت حق اسی کا ہے، بدون اس کی رضا کے دوسرے کو امامت کرانا مکروہ ہے۔ پس اب جو تم نے اس کو امام حی مقرر کر لیا ہے، اگر قرآن اچھا پڑھتا ہے، متقی ہے اور مسائل نماز کے خوب جانتا ہے، تو قابل امامت کے ہے، اگرچہ نابینا ہے۔ پس اگر کوئی عالم آوے تو اس کو لائق ہے کہ ان سے نماز پڑھوائے، مگر عالم کو بدون اس کی رضا کے امام ہونا مکروہ ہے اور جو وہ ہی پڑھا دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور جو وہ مسائل نہیں جانتا، یا قرآن اچھا نہیں پڑھتا، یا متقی نہیں تو تم لوگوں پر کراہت ہے کہ تم نے ایسا امام کیوں ٹھہرایا، اب......... دوسرا کوئی امام عمدہ عالم آجاوے، تو پھر اس کو لازم ہے کہ عالم کو امام بناوے، اگر مع ہذا، وہ ہی پڑھاوے تو نماز ہو جائے گی، اگر قرآن میں ایسی سخت غلطی نہیں کرتا، لیکن ترک اولیٰ ہے کہ افضل کے ہوتے ایسا امام بنے، فقط۔ یہ حکم شرع کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۴۳-۱۴۴)

(۱۸۲) حنفیہ کے نزدیک نابالغ کی امامت؟

سوال: یہ ہے کہ تراویح میں قرآن سننے کے واسطے نابالغ کے پیچھے نماز پڑھنا، بعض علماء کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے۔ فتویٰ کس قول پر ہے؟

جواب: اصل مذہب حنفیہ کا نابالغ کی اقتداء بالغوں کے واسطے عدم جواز کا ہے، اور یہ ہی مذہب معتمد ہے، بعض علمائے متاخرین نے جواز کا حکم دیدیا ہے، سو وہ مذہب میں چنداں معتبر نہیں۔ فقط (مجموعہ فرخ آباد ص ۷-۱۲)

(۱۸۳) جس کی تا اور طا صاف نہ ہو، اس کی امامت کا حکم؟

سوال: اس زمانہ میں اکثر لوگ حروف مشتبہ الصوت، تا و طا وغیرہ میں فرق نہیں کرتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں، انکے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

جواب: ایسے کو امام بنانا درست نہیں، قرآن صحیح خواں کو امام بناوے، ورنہ نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۳۱)

(۱۸۴) جس شخص میں خلاف شریعت عادات ہوں یا ترک نماز کرتا ہو، اس کی شرعی حیثیت اور امامت؟

سوال: جو شخص اعمیٰ حافظ قرآن ہو اور مجرد ہو اور ہمسایہ کی نامحرم عورتوں جوانوں کے پاس، بہ بہانے پڑھانے اور سنانے سور قرآن و مناجات وغزلوں کے، رات میں اور دن میں جاتا ہو، اور جوان عورتوں مکارہ کو، بہ بہانے جھاڑ پھونک بعض اعضاء یاد کھنے بعض زیور کے بلمس مساس کرتا ہو، اور بعض سے بعض وقت خلوت بیٹھنے کو بھی حاصل ہوتی ہو، جو بتصریح علماء گناہ کبیرہ

ہے اور کسی لڑکی مراہقہ یعنی قریب بلوغ کو، جب اکثر تعلیم سبق قرآن ہو تو مکان خالی میں زنجیر لگا کر ہو، اور ان مواضع تہمت سے باوصف ملامِ مردم احتراز نہ کرے، اور امور مذکورہ پر مصر رہے اور تمام سال مسجد جماعت محلہ میں بجز نماز جمعہ نہ پڑھے، اور اتفاقاً کبھی پڑھے تو التزام جماعت ہرگز نہ ہو اور تیار جماعت چھوڑ کر تنہا پڑھ جاوے، یا قبل جماعت کبریٰ، ایک دو کو ساتھ لیکر تفریق جماعت کرے اور رمضان المبارک میں طالب امامت صلوٰۃ تراویح اور سنانے قرآن کا ہو اور بعض ضعیف الایمان اس کو بجہت زود خوانی (جس کے واسطے "رب تال للقرآن" (۱) وارد ہے) واسطے امامت کے پسند کرتے ہیں اور امام صالح مرتل کو ناپسند کرتے ہیں، اور بعض بلکہ اکثر اس کی امامت سے کارہ ہوں، یا ناجائز سمجھتے ہوں، تو ان میں کون حق پر ہے، اور اس طرح کا امام بروئے شرع محمدی کیا حکم رکھتا ہے۔ بینوا توجروا!

اور نیز جہالت اور بے علمی کے ساتھ کلام شطحیات (۲) کرتا ہو اور راہِ الحاد [پر] چلتا ہو اور بعض حافظ قرآن ایسے بھی ہیں، کہ بالکل نماز پنجگانہ کے پابند نہیں، یا قطعاً پڑھتے ہی نہیں مگر قرآن رمضان میں سناتے ہیں اور صرف رمضان میں نماز پڑھتے ہیں، اور اس طرح کے امام اور اس کے مددگار براہِ ضد وفساد، باہر فرش پر اپنے امام کو کھڑا کر کے پڑھیں اور بعض نمازی [نماز] توڑ کر باہر جا ملیں، تو مسلمانوں کو ایسے نزاع میں کیا حکم ہے۔ آیا ان کو لڑ کر مسجد سے نکال دیں، یا علیحدہ علیحدہ ایک وقت میں، دونوں پڑھی جاویں۔

جواب: یہ حافظ فاسق ہے، اس کی امامت منع ہے، اس کو امام بنانا حرام ہے۔ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ فاسق کو امام بنانا سب مسلمین پر حرام ہے، کیونکہ ایسے فاسق کی اہانت لازم ہے اور تعظیم وتکریم اس کی حرام ہے، اور امام بنانے میں اس کی تعظیم لازم ہے۔ پس جو لوگ اس کو ضد سے امام بناتے ہیں لاریب! وہ مرتکب گناہ کبیرہ کے ہو کر، فاسق بنتے ہیں، اور علی ہٰذا القیاس جو حافظ دوازدہ ماہ نماز سے غافل ہوتے ہیں، وہ بھی فاسق ہیں، ان کو قرآن سننے کی غرض سے امام بنانا نہ چاہئے کہ فاسق کی امامت لازم آتی ہے، البتہ اگر وہ توبہ وعہد کریں کہ آئندہ ایسا نہ کریں گے اور قضاء ماسبق میں مصروف ہوں، تو مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی

(بدست خاص)

(یہ فتویٰ جو حضرت مولانا کا لکھا ہوا اور حضرت کی مہر سے مزین ہے، ہمارے ذخیرہ میں ہے۔ نور)

(۱۸۵) کبوتر باز کی امامت کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے شخص کی نسبت کہ امامت کرتا ہے اور کبوتر بازی کرتا ہے؟

---

(۱) یہ روایت امام غزالی نے احیاء العلوم کے باب "فی ذم تلاوۃ الغافلین" کے شروع میں نقل کی ہے، مگر علامہ زبیدی نے اتحاف السادۃ میں اس کی تخریج نہیں فرمائی اور اس کا کوئی حوالہ نہیں لکھا۔ ملاحظہ ہو: یہ روایت اور کہیں نہیں ملی۔ اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین ص ۴۶۸ ج ۴ (دار احیاء التراث العربی، بیروت) [نور]

(۲) (مخالف ظاہر شرع کے کہنا اور کلمے خلاف شریعت زباں پر لانا (۱۲ منتخب) [نور]

جواب: کبوتر پالنے درست ہیں، مگر اڑانا اور بازی کرنا منع ہے، ایسے آدمی کی امامت مکروہ ہے، اور نماز اس کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ (مجموعہ کلاں ص ۲۳۳-۲۳۴)

(١٨٦) پردہ کی حدود کا اہتمام نہ کرنے والوں کی امامت کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں: کہ جن کی عورتیں منھ کھول کر سر بازار پھرتی ہیں اور باذنِ خاوند کے پھرتی ہیں اور جو کوئی غیر شخص آوے تو خاوند اُن کے ان سے کہیں کہ چلے آؤ، عورتوں سے پردہ نہیں کراتے، تو ایسے فاسق معلن کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟ یا بالکل ناجائز ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر فقط چہرہ عورت کا کھلا ہے اور کوئی عضو مثلاً سر کے بال اور ٹانگ نہیں کھلتی، اور علیٰ ہٰذا جس کے گھر میں کوئی خالہ، ماموں کا پسر جاوے اور سوائے چہرہ کے اور کوئی عضو نہ دیکھے، تو وہ عورت اور اس کا خاوند فاسق نہیں ہوتا، فاسق کے پیچھے خواہ کسی طرح کا فاسق ہو، نماز مکروہ تنزیہی (١) ہوتی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ١٧١)

(١٨٧) فاسق و فاجر کی تعریف اور اسکی امامت؟

سوال: ١۔ فاسق و فاجر کس کو کہتے ہیں؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

٢۔ کیا ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟

٣۔ امامت کے لئے ذات کا لحاظ ہے، یا علم کا؟

الجواب: ١۔ فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو اوامر شرع کا تارک ہو اور منہیات کا مرتکب ہوتا ہو، خواہ بعض کا یا اکثر کا یا کل کا، اور فاجر سے بھی یہی مراد ہے۔ امامت ایسے شخص کی مکروہ تحریمی ہے، نماز اس کے پیچھے ہو جاتی ہے مگر مکروہ ہوتی ہے۔ فقط

٢۔ نماز ہر شخص کے پیچھے درست ہو جاتی ہے، اگرچہ امام کا اعلم اور متقی ہونا بھی ضروری و بہتر ہے۔

٣۔ امامت میں مقدم لحاظ علم کا ہے، علم کا ہونا ضروریات سے ہے۔

فقط رشید احمد

الاجوبة صحيحة. دستخط مہر

فتاویٰ دار العلوم دیوبند (مجموعہ فتاویٰ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب۔ باب امامت و جماعت) ص ٢٩٨-٢٩٩ ج ٣۔ (دیوبند: ١٣٩٠ھ)

---

(١) اصل میں اسی طرح ہے، جو بظاہر سبقت قلم یا سہو کاتب ہے، صحیح یہ ہے کہ فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ حضرت کے آئندہ تمام فتاویٰ میں بھی صراحت ہے۔ [نور]

(۱۸۸) چوری کے جانور ذبح کرنے والے کی امامت؟ سوال: ایک شخص کی عورت بے پردہ ہر جگہ پھرتی ہے اور وہ خود بھی چوری کے جانور ذبح کر ڈالتا ہے اور علاوہ ازیں امامت بھی کرتا ہے، ایسے شخص کی امامت شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب: ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ فقط کتبہ رشید احمد عفی عنہ

الجواب صحیح عزیز الرحمن عفی عنہ، مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔

فتاوی دار العلوم دیوبند مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب (باب امامت و جماعت)

ص ۲۹۷ ج ۳ (دیوبند: ۱۳۹۰ھ)

(۱۸۹) ولد الزنا کی امامت؟ سوال: ایک شخص جس کی ماں بے نکاح ہو اور باپ اس کا یہ سمجھتا ہو کہ کنیز بے نکاح مباح ہے اور پھر بعد میں اس سے نکاح کرے، اور وہاں سوائے اس کے اور کوئی پڑھا لکھا، جو امامت کر سکے نہ ہو، تو ایسے شخص کی جب کہ وہ سعادت مند اور ہر طرح پر لائق ہو، امامت درست ہے، یا نہیں؟

الجواب: شخص مذکور کو امام مقرر کرنا بہتر ہے، جب کہ وہ قوم میں اعلم و افضل ہے، کوئی خرابی اس کی امامت میں نہیں ہے۔ قال فی الدر المختار:

باب الإمامة والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحة وفسادا، بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة (۱) ألخ، قال الشامي: قوله "بشرط اجتنابه الخ" كذا في الدراية عن المجتبى، و عبارة الكافي وغيره: الأعلم بالسنة أولى، إلا أن يطعن عليه في دينه الخ (۲)

فقط رشيد أحمد عفي عنه

(امامت کا باب) امامت کا زیادہ حق دار وہ شخص ہے، جو نماز کے ٹوٹنے اور ٹھیک ہونے کے مسائل سے زیادہ واقف ہو، شرط یہ ہے کہ برائی کی کھلی باتوں سے بچتا ہو۔ شامی نے لکھا، شرط یہ ہے کہ برائی کی کھلی باتوں سے بچتا ہو، الخ کہ یہی درایہ میں مجتبیٰ سے نقل کیا گیا ہے، اور کافی وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں: کہ سنت سے واقف زیادہ بہتر ہے مگر یہ کہ اس کے دین پر کوئی (شبہ یا) الزام ہو۔

الجواب صحيح، قال في الشامي عن البحر وغيره و لو عدمت أي علة الكراهة بأن كان الأعرابي أفضل من الحضري.

(۱) در مختار، كتاب الصلوة، باب الامامة ۸۲/۱ (سعید کمپنی ایجوکیشنل پریس کراچی۔ عکسی نسخہ مجتبائی، دہلی: ۱۳۳۱ھ)

(۲) شامی ص: ۳۷۴ ج: ۱، باب الامامة (مطبع مجتبائی، دہلی) نیز شامی ج: ۱ص: ۵۰۷ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء] (نور)

یہ جواب صحیح ہے۔ شامی میں بحرالرائق سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ، اگر کراہت کی وجہ موجود نہ ہو، جیسا کہ دیہاتی شہری سے بہتر ہے اور غلام آزاد سے۔

والعبد من الحرو ولد الزنا من ولد الرشدة، والأعمیٰ من البصير؛ فالحكم بالضد. الخ۔(۱)

اور ولد الزنا ولد الرشد سے، اور نابینا بینا سے، بس مسئلہ ضد کی ترتیب پر ہے۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند مرتبہ مولانا ظفیر الدین صاحب ص ۲۹۸ ج ۳۔ (باب امامت و جماعت) (دیوبند: ۱۳۹۰ھ)

(۱۹۰) شادی شدہ عورت کو بغیر طلاق و نکاح کے، بیوی کی طرح رکھنے والے کی امامت؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ ایک عورت بوجہ مفلسی شوہر و کج نہادی خود، اپنے خاوند سے متنفر ہو کر بلا طلاق اپنے بھائی کے گھر چلی گئی اور بارہا اس کے خاوند نے بلایا، مگر بدطینتی سے نہیں گئی، پھر چند عرصہ بعد اس کی بڑی بہن اپنے گھر لے آئی، عرصہ کے بعد وہ بڑی بہن مرگئی، بعد ازیں اس عورت غیر مطلقہ کے خاوند نے اپنی دختر کو، جو اس عورت کے شکم سے تھی، بھیجا کہ اپنی والدہ کو لے آ، اب اس کا وہاں رہنا اچھا نہیں، مگر وہ اسکے ہمراہ نہ آئی۔

پھر اس عورت کی بھاوج اور خالہ بتقریب تعزیت وہاں پر گئی اور اس عورت کو فہمائش کی کہ ہمارے ساتھ چل، مگر مسماۃ مذکورہ نے باشتعالک اپنے بہنوئی کے انکار کیا، بعد اس کے اس بہنوئی سے نکاح کرلیا۔ وہ شخص باوجودیکہ پیر جی اور مولوی مشہور ہے اور اس موضع میں نماز پنج گانہ و جمعہ پڑھاتے ہیں، اور ان کو یقین کامل اس کی طلاق کا نہیں ہے، بلکہ ایک مرتبہ شوہر سابق سے کہلایا، کہ تو اپنی زوجہ کو طلاق دیدے، اگر ان سے کہا تو جواب دیا کہ ایک طلاق ضمناً ہوئی ہے، وہ طلاق ضمناً دے چکا، اب نکاح کو عرصہ چند سال کا ہوا اور اس کی اولاد پیدا ہوئی، اس اولاد کو ولد الزنا کہیں یا نہ کہیں؟

اور پیر جی صاحب چہلم وغیرہ کو مباح کہتے ہیں اور طعام پر فاتحہ پڑھتے ہیں، اور جوگائے وغیرہ خریدتے ہیں، تو اپنے مکان پر لاکر اس کے داہنی کھر کو پانی ڈالتے ہیں، اور ہر سال اپنے بھائی کی قبر کو، اس کپڑے سے کہ جس پر کلمہ شریف لکھا ہوا ہے، غلاف پوش کر کے روشنی کرتے ہیں، اور اکثر کام غیر مشروع کرتے ہیں۔ سو بوجہ امور مذکورہ کے پیر جی صاحب کے پیچھے نماز جمعہ وغیرہ درست ہے، یا نہیں؟ اور ان کو دیوث کہنا اور ان سے بغض للہ رکھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: لاریب! ایسا شخص فاسق ہے، اور دیوث کا اطلاق ایسے آدمی پر درست ہے، اور ایسے شخص سے اگر بغض، بوجہ اللہ تعالیٰ کے کرے تو موجب اجر ہے، اور نکاح اس شخص کا ہرگز درست نہیں ہوا، کیونکہ جب تلک پہلا خاوند طلاق نہ دیوے، نکاح درست نہیں ہوسکتا اور ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ فقط

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۱۲-۱۱۳)

(۱) شامی ص: ۳۷۶ ج: ۱، باب الامامة (مطبع مجتبائی، دہلی) نیز شامی ج: ۱ ص: ۵۶۰ دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء [نور]

(۱۹۱) غیر کی منکوحہ سے جو نکاح کرے، اس کی امامت کیسی ہے؟ سوال: ایک مسجد کے امام نے ایک عورت سے جو غیر کی منکوحہ ہے، اور اس نے اس کو طلاق نہیں دی ہے، نکاح کرلیا ہے۔ انکی امامت درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا!

الجواب: امامت ایسے شخص کی، بوجہ فاسق ہونے کے، مکروہ تحریمی ہے فقط۔ کتبہ رشید احمد

الجواب صحیح، عزیز الرحمن عفی عنہ قال فی الدر المختار: و كره إمامة عبد و فاسق و قال فی رد المحتار قال فی شرح المنية إن كراهة تقديمه كراهة تحريم.(۱)

اور عالمگیری میں ہے: لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره و كذلك المعتدة(۲)

(فتاویٰ دار العلوم، دیوبند۔ مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب ص ۳۴۰ جلد سوم (دیوبند: ۱۹۷۱ء)

(۱۹۲) اگر امام نے عورت کی نیت نہ کی مگر عورتیں نماز میں شامل ہوں، تو کیا حکم ہے؟ سوال: جو امام نے عورت کی امامت کی نیت نہ کی، اس وجہ سے کہ اس کو معلوم نہیں ہے، یا معلوم تو ہے مگر بھول گیا، یا وہ بعد نیت باندھنے کے شامل نماز ہوگئی چپکے سے، تو اس کی نماز ہوگی، یا نہیں؟

جواب: اگر عورت اپنے مقام پر کھڑی ہو تو نیت عورت کی کرنا ضروری نہیں، بلا نیت کے بھی نماز عورت کی درست ہو جاوے گی۔(۳) (بدست خاص، سوال ۱۳۹)

(۱۹۳) عورت کا امام بنانا کیسا ہے؟ سوال: عورتوں میں اگر کوئی عورت امام بن کر نماز پڑھاوے، تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: نماز جائز ہوگی، مگر عورت کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اسلئے نماز میں کراہت تحریمی رہی۔ (بدست خاص ص ۴۹)

[نوٹ: ایک ضروری مسئلہ عورت اگر عورتوں کی جماعت کراوے تو؟ اس موضوع پر حضرت کے دو اور فتوے ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہوں۔ نور]

---

(۱) رد المحتار، [شامی] کتاب الصلوۃ باب الامامة ص: ۳۷۶، ج: ۱ (مطبع مجتبائی، دهلی: ۱۲۸۷ھ) نیز ص: ۴۱۳-۴۱۴، جلد اول مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان: ۱۳۹۹ھ] نیز کتاب الصلوۃ باب الامامة ج: ۱/ ص: ۵۶۰ [دار الفکر بیروت]

(۲) عالمگیری، ص: ۲۸۰، ج: ۱، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير (مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ) فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم السادس فی المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ص: ۲۸۰ جلد اول [نورانی کتب خانہ، پشاور پاکستان] نیز کتاب النکاح باب مذکور ج: ۱: ۳۹۰ [مطبع بندرهو گلی کلکتہ ۱۲۰۸ھ] (نور)

(۳) قولہ اپنے مقام پر کھڑی ہو یعنی مردوں کے پیچھے عورتوں کی صف میں ہو اور مسئلہ محاذات میں مرد کی نماز اس وقت فاسد ہوگی، جب امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو اس مسئلہ میں طلبہ میں غلط فہمی پائی جاتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ مطلقاً عورت کی نماز کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ امام نے عورتوں کی نیت کی ہو یہ خیال صحیح نہیں صرف مسئلہ محاذات میں نیت شرط ہے۔ (پالن پوری)

(۱۹۴) حنفی امام کا شافعی مقتدیوں کو، اپنی وضوء سے متعلق اطلاع دینا مناسب ہے:

سوال: یہ کہ اگر حنفی المذہب [نے] شافعیوں کی امامت کی اور وہ شافعی کے نزدیک بے وضو تھا، مگر مقتدیوں کو معلوم نہیں ہے، تو حنفی کو اس امر سے مقتدیوں کو اطلاع دینا واجب ہے، یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ واجب ہے، تا کہ وہ لوگ اپنے مذہب کے موافق اپنی نماز درست کریں اور عمرو کہتا ہے کہ واجب نہیں ہے، لیکن اولیٰ ہے، واجب اس واسطے نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو باوضو سمجھتا ہے، مخالف کا قول اس کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

جواب: خبر دینا حنفی کا شافعی مقتدی کو کہ میرا، تیرے عقیدے و مذہب کے موافق وضو قائم نہیں، درمختار (۱) سے اولیٰ ہونا معلوم ہوتا ہے وجوب نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ یہ مذہب شافعی کو مرجوح جانتا ہے، پھر کیوں واجب ہو، البتہ اولیٰ ہے۔ فقط!

(مجموعہ فرخ آباد ص ۷، ۸، ۱۲)

(۱۹۵) غیر مقلد غیر محتاط کی امامت کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین: کہ زید آمین تو پکار کر نہیں پڑھتا مگر مولوی محمد نذیر حسین دہلوی کا نہایت مداح ہے، یہاں تک کہ جو اشتہار در بارہ گرفتاری ان کی کہ مکہ معظمہ میں مشتہر ہوا تھا، اس نے اس کو پھاڑ ڈالا اور حنفیوں کو اور غیر مقلدوں کے برا کہنے والے کو برا جانتا ہے، پس ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب: جو مولوی نذیر حسین کا مداح ہے، بے شک وہ غیر مقلد ہے، اور اس کی امامت درست نہیں۔ اول تو ان لوگوں کے عقائد و اعمال وہ ہیں، جو جامع شواہد (۲) میں لکھے ہیں، جس سے انکا فاسق مبتدع ہونا معلوم ہوتا ہے، دوسرے یہ فرقہ تعصب کر کے، خواہ مخواہ اعمال میں مخالفت حنفیوں کی کرتے ہیں، بہت سے افعال ایسے ہیں کہ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے، عند الحنفیہ۔ تو ایسے شخص کے امام بنانے میں اپنی نماز کا خراب کرنا ہے، لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(شواہد الحق مرتبہ مولوی جمال الدین دہلوی ص ۵)

(۱۹۶) نیچریوں اور غیر مقلدین کے پیچھے نماز کا حکم؟

سوال: لوگ عقائد اہل نیچری کہ خلقت افلاک و فرشتگان وغیرہ کے قائل نہیں، ان کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) شامی. باب الوتر والنوافل، مطلب: الاقتداء بالشافعی ص: ۴۴۸، ج: ۱ [مطبع مجتبائی: دہلی] نیز باب مذکور، و مطلب مذکور، ج: ۲ ص: ۷ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء]

(۲) جامع الشواهد في اخراج الوهابين عن المساجد، اہل حدیث علماء کے بعض نظریات و معمولات کی تحقیق و تردید میں مرتب، ایک مختصر سے رسالہ کا نام ہے، جس میں اول چھ صفحات میں، علمائے اہل حدیث کے معتقدات اور ان کے متعلق مولانا وصی احمد سورتی کا ایک فتویٰ درج ہے اور ص: ۶ سے ص: ۸ تک اس کی بمبئی دہلی وغیرہ کے علماء کی تصدیقات شامل ہیں۔ پیش نظر طباعت [جو ہمارے ذخیرہ میں ہے] مطبع فتح محمدی لکھنو، رمضان ۱۳۰۰ھ کی ہے۔ [نور]

غیر مقلدین جو خون رعاف وغیرہ [سے وضو ٹوٹنے کو نہ مانتے ہوں] اور ڈھیلا بعد استنجاء مطلق نہ کرتا ہو، اس کی امامت کیسی ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب: قوم نیچری کافر ہیں کہ منکر قطعیات کے ہیں، ان کی امامت ہرگز درست نہیں اور جو غیر مقلد کہ مواضع خلاف میں احتیاط کرے اور قول اس کا معتبر جانا جاوے بسبب صلاح کے اس کی امامت درست ہے، بلکہ کراہت، اور جو مسائل خلاف میں احتیاط نہیں کرتا، اگر تحقیق ہو کہ بعد رعاف مثلاً وضو نہیں کیا، تو اس کی بھی امامت درست نہیں، اور جو حال معلوم نہیں، تو اوس کی امامت درست ہے، بکراہتہ تنزیہہ۔

البتہ بدون ڈھیلا لینے کے پانی سے استنجاء کرنے والے کے، بظاہر حال اہل بلاد نماز نہیں ہوئی، کیونکہ ایسا قوی مزاج کہ بعد بول کے قطرہ نہ آوے پنجاب میں شاید کوئی ہووے، ورنہ سب کو قطرہ آتا ہے۔ تو بس بعد پانی کے بدن اور کپڑا بالضرور نجس ہوگا۔ ہاں! اگر محقق ہو جائے کہ اس کا مزاج ایسا قوی ہے کہ قطرہ نہیں آتا، تو بے شک اس کی نماز درست ہے اور اقتداء کا حال اوپر معلوم ہو چکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۵-۲۳٦)

(۱۹۷) نماز سے متعلق چند مسائل کی تصحیح و تحقیق:

سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اگر مقتدی نے امام کو سجدہ میں پایا، بعد ایک سجدہ کرنے کے اور مقتدی نے رکوع کیا اور دونوں سجدہ کئے، تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جاوے گی، اور اگر پایا امام کو بعد رکوع کے سجدہ میں، پس رکوع کیا اور دونوں سجدہ کئے امام کے ساتھ، تو نہیں فاسد ہوئی نماز اس کی۔ اس واسطے کہ ایک رکعت کی زیادتی نماز کو توڑتی ہے اور ایک رکعت سے کم کی نہیں توڑتی، اور اگر رکوع کیا مقتدی نے پہلے امام سے، اور سر اٹھایا پہلے رکوع امام سے پس نہیں جائز ہوا رکوع اس کا، اور اگر پایا امام کو اندر رکوع کے پس جائز ہوئی نماز۔ اور جب پہنچا طرف امام کے اور امام ہے رکوع میں اور نیت باندھی اور قیام میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ سر اٹھایا امام نے رکوع سے، تو نہیں شریک ہوا اندر اس رکعت کے۔ اگر پایا امام کو رکوع میں بقدر ایک تسبیح کے، تو شامل ہوا رکعت میں، نزدیک امام ابوحنیفہ اور محمد کے اور شرح استیجابی میں لکھا ہے کہ اگر نہ ٹھہرے بقدر تین تسبیح کے رکوع میں، یا نہ پڑھے تین تسبیح تو نہیں جائز ہوئی نماز اس کی، اور اگر بے عذر ناک رکھا اور ماتھا نہ رکھا سجدہ کی جگہ میں، یا ماتھا رکھا اور ناک نہ رکھا جگہ سجدہ میں، تو نہیں جائز ہے نماز اس کی، صحیح ہے، یا غلط؟

جواب: یہ نفس مسائل صحیح ہیں، مگر یہ مسئلہ کہ اگر ناک نہ رکھے اور ماتھا رکھے تو نماز صحیح نہیں، درست نہیں، بلکہ فقط ماتھا رکھنا بدون ناک کے، نماز کو بکراہت درست کر دیتا ہے۔

(بدست خاص، سوال ۱۵۷)

(۱۹۸) مقتدی کے نیت باندھتے ہی امام نے سر اٹھا لیا، کیا اس صورت میں بھی مقتدی شاملِ نماز ہے؟ **سوال:** امام رکوع میں ہے، کہ مقتدی نے نیت باندھ کر ارادہ رکوع میں جانے کا کیا، کہ جو امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا، تو مقتدی شامل نماز امام ہو گیا، یا دوسری نیت کرے؟

جواب: اس صورت میں شامل نماز کا ہو گیا، دوسری نیت کی کیا ضرورت ہے؟ (بدست خاص، سوال ۱۶۲)

(۱۹۹) جو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے نیت باندھ چکا، وہ نماز میں شریک ہے: **مسئلہ:** جو قبل سلام امام کے نیت باندھ چکا شریک ہو گیا، اب اس کو قعدہ کرنا ضروری نہیں، نماز ویسے ہی تمام کرے۔

(مکتوبات بنام مولانا خلیل احمد مکتوب نمبر ۱۸)

(۲۰۰) اگر مقتدی مسجد سے باہر یا چھت پر ہوں اور امام مسجد میں ہو تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** اگر مسجد کے احاطہ کے اندر، مسجد سے علیحدہ جو مکان ہے، یا مسجد کے احاطہ سے بھی علیحدہ مکان پر، مقتدی نماز پڑھیں اور امام مسجد کے اندر ہو، یا مقتدی مسجد کی چھت پر ہوں، تو نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

جواب: درست ہے، بشرطیکہ اتصال صفوف رہے۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۶)

(۲۰۱) اگر صرف ایک یا دو مقتدی ہوں، تو کہاں کھڑے ہوں؟ **سوال:** اگر ایک امام ہو اور دو یا ایک مقتدی، تو وہ مقتدی برابر کھڑے ہوں، دائیں بائیں، یا پیچھے؟

جواب: دو مقتدی پیچھے کھڑے ہوں، [ایک مقتدی ہے تو امام کے دائیں جانب] فقط

(بدست خاص، ص ۱۴)

(۲۰۲) جو مسجد شاہراہِ عام پر ہو، اس میں جماعت ثانی جائز ہے: **سوال:** جس مسجد میں دوسری جماعت کرنی جائز ہے، وہاں اس جگہ کو بھی بدلے جہاں جماعت ہوئی ہے، یا نہیں اور تکبیر بھی دوسری کہے، یا نہیں؟

جواب: جو مسجد شاہراہ پر ہے، وہاں اذان و جماعت ثانی اس جگہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۲۰)

(۲۰۳) ایک وقت میں ایک مسجد میں دو جماعتیں سخت مکروہ ہیں: **سوال:** کچھ مسلمانوں نے زید کو امام بنایا اور کچھ دوسرے مسلمانوں نے عمرو کو، اور ایک فریق دوسرے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے، تو ایسی حالت میں ان دونوں فریق کو ایک وقت میں ایک ہی مسجد میں ایک ہی ساتھ جماعت کرنا درست ہے، یا نہیں؟ اور دونوں کی نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

جواب: فرض نماز کا دونوں سے ادا ہو جاتا ہے، مگر دونوں فریق مرتکب کراہت ہیں، کیونکہ تفریق جماعت سخت مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص۲)

(۲۰۴) اگر جماعت سے نماز پڑھتے وقت کسی وجہ سے سب مقتدیوں کی نماز ٹوٹ گئی، تو ان کیلئے اس مسجد میں جماعت ثانی کا حکم؟ **سوال**: اگر نماز جماعت میں پڑھتے ہوئے مقتدیوں سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا، کہ ان کی نماز نہ ہوئی، اور امام نے اپنی نماز اچھی طرح ادا کی، تو ان مقتدیوں کو دوبارہ جماعت کرنا جائز ہے، یا نہیں۔

جواب: دوبارہ جماعت درست نہ ہوگی مگر بکراہت، پس بہتر ہے کہ دوسری مسجد میں جا کر پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بدست خاص، ص۳۲)

(۲۰۵) مقررہ وقت سے پہلے، مسجد میں جماعت کا حکم اور اس کا ثواب؟ **سوال**: قبل از وقت معین، اگر دو چار شخص نے ضرورتِ سفر یا اور کسی ضرورت میں، مسجد میں جماعت کر لی، بعدہٗ امام معین کے ساتھ وقت مقررہ پر جماعت ہوئی، جماعت اولیٰ یہ ہوئی یا پہلی، اور پہلوں کو ثواب جماعت [کا] ملے گا، یا نہیں؟

جواب: جماعتِ اولیٰ امام حی واہل محلّہ کی ہوتی ہے، اس صورت میں جماعت اولیٰ دوسری ہے اور ثواب جماعت بھی دوسری جماعت والوں کو ہوگا۔ پہلے لوگوں کی جماعت مکروہ تھی اور ثواب بھی جماعت کا نہیں ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص۱۴۴-۱۴۵)

(۲۰۶) کسی مسجد میں امام کے دیر سے آنے کی وجہ سے ترک جماعت کرنا، یا امام سے پہلے نماز پڑھ لینا؟ **مسئلہ**: ترک جماعت درست نہیں، اگر بسبب تاخیر امام کے حرج ہے، تو دوسری مسجد میں چلے جایا کرے، مگر ترک جماعت سخت گناہ ہے اور امام سے پہلے پڑھ جانے میں فساد ہوتا ہے، اس سے بھی اجتناب واجب ہے۔

(مجموعہ فرخ آباد، ص۵۴)

(۲۰۷) مسجد میں پہنچ کر نماز سے پہلے کچھ دیر وقفہ کرنا کیسا ہے؟ **سوال**: نمازیانِ مسجد آنے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر وقفہ کرتے ہیں، بلا انتظار کسی کے، اور پھر نماز شروع کرتے ہیں، یہ فعل مستحسن ہے، یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں آکر انتظار کرنا جماعت کا اور نمازیوں کا موجب ثواب ہے اور ذکر کے واسطے بھی ثواب ہے، اور کوئی وقفہ مشروع نہیں۔ فقط۔

(مجموعہ رام پور ص ۸)

(۲۰۸) متعین امام کے علاوہ امام بن کر جماعت شروع کردے اور امام آجائے، تو وہ کیا کرے؟

سوال: محلہ کا امام کسی عذر کے سبب سے نماز کے وقت مسجد میں نہ ہو اور نمازی کسی کو امام کر کے نماز شروع کردیں، پھر امام آجائے تو وہ شریک جماعت ہو یا نہ ہو، اور ان لوگوں کی نماز ہوجائے گی، یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں نماز مقتدیوں کی، دوسرے امام صاحب کے پیچھے درست ہوگئی اور امام مذکورہ کو بھی جماعت میں ضرور شریک ہونا چاہئے۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند مرتبہ مولانا ظفیر الدین صاحب ص ۲۹۸-۲۹۹ ج ۳۔ (دیوبند: ۱۳۹۰ھ)

(۲۰۹) نماز میں قرأت فرض ہے، جس کو قرأت نہ آئے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **مسئلہ:** قرأت مطلق [نماز میں مطلق قرأت فرض ہے] مگر معذور کو تا حصول قرأت، قدر فرض تسبیح وتہلیل چاہئے، سو آپ نے؟ اگرچہ اس مصلی کو قرآن آتا تھا مگر تعمیم فوائد کے واسطے مسئلہ معذور عن القرأۃ کا بھی فرمادیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بوجہ صیغہ خطاب کے، خود مخاطب کو ہی قرآن قدر فرض کے یاد نہ تھا، یا عربی تھا یا عجمی تھا، اس سے کچھ غرض نہیں بلکہ وہ عربی تھے اور قرآن بھی کچھ یاد تھا، اور یہ بیان بطور تعمیم فائدہ بیان مسئلہ واقع کے ہے اور بس فقط۔ والسلام

مجموعہ کلاں ص ۲۴۰)

(۲۱۰) نماز میں قرأت زبان سے ضروری ہے: **سوال:** اگر نماز میں قرأت دل ہی میں پڑھی زبان سے نہیں پڑھی، تو نماز ہوئی یا نہیں، اور اسی طرح اگر علاوہ نماز کے قرآن شریف دل ہی دل میں پڑھا، تو ثواب قرآن پڑھنے کا ہوا، یا نہیں؟

الجواب: نماز میں قرآن زبان سے پڑھنا فرض ہے، دل سے کفایت نہیں، اور خارج نماز کے بھی تفکر کا ثواب تو ہوگا، مگر قرأت کا ثواب جب ہی ہوگا کہ زبان سے پڑھے۔(۱) فقط

(بدست خاص، سوال ۱۲۱، جواب: ۱۲۲)

(۲۱۱) سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد دیر تک وقفہ کرنا؟ **سوال:** [امام] نماز میں بعد ختم الحمد کے بہت دیر ٹھہرتا ہے، یہ ٹھہرنا کیسا ہے؟

---

(۱) زبان سے پڑھنا تصحیح حروف کا درجہ ہے، یعنی زبان حرکت کرے مخارج پر لگے اور حروف کی ادائیگی ہو، چاہے اپنا پڑھنا خود بھی نہ سنے، یہ زبان سے پڑھنا ہے اور اگر اپنا پڑھنا خود سنے تو یہ سرا پڑھنے کا اعلیٰ درجہ ہے، بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ان کے ہونٹ بالکل نہیں ہلتے، یہ دل میں پڑھنا ہے ان کی نماز نہیں ہوتی۔ (پالن پوری)

جواب : بعد فاتحہ کے سکون [سکوت] دیر تک منع ہے، کیونکہ بعد فاتحہ کے بقدر آمین یا بسم اللہ کے توقف درست ہے اور زیادہ مکروہ ہے، اور امام شافعی [کا] مذہب مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے کے واسطے سکوت کرنا ہے، جب کہ اس کا مقتدی کوئی شافعی نہیں، تو اس کو سکوت محض ہوائے نفسانی اور غیر مشروع اور جہل حقیقت الحال سے ہے، لہٰذا اس کو اس حرکت سے منع کرنا چاہئے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے، وہ محض جاہل ہے۔ ایسی حالت میں پیچھے اس کے نماز مکروہ تحریمی ہووے گی۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱)

(۲۱۲) فاتحہ خلف الامام سے متعلق چند مباحث: بنام منصب علی از بندہ رشید احمد عفی عنہ

السلام علیکم آدمیاں گم شدند، ملک خدا [را] خر گرفت۔ علماء مرگئے جہلاء [کی] نفسانیوں نے فتنہ اندازی پر کمر باندھی، اگر صاحب (کذا) اہل دیانت ہو، یہ ہی بہت ہے۔ کہ کروڑوں پدمنوں علماء تمام ہندوستان میں حنفی المذہب ہیں، کیا سب کے سب بے نماز و گمراہ ہیں، اب غدر [۱۸۵۷ء] کے بعد دیندار عالم پیدا ہوئے۔ افسوس، جس بات کو قدیم صدہا سال سے لوگ کرتے آئے ہیں اور سب علماء حقانی کر کے بتلاتے رہے، وہ تو ایک امر لغو ہو جاوے اور جو اَب کے چند نوخیز سمجھ گئے، وہ عین حق اور دین ہووے، پس اب سنو کہ:

آیت: اِذَا قُرِئَ الْقُرآن فاستَمِعُوا له وَانْصِتُوا الخ (۱)

خطبہ کے وقت کلام کرنے میں اور ذکر کرنے میں اور نماز میں خلف امام قرآن پڑھنے اور کلام کرنے میں نازل ہوئی ہے، اور مطلقاً خلف امام کچھ پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں خود ابوہریرہؓ سے اور دوسرے صحابی سے حدیث ہے، کہ ارشاد فخر عالم علیہ السلام ہوا ہے۔ إذا قرأ فأنصتوا. (۲) یعنی جس وقت امام پڑھا کرے تم چپ رہا کرو۔ پس فاتحہ بھی قراءت ہے، آیت اور حدیث اپنے عموم پر ہے اور مطلقاً قراءت خلف امام کو منع کرتی ہے، اور دیگر احادیث بھی ہیں، جن سے منع ہونا قراءت خلف امام کا ظاہر ہے، البتہ امام شافعی صاحب اور دیگر علماء کا یہ مذہب ہے کہ امام کے پیچھے قراءت پڑھنا چاہئے مگر انہوں نے یہ طرز نکالا ہے کہ امام فاتحہ پڑھ کر جہریہ میں چپ ہو جاتا ہے، تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیویں! اور مذاہب ائمہ ایسے مسائل میں کہ مختلف صحابہ میں ہوں سب حق ہوے ہیں۔ البتہ جو شخص مقلد کسی ایک شخص کا ہے، اس کو اس پر عمل کرنا چاہئے

(۱) وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ (سورہ اعراف ۲۰۴ ترجمہ شیخ الہند)

(۲) عن ابی ہریرۃؓ، مسند امام احمد ۳۷۶/۲ ط: دار الفکر، بیروت ۱۹۷۸ء مسند احمد۔ [مسند ابی ھریرۃؓ ت: احمد محمد شاکر رقم الحدیث: ۸۸۷۵ ص: ۳۷، ج: ۹] [دار الحدیث، القاہرہ] (نور)

اور مباحثہ اور ترجیح علماء کا کام ہے نہ [کہ] عوام کا۔ سوان کے شبہات اور دلائل کے جواب ہو سکتے ہیں، کہ بندہ کو ان کا لکھنا ضروری نہیں، کیونکہ آپ بطور تحقیق استفسار کرتے ہیں، لہٰذا جو امر محقق بندہ کے نزدیک ہے، جواب دیتا ہوں۔

کہ جو حنفی فاتحہ پڑھتا ہے خلف [امام] کسی وجہ تحقیق سے، کہ اس کو بسبب اپنے علم یا تقلید کے، اس خاص مسئلہ کی حقیقت اور ترجیح واضح ہوگئی، اسکی نماز ہو جاتی ہے، یہ کہنا کہ اسکی نماز نہیں ہوئی نامناسب امر ہے، اور جو بوجہ تعصب کے اس کام کو کرتا ہے گنہگار ہے، اور ایسے شخص کی اقتداء درست ہے، مگر ایسے متعصب کو امام بنانا مکروہ ہے اور جو لوگ فاتحہ خلف امام نہیں پڑھتے، انکی نماز بے شک درست اور تمام ہے، کچھ اس میں حرج نہیں۔ تم لوگ اس قضیہ کو رفع کرو اور ایسے فتنہ اندازوں سے الگ رہو، آئندہ مختار ہو۔ اور آپ ثبوت کتب معتبرہ سے جو طلب کرتے ہو، تو خود حدیث صحیح مسلم کی لکھ چکا ہوں اور اگر یہ مراد ہے کہ تمام تحقیق لکھی جاوے، تو صاحب! رسائل لکھے گئے اور نفسانیت کے مقام میں کسی نے نہیں مانا۔

اب مختصر یہ ہے کہ مولوی محمد [حسین] بٹالوی کہ رأس و رئیس اس قوم کے ہیں، اب حنفیہ کے ثبوت و حقیقت کو لکھ رہے ہیں، اگر دل چاہے تو ان کی اشاعت السنہ جلد نہم (۱) کو دیکھ لو فقط۔

بعد کتاب اللہ کے صحیح بخاری ہے عند الاکثر، پھر صحیح مسلم اور علمائے مغرب نے صحیح مسلم کو بخاری سے اول کہا [ہے] اور دیگر کتب صحاح بھی معتبر ہیں اور جب قرائن اور دلائل لاحق ہو جاتے ہیں تو حدیث دیگر کتب کی صحیحین سے بھی راجح ہو جاتی ہے، چنانچہ کتب اصول حدیث میں لکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔ سو یہ بحث اول لوگوں کی لغو ہے اور بخاری میں خلف امام فاتحہ پڑھنا ہرگز کسی روایت میں ثابت نہیں، البتہ یہ حدیث ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی نماز بدون فاتحہ کے نہیں ہوتی، مگر نماز امام اور مقتدی کی ایک نماز ہے، امام کی فاتحہ مقتدی ہی کی فاتحہ ہے۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۹۸ تا ۲۰۰)

(۲۱۳) ایک رکعت میں سورہ بقرہ پھر دوسری رکعت میں سورۃ النساء پڑھی تو کیا حکم ہے؟

سوال: ایک شخص نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورہ نساء پڑھی، تو نماز مکروہ ہوئی یا کیسی ہوئی؟ اور ایک سورہ درمیان [سے] چھوڑ کر پڑھنا چھوٹی سورتوں میں مکروہ ہے، یا بڑی سورتوں میں بھی یہی حکم ہے۔

جواب: یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے، چھوٹی بڑی سورت کا سب کا ایک حکم ہے۔

(بدست خاص، ص ۱۸)

---

(۱) اشاعت السنہ، ماہ نامہ رسالہ تھا، جس کے بانی و مدیر مولانا محمد حسین بٹالوی تھے۔ یہ رسالہ اہل حدیث مسلک کا بڑا مؤید و ترجمان بلکہ غیر مقلدیت کی تشہیر و تلقین کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ ہمارے ذخیرے میں اس کی چار سال کی متفرق فائلیں موجود ہیں۔ (نور)

(۲۱۴) درمیان سے سورت پڑھے تو بسم اللہ پڑھے یا نہیں، اسی طرح قنوت اور جنازہ میں دعا کے شروع میں، بسم اللہ کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** جب کسی سورۃ کو درمیان سے پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں، اور وتر میں جب دعائے قنوت پڑھے، بسم اللہ کرے یا نہیں، اور نماز جنازہ میں جب درود یا دعا پڑھے، تو بسم اللہ کرے، یا نہیں؟

الجواب: جب کسی سورۃ کو درمیان سے بھی پڑھے تب بھی بسم اللہ کرے اور وتر میں جب دعائے قنوت پڑھے تب بھی بسم اللہ کرے اور جنازہ کی نماز میں جب درود یا دعا پڑھے اور بسم اللہ شروع میں پڑھے، کچھ حرج نہیں۔(۱)

کتبہ رشید احمد　　　الجواب صحیح۔ عزیز الرحمٰن

فتاویٰ دار العلوم ص ۲۶۸۔ ج ۲۔ (دیوبند: ۱۳۸۳ھ)

(۲۱۵) مختلف سورتوں کے متفرق رکوع ایک نماز میں پڑھنے کا حکم؟ **سوال:** اگر کسی نے مثلاً سورۂ بقرہ کا دوسرا رکوع، نصف ایک رکعت میں پڑھا، اور سورۂ آل عمران کا دوسرا رکوع نصف، دوسری رکعت میں۔ یا سورہ بقرہ کا ہی تیسرا رکوع نصف دوسری رکعت میں پڑھا، تو نماز ہوئی یا نہیں، یا مکروہ ہوئی؟

الجواب: سب طرح درست ہے۔ فقط　　　(بدست خاص، ص ۱۸)

(۲۱۶) دونوں رکعتوں کے دونوں سجدے فرض ہیں: **سوال:** رکعت واحدہ میں ہر دو سجدہ فرض ہیں، یا ایک واجب و ایک فرض۔ درصورت اخیرہ فرض کونسا ہوگا اور واجب کونسا؟

الجواب: دونوں سجدہ ہر رکعت میں فرض ہیں۔　　　(مجموعہ رامپور ص ۹)

(۲۱۷) رکوع اور سجدہ میں الصاقِ کعبین کی بحث: الصاقِ کعبین رکوع و سجود میں جیسا در مختار میں ہے، کسی کتاب حدیث سے اس کا نشان معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ اس کی سنیت حیز خفا میں ہے، لہٰذا متروک ہے۔ بعض پہلے علماء کو بھی اس میں تکرار ہوا ہے، بخاری (۲) کا الصاق کعاب باہم مقتدیوں کا مراد ہے (۳) اور اس سے محاذات مقصود ہے اور اتصال وتراص صفوف، اور یہاں وہ بظاہر مراد نہیں، فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) حاشیہ مندرجہ فتاویٰ دار العلوم۔ از مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب: یعنی ان تمام صورتوں میں اگرچہ بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے، لیکن اگر پڑھ لے تو حرج بھی نہیں ہے کما فی الشامی ص ۵۸۱ ج ۱۔ فی بیان مفسدات الصلوٰۃ. قولہ سمع اسم اللہ تعالی فقال جل جلالہ الخ لان نفس تعظیم اللہ تعالی والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاینافی الصلوٰۃ و یؤیدہ ما فی الدر المختار فی بیان تالیف الصلوٰۃ لاتسن البسملۃ بین الفاتحۃ و السورۃ مطلقا ولو سریۃ و لا تکرہ اتفاقا الخ۔ رد المحتار ص ۳۵۷ ج ۱ (ظفیر) فتاویٰ دار العلوم ج: ۲/ص: ۲۶۸۔

(۲) قال النعمان بن بشیر، رأیت الرجل منا یلزق کعبہ بکعب صاحبہ. صحیح بخاری ص ۱۰۰ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب الزاق المنکب. [مراۃ پارہ ۱۴۱۵ھ بیج: ۱ رقم الحدیث: ۷۲۵ [الریاض الحدیثۃ، ۱۴۰۴ھ]

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

اگر سجود(۱) میں الصاق کعبین کیا جاوے تو توجہ أصابع رجلین إلی القبلة نہیں ہوسکتا، مگر ہاں! جس کا سارا پنجہ پاؤں کا مساوی اور سب انگشت پا برابر مساوی ہوویں، تو مضائقہ نہیں۔ اور ایسا پا[وں] تو کہیں شاذ و نادر ہوتا ہے، تو اب حقیقی معنی الصاق میں توجہ اصابع الی القبلة فوت ہوتی ہے، تو بظاہر یہ مراد نہیں، اگر محاذات (۲) پر حمل کیا جاوے تو رکوع و سجود کی خصوصیت کیا ہے، یہ قیام کی سنت ہونی چاہیے، مگر یہ معنی مراد نہیں ہوسکتے، کیونکہ شامی سجدہ کی بحث میں کہتا ہے۔

قدمنا أنه ربما يفهم منه أن السجود كذلك، إذ لم يذكروا تفريجها بعد الركوع فالأصل بقاؤهما هنا كذلك الخ(۳)

ترجمہ: اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں، کبھی کبھی اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ سجدے بھی اس طرح ہیں، کیوں کہ ان دونوں کو رکوع کے بعد، کھولنے کا ذکر نہیں، تو اصل ان کا یہاں اس طرح باقی رہنا ہے۔

سو تفریج (۴) کے مخالف الصاق مراد رکھتے ہیں اور وہ معنی حقیقی کے مراد ہونے پر دال ہے، اور اس الصاق کی کہیں سند نہیں ملی، پہلے بھی تحقیق کیا تھا۔ فقط (مکتوبات بنام مولانا خلیل احمدؒ مکتوب نمبر ۳۴)

(۲۱۸) چاول اور چینی پر اگر ماتھا ٹک جائے، تو سجدہ کا حکم؟

سوال: چاول اور جوار اور چینی پر اگر ماتھا نہ دھنسے، تو سجدہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جس چیز پر ماتھا قائم ہوجاوے گا، نماز درست ہوجاوے گی، چاول ہو یا گندم، ورنہ نہیں۔

(بدست خاص، سوال ۱۵۸)

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا: (۳) یہ سوال مقدر کا جواب ہے، بخاری شریف میں ٹخنے ملانے کا تذکرہ ہے (بخاری کتاب الصلوة باب الزاق المنكب) حضرت نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے مقتدیوں کا ٹخنے ملانا بھی صفیں سیدھی کرنے کے لئے تھا، یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے باہم ٹخنے ملا کر محاذات کرلیں، پھر ڈھنگ سے کھڑے ہوکر نماز شروع کریں اور اگر صفیں سیدھی کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہو، مثلاً صف کی لکیر بنی ہوئی ہو یا صف بچھی ہوئی ہو، تو اس کے ذریعہ بھی صف سیدھی کی جاسکتی ہے، اس وقت ٹخنے ملا کر صف سیدھی کرنے کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں کچا فرش تھا، کوئی نشان نہیں تھا، اس لئے صحابہ ٹخنے ملا کر صف سیدھی کیا کرتے تھے، غیر مقلدین نے اس کو حالت قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ سمجھ لیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ (پالن پوری)

(۱) یہ ایک دوسرے سوال مقدر کا جواب ہے، کہ اگر درمختار کے قول سے سجدہ میں ٹخنوں کو ملانا مراد لیا جائے تو کیا حرج، شاذ و نادر ہی کسی کے پاؤں کا پنجہ مساوی ہوتا ہے اور سب انگلیاں برابر ہوتی ہے اور حقیقی الصاق کی صورت میں عام لوگوں کی پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی، اس لئے بظاہر یہ بھی مراد نہیں۔ (پالن پوری)

(۲) یہ ایک اور سوال مقدر کا جواب ہے، کہ بخاری میں ٹخنے ملانے کا جو مقصد محاذات ہے، درمختار کی روایت میں وہ کیوں نہ مراد لیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ پھر رکوع وسجود کی خصوصیت کیا ہوگی، بلکہ یہ قیام کی سنت ہوگی مگر یہ معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ شامی نے صراحت کی ہے کہ سجدے رکوع کی طرح ہیں، پس اگر رکوع میں ٹخنے ملائے گئے، تو وہ سجدوں میں بھی ملے رہیں گے۔ (پالن پوری)

(۳) شامی (نسخہ ہندیہ) ص ۳۳۹ ج ۱۔ باب اطالة الركوع للجاوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۷ھ) نیز شامی (رد المحتار) ص ۵۰۲ ج ۱۔ باب اطالة الركوع (مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۹ھ) [نور]

(۴) یہ بحث کا خلاصہ ہے کہ جو لوگ الصاق کعبین کے قائل ہیں اور تفریج (کشادہ رکھنے) کے مخالف ہیں، وہ الصاق کے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، صرف محاذات مراد نہیں لیتے اور الصاق حقیقی کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ طحاوی باب التطبيق في الركوع میں تفریق کے افضل ہونے کی صراحت ہے۔ (پالن پوری)

(۲۱۹) اگر التحیات کی جگہ طاحیات پڑھ دیا، تو؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ کسی شخص نے بسبب سہو یا جلدی یا عدم صحت، بجائے التحیات لفظ طاحیات پڑھا، نماز اس کی ہوگئی یا نہیں، اور پڑھنے والے پر گناہ ہوا، یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب: نماز ہوگئی، (۱) مگر جو غفلت سے یا جان کرایسا کلمہ پڑھا، گنہگار رہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص ۲۳۱)

(۲۲۰) فرض اور نفل میں جلسہ اور قومہ کے اذکار یکساں ہیں، مگر؟ **مسئلہ:** جلسہ [اور] قومہ کے اذکار فرض [و] نفل میں یکساں ہیں، تنہا آدمی فرض میں پڑھے، جماعت میں تطویل کرنا نہیں چاہیے۔ فقط والسلام

رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص ۱۴۴)

(۲۲۱) نماز میں قعدہ کے وقت نظر کہاں رکھے؟ **سوال:** نماز پڑھتے ہوئے قعدہ میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا چھاتی پر؟

جواب: دونوں جگہ درست ہے، غرض خیال و نظر بندی ہے۔ (بدست خاص، سوال ۸۸)

(۲۲۲) بغیر اجازت، دوسرے کے کپڑوں میں نماز کا حکم؟ **سوال:** بعض دھوبی کسی غیر کے کپڑے سے نماز پڑھ لیتے ہیں، تو جو کوئی غیر کے کپڑے سے بدون اجازت نماز پڑھے، تو نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب: ادا ہو جاتی ہے۔ (بدست خاص، ص ۴۰)

(۲۲۳) تھوک نگل لینے سے روزہ اور نماز ٹوٹنے کا حکم؟ **سوال:** روزہ دار کے منھ میں اگر بلغم یا تھوک جمع ہو جاوے حالتِ نماز میں، یا غیر نماز میں، تو روزہ اور نماز ہوئی یا نہیں، اگر وہ بلغم یا تھوک منھ میں آیا ہوا، نگلا جاوے؟

جواب: اگرچہ نگل جاوے، درست ہے۔ فقط (بدست خاص، ص ۴۱)

(۲۲۴) اگر دانتوں میں غذا، رہ گئی اور نماز کے بعد پتہ چلا؟ **سوال:** جو نماز کے بعد مسوڑھے میں سے کچھ غذا نکلی، تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

جواب: غذا کا رہنا دانتوں میں مفسد نہیں۔ فقط (مجموعہ کلاں، ص ۱۴۷)

---

(۱) نماز اس لیے ہوگئی کہ زَلّت [غلطی سہو] کا تعلق صرف قرأت کے ساتھ ہے۔ (پالن پوری)

(۲۲۵) نماز پڑھنے والے نے اگر چھینک آنے پر الحمدللہ یا کسی بری خبر پر انا للہ کہہ دیا، تو؟ **سوال:** مصلی کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا، یا کوئی مصیبت کی خبر کان میں پڑی اور اس نے انا للہ و انا الیہ راجعون کہا، یا جمائی آئی اور اس نے لاحول و لاقوۃ الا باللہ پڑھا، یا اچھی خبر پا کر سبحان اللہ کہا، تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

جواب: خبر سار [خوشی دینے والی] یا موجب رنجش سے نماز جاتی رہتی ہے، (۱) اور اگر جمائی لی اور لاحول پڑھا ہے، یا چھینک پر الحمد للہ کہا اور جواب کسی کا مقصود نہیں، تو نماز ہو جائے گی، اور انا للہ مصیبت دینی پر ہے تو نماز جائز، اور اگر مصیبت دنیوی پر ہو تو ناجائز، اور اگر دوسرے کی چھینک پر الحمد للہ یا یرحمک اللہ کہے، تو نماز نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص ۳)

(۲۲۶) اگر خارش یا مچھروں کے کاٹنے کی وجہ سے، نماز میں بار بار کھجایا، تو؟ **سوال:** اگر نماز میں بہت دفعہ، یعنی چار پانچ مرتبہ بدن میں خارش اٹھے، یا مچھر وغیرہ نے کاٹا اور اس نے یعنی نمازی نے اتنی ہی دفعہ کھجلایا، تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

جواب: [نماز] ہو جاتی ہے بسبب ضرورت کے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۲۷)

(۲۲۷) نماز میں گریہ وزاری کا حکم؟ **سوال:** اگر نماز میں غلبہ محبت خدا اور سول سے، یا خیال نعمت ہائے خداوندی کا کر کے، یا اپنے گناہوں کے خیال سے، یا قرآن کے معنوں کا خیال کیا اور لذت حاصل ہوئی اور دل میں جوش آیا۔ غرض جس طرح سے ہو باعث دنیا نہ ہو، نہ رنج ومصیبت بیماری بدنی کی ہو، بلکہ از امر دین [دین کی وجہ سے] ہو کہ کوئی خیال دینی ہی ہو، اگر کوئی گریہ کرے یا آہ کرے، یا ہُو کرے کہ آواز ظاہر ہو، تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

جواب: غلبہ محبت حق تعالیٰ سے یا ذکر جنت ونار سے، اگر گریہ ہو یا آہ، اوہ نکلے یا صوت نکلے، نماز میں نقصان نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۳۱)

(۲۲۸) اگر نماز میں رو پڑا، یا آہ یا ہُو کی تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ ایک شخص جماعت میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ یک بیک از خود رو پڑا، یا باواز بلند لفظ اللہ یا آہ یا ہُو یا حق یا کانپ کر ہُو ہُو کہہ اٹھا، اور ہم کو علم نہیں کہ آیا اس کو بذوق الٰہی یہ کیفیت پیش آئی، یا بغیر ذوق الٰہی اور ان صورت ہائے مرقومہ بالا شخص مذکور کی نماز ہوئی یا نہیں، اور نیز اس کے قرب وجوار کے لوگوں کی نماز باقی رہے گی، یا فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

(۱) یعنی ایسی چیز کے جواب دینے سے نہ کہ صرف خبر سن لینے سے کیونکہ اس سے جواب مقصود ہے پس وہ کلام ہے اور مفسد صلوٰۃ ہے۔ (پالن پوری)

الجواب: اگر نماز میں لفظ اللہ یا کوئی اسم حق تعالیٰ کا، نمازی مقتدی یا امام نے کہا، تو اس سے نماز کسی حال مفسد نہیں ہوگی اور جو ہُو، ہا، آہ، اوہ نکلا، اگر بذوق وخشیت سے یا ذکر جنت ورحمت سے نکلا، تو بھی نماز نہیں جاتی، اور جو بدون اس کے کہا تو نماز فاسد ہوتی ہے، اور جس کا حال معلوم نہیں ہے، اس کے حال کو حسنِ ظن کے ساتھ خیر پر حمل کرنا چاہئے، بدگمانی نہ کرے، جب تک دلیل قوی اس کے فریب وریا کی نہ ہو، اور اس کے پاس والوں کی نماز میں کوئی فساد ونقصان نہیں ہوتا، اگرچہ وہ ریا کار بھی ہو، اگر ریا کرتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہوو ےگی، نہ [کہ] پاس والے کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(٢٢٩) کن ٹوپ میں نماز؟ **مسئلہ:** لباس کن ٹوپ میں، جس طرح چاہے نماز پڑھے، نماز درست ہے۔

(مجموعہ کلاں، ص ١٣۴)

(٢٣٠) صدری (فتوئی) میں نماز؟ **سوال:** خواندن صلوٰۃ در صدری کہ در ملک پنجاب فتوحی (١) گویند، باوجود جامہ دیگر، چہ حکم دارد؟

ترجمہ: صدری میں جس کو پنجاب میں فتوحی کہتے ہیں، اس میں دوسرا کپڑا موجود ہوتے ہوئے، نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اگر از فتوحی سینہ وکمر ودوش ودست پوشیدہ شد، نماز دراں باوصف بودن پارچہ دیگر بلا کراہت ادا می شود، البتہ دیگر پارچہ افزودن ادب است، اگر در فتوحی موافق وافی ماند، کراہت تنزیہی خواہد بود۔ فقط۔

(مجموعہ کلاں ص ١٣٦)

ترجمہ: اگر فتوئی سے سینہ، کمر کندھے اور ہاتھ چھپ جائے، تو دوسرا کپڑا موجود ہونے کے باوجود، اس میں بلا کراہت نماز ہوجائے گی، مگر دوسرے کپڑے کا اضافہ کرلینا ادب ہے۔ اور اگر فتوئی ضرورت کے مطابق ہے، تو اس میں نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔

(ت: نور)

(٢٣١) بلا ٹوپی کے صرف عمامہ سے نماز؟ **سوال:** عمامہ کے نیچے ٹوپی نہ ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب: عمامہ بلا ٹوپی سے نماز مکروہ نہیں ہوتی، البتہ ٹوپی کا ہونا مستحب ہے فقط۔

(مجموعہ رام پور، ص ٨)

(١) فتوحی: عربی، اسم مؤنث، صدری، بن آستینوں کی کمری، بن آستینوں کی مرزئی۔ ایک قسم کی جاکٹ کرتی، فرہنگ آصفیہ، مولوی سید احمد دہلوی ص ٣٣٦ ج ٣۔ اسکواور ہندوستان کی عام زبان میں فتوئی کہتے ہیں۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں مرتبہ مولوی ظفر الرحمن صاحب دہلوی ص ١٣٨-١۵٠ جلد دوم (دہلی ١٩٨٠ء) (نور)

(۲۳۲) اگر نماز میں، مردار کی ہڈی بدن پر ہو؟ **سوال:** مردار کی ہڈی گلے وغیرہ میں لٹکا کر نماز درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: مردار کی ہڈی پاک ہوتی ہے، سوائے خنزیر کے، سو اس کے ساتھ ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا۔ فقط (مجموعہ کلاں، ص ۱۴۷)

(۲۳۳) قضاء نماز کو ادا کی نیت سے پڑھنا: **سوال:** اگر ظہر کا وقت جاتا رہا اور عصر کا وقت آ گیا، تو اس قضا شدہ نماز ظہر کو اگر بہ نیت ادا پڑھے اور نیت قضاء کی نہ کرے، حالانکہ نماز قضا ہی پڑھی ہے، تو وہ نماز ادا ہوگئی، یا نہیں؟

جواب: [نماز] ادا ہوجاتی ہے۔ فقط (بدست خاص، ص ۴۰)

(۲۳۴) ادا نماز کو قضاء کی نیت سے پڑھنا؟ **سوال:** اگر وقت نماز کا تھا مگر مصلی نے اس ادا نماز کو بہ نیت قضاء ادا کیا، حالانکہ ادا ہی پڑھی ہے تو نماز ادا، ادا ہوگئی، یا نہیں؟

جواب: درست ہے۔ (بدست خاص، ص ۴۰)

(۲۳۵) نماز کے بعد کی تسبیحات (اور صوم عرفہ) مستحب ہیں: **مسئلہ:** بعد نماز کے تسبیح تحمید تکبیر مستحب ہے اور صوم عرفہ بھی مستحب ہے، سنت موکدہ نہیں۔ شاہ عبد العزیز کے کلام کی مجھ کو خبر نہیں، سب کتب فقہ میں مستحب لکھا ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۱۹)

مکروہاتِ نماز

(۲۳۶) محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کا حکم؟ حافظ علی حسن امام مسجد نے جو جواز کا فتوی باہر کی محراب میں کھڑے ہونے کے بارے میں، کسی اردو کتاب کے حوالہ سے دیا تھا، حضرت (گنگوہی) قدس سرہ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا، کہ بس تم اپنی کتاب کو رہنے دو، امام کو محراب کے اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا، خواہ محراب اگلی ہو یا پچھلی، بہر حال مکروہ ہے۔ (مجموعہ رام پور ص ۱۶)

(۲۳۷) عمامہ پر سجدہ مکروہ ہے: **سوال:** ٹوپی اگر سجدہ گاہ اور ماتھے کے بیچ میں حائل رہے، تو نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب: حیلولہ کلاہ کا جبہہ وارض میں مکروہ ہے۔ فقط (مجموعہ کلاں، ص ۱۴۷)

(۲۳۸) نماز میں بلاضرورت زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے: **مسئلہ:** اگر قوی آدمی بلاوجہ زمین پر اعتماد کر کے (ٹیک لگا کر) کھڑا ہو تو مکروہ ہے اور ناقص ہرگز نہیں اور ضعیف کے واسطے اجازت ہے، مکروہ بھی نہیں۔ (مجموعہ کلاں، ص ۱۳۲)

(۲۳۹) نماز پڑھنے والے کے سامنے اگر کوئی صاف تصویر ہو تو؟ **سوال:** کسی چیز گھڑی وغیرہ پر تصویر ہے اور وہ نمازی کے سامنے رکھی ہے، تو نماز ہو جاوے گی، یا مکروہ ہوگی؟

جواب: اگر ایسی تصویر ہے کہ معلوم ہوتی ہے تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر ایسی چھوٹی ہے جیسے مچھر مکھی کہ کپڑے پر ہونے سے معلوم نہیں ہوتی، تو مکروہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۵۷)

نماز میں سہو اور سجدۂ سہو کے مسائل

(۲۴۰) اگر چار رکعت میں قعدہ اولیٰ نہیں کیا، تو سجدہ سہو سے نماز ہوگئی: **سوال:** اگر چار رکعت نفل کی نیت کی تھی اور دو رکعت کے بعد قعدہ وسط کا نہ کیا اور تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا، پھر چاروں رکعت کے بعد اخیر میں سجدہ سہو کر لیا، تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

جواب: [نماز] ہوگئی۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۱)

(۲۴۱) فرض نماز میں چار رکعت کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا اور مزید دو رکعتیں پڑھ لیں تو؟ **سوال:** ایک شخص مثلاً ظہر کے فرض پڑھتا ہے اور آخر قعدہ کے بعد سہو سے پانچویں رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا، بعد میں یاد آیا تو اس نے دو رکعت [پوری] کر کے سجدہ سہو کر لیا اور نماز تمام کی، تو دو رکعت جو بعد فرض کے پڑھتے ہیں، وہ ادا ہوگئی، یا نہیں؟

جواب: دو رکعت سنت مؤکدہ اس سے ادا نہیں ہوتی، یہ دو نفل ہو جاویں گے۔ فقط واللہ اعلم (بدست خاص، ص ۴۴)

(۲۴۲) اگر آخری قعدہ میں التحیات کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا تو کیا کرے؟ **سوال:** اگر اخیر رکعت میں آدمی نے التحیات پڑھی اور پھر بھول کر کھڑا ہوگیا اور بعد کھڑا ہونے کے یاد آیا، کہ رکعت تمام ہو چکی ہیں اور پھر بیٹھ گیا تو دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے، یا بدون التحیات پڑھے سجدہ سہو کرے۔

جواب: اس صورت میں دوبارہ التحیات نہ پڑھے، بیٹھ کر سلام دے کر، سجدہ سہو کرے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۹)

(۲۴۳) اگر دو رکعت کے بعد تیسری کیلئے کھڑا ہو گیا، اس وقت یاد آیا تو کیا کرے؟ **سوال:** اگر دو رکعت نفل یا فرض کی نیت کی اور قعدہ اخیر کا یاد نہ رہا تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہو گیا، یہاں تک کہ سجدہ بھی کر لیا، تب یاد آیا کہ تیسری رکعت ہے، تو اگر اس کے ساتھ اور ایک رکعت ملا لے تو نماز ہوتی ہے یا نہیں، یا از سر نو نماز توڑ کر نیت باندھے۔

جواب: اگر فرض نماز تھی جیسے [کہ] فجر کی نماز اور بدون قعدہ کے تیسری رکعت کا سجدہ کیا [تو] چوتھی ملا لیوے، چاروں نفل ہو جاویں گی اور جو نفل ہو تو بھی چاروں نفل ہو جاویں گی اور سجدہ سہو کر لیوے، اور فرض ہو تو اعادہ کر لیوے۔

(بدست خاص، سوال ۳۹)

(۲۴۴) اگر ایک رکعت پر بھول کر سلام پھیر دیا، پھر یاد آیا تو؟ **سوال:** ایک شخص نے دو رکعت نماز کی نیت باندھی اور ایک رکعت پڑھ کر سہو ہوا کہ دونوں پڑھ لی ہیں، اور اس نے سلام پھیر دیا اور بعد سلام پھیر دینے کے یاد آیا کہ ایک رکعت ہوئی ہے اور بہت جلد کھڑا ہو کر، وہ رکعت بھی پڑھ لی تو سجدہ سہو کا کرے، یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں سجدہ سہو کرے، نماز ہو جاوے گی۔ (بدست خاص، سوال ۴۳)

(۲۴۵) وتر کے بعد کی دو نفلوں کا بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے، یا کھڑے ہو کر؟ **سوال:** دو نفل جو بعد وتر کے پڑھتے ہیں، ان کو کھڑے ہو کر پڑھنا زیادہ ثواب ہے یا بیٹھ کر؟

جواب: کھڑے ہو کر پڑھنے میں پورا ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب۔

(بدست خاص، ص ۴۹)

(۲۴۶) اگر امام سجدہ سہو بھی بھول گیا، سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو؟ **سوال:** امام سے نماز میں سہو ہوا اور سجدہ سہو بھی بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا، مقتدیوں کو یاد تھا بعد انفراغ امام انھوں نے صرف سجدہ سہو ادا کیا، تو اندریں صورت مقتدیوں کی طرف [سے] جبر نقصان ہو جاوے گا، یا نہیں؟

الجواب: اگر امام نے بعد دو سلام کے قبل کسی حرکت منافی صلوٰۃ کے سجدہ کیا، تو درست ہے اور سب کی نماز کا جبر ہوا اور جو مقتدی تنہا سجدہ کرے گا، وہ معتبر نہیں، اور نہ جائز ہو سکتا ہے۔ (مجموعہ رامپور، ص ۹)

(۲۴۷) اگر درمیان قعدہ میں سلام پھیر دیا، پھر یاد آیا تو؟ **سوال:** اگر نمازی نے وسط کے قعدہ میں ہی ایک طرف یا دونوں طرف سلام پھیر دیا اور بعد میں یاد آیا کہ ابھی نماز تمام نہیں ہوئی اور اسی نیت سے کھڑے ہو کر نماز پوری کر کے سجدہ سہو کر لیا، تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

جواب: وسط قعدہ میں درود اور دعا پڑھ کر سلام [پھیر] دیا تو بسبب تاخیر کے سہو آوے گا اور جو کچھ نہیں پڑھا اور بعد سلام کے کھڑا ہو گیا، تو قلیل وقفہ کے سبب سجدہ سہو نہ آوے گا۔ (بدست خاص، سوال ۱۵۵)

(۲۴۸) اگر بھول کر ایک رکعت رہ گئی اور سلام و دعا کے بعد یاد آئی تو؟ **سوال:** اگر بھول کر ایک رکعت رہ گئی اور بعد سلام و دعا مانگنے کے یاد آئی، تو اسی نیت سابق سے اگر ایک رکعت پڑھ لے اور سجدہ سہو کرے تو نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟

جواب: درست ہے، کیوں کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مفسد صلوٰۃ کا نہیں۔(۱) (بدست خاص، سوال ۳۸)

(۲۴۹) سہواً سلام پھیرنے کے بعد بقیہ نماز کس طرح پوری کرے؟ **سوال:** ایک نمازی نے سہو سے سلام پھیر دیا اور اس کی رکعت باقی تھی، جو بعد سلام کے دعا مانگنے یا کچھ دیر تک ٹھہرنے یا قبلہ کی جانب سے منھ پھیرنے یا کسی سے بات کرنے کے بعد یاد آ گئی، تو پھر اس کو پوری کرے یا از سر نو پڑھے؟

جواب: اگر منھ [سینہ] پھیر لیا یا بات کر لی تو از سر نو نماز پڑھے اور جو دعا وذکر کیا ہے، مفسد صلوٰۃ نہیں کیا، تو سجدہ سہو کر کے نماز تمام کرے۔ فقط (بدست خاص، ص ۳۵)

(۲۵۰) جو نماز ترکِ واجب کی وجہ سے لوٹائی جائے، اس میں نئے مقتدی کی شرکت؟

مسئلہ: جس وقت نماز فرض کو واجب کے ترک سے اعادہ کیا، تو اعادہ واجب ہے، لیکن واجب مثل وتر کے نہیں، بلکہ درحقیقت وہ نفل ہے، کہ یہ بسبب جبر کرنے نقصان فرض کے وجوب اس کو عارض ہو گیا ہے، جیسے کوئی شخص نذر معین دو رکعت نفل کی کر لے، تو درحقیقت یہ نماز نفل ہے، لیکن وجوب سبب نذر کے اس کو عارض ہو گیا ہے، اس واسطے بعد عصر ادا کرنا اس کا جائز نہیں، یا کوئی نفل شروع کر کے توڑ دیوے تو اعادہ واجب ہوگا، تو وقت اعادہ، درحقیقت نفل ادا کرنا ہے، جس کو وجوب عارض ہو گیا ہے۔ پس جبکہ اس طرح وقت اعادہ نماز درحقیقت نفل ہوئی، تو اس کے پیچھے فرض ادا کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس کو وجوب عارض ہو گیا ہے، لیکن اصل نفل سے خارج نہیں ہوئی اور یہ نماز بالفرض اگر ایسی واجب ہوتی جیسے وتر، تاہم اقتداء مفترض کی اس کے پیچھے درست نہ ہوئی، کیوں کہ یہ فرض فقط عملاً ہے اور وہ فرض عملاً واعتقاداً۔ تو فرض عملاً بعض قوی ہوتا ہے اور بعض ضعیف اور یہاں اولیٰ ضعیف ہے اور ثانی قوی، تو ضعیف کے پیچھے قوی جائز نہ ہوگا۔

(مجموعہ رام پور ص ۱۴)

---

(۱) بشرطیکہ دعا عربی میں ہو اور ماثور ہو۔ (اضافہ از حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ)۔ مفتی صاحب نے اس مجموعۂ فتاوی کی ترتیب کے ابتدائی موقع پر ایک کاپی میں درج فتاوی سنے تھے اور اس میں دو تین جگہوں پر معمولی اصلاح یا افادہ کا اضافہ کیا تھا، یہ بھی انہیں میں سے ہے۔ (نور)

(۲۵۱) اگر امام قعدہ اخیرہ کے بعد، سہواً کھڑا ہو جائے تو؟ **سوال:** امام اگر آخر قعدہ [میں] نہ بیٹھے اور سہواً کھڑا ہو جاوے، تو مقتدی اتباع امام کریں، یا نہیں۔ درصورت عدم اتباع اگر بیٹھ کر سلام پھیر دیویں تو نماز ان کی جائز [ہوگی] یا نہ؟ اگر شق اول اختیار کی جاوے، تو اطاعت امام بھی ضروری تھی اور وہ متروک ہے، پھر دلیل جواز اس کی کیا ہوگی؟

جواب: مقتدی امام کو سبحان اللہ یا دیگر ذکر سنا کر بٹھا دیں، اگر نہ بیٹھے تو سجدہ تک انتظار کریں اور اعلام کرتے رہیں، اگر امام لوٹ آیا سجدہ سہو کر کے، سب کے ساتھ سلام پھیرے اور جو نہ لوٹا اور سجدہ رکعت خامسہ کا کر لیا تو مقتدی سلام دے کر رخصت ہو ویں، امام کو چھوڑ دیویں کہ امام نوافل میں چلا گیا، وہ امام فرائض کا تھا نہ نوافل کا، اب امام نہیں رہا، دوسری نماز پڑھتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ رام پور ص ۲-۳)

(۲۵۲) جماعت کی نماز فاسد ہونے کے بعد کیا کسی کے نزدیک، صرف امام کی نماز کا اعادہ کافی ہے؟ **سوال:** اگر امام کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہو جاوے اور وہ اس سے ایسے وقت مطلع ہو کہ مقتدیوں کا اجتماع نہ ہو سکے، تو کیا یہ کسی کا مذہب ہے کہ تنہا امام کا اعادہ کرنا کافی ہے، اور مقتدیوں پر ضرور[ی] نہیں؟

جواب: یہ مذہب حنفیوں کا نہیں ہے، کسی اور کا ہوگا، مجھے معلوم نہیں۔ (مجموعہ رام پور ص ۶-۷)

(۲۵۳) سجدہ سہو میں مقتدی کی نماز تبعاً کامل ہوتی ہے: سجدہ سہو میں آپ کی رائے سے توافق کرتا ہوں، کہ صلوٰۃ مقتدی تبعاً کامل ہوتی ہے، اعادہ کا استخراج صاحب فہم نے کیا ہے اور کسی کی رائے اس طرف نہیں گئی۔ (مکتوبات بنام مولانا خلیل احمد قلمی، مکتوب نمبر ۲۶)

(۲۵۴) سنتوں کی چار رکعتوں میں پہلا قعدہ واجب ہے: **سوال:** سنتوں میں مثلاً چار رکعت میں قعدہ وسط کا فرض ہے، یا واجب؟

جواب: واجب ہے امام صاحب کے نزدیک۔ (بدست خاص، سوال ۵۸)

(۲۵۵) اگر چار سنتوں کی نیت کی اور چار رکعت کے بعد، بھول کر کھڑا ہو گیا اور چھ مکمل کر لیں تو؟ **سوال:** اگر چار رکعت سنت کی نیت کی اور بعد قعدہ آخر کے پانچویں رکعت کے واسطے بھول کر کھڑا ہو گیا اور یاد آنے کے بعد دو رکعت اور پڑھ لی، تو سجدہ سہو بھی کرے، یا نہیں؟

جواب: سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۴۵)

سنتوں اورنوافل کے مسائل

(۲۵۶) فجر کی سنتیں اس وقت پڑھنا، جب جماعت شروع ہوچکی ہو؟ **سوال:** اگر جماعت صبح کی نماز کی [شروع] ہوگئی ہے، تو بہتر یہ ہے کہ جماعت میں مل جاوے، یا کہ یہ بہتر ہے کہ سنت فجر کی پڑھ کر جماعت میں شامل ہو، اگر یہ جانتا ہو کہ ایک رکعت فرض کی ضرور جماعت میں مل جاوے گی؟

جواب: مذہب حنفیہ یہ ہے کہ سنت پڑھ کر شریک جماعت ہو بشرطیکہ سنت کو پردہ میں پڑھے۔ جماعت کے روبرو پڑھنا ہرگز درست نہیں، مگر اس وقت میں ایسا کرنے سے عوام جماعت کے پاس سنت پڑھنے لگتے ہیں، لہٰذا حسب مذہب شافعی اور محدثین علیہم الرحمہ کے، بالکل سنت سے منع کرنا مناسب وقت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۲۱)

(۲۵۷) اگر جماعت ہورہی ہوتو فجر کی سنت کب پڑھے؟ **سوال:** اگر جماعت فجر کی ہورہی ہے تو سنت پڑھے یا جماعت میں شریک ہوجاوے، اور اگر شریکِ جماعت ہوگیا، تو وقت ضرورت کے سنت بعد نماز ادا کرے، یا بعد طلوع آفتاب؟

الجواب: سنت فجر بعد شروع ہونے جماعت کے، اگر کوئی جگہ علیحدہ مسجد کے ہو پڑھ لے، کیونکہ ان کی تاکید بہت وارد ہے، بشرطیکہ جماعت میں شرکت کی توقع ہو، اور اگر سنت فجر نہ پڑھ سکا تو بعد طلوع آفتاب کے پڑھے، فرض کے بعد متصل نہ پڑھے، بلکہ بعد طلوع آفتاب کے پڑھے۔ اور اپنے وقت سے ٹل کر سنت مؤکدہ مؤکدہ نہیں رہتی، مگر بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لینا بہتر ہے۔ هکذا فی کتب الفقہ فقط

کتبہ رشید احمد عفی عنہ

مندرجہ فتاوی دار العلوم (دیوبند) ص ۳۲۶ ج ۴۔ (دیوبند: ۱۳۸۴ھ)

(۲۵۸) فجر کی نماز شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھنے کا حکم: **سوال:** جس وقت صبح کی جماعت کی تکبیر ہوگئی ہو، اس وقت میں سنتیں پڑھنی جائز ہیں، یا جماعت میں شریک ہونا جائز ہے اور یہ سنتیں واجب ہیں، یا سنت مؤکدہ؟

جواب: اگر جماعت کی تکبیر ہوجاوے تو اگر ایسی جگہ ہو کہ سب لوگوں کی نظر سے پردہ ہو، تو جلدی جلدی ادا کرکے فرضوں میں شریک ہوجاوے، جو ایسی جگہ نہ ہو تو ترک کردے، پھر اگر ہوسکے تو دن چڑھے پڑھ لیوے، ورنہ

سنت کی قضا نہیں ہے۔ دو رکعت قبل فرض فجر سنت مؤکدہ ہیں، واجب نہیں۔ (فیوض رشیدیہ، ص۴۲)

(۲۵۹) مسجد میں اگر پردہ پڑا ہوا ہے تو بیرونی حصے میں فجر کی سنتیں پڑھنے کا حکم؟ **سوال:** مسجد میں پردہ پڑا ہوا ہے اور جماعت ہو رہی ہے، تو فجر کی سنت باہر کے فرش پر پڑھ کر، جماعت میں ملے یا بدون پڑھے، کیونکہ پردہ تو ہے، مگر آواز قرأت کی آتی ہے۔

جواب: جائز ہے، سنت پڑھ کر شریک ہو جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص۶۷)

(۲۶۰) مغرب کی سنتیں اوابین میں شامل نہیں: صلوٰۃ اوابین جو نوافل بعد مغرب کا نام ہے وہ سنت مؤکدہ سے زائد ہیں، لہٰذا دو سنت علیحدہ پڑھے، مگر جو وعدہ اور ثواب وارد ہوا ہے، وہ درصورت داخل کرنے کے بھی ظاہر ہو سکتا ہے اور کوئی قاطع دلیل نہیں، مگر یہ کہ سنت مؤکدہ ہیں اور وعدہ نوافل مستحبہ کا ہے اور مستحبات کا ذکر جداگانہ احادیث میں آیا ہے۔ (مجموعہ کلاں، ص۱۳۲)

(۲۶۱) جمعہ کی سنتوں کی نیت کس طرح کرے؟ **سوال:** جمعہ میں اول کی چار رکعت اور بعد جمعہ چھ رکعت کی نیت کس طرح کرے؟

جواب: چار رکعت سنت پڑھتا ہوں۔ فقط (بدست خاص، ص۳۷)

(۲۶۲) سنتوں اور نفلوں میں وقت کا ذکر کرنا ضروری نہیں: **سوال:** سنن و نوافل میں نیت کرتے وقت، اس وقت کا بھی نام لے، یا نہیں؟

جواب: ذکر وقت کی حاجت نہیں۔ (بدست خاص، ص۳۷)

(۲۶۳) نوافل میں اگر نیت سے زیادہ پڑھ لیا تو؟ **سوال:** اگر دو رکعت نفل کی نیت کی تھی مگر دو رکعت کے بعد سہو سے قعدہ نہ کیا اور تیسری رکعت پڑھ لی، تب یاد آیا اور ایک رکعت اور ملا لی تو نماز ہو گئی، یا نہیں؟

جواب: سجدہ سہو کرنے سے نماز تمام ہو جاتی ہے، امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص۱۱)

(۲۶۴) نوافل میں اگر ایک مرتبہ میں آٹھ رکعت کی نیت کی، تو کیا سب کا ادا کرنا ضروری ہے؟ **سوال:** نوافل میں اگر ایک دفعہ چار یا آٹھ رکعت کی نیت کی، تو سب کا ادا کرنا فرض ہوا یا دو رکعت کا، درصورت فاسد ہونے نماز کے؟

جواب: دو رکعت اول واجب ہو گئی، جب دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہوا، تو دو دیگر واجب ہو گئی، علیٰ ہٰذا، اور سلام

(بدست خاص، ص ۱۱)

دیدیا دو پر مثلاً، تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ فقط

[نوٹ: ایک ضروری مسئلہ: صحت نماز جمعہ کے لئے ملک تام یا وقف ہونا مسجد کا شرط نہیں۔ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۲۶۵) دن اور رات کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ، کتنی رکعتیں درست ہیں؟

سوال: نوافل میں دو ہی رکعت ہوتی ہیں، یا زیادہ بھی؟

جواب: جس قدر چاہے پڑھے، دن کو چار بیک سلام اور رات [کو] آٹھ رکعت بیک سلام بلا کراہت ہوتی ہیں، اس سے زیادہ درست نہیں، مگر بکراہت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۱۲)

(۲۶۶) نوافل کی چار رکعت کی نیت کی اور پہلا قعدہ بھول گیا تو؟

سوال: اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور وسط کا قعدہ نہ کیا سہو سے اور تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہو گیا، تو یاد آیا کہ قعدہ نہیں کیا، تو اب کیا کرے، آیا بیٹھ کر التحیات پڑھے، یا بعد چاروں رکعت کے سجدہ سہو کرے؟

جواب: بیٹھ کر تشہد پڑھ کر، پھر آخر میں سجدہ سہو کرے۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۲)

(۲۶۷) نوافل کی جماعت میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟

سوال: نوافل کی جماعت میں علاوہ امام کے، کتنے مقتدی ہونے چاہئیں؟

جواب: تین تک جائز زیادہ مکروہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۶۸)

(۲۶۸) نوافل کی عمومی جماعت کا حکم؟

سوال: نوافل کی جماعت کا جواز تو اس حدیث سے جو ایک صحابی فرماتے ہیں، کہ میں نے نماز تہجد بجماعت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے پڑھی ہے، نکلتا ہے۔ لیکن چوں کہ اس وقت وہ صحابی ہی حاضر تھے کوئی دوسرے نہ تھے، لہٰذا وہ تنہا شامل ہوئے اور سورج گرہن اور تراویح میں بہت سے آدمی شامل ہوئے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نوافل میں خواہ کتنے ہی آدمی ہوں، جائز ہے۔ تو قلیل آدمیوں کا جماعت نوافل میں انحصار ہونا، کس طرح ثابت ہوتا ہے؟

جواب: نوافل کی جماعت مکروہ ہے، مگر نماز تراویح، نماز کسوف، صلوٰۃ استسقاء میں جائز ہے، اور سب میں مکروہ تحریمہ [ہے]۔

(بدست خاص، ص ۶۸)

(۲۶۹) تہجد کی کتنی رکعتیں ہیں؟

سوال: نماز تہجد کی بارہ رکعت ہیں، یا کم؟

جواب: تہجد کی ادنیٰ دو رکعت اور اعلیٰ کی کوئی حد نہیں، ہزار رکعت ہوں یا زیادہ، مگر فعل شارع علیہ السلام سے دس رکعت سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی، اکثر اوقات میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۳۴)

جمعہ اور خطبہ کے متعلقات ومسائل

(۲۷۰) جمعہ کا اول وقت اور جمعہ بستی میں ایک جگہ ہونا، بہتر ہے: سوال: ایک قصبہ میں سابق [میں] تین جگہ جمعہ ہوتا تھا، مصلحت سمجھ کر قدیم جامع مسجد کا جمعہ چھوڑ کر ایک مسجد میں مقرر کیا تھا، اب صاحبان اس طرف کے قریب ایک بجے کے یا پیشتر جمعہ پڑھ لیتے ہیں، اس صورت میں اکثر نمازی محروم رہ جاتے ہیں، اگر مسجد قدیم میں اہل محلہ جمعہ ادا کریں تو جائز ہے، یا نہیں؟ جواب ارقام فرماویں اور جمعہ کا وقت کب تک ہے۔ بینوا توجروا!

جواب: جمعہ کا وقت عصر تک رہتا ہے، ظہر کا وقت اور جمعہ کا ایک ہی ہے، پس اس عذر سے کہ وہ ایک بجے جمعہ سے فارغ ہو جاتے ہیں، دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا اچھا نہیں۔ جمعہ ایک جگہ ہونا اولیٰ ہے اور جمعہ کا اول وقت ہونا مستحب ہے، پس اس عذر سے تفرقہ مناسب نہیں، مع ہٰذا! اگر دوسری جگہ کر لیویں گے تو جمعہ ادا ہو جائے گا، گو تفرقہ غیر مناسب ہے۔ کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۶۰)

[نوٹ: ایک ضروری مسئلہ: شہر اور گاؤں میں فرق کیا ہے؟ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۲۷۱) چھوٹے قصبے میں جمعہ ایک ہی جگہ ہونا مناسب ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: ایک جامع مسجد میں جس میں قدیم سے جمعہ ہوتا ہے اور چند اشخاص نے بوجہ خصومت کے، دوسری مسجد میں جو جامع مسجد نہ ہو اور اس مسجد میں آواز اذان قدیم کی جاتی ہو، جمعہ قائم کریں اور امام مسجد ایسا مقرر کریں کہ مولوی بھی ہو اور حکمت بھی کرتا ہو اور ناچ وراگ بھی سنتا ہو، پس سوائے جامع مسجد قدیم کے، دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھے جائز ہے، یا نہیں، اور ایسے امام کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ اور یہ کیفیت ایک قریہ میں واقع ہو، جس میں سو دو سو نمازی ہوں، اور پانچ چار یا دس آدمی ہیں، اگر ہم ان اشخاص کو مانع ہوں، تو کچھ نقصان تو نہ ہوگا، اور کوئی گناہ تو نہ ہوگا، بس! بینوا توجروا! اور ہم کو اتنا اختیار بھی ہے کہ ہم بند کر سکتے ہیں۔

جواب: چھوٹے قصبے میں جمعہ ایک جا ہونا مناسب ہے اور تفرقہ باہم کرنا اور دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا نامناسب ہے۔ اگرچہ جہاں جمعہ درست ہے وہاں تعدد جمعہ کا فقہا نے لکھا ہے، مگر بوجہ نفسانیت وپرخاش کے تفرقہ کرنا اور دس پندرہ آدمی کا جدا [علیحدہ] ہو کر جمعہ قائم کرنا، ظاہر ہے کہ محض افتراق ونزاع باہمی ہے، جس کو شریعت میں حرام فرمایا ہے۔ پس ایسی وجہ سے تفرقہ اور تعدد لاریب منع ہے۔ سو جو لوگ بلاوجہ شرعی براہ تفرقہ اندازی، دس بیس آدمی

سے جمعہ جدا کرتے ہیں، بے شک وہ گنہگار رہوں گے، اور تفرقہ انداز جمیت اسلام کے ہوکر، مخالف حکم قرآن شریف کے ہوویں گے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا الخ (آل عمران-۱۰۳) ترجمہ: اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

پس ایسی صورت میں ان لوگوں کو فہمائش کرنا چاہئے، اگر مان لیویں بہتر ہے، مگر ایسا نزاع کرنا کہ موجب زیادت فتنہ کا [ہو] نہ چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۹۱-۱۹۲)

(۲۷۲) جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنا؟

سوال: جمعہ کے روز دوپہر کو بھی نماز پڑھنا جائز ہے، جس وقت میں اور دنوں میں نماز کو منع کرتے ہیں [جائز ہے، یا] کیا حکم ہے؟

جواب: بعض علماء کے نزدیک درست ہے۔

(بدست خاص، ص ۴۱)

(۲۷۳) عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں جمعہ کا خطبہ پڑھنے کا حکم؟

از بندہ رشید احمد عفی عنہ

مکرمی جناب مولوی محمد احسن صاحب زید عنایتہم، بعد سلام مسنون، مطالعہ فرمایند۔ نامہ گرامی پہنچا۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ خطبہ بزبان غیر عربی پڑھنا کتب فقہ سے مکروہ معلوم ہوتا ہے اور کراہت بھی تحریمہ معلوم ہوتی ہے، اس باب میں تحریرات بھی ہو چکی ہیں، اور قرون ثلاثہ میں حالانکہ صحابہ وتابعین علیہم الرضوان ممالک عجم میں تشریف لے گئے، چنانچہ خود ابن عباسؓ فارسی زبان والوں کے حاکم رہے، مگر گاہے فارسی میں خطبہ پڑھنا ثابت نہیں ہوا، لہٰذا کسی عالم ماضی نے یہ کام نہیں کیا اور اب بھی اسی وجہ سے کوئی نہیں کرتا۔

البتہ عید کا خطبہ کہ خود مسنون ہے، اگر اس میں بعد ادائے قدر خطبہ کے مضامین ضرور یہ بیان کر دیویں، تو نہایت الامر ترک اولیٰ ہو جاوے گا۔ بہر حال بوجہ عدم ثبوت قرون ثلاثہ کے اور تصریح کراہت کے کتب معتبرہ حنفیہ سے، اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا، اور اصل خطبہ کی ذکر ہے اور ذکر بضمن تذکرہ ووعظ مسنون ہے۔ (۱) فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۴۳)

---

(۱) اور اصل خطبہ کی ذکر ہے: یہ ان لوگوں کے استدلال کا جواب ہے جو غیر عربی میں خطبہ دینے پر اصرار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ پند وموعظت ہے اور جب لوگ عربی نہیں جانتے تو عربی میں خطبہ دینے سے کیا فائدہ! جواب یہ ہے کہ خطبہ درحقیقت ذکر اللہ ہے، سورہ جمعہ میں ہے (فاسعوا الی ذکر اللہ)۔

اور ذکر بضمن تذکرہ ووعظ مسنون ہے: اس میں ایک دوسرے خلجان کو رفع کیا ہے کہ خطبہ جمعہ کا مقصد وعظ ونصیحت بھی ہے اور وہی خطبہ کا ظاہری پہلو ہے اور ذکر کا تحقق اس کے ضمن میں ہوتا ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے کہ خطبہ کا بظاہر وعظ ہو اور ضمناً ذکر ہو۔ (پالن پوری)

(۲۷۴) عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ کیسا ہے؟ غیر عربی میں خطبہ مکروہ لکھتے ہیں، کتب فقہ میں خطبہ کا اصل مقصد ذکر اللہ ہے اور ضمن پند میں سنت ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۴۴)

(۲۷۵) ہمیشہ عصاء ہاتھ میں لے کر خطبۂ جمعہ پڑھنا؟ عصاء لیکر بالدوام خطبہ پڑھنا، بلا اصرار جائز ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ رام پور ص ۴۴)

(۲۷۶) خطبہ میں الوداع پڑھنا: خطبہ میں الوداع پڑھنا بدعت ہے۔

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۹)

(۲۷۷) احتیاط الظہر فضول ہے: مولوی محمد صاحب السلام علیکم

خط آیا حال معلوم ہوا، جریانِ لطائف سے فرحت ہوئی، مبارک ہو، ان کی خوب ملازمت رکھو اور انوار کی تمنا مت کرو، انوار کوئی معتبر مقصود نہیں، نفس ذکر اور طمانیت فی الذکر مطلوب اصلی ہے، اس کو نہایت غنیمت اور عنایت الٰہی تعالیٰ شانہٗ جان کر معروف و مشغول ہو: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (۱) اگر مشق کرو گے سب کچھ ہو جاوے گا، غفلت بھی انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ہر دم یکساں نہیں رہتا، کچھ تعجب نہیں۔

بندہ اپنے امور میں پریشان ہے، اسی واسطے دیو بند جانا نہیں ہوا، اس ماہ تو ہرگز نہیں جا سکتا، شاید جمادی الآخر کے اخیر میں جاؤں۔

جہاں جمعہ ادا ہوتا ہے کہ مصر اور قصبہ ہو امام جمعہ کا عامہ نے مقرر کر رکھا ہے، تو وہاں احتیاط ظہر پڑھنا لغو ہے، اور گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا، وہاں ظہر جماعت کر کے ادا کریں، وہاں خود ظہر فرض ہے۔ اس واسطے بعض فقہاء نے احتیاطاً ظہر کو منع کیا ہے اور جس نے اجازت دی ہے تو وہاں اجازت دی ہے، کہ تحقق ادا و سقوط فرض ذمہ کا باداء جمعہ نہ ہوتا ہو، اور ارتفاع بھی محقق نہ ہو، سو دونوں فریق درست فرماتے ہیں، کچھ نزاع نہیں، مسئلہ قریہ اور امام میں کچھ شبہ نہیں۔

جمعہ بعض روایات سے معلوم ہوا کہ مکہ میں فرض ہو چکا تھا اور یہ آیت فَاسْعَوْا الخ (۲) مدینہ میں نازل ہوئی، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء نزول قباء میں جمعہ فرض ہوا اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی سالم میں پانچویں روز نزول قباء سے، جمعہ بنی سالم میں ادا فرمایا۔ تاہم نزول اس آیت کا اس کے بعد ہوا، پھر اس آیت سے فرض کرنا جمعہ کا عجب ہے، ہاں حکم فرضیت اس سے مستفاد ہوتا ہے، مگر معلوم و مستفاد ہونا اور چیز ہے اور فرض کرنا دیگر امر، دونوں میں فرق لازم ہے۔

---

(۱) سورۃ ابراہیم، آیت: ۷ ترجمہ: اگر احسان مانو گے تو اور بھی دوں گا تم کو [ترجمہ شیخ الہند]

(۲) فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (الجمعۃ: ۹) ترجمہ: تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔ (ترجمہ شیخ الہند)

آپ لکھتے ہیں کہ جمعہ اس قریہ میں عموماً سب پر فرض ہے، گاؤں مصر کی قید نہیں، پس کہ اگر عموم ہے تو زن و مرد و تندرست و مریض واعمٰی واعرج و مسافر و مقیم صحرا و آبادی سب کو عام ہووے گا، جہاں کہیں مومن ہو جیسا ہو جمعہ فرض، جماعت و فرادی، اب مسافر و مریض و جنگل و عورت جب اس کی تخصیص سے نکلے گا، اسی طرح گاؤں اور بلا امیر کے بھی تخصیص ہو جاوے گی۔ جس قطعی [دلیل] سے اس آیت کی تخصیص کرتے ہیں، اول اس کی قطعیت ثابت کریں، بعد تسلیم مخصوص البعض خود ظنی ہوتا ہے۔ غرض اس زمانہ کے علماء جہل سے جو چاہیں کہیں، پہلے علماء کو کیا ایسی سمجھ نہیں تھی کہ عموم یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا کو نہ پوچھتے۔ نہیں! انھوں نے سمجھ کر قیود لگائی ہیں، اور احادیث سے قیود کا اثبات ہے، در صورت قصبہ کے اور معین امام کے احتیاط الظہر نہ پڑھے، اور گاؤں میں جمعہ نہ پڑھے۔ تشدد کرنا مسئلہ مختلفہ میں اچھا نہیں، پس دونوں فریق پڑھنے والے کو آثم اور نہ پڑھنے والے کو توبیخ، دونوں خارج اعتدال سے ہے۔

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۲-۱۲۳)

سفر اور مسافتِ قصر کے مسائل

(۲۷۸) منزل کا عرب کے دستور کے مطابق اعتبار ہے، کوس کی قید نہیں: سوال: منزل کئے کوس کی شمار ہوتی ہے، شرع میں؟

جواب: موافق عرب دستور کے منزل کی شمار ہے، کوسوں کی قید نہیں علی الصحیح۔ (بدست خاص، سوال ۶۲)

(۲۷۹) ہر طرح کے سفر میں سیرِ متوسط کا اعتبار ہے: فقہاء نے تین قسم کی راہ مقرر کی ہیں: ایک بحر، دوسرا جبل، تیسرا برّ، اور ہر سہ طریق میں متوسط سیر کا اعتبار کیا ہے، اگر سرعت [سفر] تین مرحلہ کے درجہ مثلاً ایک روز میں طے کر دیوے تو سفر ہوگا، اور جو بایں طور ایک مرحلہ کو تین روز میں طے کرے، وہ سفر نہ ہوگا۔ بعد اس قاعدے کے ہم دیکھتے ہیں کہ شتر اور گھوڑا اور چھکڑا، اور شکرم اور ریل سب ایک ہی قسم کی راہ کے طے کرنے کے اسباب ہیں، سو، سہ مرحلہ شتر کو اگر شکرم اور ریل سے ایک روز یا ایک پہر میں طے کیا، تو یہ سرعت مخل حد سفر کو نہ ہووے گی اور اگر چھکڑا ایک مرحلہ کو تین روز میں طے کرے، تو سفر نہ ہو جاوے گا، تو فقہاء کے زمانہ میں ایسی سریع سواری کا وجود نہ تھا، کہ اس کی تصریح کرتے، مگر ہاں اس قدر مصرح ہے کہ اگر تین مرحلہ کو ایک روز میں طے کرے گا، تو سفر ہی ہوگا۔ در مختار میں یہ ہے، رد المحتار میں کہا ہے:

لكن استبعده فى الفتح، بانتفاء و ظاهره انه كذالك لو وصل اليه فى زمن يسير بكرامة مظنة المشقة و هى العلة فى القصر، انتهى.(۱)

مال کا دینا اور حرج تو طی ارض بالکرامت میں تو مشقت راساً منتفی ہے، مگر سفر ریل میں مظنہ مشقت موجود ہے، اگر بذریعہ راہ کا گمان اور مشقت حبس فى موضع واحد و عدم اختيار الخروج و غيرها تو بس دیر کی راہ کو، ریل تھوڑے عرصہ میں طے کرے گا، تو از قسم طی بالکرامت تو نہ ہوگا، بلکہ از قسم سرعت سیر ہوگا۔

باقی جواز صلوٰۃ الفرض تو سفینہ کے مثل ہو جانے سے، کیا ضرور ہے کہ مقيس على السفينة ہوا ہو، بلکہ یہ مقیس على السرير المجرور على الارض ہے اور سفینہ اور سریر مجرور کا، اگر حکم متحد ہو جاوے تو کیا مستبعد ہے۔ ریل دابہ پر نہیں جو دابہ کا حکم ہو، بلکہ چوکی کے حکم میں ہے کہ ہر دو موضع علی الارض ہیں، جیسا کہ چوکی مجرور پر صلوٰۃ فرض روا ہے، ایسا ہی ریل پر درست ہے۔ اگر گاڑی دابہ کی کمر پر نہ ہو بلکہ زمین پر رکھ کر رسّی سے باندھ کر کھینچے، تو اس پر جواز صلوٰۃ فرض مصرح ہے۔ الغرض جواز صلوٰۃ ریل پر سفینہ کے قیاس سے نہیں، بلکہ موضوع علی الارض ہونے سے ہے، جیسا چوکی چارپائی پر ہے اور مقدار سفر راہ پر ہونے کے باعث سے ہے، جیسا کہ ماشی على الاقدام بسرعة سير بريد ایک روز میں تین منزل کو طے کر جاوے، تو مقدار سفر اس کی اور جواز صلوٰۃ اس کا سفر پر ہونے کے سبب ہے، تو اب نہ معلوم اس میں کیا استبعاد ہے، وجہ استبعاد معلوم نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مکتوبات حضرت گنگوہی بنام مولانا خلیل احمد، مکتوب ۲۹)

(۲۸۰) اگر تین منزل کا سفر ریل سے کرے، کیا تب بھی قصر کرے؟

سوال: ریل میں اگر تین منزل کا سفر کرے، تب بھی قصر نماز پڑھے، یا نہیں، یا اس کا یہ حکم نہیں؟

جواب: قصر کرے۔

(بدست خاص، سوال ۲۹)

(۲۸۱) اگر گھر سے بلانیت کے تین منزل کا سفر کیا، تو قصر کرے، یا نہ کرے؟

سوال: اگر گھر سے بلانیت تین منزل کا سفر چلا، تو وہ قصر نماز پڑھے، یا پوری؟

جواب: بلانیت سفر نہیں ہوتا، لہٰذا قصر نہ کرے، مگر جب واپس گھر کو آوے تین منزل سے، تو جب قصر کرے، کہ اب نیت سفر کی ہوگئی ہے۔

(بدست خاص، سوال ۲۹)

(۲۸۲) ایک منزل کے تین چکر لگانے سے، مسافر ہوگا، یا نہیں؟

سوال: جو ایک منزل قیام گاہ کے گرد پھرتا ہے، جس کا مجموعہ تین منزل سے زیادہ ہو تو یہ سفری نماز پڑھے، یا قیام کی؟

---

(۱) شامی (نسخہ حنفیہ ص ۱۰۵ ج ۲، باب صلوٰۃ المسافر (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۶ھ) رد المحتار شامی ص ۱۲۳ ج ۲، باب صلوٰۃ المسافر (مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۹ھ) (ور)

جواب: جو منزل کے گرداگرد، ایک روز کی مسافت سے پھرتا ہے، وہ مسافر نہیں ہوتا فقط۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۴۷)

(۲۸۳) کیا ریلوے کے ملازمین کو، سفر ملازمت کے دوران قصر کرنا چاہئے؟

سوال: جو ملازمان ریل خواہ وہ ریل کے چلانے والے ہیں، یا ہمراہ جانے والے، و نیز ملازمان محکمہ بندوبست، و محکمہ نہر، و ڈاک خانہ جات، و مدرسہ ہائے سرکاری، بحکم سرکار تین منزل یا زیادہ سفر کرتے ہیں، نماز قصر کی اجازت ہے، یا نہیں؟

پھر جن ریل کے ملازموں کے واسطے حکم سفر جائے متعین سے ہر روز، یا تیسرے روز جاری ہوتا رہتا ہے، بعد واپسی بھی [ان کو] نماز قصر چاہئے، یا نماز حضر؟ پھر بعض ملازمین کے مبداء، یا منتہائے سفر یا وسط سفر میں مقیم ہیں، وہاں پہنچ کر نماز کا کیا حکم ہے، اور بعض کے اہل وعیال ہر سہ جائے مذکورہ میں نہیں ہیں، خود ملازم ہیں، کسی قدر مقیم رہ کر، پھر ہمراہ ریل چلے جاتے ہیں، ان کو کیا ارشاد ہے؟

سو ریل کے اور محکمہ کے جو ملازم سفر بطور دورہ کے کرتے رہتے ہیں، ان کے واسطے حکماً ایک جا خاص دفتر کی متعین ہے، بعد واپسی بمقام دفتر، بصورت ارادہ قیام کم از پندرہ روز، نماز قصر چاہئے، یا حضر، ان کل ملازموں کے واسطے حکم نماز مثل اہل خیمہ کے ہے، جن کا مسکن صحرا ہے، یا کچھ تفاوت ہے؟ فقط

جواب: ملازمان ریل وغیرہ سب جب بعزم تین منزل کے سفر کے روانہ ہوں، تو راہ میں قصر صلوٰۃ کا کریں گے، اور جب کسی مکان میں جا کر ٹھہریں، اگر وہ جگہ جنگل ہے، تو نیت اقامت ان کی قابل اعتبار کے نہیں، اور جو وہاں آبادی ہے جیسے مکانات اسٹیشن، مگر صورت گاؤں کی ہو جاتی ہے، اگر پندرہ روز کی نیت سے قیام کرے گا، تو مقیم ہو کر اتمام صلوٰۃ کا کرے، ورنہ اس مقام پر بھی قصر ہی کرے۔ لہٰذا جو ملازم کہ دوسرے تیسرے روز پھر سفر پر جاتے ہیں، وہ مکان پر بھی قصر کیا کریں، کہ مسافر ہیں اور جو ملازم کہ راہ میں مثلاً ان کا گھر واقع ہوتا ہے، اگر وہ وطن اسٹیشن سے علیحدہ ہے، مثلاً ایک دو کوس، اور یہ ملازم بدون دخول وطن کے سفر کرتا ہے، وہ بھی مسافر ہے قصر کرے، اور جو اسٹیشن پر آبادی ہے اور اہل وعیال اس کے وہاں ساکن ہیں، تو وہاں تک اگر چلنے کی جگہ سے تین منزل کے قدر ہے، تو مسافر ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

پھر اس وطن سے چل کر منتہی مقصد تک کا بھی، یہ ہی حال ہے، اور واپس ہونے کا بھی یہ ہی قاعدہ ہے، اور مبداء منتہا، پر اگر وطن ہے، تو وطن میں پہنچ کر بھی قصر نہ کرے گا، بلکہ اتمام صلوٰۃ کرے گا کہ سفر تمام ہو گیا ہے، اور جس کا کہیں ہر سہ مواقع میں گھر نہیں، وہ برابر مسافر رہے گا اور جو شخص سب جگہ سفر کرکے، ایک بلد خاص میں بمحل دفتر قیام کرتا ہے، اگر اس کے عیال وہاں نہیں، تو وہ وطن اقامت ہے، اگر وہاں پندرہ روز کی نیت سے اقامت کرے گا، تو سفر نہ رہے گا، مقیم ہو جاوے گا، پھر جب وہاں سے سفر کر کے گیا، جب واپس آئے تو وہ وہاں مسافر ہے، اب جدید نیت قیام پندرہ روز کی

کرے تو مقیم ہے، ورنہ مسافر ہے، کہ وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔ لوٹ کر آنے میں دوسری نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب ملازم اہل خیام کے حکم میں نہیں، کیونکہ گھر اور عیال دوسری جگہ موجود ہیں، کہ وہ ان کا وطن اصلی ہے لہٰذا یہ ان سے جدا ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۲-۲۳۳)

(۲۸۴) دورانِ سفر وطن سے گزرنے والے، مسافر کے لیے حکم؟

مسئلہ: اگر تتبع کو تحقیق [ہے] معلوم ہے کہ عبور میرے وطن پر کو ہوویگا اور وہ [اس] قدر سفر نہیں، تو قبل رسیدن وطن تتبع، تتبع مسافر نہیں اور بعد خروج از وطن اگر منتہی بھی قدر سفر نہیں، تو جب بھی مسافر نہیں، کیوں کہ از مبدا تا منتہی ثلث منازل ہونا، سفر کے لیے ضروری ہے۔

(مکتوبات بنام مولانا خلیل احمد قلمی، مکتوب نمبر ۲۷)

(۲۸۵) سفر میں پوری نماز پڑھنے سے گنہگار ہوگا، سنت چاہے پڑھ لے:

سوال: سفر میں اگر نماز پڑھی پوری تو گنہ گار ہوا، یا نہیں؟ اور اگر قصر پڑھے تو سنت بھی پڑھے یا نہیں، اور در صورت نہ پڑھنے کے گنہگار ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: امام صاحب کے نزدیک گنہ گار ہوتا ہے، سفر قصر میں سنت پڑھے، مگر تاکید کم ہو جاتی ہے، نہ پڑھے تو گناہ نہیں۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۹۷)

(۲۸۶) سفر میں قصر نہ کرنے پر گناہ، اور فرض نہ ہونے کی صورت میں، حج قربانی اور نوافل پر ثواب کیوں ہے؟

سوال: حاشیہ قرآن مجید(۱) پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ہے، کہ سفر میں نماز قصر کرے، اور اگر پوری پڑھے گا، تو گویا اس نے انعام حق سے بے پرواہی کی، تو اس بنا پر جس پر حج اور قربانی فرض نہیں ہے، وہ اگر حج کرے یا قربانی کرے، تو وہ انعام حق سے لاپرواہی کرتا ہے، یا وہ اس حکم میں داخل نہیں، اور اگر اس حکم میں داخل نہیں، تو کس وجہ سے داخل نہیں؟

جواب: یہ آپ کی فہم کی کوتاہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے دو رکعت فرض کی سفر میں، اب اگر کوئی فرض کو نہ مانے اور چار رکعت پوری کرے، تو اپنی رائے سے حکم اور رخصت حق تعالیٰ کو ٹلاتا ہے، اس واسطے اس پر وعید ہے۔ جیسا [کہ] فجر کی چار رکعت پڑھے، اور نوافل میں جو اجر و ثواب ہے، اس کی تحصیل موجب رضامندی ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسا کوئی حاکم کسی کو ہدیہ دیوے اور رعیت قبول نہ کرے، رد کر دے، اس [کے] واسطے وعید ہے، مگر جو رعیت ہدیہ

(۱) موضح القرآن (منسوب بہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب) بر آیت وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ (النساء، ص ۱۹۰ ج ۱) (مطبع خادم الاسلام دہلی ۱۳۱۳ھ)

لیجاوے، تو کیا موجب جرمانہ کا ہوتا ہے؟ نہیں! بلکہ انعام پاتا ہے، ایسا ہی رخصت کا نہ ماننا برا ہے اور نوافل ادا کرنا عمدہ ہے، البتہ اگر نوافل کو بھی مثل فرض کے سمجھے، تو گنہ گار ہوتا ہے، اس بدعت اور دخل اپنی رائے کے سبب سے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۶۸)

مسافر کی نماز کے مسائل

(۲۸۷) مسافر اگر مقیم کے پیچھے پڑھ رہا ہے، تو نماز پوری پڑھے: **سوال:** مسبوق مسافر اگر مقیم امام کے پیچھے، آخر رکعت التحیات میں ملے، تو جس وقت امام سلام پھیرے، تو وہ مسبوق مسافر، نماز اپنی پوری پڑھے یا قصر کرے؟

جواب: نماز پوری پڑھنی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۵۲)

(۲۸۸) مقتدی مقیم، جس نے مسافر کے پیچھے نماز پڑھی، اپنی نماز کس طرح پوری کرے؟

سوال: اگر مسافر امام ہے، اور مقیم مقتدی، تو چار رکعت والی نماز میں، جب امام دو رکعت کے بعد سلام پھیرے، تو مقیم جو اپنی دو رکعت پوری کریں، ان میں الحمد پڑھیں، یا نہیں؟

اور اگر کوئی ایسا عمل ہو جاوے، جس سے سجدہ [سہو] لازم ہو، ان دونوں رکعت باقی میں، تو سجدہ سہو بھی کریں، یا نہیں؟

جواب: چُپ رہے، کچھ نہ پڑھے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے۔ وہ حکماً امام کے پیچھے ہیں۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۵)

(۲۸۹) مقیم مقتدی، مسافر کے پیچھے نماز کی تکمیل میں، سورہ فاتحہ پڑھنے سے گنہ گار ہوں گے: **سوال:** اگر مقیم مقتدی اپنی دو رکعت باقی کو ادا کریں اور ان میں الحمد پڑھیں، تو وہ گنہ گار بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر الحمد بھی نہ پڑھیں اور مقدار الحمد [للہ] پڑھنے کے قیام بھی نہ کریں، تب بھی گنہ گار ہوتے ہیں یا نہیں، اور ان کی نماز بھی ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

جواب: پڑھنے سے گنہ ہوگا اور قیام قلیل کافی ہے، زیادہ قیام کی حاجت نہیں۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۵)

(۲۹۰) اگر مقیم مسافر امام کے پیچھے التحیات میں شامل ہو تو، نماز کس طرح پوری کرے؟

سوال: اگر مقیم مسبوق مسافر امام کے پیچھے التحیات میں شامل ہو، تو وہ اپنی چاروں رکعت کس طرح پڑھے، آیا دو رکعت میں الحمد اور قرأت اور دو رکعت میں فقط الحمد پڑھے، یا کس طرح کرے؟

جواب: جیسے مسبوق مقیم کا پڑھنا ہے، اسی طرح پڑھے۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۵)

(۲۹۱) اگر مقیم نے امام مسافر کے پیچھے ایک رکعت پڑھی، وہ باقی تین رکعات کس طرح پوری کرے؟ **سوال:** اگر مسبوق مقیم نے ایک رکعت مسافر امام کے ساتھ پڑھی، تو باقی اپنی تین رکعت کس طرح پڑھے، آیا ایک رکعت میں الحمد اور قرأت اور دو میں فقط الحمد پڑھے، یا کیا کرے؟

جواب: ایک میں قرأت، دو بلا قرأت۔ فقط (بدست خاص، ص ۱۶)

(۲۹۲) چاند اور سورج گہن کی نمازوں میں قرأت، اجتماعی یا تنہا کی تفصیل؟ **سوال:** چاند گہن اور سورج گہن کی نمازوں میں، دونوں میں جماعت اور قرأت بآواز بلند ہوتی ہے، یا کیا؟

جواب: سورج گہن میں نماز بجماعت ہے اور چاند گہن میں الگ الگ، سورج گہن میں قرأت آہستہ ہے اور چاند گہن میں اختیار ہے، آہستہ پڑھے، خواہ پکار کر۔ (بدست خاص، ص ۴۳)

....

ابواب الجنائز

(مردہ کے کفن دفن، ایصال ثواب اور متعلقہ مسائل)

(۲۹۳) نزع کے وقت پیاس لگنے کی ایک بے اصل روایت کا ذکر: **سوال:** مشہور ہے کہ نزع کے وقت آدمی کو ستر رمضان کی پیاس لگتی ہے اور شیطان شیشہ میں پانی لے کر سامنے کھڑا ہوتا ہے اور کلمات کفر یانی کا لالچ دے کر کہلاتا ہے، تو چاہئے کہ اس وقت شربت مردہ کو دیا جاوے، تاکہ اس کی پیاس بجھے اور شیطان کا داؤ نہ لگے۔ یہ بات صحیح ہے، یا غلط؟

جواب: اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط (بدست خاص ص ۴۲)

(۲۹۴) عورت کا اپنے مردہ شوہر کو غسل دینا کیسا ہے؟ عورت اپنے شوہر مردہ کو اگر غسل دیوے درست ہے مگر مرد اپنی زوجہ مردہ کو غسل نہیں دے سکتا، یہ مذہب صحیح ہے اور حضرت علیؓ کا غسل دینا حجت نہیں، اول تو دیگر صحابہ نے اس پر اعتراض کیا ہے(۱) اور پھر قول صحابی کا خلاف حدیث کے یا تمام صحابہ کے حجت نہیں ہوتا، موافق قیاس کے

---

(۱) حضرت ابن مسعودؓ نے اعتراض کیا تھا، شامی (۱/۵۷۵-۵۷۶) میں اس کا ذکر ہے۔ [مطبع مجتبائی دہلی] (پالن پوری)

ہو[تا] ہے۔ مع ہذا، یہ خصوصیت مصاہرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، دوسرے کے واسطے جائز نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو غسل دینا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا، حجت نہیں۔

اور کتاب درمختار، تمام عرب وعجم کے نزدیک معتبر ہے، غیر مقلد اپنے فہم سے عاجز ہیں، بخاری کے سمجھنے کی ان کو قوت نہیں، اپنے نفس اور فہم کے مقلد ہیں، فہم حدیث سے ان کو کچھ کام نہیں، طعن ائمہ کا ان کا مذہب اور اتباع اپنے نفس کا ان کا مشرب ہے، حق تعالیٰ ان کو ہدایت فرمائے اور راہ حق پر چلنے کی توفیق دیوے اور ظلمات نفسانیہ سے ان کو نکالے۔ فقط والسلام

(مجموعہ کلاں ص ۲۵_۲۲۳)

(۲۹۵) کفن کے اوپر ڈالی جانے والی چادر کا، کیا حکم ہے؟ **سوال:** مردہ پر علاوہ کفن کے جو چادر اس غرض سے ڈالتے ہیں، کہ مردہ جوڑا [بندھا] ہوا، برا معلوم نہ ہو، جیسے ہندوؤں کا مردہ ہوتا ہے، نیز وہ چادر محتاج کو للہ دی جاتی ہے، تو اس کا ڈالنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، مگر یتیم کے مال سے نہ کرنا چاہیے۔ (بدست خاص ص:۳۶)

(۲۹۶) نابالغ بچوں کے کفن کی مقدار کیا ہے؟ صغیر لڑکا لڑکی چار پانچ سال تک کو کامل کفن دینا اولیٰ ہے، جو ایک یا دو پارچہ میں لپیٹ کر دفن کر دیویں، جب بھی درست ہے، اور جب بارہ گیارہ سال کا ہو تو، کامل کفن دینا چاہیے۔

(مجموعہ کلاں ص:۲۲۹)

(۲۹۷) مردہ کے بالوں میں کنگھی کرنا؟ **سوال:** مردہ کے بالوں میں وقت غسل کنگھی کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مردہ کے بالوں میں کنگھی کرنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم (بدست خاص ص:۹)

(۲۹۸) میت کے سر پر عمامہ کی تحقیق اور کفن کی مقدار مسنون؟ عمامہ میت کے سر پر بعض روایات میں، فعل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما(۱) سے مروی ہے، لہٰذا اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے، مگر بذریعہ احادیث صحیحہ کے کفن تین پارچہ ہیں۔

(فرخ آباد ص:۴۸)

(۲۹۹) مردہ کو قبر میں رکھنے کے بعد، اس کا منہ قبر کو دکھانا کیسا ہے؟ **سوال:** مردہ کو قبر میں رکھ کر کفن کے بند کھولنا اور لوگوں کو اور قبر کو منہ دکھانا کیسا ہے؟

---

(۱) کفن ابن عمر اللہ کفن ابنہ واقدا فی خمسة اثواب قمیص و عمامة وثلاث لفائف و أدار العمامة إلی تحت حنکه. رواه سعید بن منصور، کذا قال العینی فی العمدة (۵۶/۱) اعلاء السنن ص ۱۹۸ ج ۸ [مکتبة الامدادیه مکة المکرمة] (نور)

جواب: کسی کو دکھانا اولیٰ نہیں، مگر حرام بھی نہیں مگر قبر کو دکھانا واہیات ہے، حماقت ہے، ایسا نہ کرے۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص:۲۹)

(۳۰۰) قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا؟ سوال: نماز جنازہ کی قبرستان میں پڑھنا، یعنی اگر قبریں سامنے جنازہ کے ہوں، جائز ہے، یا نہیں؟ یا یہ بھی ایسا ہی حکم رکھتی ہے جیسا اور نماز قبرستانوں میں پڑھنا منع ہے؟

جواب: نماز جنازہ قبرستان میں جائز ہے۔ واللہ اعلم (بدست خاص ص:۸)

(۳۰۱) بے نمازی کی تہدیداً نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم؟ از بندہ رشید احمد عفی عنہ مولوی نصیر الدین صاحب سلمہ!(۱)

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند، خط آپ کا آیا، حال معلوم ہوا، بندہ بعافیت [ہے] اور شکر حق تعالیٰ کا کرتا ہے۔ بے نمازی آدمی فاسق ہے، کافر نہیں ہوتا، البتہ اگر نماز کے فرض ہونے کا منکر ہو جاوے، تو کافر ہو جاوے گا۔ تو تارک نماز کو ایسا کافر جاننا کہ اس کی جنازہ کی نماز نہ پڑھے، بیجا ہے۔ البتہ تغلیظاً اور چشمک (۲) کے واسطے نماز نہ پڑھی جاوے، تو مضائقہ نہیں، ورنہ حدیث صحیح ہے کہ ہر فاسق پر نماز پڑھنی چاہئے اور ائمہ نے جو قتل کا حکم تارک صلوٰۃ پر لگایا ہے، وہ تعزیر کی وجہ سے ہے، نہ کفر کے سبب سے۔

غرض یہ امر جو غیر مقلد کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ مشرک قطعی ہے، خلاف تمام علماء کے ہے اور ظاہر حدیث پر اگر یہ [حکم] دیتے ہیں، تو دیگر احادیث ان کی سمجھ کے خلاف حکم دے رہی ہیں، غرض یہ قول ان کا خلاف احادیث اور اقوال علماء کے ہے۔ نماز تارکِ صلوٰۃ کی پڑھنی جائز ہے اور وہ مسلمان فاسق ہے۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۲۲۲)

(۳۰۲) بغیر نکاح کے عورت رکھنے والے کی نماز جنازہ کا حکم؟ سوال: اگر زید مرجاوے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور مسلمانوں کے گورستان میں دفن جائز ہے، یا مثل چمار بھنگیوں کے پھینکنا، جائز ہے؟ اور اس حال میں اگر زید کی اولاد مرجاوے، تو اس کی نماز پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر زید مرجاوے تو مناسب ہے کہ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے، اور اگر اس کی اولاد مرجاوے، تو اس کی نماز پڑھ دینا، کیوں کہ وہ مسلمان ہیں، باقی کفن دفن میں شریک نہ ہوں، دیگر زید کو مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہ کریں۔ فقط (فیوض رشیدیہ ص ۲۰-۱۹)

---

(۱) یہ غالباً نصیر الدین میرٹھی ہیں، جو حضرت مولانا گنگوہی کے شاگرد اور "فصل الخطاب فی تحقیق مسئلة الغراب" کے مؤلف و ناشر تھے (طبع اول بہ بلاستہ) تعلیم سے فراغت پر حضرت مولانا نے ان کے سر پر دستار فضیلت (عمامہ پگڑی) باندھی تھی اور اجازت درس عطا فرمائی تھی، وہ ان کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ راقم نے دونوں کی زیارت کی ہے۔ [نور]

(۲) چشمک کے لغت میں معنی آپس کے معمولی اختلاف کے ہیں، یہاں بظاہر یہ مراد ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں اس گنہ گار کی بے وقعتی ہو۔ (نور)

(۳۰۳) جنازہ اگر زمین پر رکھا ہو، تو چارپائی پر بیٹھنا کیسا ہے؟ **سوال:** جنازہ رکھا ہوا ہے اور آدمی چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، تو کچھ گناہ تو نہیں؟

جواب: کچھ گناہ نہیں، اگرچہ جنازہ زمین پر ہی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۵۷)

(۳۰۴) جنازہ کے ساتھ کھانا یا اناج لے جانے کا حکم؟ **سوال:** ایک رسم یہ مقرر کر رکھی ہے کہ جب میت ہوتی ہے، تو اس میت کے ساتھ کچھ روٹیاں پکوا کر، اور کچھ اناج قبر تک لیجاتے ہیں، اور بعد دفن کرنے کے وہ روٹیاں، اور اناج غرباء کو تقسیم کرتے ہیں، اور اگر کوئی نہ لے جائے، تو طعن کرتے ہیں۔

جواب: مردہ کے جنازہ کے ساتھ روٹیاں لیجانا مکروہ ہے، کہ فعل یہود کا ہے، اگر صدقہ مدنظر ہو قبل مردہ کے لیجانے کے گھر پر تقسیم کر دے، اور جو طعن کے خیال سے ہوتا ہے، اس میں ثواب مردہ کو نہیں ہوتا ہے اور کرنا اس کا حرام ہے۔ فقط۔ رشید احمد (فیوض رشیدیہ ص ۶۔۵)

(۳۰۵) قبر میں پکی ہوئی اینٹیں وغیرہ رکھنے کا حکم؟ **سوال:** قبر میں لکڑی اور پختہ اینٹوں کا لگانا فقہ کی کتابوں میں مکروہ لکھا ہے، مگر ہمارے ملک میں لکڑی کے تختوں کا استعمال بلا کراہت جاری ہے، کوئی عالم بھی منع نہیں کرتا، پختہ اینٹوں کو سب عالم منع کرتے ہیں۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے اور لکڑی کا مکروہ ہونا، کسی حدیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟

حدیث میں قبر پر گچ کرنے کی ممانعت آئی ہے، (۱) پختہ اینٹوں کی بھی ممانعت ثابت نہیں ہوئی، بلکہ زید کہتا ہے کہ حفاظت کے واسطے پختہ اینٹوں کا بھی مضائقہ نہیں، گچ وغیرہ سے قبر کی زینت کرنا، البتہ مکروہ معلوم ہوتا ہے۔

جواب: قبر میں پختہ اینٹ اور لکڑی، سوائے بانس اور نرسل کے سب کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے، اگر کوئی عالم منع نہ کرے تو غفلت ہے، مگر جو ضرورت ہو کہ قبر بدون اس کے نہیں رہ سکتی، تو ناچاری (۲) ہے، ورنہ روایت فقہ کے مقابلہ قول چند عوام کا، جو اپنے آپ کو عالم زعم کرتے ہیں، قابل تعمیل نہیں ہوتا۔

اور فقہاء علت حدیث کو سمجھ کر مسائل استخراج کرتے ہیں، وہ بھی حدیث سے ہی ہوتے ہیں تجصیص قبور سے منع فرمایا تو استحکام کی ممانعت معلوم ہوئی، خشت و آجر کی ممانعت، بدلالۃ النص اس سے ثابت ہوئی ہے (۳)۔ فقط (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۷-۳۵)

---

(۱) گچ: سفید کی ایک قسم، جو پلاستر میں استعمال ہوتی ہے۔ پکا فرش۔ فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد دہلوی، ص: ۱۸ جلد چہارم (دہلی: ۱۹۹۸ء)

(۲) مجبوری

(۳) عن جابرؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ "ان یجصص القبر وان یقعد علیہ وان یبنی علیہ" مسلم کتاب الجنائز باب النہی عن تجصیص القبر والبناء علیہ (۱/۳۱۲) [مطبع مجتبائی دھلی: ۱۳۱۹ھ] نیز صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۳۳۰ رقم: ۹۷۰، [دارطیبہ ریاض ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶م] (نور)

عن جابرؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ ان تجصص القبور وان یکتب علیہا وان یبنی علیہا وان توطاء قال ابوعیسی ہذا حدیث حسن صحیح ترمذی کتاب الجنائز ص: ۲۰۳ (کتب خانہ رشیدیہ دہلی) باب ماجاء فی کراہیۃ تجصیص القبور والکتابۃ علیہا، باب التحفۃ ص: ۳۶۸ ت: محمد فواد عبدالباقی۔ رقم الحدیث: ۱۰۵۲ [دار الکتب العلمیۃ، بیروت]

(۳۰۶) قبر میں پتھر لگانا اور صندوق بنانا؟ پتھر اگر چہ از قسم تراب ہے، مگر پٹاؤ اس کا قبر پر مکروہ لکھا ہے اور صندوق بھی مکروہ ہے۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۳۴)

(۳۰۷) قبر پر مٹی ڈالتے وقت منھا خلقنکم پڑھنے کا ثبوت؟ تین دفعہ مٹی قبر پر ڈالنے میں تین کلمہ: منھا خلقنکم پہلی دفعہ، دوسری دفعہ و فیھا نعیدکم تیسری دفعہ: و منھا نخرجکم (۱) بعض روایات سے ثابت ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۴۴)

(۳۰۸) تدفین کے بعد میت کے گھر جا کر فاتحہ پڑھنا؟ **سوال:** اور ایک رسم کہ جس وقت مردہ کو دفن کر کے مکان پر آتے ہیں، تو ان کے ہمراہ کے کل آدمی جو جنازے کے ہمراہ جاتے ہیں، وہ میت کے مکان پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر فاتحہ پڑھ کر اپنے مکانوں کو جاتے ہیں، ان میں نمازی بے نمازی سب شامل ہیں۔ اس طرح بعد میں لوٹ کر آنا اور جمع ہو کر فاتحہ پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: بعد دفن کے دروازۂ میت پر جا کر فاتحہ پڑھنے کو منع لکھا ہے، در المختار وغیرہ کتب فقہ میں۔ لہٰذا بعد دفن کے اپنے اپنے گھر چلے جاویں، دروازہ میت پر تعزیت کے واسطے نہ جاویں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی — یہ جوابات صحیح ہیں۔ محمد مراد عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ مظفر نگر

(فیوض رشیدیہ ص ۸)

(۳۰۹) مقامی لوگوں کے لئے تعزیت صرف تین دن تک ہے؟ **مسئلہ:** حاضر بلد کے واسطے تین روز تعزیت کے ہیں، کہ تین روز سوگ کرنا شرع سے اجازت ہے، پھر نہیں۔ کیونکہ غم کو بھلانا چاہئے نہ یاد دلا کر پریشان کرنا، اور غائب کے واسطے زیادہ ایام میں اجازت ہے مگر نہ یہ کہ ماہ دو ماہ کے بعد آوے، کہ یہ ایام بھول جانے کے ہوتے ہیں، ایسے میں آنا محض لغو اور رسم باطل ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد ص ۴۳)

(۳۱۰) میت کے گھر تیسرے روز تک کھانا کھانے کا حکم؟ **سوال:** میت کے گھر طعام کھانا تین روز سے اول جائز ہے، یا نہیں، شادی ہو یا غم میں، بینوا توجروا۔

جواب: میت کے گھر کا کھانا جو صدقہ کا ہے، وہ تو جائز فقراء کو ہے، غنی کو مکروہ [ہے] اور جو اہل میت برادری کی روٹی پکا دیں، وہ مکروہ تحریمہ اور حرام ہے۔ اور جو فخر و ریاء کا طعام ہو وہ بھی حرام ہے، اور جو دور سے مہمان

(۱) منھا خلقنکم و فیھا نعیدکم و منھا نخرجکم تارۃ اخری) بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملۃ رسول اللہ (ک. عن ابی امامۃ قال: لما وضعت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر. کنز العمال للعلامۃ علی ابن حسام الدین المتقی الھندی ص ۲۰۲ ج ۱۵. رقم الحدیث: ۴۲۳۹۲ [مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت] [نور]

تعزیت کے واسطے آوے، اس کو کھانا درست ہے، خواہ قبل سہ روز کے ہو، یا بعد سہ روز کے ہو۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۲۱-۲۲۲)

(۳۱۱) اگر محلہ میں موت ہوجائے، تو اہلِ محلہ کے لئے کھانا پینا منع نہیں؟ **سوال:** جس محلّہ میں کوئی مرجاوے، تو اس کے یعنی محلّہ کے لوگوں کو مردہ کے دفن ہونے تک، کھانا کھانا جائز ہے، یا نہ کھانا مستحب ہے۔

جواب: درست ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۲۸)

(۳۱۲) نفل نماز وروزہ کا زندہ آدمی کو ثواب ہبہ کرنا؟ **سوال:** نفل نماز اور روزہ کا ثواب زندہ آدمی کو ہبہ کرنا جائز ہے، یا نہیں۔ بر تقدیرِ اول موہوب لہ سے اس ثواب کے عوض میں، دنیا کا مال لینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور یہ تو ظاہر ہے کہ فرض نماز روزہ میں نیابت درست نہیں، لیکن ادائے فرض سے دو فائدہ ہیں: سقوطِ عذاب اور حصولِ ثواب، سو اگر کوئی شخص فرائض کا فقط ثواب دوسرے شخص کو ہبہ کرے تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور نفل عبادت کا ثواب فاسق یا مبتدع کو ہبہ کرنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: ثواب نوافل کا زندہ کو بھی دینا درست ہے، جیسا مردہ کو دینا درست ہے۔ فقط اور فرض کا ثواب دے سکتے ہیں (۱) اور فاسق کو ثواب دے سکتے ہیں۔ فقط (مجموعہ فرخ آباد ص: ۱۰-۱۵)

(۳۱۳) زیارتِ قبور کے واسطے کون سے دن افضل ہیں: **سوال:** زیارتِ قبور کے واسطے کون کون دن افضل ہیں، اور کس دن میں مردوں کو، اپنے زائران کے آنے سے اطلاع زیادہ ہوتی ہے؟

جواب: زیارتِ قبور کو جمعرات جمعہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے، بعض روایات سے۔ (بدست خاص، جواب نمبر ۱۱۶)

---

(۱) فی الشامی وبھذا علم انه لا فرق بین ان یکون المجھول له میتا او حیا والظاھر انه لا فرق بین ان ینوی به عند الفعل للغیر اویفعله لنفسه ثم بعد ذلک یجعل ثوابه لغیره لاطلاق کلامھم وانه لافرق بین الفرض والنفل اھ (شامی ج: ۱ ص: ۶۰۵، مطلب فی القرأۃ للمیت واھداء ثوابھا له)

وفی منحة الخالق علی البحر الرائق للعلامة الشامیؒ: وسـذکر ھناک ان الحج یقع عن الفاعل فیسقط به فرضه وھو صریح فی المراد، (البحر الرائق ج: ۳، ص: ۱۰۷) وفیه ایضا فی مقام آخر؛ وتعلیل المسئلة بانه متبرع بجعل ثواب عمله لاحدھما یفید وقوع الحج عن الفاعل فیسقط به الفرض عنه وان جعل ثوابه لغیره (البحر الرائق ج: ۳، ص: ۱۲۲)

وفی سکب الانھر علی ملتقی الابحر: (ومن اھل بحجة عن ابویه) بغیر امر (تم عین احدھما جاز لانه متبرع (وللانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره فی جمیع العبادات) فرضا اونفلاً. (مجمع الانھر ج: ۱، ص: ۳۰۹)

وفی رد المحتار علی الدر المختار تحت قوله: الاصل ان کل من اتی بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابھا لغیره: وفی البحر بحثا ان اطلاقھم شامل للفریضة لکن لا یعود الفرض فی ذمته لان عدم الثواب لایستلزم عدم السقوط عن ذمته اھ علی ان الثواب لاینعدم کما علمت وسنذکر فیما لو اھل بحج عن ابویه انه قیل انه یجزیه عن حج الفرض وھذا یؤید مابحثه فی البحر ویؤیده ایضا قوله فی جامع الفتاویٰ (شامی ج: ۲ ص: ۲۳۶) [نور]

(۳۱۴) قبر پر بیٹھنے، تکیہ لگانے اور قبرستان میں ہنسنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: قبر پر بیٹھنا یا تکیہ لگانا، یا ہنسنا، یا سخن دنیاوی کرنا، یا سونا، یا کھانا، پینا اندر مقبروں کے، اور خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے، یا حرام، یا جائز؟

جواب: قبر پر بیٹھنا، تکیہ لگانا، بعض علماء کے نزدیک درست ہے اور بعض منع کرتے ہیں، اور قبر کے پاس کھانا، ہنسنا، باتیں کرنا اولیٰ نہیں، کہ محل موت یاد کرنے کا ہے، نہ غفلت کا۔

(بدست خاص جواب نمبر:۱۱۸)

(۳۱۵) ثواب وظائف توقیفی امر ہے، اس کی عقلی تقسیم نہیں ہوسکتی:

مسئلہ: ثواب وظائف توقیفی امر ہوتا ہے، اس کی تقسیم اجزاء پر عقلی نہیں ہوسکتی، کہ دو رکعت کا ثواب اگر شارع نے فرمایا، تو ایک رکعت میں نصف اس کا تجویز کیا جاوے۔ البتہ ذکر جس قدر کرے گا ثواب ہوگا، مگر ثواب موعود اسی قدر مقدر شرع پر ملتا ہے، مگر جو شارع خود حصہ فرمادیوے، اس وقت مضائقہ نہیں۔

عبادت بدنی ذکر مالی سے زائد وافضل ہے، مع ہذا، بعض وجوہ افضلیت مالی میں، بدنی سے زیادہ ہیں، اس واسطے یہ حساب، کتاب عقلاً جاری نہیں ہوسکتا، فضیلت جزئیہ حصر نہیں ہوسکتی۔ پس کہہ سکتے ہیں کہ ذکر معتق سے افضل بعض وجہ سے اور معتق اعلیٰ ذاکر سے ہے بعض وجہ سے۔ (۱) فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۲۱)

(۳۱۶) صغیر السن بچہ ایصال ثواب کا محتاج نہیں، مگر ایصال ثواب سے اس کا درجہ بلند ہوجاتا ہے:

سوال: اگر کوئی بچہ بعد پیدائش قبل از بلوغت یعنی اس اثناء میں صغیر سن مرجاوے، تو اس کے واسطے بھی ایصال ثواب عملی یا مالی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اس کے لئے ایصال ثواب کرنے یا نہ کرنے سے، اس کا کوئی فائدہ یا حرج متصور ہے یا نہیں؟

---

(۱) یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات بدنی مثلاً ذکر عبادت مالی سے افضل ہے۔ جیسے مشکوۃ کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح الخ فصل ثانی ص:۲۰۲ عکس اصح المطابع کتب خانہ رشیدیہ دھلی. نیز مشکوۃ شریف باب مذکور ج:۲ ص:۹۱۰، رقم الحدیث:۲۳۱۲. نظر: رمضان بن احمد بن علی ال عوف [مکتبۃ التوبہ، دار ابن حزم بیروت لبنان: ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء] کہ جو شخص صبح وشام لا الہ الا اللہ پڑھے گا۔ تو وہ ذکر او لا عبادت مالی سے مطلقاً افضل ہے مگر عبادت مالی کو جزوی فضیلت حاصل ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے افضلیت مطلقہ کاملہ ہے مگر ابراہیم، موسیٰ علیہ السلام کو بھی جزوی فضیلتیں حاصل ہیں، یعنی اول الرسل ہونا، خلیل اللہ ہونا، کلیم اللہ ہونا، اور روح اللہ ہونا، ان انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے اسی طرح ذکر بعض وجوہ سے حق سے افضل ہے اور حق بعض وجوہ سے ذکر سے اعلیٰ ہے۔ (پالن پوری)

جواب: ایسا بچہ محتاج ثواب کا نہیں کہ مغفور ہے، مگر جو ثواب پہنچایا جاوے گا، تو رفع درجہ اس کو حاصل ہو جاوے گا۔(۱) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۲۳)

(۳۱۷) بلا تعیین تاریخ ایصال ثواب میں حرج نہیں: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے محققین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ زید ہر سال میں بلا تعیین تاریخ کے دس بیس آدمی کو جمع کر کے، اللہ طعام کھلا دیتا ہے، اور نیت اس کے ثواب کی، اپنے بزرگواروں کے لئے کر لیتا ہے۔ آیا یہ ایصال ثواب اس کو ہر سال میں جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بلا تعیین تاریخ ایصال ثواب طعام کچھ حرج نہیں اور موجب اجر کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم فقط

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

الجواب صحیح، قال مولانا محمد اسحٰق رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسائل اربعین: وتقسیم طعام بہ نیت ثواب بے تعیین یوم جائز ست وکسے درمنع آں دم نزدہ۔ کتبہ ابوالحسن عفی عنہ مہتمم جامع مسجد سہارنپور۔

جواب صحیح ہے، مشتاق احمد عفی عنہ سہارنپوری۔ ہذا الجواب علی ہذا السوال صحیح، عنایت الٰہی عفی عنہ سہارنپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارنپور۔

اصاب المجیب۔ محمد ناظر حسن عفی عنہ دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔ الجواب صحیح۔ عزیز الرحمٰن دیوبندی عفی عنہ مدرس اول۔ مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔ الجواب صحیح محمد مراد عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ مظفر نگر۔ اصاب من اجاب، محمد بشیر الدین میرٹھی۔

جواب صحیح ہے، العبد احمد علی عفی عنہ بٹراروی۔ الجواب صحیح محمد صدیق احمد عفی عنہ کاندھلوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ کاندھلہ۔ الجواب صحیح محمد اسماعیل دہلوی۔ اطعام للہ بعدہ ایصال ثواب بلاشک جائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ العبد المذنب عبدالرحمٰن پانی پتی۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ الجواب صحیح، خادم الطلبہ فقیر غلام محمد ہوشیار پوری، مدرس مدرسہ اول کرنال۔

الجواب بغیر تاریخ خاص معین کرنے کے ثواب پہنچانا، خواہ ایک سال یہ عمل کرے، یا ہر سال کیا کرے، کسی طرح قواعد شرع کی مخالف نہیں، بلکہ اس کا روکنا اور منع کرنا خیر کثیر کا روکنا اور منع کرنا ہے، اور وہ جائز نہیں۔ ہاں تعیین یوم

(۱) اصل میں جاوے گی ہے۔

خاص وتاریخ خاص کا کرنا، مکلف کا عمل نہیں، یہ شارع کا کام ہے، اور بلا تعیین یوم وتاریخ، شارع کی جانب سے اجازت

اور موجب ثواب ہے، واللہ اعلم۔ کتبہ العبد العاصی مشتاق احمد حنفی صابری عفی عنہ، مدرس مدرسہ اسلامیہ لودیانہ۔

ہر سال بلا تعیین تاریخ مستحقین کو للہ طعام کھلا کر، اپنے کسی بزرگ کے روح کو ایصال ثواب کرنا جائز وموجب

اجر ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم فقط، الراقم مسکین شاہ دین عفی عنہ، مفتی لودیانہ

بلا تعیین تاریخ ایصال ثواب عبادات مالیہ وبدنیہ، بارواح مشائخ وبزرگان دیں یا عامہ مومنین مسلمین مستحسن

وموجب اجر ست، واگر برائے مصلحتے یا بغرض سہولتے تعیین وقت ہم کند، مضائقہ ندارد، بشرطیکہ ایں تعیین را از امور شرعیہ

نداند، والا ایں تعیین بدعت خواہد شد، زیرا کہ برائے ایصال ثواب تعیین وقت، از شارع ثابت نیست، واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

احقر عباد الصمد نور محمد عفی عنہ، مہتمم مدرسہ حقانی، لودیانہ

منظوم امیریہ۔ ص: ۲۸-۲۹ تالیف مولانا امیر باز خاں (انبالہ: غالباً ۱۳۱۰ھ)

ترجمہ: عبادات مالیہ اور بدنیہ کا تاریخ کی تعیین کے بغیر، مشائخ کی ارواح، بزرگان دین یا عام مسلمانوں کو ایصال ثواب کرنا بہت اچھا اور اجر وثواب کا باعث ہے۔ اگر کسی مصلحت یا سہولت کی وجہ سے تاریخ بھی متعین کرلیں، حرج نہیں۔ شرط یہ ہے کہ اس تعیین واہتمام کو شریعت کا کام نہ سمجھیں، ورنہ یہ کام بدعت ہوجائے گا، اس لئے کہ ثواب پہنچانے کے لئے کسی وقت کا مقرر کرنا، شارع [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم] سے ثابت نہیں۔ [ت: نور]

(۳۱۸) رسوم مروجہ کی شرعی حیثیت: جو رسوم مروجہ زمانہ کہ کسی حجت شرعیہ سے نادرست اور گناہ ہیں، ان کے عدم جواز میں تو کچھ کلام نہیں ہے، مگر جو رسوم کہ فی نفسہ مباح ہیں، خواہ بدرجہ مندوب ومستحسن پہنچے ہوئے ہیں، اگر عوام ان کو بمنزلہ واجب مؤکد جاننے لگیں، یا عملاً ان کے ساتھ برتاؤ واجب کا کرنے لگیں، کہ ان کے ترک سے حجاب اور ندامت لاحق ہونے لگے، اور باوجود عدم وسعت کے ان کے ارتکاب کی سعی کی جاوے، اور تارک پر ملامت ہوتی ہو، جیسا کہ اب اکثر بلاد اور اکثر طبائع میں، بہ اعتبار اکثر رسوم کے ایسے ہی مشاہد ہیں، تو لاریب! یہ التزام اور معاملہ نادرست اور موجب معصیت ہے۔

اور اگر خود مرتکب رسم اس عقیدے اور خیال سے بری ہے، تب سے یہ اندیشہ، فساد عقیدۂ عوام اس کا ارتکاب نادرست ہوگا، چنانچہ کتب فقہ وحدیث سے یہ امر ظاہر وباہر ہے۔ ایسے وقت میں تارک رسوم اور ماحی بدعات اور سائی رواج طریقہ سنیہ، بے شک مثاب اور ماجور ہوگا۔ علی مادلت علیہ الأحادیث الصحیحۃ و الروایات

الفقهية المستندة المعتبرة الصريحة.

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

اصلاح الرسوم تالیف: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ص: ۹۲

شائع کردہ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی، مقیم گنگوہ۔ [مطبوعہ در حیات حضرت مولانا گنگوہیؒ۔ ۱۳۲۰ھ]

(۳۱۹) اسقاط مروجہ کا حیلہ ثابت نہیں: سوال: اسقاط مروجہ بعد میت، کس حدیث سے ثابت ہے۔ بروایات صحیحہ بیان فرماویں فقط۔

جواب از عالم انبالوی: اسقاط مروجہ ایک صدقہ دینا ہے، واسطے میت کے، اور یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور ترکیب اسقاط کتب فقہ میں مذکور ہے، فقط۔ تمام شد جواب انبالوی

تردید جواب بالا از حضرت گنگوہیؒ: طریق اسقاط کہیں احادیث میں مذکور نہیں، متاخرین نے ایک حیلہ وضع کیا ہے، اگر کوئی کرے کرے ورنہ کچھ حرج نہیں۔ سائل پوچھتا تھا کہ اس کا ثبوت کہاں سے ہے، جناب مجیب نے اس سے اعراض کیا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۲۷۔۱۷)

....

چوتھا باب

کتاب الزکاۃ

(۳۲۰) چاندی کی زکوٰۃ رقم کی صورت میں ادا کرنا؟ سوال: اگر دو تولہ چاندی زکوٰۃ کی چاہتی ہو تو اس کی قیمت کر کے دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: قیمت چاندی کی زکوٰۃ میں پیسوں سے دینا، قیمت کر کے جائز ہے اور چونی، اٹھنی سے، جائز نہیں۔ (۱)

(بدست خاص ص ۵۹)

(۳۲۱) جو رقم منی آرڈر پر خرچ ہوتی ہے، وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں؟ سوال: اگر کوئی شخص مثلاً (دس روپے) بمد زکوٰۃ دوسری جگہ بذریعہ منی آرڈر بھیجے اور ۲ (پیسے) اس مرسلہ میں بابت محصول، ڈاک داخل رجسٹر سرکار کرے، تو اس صورت میں یہ دو آنہ، زکوٰۃ میں محسوب ہونگے، یا نہیں؟

الجواب: جو خرچ منی آرڈر کا ہوا ہے، وہ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا، اس کا دینا واجب رہے گا۔ (۲) فقط

(مجموعہ رام پور ص ۷)

(۳۲۲) جس کی آمدنی خرچہ کے لئے کافی نہیں، اس کو زکوٰۃ اور صدقہ دینا؟ سوال: ایک شخص جائداد رکھتا ہے، لیکن اس کی آمدنی سے اس کا خرچ بھی نہیں چلتا ہے، بلکہ محتاج رہتا ہے، اور فاقہ کشی میں گزرتی ہے، مگر جائداد ایسی ہے کہ اگر فروخت کرے تو دو سو تین سو روپے مل سکتے ہیں، مگر آمدنی میں اس کی روٹی کپڑے کا بھی گزارا نہیں ہوسکتا۔ تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا اور نذر دینا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) اس کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سرکاری سکہ اور بازار میں عام خرید و فروخت کے لیے چلنے والا روپیہ چاندی کا ہوتا تھا، اگر اس صورت میں چاندی کی زکاۃ کے وقت، جب ضروری حساب پھیلایا جائے، تو اس حساب کی ادائیگی ایسے چھوٹے سکوں، روپیہ، دو پیسہ کر کے ان سے زکاۃ ادا کرنا اور ان کو چاندی کے ساتھ شمار کرنا درست تھا۔ اس حساب میں چاندی کے ایک روپیہ سے کم قیمت کے سکے، آدھا آنا، چونی، اٹھنی، وغیرہ سے، اس زکاۃ کی ادائیگی درست نہیں ہے۔ لیکن ہمارے اس موجودہ دور میں جب الموئم اور ادنیٰ درجے کی دھاتوں کے سکے بھی بازار سے تیزی سے ختم ہوتے جارہے ہیں، پچاس پیسے کے سکے کا رواج اور چلن بھی برائے نام ہی رہ گیا ہے، اب سال چھ مہینے میں پچاس پیسے یا آٹھ آنے کا سکہ بھی قصہ ماضی بن جائے گا، اس لیے اب مروج کاغذ کے نوٹ یا سرکاری کرنسی کے طور پر مروج سکوں، سے زکاۃ کی ادائیگی بلا تامل جائز ہے۔ (بعض جزئیات کے لیے ملاحظہ ہو، عطر ہدایہ، مولانا فتح محمد تائب لکھنوی، ص: ۶۸، مطبوعہ دیوبند، بلا سنہ) (نور)

(۲) کیونکہ غریب تک زکوٰۃ کا پہنچانا مالدار کی ذمہ داری ہے۔ (پالن پوری)

جواب: جس کی جائداد کی آمدنی سال بھر کو کافی نہیں اور قیمت میں دوسو روپیہ کی ہے، وہ فقیر ہے، زکوۃ لینا اس کو اور صدقہ واجبہ لینا درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۳۲)

(۳۲۳) غنی کون ہے؟ مسئلہ: غِنا میں عقارات میں شرح وقایہ کی روایت اعتبار قیمت کی ہے، اور بعض نے آمدنی ومحاصل کا اعتبار کیا ہے، کہ آمدنی ایک ماہ کو کافی ہو، یا سال کو کافی ہو، سو [ایک] سال کی کفایت اظہر ہے، کہ غنی وہ ہے کہ سال بھر محتاج نہ ہو۔ بندہ بھی اس ہی روایت شامی کو صحیح جان کر فتویٰ دیتا ہے، فقط۔

رشید احمد (مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی، بنام مولانا خلیل احمد انبہٹوی مکتوب: ۳۲ قلمی)

(۳۲۴) خاندانی ملازم کو زکوۃ دینا؟ سوال: ایک شخص غلام نہیں ہے، مگر غلاموں کے طور والد کے زمانے سے گھر میں رہتا ہے، تو اس کو صدقہ فطر یا نذر وغیرہ دینا جائز ہے، یا نہیں، اور غلاموں کے طور رہنے سے یہ غرض ہے کہ بجز کھانے اور پہننے کے اور کچھ واسطہ نہیں رکھتا ہے۔

جواب: یہ لوگ غلام نہیں، ان کو صدقہ زکوۃ وغیرہ دینا درست ہے، فقط۔

(بدست خاص، متفرق سوال ۲)

[نوٹ: ایک اور مسئلہ: اگر عورت زکوۃ اپنے خاوند کو دیدیوے، تو جائز ہے، یا نہیں؟ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۳۲۵) اگر کم عمر بچے کے نام کوئی زمین ہے، تو اس کو نذر (صدقہ) لینا؟ سوال: اگر باپ اپنے بیٹے صغیر سن، کے نام کوئی زمین خرید کرے، یا اپنی ہی زمین اپنے بیٹے کے نام لکھدے، اور وہ زمین مثلاً سو روپیہ کی قیمت کی ہو، تو اس لڑکے کو نذر میں چیز کا لینا اور کھانا جائز ہوگا، یا نہیں۔ حالانکہ اس زمین کا قابض (و) متصرف وہ باپ ہی ہے، کیونکہ لڑکا نابلوغ کچھ نہیں کرسکتا ہے، اور اس زمین کی پیداوار کا باپ کو خرچ میں لگانا جائز ہے؟ یا نہیں؟

جواب: صغیر لڑکا مالک ہو گیا اور غنی ہو گیا، اب مال نذر اس کو نہ دے، اور پیداوار اس زمین کی صغیر پر خرچ کرے، باپ اس کو نہ کھاوے مگر جو بدلہ اس کو دیدیوے تو درست ہے، (۱) فقط

(بدست خاص ص: ۴۸)

(۳۲۶) غیر مسلم کو زکاۃ دینے کا حکم؟ سوال: زکوۃ غیر مسلم کو دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ناجائز ہے، اگر غیر مسلم کو دیا تو ادا نہ ہوگی، مسلمان کو ہی دینا چاہئے۔ فقط، واللہ اعلم

(بدست خاص ص ۶۷)

(۳۲۷) صدقات واجبہ سادات کے لیے حرام ہیں: سوال: آج کل زکوۃ ودیگر صدقات واجبہ، سادات کو دینی درست ہیں، یا نہیں؟

---

(۱) مثلاً بچہ کے کھیت کی پیداوار سے پانچ من گیہوں اپنے خرچ کے لئے، اور اس کی قیمت بچہ کو دیدی، یا اس کے حساب میں جمع کردی تو گیہوں کا کھانا درست ہے۔ ورنہ نہیں۔ (پالن پوری)

الجواب: صدقات واجبہ آج کل بھی سادات کو [دینا] حرام ہیں۔ فقط

(مجموعہ رام پور ص ۷)

(۳۲۸) سادات کے لیے قربانی کی کھال کا حکم؟

سوال: دیہات میں امامت کراتے ہیں اور باشندہ۔

............ان کو لینا جائز ہے یا نہیں اور دلیل جائز اور غیر............ (۱)

جواب: .... کو لینا درست نہیں، کیونکہ زکوٰۃ اور فطرہ اور صدقۂ فرض سب بنی ہاشم کو لینا حدیث (۲) میں منع ہوگیا ہے اور چمڑا قربانی کا صدقہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہدیہ ہے، اس کا بنی ہاشم کو لینا درست ہے، اسی وجہ سے خود قربانی والا بھی اس کو استعمال کرسکتا ہے، کہ وہ صدقہ نہیں، بلکہ مثل گوشت کے ہے کہ سب کو حلال ومباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۰۴ و ص ۲۰۵)

(۳۲۹) بنی ہاشم کے لئے صدقات نافلہ کا حکم؟

بنی ہاشم کے حق میں صدقۂ نافلہ کی ہدایہ وبعض کتب سے اباحت معلوم ہوتی ہے اور بعض محققین نے منع لکھا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ غسالہ ہے اوساخ الناس کا، کہ صدقہ نفل سے بھی معصیت دفع ہوتی ہے، اگرچہ قلیل ہی ہو، پس غسالہ سے خالی نہیں اور حدیث میں یہی وجہ منع کی ہے۔ زکوٰۃ کا جواز خلاف ظاہر الروایت کے ہے اور خلاف ظاہر نصوص کے۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۴)

(۳۳۰) صدقات نافلہ کا غنی کو کھانے کا حکم؟

سوال: (الف) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں: کہ زید ذی مقدور ہوکر، بشمول زمرۂ محتاجین ومعذورین طعام دعوت کھاتا ہے، اور اس کھانے میں لوگ وقتاً فوقتاً بغرضِ ایصالِ ثواب ارواح اموات اپنی محتاجوں کو کھلاتے ہیں، شریک ہوتا ہے۔ قول زید یہ ہے کہ یہ کھانا اللہ کے واسطے کا ہے، سب کو بلا استثنائے کسی کے، کھانا اس کا درست ہے۔ پس جس نے کہ اللہ کے نام کا کھانا سن کر قبول دعوت طعام میت سے انکار کیا، یا بعد از قبول دعوت رد کی، وہ شخص اللہ پاک سے دور پڑا، ٹھکانا اس کا دوزخ ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ فعل زید ناجائز محض ہے، ذی مقدور آدمی کو عادت مستمرہ اس کار کی، کرنی نہ چاہئے۔

رہی بحث للّٰہیت، وہ طعام میت پر حصر نہیں ہے، علماء کو لتعظیم العلم، احباب کو رضاء اللہ تعالیٰ کھلانا، وفاتحہ ونیاز مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ دلاکر کھلانا وتقسیم کرنا، یہ بھی للّٰہی ہیں، علاوہ ازیں دیگر امور اور بھی اسی قبیل سے ہیں، جیسا کہ ولیمہ وعقیقہ ومعاشرت

---

(۱) یہاں سے سوال کی کچھ عبارت اور جواب کا پہلا فقرہ ضائع ہوگیا ہے۔ [نور]

(۲) حدیث میں ہے ان الصدقة لا تنبغی لآل محمد، انما ھی اوساخ الناس. صحیح مسلم: ۱/۳۴۴ کتاب الزکوۃ [مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ] نیز مسلم شریف ص: ۴۲۸، ج: ۱ رقم الحدیث: ۱۰۷۲ [ابوقتیبہ نظر محمد الفاریابی ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء] [نور]

ومباشرت بازن وپرورش وتعلیم اولاد صغیر، واداۓ حج، وطواف بیت اللہ، وزیارت مدینہ منورہ، ودیگر اماکن ومشاہد مقدسہ، و اجراۓ مدرسہ اسلامی، وتعمیر پل ومسجد وچاہ، ومہمان سراۓ، ونفع رسانی اہل اسلام، ودادودہش فقراء، وایتام، واطعام محتاجین وغیرہ وغیرہ، مگر ہر امر کے لئے موقع ومحل جدا ہے۔

طعام میت اسی کو مقتضی ہے کہ محتاجوں اور معذوروں کو کھلایا جاوے، کیوں کہ اہل مقدرت کے کھانے میں محرومی محتاجین کی ہے، پس حق اہل مستحقان کیوں مارا جاوے۔ اندریں صورت حق بجانب کس کے ہے۔

اور یہ بھی استفسار طلب ہے کہ عرف ہمارے دیار میں اللہ واسطے کا کسے کہتے ہیں، اور طعام میت خاص حق مساکین ہے، یا وہ اور غیر ان کے سب برابر ہیں، اور بعد کھلانے محتاجین کے طعام باقی ماندہ میں سے، خود بازن وفرزند وغیرہ اہل قرابت کے کھانا، یا کسی اپنے دوست یا مقدور اہل وسعت کو، تفریح القلب اخلاصاً وثواباً ہمراہ خود کھلانا، یا اس کے گھر طعام بھیجنا، کیا حکم رکھتا ہے اور ذی مقدور آدمی کو قبول اور رد طعام اموات جائز ہے، یا ناجائز۔ اور طعام فاتحہ عام مومنین اور خواص اولیاء اللہ میں کیا فرق ہے، اور کھانا اور کھلانا اس کا کیوں کر مسنون ہے۔

(ب) صاحب صلوٰۃ خمسہ مفروضہ کو مرد بے نمازی کے گھر کی دعوت لینا اور عورت بے نماز [ی] کے ہاتھ کا پکایا ہوا، کھانا کھانا کیسا ہے اور جو مرد نمازی اور عورت بے نماز [ی] ہو تو کیا کرنا چاہئے، اور کس دعوت میں تنہا مساکین احق ہیں اور کس موقع پر اشخاص غیر محتاجین اور کس محل پر دونوں؟ اندریں صورت بہتر کیا ہے، آیا محتاجین کو اولاً کھلا کر اور رخصت کر کے، پھر ذی مقدوروں کو کھلاوے، یا ہر دو طرح کے لوگ جلسہ واحد میں شامل ہو کر کھاویں، اور روزہ نفل کو اثناۓ روزہ میں افطار کرنا، کس موقع پر جائز ہے، اور کون سے مقام پر ناجائز۔ جواب اس کا مدلل ومشرح مرحمت ہووے۔ بینوا توجروا!

الجواب: (الف) صدقہ فرض کہ زکوٰۃ ہے اور واجب کہ صدقہ فطر اور نذر ہے اور جملہ صدقات واجبہ غنی کو حرام ہیں ، اور صدقہ نفل خواہ ایصال ثواب میت کا ہو، خواہ ارواح مشائخ کرام وانبیاء علیہم السلام یا کسی وجہ کا صدقہ نفل ہو، یہ سب ایک حکم رکھتے ہیں، کہ غنی کو مکروہ تنزیہی ہیں، نہ حرام۔

قال فی الهداية: و لاتدفع الی غنی الخ . ترجمہ: ہدایہ میں کہا ہے: صدقات غنی کو نہ دیۓ جائیں۔ [ت: نور] مراد اس سے زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ ہے۔

قال فی فتح القدير [وقال فی النهاية] و كذا يجوز النفل للغنی انتهی (1)

ترجمہ: اور فتح القدیر میں کہا ہے: اور اسی طرح صدقہ نافلہ بھی، غنی کے لئے جائز ہے۔ (ت: نور)

(1) شرح فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام کتاب الزکاۃ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز ص ۲۷۳/ جلد ثانی (دار الفکر بیروت، لبنان۔ عکس طبع قدیم)

پس ذی مقدرت اگر غنی ہے تو اس کو...........(۱) ثواب کا کھانا حرام نہیں، اگر چہ مکروہ تنزیہی ہے اور طعام......(۲) نکاح وولیمہ وعقیقہ وتعمیر مکان وغیرہا۔ اس میں غنی فقیر سب یکساں ہوتے ہیں۔

ہبہ اغنیاء کو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر طعام میں مقصد یہ ہو کہ فقراء پر صدقہ اور اغنیاء پر ہدیہ، تو خواہ جمع کر کے کھلاوے، خواہ جدا جدا ہر حال درست ہے اور جو محض صدقہ کا کھانا ہے، تو اس میں غنی کو شریک ہونا ترک اولیٰ ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (۳)

یہ اصل فتویٰ برصغیر ہند کے نامور خطاط، حضرت شاہ سید نفیس الحسینی صاحب نفیس رقم، لاہور پاکستان کے ذخیرہ میں محفوظ تھا، شاہ صاحب نے اس کا عکس دے کر ممنون فرمایا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ!

(۳۳۱) بے نمازی کے گھر کھانا کھانا کیسا ہے؟ بے نماز[ی] کے گھر کا کھانا حرام نہیں، کہ فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودی کے گھر کا گوشت تناول فرمایا تھا۔ البتہ اس سے مؤدت اور دوستی نہ چاہئے، کہ فاسق گنہگار ہے، البتہ اگر تالیف مراد ہو، یا کوئی دوسری وجہ ہو تو عجب نہیں۔

علیٰ ہٰذا! زنِ بے نماز[ی] کے ہاتھ کا پکایا درست ہے اور صدقہ فرض کو فقط مساکین کو کھلانا اولیٰ ہے، اغنیاء بھی اگر کھاویں تو ثواب ہوگا، مگر کم، اور تقدم تأخر اطعام میں اختیار ہے، چاہے اکٹھا کھلاوے، اس کا کوئی حق واستحقاق مبنی مصلحت صاحب طعام کے ہے، جس طرح چاہے کھلاوے اور ضرورت ضیافت کے واسطے روزہ نفل کا افطار کرنا چاہئے، اگر صاحب طعام ناراض ہو، یا اصرار کرے، اگر نہیں روزہ نہ توڑے۔ کذا فی کتب الحدیث والفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(۳۳۲) فاسق کا صدقہ کیا ہوا مال لینے اور اس کی عیادت کرنے کا حکم؟ **سوال:** علمائے دین سے سائل کا سوال ہے: کہ جو لوگ فاسق و فاجر ہیں، جیسے ڈاڑھی منڈانے والے، یا چڑھانے والے، یا ناچ دیکھنے والے، یا ستار سننے والے، یا افیون کھانے والے، یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے۔ ایسے شخص فاجر و فاسق جو گناہ کبیرہ علانیہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ گناہ ہے، کچھ خوف وخطر نہیں رکھتے۔ ایسے شخص اگر بیمار ہووے اور وہ صدقہ نکالے جان اپنی کا۔ تو ایسا صدقہ مسلمان مؤمن کو، شرعاً لینا جائز ہوگا، یا نہ ہوگا؟

سوال دیگر: جو شخص قربانی نکالے یا قربانی میں بکرا ذبح کرے، یا گائے کرے، تو اس میں کچھ گوشت اپنے

(۱-۲) یہ عبارتیں ضائع ہوگئیں ہیں۔

(۳) ہدایہ اولین، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز (معارف الزکاۃ ص:۲۰۶، ج:۱۔

بھائی کو دے، کچھ اقرباء کو دے، کچھ مسکین کو دے، ایسے ہی شخص مومن مسکین کو دے اور اقرباء مومن کو دے۔ تو ایسے شخص فاجر و فاسق کا مال، مؤمن مسلمان کو قربانی کا گوشت لینا جائز ہے، یا نہیں؟ فقط

جواب: فاجر و فاسق سے دوستی اور محبت کرنا تو اچھا نہیں، مگر اس کی عیادت کرنا اس لحاظ سے کہ شاید اس کو عبرت ہو، یا اپنے اوپر سے رفع شر کا کرنا، یا کوئی نفع دین کا ہو تو درست ہے، اور جو وہ صدقہ کرے یا گوشت قربانی کا کسی کو دیوے، اگر اس کے مال کی حرمت کا یقین نہیں اور حلال مال ہونے کا غالب گمان ہے، تو لینا اس کا مسلمان کو درست ہے، کچھ حرج نہیں۔ مگر دوستی محبت ایسے سے نہ کرے، بلکہ اس کو بوجہ اللہ تعالیٰ ہو سکے تو نصیحت کرتا رہے۔ فقط والسلام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۱-۲۱۲)

(۳۳۳) صدقات کے کھانے سے، دل سست اور مردہ ہو جاتا ہے؟

سوال: بعض آدمیوں سے سنا ہے کہ اگر کوئی مریض ہو یا کوئی مر گیا ہو، تو ان کے واسطے جو کھانا بطور صدقہ یا خیرات پکاتے ہیں، تو اس کے کھانے سے دل مریض اور مردہ اور سیاہ ہو جاتا ہے، اور کہتے ہیں:

طعام المریض یمرض القلب، طعام المیت ممیت القلب.

مریض کی صحت کے لئے [صدقہ کی نیت سے کھلایا گیا] کھانا دل کو بیمار کرتا ہے اور مردے کے [ایصال ثواب کے لئے] کھلایا گیا، کھانا دل کو مردہ بنانے والا ہے۔ (ت: نور)

تو آیا یہ کھانا پکانا اور کھانا شرعاً جائز ہے، یا کیا؟

جواب: یہ کھانے پکانے اور کھانے کھلانے جائز ہیں، مگر صدقات کے کھانوں سے دل سست ہو جاتا ہے اور ان دونوں مقولوں سے یہی غرض ہے۔ واللہ اعلم

(بدست خاص ص ۸)

پانچواں باب

کتاب الصوم

روزے سے متعلق مسائل

(۳۳۴) تھوک نگل لینے سے روزہ اور نماز ٹوٹنے کا حکم؟ **سوال:** روزہ دار کے منہ میں اگر بلغم یا تھوک جمع ہو جاوے، حالت نماز میں یا غیر نماز میں، تو روزہ اور نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر وہ بلغم یا تھوک منہ میں آیا ہوا، نگل جاوے؟

جواب: اگرچہ نگل جائے، درست ہے، فقط (بدست خاص ص ۴۱)

(۳۳۵) روزہ کی حالت میں پانی میں، ریح خارج ہونے کا حکم؟ **سوال:** روزہ دار کو اگر پانی میں بائے سرے [ریح خارج ہو جائے] یا استنجاء کرنے کے وقت، تو روزہ رہا، یا نہیں؟

جواب: استنجاء کرنے میں بائے نکلنے سے، روزہ میں کچھ نقصان نہیں ہوتا، فقط (بدست خاص، سوال نمبر)

(۳۳۶) انزال سے کب روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ انزال خروج منی کو کہتے ہیں، مساس سے انزال مفسد صوم ہے۔ مذی کے خروج سے صوم فاسد نہیں ہوتا، اور انزال اگر کلام سے ہو، مفسد نہیں۔ علی ہذا! اگر نظر سے ہو، خواہ کلام سے، خواہ فکر سے مفسد نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد عفی عنہ

(مجموعہ فرخ آباد ص: ۲۳-۲۲)

(۳۳۷) روزہ میں اگر چونا یا کوئی اور چیز، دماغ میں چڑھ جائے؟ **مسئلہ:** چونا یا کوئی شے دماغ میں چڑھ جانے سے، روزہ فاسد ہوتا ہے، مگر کفارہ نہیں، اگرچہ دوا ہو یا غیر دوا۔

(از مکتوب بنام مولانا خلیل احمد صاحب، مکتوب ۲۹ قلمی)

(۳۳۸) حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے: **سوال:** جو شخص رمضان میں حقہ نوش ہو، اسکے روزہ کا کیا حال ہے؟

جواب: حقہ مفسد صوم ہے، اگر صوم رمضان میں کسی نے جان کر حقہ پیا روزہ فاسد ہوا، اور کفارہ واجب ہوگیا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۲۳۵)

(۳۳۹) کسی ظالم کے خوف سے روزہ قضا کرنا؟ سوال: ایک ظالم ایک شخص سے کہتا ہے، کہ اگر تو اس ماہِ رمضان میں روزہ رکھے گا، تو میں تجھ سے تیرا سب مال چھین لوں گا، اور اس شخص کو اس مال کے جانے سے بہت دقت اور تکلیف ہوگی، اور وہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو اس کو اس ظلم سے بچائے، اور اس کے پاس ایسا سامان اور حمایت بھی نہیں ہے، کہ اس کے ذریعہ سے وہ حاکم سے فریاد کر کے، اس مال کو جو ظالم غصب کرتا ہے، وصول کر سکے۔ اس صورت میں مظلوم کو دفعِ ظلم کے واسطے، اس رمضان میں افطار کرنا، اور اس کی قضاء، دوسرے مہینے میں جائز ہے، یا نہیں؟

زید کہتا ہے کہ جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ یہ شخص نہ مریض ہے، نہ مسافر، اور بکر کہتا ہے کہ یہ افطار اور قضاء جائز بلکہ اولیٰ ہے۔ مرض اور سفر میں افطار کی علت قرآن سے ثابت ہے، کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا اور صورت مذکورہ میں روزہ رکھنے میں ایسی سختی ہے، کہ اکثر اوقات مرض اور سفر میں بھی نہیں ہوتی۔

اس مسئلہ میں زید کا قول ٹھیک ہے یا بکر کا، ان مسائل کا جواب شافی دوسرے ورق پر روانہ فرمائیں، اور اپنی خیریت سے اطلاع دیجئے۔ فقط، والسلام عریضہ ادب: نظیر حسن عفی عنہ

جواب: اکراہ جان پر ہوسکتا ہے نہ مال پر، اگر مال لینے کی تخویف کرے اور روزہ فرض سے روکے، تو مال اگرچہ جاوے ترکِ فرض درست نہیں ہے، اور غرض سفر کی تخفیف سے مال کو بچانا نہیں ہوسکتا، (۱) مال خرچ کے واسطے ہے، جان کی راحت کے واسطے ہوتا ہے۔

ہنوز طبع میری درست نہیں ہوئی، اسی واسطے سبق طلباء کا شروع کرایا نہیں گیا۔ فقط (فرخ آباد، ص ۱۱۔۱۵)

(۳۴۰) کفارہ اور فدیہ کے کھانے کے عوض میں قیمت دینا؟ سوال: یہ کہ کفارہ اور فدیہ کے کھانے کے عوض میں، قیمت دینا جائز ہے، یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ چند صیام کا فدیہ آیا، ایک بار ایک شخص کو دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کفارہ میں قیمت دینا بھی درست ہے، جس قدر ایک آدمی کو دیا جاتا ہے کہ ایک صاع یا نصف صاع ہے، اس کی قیمت دے دیوے درست ہے، اور فدیہ صوم و صلوٰۃ میں بھی قیمت دینا درست ہے، مگر کفارہ کا طعام و قیمت ایک کی ایک کو ملے گی، اور فدیہ کے طعام و قیمت کو چاہے سب ایک کو دے دیوے، تو درست ہے۔

(فرخ آباد ص ۲۴۔۲۵۔۲۷)

(۱) یعنی سفر کی رخصت پر، حفاظت مال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ [پالن پوری]

(۳۴۱) افطار کے مسجد میں بھیجے گئے کھانے پر کس کا حق ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس سوال کے: کہ زید نے ماہ رمضان شریف میں کھانا یا مٹھائی واسطے افطاری روزہ داروں کے مسجد میں بھیجا، کہ کل روزہ دار کھاویں، زید کو ثواب ہو، پس عمرؔ مع دو چار ہمراہیوں کے وہ کھانا یا مٹھائی، بے اجازت کل روزہ داروں کے، ایک مسکین بکر کو دے دیتا ہے، اس صورت میں کل روزہ داروں کو رنج ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ تو اپنے حصہ میں سے بکر مسکین کو دیدے اور ہمارا حصہ ہمیں دے، پس عمر زبردستی سے بکر مسکین کو دیدیتا ہے، یہ جائز ہے، یا نہیں؟ زید کو بھی نہایت رنج ہوتا ہے، کہ میں مسجد میں کل روزہ داروں کے لئے بھیجتا ہوں، خاص عمرو بکر کے واسطے نہیں بھیجتا۔ اگر عمر کھانا یا مٹھائی پھر بکر مسکین کو دے گا، تو میں پھر مسجد میں نہیں بھیجوں گا۔

جواب: زید مسجد میں بھیجنے والے کے خلاف کسی کو دینا نہیں چاہئے، کہ مالک کی رضا و اجازت کے خلاف تصرف کرنا حلال نہیں، بلکہ حرام ہے۔ جس طرح مالک کی مرضی ہو، اُسی طرح حلال ہے، ورنہ جائز ہرگز نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (ضمیمہ فیوض رشیدیہ ص ۵۰۴)

(۳۴۲) محرم کی فضیلت صرف عاشورہ کے روزہ کی وجہ سے ہے: فضیلت محرم کی بعد رمضان جو وارد ہے، وہ صوم عاشورہ کی فضیلت ہے، نہ تمام ماہ کی، اور صوم عاشورہ خود حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام رکھتے تھے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباص ۲۰)

(۳۴۳) یوم عاشورا کے روزہ کا حکم؟ **سوال:** دس تاریخ محرم کو جو شخص روزہ تڑا دیوے اور کہے کہ حرام ہے، یہ غلط ہے یا صحیح؟

جواب: روزہ عاشورہ کا دسویں محرم کو مستحب ہے اور اس کا بہت ثواب حدیث شریف میں آیا ہے، جو اس کو حرام کہتا ہے وہ محض جاہل ہے، روافض کے یہاں یہ روزہ حرام ہے۔ اہل سنت کے نزدیک، بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک، یہ روزہ مستحب ہے، اس کو حرام کہہ کر تڑوانے والا بے شک گنہگار ہے، اور جاہل حکم شرع سے ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۹۔۱۳۱)

(۳۴۴) ۲۷ر شعبان کے نفلی روزہ کا حکم؟ **سوال:** یہ کہ ۲۷ تاریخ شعبان کو، جس قدر آدمی روزہ دار تھے، سب کے روزے تڑوا ڈالے اور کہا کہ آج کا روزہ رکھنا بالکل حرام ہے، روزہ داروں نے روزہ نفلی سمجھ کر رکھا تھا، اس روز ان کا روزہ رکھنا درست تھا، یا نہیں؟

جواب: ۲۷ر شعبان کو روزہ نفل رکھنا درست ہے، حدیث میں ایک دو روز پیشگی رمضان سے روزہ رکھنے کو

مکروہ فرمایا ہے، کہ اس طرح روزے رکھے کہ ایک دو روزہ رکھ کر رمضان میں ملا دیوے، ورنہ شعبان کے اول و آخر میں روزہ نفل رکھنا درست ہے۔ خود فخر عالم علیہ السلام شعبان میں بکثرت روزہ رکھتے تھے۔ ایسے روزہ کو حرام کہنا، جہل ایسے شخص کا ہے کہ نہ حدیث کو سمجھا اور نہ مطلب حدیث سے واقف ہوا، محض جاہل ہے۔ کیونکہ احادیث میں ان ایام کے جواز کی دلیل موجود ہے، لہٰذا بلاوجہ روزہ تڑوانا اس کا بیجا ہوا، اور بدون سمجھے جاہل کو فتویٰ دینا حرام ہے۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

فأفتوا بغير علم فضلّوا و أضلّوا (۱)

ترجمہ: بغیر جانے فتویٰ دیں گے، پس گمراہ ہوں گے اور گمراہ کریں گے۔ [ت: نور]

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۸ـ۱۳۹)

(۳۴۵) نماز کے بعد تسبیحات اور عرفہ کا روزہ مستحب ہے؟ مسئلہ: بعد نماز کے تسبیح تحمید، تکبیر مستحب ہے اور صوم عرفہ بھی مستحب ہے، سنت موکدہ نہیں۔ شاہ عبدالعزیز کے کلام کی مجھ کو خبر نہیں، سب کتب فقہ میں مستحب لکھا ہے۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۱۹)

(۳۴۶) یوم عرفہ کا روزہ عرفات میں؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع سید المرسلین، اس مسئلہ میں: کہ زید بلباس واعظ کسی شہر میں تعلیم کرنے آیا اور عرفہ ذی الحجہ کے روزہ کو، مجمع عام جامع مسجد میں منع کیا اور نویں تاریخ کو علی العموم روزہ سے منع کیا، حالانکہ صوم یوم التاسع کی بزرگی میں، احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ فرمایا سرور عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے:

مامن أيام أحبّ الى الله تعالىٰ ان يتعبّد له فيها من عشر ذى الحجة، يعدل صيام كلّ يوم منها بصيام سنة، وقيام كلّ ليلة منها بقيام ليلة القدر (۲)

---

(۱) مسلم شریف: عن هشام بن عروة عن ابيه قال سمعت عبدالله بن عمرو بن العاص يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذالم يترک عالما اتخذالناس رؤساً جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلّوا و أضلوا. ص ۳۴۰ ج۲ كتاب العلم (مطبع مجتبائی دهلی ۱۳۱۹ھ) نیز مسلم ج: ۲ ص: ۱۲۳۲-۱۲۳۳ رقم الحديث: ۲۶۷۳ [نور]

(۲) رواه الترمذى، كتاب الصوم، باب ما جاء فى العمل، ت: محمدفواد عبدالباقى. التحفة: ۵۲ رقم الحديث: ۷۵۸ ص: ۱۳۱ ج: ۳ [دارالكتب العلمية، بيروت] وابن ماجة، كتاب الصيام، باب صيام العشر. ج: ۲/ص: ۲۲۰، ۲۲۱، الحديث: ۱۷۲۸. وقال الترمذى: اسناده ضعيف. [نیز دیکھئے: مشكوة المصابيح: كتاب الصلاة باب فى الاضحية، الفصل الثانى ص ۱۲۸ ج۱ [عکس اصح المطابع، رشیدیہ دهلی ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۵ء] مشكوة. كتاب الصلة باب فى الاضحية ت: رمضان بن احمدبن على رقم الحديث: ۱۴۷۱ ص: ۵۸۸ ج: ۱ (نور)

ابوداؤد سے روایت ہے:

قال: عليكم بصوم ايام العشر و إكثار الدعاء و الاستغفار و الصدقة فيها فإنّي سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الويل لمن حرم خير أيام العشر وعليكم بصوم يوم التاسع خاصة فإن فيه من الخيرات، أكثر من أن يحصيه العادون.(۱)

وروى أنه عليه الصلوة والسلام قال: [صيام] يوم عرفة احتسب على اللّٰه تعالىٰ ان يكفر السنة التى قبله و السنة التى بعده.(۲)

ہاں! اگر زید مذکور یہ کہتا کہ یوم الثامن و یوم التاسع کا روزہ، باعث عجز ادائے افعال حج مقام عرفات میں مکروہ ہے، جیسا کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں تحریر کیا ہے۔ عبارت فتاویٰ کی یہ ہے:

ولا بأس بصوم يوم عرفة، سواء كان فى الحضر او فى السفر، إذا كان يقوى عليه ويكره صوم يوم عرفة و كذا يوم التروية لأنه يعجزه عن أداء أفعال الحج. (۳)

جواب: فضائل صوم یوم عرفہ کے احادیث میں وارد ہیں اور تمام امت اس کے استحباب کی مقر ہیں، کسی کو اس میں خلاف نہیں۔ مسلم نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

وسئل عن صوم يوم عرفة، فقال يكفر السنة الماضية و الباقية. الحديث(۴)

اور دوسری حدیث مسلم میں ہے:

صيام يوم عرفة أحتسب على اللّٰه أن يكفر السنة التى قبله و السنة التى بعده. الحديث (۵)

پس جو شخص اس صوم کو مکروہ بتاتا ہے، وہ ناواقف و جاہل حدیث سے ہے۔ ہاں! عرفات پر روزہ مکروہ تنزیہی

---

(۱) رواہ ابوداؤد۔ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راقم سطور کو نہیں ملی۔ [نور]

(۲) رواہ مسلم، کتاب الصوم، ص ۳۶۷ ج ۱۔ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) نیز كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة، ت: ابوقتيبه نظر محمد الفاريابى، رقم الحديث: ۱۱۶۲ ص: ۵۱۸ ج: ۱ [دار طيبه، رياض: ۱۴۲۷ھ]

(۳) فتاویٰ قاضی خان۔ کتاب الصوم (فصل فيما يكره للصائم و مالا يكره ص ۹۹ ج ۱) (مطبع مصطفائی کانپور، لکھنؤ: ۱۳۱۰ھ) [نور]

(۴) صحيح مسلم كتاب الصوم (باب: صوم يوم عرفه) ص ۳۶۸ ج ۱ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) نیز باب مذکور ج: ۱ ص: ۵۱۸، رقم الحدیث: ۲۷۴۷ (۱۱۶۲)

(۵) صحيح مسلم كتاب الصوم، باب استحباب صوم يوم عرفة، (مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) نیز حوالہ بالا (۵۱۸/۱) رقم الحديث: ۱۱۶۲ [دار طيبة، رياض. ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶م]

ہے، اس لئے کہ ذکر وتلبیہ وہاں کا ذکر مسنون ہے، اس میں سبب روزہ کے کوتاہی ہوجاوے گی، ورنہ اگر وہاں کسی نے روزہ رکھ لیا تو ثواب ملتا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱)

(۳۴۷) ہزاری روزہ کی حقیقت؟ **سوال:** ہزارہ روزہ کو ہزاری کی نیت سے رکھنا چاہیے، یا نفلی کی نیت سے، بعض تکرار کرتے ہیں۔

جواب: ہزارہ روزہ کی اصل، احادیث صحاح سے کہیں نہیں ملتی۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۴)

(۳۴۸) عشرہ محرم میں ذکر شہادت پڑھنے اور روزہ وصدقہ کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: [کہ] عشرہ محرم کو ذکر شہداء بیان کرنا اور اسی عشرہ میں روزہ رکھنا اور خیرات کرنا کیسا ہے؟ اس کا جواب کتب معتبرہ سے دیجئے۔ بینوا توجروا۔

جواب: عشرہ [محرم] میں ذکر شہادت پڑھنا حرام ہے، اس واسطے کہ یہ مشابہ رافضیوں کے ہے، وہ ان ایام میں اس ذکر کو افضل عبادت جانتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی کسی قوم سے مشابہ کام کرے، وہ ان میں ہی ہے، پس ایسا کام کرنا رافضی ہونا ہوا۔

اور روزہ عشرہ کی نویں کو مستحب ہے اور خیرات وصدقہ دینا سب روز درست ہے، اس دن میں [بھی] جائز ہے، مگر تخصیص کہ اسی روز میں ضرور ہو، بدعت ہے۔ کسی کام کو بدون اجازت شرع کے خاص کرنا حدیث میں منع فرمایا ہے۔ فقط

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۳)

تراویح سے متعلق مسائل

(۳۴۹) بیس رکعت سے زائد تراویح کا حکم؟ **سوال:** یہ کہ ماہ رمضان میں بیس (رکعت) تراویح پڑھا چکا تھا، کہ ایک شخص کی وضو ٹوٹ گئی تھی، اس سے دو رکعت تراویح فوت ہوگئی تھی، اس نے وتر کسی کو نہ پڑھائی، آیا بعد رکعت بیس کے وتر پڑھاتا، یا یہ دو رکعت پڑھانی ضرور تھی؟

جواب: تراویح بیس رکعت ہے، اس سے زیادہ کو بجماعت پڑھنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، پس جس نے بائیس رکعت کی جماعت کرائی، بے شک وہ ناواقف مسائل دین سے ہے، اس نے یہ کام بدعت اور مکروہ تحریمہ خلاف سنت کے کیا۔

لوگوں کو ضرور تھا کہ بعد بیس رکعت کے دو رکعت بجماعت نہ پڑھتے، اس فعل سے لوگ بھی گنہگار ہوئے۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۹۔۱۳۰)

(۳۵۰) نابالغ کی اقتداء میں تراویح کا حکم؟ سوال: نابالغ کے پیچھے تراویح درست ہے، یا غیر درست، اور اس کو پڑھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: نابالغ کی اقتداء تراویح میں [ایک قول کے مطابق] صحیح، اور راجح یہ ہے کہ درست نہیں۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۰۰۔۱۰۲)

(۳۵۱) اگر تراویح کی چار رکعت ایک سلام سے پڑھے تو؟ سوال: اگر نماز تراویح چار رکعت بیک سلام پڑھے، تو دو رکعت کے بعد تیسری رکعت میں سبحانک اللّٰھمّ بھی پڑھے، یا نہیں؟ اور وسط قعدہ میں درود دعا بھی پڑھے، یا نہیں؟

جواب: پڑھے، مگر چار رکعت سے [زیادہ] پڑھنا خلاف سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۱۱)

(۳۵۲) تراویح میں اگر کسی نے دو رکعت کی جگہ تیسری اور چوتھی بھی پڑھ لی تو؟ سوال: تراویح میں اگر کسی نے دو رکعت کی نیت کی تھی، مگر وہ قعدہ بھول گیا اور تیسری رکعت کو مقید بالسجدہ کر لیا، تو پھر سجدہ سہو کر لینے کی صورت میں، ہر چہار رکعت تراویح میں شمار کی جاویں گی، یا دو رکعت؟

جواب: دو رکعت شمار ہوویں گی، اگر چار پڑھیں اور تین پڑھی تو اعادہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد

(نسخہ رام پور ص ۱۰)

(۳۵۳) تراویح میں قرآن ختم کرنے کا، حدیث سے ثبوت؟ سوال: حامداً و مصلیاً و مسلماً! امابعد! عرض یہ ہے کہ ان مسائل کا جواب شافی تحریر فرمائیے:

اول یہ کہ تراویح میں قرآن ختم کرنے کی روایت، آپ نے تحریر فرمایا تھا ابوداؤد میں ہے، سو ہم لوگوں کو تلاش کرنے سے اس کتاب میں نہیں ملی، سو اس کے اور کسی کتاب میں بھی نہیں ملتی ہے۔ مہربانی کر کے یہ تحریر فرمائیے، کہ صحابہ سے یہ عمل، کن ابواب میں کون سے باب میں، کس راوی سے منقول ہے؟

جواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ — السلام علیکم

ابوداؤد کی جلد اول کے ص ۲۷۳ میں ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کو امام تراویح بنایا تھا، وہ بیس

روز جماعت کراتے تھے اور دس روز اپنے گھر میں پڑھتے تھے، اور ختم قرآن کرنا صحابہ کا نماز تہجد میں، ہر ماہ احادیث سے ثابت ہے۔(۱) چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرو کو آپ نے ہر ماہ ختم قرآن کا حکم فرمایا تھا۔ پس رمضان میں بھی بیس روز کا ختم تراویح میں اس سے واضح ہوگیا، اور یہ امر دیگر کتب احادیث میں بھی ہے، یہاں تک کہ مشکوۃ میں بھی۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۱۲-۷)

(۳۵۴) تراویح کا الم ترکیف سے پڑھنا، حکماً ہے، یا رواجاً؟ **سوال:** نماز تراویح میں جہاں تمام قرآن (شریف) نہیں پڑھا جاتا ہے، وہاں الم ترکیف سے پڑھتے ہیں، یہ بات حکماً ہے، یا رواجاً۔

جواب: جہاں سے چاہے پڑھے، دس سورت کو دو دفع پڑھنے کے سبب اس کو لوگوں نے ٹھہرالیا ہے، ورنہ مثل دیگر نوافل کے ہیں۔ فقط

(بدست خاص ص ۱۲)

(۳۵۵) تراویح میں قل هو الله کو اعوذ و بسم اللہ کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟ **سوال:** تراویح میں جب قرآن ختم کرتے ہیں، تو قل ھو اللہ کو اعوذ و بسم اللہ کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے ہیں، یہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اعوذ تو نہ پڑھے، مگر بسم اللہ کے ساتھ تکرار قل ھو اللہ کا بعض کتب فقہ میں لکھا ہے، مضائقہ نہیں، مگر یہ ختم تمام قرآن میں ہے، نہ سورتوں سے پڑھنے میں۔ فقط

(بدست خاص ص ۱۲)

(۳۵۶) کیا نوافل کی جماعت جائز ہے؟ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی کتنی رکعات پڑھیں؟ مجمع کمالات ظاہری و باطنی جناب مولانا رشید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت شریف میں یہ ہے کہ چند مسائل جواب طلب ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ آج کل جو لوگ نفلوں کی جماعت کرتے ہیں، یہ جائز ہے؟ اور اگر یہ جائز ہے تو کتنے آدمیوں تک جائز ہے؟ اور بعض آدمی یوں کہتے ہیں کہ رمضان کے علاوہ ایام (میں) تین آدمیوں تک جائز ہے، اور رمضان میں جتنے چاہے ہو جائیں مقتدی، درست ہے، جماعت کے ساتھ، اور بعض آدمی یوں کہتے ہیں کہ سوائے رمضان کے نفل جماعت ہی جائز نہیں اور اگر تین آدمیوں سے زائد ہو جائیں، تو آیا وہ جماعت مکروہ تحریمہ ہے؟

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کس صورت سے پڑھی اور کتنی رکعت تک پڑھی؟

اور مثلاً ایک مسجد کا امام ہے اور اس مسجد میں وقت مقرر ہے، تو اس وقت مقررہ کے اندر، اگر امام دو چار منٹ کی تاخیر

---

(۱) عن الحسن أن عمر بن الخطاب، جمع الناس على أبي بن كعب، فكان يصلي لهم عشرين ليلة، ولا يقنت بهم إلا في النصف الباقي، فإذا كانت العشر الأواخر، تخلف فصلى في بيته، فكانوا يقولون أبق أبي، سنن أبي داود، كتاب الوتر (۲/ ۲۵۶) رقم الحديث: ۱۴۲۴ ت: شيخ محمد عوامه، [موسسة الريان بيروت: ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴م] [نور]

کرے، اس نیت سے کہ مقتدی زیادہ شامل ہوجائیں، اور امام تاخیر کرنے سے پہلے مقتدی نمازی بہت غصہ ہوتے ہیں، اور ناراض ہوکر امام کو برا کہتے ہیں، تو اب اس میں شرعاً حق کے اوپر کون ہے؟ امام یا مقتدی؟

جواب: السلام علیکم۔

الجواب: جماعت تراویح کی رمضان میں سنت ہے اور سوائے تراویح کے، رمضان اور غیر رمضان میں جماعت نفل کا ایک حکم ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر تین مقتدی اور ایک امام ہو، تو جماعت نفل کی بلا کراہت درست، رمضان و غیر رمضان میں...... اور جو چار مقتدی ہوں تو، مکروہ تحریمہ ہے، رمضان ہو یا غیر رمضان......فقط۔

[تراویح] حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی شب پڑھی اور باندیشہ واجب ہوجانے کے ترک فرمادی، (۱) تو اس سے ثابت ہوا کہ ہم لوگوں کو تراویح پڑھنی چاہئے اور خود فرمادیا کہ تمہارے واسطے تراویح کو سنت کر چلا (۲) اور آپ [کا] ادا کرنا، کبھی اول شب سے شروع ہوا اور اخیر شب میں تمام کیا، اور گاہ آخر شب میں سب پڑھ لیں۔

اور عدد رکعات، سو احادیث ضعاف سے ثابت ہے کہ بیس رکعتیں تھیں (۳) ایک حدیث ضعیف کو دوسری حدیث ضعیف سے اتنی قوت حاصل ہوگئی، کہ قابل سند ہوجائے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بیس رکعتیں پڑھنا، خود ایک حجت ہے، (۴) اور احادیث صحاح (میں) کوئی حدیث اس کے منافی نہیں، اگر چہ نافہم اسے منافی سمجھیں اور اس کی بحث اس وقت کرنے کی گنجائش نہیں۔ فقط

مقتدی کی توقع میں دو چار منٹ دیر جائز بلکہ سنت ہے، البتہ اتنی دیر نہ کرے کہ حاضرین کو تکلیف ہو، کہ یہ مکروہ ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم | کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ | الجواب صحیح | ابوالحسن عفی عنہ

[اوراق نقل فتاویٰ حضرت مولانا گنگوہی، مخزونہ نیشنل میوزیم لائبریری، کراچی]

عکس بشکریہ ڈائریکٹر صاحب نیشنل میوزیم۔ کراچی، پاکستان

---

(۱) رواه الشيخان عن عائشة رضي الله عنها صحيح بخاري، كتاب التهجد. باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم على قيام الليل جلد اول، جزء ثانی. ص: ۴۴. رقم: ۱۱۲۹ [مكتبة الرياض الحديثة، الرياض، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴م] نیز بخاری شریف باب مذکور ج:۱ ص:۱۵۲، حدث:۱۱۱۷، ۱۴۱۵ھ (نور)

(۲) یہ حدیث امام نسائی نے روایت کی ہے، كتاب الصيام باب من قام رمضان وصامه ايماناً واحتساباً ج: ۱ ص: ۳۰۸، [مجتبائی دهلی: ۱۳۱۵ھ] نیز ص: ۵۳۸، رقم الحديث: ۲۲۰۶ تخريج صدقي جميل العطار، [دار الفكر بيروت: ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء]، نیز الترغيب والترهيب للمنذری. كتاب الصوم باب الترغيب في صيام رمضان احتساباً. ص: ۶۴ ج: ۲ رقم الحديث: ۳۴ [دار الكتب العلمية، بيروت ۱۴۱۷ھ] [نور]

(۳-۴) تفصیلات کے لئے دیکھئے فتح الباری، شیخ الاسلام حافظ بن حجر...... (كتاب صلوة التراويح ص: ۲۵۳/۲۵۴ ج: ۴۔ دار الفيحا دمشق بلاسنه) [نور]

(۳۵۷) رمضان المبارک میں اگر عشاء کی جماعت نہ ملے، تو تراویح اور وتروں میں شامل ہونے کا حکم؟ سوال: رمضان میں جو شخص فرضوں کی جماعت سے محروم رہ گیا ہے، تو وہ شخص تراویح میں اور وتر کی جماعت میں بھی شامل ہو، یا نہیں؟

جواب: [جماعت وتر میں شامل] ہوسکتا ہے، کچھ حرج نہیں۔ فقط (بدست خاص ص:۴۳)

(۳۵۸) تراویح کے وقت اسی جگہ یا صف سے آگے پیچھے فرض یا سنتیں پڑھنا؟ سوال: رمضان میں جماعت تراویح کی ہو رہی ہے اور ایک شخص آیا کہ جس نے فرض نماز نہیں پڑھی، تو وہ شخص اگر اسی مسجد میں برابر جماعت کے، یا آگے پیچھے جگہ دیکھ کر، فرض اور سنت پڑھے تو ہو جاویں گے، یا نہیں، یا کہیں اور جگہ اوٹ میں پڑھے۔

جواب: ایسی حالت میں فرض پڑھ لیوے، تو درست ہے، مگر اولیٰ نہیں کہ مخالفت مسلمین کی ہے۔ فقط

(خاص ص:۱۵۶)

[نوٹ: ایک اور مسئلہ: مسافر اگر روزے رکھتا ہو، تو اس کے لئے تراویح کا حکم؟ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

رویتِ ہلال کے مسائل

(۳۵۹) ایک قاضی کی دوسرے قاضی کو چاند کی اطلاع، کب قابل تسلیم ہے؟ سوال: قاضی بصرہ نے بنام قاضی کوفہ بذریعہ تار برقی یہ خبر بھیجی، کہ ہم نے حکم عید کا دیا ہے، اس خبر کے آنے سے قاضی کوفہ کو، حکم عید کرنے کا دینا اہل شہر کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر قاضی بصرہ نے یہ تار دیا کہ عدلین کی شہادت پر رویت ہلال ہوئی اور اس پر ہم نے حکم افطار دیدیا ہے، تو قاضی کوفہ اس خبر پر کوفہ میں حکم عید کا دیوے، تو جائز ہے، کہ خبر کتاب القاضی کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتویٰ نقل بدست مولانا عبدالحکیم، پھلاودہ۔ موجود در ذخیرہ نور)

(۳۶۰) عید کا چاند ایک شہر میں نظر آئے اور دوسرے میں نظر نہ آئے تو کیا کیا جائے؟ سوال: رمضان یا عید کا چاند اگر ابر وغیرہ کے سبب سے، ایک شہر میں نہ معلوم ہوا اور دوسرے شہر والوں کو معلوم ہو، تو حنفیہ کا مفتی بہ مسئلہ کیا ہے؟

فقہ کی مشہور کتابوں میں یہ فتویٰ لکھا ہے کہ دوسری جگہ کی سچی خبر کا اعتبار کرنا چاہئے، اگرچہ بہت دور کی خبر ہو۔ مگر اس ملک میں بعض علماء یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ زیادہ دور کی خبر معتبر نہیں ہے، جہاں تک سفر کرنے میں قصر واجب نہیں ہے، فقط وہاں تک کی خبر معتبر ہے۔ تو صحیح اس مسئلہ میں قول اول ہے، یا قول ثانی؟ اگر قول ثانی صحیح ہے تو اس قول کو حنفیہ نے کس کتاب میں ترجیح دی

ہے، اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک قول اول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور امام نووی کے قول (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ قول ثانی شافعیہ کا مذہب ہے، حنفیہ میں سے کس فقیہ نے اس مذہب کو اختیار کیا ہے؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک رمضان اور شوال کا چاند اگر مشرق میں دیکھا گیا تو غرب میں بھی بشرط ثبوت اس پر عمل واجب ہے، یہ ظاہر الروایۃ ہے اور اکثر فتویٰ اس پر ہی ہے۔ دوسری روایت ظاہر روایت نہیں، اگر چہ وہ بھی بعض حنفیہ کا مفتیٰ بہ ہے، اور زیلعی شارح کنز (۲) کا یہ فتویٰ ہے۔ فقط

(فرخ آباد، ص ۳۹-۴۰-۴۱-۴۲)

(۳۶۱) تار کے ذریعہ چاند کی خبر کب معتبر ہے؟

سوال: زید نے بصرہ سے بذریعہ تار برقی عمرو کو بمقام کوفہ یہ خبر بھیجی، کہ ہم نے رویت ہلال کیا ہے، اس خبر کے پہنچنے سے عمرو کو افطار جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر زید مخبر عدل ہے تو اس کی خبر پر صوم جائز ہے اور افطار عدلین کی خبر پر جائز ہے، ایک عدل کی خبر سے افطار جائز نہیں اور عدلین اگر اپنا ہلال دیکھنا لکھیں تو اعتبار ہووے گا، اگر اپنے شہر کے لوگوں کا دیکھنا لکھیں، تو اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ الحاصل خبر تار کا اعتبار ہے، جیسا [کہ] تحریری خط کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور عدالت وغیرہ سب امور کا مرعی ہونا ضرور [ی] ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(نقل فتویٰ بدست مولوی محمد ابراہیم، برادر مولانا عبد الغنی۔ شاگرد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ پھلاودہ، ضلع میرٹھ)

(۳۶۲) اگر کوئی شخص تار یا خط کے ذریعہ، چاند ہونے کی اطلاع دے تو؟

سوال: ایک شخص مثلاً لکھنؤ کا رہنے والا امراؤ آباد والوں کو خبر دیوے، بذریعہ تار برقی یا خط یا اخبار، ہلال دیکھنے کی، کہ یہاں چند اشخاص نے ہلال رمضان وغیرہ کا ہونا دیکھا، ان کا خبر دینا معتبر ہوگا یا نہیں، موافق مذہب امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ بذریعہ حوالہ کتب جواب فرمائیں اور نیز محدثین کا اس میں کیا مذہب ہے؟

جواب: لکھنؤ کا یا کہیں کا رہنے والا، مثلاً خبر دیوے کسی کو دور یا نزدیک بذریعہ خط کے، یا تار برقی کے کہ وہ بھی تحریر خط کی ہی نوع ہے، یا اخبار میں کسی کے نام درج خط کی طرح کرے، سوان تحریرات کا شرعاً اعتبار ہوگا، مثل خبر زبانی کے اور خبر دینے والے کا ثقہ ہونا اور وہ مخبر کی خبر و تحریر ہونا چاہئے، اگر وہ ثقہ خط سے یا تار سے خبر رویت اپنی کی دیوے، شرعاً افطار درست ہو جائے گا۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ کتابت خط یا تار کی مثل اخبار زبانی کے ہے اور جو کچھ رعایات زبانی اخبار میں ہے، وہ ہی خط اور تار کی خبر میں ہو کر، معتبر ہو جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۳۳۲-۳۳۱)

---

(۱) نووی بر حاشیہ مسلم ص ۳۴۸ ج ۱۔ کتاب الصوم (باب بیان ان لکل اھل بلد رؤیتھم مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) [نور]

(۲) زیلعی شرح کنز ص ۳۲۱ ج ۱۔ باب رویت ھلال کتاب الصوم (مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت) [نور]

عیدین اور متعلقاتِ عیدین

(۳۶۳) صدقۂ فطر میں ستو دینے کا کیا حکم ہے؟ سوال: صدقہ فطر میں گندم خام یا جو خام دینا، یعنی جیسے گندم یا جو کا ستو کہا کرتے ہیں، کہ وہ کچی ہوا کرتی ہیں، جائز ہے، یا نہیں، اور دے تو کتنے دے؟

جواب: اگر وہ خشک ہوگئے ہوں تو دینا جائز ہے اور اسی قدر دیئے جائیں گے جس قدر گندم پختہ دیئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

(بدست خاص ص ۴۹)

(۳۶۴) حضرت عثمانؓ کا خطبۂ عیدین نماز سے پہلے پڑھنے کی وجہ اور اردو میں خطبہ کا حکم؟

سوال: پہلے نماز عیدین سے خطبہ پڑھنا بعض کتب میں حضرت عثمان سے ثابت ہے، یہ سنت عثمانی ہے یا بدعت مروانی؟

جواب: عیدین کے احکام کو جو عیدین سے جمعہ پہلے ہو، اس میں تلقین اور وعظ کی مستحسن ہے اور خطبہ میں اردو بیان کرنا مکروہ ہے، اور حضرت عثمان [غنی] رضی اللہ عنہ نے قبل نماز [عید] خطبہ پڑھا ہے، اس واسطے کہ ان کے وقت میں دور دور سے لوگ حاضر ہوتے تھے، اگر آپ نماز پڑھ کر خطبہ پڑھتے تو دور والے شریک نماز نہ ہوتے اور دیر کرنا پڑتی تاکہ باہر کے آدمی آجاویں اور پھر خطبہ پڑھتے تو خلق کثیر کو گرمی کی تکلیف ہوتی، اس واسطے یہ سہولت پیدا کی، کہ خطبہ اول پڑھا کہ شرکت باہر والوں کو حاصل ہو جاوے اور خطبہ سے کوئی حاضر محروم نہ رہے، اور عیدین کا خطبہ سنت ہے نہ کہ واجب۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(فرخ آباد ص ۵۱)

(۳۶۵) کیا عیدین کی نمازوں میں زبان سے تکبیرات کی نیت کرنا ضروری ہے؟ سوال: نماز عیدین وجنازہ میں تکبیرات کو نیت کرنے کے وقت، زبان سے کہنا مثلاً نیت کی نماز دو رکعت واجب عید الفطر کی مع چھ تکبیرات، چاہیے یا نہیں، فقط ویسے ہی نیت کر لے۔

جواب: زبان سے کہنے (کی) ضرورت نہیں اور تکبیرات کی نیت بھی ضرور[ی] نہیں؟ فقط نماز عید کی اور جنازہ کی نماز کی نیت کافی ہے۔

(بدست خاص جواب ۱۵)

(۳۶۶) عیدین اور جمعہ اگر فوت ہوجائیں، تو کیا کریں؟ **سوال:** اگر نماز عید و جمعہ ہو چکی ہو، تو پھر جس نے نہیں پڑھی وہ دوسری جماعت اسی جگہ، یا کہیں اور کر کے نماز پڑھے تو جائز ہے، یا نہیں؟ یا بدون جماعت بھی پڑھ لے، یا نہیں؟

جواب: اگر جمعہ و عید فوت ہو جاوے، تو لوگ دوسرا امام بنا کر، دوسری جگہ ادا کر لیویں تو درست ہے، اس جگہ نہ پڑھیں۔ بدون جماعت یہ نمازیں درست نہیں ہوتیں۔ فقط (بدست خاص جواب ۱۶)

(۳۶۷) اگر کسی وجہ سے مقتدی کی، جمعہ یا عید کی نماز فاسد ہوگئی، تو وہ کیا کرے؟ **سوال:** اگر عیدین کی یا جمعہ کی نماز مقتدی کی نہ ہوئی، اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکل آیا، یا اور کچھ ہو گیا، تو وہ نماز اپنی دوبارہ پڑھے، یا نہیں؟

جواب: تنہا، دوبارہ یہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ (بدست خاص۔ جواب ۱۷)

(۳۶۸) عیدگاہ میں ممتاز اور بااثر لوگوں کے لئے جگہ، خاص کر لینے کا حکم؟ **سوال:** بعضے شہروں میں یہ دستور ہے کہ جب روز عید یا بقرعید کا ہوتا ہے، تو قاضی شہر کا آٹھ بجے ایک فرش واسطے ان لوگوں کے، عیدگاہ میں اگلی جماعت میں بچھوا دیتا ہے اور کسی کو اس کے اوپر بیٹھنے نہیں دیتا، بلکہ جو شخص قاضی کے فرش (کے) آنے سے پیشتر، اگلی جماعت میں اپنی چادریں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں، تو قاضی کا آدمی، یا خود قاضی ان کو وہاں سے اٹھا دیتا ہے اور قاضی اور اس کے ہمراہی، جو اکثر اہلکار سرکاری اور اس کے کنبہ کے ہوتے ہیں، وہ دس بجے آ کر اس پر بیٹھے ہیں، اور اس فرش پر اگر کوئی قاضی کے آنے سے پہلے بیٹھ جاتا ہے، تو قاضی اس کو پچھلی جماعت میں کر دیتا ہے، اور اگر کوئی قاضی صاحب سے یوں کہتا ہے کہ، یہ شخص صبح سے واسطے اگلی جماعت کے دھوپ کی تکلیف اٹھاتے ہیں اور آپ اور آپ کے ہمراہی اس وقت دس بجے آئے، تو ان کی کیا خطا ہے کہ اگلی سے پچھلی میں کر دیئے جاتے ہیں، بلکہ آپ کو اگر اگلی جماعت کا شوق ہے، تو آپ کو مع اپنے ہمراہیوں کے پہلے آنا چاہئے، تو در جواب اس کے قاضی نے کہا کہ اگرچہ ہم دس بجے آتے ہیں، لیکن فرش تو ہمارا پہلے آ جاتا ہے۔ جو حکم خدا (اور) رسول کا ہو تحریر فرماویں؟

جواب: قاضی کا پہلے فرش بچھوانا ایسے لوگوں کے واسطے منع ہے اور غرباء کی چادریں اٹھوانا بھی ظلم ہے، مسجد و عیدگاہ سب وقف مکان ہوتے ہیں، سب مسلمان اس میں برابر ہیں، جو پہلے آوے وہ اپنی جگہ کا مستحق ہے، کسی کی کوئی جگہ مقرر نہیں۔ پہلے آئے کو اٹھانا ظلم ہے اور پہلے جگہ کا روک دینا، آنے سے پہلے بھی منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ علیہم الرضوان نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ آپ کے واسطے منیٰ میں مکان بنایا جاوے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

نہیں! کیونکہ منیٰ جگہ پہلے جانے والے کی ہے۔ (۱) یعنی جو پہلے پہنچ کر ٹھہر گیا، وہی اس جگہ کا مستحق ہے، وہاں اپنا مکان بنانا جگہ کا روک لینا ہے، یہ درست نہیں۔ پس یہ قاضی جو ایسا کرتا ہے گنہ گار ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

یہ جواب صحیح ہے محمد مراد عفی عنہ

فیوض رشیدیہ ص ۲۳ (فخر المطابع میرٹھ: بلاسنہ)

(۳۶۹) عید کے موقع پر انعام وغیرہ دینا اور دعوت؟

اور انعام عیدین اور تقسیم طعام عیدین میں بھی رواہے، اس کو منع کرنہ جانیں کہ اوقات سرور میں یہ امور ثابت ہیں۔ ہاں! اگر ترک ان کا طبع پر گراں اور موجب شرم اور خفت جانا جاوے، تو البتہ داخل بدعت ہو جاویں گے۔

(فرخ آباد ص ۴۸)

(۳۷۰) عید کے دن سویاں پکانے کو ضروری سمجھنا؟

سوال: عید کے روز سویاں ضروری جانتے ہیں اور ان کا پکانا کھانا موجب ثواب جانتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی کام کو کسی روز اپنی رائے سے ضروری جاننا بدعت ہے، فاعل اس کا مبتدع ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مجموعہ کلاں ص ۲۴۲-۲۴۱)

(۳۷۱) عصر کے بعد اور لہو لعب کے ساتھ عید کی نماز؟

سوال: نماز عیدین بعد عصر قبل مغرب مع لہو لعب، مثل تاشہ و باجہ و سنکھ وغیرہ کے جا کر پڑھنا، موجب ثواب کے ہوں گی، یا نہیں؟ اگر کوئی منع کرے اور کہے کہ وقت نماز عیدین قبل زوال ہے، اس وقت جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہمارے [بڑے] ہمیشہ سے اسی وقت پڑھتے چلے آئے ہیں اور بعض لوگ قبل زوال کے پڑھ کر، عوام کے ساتھ بعد عصر کے پڑھتے ہیں، موجب ثواب کے ہونگے، یا نہیں؟ اور وقت نماز کا کب سے کب تک ہے، مع سند حدیث و فقہ کے جواب تحریر کریں، تا کہ عوام کو سند ہوئے۔ بینوا توجروا۔

جواب: نماز عید کا وقت دوپہر تک ہے اور بعد زوال کے عید کی صلوٰۃ کا وقت نہیں رہتا، قال فی الهداية:

واذا زالت الشمس خرج وقتها (۲) الحديث

ترجمہ: جب سورج ڈھل گیا [زوال ہو گیا] عید کی نماز کا وقت ختم ہو گیا۔ (ت: نور)

پس جو لوگ عید کو بعد عصر پڑھتے ہیں، ہرگز واجب صلوٰۃ عید کا ان کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا، بلکہ تارک صلوٰۃ واجب ہو کر فاسق ہوتے ہیں، اور پھر بعد عصر کے نماز غیر مفروضہ کا پڑھنا بھی حرام ہے۔ لقوله عليه السلام:

---

(۱) رواه الترمذی عن عائشةؓ: قالت: قلنا: يارسول الله الا نبنی لک بناء [وفی نسخة محمدفواد محمدعبدالباقی (بيتاً)] يظلک بمنی، قال: لا، منى مناخ من سبق. ص: ۱۷۷، ج: ۱، ابواب الحج باب ماجاء منى مناخ لمن سبق) [كتب خانه رشيديه دهلى] ت: محمدفواد عبدالباقی رقم الحديث ۸۸۱، ص: ۲۲۸ ج: ۳) [دار الكتب العلمية بيروت: ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۲) ہدایہ ص ۱۵۳ جلد اول باب العیدین (مطبع مصطفائی ۱۲۸۹ھ) [نور]

لاصلوۃ بعد العصر(۱) الحدیث ترجمہ: عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے۔ (ت: نور)

سو اس وقت میں نماز عید پڑھنے میں، دوگناہ ان کے ذمہ پر لازم ہوئے، ایک صلوٰۃ واجب کا، اپنے وقت سے ترک کرنا، دوسرا بعد عصر کے نماز پڑھنا اور پھر ڈھول، باجہ اور لہو، کہ یہ سب جملہ اوقات میں حرام ہیں، بجانا۔ یہ تیسرا موجب فسق و فجور ان لوگوں کا ہے۔ بہر حال یہ لوگ سخت فاسق گنہگار ہیں، ایک ذرہ بھی ثواب ان کو نہیں، بلکہ وبال بروبال معاصی کا ان کے ذمہ پر ہوتا ہے، اور رسم باپ دادا کی خلاف شرع، موجب عصیان کا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ. (البقرہ)

پس ایسے رسوم اجداد کو، کہ خلاف حکم کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو، ترک کرنا فرض عین ہے، کسی مسلمان کو اس کا ارتکاب جائز نہیں، اور ایسی حرکات غیر مشروعہ سے توبہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۴۰، ۲۳۹)

(۳۷۲) عیدین کے بعد بطور خاص مصافحہ کرنے کا حکم؟

عیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ بخصوصیت کرنا بھی بدعت ہے۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۹)

(۳۷۳) مصافحہ عیدین: مصافحہ مطلقاً مسنون ہے، تخصیص کسی وقت (بتداعی) کی بدعت ہے، پس جو مصافحہ عیدین کو زیادہ مؤکد جانیں، یا کبھی نہ کریں مگر عیدین کو ضرور کریں، یہ بدعت ہے۔ ایسا ہی جو کبھی نہ کرے، بعد وعظ کے ضرور کرے، یا وعظ کے بعد مصافحہ کو زیادہ مؤکد موجب ثواب کا جانے، لاریب بدعت ہے، اس میں کیا کلام ہے؟ فقط

(فرخ آباد ص ۱۸)

(۳۷۴) تکبیرات تشریق عید کی نماز کے بعد بھی واجب ہیں: سوال: تکبیر تشریق جو نویں ذوالحجہ کی صبح سے شروع ہوتی ہے، تو دسویں تاریخ [کو] عید کی نماز کے بعد بھی تکبیر کہنا واجب ہے، یا نہیں؟

جواب: تکبیرات تشریق بعد نماز عید کے بھی واجب ہیں، تیرہویں کے عصر تک۔ واللہ اعلم

(بدست خاص ص ۹)

---

(۱) متفق علیہ، عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس و لاصلاۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس. رواہ البخاری، باب لایتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس ج: ۱/ص: ۱۰۱، رقم الحدیث: ۵۸۶ [الریاض: ۱۴۰۴ ھ] نیز بخاری باب مذکور ج: ۱/ص: ۸۲-۸۳، رقم الحدیث ۵۷۸، مکتبۃ الاصلاح لال باغ مراد آباد، الھند، ۱۴۱۵ھ، ورواہ مسلم، ج: ۱/ص: ۲۷۵، مطبع مجتبائی دھلی: ۱۳۱۹ھ، ونیز مسلم، ت: ابوقتیبہ نظر محمد الفاریابی رقم الحدیث: ۸۲۷، ص: ۳۷۰ ج: ۱ [نیز دیکھئے: مشکوۃ المصابیح ص: ۹۴ ج: ۱ کتاب الصلوۃ، الفصل الاول، باب اوقات النھی. [کتب خانہ رشیدیہ دھلی: ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء] نیز مشکوۃ باب مذکور ج: ۱/ص: ۳۳۳، رقم الحدیث: ۱۰۴۱. رمضان بن احمد بن علی آل عوف، [مکتبۃ التوبہ دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء]

چھٹا باب

كتاب الأضحية

(قربانی اور چرم قربانی کے مسائل)

(۳۷۵) قربانی واجب ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہائے مفصلہ ذیل میں: [کہ] ذبیحہ قربانی عید الاضحیٰ فرض ہے، یا واجب، یا سنت مؤکدہ، یا مستحب؟

جواب: اُضحیہ عند الحنفیہ واجب ہے، کہ اسکے ترک میں وعید وارد ہوئی ہے اور یہ ہی تحقیق ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۹۲)

(۳۷۶) قربانی سفر میں واجب نہیں، قیام میں ہے: مسئلہ: خلاصہ جواب مسئلہ یہ ہے کہ حالت سفر میں اضحیہ نہیں، اور قیام میں واجب۔ سو صورت مرقومہ میں لاریب! وقت اضحیہ کے سفر ہے، واجب نہیں، اگر وجوب کا جواب بندہ نے دیا تھا تو خطاء تھی، خیال اس قدر ایام پر نہیں کیا۔ فقط

(حضرت گنگوہی بنام مولانا خلیل احمد صاحب، مکتوب: ۳۰)

(۳۷۷) اپنے مکان میں اور بارھویں ذوالحجہ کی شام تک قربانی صحیح ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ مکان زید کے اندر قربانی کرنا درست ہے، یا نہیں، اور قربانی کرنا کتنے روز تک درست ہے؟

جواب: قربانی کو اپنے مکان میں ذبح کرنا درست ہے، کوئی کراہت اس میں نہیں اور تمام امت کے نزدیک یہ امر جائز ہے، کیوں کہ حدیث میں مطلق قربانی کرنے کا حکم ہوا ہے، کوئی قید مکان کی نہیں فرمائی، پس مقید کرنا مطلق نص کا اپنی رائے سے ممنوع ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: ذات يوم فقال من صلّى صلوتنا و استقبل قبلتنا فلايذبح حتّى ينصرف. الحديث(۱)

---

(۱) اخرجه البخاري في كتاب الأضاحي، باب في ذبح قبل الصلاة أعاد نسخه هنديه. ص: ۸۳۴ ج: ۲. [مراد آباد ۱۴۱۵ھ] (۸۹/۷)

نیز بخاری باب مذکور ج: ۳، ص: ۸۹ رقم الحديث: ۵۵۶۳. [مكتبة النهجة الحديثة، مكة المكرمه، رياض: ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء]

(اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ) جو شخص نماز پڑھتا ہے، مسلمانوں کی نماز اور متوجہ ہوتا ہے ہمارے مسلمانوں کے قبلہ کی طرف، وہ ذبح نہ کرے قربانی کو، جب تک نماز سے فارغ نہ ہولیوے۔ [ترجمہ حضرت گنگوہی]

پس کچھ قید اس میں نہیں اور فخر عالم علیہ السلام نے جو مصلی (۱) پر ذبح کیا ہے، تو اعلام کے واسطے، کہ سب کو اطلاع ہو جاوے اور آپ سے پہلے کوئی نہ کرے، اس واسطے کیا ہے اور صحابہ اپنے اپنے گھر میں اور جہاں کسی کا دل چاہتا تھا، کرتے تھے، چنانچہ کتب سے واضح ہے۔ پس جہاں چاہے ذبح کرے، اس میں کوئی قید کسی مکان کی نہیں اور قربانی کرنا پہلے روز افضل ہے، دسویں تاریخ کو۔ اور گیارہویں اور بارہویں کو بھی درست ہے، چنانچہ حدیث میں ہے، پھر تیرہویں کو درست نہیں۔ لہٰذا، بارہویں کی شام تک وقت قربانی کا ہے۔ کذا فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۶۷۔ ۱۶۸)

(۳۷۸) اگر قربانی واجب تھی اور ایام قربانی گزر گئے، تو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: اگر کسی کے ذمہ قربانی واجب ہے اور اس سے ادا نہیں ہوئی، کہ ایام قربانی گزر گئے، تو اس کا عوض دوسرے سال قربانی کرے، یا قیمت قربانی ساتواں حصہ کسی محتاج کو دیوے۔

جواب: اس صورت میں قیمت قربانی کی صدقہ کرے، اگلے سال قربانی کرنے سے ادا نہیں ہوگا، فقط (۲)

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(بدست خاص، سوال ۱۰)

(۳۷۹) قیمت دیدینے سے قربانی ادا نہیں ہوگی:

سوال: جس حالت میں کوئی شخص گوشت قربانی لینے والا نہیں ہے تو ایسی صورت میں قیمت قربانی شرعاً بیت المال میں داخل ہونی چاہیے، یا نہیں؟ یا بطور خود قربانی کرنے والا حسب حصص مقررہ شرعی، یا خلاف حصص مقررہ شرعی کے للہ تقسیم کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں اس کو مثل قربانی کے ثواب ہووے گا، یا نہیں؟

جواب: قیمت دینے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، ذبح کرنا ہی واجب ہے، خواہ قیمت بیت المال میں دیوے، یا فقیر کو دیوے، کسی حال واجب ادا نہیں ہوگا، اگر جان کر ذبح کو ترک کرے گا، گنہگار ہووے گا۔ البتہ اگر کسی عذر سے ایام قربانی کے نکل گئے، تو قیمت اضحیہ کی فقیر پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۹۳۔ ۱۹۴)

---

(۱) اس سے مراد مصلی العید ہے، یعنی جہاں عید کی نماز ادا کی جائے۔ یعنی وہیں نماز عید الاضحیٰ ادا فرمائی، وہیں قربانی بھی فرمائی تھی۔ (نور)

(۲) افادہ: قضاء میں حصہ کافی نہیں ہوگا، بلکہ متوسط درجہ کا بکرا ذبح کرنا ہوگا، حصہ کا جزئیہ اب تک نہیں ملا۔ (اضافہ از حضرت مفتی محمود حسن)

(۳۸۰) مردہ کی جانب سے کی گئی قربانی کا حکم؟ **سوال:** قربانی جو کسی مردہ کی طرف سے کی جاوے، تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے، آیا سب صدقہ کرے یا آپ بھی کھاوے، مثل اور قربانی کے؟

جواب: اگر مردہ وصیت کر گیا ہے کہ قربانی میری طرف سے کرنا، تو سب گوشت کھال کو صدقہ کرے،(۱) اور جو خود اپنی طرف سے کرتا ہے، تو جس طرح اپنی قربانی کا مختار تصرف کا ہے، اس کا بھی ویسا ہی ہوگا۔ فقط

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

(بدست خاص، سوال ۸۴)

(۳۸۱) اگر کسی وجہ سے دس ذی الحجہ کو نماز نہیں پڑھی گئی، تو اس دن زوال کے بعد قربانی کا حکم؟ **سوال:** دس تاریخ ذی الحجہ کو نماز نہیں پڑھی گئی کسی وجہ سے، تو قبل نماز قربانی بھی مصر یا قریہ والوں کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: قریہ میں تو ہر حال جائز ہے، کہ محل نماز عید کا نہیں، اور مصر میں اگر نماز نہ ہو تو بعد زوال کے، اگر قربانی کرلیوے تو درست ہے، نماز دوسرے روز پڑھی جاوے گی۔ قبل زوال اگر ہوگئی تو درست نہیں۔ (۲) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(بدست خاص، سوال ۴۸)

(۳۸۲) جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ایسے مقامات پر صبح صادق کے بعد قربانی؟ **سوال:** گاؤں کے رہنے والے کو قربانی نماز پڑھ کر کرنا افضل ہے، یا نماز سے پہلے قربانی کرنا افضل ہے، اور قبل نماز قربانی جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جہاں نماز ادا نہیں ہوتی وہاں بعد صبح صادق کے جائز ہے، خواہ کبھی ہو درست ہے، پہلے [ہو] یا پیچھے۔

(بدست خاص، سوال ۲۱)

(۳۸۳) عید الاضحیٰ کے دن سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا بہتر ہے: **سوال:** قربانی کے گوشت میں سے۔ قربانی کرنے والا پہلے کچھ گوشت کھالیوے تب اور کچھ کھانا کھاوے، یہ سنت ہے، یا کیا؟

جواب: اولیٰ یہی ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۶۰)

(۳۸۴) قربانی میں کتنے حصے ضروری ہیں؟ **سوال:** ذبیحہ قربانی عید الاضحیٰ کتنے حصوں پر تقسیم ہونا چاہئے، اگر حصص مقررہ شرعی پر گوشت تقسیم نہ ہو تو آیا قربانی جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) اس مسئلہ میں ایک قید اور بھی ہے کہ مردہ کی وصیت کے مطابق، اسی کے ترکہ کے تہائی سے قربانی کی گئی ہو، تو اس قربانی کا تمام گوشت خیرات کرنا واجب ہے، لیکن اگر مردہ نے وصیت تو کی ہو مگر وارث اپنے مال سے قربانی کرے، تو خود کھانا کھلانا بانٹنا درست ہے، جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔ (پالن پوری)

(۲) یعنی عید کی نماز کا وقت گذرنے کے بعد قربانی ہو سکتی ہے۔ (پالن پوری)

جواب: اُضحیہ [میں] اراقت دم واجب ہے اور پھر گوشت اضحیہ کا مِلک صاحب اضحیہ کے ہے، چاہے سارا خود کھاوے، چاہے سب کو صدقہ کر دیوے، چاہے سارا ہدیہ میں دے دیوے، مستحب یہ ہے کہ ثلث کو صدقہ کرے اور ثلث ہدیہ اور ثلث خود کھاوے، بہر حال گوشت کو جو چاہے سو کرے، اضحیہ فقط ذبح سے ادا ہو جاتا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعۂ کلاں ص ۱۹۲)

(۳۸۵) قربانی کے گوشت میں اگر سب شریک رضامند ہوں تو تقسیم گوشت میں کمی زیادتی کا حکم؟

سوال: قربانی کا گوشت اگر شریک لوگ اٹکل (۱) سے تقسیم کریں اور کسی شریک کے پاس کم جاوے اور کسی کے پاس زیادہ، یا کوئی شریک اپنے حصہ سے زائد چھین لیوے یا چرالیوے، تو وہ قربانی جائز رہی، یا سب کے حصہ کی ناجائز ہوئی۔

جواب: رضامندی سے جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۵۹)

(۳۸۶) قربانی کے جانور میں تقسیم حصص کی ایک صورت کا حکم؟

سوال: سات آدمیوں نے مشورہ کیا، ایک گائے کی قربانی کرنے کا اور کہا کہ ہم سب شریک ہو جاویں گے، اور قیمت گائے کی مبلغ ۹ روپیہ سب کو معلوم تھی، لیکن چونکہ گائے کا مالک قرابتی شخص تھا، اس لئے قیمت گائے کی نہ تو جمع کی اور نہ مالک کو دی، مگر یہ بات ٹھہر گئی کہ اس گائے کی ہم قربانی کریں گے۔ جس روز قربانی کا دن ہوا تو ایک شخص حصہ داروں میں سے، کہیں گیا تھا، نماز عید الاضحیٰ پڑھنے کے واسطے، اور وہ شام تک وہیں رہا، تب ان چھ شخصوں نے مشورہ کیا کہ شاید وہ ساتواں شخص شریک قربانی نہ رہے، تم چھیوں آدمی قربانی کرلو، چھ حصہ ٹھہرا کر اس کا حصہ نہ ٹھہراؤ، غرض ان چھیوں نے قربانی کرلی، بعد قربانی کرنے کے جس وقت گوشت تقسیم کرنا شروع کیا تو وہ ساتواں شخص بھی آ گیا اور کہا کہ میرا حصہ بھی لاؤ اور قیمت میرے حصہ کی لے لو۔ چونکہ اس وقت تک بعضے حصہ داروں نے تو اپنے حصہ کے دام دے دیئے تھے اور بعض کے رہے تھے، تب ان میں جھگڑا ہوا کہ اب اگر ہم شریک کرلیں تو شاید ہماری قربانی بھی جاتی رہے، تو اس صورت میں اگر وہ ساتواں شخص بھی شریک ہو جاوے، تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر گائے کو سات حصہ مقرر کر کے خرید کر لیا تھا، تو وہ شریک ہو چکا ہے۔ اب چھ کے ذبح کرنے سے اور قصد کرنے سے اس کا حصہ ساقط نہیں ہوا، اور جو تجویز ہی تھی، بیع نہیں ہوئی تھی، اس کی غیبوبت میں چھ نے بیع کی، تو اب وہ شریک نہیں ہو سکتا، اگر شریک کریں گے تب بھی درست نہیں، بلکہ شریک کرنا منع ہے، کیونکہ وہ چھے کی قربانی

---

(۱) معمولی، سرسری اندازہ سے۔ (نور)

ہو چکی۔ البتہ ذبح سے پہلے آکر شریک ہو جاتا، تو کراہۃً درست تھا، اب کچھ نہیں ہو سکتا، قربانی ہو چکی۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۱۳۰)

(۳۸۷) قربانی کیلئے باہم معاملہ طے ہو جانے کے بعد، ایک شریک کے موجود نہ ہونے کی صورت میں کیا کیا جائے؟

سوال: تین آدمیوں نے ایک جانور قربانی کرنا ٹھہرایا اور مبلغ (پانچ روپئے) کو وہ جانور ٹھہرا، لیکن ہنوز اس کی قیمت ادا نہیں ہوئی کہ جو روز عید الاضحیٰ کا آ گیا، ان تین میں کا ایک شخص کہیں چلا گیا، کہ اس عرصہ میں ان دو آدمیوں نے کہا کہ شاید وہ تیسرا شریک نہ رہے ہم دونوں ہی قربانی کر لیں، بعدہ ان دو آدمیوں نے قربانی کر لی اور گوشت تقسیم کرتے تھے کہ جو تیسرا ابھی آ گیا اور ان میں تکرار رہا، کہ اب شریک کرنا درست نہیں، آخر ایک حصہ دار تو اپنا نصف حصہ تقسیم کر لے گیا، اور دوسرے نے کہا کہ بھائی! اس حصہ میں ہم اور تم دونوں شریک رہے، وہ ایک حصہ ہر دونوں نے نصفا نصف تقسیم کر لیا اور یہ کہا کہ اگر یوں جائز ہوا، تو میں تم سے تمہارے حصہ کے موافق دام لے لوں گا، اور اگر جائز نہ ہوا تو یہ گوشت میں قرابتی کو دینے میں سمجھ لوں گا، تو اس صورت میں اگر وہ تیسرا شریک رہے، تو قربانی جائز رہی، یا نہیں؟

جواب: اگر گائے کی بیع ہو چکی تھی اور ہر سہ شریک قربانی کے ہو لئے تھے اور قیمت ادا نہیں کی تھی، پھر ایک غائب ہوا اور دو نے جانور ذبح کر لیا، تو وہ ہر سہ کا مال تھا، ہر سہ کی قربانی ہوئی، ہر سہ برابر گوشت لیویں گے اور جو فقط قرار داد قیمت تھی، بیع تام نہیں ہوئی اور پھر دونوں [نے] خرید کر قربانی کی، تو قربانی دو کی ادا ہوئی، نہ تیسرے کے ذمہ سے قربانی ادا ہوئی، نہ اس کی ملک گوشت ہو سکتا ہے۔ نہ اس کی بیع درست ہے کہ گوشت دیکر قیمت گوشت کی لیوے، البتہ قرابت کے سبب جو گوشت اس کو دیا، قربانی اس کی درست ہو گئی، مگر ثالث کے ذمہ قربانی واجب رہی۔

(بدست خاص، سوال ۱۴۳)

(۳۸۸) اگر قربانی کا ایک شریک نہ پیسے دے، نہ گوشت لے تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر قربانی ہونے کے بعد ایک شریک قیمت قربانی کی نہ دے، اور اس قربانی کا گوشت بھی نہ لے تو وہ قربانی جائز رہی یا نہیں، اور اس کے حصہ کے گوشت کو کیا کرے؟

جواب: اس کی طرف سے قربانی ادا ہو گئی، قیمت اس کے ذمہ واجب ہے، اس سے لی جاوے اور گوشت اس کو دیا جاوے۔ (۱)

(بدست خاص ص: ۹)

---

(۱) یعنی یہ اس کا حق ہے اس تک پہنچایا جائے، لیکن اگر وہ اپنی خوشی سے نہ لے تو اس کا بھی اسے اختیار ہے۔ (نور)

(۳۸۹) اگر قربانی کرنے والا قربانی میں غرباء اسلام کی نیت کرلے؟ سوال: آنحضرت ﷺ جو اپنے غرباء امت کی طرف سے دنبہ (کی) قربانی کرتے تھے، تو آیا اب اگر کوئی مالدار قربانی کرے اور وقت قربانی کے یوں کہہ دے کہ ایک حصہ غرباء اہل اسلام یا موتی اہل اسلام کی طرف سے ہے، تو ان کو قربانی کرنے کا ثواب ملے گا، یا جو قربانی کرنے سے ثواب ملتا ہے، وہ ملے گا۔

جواب: کسی کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے، خواہ کوئی ہو، مگر اگر کسی کی طرف سے کرے، تو ایک کے واسطے ایک دم ہو اور جو ثواب پہنچاوے، تو ایک بکری کا ثواب خواہ تمام مسلمانوں کو پہنچا دیوے، درست ہے۔

(بدست خاص، سوال ۱۷)

(۳۹۰) اگر کسی شخص پر قربانی واجب تھی مگر اس نے غرباء اسلام کی طرف سے قربانی کی نیت کی، تو کیا حکم ہے؟ سوال: ایک شخص نے ایک دنبہ قربانی کیا اور کہا کہ یہ دنبہ غرباء اہل اسلام کی طرف سے ہے، تو قربانی اس کے ذمہ سے ادا ہوئی یا دوبارہ قربانی کرے؟

جواب: اس حالت میں قربانی اس شخص کی ادا ہوئی اور غرباء کو ثواب مل جاوے گا۔ (بدست خاص، سوال ۱۷)

(۳۹۱) اگر قربانی کا گوشت لینے والا کوئی نہ ہو، تو اس کا دفن کرنا؟ سوال: اگر فرض کیا جاوے سو آدمی ہیں اور ہر ایک نے جداگانہ قربانی کی، اور بوجہ عدم موجودگی اشخاص لینے والوں کے، گوشت قربانی عیدالاضحیٰ [زمین] میں دفن کیا گیا، اور کھال بیت المال میں داخل ہوئی۔ پس بصورت مذکور قربانی کرنی جائز ہے، یا نہیں؟ اور بحالت نہ کرنے قربانی کے حج ہوسکتا ہے، یا نہیں، اور کھال ذبیحہ قربانی کی بیت المال میں داخل ہونی چاہئے، یا نہیں؟

جواب: اوپر جواب میں واضح ہوگیا کہ قربانی اراقت دم کا نام ہے، گوشت سے کچھ علاقہ نہیں، اگر گوشت کو بلاحاجہ دفن کردیں گے، جب بھی اضحیہ میں کچھ نقصان نہیں ہوتا، البتہ مال ضائع کرنے کی برائی ہووے گی، اور جو کوئی (گوشت) کھانے، لینے والا نہیں، تو دفن کرنا ضرور ہے تا [کہ] تعفن سے خلق کو اذیت نہ ہووے، اور کھال بھی ملک مالک کے ہے، خواہ خود اپنے کام میں لاوے، خواہ بیت المال میں دیدیوے، کیا حرج ہے جس کو چاہے دیوے، جہاں چاہے صرف کرے۔

اور حج دوسری عبادت ہے اور قربانی دوسری، حج کو قربانی سے کیا علاقہ ہے، اگر حج کرنے کو جاوے اور قربانی نہ کرے تو حج میں کچھ کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا، اگر قربانی نہ کی اور حاجی پر بسبب سفر کے قربانی واجب نہ ہو، تو ظاہر ہے اور سفر نہیں رہا تھا [کذا] اور قربانی واجب تھی، پھر بھی اگر حاجی نے قربانی نہ کی، تو قربانی نہ کرنے کا گناہ اس پر ہووے گا، مگر حج میں کچھ نقصان نہیں ہوتا، البتہ جو ذبح حج کے متعلق ہے، اگر اس کو نہ کرے گا تو حج میں قصور رہے گا۔ فقط کھال کو بیت المال میں سب ذباع کی

دینی درست ہے، خواہ اضحیہ ہو خواہ ذبح متعلق حج کا ہو، فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۹۲۔۱۹۳)

(۳۹۲) اگر قربانی کا گوشت لینے والا کوئی نہ ہو تو؟ **سوال:** اگر کوئی شخص گوشت قربانی لینے والا نہیں ہے، تو بس قربانی کرنے والا بوجہ دفن کرنے گوشت قربانی کے، گنہگار ہوا یا مصیب بہ ثواب؟

جواب: اگر کوئی گوشت لینے والا نہ ہو، تو دفن کرنا موجب ثواب کا ہے، کہ خلق کو تکلیف بدبو سے محفوظ رکھتا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۱۹۳)

[نوٹ: ایک اور مسئلہ: قربانی کا گوشت کافر اور بھنگی، چمار کو دینا، کیسا ہے؟ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۳۹۳) خصی جانور کی قربانی درست ہے: **سوال:** خصی جانور کی قربانی درست ہے، یا نہیں؟

الجواب: درست ہے۔

(مجموعہ رام پور ص ۱۰)

(۳۹۴) نادیہ بیل کی قربانی کا حکم؟ **سوال:** نادیہ بیل اس کو کہتے ہیں جس کے کہیں بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا زائد ہو جاوے، مثل جیب [زبان میں] کے، یا کم [ہو جائے] اور ہنود اس کو معیوب جان کر ڈکوت [1] کو دیتے ہیں، اس کا خریدنا، یا قیمت سے خرید کر قربانی کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: نادیہ کی قربانی درست ہے، اس کو کفار معیوب و منحوس جانتے ہیں، اس میں کوئی عیب شرعی نہیں۔

(بدست خاص سوال ۸۲)

(۳۹۵) اگر جانور کا کان چرا ہوا ہو تو اس جانور کی قربانی کا حکم؟ **سوال:** جس جانور کا کان طول میں یا عرض میں چرا ہوا ہو، یعنی شگاف ہے زائد از تہائی، لیکن جدا نہیں ہوا، تو اس کی قربانی کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: شگاف گوش میں کان [سے] کچھ کم نہیں ہوتا، لہٰذا اسکی قربانی درست ہے، مگر اولیٰ نہیں۔

(بدست خاص سوال ۵۵)

(۳۹۶) جس جانور کے کچھ دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی کا حکم؟ **سوال:** جس جانور کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی بھی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ دانتوں کے ٹوٹ جانے کی تعداد ہے؟

جواب: اگر چارہ وغیرہ کھانے کے بقدر دانت موجود ہوں، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (بدست خاص ص ۵۲)

---

(۱) ڈکوت: ایک ہندو قوم کا نام جو باپ کی طرف سے برہمن اور ماں کی طرف سے گوالے ہوتے ہیں۔ نور اللغات، مولوی نور الحسن نیر کاکوروی ص: ۱۴۸ جلد ۳ (دہلی ۱۹۹۸ء) یہ لوگ ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں اور مذہبی رسومات کے لئے دئے اور نامزد کئے گئے جانوروں کے، پالنے کا اور ان کی خرید و فروخت کا کام کرتے تھے (نور)

(۳۹۷) نادیہ بیل کی اگر اکثر آنکھ جاتی رہی ہو تو اس کی قربانی؟ سوال: جس نادیہ بیل کے آنکھ میں جیب، یعنی گوشت زائد ہو جاوے، وہ بھی قربانی کرنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر آنکھ میں گوشت آنے سے نظر آتا ہے، تو درست ہے، اور جو اکثر نظر آنکھ کی جاتی رہی ہو تو درست نہیں۔

(بدست خاص، سوال ۸۳)

(۳۹۸) جس جانور کو ہندوؤں نے دیوتا کے نام کردیا ہو، مگر اپنی ملکیت میں رکھا، اس کی قربانی کا حکم؟ سوال: ہندو بعضے جانور کو کسی دیوتا وغیرہ کے نام کا کر دیتے ہیں اور اس کو دئی کہا کرتے ہیں، مگر مالک متصرف اس پر خود ہی رہتے ہیں۔ فقط اس کے دودھ کو جما کر گھی نہیں نکالتے ہیں، باقی دودھ بھی خود ہی پیتے ہیں اور اس کو فروخت بھی کر دیتے ہیں، تو ایسے جانور کا خرید کرنا خواہ قربانی کرنا، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۴۴)

(۳۹۹) فاسق کی کی ہوئی قربانی کا گوشت لینے کا حکم؟ سوال: جو شخص قربانی نکالے، یا قربانی میں بکرا ذبح کرے یا گائے کرے، تو اس میں کچھ گوشت اپنے بھائی کو دے، کچھ اقرباء کو دے، کچھ مسکین کو دے، ایسے ہی شخص مومن مسکین کو دے اور اقرباء مومن کو دے، تو ایسے شخص فاسق وفاجر کا مال مومن مسلمان کو، قربانی کا گوشت لینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: فاجر وفاسق سے دوستی اور محبت کرنا تو اچھا نہیں، مگر اس کی عیادت کرنا اس لحاظ سے کہ شاید اس کو عبرت ہو، یا اپنے اوپر سے رفع شر کا کرنا، یا کوئی نفع دین کا ہو تو درست ہے۔ اور [مال] جو وہ صدقہ کرے یا گوشت قربانی کا کسی کو دیوے، اگر اس کے مال کی حرمت کا یقین ہو، وہ حلال مال ہونے کا غالب گمان ہے، تو لینا اس کا مسلمان کو درست ہے، کچھ حرج نہیں، مگر دوستی محبت ایسے سے نہ کرے، بلکہ اس کو بوجہ اللہ تعالیٰ ہو سکے تو نصیحت کرتا رہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۱۱-۲۱۲)

(۴۰۰) کیا قربانی کی کھال سادات کو دینا جائز ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ کھالان قربانی کی مسجدوں میں مؤذنوں کو اور اماموں کو تصدق کر دیتے ہیں، اور بعض ان میں سید بھی ہوتے ہیں، تو عند الشرع سیدوں کو دینا جائز ہے، کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: سید اور غنی کو گوشت وکھال قربانی دینا کچھ حرج نہیں۔ جو کچھ سید کو دیا جاتا ہے یا غنی کو وہ صدقہ نہیں، بلکہ ہدیہ [ہے]، جیسا گوشت سب کو دینا درست ہے، کھال بھی درست ہے۔ اگر کھال کو فروخت کر کے قیمت اس کی

دیوے تو پھر غنی اور سید کو درست نہیں، کہ قیمت کا صدقہ ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی

(مجموعۂ کلاں ص ۱۳۲)

(۴۰۱) قربانی کی کھال چاہے خود رکھے چاہے غنی کو دیدے:

مسئلہ: قربانی کی کھال کا مختار ہے، چاہے خود استعمال کرے، چاہے صدقہ فقیر کو دیوے، چاہے ہبہ غنی کو کردیوے، واجب کچھ نہیں، اختیار ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۴۴)

(۴۰۲) قربانی کی کھالوں کا مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں باب: کہ قیمت قربانی کی کھالوں کی تعمیر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: قیمت جلد اضحیہ کا صدقہ کر کے فقیر کو مالک کرنا واجب ہے، مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا درست نہیں ہے، مگر کسی فقیر کو مالک کر دیوے اور فقیر اس کو اپنی طرف سے تعمیر مسجد میں صرف کرے، تو درست ہے۔ فقط

(تحقیق المسائل، تالیف مولانا سید دیدار علی الوری ص ۱۸۔۱۹)

(۴۰۳) قیمت چرم مسجد میں لگانا درست نہیں:

سوال: زید کہتا ہے کہ چرم قربانی مسجد میں لگانا اور عمر کہتا ہے کہ چرم قربانی موذن کو یا کسی یتیم کو دینا چاہئے، یہاں پر ہمیشہ چرم قربانی کا موذن کو دیا جاتا تھا، امسال بعض لوگوں نے اس کو فروخت کیا اور مسجد بنانے میں صرف کرنے کا خیال ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ کس کا حق ہے؟

الجواب: چرم قربانی موذن کو اس کی اجرت اذان و خدمت مسجد میں، دینا اور مسجد کی تعمیر و ضروریات میں لگانا درست نہیں ہے، بلکہ جب کھال کو فروخت کیا گیا، تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہو گیا، اور اس کو انہی مصارف میں صرف کرنا ہوگا جو صدقات واجبہ کے مصارف ہیں اور تملیک متحقق ہو جائے۔ پس موذن کو...... مسجد و اجرت اذان کے طور پر دینا درست نہیں ہے، اگر وہ غریب آدمی ہو اور مالک نہ ہو، تو اس کو بطور صدقہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ سید نہ ہو۔

قال فی الدر المختار: لایصرف إلی بناء نحو مسجد الخ(۱) قال فی الشامی: قوله نحو مسجد کبناء القناطر و السقایات، و إصلاح الطرقات و کری الأنهار الی أن قال و کل مالا تملیک فیه(۲)

پس صورت مسئولہ میں نہ قول زید کا درست ہے نہ عمر کا، البتہ اگر مسجد میں ضرورت ہے تو اس قیمت چرم قربانی کو کسی غریب کو جو سید نہ ہو دے کر اور مالک بنا کر، پھر ضرورت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں، بغیر اس طریق کے درست نہیں۔

کتبہ رشید احمد عفی عنہ　　　الجواب صحیح بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ

مندرجہ فتاوی دار العلوم (دیوبند) مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب ص ۲۹۴ ج ۶۔ (دیوبند: ۱۳۹۲ھ)

(۱) الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف (۱/۱۴۰-۱۴۱) عکس کتبخانہ دیوبند ۱۳۳۲ھ [نور]

(۲) ردالمحتار کتاب الزکاة، باب المصرف (۶۲/۲) (کتبخانہ دہلی ۱۲۸۸ھ) نیز باب مذکور ج: ۲/ص: ۳۴۴، مطبع دار الفکر بیروت لبنان، طبعہ اولی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء [نور]

(۴۰۴) چرمِ قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے قربانی کی کھال کی قیمت سے کتب بنابر درس وتدریس خرید کرلیں، اور بعد خرید حکم [عدم] جواز معلوم ہوا، اب اگر کتب مذکورہ فقراء کو دی جاویں، تو شخص مذکور ضمانت سے بری ہوجائے گا، یا نہیں؟ اور کھال قربانی سے ان کتب کو بدلنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: کھال سے کتاب کا بدلنا درست ہے مگر قیمت کھال کا صدقہ کرنا واجب ہے، اس سے جو کتاب خریدکی، اس کو آپ ضمان دینا چاہئے کہ قدر قیمت کے فقراء کو دیدیوے، اور کتاب کے صدقہ کرنے سے ضمان ساقط نہ ہووے گی۔(۱) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۲-۱۳۳)

(۴۰۵) قربانی کی کھالوں کی قیمت کا صدقہ واجب ہے: **سوال:** قربانی کی کھال فروخت کرکے اس کی قیمت سے مدرسوں کی تنخواہ دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: قربانی کی کھال کو [فروخت] کرکے فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، تنخواہ مدرسین اس سے درست نہیں، بلکہ طالب علمانِ مفلس کو دیویں۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۳۳-۳۴-۳۶)

(۴۰۶) قربانی کے جانور کے سامان کا شرعاً کیا کیا استعمال درست ہے؟ کیا حکم ہے علمائے دین کا ان مسائل میں:

کھال وجھول باگ ولحم وغیرہ قربانی کو مسجد میں دینا، کہ متولی مسجد فروخت کرکے فرش وغیرہ ضروریات مسجد میں خرچ کرلے جائز ہے، یا کیسا؟

کھال ورسن وباگ کو قربانی والا واسطے استعمال مصلے وڈول کے اور رسن کو پانی کھینچنے کے لئے، مساجد میں وقف کردیوے آیا جائز ہوگا، یا نہیں؟

کھال وجھول وباگ وغیرہ جن کو حکم تصدق کا ہے، آیا شخص غنی ذی نصاب کو بھی دینا درست ہے جیسا کہ لحم وپائے وغیرہ کا غنی کو دینا، یا خود غنی صاحب قربانی کو کھانا اور کھال کا استعمال کرنا درست ہے۔

---

(۱) قربانی کرنے والا خود کھال بھی استعمال کرسکتا ہے اور کسی ایسی چیز سے جو باقی رہنے والی ہو، بدل بھی ہوسکتا ہے جیسے کھال کے بدلہ میں کتاب لے لی، تو اس کا استعمال درست ہے مگر جب کھال بیچ دی، تو اب قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، اس میں کوئی تصرف جائز نہیں۔ پس اس سے کتاب خرید کرنے کی وجہ سے ضمان واجب ہوگا اور کتاب کا مالک وہی ہوگا۔ (پالن پوری)

تو پھر تصدق کے معنی خاص تصدق بمعنی تملیک فقراء کے ہوں گے، یا عام تصدق بمعنی ہبہ، چاہے غنی ذی نصاب کو دے، چاہے فقیر کو، یا تملیک ہی شرط نہیں ہے، جس جگہ چاہے خرچ کر دیوے۔

سہارنپور میں یہ تعامل ہو رہا ہے کہ امام یا موذن یا دوسرے خدمت گذار مسجد کو جب مقرر کرتے ہیں، کہہ دیا جاتا ہے کہ جو آمدنی بعد ختم قرآن مجید ماہ رمضان میں ہوگی، یا جو آمدنی بعد عید الاضحیٰ کے کھالہائے قربانی کی، اہل محلہ سے آوے گی، وہ تم کو ملے گی، اور اگر بالفرض کسی جگہ نہ کہا جاوے، تو بسبب عرف کے ان خدمت گذاران کو خود معلوم ہے، کہ آمدنی معمولہ ملے گی اور عام لوگ موافق تعامل کے برابر خدمت گذاران مسجد کو، خواہ مخواہ وہ ذی نصاب ہوں، یا نہ ہوں، دیتے چلے جاتے ہیں، آیا یہ دینا جائز ہوگا اور قربانی میں کچھ خلل واقع نہ ہوگا، یا کیا حکم ہے، یا کچھ تفصیل ہے؟

اور اگر قربانی والا اس خیال سے کہ یہ خدمت گذار مسجد مذکور الصدر بھی، صاحب حاجت ہے، اور مجھ کو حاجت مذکور [میں] دینا ہے، خدمت گذار مسجد بہ نسبت دوسرے حاجت مند کے بہتر ہے، بلالحاظ ان کے اجرت خدمت کی، خواہ ذی نصاب ہوں، خواہ فقیر دیوے، یہ امر موجب خرابی قربانی کا تو نہ ہوگا، یا کیسا؟

اور خرید کتب وقفیہ مدارس میں، خواہ ان کی جلد وغیرہ میں بھی یہ کھال وغیرہ صرف ہو سکتی ہیں، یا نہیں، ظاہراً کارکن مدرسہ کے متولی ہوں گے، تملیک کسی خاص شخص کی نہ ہوگی، بینوا توجروا!

اگر کوئی روایت فقہ کی کسی کتاب میں ہو، اس کتاب کا حوالہ مع نشان باب کے درج فرماویں۔

الجواب: قربانی کے کھال ولحم کا اگر کسی کو مالک کر دیوے اور وہ موہوب لہ اپنی ملک کو بیع کر کے مسجد میں یا جہاں خرچ کرے درست ہے، اور صاحب قربانی کو یہ سب امور ناجائز ہیں۔ فقط

کھال ورسن کو مسجد میں رکھنا درست ہے اور ملک دینے والے کی پر رہ کر، مستعمل ہووے گا، بطور وقف کے، یہ درست ہے۔ کھال وغیرہ غنی کو دینا درست ہے، تصدق کرنا فقیر کو ہوتا ہے اور آپ استعمال کرنا بھی درست ہے اور ہبہ اور ہدیہ بھی اس کا درست ہے۔ تصدق واجب نہیں علی التخییر ہے۔

اول تو اجرت امامت اور تاذین کی مکروہ ہے، پھر اگر فتوی متاخرین پر جائز کہا جاوے، تو یہ تعارف سہارنپور کا مجہول، ایسی اجرت ناجائز، ہاں بطور وعدہ کہہ دیوے تو مضائقہ نہیں۔ اور تصریح وعدہ کی کر دیویں ورنہ المعروف کالمشروط سے کراہت آجاوے گی، مگر قربانی میں اس سے کوئی خلل نہیں، جیسا اوپر سے واضح ہو گیا۔

اور مدارس میں اگر کھال مہتمم یا کسی کو دیویں، کہ وہ فروخت کر کے صرف کرے تو کوئی قید نہیں، مالک جس طرح چاہے صرف کرے، ورنہ رعایت قاعدہ کی رہے گی کہ کھال سے استبدال کتاب کا درست ہے، مگر فروخت کرنا روپے سے اور پھر

خریدنا یا جلد بنوانا ناجائز ہے۔ اور جو روپیہ قیمت کھال کا آوے، اس کو فقط طلباء پر صرف کرنا بطور صدقہ درست ہے، اور سب امور اس سے کرنا عین جائز ہے، مہتمم مدرسہ وکیل صرف کا ہوتا ہے، مثل مالک کے اس کو صرف کرنا چاہئے، فقط۔ روایات فقہ حدیث سب کچھ ہیں، مگر فرصت نقل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

[طریقۂ شریعت تالیف مولانا حشمت علی خلف سید محمد علی بخش بنارسی (شاگرد، مولانا محمد مظہر نانوتوی) حاشیہ ص ۸۱ تا ص ۸۸ [مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۳۰۴ھ]

(۴۰۷) علمائے دیوبند قربانی کی کھالیں فروخت کرکے، کتابوں کی جلدسازی کیلئے کیوں استعمال کرتے ہیں؟

سوال: مدرسہ دیوبند کے حالات ایک کتاب میں مطالعہ سے گذرے، ان سے معلوم ہوا کہ قربانی کی کھالیں بھی، اس مدرسہ کے امداد کے واسطے بھیجی جاتی ہیں اور ان کو فروخت کرکے، منتظم لوگ ان کی قیمت سے کتابیں خرید کرتے ہیں، اور کتابوں کی جلدیں اور مدرسہ کا فرش بھی بنواتے ہیں۔ سو قابل سوال یہ امر ہے کہ وہاں کے علماء نے اس مسئلہ میں، فقہائے حنفیہ کی مخالفت کس مصلحت سے جائز رکھی ہے اور یہ پھر سننا چاہئے کہ وہاں کے عمائد اکثر مسائل فقہ میں اور مدرسہ کے انتظام میں، آپ کی مخالفت نہیں کرتے ہیں، بلکہ آپ کے ارشاد کو واجب العمل جانتے ہیں، لہٰذا امیدوار ہوں کہ میرے شبہ کا جواب شافی تحریر فرمائیں۔

جواب: مدرسہ دیوبند میں قیمت جلد اضحیہ مہتمم کے سپرد کرتے ہیں، وہ اس کی کتب خرید کر طلبہ کو دیدیتے ہیں، یا خوراک میں دیتے ہیں اور جلد اگر بنواتے ہیں تو طالب علم کو دے کر اس سے بنوا دیتے ہیں، حیلہ بضرورت کرتے ہیں، اور کسی فقیہ حنفی کی مخالفت اس میں نہیں ہوتی، معلوم نہیں آپ نے کس امر کو خلاف فقہ تجویز کیا ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۱۰۔۱۴)

ذبح وغیرہ کے متفرق مسائل

(۴۰۸) تکبیر وتسمیہ صرف ذبح کرنے والے کے ذمہ ہے:

مسئلہ: از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ: ذبح کرنے والے پر ایک دفعہ تکبیر واجب ہے اور پکڑنے والے پر نہیں ہے، اس صورت میں کہ ذبح کرنے والے نے تکبیر کہہ لی ہے، اس جانور مذبوحہ میں کچھ حرج نہیں اور وہ حلال ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم (فرخ آباد ص ۱۷)

(۴۰۹) اگر تکبیر وتسمیہ صرف دل میں پڑھی زبان سے حروف ادا نہیں کیے تو؟

سوال: اگر وقت ذبح تکبیر دل ہی دل میں کہی، یا زبان سے بھی کہی مگر ایسی خفیہ کہی کہ خود بھی نہیں سنی، تو وہ ذبیحہ حلال رہا، یا حرام؟

(۱) فقہ میں ایک مسئلہ ہے کہ معین ذابح پر بھی تسمیہ واجب ہے اس کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے کہ جانور کے پیر پکڑنے والے پر بھی تسمیہ واجب ہے، حالانکہ معین ذبح سے مراد وہ قصائی ہے، جو ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھتا ہے اور دونوں کر چھری چلاتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے غالباً یہی مسئلہ پوچھا گیا، جس کی حضرت نے وضاحت فرمائی۔ (پالن پوری)

جواب: تکبیر وتسمیہ زبان سے کہے، ایسا کہ آپ سنے، فقط دل کے کہنے سے حلال نہیں ہوتا۔

(بدست خاص سوال ۱۰۷)

(۴۱۰) ذبح کے وقت تکبیر وتسمیہ پڑھنا بھول گیا تو؟ **سوال:** وقت ذبح کرنے جانور کے اگر تکبیر پڑھنا یاد نہ رہے اور بلا تسمیہ ذبح کردی ہے، تو جائز ہے، یا ناجائز؟

جواب: نسیان سے تکبیر کا نہ ہونا معاف ہے، ذبح درست ہو جاتا ہے۔ فقط　(بدست خاص سوال ۱۰۶)

(۴۱۱) ذبح فوق العقدہ کا حکم؟ **سوال:** مذبوحہ فوق العقدہ طاہر باشد یا غیر طاہر، حلال است یا نہ؟ ہر چہ باشد جواب تحریر فرمائید، اجر یابید۔

ترجمہ: وہ جانور جو عقدہ (گلے پر ابھری ہوئی ہڈی) کے اوپر ذبح کیا گیا ہو، پاک ہے یا ناپاک؟ حلال ہے یا نہیں؟ جو صورت بھی ہو جواب تحریر فرمائیں، اجر پائیں گے۔

جواب: در مذبوح فوق العقدہ اگر مرئی قطع شود حلال است، و اگر مرئی ہم قطع نمی شود حرام، ایں را صاحب درمختار مرجح کردہ و جمع روایات نمودہ و ہمیں ارجح باشد۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ: عقدہ سے اوپر ذبح جانور کی، اگر مرئی (خاص رگ) کٹ گئی تو حلال ہے اور اگر یہ رگ نہیں کٹی تو حرام۔ اسی کو درمختار کے مصنف نے ترجیح دی ہے اور سب روایات جمع کی ہیں، یہی سب سے بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ　رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　(مجموعہ کلاں ص ۱۰۸)

(۴۱۲) ذبح کے وقت گردن کی گرہ سے اوپر کٹ جائے تو؟ **سوال:** گردن میں جو ایک گرہ ہوتی ہے جانور کے ذبح کرنے میں، اگر اس گرہ سے اوپر ذبح ہو جائے، تو درست رہتا ہے، یا نہیں؟

جواب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ اگر نلی اور دونوں رگیں کٹ جاویں، تو حلال ہے ورنہ حرام۔ پس یہ تحقیق کر لینا چاہئے، کہ گرہ کے کٹنے سے یہ تینوں کٹتے ہیں، یا نہیں؟ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی　(بدست خاص ص ۴۹)

(۴۱۳) ذبح کرنے کے بعد اگر جانور نے حرکت کی ہو، چاہے خون نہ نکلے تو وہ حلال ہے:

السلام علیکم و علی من لدیکم. حامداً و مصلیاً! کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں:

سوال: ایک شخص نے کسی جانور پرند یا ہرن وغیرہ کا بندوق سے شکار کیا اور زخمی ہو کر وہ جانور گر گیا، اور اس کو ذبح کیا، ذبیحہ میں کچھ خون نہیں دیا اور بعد ذبح وہ جانور تڑپتا بھی رہا،

اس حالت میں بغیر نکلے خون کے، اس کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: بعد ذبح کرنے کے ہرگاہ کہ جانور نے حرکت کی ہے، تو اگرچہ خون نہیں نکلا، وہ جانور حلال ہو گیا، اس کا کھانا درست ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ۱۶۹)

(۴۱۴) کافر کا قول کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، کب معتبر ہے؟ **سوال:** ترجمہ کنز میں لکھا ہے کہ اگر کافر کہے، کہ یہ گوشت مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، تو اس کا قول مانا جاوے گا۔ اور ایک فتویٰ میں لکھا ہوا ہے، کہ جب تک مسلمان کے سامنے کہ جس کے روبرو وہ گوشت ہوا ہے رہا، تب تک پاک ہے، اور اگر کچھ دیر بھی اس مسلمان کی نظر سے وہ گوشت غائب ہوا، تو وہ ناپاک ہے، پھر اس کافر بیچنے والے کا کہنا نہ مانا جاوے گا، ان میں کون سا قول معتبر ہے۔

جواب: یہ قول دونوں درست ہیں، مگر تمہاری سمجھ میں ان کا فرق نہیں آیا۔ (۱) (بدست خاص ص ۵۰)

(۴۱۵) اگر جانور کا گوشت اور کھال ذبح کرنے سے پہلے، الگ الگ بیچ دے تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** بعض جگہ ایسا کرتے ہیں کہ گائے کی کھال اور پیٹا قبل از ذبح قصاب کو قیمت کر دیتے ہیں، کہ اتنے میں کھال اور پیٹا اور اتنے میں گوشت۔ تو یہ تو معلوم ہے کہ یہ بیع کرنا منع ہے، مگر اور خریداروں کو وہ گوشت کھانا خرید کر، جائز ہے یا نہیں، یا فقط قیمت کھال کی ٹھہرائی اور گوشت بعد ذبح بیچا، تب بھی وہ گوشت کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: گوشت کھانا جائز ہے، خریداروں کو بیع صحیح کے ساتھ، کہ گوشت کو بہ بیع صحیح خریدیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۵۵)

(۴۱۶) ذبح سے پہلے جانور کی کھال فروخت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ؟ **سوال:** گائے وغیرہ کا چمڑا قبل از ذبح قیمت ٹھہرانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، اگر اسی جلسہ میں نکال کر قبضہ کرا دیویں، ورنہ منع ہے اور بیع فاسد ہے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۳۷)

---

(۱) معاملات میں فاسق، کافر، اور غلام کا قول معتبر ہے کیونکہ معاملات بکثرت پیش آتے ہیں، اور دیانات میں عدالت شرط ہے پس فاسق اور کافر کا قول معتبر نہیں اور یہ خبر دینا کہ یہ گوشت مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا ہے از قبیل معاملات ہے اور ان میں کافر کا قول معتبر ہے اور کسی گوشت کا حلال یا حرام ہونا از قبیل دیانات ہے اور ان میں کافر کا قول معتبر نہیں، پس اگر کوئی کافر کہے کہ یہ گوشت حلال ہے تو اس کا یہ قول معتبر نہیں۔ یہ مسئلہ درمختار شامی میں کتاب الحظر والاباحۃ کے شروع میں ہے، کہ کافر کا قول کہاں مانا جائے گا اور کہاں نہیں مانا جائے گا۔ (پالن پوری)

عقیقہ اور متعلقہ مسائل

(۴۱۷) عقیقہ امر مستحب ہے مگر ہر سال کی نذر ماننے سے؟ **مسئلہ:** عقیقہ امر مستحب ہے اور ایک بار مستحب ہے۔ سو جس نے نذر کی ہے ہر سال ذبح کرنے کی اس نے نذر کی ایک امر کی کہ مثل اس کے شرع میں واجب ہے یعنی اضحیہ تو اب ہر سال کا عقیقہ نذر کے سبب واجب ہوا اور منذور میں سے کھانا ناذر کو نہیں چاہئے اگر اس میں سے کچھ کھایا تو قدر اس کے صدقہ کر دیوے۔ فقط

(مکتوب بنام مولانا خلیل احمد مجموعہ مکتوب ۱۸)

(۴۱۸) قربانی میں عقیقہ کا حصہ کرنا؟ **سوال:** ایک گائے میں چھ شریک قربانی کی نیت رکھتے ہیں اور ساتواں شریک عقیقہ کی نیت رکھتا ہے تو اس طور سے قربانی اور عقیقہ ایک جانور میں درست ہے یا نہیں؟

جواب: یہ شرکت درست ہے۔ واللہ اعلم

(بدست خاص ص ۹)

(۴۱۹) عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنی درست ہے: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ جو اکثر کتب میں مندرج ہے، کہ ذبیحہ عقیقہ کی ہڈی نہ توڑی جائے، اس کی کیا اصلیت ہے اور اگر صحیح ہے تو کون سی ہڈی مراد ہے؟

جواب: عقیقہ کے ذبیحہ کی ہڈی توڑنی درست ہے سب ہڈیاں توڑنی جائز ہیں، مثل قربانی کے۔ یہ امر کہ عقیقہ کی ہڈی نہ توڑے کوئی روایت نہیں، محض قول ہے اور بس۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۸۰)

(۴۲۰) ختنہ کے لئے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں ہے: **سوال:** بعض آدمی جو پیدا ہوئے لڑکے کے یا دو چار روز بعد ختنہ کرا دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس سے مسان کا خلل بچہ کو نہیں ہوتا، آیا یہ فعل بجائے شریعت یا حکمت کیسا ہے اور بطور مسنون ختنہ کرنا، کتنی عمر میں چاہئے؟

جواب: بطور علاج درست ہے شرع سے ممانعت نہیں اور ختنہ کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۳۰)

(۴۲۱) ختنہ کے موقع پر زبردستی پیسے وصول کرنا ناجائز ہے: **سوال:** ایک قوم ختنہ کی ہے اس میں مبلغ دس روپیہ بہادری (اس سے) لیتی ہے چاہے غریب ہو چاہے یتیم ہو جب تک اس سے دس روپے نہ لے جاویں

تب تک اس کی ختنہ نہیں ہونے دیتے، بلکہ جبراً مبلغان مذکور لیتے ہیں، یہ دس روپیہ مذکور لینے جائز ہیں، یا نہیں؟ یہ رسم توڑ ڈالنے (کے) قابل ہے، یا نہیں؟

جواب: ختنہ بدون روپیہ لئے برادری نہ ہونے دیوے یہ ظلم ہے، ایسا روپیہ لینا حرام ہے اور اس رسم ظلم کا ترک کرنا واجب ہے، خصوصاً یتیم سے روپیہ لینا سخت حرام ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فیوض رشیدیہ ص ۸)

(۴۲۲) بچے اور بچی دونوں کے کانوں میں اذان مستحب ہے: سوال: لکھا ہے کہ پسر کے کان میں اذان کہنا، بعد پیدائش کے مستحب ہے، تو دختر کے کان میں اذان کہنے کا بھی یہی حکم ہے، یا یہ حکم فقط لڑکے کے واسطے ہی ہے؟

جواب: اذان گوش دختر میں بھی مستحب ہے۔ واللہ (تعالیٰ) اعلم

(بدست خاص، ص ۱۰)

(۴۲۳) اذان ولادت کے فوراً بعد ہونی چاہئے: سوال: بعد پیدائش کے اذان کان میں کہنے کی [بعد] تولد کے کیا حد ہے، آیا فوراً بعد وضع حمل کے کہی جاوے، یا کئی روز بعد؟

جواب: بعد تولد کے فوراً اذان کہنی چاہئے، تا کہ اول اس کے کان میں خدا کا نام پڑے، مگر بعد غسل ہونا چاہئے۔

واللہ (تعالیٰ) اعلم　(بدست خاص، ص ۱۰)

ساتواں باب

کتاب الحج

حج اور اس کے مسائل ومتعلقات

(۴۲۴) جائداد کی فروخت کی صورت میں کب حج فرض ہے؟ سوال: ایک شخص قرض دار ہے، اور ایسی جائداد رکھتا ہے، اگر اس کو فروخت کرے، تو قرض بھی ادا ہو جاوے اور مبلغ تین سو روپئے بچ بھی جاویں، تو اس پر حج کرنا فرض ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر سوائے خانہ سکونت کے جائداد ہے، کہ اس کی قیمت سے قرض ادا کر کے اور آنے تک کا نفقہ عیال کا دیکر، اس قدر باقی رہے کہ حج کر لیوے، تو حج فرض ہوگا اور اب دو سو روپیہ میں حج ہو سکتا ہے۔

(بدست خاص ص ۱۳۳)

(۴۲۵) رمضان المبارک کے عمروں سے حج افضل ہے: مسئلہ: رمضان (مبارک) کے عمروں سے حج افضل ہے، عمرہ رمضان کا انعام مراد ہے کہ حج نفل کے اصلی ثواب کے برابر، انعام عمرہ رمضان کا ملتا ہے، انعام حج نفل بہت ہے، جیسا یٰسین کے جواب میں گذرا۔(۱) بعد نماز فجر کے اشراق پڑھ کر جانا بھی حج عمرہ کے برابر ہے، پھر کاہے کو کوئی حج کو جاوے اور تکلیف اٹھاوے۔(۲) فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۲۰)

(۴۲۶) مدینہ منورہ حج سے پہلے جانا افضل ہے، یا بعد میں؟ سوال: حج سے پہلے مدینہ شریف جانا افضل ہے، یا بعد میں، یا برابر ہے؟

---

(۱) یہ جواب زیر نظر مجموعہ فتاوی میں دوسرے مقام پر درج ہوا ہے۔ [نور]

(۲) یہ دلیل ہے: حدیث میں ہے کہ نماز فجر کے بعد اگر کوئی اشراق تک اسی جگہ رہے، اشراق پڑھ کر گھر لوٹے تو اس کو ایک حج کا اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے، یہ اصلی ثواب ہے اور حج اور عمرہ کا انعامی ثواب ہے، حساب ہے، ورنہ لوگ حج اور عمرہ کیوں کرتے۔ (پالن پوری)

جواب: بہتر بعد حج کے جانا ہے، پہلے جاوے تو جب بھی کچھ حرج نہیں۔ فقط

(بدست خاص سوال ۱۲۶)

(۴۲۷) طواف خانہ کعبہ، حجر اسود کے بوسہ کی وجہ اور زم زم کے لانے کا جواز اور شرعی حدود؟

مسئلہ: طواف خانہ کعبہ کا اور بوسہ حجر اسود کا، بحکم حق تعالیٰ عبادت ہوا ہے اور زم زم کا لانا بھی، بحکم شرع درست ہوا ہے، مگر طواف سوائے بیت اللہ کے دوسری شے کا حرام ہے، اور بوسہ بھی قبور وغیرہ اشیاء کو دینا حرام ہے، لیکن جس شے کا بوسہ شرع نے جائز کر دیا، وہ درست ہے، جیسا استاد، پیر حق کے ہاتھ کو، قرآن شریف کو، مگر قبر کو بوسہ دینا گناہ ہے۔ زمزم کو بصورت گنگا کے پانی کے لانا بھی منع ہے اور بدون اس صورت کے لانا، جیسا کہ لوگ لاتے ہیں درست ہے، جیسا کنویں کا پانی لاتے ہیں، اسی طرح زمزم کا لاوے تو کیا حرج ہے، دور سے لانے میں گرنے اور خشک ہونے کا اندیشہ ہے، اس واسطے ٹین کے برتن میں منہ بند کر کے لاتے ہیں، اگر شیشہ میں یا بوہیہ میں رکھ کر، گنگا کے لوگوں کی طرح لاوے گا تو بیشک حرام ہے۔ یہ سب مسائل کتابوں میں مفصل لکھے ہیں۔ فقط والسلام

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۶-۲۲۷)

آٹھواں باب

کتاب النکاح والطلاق

[نکاح، مہر، طلاق، رضاعت وغیرہ کے مسائل]

(۴۲۸) باپ کی مزنیہ سے بیٹے کا نکاح؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ زید، اپنی ایک منکوحہ رکھتا ہے اور اس منکوحہ سے ایک لڑکا بالغ ہے۔ زید ایک عورت غیر سے ہم پیالہ وہم نوالہ رہتا ہے اور برتاؤ منکوحہ جیسا، اس عورت غیر سے رکھتا ہے، اور دوسرے طور کا بھی مرتکب ہے۔ چند ایام زید کو اسی طرح سے گذرے، بعد چند ایام کے عورت غیر، زید کے قابو سے نکل گئی، اب اس عورت مذکورہ بالا سے زید کا فرزند، اپنا نکاح کرنا چاہتا ہے، کہ جس سے زید مانوس تھا، نکاح ہوسکتا ہے، یا نہیں، اور اگر نکاح کرلیا ہے تو جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: زید کے فرزند کا نکاح اس عورت سے ہرگز نہیں ہوسکتا، یہ عورت پسر زید پر حرام ہے، اگر نکاح کرلیا ہے، تاہم نکاح صحیح نہیں ہوا، تفریق کرانا واجب ہے، کذا فی کتب الشریعۃ۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص:۲۰۹۔۲۱۰)

(۴۲۹) منکوحہ کے پہلے شوہر کی بیٹی سے نکاح؟ **سوال:** زینب بیوہ کا نکاح زید سے ہوا، اور زید نے بعد کئی روز کے زینب کو طلاق دیدی، تو پھر زید کا نکاح زینب کے پہلے خاوند کی بیٹی ہندہ سے ہوسکتا ہے، یا نہیں، یا اس کا بالعکس۔ یعنی اگر پہلے ہندہ سے نکاح ہوا تو بعد میں زینب سے (نکاح) ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر ہندہ(۱) اس منکوحہ سے ہو، تو دونوں صورتوں میں ناجائز(۲) ورنہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص:۱)

---

(۱)اصل میں زینب لکھا ہوا ہے، جو کہ سبقت قلم ہے۔

(۲)منکوحہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہونے کے لئے منکوحہ سے وطی یا خلوت صحیحہ شرط ہے۔(ففی الدر المختار: بنت زوجته الموطوء ة الی ان قال لماتقرر أن وطئ الأمهات يحرم البنات ونكاح البنات يحرم الأمهات(۱/۱۸۷) کتاب النكاح، فصل فی المحرمات[عکس مجتبائی دہلی:۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء] [نور]

وفی الشامی واحترز بالموطوء ة عن غيرها فلاتحرم بنتها بمجرد العقد..... أما الصحيحة فلاخلاف فی أنها تحرم البنت تأمل، انتهى كتاب النكاح فصل فی المحرمات (۲/۲۷۸)[مطبع مجتبائی دہلی:۱۲۸۸ھ]نیز شامی فصل مذکور ج:۳/ص:۲۸،[دار الفکر بیروت:۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء] [نور]

(۴۳۰) بیوی کے لڑکے کی مطلقہ سے، نکاح؟ **سوال:** ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس عورت کے ایک لڑکا پہلے خاوند سے تھا، اس لڑکے کا نکاح اس شخص نے ایک عورت سے کردیا، اس لڑکے نے اس عورت کو طلاق دیدی، پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کیا، اس نے بھی اسے طلاق دے دی، اب اگر یہ شخص اس عورت سے نکاح کرے تو درست ہے، یا نہیں؟ فقط، بینوا توجروا!

الجواب: اگر شخص مذکور اس عورت سے نکاح کرے تو درست ہے، یعنی اپنی عورت کے اس لڑکے کی زوجہ سے، جو شوہر اول نے ہے نکاح درست ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ .(۱)

و دلیلہ ماقال فی الشامی: ولاتحرم بنت زوج الأم ولا أمه (الیٰ أن قال) ولا زوجة الربیب و لازوجة الراب (۲)

کتبہ رشید احمد　　　　الجواب صحیح بندہ عزیز الرحمٰن

(فتاوی دار العلوم دیوبند مجموعہ فتاوی مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، ص ۳۰۵۔۳۰۶ ج ۷ (دیوبند: ۱۳۹۰ھ)

(۴۳۱) ایسی غیر مطلقہ عورت سے نکاح کرنا، جس کا شوہر زندہ ہو؟ **سوال:** زید نے ایک عورت سے جس کا شوہر زندہ ہے اور نہ اس کو اس کے شوہر نے طلاق دی ہے، اس سے نکاح کیا ہے، اور کل برادری نے جب زید مذکور سے کہا یہ نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ شوہر اس عورت کا ابھی تک زندہ موجود ہے، زید نے در جواب اس کے کہا، مجھ کو حلال ہے اور کو حرام ہے۔ اس بات پر زید کو کل اہل برادری نے ذات سے علیحدہ کردیا، ان کا مقولہ ہے کہ اگر اس کام سے توبہ کرے، تو ہم برادری میں شامل کریں گے، فقط۔ یہ نکاح کرنا اور برادری کا یہ کہنا کیسا ہے اور زید فاسق ہے، یا کافر ہے؟

جواب: یہ نکاح حرام ہے اور زید نے جو جواب دیئے ہیں، اس میں اندیشہ کفر کا ہے، غرض زید سخت فاسق ہے اور اس کا نکاح ہرگز نہیں ہوا۔ فقط اور اس کو ذات سے ڈالنا عمدہ بات ہے۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　　　　(فیوض رشیدیہ ص۱۹)

(۴۳۲) اہل سنت اور شیعوں میں باہمی نکاح؟ **سوال:** درمیان اہل سنن و روافض مناکحت جائز ہے، کہ نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: مناکحت روافض سے اہل سنت کو جائز نہیں، بلکہ ممنوع ہے شرعاً، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل

---

(۱) اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا (ترجمہ شیخ الہند) نساء ۲۴

(۲) شامی فصل فی المحرمات ص: ۲۷۹/ ج: ۲ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۸ھ) نیز ص: ۳۰۳ جلد دوم [مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ پاکستان ۱۳۹۹ھ] نیز ص: ۳۱/ ج: ۳ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء] [نور]

ہواء، سے مودت ومخالطت کو منع فرمایا ہے، اور مناکحت میں یہ امر موجود ہے، لہٰذا مناکحت باہم اہل سنت اور روافض کی جائز نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۲)

(۴۳۳) نکاح بیوگان کو حق جان کر، اس کی مخالفت کرنے والا کیسا ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ جو شخص نکاح ثانی کو باوجود علم اس امر کے، کہ یہ قرآن شریف سے ثابت اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، عیب اور بے عزتی سمجھتا ہے، اور اس کے کرنے والے کو بے غیرت اور کمینہ کہتا ہو، یا یوں کہتا ہو کہ ہم اس کو حق جانتے ہیں، اور حضرت کی سنت سمجھتے ہیں، مگر چونکہ ہماری قوم میں اس کا رواج نہیں، اس واسطے ہم اس کو عار اور ننگ جانتے ہیں، اور اس کے مرتکب کو حسب رواج اپنی قوم کے نام رکھتے ہیں، اور کم ذات کہتے ہیں۔

اب ان دونوں صورتوں میں مطابق شرع شریف کے ایسے شخص کا کیا حکم ہے، اس شخص کے ساتھ معاملہ رشتہ ناطہ کا کرنا، یا شادی غمی میں اس کے شامل ہونا، یا اس کے جنازہ میں جنازہ کی نماز پڑھنا، کیسا ہے؟ فقط بینوا توجروا!

الجواب: حکم حق تعالیٰ کو(۱) یا کسی طریقہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو سبب یا موجب بے عزتی کا جانے، یا اس کے کرنے والے کو بے غیرت کہے، وہ ملعون کافر ہے، اور مخالف حق تعالیٰ کا اور جہنمی اور مرتد ہے، اور باوجود اعتراف اس امر کے، یہ حکم حق تعالیٰ کا اور سنت ہے، اور پھر بھی اس کو اپنے رواج کے سبب ننگ وعار کا سبب جانتا ہے، یہ زیادہ تر موجب اس کے کفر اور مخالفت حق تعالیٰ کا ہے۔ وہ شقی ملعون، اپنے رواج کفر کو، خدا تعالیٰ کے حکم سے اچھا جانتا ہے، پس ایسے شخص سے ترک ملاقات ومعاملات کرنا عین حق ہے، اور اس سے رشتہ رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ اس سے علیحدہ ہو جاوے، اور اس کو مبغوض ترین حق تعالیٰ کا جان کر اس کا دشمن ہو جاوے اور اس کے جنازہ کی نماز ہرگز نہ پڑھے، کہ وہ کافر ہے۔ کذا فی کتب الحدیث والفقہ والعقائد۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ احقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (۲)

میرے والد ماجد، تالیف مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ ص: ۴۹ سے ص: ۵۱ تک (دارالاشاعت کراچی: ۱۹۷۵ء)

(۴۳۴) کیا ہیجڑے اور خنثیٰ مشکل کا باہم نکاح ہوسکتا ہے؟ **سوال:** خنثیٰ مشکل جس کو حیض بھی ہوتا ہو اور نشان رجولیت بھی ہو، اگر اس کو شہوت مردانہ اور زنانہ دونوں ہوتی ہوں، تو اس کا کیا حکم ہے، کیونکہ اس کو مرد

---

(۱) اصل میں ''کو پاکے'' لکھا ہے ص ۵۰ مگر بظاہر اس میں کتابت کی غلطی ہے اس لئے درست کر دیا۔ [نور]

(۲) یہ فتویٰ ہندوستان کے ممتاز علماء، اور اہل فتویٰ کی تصدیقات کے ساتھ، حضرت مولانا گنگوہی کی حیات میں، اشتہار کی صورت میں، مطبع مجتبائی دہلی سے سنہ ۱۳۰۶ھ (۸۹۔۱۸۸۸ء) میں چھپا تھا۔ یہ فتویٰ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی کی تالیف ''میرے والد ماجد'' میں درج ہے ص ۴۹ تا ۵۱ (طبع اول، کراچی: ۱۹۷۵ء) اگرچہ یہ فتویٰ فتاوی رشیدیہ مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی ص ۷، ج سوم، اور فتاوی رشیدیہ شائع کردہ محمد علی تاجران کتب کراچی میں شامل ہے، ص ۱۸۴۔۱۸۵ مگر مجموعہ تالیفات رشیدیہ۔ (لاہور: ۱۴۱۲ھ) میں درج نہیں، اسی لے یہاں شامل کر لیا گیا۔ [نور]

عورت دونوں کی خواہش ہے۔ اس کا نکاح کسی طرح ہو سکتا ہے، یا نہیں، اور خنثیٰ مشکل، جو یہاں ہیجڑے کہلاتے ہیں، وہی ہیں، یا کوئی اور ہوتا ہے۔

جواب: یہ ہیجڑے جو یہاں پھرتے ہیں مرد ہیں، اور خنثیٰ مشکل وہ ہے، جس میں دونوں علامتیں ہوں اور کوئی جانب متحقق نہ ہو، اور ایسا خنثیٰ جس میں دونوں شہوتیں محقق ہوں، موجود نہیں۔ (۱)

(بدست خاص ص ۴۶)

(۴۳۵) مخنثوں سے نکاح کا ایک اور پہلو؟ **سوال:** ایک مخنث بروئے شہوت مردانہ ہے اور ایک مخنث بروئے شہوت زنانہ ہے، تو ان کا باہم یک دیگر یا کسی اور عورت یا مرد سے نکاح ہو سکتا ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ مخنث نہیں ہے مرد یا عورت ہے، ان کا نکاح باہم بھی درست ہے اور غیر سے بھی، واللہ اعلم

(بدست خاص ص ۴۶)

(۴۳۶) اپنے باپ کے تائے یا چچا کی لڑکی سے نکاح اور شیعہ عورت سے نکاح کا حکم؟ **سوال:** اپنے باپ کی تائی یا چچی کی لڑکی سے نکاح درست ہے، یا نہیں؟ کیونکہ رشتہ میں اس کی پھوپھی ہوئی ہے۔ دیگر زید کے ایک لڑکی ہے، زید اگر اپنے تائے یا چچا حقیقی کے بیٹے سے نکاح کر دے، درست ہے، یا نہیں؟ کیونکہ رشتہ میں وہ لڑکا لڑکی کا چچا ہوتا ہے۔

دیگر عورت [اہل] سنت والجماعت (۲) کو شیعہ سے نکاح کرنا درست ہے، یا نہیں؟ اور اولاد اس کی کیسی ہے؟ اور وہ عورت اپنے شیعہ خاوند کے مال سے، حج زکوٰۃ ادا کرے، جو کہ اس کے خاوند نے اس کو دیا ہے، اس کا ثواب ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ عورت خاوند شیعہ کے مال سے، کسی عالم وغیرہ کی دعوت کرے، درست ہے، یا نہیں؟

جواب: باپ کے تائے یا چچا کی دختر [لڑکی] سے نکاح درست ہے، زید کی لڑکی کا نکاح زید کے تائے چچا کے لڑکے سے درست ہے۔ دیگر (اہل) سنت وجماعت زن کو شیعہ مرد سے نکاح حرام ہے، جو ہو گیا تو اولاد حلال ہوگی۔ شیعہ خاوند کے مال سے حج کرنا اور کسی کو دینا بھی حلال ہے، کیونکہ بعضے علماء، شیعہ کو کافر نہیں کہتے، اور نکاح اس واسطے ہو جاتا ہے، اگرچہ برا ہے۔ (فیوض رشیدیہ ص: ۲۳-۲۴)

---

(۱) خنثیٰ مشکل، جس میں مردانہ زنانہ دونوں علامتیں موجود ہوں، معدوم نہیں، حکیم فخر الدین خیالی حسنی، رائے بریلوی نے اپنی کتاب مہر جہاں تاب [نسخہ مصنف قلمی مخزونہ، ندوہ لکھنؤ] میں، احسان دانش نے اپنی آپ بیتی ''جہان دانش'' میں اپنے اپنے دور میں ان کے موجود ہونے اور ان کے دیکھنے کا تذکرہ کیا ہے۔ [نور]

(۲) اصل نسخہ میں بجائے کا کے لفظ کو ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ [نور]

(۴۳۷) باپ دادا کا نابالغی میں، کیا ہوا نکاح صحیح ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ مسمی چراغا نے اپنی لڑکی مسماۃ کریماً کا نکاح حالت نابالغی میں، ایک مرد بالغ، مسمی چیکوڑو ولد منگرو کے ساتھ کردیا، اور بروقت نکاح حسب رواج برادری کے نکاح کی اجازت، مسماۃ مذکورہ کی ماں سے لی گئی اور اس کا باپ بھی حاضر محفل بارات تھا، اور نکاح کے قبل نسبت کو، بخوشی اس نے منظور کیا تھا، اور نکاح ہوجانے تک و نیز بعد اس کے، کبھی اس نے اس منظوری سے انکار ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ تمام رسم ورسومات شادی جیسے بارات کا کھانا دینا، اور جہیز دینا اور لڑکی کو نوشہ کے حوالہ کرنا، اور اس کو رخصت کردینا، وغیرہ وغیرہ سب کچھ بخوشی خاطر باپ نے کیا، اور بعد نکاح برابر آمد ورفت مسماۃ کے گھر رہی۔

بعد چند روز مسمیٰ چیکوڑ کلکتہ کو چلا گیا، وہاں کسی علت میں ایک برس کو قید ہوگیا، اور ہنوز وہ قید ہی میں تھا کہ مسمیٰ چراغا اور پدر مسماۃ نے پنچوں کو جمع کیا اور کہا کہ ہم اپنی لڑکی مسماۃ کریماً کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں، آپ کی کیا مرضی ہے، انہوں نے منع کیا اور کہا کہ اس کا شوہر ہنوز زندہ ہے اور طلاق بھی نہیں ہوئی ہے، لہٰذا ہم سب اس کے نکاح ثانی کی اجازت نہیں دے سکتے۔

اور پنچوں نے چراغا سے پوچھا کہ تم اس کا نکاح دوسری جگہ کیوں کرنا چاہتی ہو، اس کی شادی تو چیکیڑو سے ہو چکی ہے، اس کے گھر اس کو کیوں رخصت نہیں کردیتی، اس نے جواب دیا کہ وہ کلکتہ میں ہے اور یہ لڑکی بالغ ہے اور اس کا خرچ اب ہم سے نہیں اٹھ سکتا ہے، اسی سبب سے دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ پنچوں نے اجازت نکاح ثانی نہیں دی، اور کہا کہ اگر خلاف دستور برادری کوئی کام کروگے، تو حسب ضابطہ برادری تمہارا حقہ پانی بند ہوجائیگا، اور بے ذات کردیں گے۔ یہ کہہ کر وہ سب اٹھ گئے۔

اور بعد صبح ہونے کے منگرو کی زوجہ مسماۃ کریمہ کی ساس نے آکر، چراغا سے کہا کہ رخصت کردو، اور سب پنچوں کو بھی جمع کرکے کہا کہ ہماری بہو کو تم رخصت کردو، اس وقت چراغا نے اقرار کیا، کہ ہم پندرہ یوم میں رخصت کردیں گے۔ پھر اسی روز مسماۃ کریماً کو چراغا کی اجازت سے، چراغا کے گھر سے پوشیدہ، وہ لوگ جن کے یہاں نکاح ثانی کی تقرری ہوئی تھی، لے جاکر، وہیں اپنے مکان پر نکاح ثانی مسمیٰ بہادر سے کردیا۔ ایسی حالت میں نکاح ثانی صحیح ہوا، یا نہیں؟ اور نکاح اول فسخ ہوا، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب مع الدلائل وعبارت کے ارشاد ہو، اور نیز واضح ہو کہ ہر دو نکاح کفو میں ہیں، اور لڑکی کے باپ کا خوشی سے نسبت کو قبول کرنا، اور جہیز دینا اور لڑکی کو رخصت کرنا، اور برادری کو کھانا دینا اور اس کی مرضی سے لڑکی کی آمد ورفت سسرال میں ہونا، اجازت بالدلالہ ہے یا نہیں؟ اور ہے تو لزوم نکاح اول کو کافی ہے، یا نہیں اور جب نکاح اول لازم ہوگیا، تو نکاح ثانی جائز ہوا، یا نہ؟ بالتفصیل جواب ارقام فرماویں۔

جواب: نکاح اول صحیح ہو گیا، اس کو کوئی فسخ نہیں کر سکتا، نہ والدین زوجہ کے فسخ کر سکتے ہیں، اور نہ خود زوجہ بالغ ہوئی، فسخ کرنے کی مختار ہے۔ قال فی در المختار و رد المحتار:

و لزم النکاح، ای بلا توقف علی اجازة احد و بلا ثبوت خیار فی تزویج الأب و الجد، و إن کان الولی أبا أو جداً (۱) انتھی

پس اب چراغا [نے] جو کریمہ کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا ہے، یہ نکاح باطل ہے۔ ہرگز درست نہیں، اور پہلا نکاح اس سے فسخ نہیں ہوا، اور یہ نکاح حرام محض ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ الآیة (۲) حرام کیا گیا خاوند والی عورتوں کا نکاح، فقط

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۷۵ سے ص ۱۷۷ تک)

(۴۳۸) نکاح میں اجازت بالدلالہ کے معنی؟

سوال: اجازت بالدلالۃ جو ہم نے دریافت کی ہے، اس کی تصریح مع عبارت کتب ارشاد ہو۔

جواب: سوال میں صراحت مذکور ہے، کہ باپ نے نسبت کو بخوشی قبول کیا تھا، اور نکاح کی سب رسوم کی اور جہیز دے کر حوالہ نوشہ کے کیا تھا، پس یہ افعال تو خود اجازت نکاح کی بصراحت موجود ہیں، اور اجازت کیا خود نکاح کر دینا ظاہر ہے۔ پھر دلالت اجازت کی کیا ضرورت ہے، اثبات ہے۔ یہ نکاح خود پدر کا کیا ہوا ہے، مگر چوں کہ سائل کو دلالت رضا کی ضرورت ہے، لہٰذا روایت اس کی نقل کرتا ہوں:

قال فی الدر المختار: وقبضه ای ولی له حق الاعتراض، المهر و نحوه، مما یدل علی الرضی رضا دلالة. (قال فی رد المحتار فی شرح) قوله: و نحوه کالتجهیز و نحوه. انتهی (۳)

الحاصل! اس صورت مذکورہ سوال میں، خود پدر نے نکاح کریما کا کرایا ہے، اس میں اثبات رضا کی ضرورت نہیں، یہ نکاح پدر کا کیا ہوا ہے، کہ اب ہرگز فسخ نہیں ہو سکتا۔ دختر کی طرف سے اور نہ خود پدر کی طرف سے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۷۷)

---

(۱) الف. در مختار کتاب النکاح، باب الولی ص ۱۹۲ ج ۱۔ عکس مجتبائی ۱۳۳۱ھ ب. شامی ص ۳۰۲ ج ۲۔ باب الولی (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۸۸ھ) نیز شامی ج ۳ ص: ۳۳۰ | مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ: ۱۳۹۹ھ | نیز رد المحتار باب الولی ص ۶۶ ج ۳ (دار الفکر بیروت: ۱۳۹۹ھ) [نور]

(۲) سورہ نساء، آیت نمبر ۲۴۔

(۳) در مختار باب الولی ص ۱۹۱ ج ۱ | عکس مجتبائی ۱۳۳۱ھ | نیز شامی ص ۲۹۸ ج ۲ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۸۸ھ) شامی ص ۵۸ ج ۳ دار الفکر بیروت ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء | نیز شامی ج ۳ / ص: ۳۲۳ | مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۳۹۹ھ) [نور]

(۴۳۹) باپ مجنون تھا، چچا نے بھتیجی کا نکاح کردیا، تو؟ **سوال:** ایک صغیرہ لڑکی کا نکاح اس کے چچا نے زید سے کردیا اور اس لڑکی کا باپ یا مادر مجنون ہے، کچھ دنوں کے بعد اس کے باپ یا مادر کو جنون سے آرام ہوگیا، اور وہ اس نکاح سے ناخوش ہے، تو اب دوبارہ اس کا نکاح کسی اور سے، اس کا باپ یا مادر کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: نکاح اس کا درست ہوگیا، باپ یا ما[ں] کو بعد افاقہ مجاز مداخلت نہیں، مگر لڑکی بعد بلوغ کے فسخ کر سکتی ہے، بشرائط فسخ۔ واللہ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(بدست خاص ص ۲)

(۴۴۰) گونگا بہرا اور صغیر ایجاب وقبول کس طرح کرے گا؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ ایک لڑکا تو گونگا اور بہرا، دوسرا لڑکا صغیر سن بعمر آٹھ سال کے ہے، اور ان پر دونوں کا نکاح ہونے والا ہے، ایجاب وقبول ان کی طرف سے، ان کے ولی باپ یا دیگر رشتہ دار کی طرف سے جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو ولی اس کا کس طور پر ایجاب وقبول کرے؟

جواب: گونگا بہرا جو بالغ ہووے، تو اشارہ سے قبول کرلیوے اور اشارہ ہی سے ایجاب کرایا جائے، اور صغیر کی طرف سے اس کا ولی قبول کرے، اس طرح کہ اس منکوحہ کو اپنے فلاں صغیر سے قبول کرتا ہوں۔ فقط

اور بہرے گونگے کی طرف سے اس کا ولی قبول کرلیوے درست ہے، پھر جب وہ اس کے پاس بہ رضا جاوے گا۔ اجازت وتمامی نکاح کی ہوجاوے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں ص ۲۳۱-۲۳۲)

(۴۴۱) برادری سے باہر نکاح کرنے والے کا مقاطعہ، گناہ ہے: **سوال:** ایک قصائی مسلمان کی عورت شوہر دار کی، ایک مہاجن [ہندو، بنئے] سے ملاقات ہے اور چند مرتبہ ان دونوں کو پکڑ لیا ہے، برادری سب اس کو جانتی ہے اور ذات سے علیحدہ نہیں کرتی، بلکہ اسی قوم میں سے ایک بیوہ نے ایک نورباف مسلمان سے اپنا نکاح کرلیا ہے، تو اس کو اس بات پر ذات سے نکال دی ہے۔ ان میں سے کون سی عورت قابل، ذات سے ڈالنے کی ہے؟

جواب: جس عورت نے مسلمان سے نکاح کرلیا ہے، اس کا ذات سے ڈالنے والا گنہگار ہے۔ اور جو عورت کسی سے خراب ہے، اس کو برادری میں رکھنا نہیں چاہئے اور جو رکھتے ہیں وہ گنہ گار ہیں۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فیوض رشیدیہ ص ۲۲)

(۴۴۲) بت پرست کو مسلمان بنا کر شادی کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ **سوال:** ایک عورت بت پرست اپنے شوہر کو چھوڑ کر، ایک مسلمان شخص کے ساتھ چلی گئی، اور اس مسلمان نے اس عورت کو مسلمان کیا، اور بعد مسلمان ہونے کے اس عورت سے نکاح کیا۔ اب یہ عورت اس حالت میں مسلمان ہوئی یا نہیں، اور اس عورت کا نکاح مرد مسلمان سے درست ہوا، یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں وہ عورت مسلمان ہوگئی، اور نکاح اس کا مرد مسلمان سے درست ہے۔ جب کہ اس کو تین حیض آجاویں، اور بصورت نہ آنے حیض کے تین ماہ گزرنا شرط ہے، پس نکاح اس مدت سے قبل درست نہیں ہے۔ اگر تین حیض یا تین ماہ، بصورت عدم حیض گزرنے سے، قبل مسلمان نے اس عورت سے نکاح کیا، تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوا، بعد آنے تین حیض کے اور بصورت عدم حیض، بعد گزرنے تین ماہ کے، نکاح کیا جاوے۔ قال الشامی:

فإذا مضت هذه المدة صار مضيها بمنزلة تفريق القاضي الخ(۱) ص ۳۹۰ ج ۲۔

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ — کتبہ رشید احمد عفی عنہ

فتاویٰ دار العلوم دیوبند۔ مرتبہ مولانا مفتی ظفیر الدین احمد صاحب

ص: ۲۸۹۔۲۹۰، ج: ۷ (طبع اول ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)

(۴۴۳) چار سے زائد باندیاں رکھنے اور ان سے مباشرت کرنے کا حکم؟ **سوال:** ایک شخص کو چار سے زیادہ باندیوں سے، جو جہاد میں سے ملی ہوں نکاح کرنا، یا بدونِ نکاح مباشرت جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جو باندیاں شرعاً باندیں ہیں، ان سے ہزار سے بھی مباشرت جائز ہے اور اپنی باندی سے نکاح ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(بدست خاص ص ۲)

(۴۴۴) شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا؟ **مسئلہ:** درمیان عیدین کے نکاح کرنا سنت اور موجب برکت ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال میں ہوا، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے عزیزوں کا نکاح شوال میں کیا کرتی تھیں۔ پس اس نکاح کو منحوس جاننا، جہل و فسق ہے اور سنت نبوی سے مخالفت اور عداوت ہے، ایسے اقوال بے ہودہ سے توبہ پرضرور(۲) ہے۔ ورنہ فعل سنت کے برا جاننے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، اور ایسی

(۱) شامی کتاب نکاح الکافر، مطلب الصبی والمجنون لیسا باهل لایقاع الطلاق، ص: ۳۹۰/ج: ۲ (مطبع مجتبائی دهلی: ۱۲۸۸ھ) نیز شامی باب مذکور ج: ۳/ص: ۱۹۰، [دار الفکر بیروت ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء] نیز شامی ج: ۲/ص: ۴۲۴ [مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ: ۱۳۹۹ھ] [نور]

(۲) پُرضرور: نہایت ضروری۔ [نور]

بات سخت احمق جاہل بکتا ہے، عالم ایسی بات ہرگز نہیں کہتا۔ واللہ اعلم۔

رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۴۲)

(۴۴۵) نکاح کے وقت، اگر بعض ولی راضی نہ ہوں تو؟ **سوال:** لکھا ہے کہ تھوڑے سے ولیوں کا راضی ہونا، ایسا ہے جیسا سب کا راضی ہونا، اس کا کیا مطلب ہے۔ آیا درصورت موجودگی ایک ولی مقدم کے دوسرے ولیوں کو بھی اختیار ہوتا ہے اور بحالت موجودگی کل ولیوں کے، اگر ایک یا دو ولی ایک جگہ رضامند ہو کر نکاح کر دیں، اور سب کے سب ولی ناراض ہوں، تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جو کچھ مطلب ہو تحریر فرمادیں۔

جواب: یہ اس صورت میں ہے کہ جب اور اولیاء موجود نہ ہوں، اور اگر سب اولیاء موجود ہوں اور پھر بعض راضی ہوں، بعض ناراض، تو اس وقت میں بعض کی رضا معتبر نہ ہوگی، بلکہ اور کسی صورت سے ترجیح دی جاسکے گی، حاکم وغیرہ کے ہاں پیش کر کے۔ واللہ اعلم

(بدست خاص ص ۵۱)

(۴۴۶) شادی کیلئے داماد سے رقم طے کر لینا کیسا ہے؟ **سوال:** بعضے آدمی اگر اپنی لڑکی کا کسی سے نکاح کرتے ہیں، تو اس سے یعنی داماد سے کچھ روپے لینے مقرر کر لیتے ہیں، اور تاوقتیکہ وہ مبلغان معہودہ ادا نہ کیے جاویں، تو نکاح نہیں کرتے۔ تو شرعاً اپنی دختر پر کچھ لینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ روپیہ لینا حرام ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص: ۵۵)

(۴۴۷) نکاح کے وقت تجدید ایمان، اور کلمہ پڑھانے کا معمول؟ **سوال:** کلمہ پڑھنا اور خطبہ پڑھنا بروقت نکاح، باوجود عیاں ہونے اسلام کے، کون سی حدیث سے ثابت ہے۔

جواب از انبالوی: کلمہ پڑھانا اور خطبہ پڑھنا نکاح میں بہت خوب اور مرغوب ہے، کلمہ پڑھانا مستحب ہے، احتیاطاً، بموجب حدیث شریف:

جددوا ایمانکم بقول لا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ (۱) اپنے ایمان لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ تازہ کرتے رہا کرو۔

اور خطبہ پڑھنا مناسب ہے، چنانچہ حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، وقت نکاح حضرت فاطمہؓ کا خطبہ پڑھا ہے، کتب میں مسطور ہے۔ فقط .... جواب انبالوی تمام شد

جواب از حضرت گنگوہی تردید جواب بالا: خطبہ وقت نکاح لاریب مسنون ہے، مگر مسلمان کو کلمہ پڑھانا

(۱) ولفظہ عند الامام الاحمد: جددوا ایمانکم، قیل یارسول اللہ وکیف نجدد ایماننا؟ قال: "اکثروا من قول: لا الٰہ الا اللہ"، مسند الامام احمد، مسند ابی ھریرۃ، ص: ۳۵۹، ج: ۲ [دار الفکر بیروت: ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ] نیز ص: ۳۹۵ ج: ۸ [نسخہ محمد شاکر] مسند ابی ھریرۃ، رقم الحدیث: ۸۶۹۵ [دار الحدیث، القاھرۃ ۱۹۹۵ء] [نور]

کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوا، اور نہ کچھ حاجت وضرورت مسلمانوں کوکلمہ پڑھانے کی ہے، نہ نکاح اس پر موقوف ہے۔ سو کلمہ پڑھانے کو مستحب لکھنا، عجب بات ہے، کیونکہ اصطلاح فقہ اور اصول فقہ میں مستحب اس امر کو کہتے ہیں، کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو بار اس کو کیا ہو، سو چونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نکاح گاہ، اس کا کرنا قولاً فعلاً ثابت نہیں ہوا، تو پھر مستحب کے کیا معنی؟ شاید مجیب علم فقہ اور اصول فقہ سے واقف نہیں ہیں، سنے سنائے مسئلوں میں لفظ مستحب کا یاد کرلیا ہے۔

سائل یہی پوچھتا ہے کہ قبل نکاح، بوجہ نکاح کلمہ پڑھانا، کس کتاب سے ثابت ہے، اور: جددوا الخ جو مجیب نے نقل کی ہے، مجیب پر واجب ہے کہ تصحیح سند اس حدیث کی، اور نقل اس کی کتب معتبرہ حدیث سے، موافق قواعد محدثین اور فقہاء اور علماء کے کریں، یا سند اس کی معتبر ہو کہ اس میں کلام کیا جائے، ورنہ پھر ایسے دعوی کی باتیں نہ فرماویں، اور حوالہ رسائل اپنے اجداد کا نہ دیں، کہ اجداد مجیب کے اقوال ان پر ہی حجت ہوں گے، علماء کے نزدیک حدیث کے باب میں بہ جز محدثین معتبرین، کسی کا قول معتبر نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں ص ۶۲-۶۳)

(۴۴۸) نکاح میں چھوارے لٹانے کی روایت صحیح نہیں: **مسئلہ:** خرما لٹانے کی حدیث صحیح نہیں اور اس میں اندیشہ تکلیف حاضرین کا ہے، لہٰذا نہ کرے۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۳)

(۴۴۹) محفل نکاح میں کس قسم کا دف بجانے کی اجازت ہے؟ **مسئلہ:** اعلان نکاح کے واسطے دف کا بجانا درست ہے، بشرطیکہ جھانجھ دار نہ ہو، قال فی مسند الإمام من السراجی:

"مضائقہ نیست بہ شب عروسی زدن دف بنا بر اعلان نکاح، وقتیکہ جلاجل دار نہ باشد" انتہیٰ (۱)

ترجمہ: رخصتی کی رات اعلان نکاح کے خیال سے دف بجانے میں حرج نہیں ہے جب تک اس میں گھونگرو [جھانجھن] نہ ہوں۔

(۱) اصل میں اسی طرح ہے مگر اس عبارت اور اس میں مذکور حوالوں میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں مسند الامام سے فتاوی سراجیہ میں نقل کیا گیا ہے، تو وہ اول عربی ہوگا، دوسرے مسند الامام حدیث کی کتاب ہے اور فتاوی سراجیہ فقہ ومسائل کی۔ اگر سراجیہ نے اس سے کچھ نقل کیا ہے تو وہ روایت ہوگی، مسئلہ نہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ دونوں کی عبارت فارسی میں نہیں ہوسکتی، اس کو عربی میں ہونا چاہئے تھا، اس فارسی اقتباس سے ایسا لگتا ہے کہ یہ متاخر دور کے کسی ہندوستانی عالم کی تحریر کا اقتباس ہے، غلطی سے اس پر مسند الامام اور سراجیہ لکھا گیا۔ فقط واللہ اعلم (نور)

باقی جملہ آلات معازف ومزامیر، خورد وکلاں، خواہ ہاتھ سے بجائے جائیں، یا منھ سے حرام، اور اس کی اجرت بھی حرام ہے، اور ایسی مجلس میں جانا بھی حرام ہے، یہی مذہب تمام فقہاء کا ہے۔ قال فی الھدایة:

"ولایجوز الاستئجار علی الغناء والنوح و کذا سائر الملاهی، لأنه استیجار علی المعصیة، و المعصیة لاتستحق بالعقد" انتهیٰ(۱)

"وقال سیدنا قطب الأقطاب الشیخ عبد القادر جیلانی فی غنیة الطالبین: هذا إذا کان خالیاً عن منکر کالطبل و الزمار، و العود، و النای، و الذبائب، و المعازف، والطنابر، و الشین، و الشبابة، و الذی یلعب به الترک. فان حضر منکم لایجلس هناک لان جمیع ذالک حرام" (۲)انتهیٰ

قال فی الحمادیة: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ان الله کرّہ لکم الخمر و المیسر و المزمار و المعازف والکوبة" (۳) الحدیث

فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۸۴-۸۵)

(۴۵۰) کیا دف صرف نکاح کیلئے مباح ہے؟

سوال: دف کی اباحت خاص نکاح کے وقت ہے، یا ہر وقت؟

جواب: خصوصیت نکاح کی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(مجموعہ رام پور ص: ۸)

(۴۵۱) شادیوں کی چند رسومات کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ ان مسائل کے:

سوال اول: ایک قوم نے باہم ایسا اتفاق کر رکھا ہے، کہ ہماری برادری میں جب کسی کے یہاں کوئی تقریب شادی وغیرہ کی ہوا کرے، تو خواہ وہ یتیم ہو یا غریب ہو، یا مالدار ہو، کیسا ہی ہو، اس کو برادری کی چند بھاجی مقررہ پنچایت، جس جس قدر جس جس چیز کی مقدار مقرر ہے، ادا کرنی ہوگی۔ اگر ان اشیاء مقررہ میں سے کسی چیز کی کمی ہو، تو اس کو منظور نہیں کرتے اور نہیں لیتے، اگر اس میں مقدور نہیں ہو، تو بھی بغیر اداء کئے، ان رسومات کے یعنی بھاجی مقررہ کے، کوئی تقریب شادی وغیرہ کی کرلیوے تو برادری سے، اس کا حصہ بھاجی وغیرہ کا سب بند کر دیتے ہیں، تاوقتیکہ وہ بھاجی مقررہ کو، جو بمنزلہ فرض متصور ہے، اپنے ذمہ سے ادا نہ کرلیوے۔

---

(۱) ھدایہ باب الإجارة الفاسدة ص ۳۰۱ ج ۳ [اصح المطابع] نیز باب الاجارة الفاسدة ص: ۳۰۳ ج: ۳۔

(۲) غنیة الطالبین (۳) فتاوی حمادیہ ص: ۵۵

اور یہ بھی دستور کر رکھا ہے، جب کوئی شخص شادی کرنے دلہن کے گھر آتا ہے، تو اس سے چالیس روپیہ تو نقد برادری لیتی ہے اور چار روپیہ نقد تمام مستورات برادری کی لیتی ہیں، اور اس روپیہ کا کھانا پکا کر سب برادری کے آدمی کھاتے ہیں اور اس چار روپیہ کو عورتیں باہم تقسیم کر لیتی ہیں، اور جب تک یہ روپیہ دولہا کی جانب سے ادا نہ کیا جاوے، تب تک دولہن کو وداع یعنی رخصت نہیں کرتے۔

ان وجوہات مرقومہ بالا کو ایک شخص برادری کا منع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ ان رسومات کو بند کر دینا چاہئے، بلکہ یوں چاہئے کہ جس بھائی کو جو میسر آوے، وہ برادری کو کھلاوے، یتیم وغریب سے کچھ نہ لیا جاوے، بلکہ وہ قابل معافی از روئے حکم شرع شریف کے ہے، اس پر برادری کے لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ، ان امورات مرقومہ بالا میں شرعاً کوئی قباحت [نہیں] ہے، یہ برادری کا دستور ہے، دینا اور لینا اس میں سب برابر ہیں، جواب مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا! فقط

جواب (۱) یہ دستور بالضرور قابل موقوف کرنے کے ہے، جو کوئی بلا قید برادری کو دیتا ہے، وہ بوجہ فرحت وسرور کے ضیافت کرتا ہے، یہ قرض نہیں اور جو قرض جان کر دیتا ہے، تو حلال نہیں۔ کیونکہ قرض میں مماثل یعنی برابری شرط ہے، اور یہاں کبھی زیادہ لیا اور کبھی کم دیا بالعکس اس کے ہو گیا، اور پھر یتیم کا مال اس طرح کھانا حرام ہے، اور وہ نہ محل قرض لینے کا، اور نہ دینے کا، پس بے شک یہ رسم حرام ہے اور اس پر مؤکد ہونا بھی سخت نازیبا [ہے] اس کو ترک کرنا واجب ہے۔ فقط، واللہ اعلم

رشید احمد

جواب (۲) انسداد رسوم مذکور کا جب تک نہ ہوگا، رخنہ دین شرعی میں سخت رہے گا، جلد ان رسوم کو بند کرنا چاہئے، ورنہ سب برادری قیامت میں ماخوذ ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ: ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا الخ (الحشر:۷) اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

واقعی ایسی رسم نامشروعہ کو مٹانا اور موقوف کرنا، بڑے ثواب کا کام ہے۔ فقط

فقیر محمد حسین دہلوی | حبیب احمد سہارنپوری | سید محمد نذیر حسین دہلوی ۱۲۸۱ھ

رحیم بخش خاں پانی پتی | محمد رحمت اللہ | حفیظ اللہ

اصاب من اجاب **محمد مراد عفی عنہ**، مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ مظفر نگر۔

یہ رسم بوجوہات مذکورۂ سابقہ قابل موقوف کرنے کے ہے، اور اگر دکھلاوے اور نام آوری کے سبب سے ہے تو بھی حرام ہے، واللہ اعلم **حررہ محمد راغب اللہ عفی عنہ پانی پتی ۱۲۹۴ھ**

بے شک یہ رسوم کہ جو فی زمانہ مروج ہیں اوران کو جہال نے لازم پکڑا ہے، عام اس سے کہ شادیوں میں ہوں یا غمی میں، قابل موقوفی کے ہیں۔ خصوصاً مال یتیم کا کھانا خواہ کسی طرح ہوحرام ہے، اس کے واسطے سخت وعید ہے۔ فقط

عبدالسلام پانی پتی عبدالرشید رام پوری

فی الواقع ایسے امور خلاف شریعت کا چھوڑنا ضرور ہے۔ ہذا ہوالحق محمد عبدالحق

أجاد من أفاد ابوجمیل عفی عنہ وجدته صحيحة العبدفیاض الدین

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني. (۱)

اس حدیث سے صاف جاننا چاہئے کہ نکاح امورات شریعت سے ہے، اور امور شریعت میں تابعداری شریعت کی شرط ہے۔ پس جو امر اس میں خلاف شرع واقع ہو، خواہ بطریق زیادتی یا بطریق کمی وہ بدعت ہے اور جب بدعت امور شرعیہ میں آجاتی ہے، تو خواہ مخواہ سنت میں فرق آجاتا ہے۔ پس اس بدعت کا محو کرنا اور مٹانا فرض ہوجاتا ہے۔

حررہ العبدالذلیل محمد اسماعیل عفی عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری العبدمحمد سعید

قال الله تعالى: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء ، ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تحقیق جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ظلم سے، سوا اس کے نہیں کہ کھاتے ہیں بیچ پیٹوں اپنے کے آگ، اور البتہ جاویں گے وہ آگ میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال یتیم کا غمی شادی وغیرہ میں، کسی طرح کھانا حلال نہیں، بلکہ حرام ہے۔ فقط۔
عبدالکریم واعظ سرک، کیرانوی۔

الجواب صحیح حدیث صحیح میں وارد ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ جو کوئی شخص کھانا یا اور کوئی کام کرے اس نیت سے کہ میرا نام ہو، یا اللہ تو اس کو قیامت میں ذلیل کیجئے، غرض شہرت اور نام کیلئے جو کام کوئی آدمی کرے، وہ سب حرام ہے۔ یہ کل رسمیں فقط واسطے دکھلاوے کے ہیں، حرام ہیں۔ راقم عبدالکریم واعظ سرک (کیرانوی)

(فیوض رشیدیہ ص ۲-۳-۴)

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني. و تزوجوا فاني مكاثر بكم الأمم و من كان ذاطول فلينكح و من لم يجد فعليه بالصيام، فإن الصوم له وجاءٌ ...... ابن ماجه ابواب النكاح باب ماجاء في فضل النكاح ص ۱۳۴ ج ۱. (مطبع فاروقي دهلي:)نيز ابن ماجه باب مذكور ج: ۳/ص: ۵۴، رقم ۱۸۴۶ .تحقيق علامه شعيب الارنووط [دارالرسالة العالمية دمشق: ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء]
دوسری حدیث شریف اسی مضمون کے متعلق یہ ہے: من أخذ بسنتي فهو مني و من رغب عن سنتي فليس مني (ابن عساكر عن ابن عمر) کنز العمال رقم الحدیث ۴۴۳۴۹۳ص ۱۸۳ ج ۱۔ (موسسة الرسالة، بيروت: ۱۴۰۵ھ) [نور]

(۴۵۲) جس مجلس نکاح میں ناچ رنگ ہو،اس میں شرکت؟ **سوال:** (الف) ناچ رنگ کی محفل میں ناچ رنگ بند کرا کر، نکاح خوانی کے واسطے جانا درست ہے، یا نہیں؟ فتویٰ کیا ہے اور تقویٰ کیا ہے؟ جس شادی میں ڈھول وغیرہ ممنوعات شرعیہ ہوں، اس میں عورتوں کو شریک ہونا، اور دوسرے مکان میں رہنا، کہ وہاں سے ڈھول وغیرہ کی آواز کرتی ہو، جائز ہے، یا نہیں؟

(ب) بعض دیار میں بعد نکاح زوج کے، زوجہ کا دوبارہ نکاح پڑھاتے ہیں، درست ہے، یا نہیں۔ اجرت نکاح خواہ طلب یا بغیر طلب، درست ہے، یا نہیں؟

جواب: محفل فسق وفجور میں جانا حرام ہے، اگر اس وقت وہ معصیت موجود ہو، اور ایسی صورت میں کہ اس کے جانے سے بند ہو جاوے، بایں حیلہ جانا کہ میرے رہنے تک بدکام سے بچیں گے، مباح ہو تو عجب نہیں۔ ورنہ یہ بھی کراہت سے خالی نہیں، اگر مناہی کی جگہ جاوے، تو واجب ہے کہ منع کرے، جو نہ مانے، آپ اُن سے جدا ہو جاوے:

فَلَاتَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْن. (الانعام:۸) تو مت بیٹھ یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ (ترجمہ شیخ الہند)

تقویٰ کا کیا محل ہے، فتویٰ سے بھی مجلس فساق میں جانا درست نہیں، مگر بحیلۂ مذکورہ بالا! عورتوں کو بھی مجلس مناہی میں جانا حرام ہے، اگر چہ دوسرا امکان ہو۔

ایجاب وقبول زوجین میں ہوتا ہے، پھر مکرر عورتوں میں اس کی نقل کرنی بیہودہ حرکت ہے، اور غیر مشروع امر ہے۔

قاضی کو برضا نکاح خوانی لینی درست ہے، اور اتحاد کے موقع پر برضا زیادہ مانگنا بھی درست ہے۔ (۱)

(مجموعہ چندیانوی ص:۳،۲)

(۴۵۳) جس مجلس میں ناچ گانا ہو،اس کے شرکاء اور اس نکاح کا حکم؟ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند: جس مجلس میں ناچ وغیرہ فسق کے امور ہوں، اس کے سب شریک فاسق وگنہ گار ہوتے ہیں اور نکاح اس جلسہ کا درست ہوتا ہے، اگر چہ وہ لوگ فاسق ہیں۔ پس اس نکاح سے قربت حرام نہیں ہوئی، بلکہ حلال ہے۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، اگر احتیاطاً دوبارہ نکاح کر لیوے، بہتر ہے، ورنہ ضرورت نہیں، اور سب اولاد حلال ہوئی ہے، اور اوپر لکھا گیا کہ ایسی مجلس کے شرکاء سب فاسق ہوتے ہیں۔ فقط والسلام (مہر) از بندہ رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص۲۰۶)

(۱) اصل میں اسی طرح ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اصل میں سوال کا کچھ حصہ نقل ہونے سے رہ گیا۔ (نور)

(۴۵۴) جس شادی میں خلاف شرع کام ہوں، اس میں شریک ہونا؟ **سوال:** جس شادی میں محفل رقص وغیرہ ہووے، یا نقارہ وغیرہ بجتے ہوں، علاوہ اس محفل کے اس کی شادی میں، جیسے طعام یا نیوتہ وغیرہ دینے میں شریک ہونا جائز ہے، یا نہیں؟ اور کھانا اس کی شادی کا تناول کرنا درست ہے، یا غیر درست؟ اور کچھالیوں میں میوہ وغیرہ لے جانا کیسا ہے، آیا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: جس شادی میں خلاف شرع (۱) (امور) ہوویں اس میں شریک ہونا منع ہے، اگر مجلس خاص میں نہ ہو کہ فساق سے بمداہنت ملنا اور ان کا معاون ہونا، خود حرام ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۱۰۰-۱۰۱)

(۴۵۵) سہرا خواص ہنود کا طریقہ ہے، اس لئے منع ہے: **سوال:** بعض اشخاص کہتے ہیں کہ شادی میں سہرا باندھنا، ہندوستان میں مسلمانوں کا دستور ہے، ہند(و) ؤں کا دستور کچھ اور ہے، وہ سہرا نہیں باندھتے ہیں۔ اس صورت میں سہرا باندھنے کی حرمت پر کیا دلیل ہے؟

جواب: جو سہرا خواص کفار کا تھا، ہنود سے مسلمانوں نے لیا (ہے) تشبیہ حرام ہے۔

رشید احمد عفی عنہ

(مجموعہ فرخ آباد ص ۳۲)

(۴۵۶) دلہن کی منہ دکھائی لینے کا حکم؟ **سوال:** ملک بنگال میں دستور ہے کہ جب دولہن کو اپنے گھر میں لاتے ہیں، دو چار عورتیں مثل نانی، دادی وغیرہ، ایک برتن میں شیرینی ہر دو کو قبل خلوت صحیحہ کھلاتی ہیں، اور دولہا سے بعوض شیرینی دو چار روپیہ منہ دکھائی لیتی ہیں، یہ فعل جائز ہے، یا نہ؟ اور وہ دولہن مالک روپیہ ہوئی، یا نہیں؟

جواب: یہ سب رسوم اور ان کا ضروری جاننا بدعت ہے، اس کا ترک کرنا ایسی حالت میں ضروری ہے، فقط۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۷۴، ۱۷۵)

(۴۵۷) شادی کے وقت مسجد کیلئے زبردستی پیسے لینا؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ ایک قوم نے اپنی برادری میں یہ رسم مقرر کی ہے، ہر شخص کی شادی میں خواہ وہ امیر ہو یا غریب یا یتیم، دولہا سے دس روپیہ اور دولہن سے چار روپیہ لیتے ہیں، اور اس روپیہ کو مسجد میں صرف کرتے ہیں۔ سو اس طرح لینا اور لے کر مسجد میں صرف کرنا، از روئے شریعت درست ہے، یا نہیں؟ اور جب تک روپیہ نہیں لیتے، تب تک دولہا دلہن کی شادی میں شامل نہیں ہوتے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا ہے، آٹھ آنہ لیتے ہیں، وہ بھی مسجد میں صرف ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔ فقط

(۱) اصل میں سہو قلم سے مشروع لکھا ہوا ہے، جو بے معنی و بے محل ہے، اس لئے درست کر دیا۔ (نور)

جواب: اگر کوئی خوشی سے روپیہ شادی میں یا لڑکا پیدا ہونے میں دیوے، تو مسجد میں لگانا اس روپیہ کا درست ہے، اور جو ناخوشی سے دیوے، تو وہ لینا بھی حرام ہے اور مسجد میں صرف کرنا بھی درست نہیں۔ اور جبراً لینا دباؤ برادری ڈال کر، شرع میں حرام ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ

(فیوض رشیدیہ ص ۵)

(۴۵۸) شادی کے موقع پر رت جگا کرنا؟ سوال: ہماری برادری میں ایک رسم رت جگے کی ہے، کہ شادی سے ایک دن پیشتر، کل برادری کی سب عورتیں ایک مکان میں جمع ہو کر، رات بھر مع ڈھولکی ودائرہ کے، گیت بآواز بلند گاتی ہیں، جس کا مضمون فحشانہ ہے۔ اس کا نام رت جگا رکھا ہے۔ اس رت جگا کا کرنا اور عورتوں کا جمع ہونا اور گانا اور گوانا درست ہے یا حرام یا مکروہ، اور مسلمانوں کو ایسے رت جگا میں اپنی عورتوں کو بھیجنا، جائز ہے، یا نہیں، اور جو کوئی اپنی عورتوں کو ایسے رت جگے میں جانے کی اجازت دے، گنہگار ہوتا ہے، یا نہیں؟

اور ایک آدمی برادری کا اس رسم رت جگا کو منع کرتا ہے اور نہ اس میں اپنی عورت کو بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ رسم موقوف کر دینے کے قابل ہے، کیونکہ جب کہ عورتوں کو اذان پڑھنی جائز نہیں، تو گانا کیسے درست ہے؟ یہ رت جگا قابل موقوف کر دینے کے ہے یا نہیں؟ اور برادری میں سے، جو کوئی اپنی عورت کو رت جگے میں نہیں آنے دیتا، اس کو لوگ طعن کرتے ہیں اور برادری سے خارج کرتے ہیں، ایسی برادری کو چھوڑنا مناسب ہے، یا اپنی عورت کو رت جگے میں بھیج کر، شامل ہونا جائز ہے؟

جواب: یہ رت جگا حرام [ہے] اولاً ڈھولک بجانا حرام ہے، پھر راگ گانا، جس میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور پھر اس رسم کو ایسا جاننا کہ اس کے منع کرنے والے کو، ذات سے ڈالیں، تو گویا واجب جانتے ہیں، لہٰذا اس رسم کا ترک کرنا واجب ہے اور کسی کو درست نہیں، کہ اپنی عورت کو وہاں جانے دیوے، (۱) اور جو لوگ اس کو واجب جیسا جانتے ہیں، ان کو فہمائش کر کے، اس کو ترک کرادے، نہ مانیں تو خود علیحدہ ہو جاوے، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ

(فیوض رشیدیہ ص ۷، ۸)

(۴۵۹) طوائف کی آمدنی سے نکاح خوانی لینا؟ سوال: قاضی کو طوائف سے ایسی صورت میں، کہ اس کے پاس بجز مال حرام کے اور کچھ نہ ہو۔ حق نکاح خوانی لینا جائز، یا نہ؟

جواب: حرام مال سے حق نکاح خوانی لینا بھی حرام ہے۔ فقط

(مجموعہ رام پور ص ۷)

---

(۱) اصل نسخہ فیوض رشیدیہ ص ۷۔ ناشر حاجی خدا بخش پانی پتی۔ فخر المطابع، میرٹھ) میں لکھا ہے "وہاں نہ جانے دیوے" اس میں لفظ نہ قطعاً غلط اور بے موقع ہے، اس لئے قلم زد کر دیا گیا ہے۔ نور

(۴۶۰) ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سوال: طعام ولیمہ فرض ہے یا واجب، یا سنت یا مستحب، اور یہ کھانا کن لوگوں کو کھانا جائز ہے۔ کھانے کے بدلے نقد روپیے کر اور کام میں لگانا جائز ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ اس سے مسجد بناتے ہیں اور تعزیہ داری اور لہو ولعب میں صرف کرتے ہیں، اگر کوئی غریب طاقت ولیمہ نہ رکھتا ہو، تو درپے ایذا ہوتے ہیں اور محل مصرف مذکور شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: طعام ولیمہ مستحب ہے، نہ فرض نہ واجب، قال النووی:

الأصح (عند أصحابنا) أنها سنة مستحبة،(۱) ترجمہ: زیادہ صحیح یہ ہے کہ ولیمہ مستحب ہے۔

اور یہ طعام دوستوں اور قریبوں کو کھلاتے ہیں، بسبب سرور کے، کہ اغنیاء وفقراء اس میں سب برابر ہیں اور فقراء غیر قریب بھی آجاویں، توان کو روکنا نہ چاہئے، لقولہ علیہ السلام:

شر الطعام طعام الوليمة يدعىٰ لها الأغنياء و يترك لها الفقراء، أو كما قالﷺ(۲)

ترجمہ: ولیمہ کا وہ کھانا سب سے برا کھانا ہے، جس میں صرف خوش حال لوگوں کو بلایا جائے اور غریب لوگوں کو بھلایا جائے۔ [ت: نور]

اور یہ طعام اس وقت تک مستحب ہے، کہ اس کو محض شکریہ اور مستحب جانے اور کسی قسم کا فخر اور نمود اس میں نہ ہووے، ورنہ پھر یہ طعام حرام اور مکروہ ہو جاوے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

لاتقبلوا دعوة المتباهين — یعنی فخر کرنے والوں کی دعوت کو قبول مت کرو۔

پس ایسے کھانے کا پکانا اور دعوت کرنا دونوں حرام ہوگئے، علیٰ ہذا، جب اس کو ضروری جاننے لگے، کہ نہ کرنے پر اذیت اور طعن کی نوبت پہنچے، جب بھی یہ حرام ہو جاتا ہے اور بدعت سیئہ بن جاتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ:

وَمَن يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (البقرۃ: ۲۲۹) — اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے، سو وہی لوگ ہیں ظالم۔ (البقرۃ ۲۲۹ ترجمہ شیخ الہند)

امر مندوب کو واجب جاننا، یا واجب جیسا معاملہ کرنا حرام اور ظلم ہوا، اور اذیت دینا کسی کا، ترک مندوب پر حرام ہے۔ پس ایسی حالت میں یہ ولیمہ مستحب نہیں، بلکہ طعام فخر اور حرام ہے، اور یہ قید کہ کھانے والوں سے روپیہ لیا جاوے اور

---

(۱) نووی برحاشیہ مسلم کتاب النکاح ص ۴۵۸ ج ۱ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۹ھ) [نور]

(۲) متفق علیہ، رواه البخاري في كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، ص: ۲۲/ج: ۳. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، شر الطعام طعام الوليمة يدعىٰ لها الأغنياء و يترك الفقراء و من ترك الدعوة فقد عصى الله و رسوله، عن ابي هريرة رقم الحديث: ۷۷ ا (الرياض: ۱۴۰۴ھ). مشكوة شريف. كتاب النكاح ص ۲۷۸ ج ۲. باب الوليمة: الفصل الاول، [اصح المطابع رشيديه دهلى] نیز مشكوة شريف رقم الحديث: ۳۲۱۸، ت: رمضان بن احمدبن على ص: ۱۲۳۹ ج: ۳ مكتبة التوبة دارابن حزم، ۱۴۲۳ھ] (نور)

اس کو ضروری جانا جاوے، یہ بھی بدعت ہے۔ اگر اس روپیہ سے تعزیہ ولہولعب بنایا، تو سخت حرام کیا، کہ حکم حدیث کا ہے۔

كُلُّ لهو باطل(۱) یعنی سب کھیل حرام اور باطل ہیں۔

اور جو مسجد بنائی وہ بھی مسجد نہیں ہوئی، کہ رسم کے روپے سے رسم کا مکان بنایا ہے، مسجد اس روپے سے درست ہوتی ہے، کہ حلال خالص حق تعالیٰ کے واسطے ہو:

لقوله تعالیٰ وَ أَنَّ المَسَاجِدَ لِلّٰهِ اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں۔

(سورہ جن آیت نمبر ۱۸) (ترجمہ شیخ الہند)

یہ مسجد برادری کے دباؤ کی ہے، نہ کہ حق تعالیٰ کے واسطے خالصاً۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مجموعہ کلاں ص ۲۳۹)

(۴۶۱) ولیمہ واجب نہیں، مسنون ہے، اس کیلئے خاص دن کی تعیین نہیں: ولیمہ واجب کسی روز نہیں، بلکہ احق ہے پہلے اور دوسرے دن، دونوں دن، اور تیسرے روز اگر نیت ریاء ہو حرام ہے اور جو لوجہ اللہ مثل پہلے روز کے ہو، مباح ہے۔ اور جو ریاء سے پہلے دن ہو وہ بھی حرام ہے، تیسرے روز کو، ریاء کا طعام فرمانا باعتبار عادۃ اکثر الناس کے ہے، ورنہ اچھی نیت سے جب تک چاہے کرے اور جس قدر مقدور ہو وہی کر دیوے۔ سب دوستوں کو اور اقارب کو جمع کرنا ضرور [ی] نہیں، اور شکم سیر کرنا بھی ضرور [ی] نہیں، جو کچھ میسر آوے وہی کافی ہے، اور جب تک بشاشت نکاح ہے، اس وقت تک ولیمہ مباح ہے، پھر ولیمہ نہیں ہوتا فقط۔ ضیافت بھی مباح ہے، ثواب ولیمہ کا نہ ہوگا۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۲،۴۳)

(۴۶۲) نابالغ لڑکی اور لڑکے کو نکاح کرنے فسخ کرنے کا اختیار کب تک ہے؟ مسئلہ: دادا مثل باپ کے ہے، اس کا نکاح کیا ہوا فسخ نہیں ہوسکتا، سوائے اس کے چچا ماموں وغیر ہما نے اگر نکاح دختر صغیرہ کا کر دیا، تو بفور بالغ ہونے کے اگر دختر نے کہدیا، کہ میں نکاح سے راضی نہیں فسخ کرتی ہوں، تو قاضی نکاح اس کا فسخ کر سکتا ہے، اور جو ذراسی دیر سکوت کیا، تو پھر فسخ نہیں ہوسکتا۔ اور پسر مختار ہے، جب چاہے طلاق دیوے اس میں حاجت فسخ نہیں ہے۔ اور جب لڑکا لڑکی بعد بلوغ کے چند روز چپ رہے، تو دختر تو فسخ سے عاجز ہے، مرد جب چاہے طلاق دیوے۔ فقط

رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۲۲۹)

---

(۱) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے ان الفاظ کے ساتھ باب تو قائم کیا ہے، لیکن حدیث پیش نہیں کی۔ بخاری شریف کتاب الاستئذان باب کل لهو باطل اذا شغله عن طاعة الله ص ۹۳۲ ج ۲ باب: ۵۲، مکتبة الاصلاح مرادآباد، ۱۴۱۵ھ] نیز بخاری ج:۳/ص:۵۵، حدیث: ۳۲۰۱، ریاض: ۱۴۰۲ھ۔ نیز قال الحافظ فی الفتح: اخرجه احمد والاربعة وصححه ابن خزيمة والحاكم. فتح الباری ص:۹۱/ج/۱۱ (مکتبہ دار الفیحاء دمشق:) [نور]

(۴۶۳) کسی عورت کے متعلق بیوی ہونے کے دعوی کا حکم؟ اگر شاہدین عدلین کے بیان سے تقدم ثابت نہ ہوتو یہ دعویٰ تو لغو ہوا، اب قبضہ موجب حکم ہووے گا۔ سوجب وہ کہتا ہے کہ تصرف مدعی سے میں اس عورت کو لے گیا ہوں، تو قبض کا مقر ہوا، مگر یہ کہنا کہ یہ میری منکوحہ تھی قید............ لگاتا ہے، کہ گویا پہلے مطلق قبض کے خلاف، کیونکہ مطلق قبض سے قبض صحیح ہی سمجھا جاتا ہے، تو بعد اقرار قبض مدعی کے، اپنی منکوحہ ہونا دعویٰ کرتا ہے، تو اس کا ثبوت نہیں، لہٰذا قبض مدعی میں عورت کا رہنا چاہئے، اس کی نظائر کتب فقہ میں دیکھو معلوم ہوجاویں گی۔

مثلاً کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص سے یہ شے میں نے لی ہے، مگر میری اس کے پاس امانت تھی، اگر امانت ہونے کو مبرہن نہ کریں، تو یہ قول زائد اس کا ردہوتا ہے، اور شے واپس دلائی جاتی ہے، فقط

(مکتوب: حضرت گنگوہی، بنام مولانا خلیل احمد سہارنپوری مکتوب: ۳)

(۴۶۴) عورتوں کو فروخت کرنے کی، ایک ناجائز بری رسم اور اس کا گناہ؟ **سوال:** کل ہندوستان کے نوربافوں میں دستور ہے کہ جب بعض نورباف تنگ دست ہوتا ہے، یا اس کی عورت اس کا کہنا نہیں مانتی، تو وہ نورباف اپنی زوجہ کو، مبلغ سو یا اسّی روپیہ کو کل برادری کے سامنے دوسرے شخص کو فروخت کردیتا ہے، برادری اسی وقت اس کی عورت سے جبراً مہر معاف کراکے، طلاق نامہ لکھوا کر، اسی وقت دوسرے نورباف سے نکاح کردیتے ہیں۔ اس صورت میں روپیہ خاوند کو لینا درست ہے، یا نہیں؟ اور نکاح اس وقت ہوجاتا ہے یا بعد تین حیض کے، اور برادری روپیہ دلوانے والے دوسرے خاوند کو، اور نکاح اس وقت پڑھوانے والے اور پڑھنے والے گنہگار ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ عورت کا بیع کرنا جہل اور حماقت ہے، یہ تو اختیار شوہر کو ہے کہ زوجہ کو طلاق دیوے، مگر طلاق کا عوض دوسرے شخص سے لیوے، یہ درست نہیں کہ روپیہ لے کر عورت اس کو دیوے، یہ بالکل معاملہ باطل ہے۔ لہٰذا یہ روپیہ لینا درست نہیں اور نہ اس وقت نکاح دوسرے شخص سے ہوسکتا ہے، جب تک عدت نہ تمام ہوجاوے، عدت میں نکاح حرام وباطل ہے، اس میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں فاسق وگنہ گار ہوتے ہیں، اور یہ معاملہ ہرگز درست نہیں ہے۔ اس سے باز آنا واجب ہے۔ کذافی کتب الفقہ! واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی [نے] اپنی تصنیفات میں حدیث روایت کی ہے، کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس شخصوں پر میری امت سے جنت حرام ہے، ان میں سے ایک وہ شخص ہے، جو حُر کو یعنی آزاد کو غلام بنالے، اور بیٹیاں اور عورتیں مسلمانوں کی یہ سب حُر ہیں، پس جو کوئی ان کو فروخت کرے گا، بموجب حدیث شریف کے اس پر جنت بیشک حرام ہوگی۔ اور سوائے عذاب اُخروی کے۔ اگر دنیا میں حاکم مجازی کو اس بات کی خبر ہو، کہ نوربافان مسلمان عورتیں اور بیٹیوں کو، اس طرح

فروخت کرتے ہیں، تو ضرور جرم بردہ فروشی میں ان پر سزائے لازمی صادر فرماویں۔ فقط

العبد محمد عبدالکریم عفی عنہ واعظ سرک | کیرانوی | (فیوض رشیدیہ ص: ۸-۹)

(۴۶۵) گناہوں سے نکاح نہیں ٹوٹتا: **مسئلہ:** قلت طعام وشراب اور کثرت صوم وصلوٰۃ کرے، بارتکاب معاصی وتلبس ہیئت فسق نکاح بالکل درست ہے، اگر چہ معصیت فسق کی لازم ہے۔ اگر بدون طلاق کہیں ایسی عورت کا نکاح ہوگا، وہ محض زنا وحرام ہے۔ فقط (مجموعہ کلاں ص: ۱۳۴)

(۴۶۶) تعزیہ کو اگر اچھا سمجھ کر دیکھا تو؟ **مسئلہ:** بعد سلام مسنون! مطالعہ نمائید، خط آپ کا آیا، حال معلوم ہوا۔

تعزیہ دیکھنا حرام ہے، سواس نے توبہ کرلی ہے، اگر نہیں کی تو اب کرادو، اور دو دفعہ جو اس نے تم کو بھائی کہا ہے، اس سے نکاح میں نقصان نہیں آیا۔ اور تعزیہ دیکھنے سے اگر اس نے تماشہ دیکھنے کی طرح دیکھا ہے، جب بھی نکاح نہیں ٹوٹا، البتہ جو اس کو اچھا اور عبادت جان کر دیکھا ہو، تو کفر کا اندیشہ ہے، پس تم اب اس سے دوبارہ نکاح کرلو، اس طرح کہ دو آدمی کے روبرو نکاح پڑھ لو اور مہر تین روپیہ کا کرلینا تجدید نکاح کی بہتر ہے، ورنہ بظاہر نکاح نہیں ٹوٹا۔(۱) فقط

مکرر پھر لکھتا ہوں کہ احتیاطاً دو آدمیوں کے سامنے نکاح بمہر تین روپیہ کے کرلو، اور طلاق نہیں ہوئی فقط۔

(مکتوب حضرت گنگوہی) مجموعہ کلاں ص ۲۰۶-۲۰۷)

(۴۶۷) زوجین کا ایک دوسرے کے خاص مقام کو برہنہ دیکھنا؟ **سوال:** مرد کا اپنی زوجہ کو اور زوجہ کا اپنے مرد کو، ننگا دیکھنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، مگر عین شرمگاہ کو دیکھنا اولی نہیں، فقط (بدست خاص، سوال ۵۱)

(۴۶۸) جنابت کی حالت میں خاص عضو کو دھوئے بغیر صحبت کا حکم؟ **سوال:** حالت احتلام میں یا بعد جماع، بدون غسل کئے جماع کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: دوبارہ جماع کرنا، بدون غسل عضو کے مکروہ ہے، فقط (بدست خاص، سوال ۱۲۳)

---

(۱) یہ مہر کی کم سے کم مقدار کے مطابق ہے جو اس فتوی کی تحریر کے زمانہ [تقریباً ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء] تک ایک مناسب رقم تھی۔ اس وقت چاندی غالباً چھ سات آنہ تولہ ہوگی، اگر اس حساب کو آج کے دور پر پھیلایا جائے تو اس کی مقدار ۷/ تولہ چاندی بنے گی، جو آج کل [رجب ۱۴۳۱ھ/ جون ۲۰۱۰ء میں] اکیس سو روپے (۲۱۰۰) کی ہوگی، آج کل چاندی ۳۰۱ (تین سو ایک روپیہ) فی تولہ ہے، لہذا آج کل اور آنے والے دور میں بھی تین روپے کا مہر مقرر کرنا درست نہ ہوگا۔

اس تحریر کے بعد چاندی کی قیمت تیز رفتاری سے بڑھی، یہاں تک کہ سات سو روپیہ فی تولہ تک پہنچ گئی تھی، ادھر ایک مہینہ سے ان قیمتوں میں کمی شروع ہوئی ہے، مگر کسی مرحلہ پر ٹھہراؤ نہیں ہے، گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس لئے بروقت جو قیمت ہو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ [نور] یکم صفر ۱۴۳۳ھ

(۴۶۹) اپنی بیوی کو کسی آلہ وغیرہ کے ذریعہ انزال کرانا صحیح نہیں: سوال: اگر مرد سریع الانزال است وزنش بطی الانزال است، ومرد خلاص شد وزن ہنوز بحال خود است، وشہوت غلبہ دارد، مرد را بدست یا بآلہ منزل کردن زن، روا است، یانہ؟

جواب: ایں ہم جائز نیست۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۶۶)

(۴۷۰) اگر عورت کی خلقت عام مزاج ومعمول کے خلاف ہو تو بھی، اس سے خلاف وضع فطری تعلق صحیح نہیں: سوال: ایک عورت کی خلقت ایسے طور پر واقع ہوئی ہو، کہ مقام قبل میں جماع ممکن نہ ہو، بلکہ شہوتِ جماع دوسرے مقام میں ظاہر کرے، تو اس مجبوری کی حالت میں شوہر کو اس سے لواطت جائز ہے، یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی ایسی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے، یانہیں؟

جواب: لواطت کسی حال درست نہ ہووے گی، اور بیان عورت کا اگر صحیح مانا جاوے، تو مرض اُبنہ ہے، اس کے دفع کو بھی لواطت حرام ہے۔ فقط، واللہ اعلم رشید احمد گنگوہی (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۹۔۴۱)

(۴۷۱) اگر عورت کو پاک ہونے کی غلط فہمی ہوگئی، شوہر نے قربت کی، بعد میں خون آ گیا تو؟ سوال: اگر عورت نے دس روز سے کم میں سمجھا کہ میں پاک ہوئی، بہ باعث نہ آنے خون کے کئی روز تک اور مرد نے قربت کی، تو بعد میں خون آیا تو وہ دونوں گنہگار ہوئے، یانہیں؟

جواب: مسائل حیض [و] نفاس کے بالغہ عورت کو یاد کرنا فرض ہے، پس اس جہل مسئلہ پر گنہ گار ہے۔ اور خطاء سے قربت کرنا مرد کا معاف ہے، مگر مرد کو بھی واجب ہے کہ اپنی عورت کو یہ مسائل تعلیم کرے، خود نہ جانتا ہو تو علماء سے پوچھ کر بتادے، اس کے ترک پر وہ بھی ماخوذ ہے۔ (بدست خاص سوال ۴۶)

(۴۷۲) حائضہ یا نفاس والی عورت کو اگر خاص دنوں میں کچھ وقفہ ہو جائے، اس وقت صحبت؟ سوال: حائض اور نفساء کو، اگر درمیان میں حیض خشک ہو جاوے، تو جماع جائز ہے، یانہیں؟

جواب: جائز نہیں، کہ وہ حکماً حائض ونفساء ہے۔ فقط (بدست خاص سوال ۴۴)

(۴۷۳) مردوں کے لئے ہاتھ سے شہوت دور کرنی اور عورتوں کے لئے باہم جسمانی تعلق، حرام ہے: سوال: مرد بے زن را اگر در غلبہ شہوت بخوف زنا، جلق نمودہ شہوت براند جائز است، یانہ؟ وہمچناں زن بے مرد را، مصاحقہ جائز است، یانہ؟

سوال: ترجمہ: مرد جس کے بیوی نہ ہو، اگر شہوت کے غلبہ میں زنا کے ڈر سے، جلق کے ذریعہ سے اپنی شہوت کو نکال لے، جائز ہے یا نہیں اور اسی طرح بلا شوہر کی عورت کو سحق [چپٹی] جائز ہے، یا نہیں؟۔

جواب: ہر دو را جائز نیست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ترجمہ: جواب: دونوں کو جائز نہیں ہے۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (بدست خاص، علیحدہ فتویٰ)

والد اور شوہر کے شرعی حق کس کو اولیت ہے، اس کی تحقیق

آئندہ صفحات میں جو فتوے درج کئے جا رہے ہیں، وہ ایک طویل مضمون کا حصہ ہیں، جو شوہر اور بیوی کے والد کے حقوق شرعی کے درمیان توازن اور ایک کی دوسرے پر ترجیح کی تحقیق پر مشتمل ہیں۔ یہ جملہ جوابات مشہور اہل حدیث عالم، مولانا محمد حسین بٹالوی کے علمی رسالہ، ماہنامہ اشاعت السنہ کی، بارہویں جلد کے، پانچویں شمارہ میں چھپے تھے جس میں ایک مفصل جواب حضرت مولانا گنگوہی کا بھی ہے۔ یہ بحث اہم علمی مباحث ونکات پر مشتمل ایک اہم یادگار ہے، اس لئے اس کے تمام مشتملات یہاں شامل کئے جا رہے ہیں، مگر اشاعت السنہ میں شائع جوابات اور پیش نظر مجموعہ کی ترتیب میں، کسی قدر تبدیلی کی گئی ہے۔ اشاعت السنہ میں شائع تحریرات کی ترتیب اس طرح ہے:

۱۔ سوالات ص ۱۴۰ سے ص ۱۴۲ تک۔
۲۔ جواب مولانا محمد حسین بٹالوی ص ۱۴۲۔۱۴۶۔
۳۔ جوابات علمائے دہلی ص ۱۴۶ سے ص ۱۴۸ تک۔
۴۔ جواب علمائے دیوبند ص ۱۴۸ سے ص ۱۴۹ تک۔
۵۔ جواب اول حضرت مولانا گنگوہی ص ۱۴۹ سے ۱۵۲ تک۔
۶۔ جواب دوم حضرت مولانا گنگوہی ص ۱۵۳ سے ۱۵۴ تک

راقم سطور نے زیر نظر مجموعہ فتاویٰ کی ضرورت کے مطابق، اس میں کچھ ترمیم کی ہے، حضرت مولانا گنگوہی کے جواب کو، دوسرے جوابات سے مقدم کر دیا ہے، باقی مباحث جوں کے توں ہیں۔ مگر راقم سطور کو اشاعت السنہ کے جو صفحات ملے وہ مکمل نہیں تھے، اس میں غالباً آئندہ صفحات میں علماء کی تحریرات وفتاویٰ کے علاوہ، متعدد علماء کے جوابات بھی شائع ہوئے تھے جو میرے سامنے موجود اوراق سے غائب ہیں، دریافت صفحات کا مولانا ارشاد حسین مجددی رام پوری کے جوابات پر اختتام ہوا ہے اور یہ جواب بھی آخر سے ناتمام ہے۔ بہر حال جو کچھ موجود ہے وہ حاضر ہے۔ [نور]

(۴۷۴-الف) شوہر اور والد کے حقوق میں موازنہ: (۱) ایک مقتدر رئیس نے اپنی دختر نیک اختر کا نکاح، ایک شخص کے ساتھ اس شرط سے کر دیا، کہ وہ خانہ دامادی کی رسم کے مطابق، اُسی کے گھر میں اوقات عمری بسر کرے، اور اپنی

---

(۱) شوہر اور والد کے حقوق میں موازنہ کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے، حضرت نے اس کے دو جواب لکھے ہیں، معلوم نہیں آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ شاید پہلا جواب طویل ہو گیا ہوگا، اس لئے دوسرا بطور خلاصہ لکھا ہوگا۔ غرض دونوں جوابوں میں کوئی تخالف نہیں اور جواب اول میں جواب ۱-۱۰ نمبر قائم کئے ہیں۔ وہ سوال کے نمبر نہیں بلکہ مسئلہ کی تشقیق کی ہے، یعنی صورتیں الگ الگ کی ہیں۔

قرآن وحدیث سے والدین کے ساتھ برّ (حسن سلوک) مطلوب ہے اور شوہر کی اطاعت بھی ضروری ہے، ان دونوں باتوں کو ایک ساتھ لیکر کیسے چلا جائے، یہ بات عام حالات میں کچھ مشکل نہیں، لیکن اگر کسی جگہ دونوں حقوق میں تعارض ہو جائے تو والدین کا حق زیادہ مؤکدہ ہے، البتہ شوہر کی حق تلفی بھی جائز نہیں۔ پس ایسی صورت نکالی جائے گی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

زوجہ کو دوسری جگہ منتقل نہ کرے۔ اس شخص [شوہر] سے اس شرط کا ایفا نہیں ہوسکتا، وہ اپنی سسرال سے علیحدہ رہتا ہے، اور اپنی زوجہ کو اسی جگہ رکھنا چاہتا ہے۔

اس کی زوجہ کو اس شرط کو پورا کرنے پر اصرار نہیں ہے، اور وہ شوہر کے پاس جہاں وہ چاہے جا کر، رہنے پر راضی ہے، مگر اس کا والد اس کو شوہر کے پاس جا کر رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سے ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ در صورت مذکورۂ بالا، زوجہ پر شوہر کی اطاعت حکم لازم ہے، اور بلا اجازت والد، شوہر کے پاس چلا جانا ضروری ہے، یا اپنے والد کی اطاعت فرض ہے اور بلا اجازت والد کے، شوہر کے پاس جا رہنا، ناجائز و معصیت ہے؟

لڑکی کے والد اور اس کے ناصح مخلصوں نے، اس ایک سوال کو چند سوالات بنا کر، بہت سے علمائے وقت سے مختلف ازمنہ میں پیش کر کے استفتا کیا، جس کے جواب میں جو کچھ کسی کے خیال میں آیا، اُس کے موافق اس نے فتوی دیا، کسی نے والد کی اطاعت کو لڑکی پر واجب ٹھہرا کر، اس کو شوہر کے پاس جانے سے روکا، کسی نے شوہر کی اطاعت واجب بتا کر، اس کا شوہر کے پاس بلا اجازت والد چلا جانا، جائز یا واجب ٹھہرایا۔

اسی مسئلہ میں خاکسار سے ان سوالات کے متعلق استفتا کیا گیا، پس جو کچھ فکر ناقص میں آیا، وہ قلمبند کر کے مستفتی کے پاس بھیجا گیا، مگر حضرت مستفتی نے جو اشاعت السنہ کے ایک معاون ہیں، عرصہ تقریباً ایک سال سے اس امر کا تقاضا جاری رکھا، کہ ان علماء کے جوابات کو ہم اشاعۃ السنۃ میں درج کر کے، ان پر مناسب ریمارک کریں، اور جو امر ان جوابات میں ہمارے جواب کے مخالف ہے، اس کی توجیہ کریں یا اس کا جواب دیں۔

یہ امر ہم پر شاق گذرا، اس وجہ سے ہم نے اس کو اس عرصہ تک ٹلایا، آخر انھوں نے ہم کو اس سوال کی اجابت سے معذور نہ

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا

اس فتوی میں یہ بات بھی زیر بحث آتی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنے لڑکے یا لڑکی کو نافرمانی کی وجہ سے عاق کردے تو شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں، وہ بدستور اسی کی اولاد رہے گی، پس میراث بھی پائے گی، احکام شرعیہ پر عاق کرنے کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ اولاد نے اگر واقعی نافرمانی کی ہے تو وہ اس کی سزا آخرت میں پائے گی۔

ملحوظ: شوہر اور والدین کے حقوق کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں پیچیدہ اس لئے ہوگیا ہے، کہ شادی کے بعد عورت بالکلیہ شوہر کی ہوکر رہ جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے مالی الید پر بھی شوہر قابض ہوجاتا ہے، بلکہ .... ضرورت ہو ہو تو استعمال کرڈالتا ہے، عرب پورے یورپ اور امریکہ کا معاشرہ ایسا نہیں ہے، وہاں عورت کا مالی الید اسی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ عند الاحتیاج والدین کا نفقہ مستطیع ورثا، پر واجب ہوتا ہے، لڑکی پر بھی اگر وہ مستطیع ہے بقدر میراث نفقہ واجب ہوتا ہے، مگر ہمارے دیار میں عورتوں کے پاس کچھ رہتا ہی نہیں، سارا شوہر استعمال کرلیتا ہے، چنانچہ یہ لوگ مسئلہ جانتے ہی نہیں کہ لڑکی پر بھی ماں باپ کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح لڑکیوں کو بخشش میں لڑکوں کے بقدر نہیں دیتے نہ میراث ڈھنگ سے دیتے ہیں، کیونکہ وراثت دو طرفہ عمل ہے، باپ کی میراث لڑکی کو ملتی ہے تو لڑکی کے مرنے پر، ماں باپ کو اسی کی میراث ملتی ہے اور اس کی نرینہ اولاد نہ ہو تو بھائی بہنوں کو بھی ملتی ہے، اور ہمارے معاشرہ کی صورت حال یہ ہے کہ لڑکی کے پاس کچھ رہتا ہی نہیں، جو میراث میں لوٹے۔ (پالن پوری)

سمجھا اور معاف نہ رکھا، تو ہم نے ان جوابات کی نقل و توجیہ کا ارادہ کیا۔ پس پہلے اس مقام میں اپنے فتوی کو نقل کرتے ہیں، اس کے بعد دوسرے علماء کے فتاوی کو نقل کیا جاوے گا، اس کے بعد ان فتاوی پر مناسب ریمارک کیا جاوے گا۔ انشاء اللہ تعالی۔

(۴۷۴-ب) چند اہم سوالات: کیا فرماتے ہیں علماء دین جواب میں سوالات مفصلہ ذیل کے:

سوال اول: اطاعت والدین کی بیٹا و بیٹی شوہر دار ہو، یا غیر شوہر دار، دونوں پر برابر بلافرق فرض ہے، یا واجب یا مستحب؟

سوال دوم: بیٹیوں پر بعد شوہر دار ہو جانے ان کے، فرضیت اطاعت والدین کی ان پر سے، بہ سبب فرضیت اطاعت شوہر انکے، بالکل ساقط ہو جاتی ہے، یا بعض باقی رہتی ہیں، اور بعض ساقط؟ صورت مسئلہ کی کیا ہوگی، اس کو بتفصیل مع دلائل بیان فرمانا۔

سوال سوم: درصورت فرضیت اطاعت والدین اور اطاعت زوج، عورت پر دونوں کی اطاعت برابر ہے، یا کم وبیش۔ اور باپ اور شوہر کے رتبہ میں کیا تفاوت ہے، اور اعلی درجہ کس کا [ہے]؟

سوال چہارم: عاق کرنا والدین کا بیٹا اور بیٹی دونوں پر موثر ہے، یا صرف بیٹا ہی پر، اور عاق کرنے کا اس پر جو عاق کیا گیا، کیا [اثر] مترتب ہوتا ہے؟

سوال پنجم: مثلاً زید اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو، ایک امر جائز کی تعمیل پر جابرانہ حکم اس طور پر کرتا ہو کہ، اگر تو میرے حکم کی تعمیل نہ کرے گی، تو بسبب اس کے کہ یہ عدول حکمی تیری باعث ایذا و تکلیف میرے دل کی ہوگی، میں تجھ کو طلاق دیدوں گا۔ اور باپ مسماۃ مذکورہ کا تعمیل حکم شوہر سے، اس طور پر روکتا اور منع کرتا ہو کہ اگر تو اپنے شوہر زید کے حکم کی تعمیل کرے گی، تو بہ سبب اس تیرے عقوق کے، کہ موجب ایذا و تکلیف میرے دل کی ہوگا، میں تجھ سے نہایت ناراض ہوں گا، اور قیامت میں تیرا دامن گیر ہوں گا، یا اس کا عکس یعنی باپ بطور مذکورہ حکم کرتا ہو، اور شوہر بطور مسطورہ مانع ہوتا ہو، تو اس صورت میں عورت کو عقوق باپ اختیار کرنا ہوگا، یا طلاق شوہر اختیار کرنا ہوگا۔

سوال ششم: بعد نکاح کر دینے دختر کے، باپ چاہتا ہے کہ لڑکی ہمارے گھر میں رہے اور شوہر چاہتا ہے کہ ہمارے گھر! اور باپ کسی طرح محتاج اس سے خدمت لینے کا نہیں ہے، اور باپ نے ایجاب نسبت میں قبل نکاح کے داماد سے یہ شرط بھی کرا لیا تھا، کہ دختر ہمارے گھر میں رہے گی اور تم کو بھی یہیں رہنا ہوگا، تو اس صورت میں عورت کو باطاعت والدین، والدین کے گھر میں رہنا چاہئے، یا باطاعت شوہر، شوہر کے مکان میں، اور یہ شرط مذکورہ باپ کی اس عورت کے شوہر کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

نقل جواب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی

اطاعت والدین کی اولاد پر مطلقاً فرض ہے خواہ متزوج ہو خواہ متعزب، امور مباحہ میں نہ منکرہ میں، لاطلاق قولہ تعالیٰ:

وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا الآية قال فی جلالین: ای براء، انتهی (۱) وفی البیضاوی (۲) البر کل فعل مرضی انتهیٰ۔

قال فی المجمع (۳) فیه حدیث نهی عن عقوق الأمهات من عق والده، اذا آذاه و عصاه فی حدیث الاعتکاف، البر؛ دون الطاعة و بر الوالدین ضد العقوق.

و فی القاموس، البر (بالکسر)، الصلة و الصدق و الطاعة.(۴)

الحاصل اطاعت امر مشروع کی بڑُ واحسان ہے اور یہی فرض اولاد پر ہے، اور احادیث وآیات اس میں کثیر ہیں، اور بدون اطاعت کے بر تمام نہیں ہوتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم۔

(۲) زوجہ پر زوج کی اطاعت بھی امور زوجیت میں فرض ہے، اور سوائے اس کے مؤکد ہے نہ فرض، لقولہ علیہ السلام:

و لو امرها ان تنقل من جبل اصفر الی جبل اسود الخ(۵)

و لقوله علیه السلام: إذا دعا الرجل امرأته الی فراشه، الحدیث وغیرها من الأحادیث (۶)

---

(۱) جلالین، تفسیر سورۂ بقرہ (۸۳ .... ص:۱۳۔ (مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی، عکس، نور محمد: دہلی: ۱۳۷۶ھ)

(۲) تفسیر بیضاوی (سورۂ بقرہ: ۱۷۷) ص: ۱۷/ج: ۱ (مطبع میمنیہ مصر) [نور]

(۳) مجمع بحار الانوار، علامہ محمد طاہر پٹنی۔ ص: ۶۴۳ ج: ۳ (دائرۃ المعارف، حیدرآباد: ۱۳۹۱/۱۹۷۱) [نور]

(۴) القاموس المحیط مجدالدین فیروزآبادی۔ ص: ۳۷۰ جلد اول، (باب الراء، فصل الباء (مطبع حسینیہ مصر: ۱۳۳۰ھ) نیز القاموس المحیط ص: ۱۱۳، مطبع دارالحدیث القاہرہ، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء] [نور]

(۵) من جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لها ان تفعله ...... رواه احمد عن عائشة رضی الله تعالی عنها مشکوٰۃ. کتاب النکاح باب عشرة النساء ومالکل واحدة من الحقوق الفصل الثالث ص: ۲۸۳ [کتب خانه رشیدیه دهلی: ۱۳۷۵ه/۱۹۵۵ء] نیز مشکوٰۃ باب مذکور رقم الحدیث: ۳۲۷۰ ت: رمضان بن احمدبن علی ص: ۱۲۵۷، ج: ۳ [مکتبة التوبه، ۲۰۰۳ء] [نور]

(۶) متفق علیه، عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه مشکوة ص: ۲۸۰. کتاب النکاح: باب عشرة النساء الفصل الاول اصح المطابع رشیدیه دهلی. ت: رمضان بن احمدبن علی ص: ۱۲۴۸/ج: ۳، رقم الحدیث ۳۲۴۶، [مکتبة التوبه]

و لقوله تعالیٰ:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَى النِّسَاءِ. الاية (۳۴:النساء) والله أعلم(۱)

(۳) بعد نکاح کے دختر پر اطاعت والدین کی، مثل قبل نکاح کے باقی ہے، کوئی حصہ ساقط نہیں ہوتا۔ لاطلاقات الایات و الاحادیث اور وجوب حق زوج کا مانع وجوب حق والدین کو نہیں ہے۔ جیسا والدہ کا حق والد کے حق کو مزاحم نہیں، اور والدین اگر زوج کی خدمت سے مثلاً منع کریں، تو وہ معصیت ہے، اس میں اطاعت جائز نہیں، لہٰذا کچھ تمانع نہیں۔ حق تعالیٰ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور والد کا اور والدہ اور زوج سب کا حق واطاعت ہے، کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہیں، اپنے اپنے درجہ پر سب فرض ہیں، سقوط کسی حصہ کا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) والدین کی اطاعت زوج کی اطاعت پر اقدم واوکد ہے، اگر والدین کسی امر غیر مشروع کا، یا اتلاف دوسرے کے حق کا نہ کرتے ہوں، کیوں کہ یہ معصیت ہے، اور یہ اس واسطے کہ جو کچھ نصوص میں تاکیدبرّ والدین کی ہے، وہ زوج کے واسطے نہیں ہے۔ حدیث:

انت و مالک لابیک(۲) ترجمہ: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

اور حدیث:

قال رجل، من أحق الناس بحسن الصحبة؟ قال أمك ثم أمك ثم أبوك، الخ أحق(۳).

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: انسانوں میں وہ کون ہے جس کا سب سے زیادہ لحاظ وخیال رکھا جائے، فرمایا: تمہاری ماں! پھر فرمایا: تمہاری ماں! پھر تمہارا باپ لوگوں میں سب سے زیادہ بھلائی کا مستحق ہے۔ [ت:نور]

---

(۱) النساء:۳۴......مرد حاکم ہیں عورتوں پر (ترجمہ شیخ الہند)

(۲) رواہ ابوداؤد بلفظ: انت ومالک لوالدک ت: محمدعوامہ، کتاب البیوع باب فی الرجل یاکل من مال ولدہ رقم الحدیث: ۳۵۲۴، ص: ۱۹۱ ج: ۴[دار القبلة للثقافة الاسلامية جدة، ۱۴۲۵ھ] وابن ماجه عن جابربن عبدالله، باب ماللرجل عن مال ولده ت: علامه شعيب الارنؤوط واصحابه رقم الحديث: ۲۲۹۱، ص: ۳۹۱، ج: ۳[مؤسسة الرسالة دمشق ۱۴۳۰ھ] عن عمروبن شعيب عن ابيه عن جده مشكوة ص: ۲۹۱. كتاب النكاح: باب النفقات وحق المملوک الفصل الثانی[کتب خانه رشيديه دهلی ۱۳۷۵ھ] نیز مشكوة رقم الحديث: ۳۳۵۴ ت: رمضان بن احمدبن على ص: ۱۲۹۰/ ج: ۳[مكتبة التوبه ۲۰۰۳ء] رواه ابن ماجه، عن جابربن عبدالله، باب ما للرجل من مال ولده، ابن ماجه تحقيق علامه شعيب الارنؤوط واصحابه رقم الحديث: ۲۲۹۱، ص: ۳۹۱، ج: ۳[مؤسسة الرساله، دمشق: ۱۴۳۰ھ]

(۳) متفق علیه، عن ابی هريرةؓ ......مشكوة ص: ۴۱۸(باب البر والصلة) كتاب الآداب باب البر والصلة الفصل الاول[کتب خانه رشيديه دهلی: ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء] نیز مشكوة رقم الحديث: ۴۹۱۱، ص: ۱۸۳۰ ج: ۴[مكتبة التوبه، نظر رمضان بن احمدبن على آل عوف ۲۰۰۳ء، ۱۴۲۳ھ]

میں الف لام داخل کر کے عام بنایا ہے، جو زوج کو بھی شامل ہے، اسی واسطے نووی شرح مسلم میں، تحت اس حدیث کے لکھتے ہیں:

أجمعوا على أن الأم و الأب آكد حرمة فى البر ممن سواهما (١)

ترجمہ: ائمہ کرام اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ماں اور باپ کی حرمت اور احترام ان جیسوں میں سب سے زیادہ ہے۔ [ت: نور]

و ایضاً فیه: و الحقوا الزوج و الزوجة بالمحارم انتهى (٢)

اور اسی (نووی) میں یہ بھی ہے کہ، زوج اور زوجہ کے معاملات کو محارم کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔ [ت: نور]

اور آیت: اَنِ اشْكُرْلِي وَلِوَالِدَيْكَ الآية(٣) کہ حق ماں میرا اور اپنے ماں باپ کا

اور دیگر آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حق والدین زوج سے مقدم ہے، اور عقل کا بھی یہی حکم ہے کہ والدین نے خصوصاً والدہ نے کس قدر خدمت مشقت اُٹھائی ہے، اور زوج کو سوائے حق قوام علی النساء ہونے اور ذمہ داری لفظ وغیرہ کے اور کچھ نہیں ہے اور اسباب اختیاری ہے، سوائے ابوین کے۔ مع ہذا والدین کا حق صلہ رحم نہایت اوکد ہے، پس اقدم وارجح عند التعارض، امر بر وصلہ میں والدین ہی ہیں۔ فقط، واللہ اعلم۔

(۵) عقوق، ایذا و نافرمانی کا نام ہے، پس اگر کوئی والدین کو ایذا دیوے اور نافرمانی کرے غیر مشروع، تو خود بحکم شارع عاق ہے، والدین کے عاق کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کیا اس کا اثر ہے، اور جو وہ امر معصیت یا کسی کے اتلاف حق کا امر کرتے ہیں اور اولا دنہیں مانتی، تو اس میں حق بجانب اولاد کے ہے: لاطاعة الخ نص شارع کی ہے، اس پر اگر عاق کرتے ہیں تو محض بیہودگی اور لغو ہے، بلکہ خود والدین ہی گنہگار ہیں، ہرگز ولد عاق نہیں، پس در صورت ثانی تو عاق کا کوئی اثر بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶) اگر زوج کسی امر جائز کو زوجہ سے کراتا ہے، جس میں بر شرعی والدین کا فوت نہیں ہوتا، تو زوجہ کو اس کو کرنا چاہئے، اور والدین کے منع کو نہ مانے کہ امر والدین کا معصیت ہے اور علی ہذا اگر والدین امر جائز کرادیں اور زوج کے کسی امر کو مانع نہیں تو کرنا چاہئے، اور زوج کے منع کو نہ مانے (علی ہذا عکس اس کا) کہ یہ منع زوج کا معصیت ہے: لاطاعة الخ، اور جو امر زوج کا ایسا ہے کہ بر شرعی والدین کے خلاف ہے، تو بھی نہ کرنا چاہئے۔

(١) نووی، علی هامش صحيح مسلم، باب بر الوالدين وانهما حق ...... ص: ٣١٣ ج: ٢ [مجتبائى دهلى، ١٣١٩هـ] [نور]

(٢) نووى على هامش صحيح مسلم، باب بر الوالدين وانهما حق ...... ص: ٣١٣ ج: ٢ [مجتبائى دهلى، ١٣١٩هـ] [نور]

(٣) سوره لقمان: ١٤.

غرض خلاف مشروع اور اتلاف حق میں کسی کا قول نہ مانے، البتہ اگر ایسا امر دائر ہو کہ دونوں کی خدمت، مثلاً ایک وقت میں وارد ہے اور ایک دوسرے سے عاجز ہے، تو ترجیح خدمت والدین کی ہے، بسبب اقدم ہونے بر والدین کے اطاعت زوج پر، چنانچہ جواب سوم میں مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اس صورت میں زوجہ کو بخانہ زوج رہنا چاہئے، کیونکہ یہ امر حقوق زوجیت میں ہے، کہ زوج جہاں چاہے رکھے، اپنے گھر لیجانے میں نفع ازدواج حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے کے گھر رہنے سے اس کو ضرر یا انقطاع، بوجہ اتم نہیں یا دوسری مصلحت ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی: اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ(۱) ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر (ترجمہ شیخ الہند)

وَاَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ الخ (۲) ترجمہ: ان کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو (ترجمہ شیخ الہند)

کہ بدلالۃ النص مثبت مدعی ہے، پس والدین کا خانہ زوج سے منع کرنا، جو حق زوج میں ہے اور معصیت ہے، اس امر کا ماننا عورت کو ہرگز جائز نہیں، بے تامل زوج کا امر قبول کرے اور اس سے ہرگز عقوق بجانب زوجہ عائد نہیں ہوسکتا، اور والدین کا اس وجہ سے عاق کرنا لغو اور زبوں، بیہودگی خلاف شرع کے اور یہ شرط بھی ان کی غیر مشروع ہے: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللّٰه فلیس له وان اشترط مائة شرط الخ (۳) پس اس شرط کا کچھ اعتبار نہیں، فقط۔ واللہ اعلم

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی ایسی شرط کی، جو کتاب اللہ میں موجود نہیں، وہ باطل [بے حقیقت] ہے۔

نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے:

قال الشافعي و اكثر العلماء، هذا محمول على شروط لاتنافي مقتضى النكاح الخ

اور حنفیہ بھی مسافرت کے مسئلہ میں ایسا ہی لکھتے ہیں، مگر جو سفر میں ضرر اور فتنہ ہو، تو وفا شرط کو لازم کرتے ہیں نہ بوجہ شرط، بلکہ بوجہ ضرر و فتنہ کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۴)

---

(۱) سورۃ النساء: ۳۴

(۲) سورۃ الطلاق: ۶

(۳) البخاری، کتاب الشروط، باب المکاتب ومالایحل من الشروط، صفحہ ۳۸۱/۳۸۲، ج: ۱ [مرادآباد ۱۴۱۵ھ] نیز ص: ۱۷۳-۱۷۴، جلد اول، جزء سوم، رقم الحدیث: ۲۷۳۵ (الریاض: ۱۴۰۴ھ)

(۴) نووی علی صحیح مسلم کتاب النکاح، باب الوفاء بالشروط ص: ۴۵۵، ج: ۱ [مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ]

(۸) روایات فقہاء اس باب میں مختلف ہیں، مگر اس زمانہ میں جو کچھ مختار اپنے اساتذہ کا ہے یہ ہے، کہ اگر ابوین آ کر مل سکتے ہیں، تو زوجہ بدون اذن کے نہ جاوے۔ البتہ اگر نوبت تقطیع رحم پہنچے گی، تو اُس وقت بدون اذن شوہر چلا جانا درست ہے کہ قطع رحم حرام ہے اور معصیت میں اطاعت درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۹) اوپر معلوم ہوا کہ اس وقت فساد میں خروج زوجہ بدون اذن درست نہیں، اور اطاعت زوج کی ایسے امر میں ضرور ہے:

و تطیعه اذا امر (۱) ترجمہ: اور اس [شوہر] کی اطاعت کرے جب وہ اس کا حکم دے۔ [ت: نور]

حکم حدیث کا ہے البتہ درصورت لزوم قطع رحم امتثال امر نہیں چاہئے، اور ابوین اگر ملنے کو آویں، تو مکان شوہر میں دُخول اُن کا بدون اذن شوہر کے درست نہیں، قال علیہ السلام:

ولا تاذن فی بیته الا باذنه [شوہر کے گھر میں کسی کو، شوہر کی اجازت کے بغیر، آنے کی اجازت نہ دے، ت: نور]

البتہ باہر سے بات کر سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں اور زوج اس ملاقات سے منع نہیں کر سکتا، کہ قطع رحم اور حرام اور معصیت کا ماننا زوجہ کو ممنوع ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۰) اس صورت میں خدمت والدین کی مقدم ہے، خدمت زوج کو مؤخر رکھے، اور والدین کی خدمت کرے، اُن کا حق مقدم ہے، چنانچہ جواب رابع سے واضح ہوگیا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم — کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

جواب دیگر از مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی

اطاعت والدین کی امور مباحہ میں، جن میں کسی کے حق میں جور نہ ہو اور معصیت نہ ہو، سب پر فرض ہے، خواہ مرد ہو خواہ عورت، منکوحہ یا غیر منکوحہ، لقولہ تعالیٰ:

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ الآیۃ — کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا (ترجمہ شیخ الہند)

اور جس میں حق تلفی زوج کی ناحق ہو وہ حرام ہے، لقولہ علیہ السلام:

لاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق (۲) خالق کی نافرمانی کر کے، مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

---

(۱) مشکوٰۃ کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء الفصل الثالث. ص: ۲۸۳ [اصح المطابع رشیدیہ دھلی] نیز مشکوۃ باب مذکور ص: ۱۲۵۸، جلد ۳۔ رقم الحدیث: ۳۲۷۲ ت: رمضان بن احمد بن علی [مکتبۃ التوبۃ ۲۰۰۳ء]

(۲) شرح السنہ للبغوی عن النواس بن سمعان کتاب الامارۃ والقضاء باب الطاعۃ فی المعروف ص: ۴۴ ج/ ۱۰ [المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء] ومشکوۃ کتاب الامارۃ والقضاء الفصل الثانی ص: ۳۲۱ عن النواس بن سمعان. [کتب خانہ رشیدیہ دھلی ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء]

اور ظلم کرنا حق ذی حق میں بھی معصیت ہے۔ پس بعد نکاح کے دختر کو شوہر کی اطاعت بھی کرنا لازم ہے، مگر حق والدین اوکد ہے۔ سو جس صورت میں زوج محتاج اپنی حاجت کا ہو، اور والدین عاجز کسی حال مستغنی خدمت دختر سے نہ ہوں، تو خدمت والدین مقدم ہووے گی، ورنہ شوہر کی خدمت میں حاضر رہے۔

اور عاق کرنا کوئی امر شرعی نہیں لغو اور غلط عوام ہے، اگر اطاعت موافق حکم شرع کے کرتی ہے اور نافرمانی والدین کی غیر مشروع میں کرتی ہے اور زوج کی خدمت شرعیہ کرتی ہے اور اس سے والدین ناراض ہو کر عاق کریں، تو کچھ اصل اس کی نہیں، والدین خود عاصی ہوویں گے اور دختر ہرگز عاق عند اللہ تعالیٰ نہ ہووے گی، بلکہ رضا والدین سے ایسا کام کرنا، موجب معصیت و نافرمانی حق تعالیٰ کا ہووے گا، البتہ اگر نافرمانی والدین کی مباحات، وغیر جور، حق زوج میں کرے تو عاق ہے من اللہ تعالیٰ، نہ والدین کے کرنے سے، کہ اثر اُس کا عذاب کا ہونا اور دُنیا میں سزا کا ملنا ہے، نہ حرمان میراث، جیسا عوام میں مشہور ہے۔

پس اگر زوج اپنی زوجہ کو امر مشروع و مباح کرنے کو کہتا ہے، تو اُس کو اطاعت واجب ہے، لقولہ علیہ السلام:

و لو أمرها أن تنقل من جبل أصفر إلى جبل أسود و من جبل أسود إلى جبل أبيض كان ينبغي لها أن تفعله. الحديث، كذا في المشكوة. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور اگر شوہر نے بیوی کو حکم دیا کہ وہ [فلاں چیز یا سامان کو] کالے پہاڑ سے پیلے پہاڑ کی طرف اور کالے پہاڑ سے سفید پہاڑ پر منتقل کرے، تو اس [عورت] کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔

و لقولہ علیہ السلام: و لا تخالفه في نفسها و لا مالها بما يكره، الحديث (۲) اور والدین اگر ایسے کام سے منع کریں تو نہ مانے، کیونکہ یہ منع والدین کا معصیت ہے اور جور حق زوج میں ہے، اور والدین کے اس امر کو ماننا گناہ ہے اور نہ ماننا عقوق نہیں، بلکہ والدین خود عاصی ایسے منع سے ہیں۔ علی ہذا، اگر بعد نکاح کے شوہر اپنے گھر لے جاتا ہے، تو عورت پر شوہر کے گھر جانا واجب ہے، اور باپ کے منع کو ہرگز نہ مانے، کہ امر باپ کا خلاف حکم حق تعالیٰ کے ہے۔ قال اللہ تعالیٰ

أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ الآية. ان کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

---

(۱) رواه احمد عن عائشة. مشكوة المصابيح (الفصل الثالث. باب عشرة النساء) رقم الحديث: ۳۲۷۰ ج:۳ ص:۱۲۵۷ نیز مشکوۃ باب وفصل مذکور ص:۲۸۳.

(۲) رواه النسائي والبيهقي في شعب الايمان. عن ابي هريرة. مشكوة ص:۲۸۳ كتاب النكاح الفصل الثالث[اصح المطابع رشيديه دهلي:۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ شریف رقم الحديث: ۳۲۷۲ ت: رمضان بن احمدبن علي ص:۱۲۵۸ ج:۳

وقال علیہ السلام:

و لاتخالفہ فی نفسہا و مالہا.(۱) الحدیث

پس اس صورت سوال میں کہ والد کسی طرح محتاج خدمت نہیں، اور دختر کو خانہ زوج سے منع کرتا ہے، ظلم کرتا ہے. عورت کو واجب ہے کہ نہ مانے اور زوج کے گھر جاوے۔ باقی شرط کر لینا پدر کا، کہ دختر ہر روز میرے گھر رہے گی، یہ شرط خلاف مقتضائے عقد نکاح کے ہے، قال علیہ السلام: کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل الحدیث(۲) لہٰذا اس کا وفا کرنا زوج پر ضرور[ی] نہیں۔ فقط، واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

نقل جواب استفتاء از علمائے دیوبند

بعد غور کرنے عبارت سوال موجودہ سوال اول و دوم و سوم و پنجم و ششم کا ایک معلوم ہوتا ہے اور چہارم کا جدا، اس لئے دو جواب کافی ہیں۔ جب عورت کا باپ اُس کو شوہر کے گھر جانے سے منع کرے، اس میں اطاعت ضروری نہیں ہے، اور نہ ایسی شرائط بروقت نکاح کچھ موثر ہیں۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ عقوق والدین بڑا سخت گناہ ہے، لیکن اس کے اندر یہ شرط ہے کہ خلاف شرع پر والدین کا اصرار نہ ہو، اُس پر اطاعت کرنی ضرور نہیں ہے۔ پس عورت پر جو حقوق شرعاً شوہر کے ہیں، اُس میں ماں باپ کی اطاعت ضرور نہیں ہے اور کچھ حقوق والدین ہیں، اُس میں شوہر کی اطاعت ضروری نہیں۔ مثلاً شوہر یوں کہے کہ تو اپنے ماں باپ سے مت مل اور مت کلام کر، اس میں شوہر کی اگر نہ مانے درست ہے۔ اور اگر ماں باپ یوں کہیں کہ تو شوہر کے یہاں مت جا، اس میں ماں باپ کی نہ مانے تو درست ہے۔ کیونکہ اصل حق شوہر کا تو یہی ہے کہ اس کے گھر میں بلا حائل دیگر رہے۔ پس جہاں تک کہ خلاف شرع نہ ہو، وہ نیک اطاعت درست ہے، ورنہ وہ اطاعت درست نہیں ہے۔

(۲) عاق کرنے کا اثر بیٹا بیٹی پر کچھ نہیں ہے، یعنی وہ بیٹا بیٹی ہی رہتے ہیں، اور جائداد سے حصہ برابر پائیں گے، اور رسم عوام جہلاء ہے یا ہنود کی ہے، اور شرع شریف میں جیسے کہ دوسرے کی اولاد اپنی نہیں ہوتی ہے، جس کو متبنیٰ کہتے ہیں، ایسے ہی اپنی اولاد سے رشتہ نہیں قطع ہوتا۔

محمد منفعت علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی دیوبند صحیح بندہ محمود عفی عنہ

---

(۱) حوالہ نمبر: ۴ پر گذر گیا ہے۔

(۲) البخاری. ولفظہ کل شرط خالف کتاب اللہ فھو باطل. وفی روایۃ من اشترط شرطا لیس فی الکتاب فلیس لہ، کتاب الشروط، باب المکاتب ومالایحل من الشروط، صفحہ: ۳۸۱/۳۸۲، ج: ۱، باب: ۱۷، حدیث: ۲۶۵۴ [مراد آباد: ۱۳۱۵ھ] نیز ص: ۱۷۳ جلدسوم رقم الحدیث: ۲۷۳۵ [الریاض: ۱۴۰۴ھ]

نقل جواب استفتاء از علمائے دہلی

جواب سوال اول: واضح ہو کہ اولاد پر والدین کی اطاعت فرض نہیں ہے، اطاعت والدین کی فرض ہونے پر کوئی دلیل نہیں، نہ کوئی حدیث نہ کوئی آیت۔ ہاں اولاد پر احسان وسلوک والدین کے ساتھ البتہ فرض ہے اور اس بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔

اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو (ترجمہ شیخ الہند)

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور حدیث شریف میں آیا ہے: قال ابا ک(۱) اور دوسری حدیث میں آیا ہے:

رضا الرب فی رضا الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد(۲) رواھما الترمذی۔

اور سوا ان کے اور آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں، جہاں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اولاد پر، احسان وسلوک و صلہ رحمی و رضا جوئی والدین کے ساتھ، فرض ہے، نہ کہ اولاد پر اطاعت والدین فرض ہے، اور جس طرح احسان وسلوک فرض ہے، ایسے ہی والدین کو ستانا اور تکلیف دینا اور قطع رحمی حرام و اکبر الکبائر ہے، اور اسی کو شرع میں عقوق کہتے ہیں، اور جو عاق کرنا والدین کا اولاد کو مشہور ہے، اس کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ عقوق تو فعل اولاد کا ہے، نہ والدین کا، تو والدین کا عاق کرنا کوئی چیز نہیں ہے، اور عقوق کے حرام ہونے اور اکبر الکبائر ہونے میں بہت حدیثیں آئی ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الا احدثکم باکبر الکبائر، قالوا بلٰی یا رسول اللّٰہ، قال الاشراک باللّٰہ و عقوق الوالدین الحدیث. (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ضرور فرمائیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی۔

---

(۱) الترمذی ــــ ابوب البر والصلة باب ماجاء فی بر الوالدین صفحه ۱۱، ج:۲[کتب خانه رشیدیه دهلی]نیز ترمذی: ت: کمال یوسف الحوت کتاب البر والصلة، باب: فی بر الوالدین باب التحفة، ۱ رقم الحدیث:۱۸۹۷ ص:۲۷۳ ج:۴

(۲) الترمذی ــــ ابوب البر والصلة ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین، ص: ۱۲ ج:۲. ت: کمال یوسف الحوت. کتاب البر والصلة: باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین باب التفحة، ۳ رقم الحدیث: ۱۸۹۹ ص:۲۷۴ ج:۴

(۳) الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین صفحه ۱۲. جلد:۲ حواله بالا، ت: کمال یوسف الحوت کتاب البر والصلة باب ماجاء فی عقوق الوالدین باب التحفة: ۴ رقم الحدیث: ۱۹۰۱ ص:۲۷۵ ج:۴

پس اولاد پر احسان وسلوک فرض ہے خواہ ذکور ہوں خواہ اناث خواہ شوہر دار ہوں، خواہ غیر شوہر دار بلا تفاوت، اور ایسے عقوق بھی حرام ہے، اور البتہ زوجہ پر اطاعت زوج فرض ہے:

عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال لو كنت امر أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها. رواه الترمذی.(۱)

اور سوا اس کے اور حدیثیں آئی ہیں کہ جن سے فرضیت ثابت ہوتی ہے، پس زوجہ پر اطاعت شوہر (فرض ہے؟)(۲) اور اطاعت باپ فرض نہیں، تو درصورت حکم کرنے دونوں کے، کسی امر کو تعمیل حکم شوہر مقدم اور ضروری ہے۔ فقط

اور اسی جواب سوال اول سے جواب سوال دوم وسوم و چہارم و پنجم کا بخوبی ظاہر ہو گیا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

جواب سوال ششم: جب قبل نکاح کے باپ نے یہ شرط کر لی تھی، کہ دختر ہمارے گھر میں رہے گی اور شوہر نے اس شرط کو قبول و منظور کر لیا، تو اب اس شرط کا ایفاء ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إن العهد كان مسؤلاً. (اسراء آیت: ۳۴) بیشک عہد کی پوچھ ہوگی۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور حدیث شریف میں آیا ہے: عن عقبة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به مااستحللتم به الفروج. رواه البخاری(۳) اور یہی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: إن مقاطع الحقوق عند الشروط ولک مااشترطت انتهیٰ، واللہ اعلم بالصواب(۴)

حررہ محمد عبدالرحمٰن عفی عنہ [غالباً مولانا مبارک پوری؟]

سید محمد عبدالسلام عفی عنہ | سید محمد ابوالحسن | محمد یوسف | تلطف حسین | سید محمد نذیر حسین

نقل فتویٰ مولانا محمد حسین بٹالوی

الجواب جملہ سوالات میں جواب وتنقیح طلب ایک یہی امر ہے، کہ عورت کو شوہر کے پاس حاضر ہو جانا، جہاں وہ چاہتا ہے ضروری ہے، یا باپ کے حکم سے اُس کے گھر میں رہنا، اور کس کی حکم عدولی سے، وہ گنہگار ہو سکتی ہے؟

---

(۱) الترمذی: ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة، صفحہ ۲۱۹ جلد ۱، نیز ت. محمد فواد عبدالباقی کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة باب التحفة ۱۰، رقم الحديث: ۱۱۵۹ ص: ۴۶۵ ج: ۳

(۲) قوسین کی عبارت اصل میں موجود نہیں لیکن اس کی وضاحت کے بغیر بات نامکمل اور الجھی ہوئی رہتی ہے، اس لئے اس فقرہ کا اضافہ کیا گیا (نور)

(۳) البخاری، کتاب النکاح، باب الشروط فی النکاح صفحہ ۷۷۴ جلد: ۲، حدیث: ۴۹۵، مکتبۃ الاصلاح مراد آباد ۱۴۱۵ھ / نیز بخاری شریف جلد: ۳ ص: ۱۹، جزء ۷. رقم الحديث: ۵۱۵۱ (الرياض: ۱۴۰۴ھ)

(۴) البخاری کتاب الشروط، باب الشروط فی المهر عند عقدة النکاح صفحہ ۳۷۶ جلد: ۱ باب: ۲ حوالہ بالا، نیز بخاری شریف ص: ۱۲۶ جلد: ۱ جز: ۳ (الرياض: ۱۴۰۴ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر کے پاس حاضر ہو جانا ضروری ہے، نہ باپ کے حکم سے اُس کے گھر میں رہنا، اور شوہر ہی کی حکم عدولی سے وہ گناہگار ہوتی ہے، اس امر میں وہ باپ کی نافرمانی سے عاق نہیں ہوتی۔

اس پر دلیل جس میں شک و اختلاف کی گنجائش نہیں، یہ ہے کہ حاضر باشی میں باپ کی اطاعت مطلق فرض نہیں ہے، بلکہ اس شرط و قید کے ساتھ ہے کہ اس حاضر باشی میں خدا کا گناہ نہ ہو، جس پر دلیل یہ حدیث نبوی ہے: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق. رواه محی السنة فی شرح السنة.(۱)

اور اسی کی طرف آیت قرآنی مشعر ہے:

وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْيَا مَعْرُوفاً (ای علی وجه يعرف شرعاً و لا ينكر) [لقمان، آیۃ:۵۱]

اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق (ترجمہ شیخ الہند)

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

"بالو الدين احسانا "یعنی پدر و مادر را احسان کردن عظیم کہ جامع انواع آں باشد، وآں سہ نوع است: (اول) آنکہ ترک ایذا قولاً وفعلاً۔ (دوم) خدمت ایشاں بدن و مال۔ (سوم) حاضر بودن در وقتیکہ استدعا حضور نمایند۔ اول نوع واجب مطلق ست، البذا در ترک آں عقوق شنیع لازم می آید، ونوع دوم مشروط ست باحتیاج آنہا، وقدرت ایں کس۔ پس اگر آنہا محتاج نباشند، یا ایں کس قدرت ندارد، واجب نیست۔ ونوع سوم نیز مشروط ست، بآنکہ در حضور مفسدہ شرعی متحقق نگردد، والا واجب نیست۔

واگر والدین یا یکے از ایشاں بفرمایند کہ نوافل طاعات را بگذار، وپیش حاضر باش، امتثال ایشاں نمودن مقدم ست، واگر فرمایند کہ واجبات را ترک کن یا برائے حج فرض، مرو قبول نکند، واگر سنن مؤکدہ مثل جماعت و روزہ عرفہ را ترک بکنانند، اصح ست کہ اگر یک دو بار ترک بکنانند اطاعت ایشاں نماید، واگر معتاد کنند بایں ترک حکم شاں را قبول نکند۔"

یعنی ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا [ایسا احسان اور معاملہ] جو احسان کی تمام قسموں کا احاطہ کرتا ہو، اور اس [احسان] کی تین قسمیں ہیں، اول: ان کو کسی بات یا زبان سے تکلیف نہ پہنچانا۔ دوم: جان و مال سے ان کی خدمت کرنا۔ سوم: ان کے پاس حاضر ہونا، جب وہ آنے کی خواہش ظاہر کریں۔

---

(۱) شرح السنہ للبغوی عن النواس بن سمعان. كتاب الامارة والقضاء باب الطاعة فی المعروف صفحه ۴۴/ج:۱۰ (المكتب الاسلامی بیروت الطبعة الاولی ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء)

پہلی قسم مطلق واجب ہے، لہٰذا اس کے چھوڑنے [خلاف ورزی کرنے] میں نہایت نافرمانی لازم آتی ہے۔
دوسری قسم کی شرط یہ ہے کہ ان کو ضرورت ہو اور یہ شخص اس کی طاقت وصلاحیت رکھتا ہو، پس اگر وہ محتاج نہ ہوں یا یہ شخص اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو، تو یہ واجب نہیں ہے۔ تیسرے: بھی مشروط ہے اس سے، کہ ان کے پاس حاضر ہونے میں شرعی طور پر کوئی نقصان نہ ہو، ورنہ واجب نہیں۔

اگر والدین یا ان میں سے ایک، اس سے فرمائے کہ نفلی عبادتوں کو چھوڑ دو، اور ان کے سامنے حاضر رہو، ان کی بات ماننا مقدم ہے اور اگر فرمائیں کہ واجبات کو ترک کردو، یا چ فرض نہ کرو، مرد قبول نہ کرے اور اگر سنن مؤکدہ، جیسے جماعت، روزہ اور (وقوف) عرفہ کو ترک کرائیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر، ایک دوبار ترک کرائیں، ان کی بات مان لیں اور اگر متواتر یہی کہیں تو ان کے حکم کو قبول نہ کرے۔ (ت: نور)

اور شوہر کی اطاعت حاضر باشی بغرض حاجت روائی شوہر مطلق فرض ہے، اس میں نہ اجازت والدین کی قید ہے اور نہ کوئی شرط نصوص صریحہ صحیحہ، اس اطلاق کی مثبت ہیں، از آں جملہ یہ حدیث:

اذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان، لعنتها الملائكة حتى تصبح، (متفق عليه) وفی رواية لهما قال: والذی نفسی بيده ما من رجل يدعو امرأته إلى فراشه فتأبى عليه، إلا كان الذی فی السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها مشكوة (ص ۲۷۲)(۱) وازاں جملہ یہ حدیث اذا دعا الرجل زوجته لحاجته فلتاته و ان كانت على التنور رواه الترمذی (مشکوة ص ۲۷۳) (۲) وازاں جملہ یہ حدیث ای النساء خير قال: التی تسره إذا نظر و تطيعه إذا أمر و لاتخالفه فی نفسها و مالها بمايكره رواه النسائی (مشكوة ص ۲۷۵) (۳)

اور کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں یہ قید دیکھی نہیں گئی، کہ عورت کا یہ فرض حاضر باشی بغرض حاجت روائی شوہر، اجازت باپ کی قید سے مقید ہے، باپ نے نکاح کر دیا تو ملک بضع کا مالک شوہر کو بنا دیا، اس میں سرموئے اس کا تملک واختیار باقی نہیں رہا۔ اور جب شوہر کی اطاعت حاضر باشی بلاقید فرض ہوئی اور اس حکم خاص میں اس کی نافرمانی معصیت ٹھہری، تو اس

---

(۱) كتاب النكاح، باب عشرة النكاح الفصل الاول، ص: ۲۸۰، نیز مشکوة رقم الحديث: ۳۲۴۶ ت: رمضان بن احمدبن علی ص: ۱۲۴۸، ج: ۳، ت: رمضان بن احمدبن علی آل عوف ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء۔

(۲) كتاب النكاح باب عشرة النكاح الفصل الثانی ص: ۲۸۱، حواله بالا. نیز مشکوة شريف رقم الحديث: ۳۲۵۷ ص: ۱۲۵۲ ج: ۳ ت: رمضان بن احمدبن علی.

(۳) مشكوة كتاب النكاح باب عشرة النكاح الفصل الثالث ص: ۲۸۳، حواله بالا. نیز مشكوة رقم الحديث: ۳۲۷۲ ص: ۱۲۵۸ ج: ۳ ت: رمضان بن احمدبن علی مكتبة التوبة ۲۰۰۳ء)

سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس امر میں باپ کی اطاعت فرض نہیں ہے، بلکہ معصیت ہے۔لہٰذا اس اطاعت کے ترک سے عورت باپ کی عاق نہیں ہوسکتی، شوہر کی اطاعت نہ کرنے سے خدا سے عاق ونافرمان وملعون بنتی ہے۔

اس جواب میں جملہ سوالات کے جوابات ادا ہوئے، تاہم تسکین سائل کی نظر سے، ان سوالات کے جوابات دو حرفی علیحدہ علیحدہ دیئے جاتے ہیں، جن کے دلائل جوابات مذکور سے مستفاد ہوسکتے ہیں۔ جواب سوال اول فرق، جو جواب سوال دوئم سے ظاہر ہوتا ہے۔

جواب سوال دوئم: حاضر باشی میں اطاعت شوہر کی رضا سے مشروط ہوجاتی ہے۔ شوہر اجازت نہ دیوے تو ساقط۔

جواب سوال سوئم: شوہر کی اطاعت حکم حاضر باشی، باپ کی اطاعت سے مقدم ہے۔

جواب سوال چہارم: عاق کرنا والدین کا فعل نہیں ہے اور جو مشہور ہے کہ باپ نے بیٹے کو عاق کردیا، محض لغو اور جاہلانہ بات ہے، عاق ہونا اولاد کا فعل ہے، یعنی امر حق میں والدین کی اطاعت نہ کرنا، اس میں بیٹا بیٹی دونوں برابر ہیں اور جس امر میں بیٹا یا بیٹی پر، اطاعت والدین فرض نہیں ہے (جیسے شوہر کے پاس نہ جانے کا حکم) اس میں نافرمانی سے، شرعاً عقوق ثابت نہیں ہوتا۔

جواب سوال پنجم: عورت اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور باپ کے عقوق سے نہ ڈرے، وہ اس حکم عدولی سے عاق نہیں ہوسکتی۔

جواب سوال ششم: عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہے باپ کی اطاعت نہ کرے، گو شوہر کو لازم کہ وہ اپنی شرط کا ایفا کرے، اگر وہ ایفا نہ کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ عورت کو نہیں پہنچتا کہ وہ خاوند کی گنہگاری اور وعدہ خلافی کے بدلے، اس کی نافرمانی کرے اور اس کے گھر میں نہ جائے، ہاں! عورت نکاح کے وقت شوہر سے شرط کرچکی ہو، کہ میں اپنے باپ کے گھر رہوں گی، شوہر کے گھر نہ جاؤں گی۔ تو اب اس کو اختیار ہے کہ خاوند کے نہ جاوے، باپ کے گھر میں اس کی ضرورت پوری کرنے کو حاضر رہے، مگر یہ امر شافعی اور حنبلی مذہب کی رو سے جائز ہے، جو ایسی شرط کو جائز رکھتے ہیں، حنفی مذہب میں یہ شرط لغو ہے، اس کا ایفا شوہر کے ذمہ لازم نہیں آتا۔لہٰذا حنفی مذہب میں ایسی شرط پر بھی عورت شوہر کے گھر جانے سے انکار نہیں کرسکتی، اس کی تفصیل ہمارے رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۸ جلد ۱۰ وغیرہ میں ہے۔

نمقہ ابو سعید محمد حسین لاہوری۔ مؤلف اشاعۃ السنۃ

....

اَلطّلاق

(۴۷۵) الفاظ کنایہ سے، نیت کئے بغیر طلاق کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مقدمہ میں: کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا، کہ "جاتو اپنے میکے کو، تو ہمارے کام کی نہیں، اور ہمیں تجھ سے کچھ سروکار نہیں ہے" اور عرصہ دو ماہ تک منھ سے نہ بولا، بعدہ باہر کو نکل گیا۔ عرصہ قریب آٹھ سال کے گذرتا ہے، اس شخص کی کچھ خبر نہیں، یعنی مفقود الخبر ہو گیا۔ اس صورت میں آیا اس عورت کو نکاح کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: یہ دونوں کلمہ کنایہ طلاق کے لفظ ہیں، اور کنایہ میں جب تک طلاق کی نیت نہ ہو، طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔ پس چونکہ زوج بعد تکلم ان کلمات کے گم ہو گیا ہے، نیت پر اس کی اطلاع دشوار ہے اور وقوع طلاق میں شک ہے، لہٰذا نکاح جو بالیقین ثابت ہے، شک سے مفتی رفع نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۱۴۔۱۱۵)

(۴۷۶) طلاق میں الفاظ کنایہ کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو یہ کہا، کہ تو میرے گھر سے نکل جا، میں تجھ کو نہیں رکھتا، بالکلی القط کر دی، جہاں چاہے اور شوہر کر لے، مگر یہاں مت کرنا۔ ہندہ مذکورہ بارہ برس تک اسی جگہ رہ کر، دوسری جگہ چلی گئی، بعد اس کے جانے کے بکر و خالد نے زید کو فہمائش کی، کہ ہندہ کو تو لے آ، زید نے کہا کہ اس کو چھوڑ دی اور القط کر دی۔ ہندہ مذکورہ مطلقہ ہو گئی اور دوسرا نکاح کرنا اس کو جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: اگرچہ الفاظ طلاق صریح کے نہیں، بلکہ کنایات طلاق ہیں، مگر ظاہر حال اور متبادر کلام سے طلاق ہی [معلوم] ہوتا ہے، پس ایسی حالت میں اس عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۴۶۔۱۴۷)

(۴۷۷) الفاظ کنایہ سے بغیر نیت کے، طلاق کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو مدت تک نان و نفقہ سے تنگ رکھا، جب وہ مجبور ہوئی اپنے باپ کے چلی آئی، اس شخص مذکور کو اکثر آدمیوں نے فہمائش کی کہ ایسا امر نہ چاہئے، تو اس شخص نے چند شرائط پیش کی اور یہ کہا، کہ اگر یہ منظور کرے تو میں لے جاتا ہوں، اور اس کے نان و نفقہ کا کفیل ہوتا ہوں۔ اگر منظور نہ کرے تو اس کی یہ

راہ، میری یہ راہ، نہ میں اس کا، اور نہ یہ میری۔ چنانچہ شرائط زوجہ نے منظور نہ کیں، اب اس باہمی گفتگو سے عورت نکاح سے خارج ہوگی، یا نہیں؟ اور اس عورت کا نکاح بعد عدت کے دوسرے شخص سے جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: اگر یہ کلام کہ اس کا یہ راہ، میرا یہ راہ، نہ میں اس کا اور نہ یہ میری، شوہر نے طلاق کی نیت سے بولے ہیں، تو طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس نے شرائط نہ قبول کرنے پر یہ تعلیق کی تھی، پس بعد عدت دوسرے سے نکاح جائز ہے، اور جو زوج طلاق کی نیت سے انکار کرتا ہے، تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقط

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۶۰)

(۴۷۸) طلاق دی یعنی چھوڑ دیا طلاق صریح ہے: طلاق کے باب میں، جس کے عرف میں چھوڑا بمعنی طلاق شائع وذائع ہوگیا، تو البتہ صریح ہووے گا، ورنہ غلبہ معنی کا وقلیل الاستعمال معنی کو ترک نہیں کرسکتا اور کنایہ سے نہیں نکال سکتا۔ اعتدی کو ہی دیکھو کہ اعتدی کے معنی عدت کے کثیر الوقوع ہیں اور اعتداد نعمۃ اللہ ایک ضعیف معنی ہیں۔ فقط

(مکتوب بنام مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، قلمی مکتوب ۱۷)

(۴۷۹) طلاق صریح کس کو کہتے ہیں؟ مسئلہ: طلاق صریح اس کو کہتے ہیں کہ ایسے لفظ سے ایقاع کیا جاوے جو عرف میں سوائے طلاق کے دوسرے معنی پر مستعمل نہ ہووے۔ سو لفظ چھوڑا کا، ہمارے عرف میں ترک نکاح اور ترک خبر گیری نان ونفقہ دونوں پر استعمال کیا جاتا ہے، سو اس سے معلوم ہو کہ بائن ہو محتاج نیت پر، پھر اگر نیت طلاق ہووی تو طلاق بائن واقع ہووے۔

(مکتوب بنام خلیل احمد انبیٹھوی ص ۳۱)

(۴۸۰) ڈھائی یا پونے تین طلاق کے الفاظ سے کونسی طلاق ہوتی ہے؟ سوال: طلاق اگر یوں کہا، کہ ڈھائی طلاق یا پونے تین طلاق، تو نکاح رہا یا نہیں، اور تین طلاق ہوئی یا دو؟

جواب: ڈھائی اور پونے تین پوری سہ طلاق ہوتی ہے، مغلظہ طلاق ہوگئی اور ہمیشہ کو جدا ہوگئی۔

(بدست خاص، سوال ۶۱)

(۴۸۱) اگر دو طلاق، تین طلاق اور پچاس طلاق کہا، تو کتنی طلاقیں واقع ہونگی؟ سوال: اگر یوں کہا کہ دو طلاق، یا یوں کہا تین طلاق، یا پچاس طلاق، تو دو طلاق پڑی یا تین، یا ایک؟

جواب: دو میں دو طلاق، اور تین اور پچاس میں تین طلاق پڑیں گی۔

(بدست خاص سوال ۶۶)

(۴۸۲) جب گھر سے چلی گئی تو طلاق ہی ہے، اس سے طلاق کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ زید نے عمرو سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم نے اپنی عورت کو طلاق دیدی ہے، تو عمرو نے جواب میں کہا، کہ جب گھر سے چلی گئی تو طلاق ہی ہے، اور اگر عورت سے دریافت کیا جاتا ہے، تو وہ بھی بیان کرتی ہے کہ ہاں مجھ کو طلاق دیدی ہے۔ تب اس صورت میں طلاق عائد ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا!۔

الجواب: یہ قول عمرو کا کہ، جب گھر سے چلی گئی تو طلاق ہی ہے، لفظ طلاق کا نہیں، کیونکہ اس میں کوئی لفظ ایقاع طلاق کا نہیں، اور نہ اقرار طلاق دینے کا ہے۔ اس واسطے کہ معنی اس کلام کے عرف میں یہ ہیں، کہ جب گھر سے چلی گئی تو یہ چلا جانا گویا طلاق ہی ہے۔ سو عمرو نے چلی جانے کو طلاق ٹھہرایا اور اس کو طلاق یا بحکم طلاق جانا اور حال یہ ہے کہ چلا جانا، نہ طلاق ہے اور نہ بحکم طلاق ہے، شرعاً۔

پس یہ کلام اقرار طلاق کا نہ ہوا، بلکہ چلی جانے کو بحکم طلاق قرار دینا کہنا ہے، سو اس سے نہ طلاق واقع ہوئی اور نہ اقرار طلاق کا ہوا۔ پس اقرار زوجہ کا قابل اعتبار کے نہیں اور زوج تصدیق اس کے اقرار کی نہیں کرتا، لہٰذا طلاق عائد نہیں ہوتی۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۱)

(۴۸۳) تیری ماں، یا تیری جنتی پر طلاق کہنے سے طلاق کا حکم؟ **سوال:** اگر کسی نے اپنی جورو کو یوں کہا کہ تیری جنتی پر، یا کہا تیری ماں پر طلاق ہے، اگر تو یہ کام نہ کرے، تو اس کہنے سے جورو پر طلاق پڑ گئی، یا نہیں؟

جواب: اس کلام سے طلاق نہیں ہوتی۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۳۴)

(۴۸۴) تعلیق طلاق کے ایک مسئلہ کی تحقیق: **مسئلہ:** تعلیق طلاق میں جزا کے الفاظ کے بعد حذف اداۃ [کی] تحقیق ضروری ہے۔ سو اس تعلیق میں انا ابنک جزا ہے، اگر اپنی زوجہ کو کوئی ماں کہہ دے أنت أمي یا أختي وعلی ھذا تو ان صورتوں میں نہ طلاق ہوئی ہے، نہ ظہار نہ تحریم یمین، اس قیاس پر کہ اگر اپنے آپ کو پسر اپنی زوجہ کا کہہ دیا، تو کچھ بھی نہ ہوگا، کیونکہ زوج کا ابن ہونا، زوجہ کے ام ہونے کو لازم ہے، سو جب یہ لغو ہے، ایسا ہی وہ بھی لغو ہے۔ یہ مسئلہ کتاب الظہار درمختار میں ہے۔

اور یہ جواب جو بندہ لکھتا ہے کہ یہ تعلیق لغو باطل ہے، شاید اکثر علماء اس میں تردد فرماویں، مگر فقیہ اس کو قبول کرے گا، انشاء اللہ تعالیٰ! کیوں کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں معنی حقیقی ومجازی ہر دو ناجائز ہیں ھذہ بنتی کا، جو اصول میں لکھتے ہیں۔

(مکتوب بنام مولانا خلیل احمد مکتوب نمبر ۲۹)

(۴۸۵) جس وجبر کی طلاق؟ مسئلہ طلاق میں روایت حنفیہ کی بندہ کی نظر میں اس وقت نہیں، مگر دفع ضرر ضروری ہے، اگر بہ حبس وجبر طلاق دلادی، تو چونکہ زوج متغر اور متعنت ہے، جائز معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

(مکتوب بنام مولانا خلیل احمد، مکتوب ۳۲)

(۴۸۶) طلاق سے بغیر گواہوں کے رجوع؟ **سوال:** اگر کسی شخص نے طلاق کے بعد رجوع کیا، اور رجوع پر گواہ نہ کئے، تو وہ رجوع ہونا صحیح ہوا، یا نہیں، اور وہ شخص گنہگار بھی ہوا، یا نہیں؟

جواب: رجوع قبل گزرنے عدت کے درست ہے، مگر بدون گواہ محل تہمت ہے اور سنت کو ترک کرنا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بدست خاص ص ۱۷)

(۴۸۷) حلالہ میں شرط لگانا اور دوسرے شوہر سے قربت کئے بغیر، پہلے سے نکاح؟ **سوال:** اگر زید اپنی عورت کا نکاح بکر سے کرادے اس شرط پر، کہ بعد چند روز کے طلاق دیدینا اور بکر منظور کرلے، تو زید بعد عدت بکر نکاح کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور یہ وعدہ شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ یا بکر قبل صحبت کے طلاق دیدے گا، تو زید کو حلال ہوجاوے گی، یا بکر سے صحبت کرنے کے بعد درست ہوگی۔ بینوا توجروا!

جواب: تین حیض عدت ہووے گی اور جو حاملہ ہو تو وضع حمل، [مدت عدت ہے، اس سے پہلے] یہ عورت حلال نہیں ہوسکتی۔ (۱)

(مجموعۂ کلاں ص ۱۲۱-۱۲۲)

(۴۸۸) ظہار کا کفارہ؟ از بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند، آپ کا خط آیا، بسبب کم فرصتی کے جواب میں دیر ہوئی۔

مسئلہ: جس نے اپنی عورت کو کہا، کہ اگر تجھ سے جماع کروں تو اپنی والدہ سے کروں، تو اس کلمہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ یہ قسم ہوگئی، سو اگر اس نے جماع کرلیا تو کفارہ قسم کا دینا ہوگا، اور کفارہ قسم کا یہ ہے کہ دس آدمی فقیر کو ڈیڑھ ڈیڑھ سیر گندم پختہ دیوے، کہ مجموعہ پندرہ سیر ہوتے ہیں، یا دس آدمی فقیر کو صبح وشام دس روز تک شکم سیر کھلاوے، مگر جن کو صبح کو کھلاوے، شام کو انہیں کو کھلاوے۔ خواہ ڈیڑھ ڈیڑھ سیر گندم کی قیمت دیدے، بہر حال اس کو کفارہ قسم کا دینا ہوگا، اور ڈیڑھ سیر پختہ بوزن سہارنپور ہوتے ہیں، شاید انبالہ کا وزن کم ہو، فقط۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعۂ کلاں ص ۱۱۱)

---

(۱) یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ یہ جواب سوال سے غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔ (نور)

مفقود شوہر کا حکم

(۴۸۹) جس کا شوہر گم ہو اس کے نکاح کا، مذہب امام مالک پر فتویٰ؟ **سوال**: زید عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے، اُس کی موت وحیات کی کچھ خبر نہیں ملتی ہے، حتی الوسع تلاش کی گئی کچھ پتہ نہیں ملتا، ہندہ زوجہ اُس کی نوجوان ہے، زمانہ کی حالت نازک دیکھ کر، اُس کے والد صاحب اور برادر صاحب کا ارادہ ہے، کہ اس کا عقد ثانی کسی دوسرے شخص نیک بخت کے ساتھ کر دیا جاوے، اور فتاویٰ رشیدیہ میں شاید یہ لکھا ہے کہ امام مالک صاحب یا امام شافعی صاحب کے یہاں یہ درست ہے کہ اس قدر مدت کے بعد اُس کا عقد کر دیا جاوے۔ اور ضرورتاً حنفی المذہب بھی اس مسئلہ پر عمل کر سکتے ہیں، لہٰذا تصدیعہ ہے کہ حضور والا کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے تا کہ اُس کے موافق اُس کا عمل درآمد کیا جاوے۔

(۴۹۰) جس کا شوہر گم ہو گیا ہو اس کے لئے چار سال بعد نکاح کی اجازت؟، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ یہ فتوی اور تحریر مجھے قاضی عبدالحق [غالباً پور قاضوی] سے ملی ہے اور میں حضرت مولانا گنگوہی کی تحریر پہنچانتا ہوں۔

"کہ از قاضی عبدالحق حاصل شد واحقر (یعنی حضرت مولانا تھانویؒ) خط مولانا، شناختہ"

جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا، اُس وقت سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کر دیوے، بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے، اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جاوے، یہ مذہب امام مالک کا ہے، اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ احقر رشید احمد عفی عنہ مہر

(امداد الفتاوی مرتبہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ص ۳۲۷۔ ۳۲۸ ج ۲
مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع [طبع اول اشرف العلوم، کراچی]

(۴۹۱) کیا مفقود الخبر شوہر کی زوجہ کا نکاح اعلان کرا کر، کرنے کی اجازت ہے؟ **سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین: نکاح مفقود الخبر شوہر میں جائز ہے، یا نہیں؟ اور جو شخص نکاح مذکور کو جائز رکھتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر عورت مذکورہ صبر نہ کر سکے اور مستعد زنا ہو، اس صورت میں شرع شریف سے کیا حکم ہے، نکاح کی اجازت ہے، یا نہیں؟ جوابات مع سند کتاب حدیث وفقہ وتفصیل مذاہب تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا!

جواب: مسئلہ نکاح مفقود میں خلاف علماء کا ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ جب تک اس کے سب ہم عمر فوت نہ ہو جاویں، نکاح اس کی زوجہ کا درست نہیں فرماتے اور امام شافعی صاحب اور امام مالک صاحب بعد چار سال کے اور عدت کے

تمام کے [بعد] جائز فرماتے ہیں، پس جس شخص نے بوجہ ضرورت کے کہ وقوع زنا کا خدشہ ہے، بمذہب شافعی صاحب فتوی دیا ہے، اس کو برا کہنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی نہیں چاہئے (۱)

مسائل مختلفہ ائمہ میں تشدد کرنا مناسب نہیں، خصوصاً ایسی ضرورت میں۔ البتہ اگر نفسانیت اور خواہش نفسانی کی قید امر بیجا میں اور خلاف میں پڑے وہ برا کام ہے۔ الحاصل! زن مفقود کا نکاح ایک مذہب ہے، اس کے عمل در آمد پر بوجہ ضرورت نزاع اور طعن نہیں چاہئے، اگرچہ خود عمل اپنے مذہب پر کرتا رہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۸)

(۴۹۲) مفقود کی بیوی نے اگر نکاح کرلیا، پھر شوہر اول واپس آگیا تو بیوی کس کو ملے گی؟

مسئلہ: مفقود کی عورت نے اگر بفتویٰ کسی عالم کے نکاح کیا، تو جب اس کا خاوند رجوع کرے گا، تو زوج اول کو وہ عورت ملے گی، ثانی زوج سے لی جاوے گی، البتہ اگر حاکم نے تفریق وعدت کرا کے نکاح کرایا ہو، تو اب اول کو نہ ملے گی، کہ تطلیق حاکم سے افتراق ہو گیا ہے۔ حنفیہ نے موت اقران کو عدت شمار کیا ہے اس کی شرح میں اپنے اپنے زمانہ کے موافق، عمر اقران کو لکھ دیا ہے، کبھی نوے، کبھی ستر، کبھی کچھ اور شوافع نے چار سال ٹھہرائے ہیں، اگر حنفی بضرورت شافعی کے مذہب پر عمل کر لیوے، تو عجب نہیں، درست ہے۔

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۳-۱۲۴)

(۴۹۳) جس شخص کے متعلق یہ شبہ ہو جائے کہ وہ مر گیا، لیکن پھر ٹھیک ہو جائے، تو اس کا نکاح اور ملکیت قائم رہتی ہے:

سوال: جو شخص مر جاوے اور پھر بعد کچھ دیر کے زندہ ہو جاوے، تو اس کی زوجہ سے اس کا نکاح رہا، یا نہیں؟ اسی طرح اور چیزیں جو اس کی ملک تھی، ان کا کیا حال ہے؟

جواب: مر کر کوئی زندہ نہیں ہو سکتا، یہ امر محال ہے، بلکہ سکتہ یا غشی ایسی ہو جاتی ہے کہ حیات بالکل معلوم نہیں ہوتی، لہٰذا نکاح بھی باقی ہے اور ملک بھی قائم ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(بدست خاص ص ۲۰)

....

(۱) یعنی اس کو برا کہنا اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی، غلط ہے۔ ۱۲

[نور]

مہر

(۴۹۴) مہر مؤجل کی صورت میں، عورت کا شوہر کو خود سے روک دینا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ ایک عورت کا دین مہر سارا مؤجل قرار پایا ہے، اس صورت میں وہ عورت بغیر افتراق کلی، خاوند پر نالش طلب مہر کی کرسکتی ہے، یا نہیں، اور اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: ہرگاہ کہ تمام مہر مؤجل ٹھہر چکا ہے، ہمارے ملک میں باوجود مہر مؤجل ہونے کے، دخول وخلوت کا ہونا مقرر رہتا ہے، لہٰذا گویا دخول وتفویض کرنا عورت کا اپنے نفس کو مشروط ہوگیا: لأن المعروف کا المشروط. پس اس عورت کو جس اپنے نفس کا مصاحبت سے اور مطالبہ مہر، قبل حلول اجل معروفہ یا مقررہ کے، ہرگز درست نہیں ہے۔ قال فی رد المحتار:

هذا كله إذا لم يشرط الدخول قبل حلول الأجل، فلو شرطه و رضيت به ليس بها الامتناع اتفاقاً. انتهیٰ (۱)

الحاصل اس صورت میں عورت کا مطالبہ مہر کرنا اور اپنے نفس کو روکنا، ہرگز شرعاً درست نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعۂ کلاں ص ۱۴۳)

(۴۹۵) مہر معلوم نہ ہونے کی صورت میں کس طرح ترتیب ہوگی؟

سوال: عورت متوفی وعورت موجودہ کے، مہر نہ معلوم ہونے کی صورت میں، کیا حکم ہے؟

الجواب: عورتوں کا مہر اگر معلوم نہ ہو تو مہر مثل متعارف پر فیصلہ ہووے گا، کہ عرف میں ہر قوم کا ایک مہر مقرر ہے کہ اس میں کم زیادہ نہیں کیا جاتا: المعروف کالمشروط. فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعۂ رام پور ص ۲)

(۴۹۶) اگر بیوی نے تنہائی میں مہر معاف کردیا تو؟

سوال: جب زید کا نکاح ہوا تھا تو مہر پانچ سو روپیہ کا مقرر ہوا تھا، مگر زید کی حیثیت اس قدر ادا کرنے مہر کی نہیں تھی، زید نے تنہائی میں عورت سے کہا کہ ادا کرنے مہر کا مجھ میں مقدور نہیں، معاف کردے، منکوحہ زید نے کہا، کہ معاف کیا۔ پھر ایک عرصہ بعد دو عورتوں اور دو مردوں کے سامنے کہا

(۱) رد المحتار (فی البحر عن الفتح و هذا كله) باب مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض لمهر نیز نسخہ ہندیہ ص ۲۵۹ ج ۳ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۸ھ) نیز شامی ج: ۳ ص: ۱۴۵۔ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء (مطبوعہ دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) نیز شامی ج: ۲ ص: ۳۸۹ | مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ: ۱۳۹۹ھ | (نور)

کہ مہر معاف کردے، اس نے کہا کہ معاف کیا، جب منکوحہ نے معاف کرنے کو کہا، تو نکاح کو تین چار برس گذر چکے تھے، زید مہر سے بری ہوگیا، یا نہیں؟

جواب: مہر اس صورت میں معاف ہوگیا، اگر چہ زید کے کہنے سے معاف کیا تھا۔

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۰-۱۲۱)

(۴۹۷) نکاح کے وقت بیوی کو دیا گیا زیور، مہر میں شامل نہیں؟ سوال: اور جو زیور عند النکاح زوجہ کو دیتے ہیں، وہ مہر میں داخل ہے، یا احساناً وہبۃً دیتے ہیں، اگر مہر میں داخل نہیں اور بطور احسان اور ہبہ ہے، تو زوجہ مالک ہوتی ہے، یا نہ؟ اور زوج کو لوٹانے کا اختیار ہے، یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اور مہر وہ ہے جو وقت نکاح کے مقرر ہوتا ہے، اگر اس زیور کو مہر میں تصریح کر کے دیوے، تو مہر میں مجرا ہووے گا، ورنہ حسب عرف اپنے دیار کے، یہ زیور خارج مہر سے ہو کر، یا ملک زوج کی اور عاریت ٹھہرے گا، اگر ایسا عرف وہاں کا ہے: المعروف کا المشروط کذا فی کتب الفقه. واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۷۵-۱۷۴)

(۴۹۸) جو زیور بیوی کی ملکیت نہیں کیا تھا، وہ شوہر کا ہے؟ سوال: زید نے اپنے باپ کی مرضی سے اپنی عورت کو دو سو روپیہ کا زیور بنوا دیا تھا، مگر ملکِ عورت نہیں کیا تھا، ہاں بنوایا اس کے نام سے اور زید اپنے باپ کے شامل رہتا تھا، علیحدہ نہیں ہوا تھا، اور زیور زید اور اس کے باپ کی کمائی سے تیار ہوا تھا، پس اس زیور میں کچھ عورت کو حصہ پہنچے گا، یا نہیں۔ زیور شادی زید کے تین چار برس بعد تیار ہوا؟

جواب: زیور اگر چہ عورت کے پہنے کو بنایا مگر چونکہ ملک عورت کی نہ کیا تھا، تو زیور واپس زید کو ملے گا، البتہ زید پر نفقہ عدت کا دینا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۰، ۱۲۱)

(۴۹۹) مہر کی ادائیگی، ترکہ کی تقسیم سے مقدم ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس صورت میں: کہ محمد جعفر فوت ہوئے مسماۃ نادری بیگم زوجہ، ومسماۃ زینب دختر، ومسماۃ ستارہ بیگم والدہ، مسمایان حاجی بیگم وفضل النساء، وحیدری بیگم ہمشیرگان زندہ چھوڑیں، نادری بیگم زوجہ خواستگار دین مہر ہے، اور بقیہ دیگر ورثاء خواستگار حقوق شرعیہ بروئے وراثت شرعی کے ہیں، اور ماسوا ان وارثوں کے دو برادر عم زاد بھی چھوڑے، پس ادائے دین مہر مقدم ہے، یا توریث، اور مدعیہ مہر نے مہر اپنا نہیں بخشا۔ بینوا توجروا!

جواب: اول دین مہر تمام وکمال ادا کیا جاوے گا، اگر بعد ادائے مہر کے کچھ باقی رہے، اس وقت فرائض جاری ہوویں، چونکہ ترکہ مہر سے بہت قلیل ہے، لہٰذا توریث ورثہ باطل ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعۂ کلاں ص ۱۱۸)

(۵۰۰) اگر وارثوں میں متوفیہ کے مہر کی مقدار میں اختلاف ہو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین: کثرھم اللہ تعالی الی یوم الدین. اس مسئلہ میں کہ ہندہ منکوحہ زید کی، بقضائے الٰہی مرگئی، عمرو وارث متوفیہ نے زید سے مہر طلب کیا، مقدار مہر میں باہم عمرو اور خالد کے خلاف ہے۔ عمرو مہر مثل قبیلہ پدر متوفیہ ومہر مروجہ قوم طلب کرتا ہے کہ خالد قبول نہیں کرتا، وہ ایسی مقدار ظاہر کرتا ہے کہ نہ مطابق مہر مثل کے ہے اور نہ موافق مہر مروجہ قوم کے، پس تصفیہ اس کا شرعاً کیونکر ہو؟ کتب فقہ میں جو لفظ خاندان یا قوم واقع ہوا ہے، اس سے کیا مراد ہے اور مہر مثل میں باعتبار مماثلت کون کون عورتیں داخل ہیں؟

اور یہ امر بھی استفسار طلب ہے کہ مہر دختران ہم قوم اور ہم عمر اور عرف کا بھی شرعاً اعتبار ہے، یا نہیں، اور ترتیب معاملہ مہر کس طرح پر ہوگی، اور یہ بھی ہے کہ ہمارے قصبات میں مہر شرفاء اور قوم ارذال کا معین ہے، یہاں پر دختران قوم میں حسن و جمال اور عقل ومال اور بکارت وثیابت وغیرہ کا کوئی اعتبار وتفرقہ نہیں، جو مہر باکرہ کا ہوتا ہے وہی ثیبہ کا۔ پس کتب فقہ میں جو فرق وتفاوت لکھا ہے، آیا وہ موافق تقاضائے اسی وقت کے تھا، یا دوام کے لئے تا یوم القیامہ! اور جو یہ صورت ہے تو ہمارے قصبات کے عرف میں جو مہر یکساں اور مساوی ہوتے ہیں، اس کا کیا نتیجہ، جواب اس کا مرحمت ہو۔ بینوا توجروا! فقط

جواب: ایسی حالت میں مہر مثل پر فیصلہ ہوگا، مگر ہاں جو زوج گواہان عادل سے، ثابت کردیوے کہ مہر مثل نہ تھا، بلکہ حسب دعویٰ زوج کے تھا...... اور مہر مثل وہ ہی ہوتا ہے، جو عرف وقوم میں شائع ذائع ہو۔ ہمارے دیار میں شرفاء کا اور ارذل کا مہر معین ہے، علی التفرقہ۔ حسن...... بکاروثیوبۃ وعمر وغیرہا امور کے سب کا مہر یکساں ہوتا ہے۔

تحریرات کتب فقہ کی ان کے عرف کے موافق ہیں، نہ ہمارے عرف کے، پس اس صورت میں اگر زوج گواہان عدول سے اپنا دعویٰ ثابت کردیوے، تو بہتر، ورنہ مہر مثل قوم کا دینا ہووے گا۔ ہکذا فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [مہر، حضرت مولانا] (فتویٰ قلم حضرت مولانا: موجود، در ذخیرہ نور)

(۵۰۱) بیوی کا اپنے شوہر کے مال پر مہر کے عوض قبضہ کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں: کہ ہمارے ملک میں جو یہ رواج ہے کہ عورت بعد مرنے اپنے شوہر کے، اس کی متروکہ پر بدین مہر قابض اور مالک سمجھی جاتی ہے، اور دین مہر ایک قرض ہے عورت کا بذمہ مرد کے، اور کوئی دائن جزو یا کل جائیداد مدیون پر

مالکانہ طور سے بلا استحصال حق ملکیت، مجرد دعویٰ دین کی وجہ سے مالک اور قابض نہیں ہوسکتا۔

پس اگر وہ عورت متروکہ شوہر کے قبضہ کر لینے سے حقیقتاً اور شرعاً مالک ہوسکتی ہے، تو مثلاً جائیداد متروکہ شوہری ہزار یا آٹھ سو روپیہ کی ہے اور دین مہر دو ہزار روپیہ کا، تو ایسی کم قیمت جائیداد پر، اس عورت کے قابض ہوجانے سے، تمامی دین مہر زوجگی شوہر [سے] ادا ہوجاتا ہے، یا نہیں۔ اور شرع میں وارثان شوہر کے لئے، ادائے دین مہر کی بابت کوئی میعاد مقرر ہے، یا نہیں؟

مثلاً، کوئی عورت بعد مرنے اپنے شوہر کے بیس برس تک، ایسی جائیداد متروکہ شوہری پر قابض رہی، کہ جس کی آمدنی پچاس روپیہ یا سو روپیہ، سالانہ اس کو وصول ہوئے، اور اس قدر مدت کے بعد وارثان شوہر دین مہر اس کا جو ہوا دا کرنا اور جائیداد مقبوضہ کا واپس لینا چاہیں، تو ان ورثاء کو ادائے دین مہر مذکور کا مجاز اور اس عورت کو عند الشرع لے لینے زر مہر اور واپس کردینے جائیداد مقبوضہ کا، استحقاق حاصل ہے، یا نہیں؟ اور بعد اس قدر مدت کے اگر عورت منکوحہ مستحق لینے دین مہر کی، وارثان شوہر سے ہوسکتی ہے، تو مدت قبضہ جائیداد کی آمدنی زرمہر میں مجرا اور محسوب ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

اگر وہ آمدنی لائق مجراء دین مہر کے نہیں ہے، تو وہ محاصل جائیداد شوہری بعد وصول ہوجانے کل زرمہر کے، کس حق میں محسوب اور شمار ہوگی؟

جواب: اگر عورت ترکہ شوہر پر بوجہ اپنے دین مہر کے قبضہ کرے، نیت معاوضہ اور ملک سے، تو بفتویٰ متاخرین مالک ہوجاتی ہے، اگر اس کی نیت یہ ہے کہ بعوض کل دین مہر کے اس کو لیتی ہوں، تو تمام مہر ادا ہوگیا، اب اس کا کچھ دعویٰ زوج پر ثابت مہر کا نہیں رہا۔

اور جو یہ نیت ہے کہ قدر قیمت مثل کے، جو اس نے کوئی قدر معین کردی ہے، اس میں لیتی ہوں، تو باقی مہر جو زائد قدر قیمت مثل سے ہے، ذمہ زوج کے باقی رہتا ہے، پس بعد اس کے کہ اس نے اپنے مہر میں اس ترکہ کو لیا، خواہ تمام مہر میں یا بعض میں، تو بعد اس کے ورثہ زوج اگر مہر ادا کر کے ترکہ کو واپس لے لیویں، تو عورت پر جبر نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر عورت برضاء خود دیدیوے، مختار ہے، کہ عورت اس کو یا بیع کرتی ہے یا اقالہ بیع سابق کا کرتی ہے، تو اس صورت میں آمدنی جو عورت نے اس ترکہ سے حاصل کی ہے، مجرا نہیں ہوسکتی، کہ وہ محصول اپنی ملک کا اس نے حاصل کیا ہے۔ کذا یفهم من کتب الفقه، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۲۳۔۲۲۴)

....

حرمت مصاہرت

(۵۰۲) مس سے حرمتِ مصاہرت کب ثابت ہوتی ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

زید نے اپنی عورت کو ایک عرصہ کے واسطے اپنی والدہ کے پاس بھیج دیا تھا، جس جگہ اس کا باپ نوکر تھا اور خود اپنے مکان پر رہا، عرصہ دو ماہ بعد زید کی خوشدامن بیوہ، اس گاؤں میں کہ زید اپنے مکان میں علیحدہ رہتا تھا، آئی اور رہی ایک روز بارادۂ بد، زید اپنے پلنگ سے اُٹھ کر، جس پلنگ پر خوشدامن سو رہی تھی آلیٹا، اور دونوں رضائی میں باتیں کرتے رہے، تھوڑی دیر بعد زید نے اس کے شکم وسینہ پر ہاتھ پھیرا اور کس کر آغوش میں پکڑا، لیکن اس وقت دونوں اپنے اپنے کپڑے پہنے ہوئے تھے، یعنی برہنہ نہیں ہوئے تھے، اور نہ بوسہ لیا، صرف حرکات مندرجہ بالا صادر ہوئیں، اس وقت میں زید کو خوف خدا آیا، کہ کم بخت کیا کرتا ہے، اس کا مرتبہ بجائے ماں کے ہے، یہ تصور کر کے اس کے پلنگ سے علیحدہ ہوا اور باہر کو چلا گیا اور صبح کو اپنی خوشدامن کو رخصت کر دیا، یا کہ ایک دو روز بعد، لیکن اس سے کچھ گفتگو نہ کی۔

اس بات کو عرصہ پانچ سال کا ہو گیا، یا کچھ کم، یا زیادہ ہوا ہوگا، اس عرصہ کے بعد آج بروز بدھ دو فروری ۱۸۸۷ء (جمادی الاول ۱۳۰۴ھ) کو زید نے ضمیمہ ''مراۃ النساء'' میں صفحہ ۹ پر لکھا دیکھا، کہ جو شخص اپنی خوشدامن کو از راہ شہوت کے ہاتھ لگا دے گا، تو عورت اس کی اس پر حرام ہو جاوے گی، جب زید نے یہ حرکات کی تھیں، اس کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، بعد پانچ برس کے آج جو یہ مسئلہ دیکھا، تو وہ فعل بد اپنا زید کو یاد آیا، اس واسطے یہ بات من وعن لکھ کر، دریافت کرتا ہے، کہ عورت منکوحہ زید کی، زید پر حلال رہی یا کہ نہیں، یا کہ بوجہ ناواقفیت کے زید کو کفارہ دینا آوے گا۔ مع دلائل فتویٰ تحریر فرماویں۔

اگر عورت منکوحہ زید کی قابل زید کے نہ رہی، تو عورت پر عدت کے ایام کب واجب ہوں گے، زید سے ایک دختر تین سالہ اور فرزند گیارہ ماہ کا ہے، اگر عورت زید لائق زید نہ رہی، بحکم شرع شریف یہ دختر وفرزند کس کو ملیں گے، زید کو یا عورت کو؟

جواب: سینہ وشکم پر اگر شہوت سے ہاتھ پھیرا تھا اور پیٹ پر کچھ کپڑا نہ تھا، یا کپڑا باریک تھا کہ گرمی شکم کی ہاتھ کو محسوس ہوئی تھی اور ایسا ہی آغوش میں دبانے میں، گرمی بدن کی بدن کو لگی، تو حرمت ثابت ہوگئی، اور منکوحہ حرام ہوگئی، اور جو گرمی بدن کی محسوس نہیں ہوئی، یا شہوت سے یہ کام نہیں کیا، تو کچھ حرج نہیں ہوا۔ بہر حال بشہوت اگر بدون حائل یا باریک حائل سے مس ہوا، تو منکوحہ حرام ہوئی، خواہ ناواقفیت سے ہو، یا کسی طرح۔

اب جس وقت سے عزم عدم قربت کا کرے گا، اس وقت سے عدت تین حیض کی ہو کر افتراق ہو گا، اور کفارہ سے کچھ نہیں ہو سکتا، اور دختر اور پسر عورت کی پرورش میں رہیں گے اگر عورت چاہے، بشرطیکہ کسی نامحرم دختر سے نکاح نہ کرے اور یہ خرچ اولاد کا زید دیتا رہے گا، جب تک ساڑھے سات برس کے ہو جاویں، بعد اس کے زید لے سکتا ہے۔

کتبہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں ص ۱۱۹۔۱۲۱)

(۵۰۳) اپنی دختر کو صرف ہاتھ لگ جانے سے، حرمت مصاہرت کی تحقیق؟

سوال: لکھا ہے کہ اگر مرد حالت شہوت میں ہو اور لڑکی کے ہاتھ لگ جاوے، تو بیوی ہمیشہ کو حرام ہو جاوے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ آیا نعوذ باللہ مرد دانستہ قصداً لڑکی کو ہاتھ لگادے، تب بیوی حرام ہوتی ہے، یا کہ ارادہ بیوی کا کرتا ہے اور لڑکی پاس پڑی ہے اور اندھیرے میں لڑکی کے بلا ارادہ ہاتھ لگ جاوے، یا یوں سمجھ کر کہ یہ بیوی ہے، اندھیرے میں ارادہ سے ہاتھ لگادے اور جب معلوم کرے کہ لڑکی ہے، ہاتھ اٹھالیوے، تب بھی بیوی حرام ہوتی ہے۔ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: اگر لڑکی مشتہاۃ ہے اور ہاتھ لگ گیا قصداً یا سہواً یا خطاً، اور ہاتھ لگنے سے شہوت پیدا ہوئی، یا غلبہ شہوت کا ہو جاوے، تو حنفیہ کے نزدیک والدہ اس کی ہمیشہ کو حرام ہو جاتی ہے۔ (۱)

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (بدست خاص، شوال ۱۳۰۴)

(۵۰۴) کم سنی میں بچی کو شوہر نہیں لے سکتا اور نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں ہے:

مسئلہ: تا ایام حضانت صغیرہ کو زوج نہیں لے سکتا اور نفقہ بھی زوج کے ذمہ نہیں آتا، (۲) جو آپ سمجھے درست ہے، ہاں مراہقہ کو لے سکتا ہے کیوں کہ ایام مراہقت حضانت سے خارج ہو جاتے ہیں **علی الصحیح**۔ اس لئے کہ بسبب فتنہ کے اب تا حیض حضانت نہیں ہونی چاہئے، بلکہ مشتہاۃ ہونے تک۔ فقط رشید احمد

(مکتوب بنام مولانا خلیل احمد انبہٹوی، مکتوب ۳۹)

---

(۱) یعنی ہاتھ لگتے وقت شہوت یا غلبہ شہوت ہو، اسلئے کہ مس کے بعد شہوت کا پایا جانا، حرمت مصاہرت کو ثابت نہیں کرتا۔ ففی الدر المختار والعبرة للشهوة عند المس والنظر لابعدهما. الدر المختار (۱/ ۱۸۸) عکس مجتبائی ۱۳۲۲ھ [نور]

وقال العلامة الشامي: قال في الفتح وقوله بشهوة في موضع الحال فيفيد اشتراط الشهوة حال المس، فلومس بغير شهوة، ثم اشتهى عن ذالك المس لاتحرم عليه. ردالمحتار (۲/ ۲۸۰) مجتبائی دہلی (۱۲۸۸ھ) كتاب النكاح، فصل في المحرمات ص: ۳۰۴ جلد: ۲ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ پاکستان ۱۳۹۹ھ] نیز ردالمحتار کتاب النکاح ج: ۳/ ص: ۳۳ باب مذکور دارالفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ] [نور]

(۲) یعنی مطلقہ بیوی کا نفقہ بایں وجہ کہ وہ صغیر کی پرورش کر رہی ہے، شوہر کے ذمہ نہیں، البتہ جب تک وہ دودھ پلائے مرضعہ ہونے کی وجہ سے، اس کا نفقہ بچے کے باپ پر واجب ہے۔ (پالن پوری)

رضاعت

(۵۰۵) حرمت رضاعت، صرف دودھ پلانے سے ثابت ہوتی ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ زید جس روز پیدا ہوا ہندہ نے اسی روز، گود میں لے کر اپنی چھاتی منھ میں دیدی، اور ہندہ اس روز شیر دار نہ تھی۔ بلکہ اس کو وضع (حمل) کئے ہوئے چار برس گذرے تھے اور یہ ہی بیان ہندہ کا ہے، اور یہی بیان دوسری دو مرضعہ اور ہیں وہ بھی بیان کرتی ہیں، اور بعد گزرنے عرصہ دس سال ہندہ کی لڑکی پیدا ہوئی، اس کے ساتھ اس نے سعیدہ کو دودھ پلایا، پس اب سعیدہ اور زید میں اخوت رضاعی ثابت ہوئی، یا نہیں؟ اور نکاح جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: حرمت رضاعیہ شیر لینے سے ثابت ہوتی ہے، فقط پستان منھ میں لینے سے ثابت نہیں ہوتی۔ پس جس صورت میں کہ ہندہ کے دودھ نہیں، تو زید کی حرمت رضاعیہ ثابت نہیں ہوگی، اور نکاح زید کا سعیدہ سے شرعاً جائز ہووے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۱۱-۱۱۲)

(۵۰۶) ثبوت حرمت رضاعت کی ایک صورت:

سوال: کیا فرماتے ہیں کہ علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ مسماۃ رحیمہ کے دو لڑکیاں مسماۃ کریما و فہیما، کریما کے ایک لڑکا مسمّی خالد [تھا] پانچ، چھ مہینہ اس کو دودھ پلا کر بقضاء الٰہی انتقال کیا، مسماۃ رحیما، خالد کی نانی سے اس وقت کوئی لڑکا شیر خوار اس کی گود میں نہ تھا، اور دودھ اس کا بالکل تو دس برس سے خشک ہوگیا تھا، ہر گاہ ہے کہ خالد کو دودھ پلانا شروع کیا، خدا کی قدرت سے دودھ اس کے اُتر آیا، اچھی طرح سے دو برس تک پلایا، اور مسماۃ رحیما خالد کی نانی یہ چاہتی ہے، کہ نکاح خالد کا فہیم کی لڑکی کے ساتھ کردوں۔ پس از روئے شرع شریف کے نکاح خالد کا فہیم کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: نکاح خالد اولاد فہیم سے ہرگز نہیں ہوسکتا، کیونکہ خالد بھائی رضاعی فہیم کا ہوگیا، تو سب اولاد فہیم کی اولاد اخت خالد کی ہوئی اور نسب رضاعی حرام ہے۔ کذا فی عامة كتب الفقه

اور شیر میں کوئی قید ولادت کی نہیں، جس طرح شیر عورت کے نازل ہوجائے گا، اس پر مدار حرمت کا ہووے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی (مہر)

الجواب و الی اللہ۔ حررہ محمد رحمت علی غفرلہ اللہ الوافی۔

صحیح جواب و ہو الحق و الصواب اللہ سبحانہ اعلم حررہ ابو القاسم تجاوزہ اللہ عن سیئاتہ

(یہ اصل سوال وجواب، مرقع کاغذات خاندانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھنؤ، میں محفوظ ہیں۔)

(۵۰۷) صرف دوعورتوں کے کہنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی: سوال: کیا فرماتے علمائے دین کرام اسلام ومفتیان ملت عظام: کہ ایک عورت نے پہلے اپنا دودھ دینا ایک لڑکی کو بیان کیا، پاس دوعورتوں کے۔ اب عندالتفتیش مطلق جواب دیتی ہے کہ حالت بیماری میں ضرور چند دفعہ اس لڑکی نے دودھ چوسنا چاہا، الّا چوسا نہیں، وہ عورتیں مذکورہ بالا ضرور چوسنا بیان کرتی ہیں، مرد کوئی بھی اس پر شہادت نہیں دیتا۔ آیا حکم شرعی مناکحت باہمی کا دیتی ہے، یا نہیں؟

جواب: ثبوت رضاعت، بمذہب حنفیہ دوعورتوں کے قول سے نہیں ہوسکتی، جب تک دومرد یا دوعورت اور ایک مرد شہادت نہ دیویں، لہٰذا، یہاں فقط دوعورت اقرار عورت پر شاہد ہیں، ثبوت رضاعت عندالقاضی اس سے نہیں ہوسکتا، البتہ تقویٰ اس کے ترک میں ہے۔ کما ورد فی الحدیث (۱) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۵)

(۵۰۸) شوہر بیوی کی ملاقات کے امکان کی صورت میں اولاد ثابت النسب ہے: مسئلہ: اصل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر وہ مرد اور عورت دونوں دعویٰ کریں کہ یہ پسر ہمارا ہے، تو چونکہ لقاء و جماع ممکن ہے، نسب شرع ثابت کرے گی اور تہمت زنا کی لگا کر، بچہ کو ولد الزناء اور والدین کو زانی اور کاذب نہ بناویں گے، یہ مطلب درمختار کا ہے اور طاعن مطلب کو نہیں سمجھا، خواہ مخواہ زنا ثابت کرتا ہے۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۷۲)

(۵۰۹) اسقاط حمل کرانے میں کب کس درجہ کا گناہ ہے؟ سوال: اسقاط حمل کرنے میں دوا وغیرہ سے، اگر قبل از جان پڑنے کے کرے، گناہ بھی ہوتا ہے یا نہیں، اور اگر بعد جان پڑنے کے کرے تو گناہ مثل خون کرنے کے ہوتا ہے، یا کیا؟

جواب: بعد جان پڑنے کے گناہ قتل کا ہے اور بعد اعضاء کے بن جانے کے بھی گناہ ہے، مگر قتل سے کچھ کم۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بدست خاص ص ۲۵)

(۵۱۰) زنا چاہے محصنہ کرے یا غیر محصنہ، اس پر حد بھی ہے گناہ بھی: سوال: تحفۃ العجم ترجمہ کنز میں لکھا ہے کہ اگر اجرت دے کر زنا کیا تو حد نہیں، (۲) تو یہ حکم رنڈی کسبی کا ہے یا محصنہ کا بھی۔ اور جس گناہ کے

---

(۱) یہ حضرت عقبہ بن الحارثؓ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے اس کی تخریج امام بخاری وغیرہ نے کی ہے (مشکوۃ کتاب النکاح باب المحرمات، فصل اول، ج ۲، ص ۳۰-۲۷۲ تفصیل کے لئے حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ نیز مشکوۃ باب مذکور ج ۳، ص ۲۲۲ رقم الحدیث: ۳۱۶۹ مکتبۃ التوبہ دار ابن حزم، بیروت: ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء) [پالن پوری]

(۲) تحفۃ العجم ترجمہ اردو کنز الدقائق مترجم، مولانا محمد سلطان خان شاہجہاں پوری [مؤلف تحذیر الاخوان، ضمیمہ تقویۃ الایمان] کتاب الحدود، باب الوطی الذی یوجب الحد أولا ص: ۷۵-۱ [مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء]

کرنے سے حد نہ آتی ہو تو اس میں خدا کا گنہگار بھی ہوتا ہے یا نہیں، مثلاً اگر کوئی کسی کی زوجہ سے حرام کا مرتکب ہو اور زنا کرے، تو اس پر حد تو نہیں، مگر وہ شخص گنہگار بھی ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ روایت مفتیٰ بہا نہیں، حد آتی ہے، اور حد اگر چہ نہ ہو مگر گناہ ہوتا ہے۔ گناہ ہونا دوسری بات ہے اور حد کا آنا دوسرا امر ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۲۵)

میراث

(۵۱۱) تقسیم میراث زکوٰۃ کی ادائیگی پر مقدم ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ زید نے اپنی زندگی میں اپنے مال کی زکوٰۃ سالانہ اپنے مال سے جدا کر کے رکھی، تا کہ مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرے، پھر زید مذکور کو مرض وغیرہ نے اتنی فرصت نہ دی کہ زکوٰۃ مستحقین پر تقسیم کرے، اور زکوٰۃ اپنے مال کی علیحدہ رکھے ہوئے چھوڑ کر، انتقال کر گیا۔ اب آیا وہ روپیہ جو علیحدہ رکھا ہے، مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر دے، یا ورثہ کے حصہ میں آوے گا۔ جیسا کہ حکم شرع شریف ہو، ارقام فرمایئے اور اجر عظیم اللہ سے پایئے؟

الجواب: روپیہ مذکور اب وارثوں کو بطور ورثہ کے ملے گا، یہ روپیہ زکوٰۃ میں تقسیم نہ ہوگا، ہاں! اگر زید مرحوم وصیت کر جاتا کہ اس روپیہ کو مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر دینا، تب تو زکوٰۃ کے طور پر تقسیم ہو جاتا اور یہاں زید نے وصیت نہیں کی، وہ جانے اور اس کا ذمہ جانے، اب یہاں توریث مقدم ہوگی زکوٰۃ پر، اور بس۔ (۱) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعۂ کلاں ص ۱۳۶۔۱۳۷)

(۵۱۲) بیوی کو شوہر کے ترکہ میں سے صرف اپنا حصہ لینے کی اجازت ہے: سوال: زید مر گیا اور اس نے بکر اپنا لڑکا صغیر سن اور اپنی بیوی وارث چھوڑی، تو اگر زید کی بیوی اپنے خاوند کے ترکہ میں سے، کچھ نقد یا جنس وغیرہ بنام خدا نکالے اور اس کا ثواب زید مردہ کو بخشے تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اپنے حصہ کے قدر نکالنا جائز ہے اور یتیم لڑکے کے حصہ میں تصرف ناجائز۔ واللہ اعلم (بدست خاص ص ۶)

(۵۱۳) اگر بیوی شوہر سے پہلے مر جائے تو اس کا باقی ماندہ مہر کس طرح تقسیم ہوگا؟ سوال: اگر کوئی عورت قبل اپنے شوہر کے وفات پا جائے، تو اس کے مہر بذمہ شوہر ہونگے، یا نہیں؟

الجواب: عورت فوت ہوئی اس کا مہر جو ذمہ (شوہر) کے ہے، وہ ترکہ ہے، میراث اس میں جاری

(۱) البتہ اگر ورثاء عاقل بالغ ہوں تو ان کو اپنی طرف سے میت کی زکوٰۃ میں وہ رقم صرف کرنی چاہئے۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ میت کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ (پالن پوری)

ہوگی۔ نصف یا ربع مہر کا زوج کو ملے گا، باقی دیگر عورت کے ورثاء کو مثل دیگر ترکہ کے، اور مطالبہ زوج پر اس قدر مہر کا ورثاء کریں گے۔ فقط۔ (مجموعۂ رام پور ص:۱)

(۵۱۴) والد کا قرض ادا کرنا اولاد کے ذمہ واجب ہے:

سوال: لڑکے کو اپنے والد کے ذمہ کا قرض، بعد وفات والد کے دینا واجب ہے، یا نہیں؟

جواب: والد کا قرض پسر پر واجب ہے، اگر ترکہ چھوڑے [تو] اول ترکہ سے دین ادا کرنا واجب ہوگا اور جو ترکہ نہیں چھوڑا، تو واجب نہیں، محض احسان والد پر ہے اگر دے دیویں۔ فقط (بدست خاص، سوال ۵)

(۵۱۵) اگر باپ کے متروکہ مال کے متعلق، یقین ہے کہ وہ حرام آمدنی کا ہے، تو اس کا ورثاء کو لینا؟

سوال: ماقولکم دام فضلکم کہ باپ نے بذریعہ حلال یا حرام کچھ مال پیدا کیا، یا بیٹوں کو معلوم ہو تحقیق طور سے کہ ذریعہ حرام سے مال پیدا کیا ہے، اس صورت میں بیٹوں کو لینا وہ مال حرام ہے، یا حلال، مگر ہاں یہ بات معلوم نہیں کہ باپ نے کون [سے] سبب حرام سے حاصل کیا ہے، یا کس شخص کا مال بطور ممنوعاتِ شرعی لیا ہے، صرف اسی قدر معلوم ہے کہ حرام سے حاصل کیا ہے۔ بینوا توجروا!

جواب: اگر ورثاء کو محقق ہے کہ ہمارا مال حرام وجہ سے حاصل ہوا ہے، تو یہ مال ورثاء کے حق میں بھی حرام ہے، اگرچہ ارباب حقوق معلوم نہ ہوں، اور نہ وجہ خاص حرمت کی تحقیق ہو۔ پس ایسی حالت میں اس مال کو فقراء پر صرف کرے، اس نیت سے کہ قیامت کو اہل حقوق کو دلایا جائے، اور بعض روایات میں جو جائز لکھدیا ہے، وہ روایت صحیح نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں ص ۲۱۶)

(۵۱۶) جس مال کے والد کا ترکہ ہونے کا یقین نہیں، اس میں وارثوں کا حق نہیں:

سوال: ماقولکم دام فضلکم. زید کی دو ہمشیرہ ہیں، ان دونوں نے زید سے وراثت کا دعویٰ کیا، زید نے ان سے کہا کہ گواہ لاؤ اس امر کے ثبوت میں کہ جو مال میرے پاس موجود ہے، یا میری ملک میں ہے، یا وہ باپ کا مال ہے۔ وہ دونوں گواہ لانے سے عاجز ہیں، اور زید نے انکار کیا اور حلف کیا کہ جو مال میرے قبضہ میں ہے، میرا ہی ہے، باپ کا نہیں ہے، اگر تم کو دعوی ہو تو عدالت میں یا جہاں چاہو استغاثہ کرو، اس حلف کے سات آٹھ برس بعد، زید نے انتقال کیا، اب ورثاء زید کو اس مال کا دینا واجب ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: ہرگاہ کہ ورثاء زید کو یقین یہ ہے کہ یہ شے ملک ہمارے مورث کی ہے، اور خود مورث کی پیدا کی ہوئی ہے، تو حصہ دینا ان پر واجب نہیں۔ البتہ اگر حجت سے ثابت ہو جاوے کہ زید کو اپنے مورث سے ملی تھی اور حصہ شرکاء

زید کا، اس میں ہے، تو دینا حصہ بقیہ ورثاء کا واجب ہے، مگر حسب بیان سائل ثبوت اس امر کا نہیں ہوا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۵-۲۱۶)

(۵۱۷) دو بھائیوں کی مشترک خریدی ہوئی زمین میں، میراث کی تحقیق؟

سوال: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں: کہ کوئی مکان یا کوئی باغ موقوعہ کسی مقام کا بیع نامہ بنام دو برادران حقیقی کے ہے، اور تا زندگی ان دونوں بھائیوں کے اس پر قبضہ مشترکہ رہا۔ ایک بھائی کی دو دختران پیدا ہوئی کہ وہ ہر دو دختران، یکے بعد دیگرے ساتھ ایک شخص رشتہ دار، ہم جدی خود کہ وہ بجائے دیگر قیام پذیر تھا، کتخدا کر دیا اور دوسرا بھائی لاولد رہا، دونوں [نے] باتفاق ومشاورت باہمی خود، ایک نے اپنے نواسگان کو اپنا حصہ لکھدیا، اور دوسرے نے اپنے بنی اعمام کو اپنا حصہ لکھ دیا، مگر بوجہ اتفاق باہمی، اصل بیع نامہ اس بھائی کے پاس رہا کہ جس نے حصہ اپنا بنی اعمام کو لکھدیا تھا، اور دوسرے کے بھائی کی اولاد یعنی نواسگان کے پاس، فقط اقرار نامہ بقرار ہر دو برادران، اس مضمون کا ہے، کہ اس چیز میں نصف مشاع کے مالک فلاں فلاں اور نصف مشاع کا مالک فلاں شخص ہے، ہم دونوں عاریتاً رہتے ہیں اور اس پر قابض ہیں، جب چاہیں وہ، ہم دونوں سے اپنی چیز لے لیں، ہم کو عذر نہ ہوگا۔

چنانچہ بسبب اتفاق باہمی کے وہ چیز نسلاً بعد نسل زائد از صد سال، اولاد در اولاد بنی اعمام کا، ہر طرح پر قبضہ اور تصرف رہا، اولاد نواسگان کا کبھی قبضہ و دخل اس پر نہیں ہوا، اور بعد چندیں مدت مدیدہ اولاد نواسگان نے خود دعویٰ نصفی خود کا کیا کہ بیع نامہ اس چیز کا خاص ہمارے پرنانا کے نام پر ہی ہے اور اقرار نامہ ہر دو پرنانا ہائے سے، نصفی حصہ ہمارے نام ثابت ہوتا ہے، اور نقل اس بیع نامہ کی جو حسب الاتفاق ہاتھ اولاد نواسگان کے آ گیا، وہ بھی پیش کیا اور کہا نہ ہم اس مقام کے باشندہ اور نہ ہم وہاں کے مردمان، رذیل وشریف ہندو مسلمان دیرینہ سال یا موجودہ حال سے واقف ہیں، اور نہ ہم ان بائعان مندرجہ بیع نامہ کو [جانتے ہیں] اور نہ ان حدودات وغیرہ سے آگاہ ہیں، اور نہ نام ان شاہد ومہور ہائے مشبتہ حاشیہ کو جانتے ہیں، کیونکہ (کیوں کر؟) اس بیع نامہ کو بقید ان گواہوں اور ناموں وغیرہ کے لکھ سکتے ہیں، مگر اولاد بنی اعمام صاف انکار بیع نامہ اور اقرار نامہ و نیز عدم قبضہ اولاد در اولاد نواسگان سے کرتے ہیں۔ پس اس صورت میں از روئے شرع شریف کچھ کسی طرح سے دعویٰ اولاد نواسگان کا، بروئے نقل موجودہ واقرار نامہ اصل اقراری ہر دو برادران ہو سکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: اگر کسی نے اقرار کیا کہ یہ شے مقبوضہ میری ملک فلاں شخص کی ہے، تو اگر پہلے سے ملک مقر کا ہونا ثابت ہوتا ہے، تو یہ اقرار ہبہ قرار دیا جاتا ہے، کما ہو مصرح فی الکتب، مگر جو قبل اقرار کے ثبوت بیع کا مثلاً ہو جاوے، تو اس وقت اقرار ملک بیع کا البتہ ہو جاوے گا۔ اس صورت سوال میں اگر بیع نامہ لکھنا جدید مدعی کا ثابت ہو جاوے تو یہ اقرار مفید ملک نواسگان لاریب ہے، نصف مدعیٰ کے مالک نواسگان ہونگے اور تمادی قبض فریقِ ثانی کا مسقط حقِ نواسگان کا نہیں ہو سکتا، مگر اس ہبہ نامہ موجودہ میں ثبوت فقط پیش کرنے اور مواہیر کے ہونے سے نہیں ہو سکتا، جب تک دلائل خارجیہ سے ثابت نہ ہو جاوے کہ یہ بیع نامہ فلاں شخص کا لکھا ہوا ہے اور بعد اس کے کوئی عمل درآمد خلاف اس کے

نہیں ہوا، یا یہ کہ فریق ثانی اقرار کریں۔ پس چونکہ فریق ثانی منکر ہیں، تو اب اثبات کے واسطے دوسری حجت کی ضرورت ہے، اس قبالہ سے ثبوت حق کا شرعاً نہیں ہوسکتا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعۂ کلاں ص ۲۳۶۔۲۳۷)

(۵۱۸) اگر بھائی بہن کا حق نہیں دیتا تو بہن کو اپنے حق کے بقدر، چوری سے لینا کیسا ہے؟ **سوال:** بہن کا حق بھائی نہیں دیتا ہے اور بہن نے بھائی کی ایک ایسی چیز چرالی، جو اس کے حق کے موافق ہے، تو بہن کو وہ چیز جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر بھائی سے حق مانگتی ہے اور نہیں دیتا، تو اپنے حق کے قدر لینا درست ہے، جو زیادہ لیا تو حرام ہے اور جو شرم سے حسب دستور مانگتی نہیں اور پھر اپنے حق میں چوری کرے گی، تو حرام ہے، اس کو یہ مال حلال نہ ہوگا۔ (بدست خاص، سوال ۹۶)

نوٹ: ایک اور ضروری مسئلہ: اگر متوفی نے جائیداد سے، بہن یا والدہ کو حصہ نہیں دیا، تو اولاد کو لازم ہے کہ ان کو حصہ دے۔ حضرت کا ایک اور فتویٰ جو یہاں درج نہیں ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ [نور]

نوٹ: ایک اور ضروری مسئلہ: اگر باپ کے ترکہ میں سے بہنوں کو محروم کردیا، تو اگر یہ قابض اس جائیداد کو رہن کریں، تو کیا حکم ہے؟ یہاں رہ گیا ہے، ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ [نور]

(۵۱۹) بہنوں کے ساتھ سلوک واحسان کرنے کی وجہ سے ترکہ کا حق ختم نہیں ہوسکتا: **سوال:** زید کی بہنوں نے زید سے دعویٰ وراثت کیا، زید نے کہا کہ تمہاری شادی بیاہ، تمہارے لڑکے کی شادی بیاہ، تمہارے داماد کی تربیت وتعلیم، تمہاری مخلصی اور محبس وغیرہ امور میں علاوہ خورش وپوشش کے، تمہاری آمدنی سے کسی قدر میرا زیادہ صرف ہوا ہے، وہ تم دیدو اور اپنا ترکہ لے لو۔ ان بہنوں نے یہ بات کہی کہ ہم تمہارے شریک تھے، گو میرے واسطے ہزار دو ہزار خرچ کیوں نہ ہوا ہو، مگر ہم نہیں دیں گے۔ از روئے شرع زید ان خرچوں کو پاسکتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: ترکہ کا حصہ بہنوں کا واجب ہے اور جو کچھ بھائی نے احسان وسلوک کیا ہے، وہ صلہ ہے، پس اس صلہ وسلوک کرنے سے، ترکہ کا حصہ ساقط نہیں ہوسکتا اور نہ صلہ کا حساب ترکہ میں کیا جاوے، ترکہ کا حصہ دینا زید کو واجب ہے، اور عذر صلہ کا بالکل لغو ہے وفضول [ہے] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعۂ کلاں ص ۲۱۴)

(۵۲۰) ترکہ کی تقسیم کی ایک خاص صورت کی وضاحت: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین: زید و عمر، دو سہ ہمشیرہ حقیقی ہیں، زید وغیرہ کے پدر نے اپنی حیات میں اپنا ترکہ میراث اسی صورت پر تقسیم کردیا، دو دو سہام پسران کو اور ایک ایک سہام دختران کو دئے اور تقسیم نامہ مع مہر وگواہی کے تحریر کردی، پس بعد فوت ہوجانے پدر مذکور کے زید وعمر نے ہمشیران کے سہام کی آمدنی نہیں دی، اپنے قبضہ وتصرف میں رکھی، اور عرصہ تک یہ ہی عمل درآمد رہا، اور

کاغذ سرکاری میں بھی، کل ترکہ پر مع سہام ہائے ہمشیرہ کے نام زید، عمرو کا درج رہا۔ بعدازاں عمر خود، اور برادران زید لقضائے الٰہی فوت ہوگیا، زید نے ہر دو سہام عمرو کے اور یکم سہام منجملہ سہام ہمشیرہ ہائے سے، بنام اہلیہ عمر کے کاغذ سرکاری میں درج کر دیا، [اہلیہ] عمرو قریب عرصہ بیس یا زیادہ سال کے قابض رہی اور آمدنی لیتی رہی، اور زید بھی اسی عرصہ میں مرگیا، اور زید نے دو پسر اور دو دختر چھوڑ، اب عرصہ دو سال کا ہوا، اہلیہ عمر کی لاولد مرگئی، کوئی برادر حقیقی اہلیہ عمر کے نہیں ہے، ایک برادر اور ایک ہمشیرہ عموی زاد اور چار پسر دیگر برادر عموی زاد کی ہیں، سو یہ ترکہ جو کہ بنام اہلیہ عمرو کا غذ سرکاری میں درج ہے برادر عموی زاد کو، بموجب حکم فرائض اللہ کے پہنچا، سو برادر مذکور کو یہ ترکہ لینا درست ہے، یا نہیں؟ اگر یہ ترکہ لیا تو بذمہ برادر مذکور کے عنداللہ وعندالناس، کچھ ضمان تو نہیں آتا، اور لینے میں کچھ مبتلا معصیت تو نہیں ہوتا ہے؟ بینوا توجروا!

جواب: زوجہ عمرو کے ورثاء، جو چچا کی اولاد ہیں، ان کو اس قدر ترکہ لینا کہ اس کے خاوند کا حق تھا، اور زوجہ عمرو نے بوجہ دین مہر اس کو لیا تھا درست ہے، اور جو حق ہمشیرہ عمرو ظلماً اس کے قبضہ میں تھا، اس کا لینا حرام ہے، اگر لیویں گے تو غاصب اور ظالم ہوویں گے اور آخرت میں وبال میں اس ظلم کے ماخوذ ہوویں گے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۲)

(۵۲۱) تقسیم میراث کی ایک ترتیب کی وضاحت؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ مسماۃ آمنہ فوت ہوئی، اس نے دو پسر انور علی وشفاعت و دختر جنت النساء وزوج سلطان علی چھوڑے۔ ترکہ آمنہ متوفیہ کا علیٰ فرائض اللہ تقسیم ہوا، مگر سلطان علی کے پاس آمدنی کل آتی رہی، سلطان علی انور علی کو حسب حصہ دیتا رہا، مابقیہ اپنے اور شفاعت علی کے خرچ میں لاتا رہا، اور دست برداشتہ بہت قلیل کچھ، جنت النساء کو بھی دیا۔

بعدہ جنت النساء نے انتقال کیا، اس نے ایک پسر سرفراز علی چھوڑا، سلطان سرفراز کو بھی اسی طرح قلت کے ساتھ دیتا رہا، زاں بعد سلطان فوت ہوا اور اس نے انور و شفاعت چھوڑے، حق جنت النساء وسرفراز کا بابت عدم وصولی بذمہ سلطان وشفاعت چاہتا ہے، اگر سرفراز کسی طور سے شفاعت علی ورثہ سے لے لے، تو عندالشرع درست ہے، یا غیر درست ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب: جو کچھ ترکہ وحصہ جنت النساء کا ہے، اس کو سرفراز لے سکتا ہے، مگر جو کچھ محاصل بلا حساب سلطان نے ترکہ وحصہ جنت النساء کا کھایا، اور جنت النساء نے تکرار نہ کیا، قبول رکھا، وہ شفاعت علی سے نہیں لے سکتا، اور نہ ورثہ شفاعت سے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۱۸-۱۱۹)

(۵۲۲) جس چیز کیلئے کوئی جائز وصیت موجود ہے، اس کا فروخت کرنا؟

مسئلہ: موصی بہ کا فروخت کرنا ورثاء موصی کی طرف سے حرام وغصب وظلم ہے اور اس کی قیمت کا لینا غیروں کو بھی ظلم ہے اور خالو بھی ظالم ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۲۴۰)

(۵۲۳) کتابوں کی وراثت میں عالم جاہل کا فرق نہیں: **سوال:** اگر کوئی شخص اپنے بعد کتابیں چھوڑے اور اس کی اولاد میں سے بعض خواندہ ہیں بعض ناخواندہ، کوئی پسر کوئی دختر، تقسیم کتب سب پر ہوگی یا بعض پر، درصورت ثانیہ کس پر؟ اگر مورث کا اپنی زندگی میں یہ برتاؤ ہو کہ بعض کو اپنے پاس رکھے ہوئے نسخے اور اسی قسم کے نسخہ دوسرے کو خرید کر دیدے، یا اس کا وعدہ کر دے، تو صورت اولیٰ میں دونوں فریق کی کتابوں کی قیمت کر کے تقسیم کی جاوے گی، یا بحال سابق ویسے ہی چھوڑیں گے، صورت ثانیہ میں بعد ممات مورث، اس کے جملہ مال متروکہ میں سے، خرچ کتب موعودہ کا نکالا جاوے گا، یا نہیں؟

جواب: کتب بھی ترکہ ہیں، اس میں پسر و دختر خواندہ و ناخواندہ سب حصہ میں برابر ہیں، اور جو کتاب صحت میں پسر کو ہبہ کر دی ہے، وہ اس کی ہے، اس میں میراث نہ ہووے گی اور وعدہ کا کوئی اعتبار نہیں، باطل ہو جاوے گا۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ رام پور ص ۲)

(۵۲۴) جو پنشن مورث نے وصول کرلی صرف اسی میں میراث جاری ہوگی، بعد میں جو ملے وہ اسی کا حق ہے، جس کو ملے: **سوال:** ایک حوالدار نے سرکار کا کچھ کارنمایاں کیا، سرکار نے اس کے ساتھ یہ خاص رعایت کی، کہ پنشن کے وقت اس سے وعدہ کیا کہ، اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکوں کو نسل درنسل اور لڑکیوں کو حین حیات، اس پنشن کا حق ملتا رہے گا۔ اب اس حوالدار کا انتقال ہو گیا اور حسب قرارداد اس کی تین لڑکیوں کو سات روپے تقسیم ہو کر ملتے رہے، متوفی کی ہمشیرہ نے یہ کہا کہ شرع کی رو سے میرا بھی حق ہے، سرکار سے مجھے بھی ملنا چاہئے، سرکار نے پنشن دینی موقوف کر دی اور کہا کہ اگر شرع کی رو سے اس میں بہن کا بھی حق ہے، تو ہم سب کو حصہ رسد دیں گے ورنہ نہیں اور جب تک شرع کا کوئی فیصلہ نہیں معلوم ہوگا، اس وقت تک پنشن دینا ملتوی رکھا جائے گا، اور روپے جمع ہوتے رہیں گے۔ اب عرض یہ ہے کہ اس کا حکم مع دلیل معلوم ہو جائے۔

جواب: میراث ترکہ مملوکہ میں ہوتی ہے، کہ وقت موت، مورث کے ملک مورث میں موجود ہو، اور پنشن محض وعدہ عطا ہے، جس قدر پنشن لے چکا اس میں ملک ہوگئی اور جس کو ہنوز قبض نہیں کیا، اس میں ملک مورث کی نہیں ہوئی۔ پس بعد موت مورث کے مال موجودہ میں تو سب ورثہ، قدر حصہ شرعیہ کے میراث پاویں گے اور پنشن موعودہ میں، جس سے وعدہ سرکار نے کیا ہے، وہ ہی مستحق ہے نہ غیر اس کا ...... مثلاً اس میں حین حیات دختران کے دختران سے وعدہ ہے، للہذا اس کی مستحق دختران ہیں نہ دیگر وارث۔ پس بوجہ ارث نہ دختران کو یہ پنشن ملتی ہے نہ کسی دوسرے کو، ہاں بوجہ وعدہ کے حق دختران کا ہے اور کسی کا نہیں ہے۔ پس دعویٰ میراث کا ہمشیرہ متوفی کا باطل ہے، کہ پنشن کوئی ورثہ ترکہ مورث متوفی کا

نہیں......اس میں روایت کی ضرورت نہیں کہ ترکہ حد خود کافی ہے۔فقط

مکتوب حضرت مولانا گنگوہیؒ، بنام مولانا عبدالرحمن صدیقی امروہوی۔
مشمولہ، تصوف نمبر: ماہنامہ نظام کان پور: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء، ص: ۱۱۶، ۱۱۷

(۵۲۵) ترکہ کی تقسیم میں شیعوں کے مسلک پر عمل اور فتویٰ؟ **سوال:** اگر زید مدعی اثبات حق فرائض کے لئے عالم باعمل کو عدالت میں طلب کرے، پس اس شخص کو تائید حقیت مذہب کا چاہئے یا موافق فرائض باطلہ، مذہب مورث شیعہ کی تائید کرے اور اثبات حق مدعی باطل کرے، اور توریہ نہ کرے یا توریہ کرکے اس کا حق عدالت سے دلائے، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ جواب بہت جلد مرحمت ہو کیونکہ عدالت میں داخل ہوگئے۔

جواب: یہ ہے کہ درصورت مورث کے شیعہ اور وارث کے سنی ہونے میں، اگر حسب روایت دیگر علماء کے کوئی عالم میراث جاری کرے تو بموجب حکم شرع شریف اور مذہب حق کے جواب لکھے، اگر حسب مذہب روافض کے لکھے گا تو مورد وَمَنْ لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (المائدہ: ۴۷) ترجمہ: اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان (ترجمہ شیخ الہند) کا ہووے گا اور ضال مضل بنے گا۔ أُفْتُوا بغير علم فضلوا و أضلوا۔ (۱)

ایسا فتویٰ اور ایسا حکم مردود ہووے گا اور مفتی اور حکم فاسق ٹھہرے گا اور حکم اس کا رد کیا جاوے گا، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں، ص ۱۷۱-۱۷۰)

(۵۲۶) اس زمانہ کے روافض کافر ہیں، نہ ان کی میراث سنی کو ملے گی، نہ سنی کی ان کو: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہائے مفصلہ ذیل میں:

(ایک) شخص سنی المذہب ترکہ مورث شیعہ میں وارث ہوسکتا ہے، یا نہیں، اور عکس بھی ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

جواب: روافض اس زمانہ کے جو منکر قطعیات نصوص کے ہیں، کافر ہیں، حسب فتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے۔ پس سنی کو میراث شیعہ کی نہیں ملے گی اور علیٰ ہذا، شیعہ کو میراث سنی کی نہیں ملے گی، کہ توارث مسلمان و کافر میں درست نہیں ہوتا: لاتوارث بین المسلم و الکافر (۲) یہ مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص: ۱۶۹/۱۷۰)

نوٹ: اس مسئلہ پر حضرت گنگوہی کا ایک اہم مفصل، خودنوشت فتویٰ جو یہاں درج ہونے سے رہ گیا، ضمیمہ دوم کے آغاز پر ملاحظہ فرمائیں۔ [نور]

(۱) صحیح مسلم کتاب العلم ص: ۳۴۰/ ج: ۲۔ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۰۱ھ) ت: ابوقتیبہ نظر محمد الفاریابی، کتاب العلم رقم الحدیث: ۶۷۹۳ ص: ۱۲۳۳ ج: ۳ دار طیبہ، بیروت: ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء نیز مشکوٰۃ باب مذکور ص: ۳۳ [اصح المطابع رشیدیہ دہلی: ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء] (نور)

(۲) الأشباہ والنظائر لابن النجیم ص: ۳۲۶ [دار الکتب العلمیۃ بیروت: ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء] (نور)

نواں باب

کتاب البیوع والمعاملات

(۵۲۷) اقرارنامہ لکھنے سے پہلے معاملہ شرعی کا ہونا ضروری ہے: **سوال:** اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین: کہ ایک شخص نے ایک اقرارنامہ، کہ جس کی نقل بجنسہٖ کی جاتی ہے۔ سو اس قسم کا اقرارنامہ از روئے شرع شریف جائز ہے، یا نہیں اور شرع شریف کے موافق، پھر قابل درآمد ہے، یا نہیں؟

منکہ شیخ محمد ذاکر علی بن شیخ امام الدین بن شیخ غلام مہدی، ساکن قدیم جہانگیرآباد عرف نوگانوہ، پرگنہ ام، جو کہ حقیقت موروثی وغیر موروثی، وزرخرید از روئے بیع ورہن وغیرہ، مفصلہ ذیل واقعہ مسطور، آباد متعلقہ ضلع سہارنپور، بشمول دیگر برادران، مسمون شیخ خدابخش وشیخ کبیر علی وغیرہ خرید کی گئی ہے، اور اس میں صرف ایک نام من مقر کا، کاغذاتِ اسناد خرید میں مندرج ہوا ہے، اور وقت خرید کے نام رسول بخش، ونبی بخش وعبدالرزاق برادران حقیقی پسران شیخ امام الدین مذکور کا، بسبب عدم موجودگی کے، کہ وے ہریک برسرِ روزگار کے تھے نہیں کیا گیا تھا۔

اب من مقر نے، بااسترضاء وخوشی اپنی کل جائیداد، حقیت موروثی وخرید حال، کہ جو آج تک قبضہ من مقر کے رہی، نام رسول بخش ونبی بخش وعبدالرزاق، ہر سہ برادران مذکور کا کل حقیت مقبوضہ میں، برادران مذکور بالا کو بحصہ مساوی سہیم وشریک مقرر کردیا ہے۔ اور مبلغ شش صد وپانزدہ، بابت خرید اس حقیت دادنی مہاجن، ذمہ مَن مُقِرّ باقی ہیں، اور وہ روپیہ بھی حسب حصص ذمہ ہر سہ برادران ونیز ذمہ من مقر کے [کہ] جس وقت برادران مذکور روپیہ بالا کو، حسب حصص ادا کریں گے، ہر ایک اپنی حقیت میں قابض ومتصرف ہوں، اور بالفعل مبلغ بست روپیہ سالیانہ آمدنی دیہات مذکور سے بابت نفع، رسول بخش کو آئندہ سے دیتا رہوں گا، اور نام برادران اپنے کا، وقت ادائی روپیہ کے، کاغذ سرکار میں مندرج کرادوں گا، ومبلغ ہشتاد روپیہ پیداواری سے، ہر سہ حصہ برادران کو، بعد ادائے زرقرضہ حسب حصص خود، بابت نفع حقیت دیہات کے دیتا رہوں گا، اور آج کی تاریخ سے جو حقیت خرید کی جاوے، موافق حصہ اپنے کے مبلغ ادا کیا کرے گا، درصورت نہ دینے روپیہ، اس کو کچھ مداخلت اور حقیت کے نہیں ہوگی۔ بنابر آں ایں چند کلمہ بطریقِ اقرارنامہ نوشتہ دادہ شد کہ عندالحاجت بکار آید، فقط۔ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ اقرارنامہ درست ہے اور شرعاً جائز ہے، کیونکہ خلاصہ مضمون اس کا یہ ہے کہ مقر نے اپنی مملوکہ جائیداد میں اپنے تین برادروں کو شریک کرلیا اور چاروں بھائی بحصہ برابر شریک ہوگئے، اور اس امر کا وثیقہ یہ اقرارنامہ

لکھدیا، مگر اس اقرار نامہ کی صحت کے واسطے پہلے یہ ہونا ضرور ہے، کہ مقر اپنے ہر سہ برادران کو یہ کہے، کہ میں [نے تم] کو اس حصہ پر شریک کیا اور ہر سہ برادران اس کو قبول کر لیویں، اور قدر جائیداد اور اس کی قیمت خود معلوم ہے، کہ اس قدر ہے۔ پس بعد اس ایجاب وقبول کے یہ وثیقہ لکھدیا ہو، جیسا تمام عقود میں بیع اور رہن اور اجارہ وغیر ہا میں، یہ ہی ضرور ہوتا ہے، کہ اول عقد شرعی ہو، پھر اس کا اقرار نامہ لکھا جائے، تو معتبر ہووے گا، اور یہ شریک کرنا حکم مبیع میں ہوتا ہے، چنانچہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔

اور یہ لکھنا مقر کا کہ آئندہ کو بھی یہی عمل درآمد رہے گا، وعدہ ہے، سو وعدہ کا تحریر کرنا بھی درست ہے۔ بہر حال یہ اقرار نامہ شرعاً درست ہے اور ہر سہ برادر شریک مقر کے، بوجہ مبیع کے ہو گئے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ١٤٩ تا ص ١٥١)

(٥٢٨) زمین کی خریداری اور ملکیت کے معاملہ میں اصل مالک اور وکیل شراء کے اختلاف کا فیصلہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مفصلہ ذیل میں: کہ زینب نے زید سے کہا کہ میری فلاں فلاں جائیداد کو جو نیلام ہوگئی ہے، اس کو میرے واسطے اپنے نام سے خرید کرلو، تو اس صورت میں زید زینب کا وکیل بالشراء کہا جائیگا، یا نہیں، اور یہ خریداری زید کی ہے، یا زینب کی؟

زید نے حسب سوال اول، انہیں جائیداد معینہ مذکورہ کو، جو زینب کا متروکہ شوہر ہی تھا، خریداران نیلام سے اپنے نام سے خرید کیا، اور بعض کی قیمت بھی اپنے پاس سے ادا کی اور زینب سے کہا، کہ وہ جائیداد تمہارے واسطے میں نے خرید کرلی ہے، جب قیمت دوگے، لے لینا۔ بعد چندے حسب اجازت زینب، خالد پسر زینب کے نام، اس کا بیع نامہ بعد وصول کرنے زر ثمن کے لکھدیا، مگر ایک قطعہ اراضی کہ جس کا زر ثمن زینب کے ذمہ ہنوز باقی تھا، اس کی نسبت یہ کہا، کہ بوجہ اطاعت اپنے بڑے بھائی کے، کہ وہ مجھ کو منع کرتے ہیں اور میں مجبور ان کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا، مصلحتاً اس وقت بیع نامہ میں نہ لکھواؤ، آئندہ کسی موقع سے، میں لکھدوں گا، چنانچہ بعد چندروز کے اپنی بھانجی کے جہیز کے حیلہ سے، خالد پسر زینب کو، جو زوج اس کی بھانجی کا تھا، دینا چاہا، اس وقت میں بھی وہ ہی برادر بزرگ اس کا حارج ہوا، تب زید کے کہنے سے خالد نے باجازت اپنی والدہ کے، زید کے بڑے بھائی سے گفتگو کی۔ آخر کار اسی وقت زید کے بڑے بھائی مع چھوٹے بھائی محمود وخالد پسر زینب کے اسی زمین پر آئے اور زید کو بھی بلایا اور چند اشخاص معتبرین اور بھی وہاں اتفاقیہ آگئے تھے، زید نے ان سب کے سامنے خالد پسر زینب سے کہا، کہ یہ زمین ہم نے دیا، مگر ہم کو قیمت لینا منظور نہیں اور دستاویزات پسر زینب کے حوالہ کرنے لگا، برادر بزرگ زید نے، جو کہ پہلے حارج ہوا تھا اور اب راضی ہوا، دستاویزات زید سے لے کر اپنے چھوٹے بھائی محمود کو دیں، کہ دستاویزات کی پشت پر لکھ کر دیدینا، و پسر زینب نے باعتبار ان کے دیانت داری اور راست بازی اور قرابت کے، ان سے

لکھوانے کی کوئی فکر نہ کی، اور اراضی مذکور پر، بہمہ وجوہ سولہ سترہ برس سے قابض ہے اور آٹھ نو برس ہوئے کہ زید نے انتقال کیا، اب بکر پسر زید دعویدار ہے، کہ یہ معاملہ ہبہ کا ہے، پس بوجہ ہبہ میں مشاع ہے اور ہبہ مشاع کا جائز نہیں۔

پس بحکم شرع شریف یہ زمین دینا زید کا(۱).............. زر ثمن وصول کرنے سے انکار کرنا، ہبۂ زمین قرار پائیگا، یا بوجہ اس کے کہ زید نے اس.............. زینب اس واسطے خرید کیا تھا، کہ ہبہ زرِ ثمن کا پسر زینب کے لئے تھا.............. صورت میں بوجہ جواز ہبہ زرِ ثمن زینب سے، زرِ ثمن.............. زید متوفی کو پانا چاہئے، یا نہیں۔ یا بوجہ اس کے کہ.............. جائیداد کا بیع نامہ خالد کے نام، باجازت زینب لکھ چکا تھا.............. بوجہ مانع ہونے بڑے بھائی کے مجبور تھا جب کہ بڑے.............. دینا خالد کو ابراء زرِ ثمن قرار پائیگا۔ بینوا بتعمیق النظر فی السوال، توجروا من الرب المتعال.

جواب: اس صورت میں کہ زینب نے زید کو اپنی جائیداد نیلام شدہ کی خرید کو کہا، اور زید نے خرید کیا تو زید وکیل بالشراء ہے اور یہ مبیع ملک زینب کی ہے، نہ زید کی۔ قال فی الدر المختار:

والملک یثبت للموکل ابتداءً فی الأصح(۲) انتھیٰ

جس جس قطع (زمین) میں بیع نامہ وکیل نے، بنام مؤکلہ کے لکھدیا، اس میں تو کچھ نزاع نہیں، اور جس کا بیع نامہ نہیں لکھا اور باسقاط ثمن، قبضہ مؤکلہ کا کرادیا، وہ بھی ملک مؤکلہ کی ہی ہے، اور یہ اسقاط ثمن کا ہوا ہے، جو وکیل نے اپنے پاس [سے] دی تھی اور دستاویزات کے دینے نہ دینے پر، کچھ موقوف نہیں۔

قال فی الدر المختار: و للوکیل حبس المبیع بثمن دفعه الوکیل من ماله انتھیٰ (۳)

پس یہ معاملہ ہبہ زمین مشاع کا ہرگز نہیں.............. خریداران نیلام اس زمین کا مالک ہی نہیں ہوا، اور اسقاط زرِ ثمن کا، ذمہ زینب سے ہوا ہے، نہ ہبہ ثمن کا، پس تمہارے واسطے (خرید کرنی) بمنی خرید کرنے زینب کے ہو۔ قال فی الدر المختار:

تملیک الدین مِمَّنْ لیس علیه الدین باطل(۴)

بیع نامہ بعد وصول کرنے زرِ ثمن کے.... زینب کی ہے، ابتداء خرید سے اور اسقاط ثمن بھی ذمہ زینب سے ہوا ہے، واللہ اعلم۔ کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۰۲ سے ۲۰۴ تک)

---

(۱) سوال کا جو مضمون غائب ہے وہ اصل نسخہ میں پھٹ کر ضائع ہو چکا ہے۔ نور

(۲) درمختار کتاب الوکالۃ ج:۲/ص:۱۰۴۔[عکس مجتبائی دہلی:۱۳۳۴ھ] نیز شامی کتاب الوکالہ ص ۵۱۴ ج ۵ [دار الفکر بیروت:۱۳۸۶ھ] (کتاب الوکالة قبیل باب الوکالة بالبیع والشراء ص:۴۰۲ ج:۴ مطبع مجتبائی) [نور]

(۳) الدر المختار (۲/۱۰۵) باب الوکالة بالبیع والشراء.[مجتبائی دہلی:۱۳۳۴ھ] (نور)

(۴) در مختار کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقة ۲/۱۶۵ [مجتبائی دہلی:۱۳۳۴ھ] نیز شامی کتاب الهبه فصل فی مسائل متفرقه ص ۷۰۸ ج ۵ (دار الفکر بیروت.) نیز شامی ج:۴ ص:۵۲۱ [مجتبائی دہلی:۱۳۳۴ھ] (نور)

(۵۲۹) اگر غصب کی ہوئی جائیداد کو غاصب بیچ دے اور اصل مالکان میں سے کوئی اس کو خرید لے، تو وہ کس کی ملکیت ہوگی؟ سوال: دو شخصوں کی زمین ایک انگریز نے زبردستی سے اپنے قبضہ میں کر کے، اپنی کوٹھی بنائی اور پھر بعد ایک مدت کے اس کوٹھی کا معہ زمین وملبہ نیلام کیا۔ مالکان آراضی میں سے ایک شخص تو خاموش ہو رہا، اور دوسرے نے اس کوٹھی کو معہ زمین وملبہ کل خرید کرلیا، کہ جس میں اس دوسرے شخص کی زمین بھی نیلام میں آئی، تو بموجب شرع شریف مشتری نیلام کو وہ جائز ہوا، یا نہیں؟

جواب: جب انگریز حاکم نے زمین چھین کر اپنا مکان بنالیا، تو وہ انگریز مالک زمین کا ہوگیا، اب جو نیلام خرید کرے گا، وہ ہی اس کا مالک ہو جاوے گا، کسی دوسرے کا اس میں سوائے مشتری نیلام کے، حق نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (بدست خاص ص۲۰)

(۵۳۰) مسلمانوں کی جو زمینیں قرضہ کی وجہ سے نیلام ہوئی ہوں، ان کا خریدنا؟ سوال: اشیائے منقولہ وغیر منقولہ مسلمانوں کی جو بلا رضامندی ان کی، پابندی قوانین سرکار انگریزی قرق ہو کر، نیلام ہوتی ہیں، تو دوسرے مسلمانوں کو ان کا خرید کرنا، شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ اور یہ اشیاء مجبور مسلمانوں کی ملک سے، بذریعہ اس نیلام کے شرعاً خارج سمجھی جائیگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: علیٰ ہذا! جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ بلا رضامندی مدیون، دَین میں نیلام ہوتی ہیں، یا حقوق مشروعہ میں، وہ بھی نیلام درست ہے، اور خریدنا اس کا جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۹۵-۱۹۶)

(۵۳۱) جس چیز کو حاکم جبراً نیلام کرے، اس کا خریدنا کیسا ہے؟ سوال: دیگر اس ملک میں کنجر و باورے اور جھلی مارجن کا پیشہ ہمیشہ چوری وغیرہ کا ہے، اور وہ لوگ لوٹ مار بھی کیا کرتے ہیں اور مسلمان بھی نہیں ہیں، اور عیسائی حاکم نے ان کو پکڑا اور مال ان کا نیلام کروا ڈالا، تو مسلمان کو اس مال کا خریدنا، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جس چیز کو حاکم جبراً نیلام کروا ڈالے گا، وہ چیز مسلمانوں کو خریدنی جائز ہووے گی، خریدنا اس کا درست ہے۔ فقط۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فیوض رشیدیہ ص۲۶ طبع اول)

(۵۳۲) اپنے آدمی کو مناسب قیمت دلوانے کے لئے، نیلام میں برائے نام حصہ لینا؟ سوال: ایک بھائی اپنا گھوڑا فروخت کرتا ہے، یا سرکار نے نیلام کرا لیا، اور دوسرا بھائی کہ جس کو خریدنا تو منظور نہیں ہے، مگر چاہتا ہے کہ بھائی کا مال زیادہ قیمت کو بکے، ارزاں نہ جائے، وہ اس کو بطور مشتریان کھڑا ہو کر، قیمت میں

بڑھادے، تو جائز ہے، یا نہیں، یا حرام ہے۔

جواب: اگر قیمت عدل تک پہنچادے، محض خیر خواہی اور ظلم سے بچانے کو، تو درست ہے، ورنہ منع ہے کہ یہ دھوکہ اور خیانت ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۱۶۰)

(۵۳۳) اپنے مال کا عیب چھپا کر فروخت کرنا حرام ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ ایک شخص مال تجارت عیب اس کا پوشیدہ کرکے فروخت کرتا ہے، اس طور (پر) مال فروخت کرنا درست ہے، یا نہیں، حرام ہے یا حلال؟ اور اس شخص کا بھائی متقی پرہیزگار ہے، اور اس کا شریک مال تجارت میں نہیں ہے، مگر بھائی اپنا خیال کرکے، وصولیت مبلغان مال تجارت میں مدد دہی کرتا ہے، اس کو مدد دینا چاہئے، یا نہیں؟

جواب: اس طرح تجارت کرنا حرام ہے، مگر جو روپیہ اس تاجر کا کسی کے ذمہ پر ہے، اگر اس کا بھائی وصول کردیوے، درست ہے، ہاں عیب ناک مال اگر ظاہر ہوگیا، اور وہ شخص اس کو رد کرنا چاہے، تو اس وقت قیمت یعنی جبراً قیمت لینی، درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۴۸)

(۵۳۴) ادھار اور نقد کی قیمت میں فرق جائز ہے، یا نہیں؟ سوال: کسی چیز کا نقد مثلاً دس روپیہ کو، اور نسیہ (ادھار) بارہ روپیہ کو بیچنا، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے بشرطیکہ مجلس عقد میں محقق ہوجاوے کہ یہ نسیہ (ادھار) خرید ہوا ہے، یا نقد، تاکہ مجلس میں جہالت ثمن نہ رہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۳)

(۵۳۵) قرض میں کوئی چیز زیادہ قیمت پر بیچنا بے مروتی ہے: اگر کوئی شخص قرض یعنی ادھار میں کوئی شے زیادہ قیمت کو دے، تو جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں اور نہ سود ہے، البتہ بے مروتی ہے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۱۷)

(۵۳۶) ادھار کی وجہ سے، بازار کے بھاؤ سے زیادہ قیمت پر مال بیچنا خریدنا، کیسا ہے؟ سوال: ایک شخص نے ایک روپیہ نقد کا اناج بازار سے خریدا، ایک من، اور دوسرے کو ادھار دے دیا ۳۵ سیر، یا نقد بھاؤ اناج کا ۳۵ سیر ہے اور ادھار ایک شخص دیتا ہے تیس سیر، یہ جائز ہے، یا نہیں؟ (۱)

(۱) یہ اس وقت کی بات ہے جب اناج ایک روپیہ کا من یعنی چالیس سیر ہوتا تھا۔ آج کل جب اناج کا بھاؤ بارہ سو روپیہ کوئنٹل [۱۰۰ ر کلوگرام] ہے، اس وقت ایک روپے کے معاملہ کا خیال بھی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ (نور)

جواب: بقدر ادھار کے نقد سے کم نرخ [پر] بیع کرنا جائز ہے، اگرچہ مروت کے خلاف اور ترک اولی ہے، مگر حرام اور سود کے حکم میں نہیں۔

(بدست خاص، سوال ۹۷)

(۵۳۷) قرض لینے دینے میں مکیلات وموزونات کا فرق؟ **سوال:** بیع مکیلات وموزونات جو کہ نسیۂ (ادھار) ممنوع ہے، اس میں دَین بھی شامل ہے۔ اعنی کوئی اناج کا بیع کے طور پر لین دین نہ کرے، بلکہ قرض کے طور پر لیویں دیویں اور یوں کہے کہ اسی قدر پھر ہم تم کو دیدیں گے، یا تم سے لے لیویں گے، یہ امر جائز ہے، یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو ما بہ الفرق دونوں کا کیا ہے، حالانکہ علت ربودونوں میں علی السواء معلوم ہوتی ہے؟

الجواب: قرض مکیل وموزون میں درست ہے باتفاق، کہ قرض بیع نہیں ہوتا بلکہ عاریۃ ہی ہے، اور بیع میں ربوا ہے، نہ قرض میں۔ فقط، واللہ تعالی اعلم۔ رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ رام پور س۳)

(۵۳۸) گیہوں قرض لینے میں، اس کی ادائیگی کی صحیح صورت؟ **سوال:** ایک نے فصل ربیع کے وعدہ پر گندم ادھار لئے اور فصل ربیع میں وعدہ پر نہ دیئے، یہاں تک کہ فصل خریف بھی آ گئی، اب اگر گندم کی قیمت لے تو نرخ جو ربیع میں تھا دہ لگاوے، یا حال میں جو نرخ ہے وہ لگاوے، یا گندم ہی لیوے؟

جواب: جس نے قرض لیا گندم اور وعدہ پر نہ دیا، تو دوسرے وقت وہ ہی مقدار دینی واجب ہے، مگر رضامندی کے ساتھ نرخ موجود پر قیمت کر کے، قیمت لینی بھی درست ہے، اور قیمت ربیع کی درست نہیں۔

(بدست خاص سوال ۱۴۱)

(۵۳۹) اناج کی بدھنی جائز ہے، یا نہیں؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدھنی (أ) ناج کی جائز ہے، یا نہیں۔ درصورت جائز ہونے کے، زید نے عمرو کو چار روپے دیئے، کہ فصل ساونی میں فصل اساڑھی میں نرخ سوا من گیہوں، یعنی گندم پانچ من لوں گا، عمرو نے اقرار کیا کہ ادا کر دوں گا۔ جب موسم اساڑھی کی آئی تو زید نے عمرو سے موافق وعدہ کے تقاضا کیا۔ عمرو نے یوں کہا کہ میرے پاس (أ) ناج گندم موجود نہیں ہے، آج (أ) ناج گندم کا نرخ بیس سیر کا ہے، بیس [روپے فی] سیر کے اعتبار سے، پانچ روپے تمہارے ہوتے ہیں، پانچ روپے لے لو، زید نے چار روپے دیئے تھے، اب پانچ روپے لینا جائز ہے، یا نہیں؟

درصورت جائز ہونے کے عمرو نے زید سے یوں کہا کہ میرے پاس روپیہ بھی نقد نہیں ہے، فصل ساونی میں نرخ تیس سیر کے (أ) ناج زیری (۱) پانچ روپیہ کی ادا کر دوں گا، روپیہ میرے پاس رہنے دو، آیا (یہ) جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) اناج زیری، گھٹیا قسم کا وہ اناج جو عموماً جانوروں کو کھلانے کے کام آتا ہے۔ (نور)

جواب: بیع پھل کی اس وقت کرے کہ بالکل بڑھ چکے اور نہایت کو پہنچ جاوے اور اس سے پہلے بیع فاسد ہوتی ہے۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۲۳۳۔۲۳۴)

(۵۴۴) بہار آنے سے پہلے باغوں کا فروخت کرنا؟ **سوال:** بہار باغ قبل از آمد بہار فروخت کرنا، اس وعدہ پر کہ اگر موسم بہار میں تھوڑے انبہ بھی مل جاویں گے، تو یہ روپیہ جو قیمت کا ٹھہرا ہے، سب مالک باغ کا رہا، اور اگر کچھ بھی وصول نہ ہوا، تو روپیہ مشتری بہار کو واپس ہو جاوے [گا] جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس طرح بیع حرام ہے۔ (بدست خاص، سوال: ۵۴)

(۵۴۵) پھل ظاہر ہونے سے پہلے باغوں کی فروخت؟ **سوال:** باغوں کی فصل کا درخت پر بیچنا فقہ کی کتابوں سے ناجائز ہے، خصوصاً جب کہ بیع پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہو، کیوں کہ مبیع معدوم ہے اور منازعت کا احتمال ہے، مگر اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو اس قدر فرصت نہیں کہ اپنی باغوں کی حفاظت کریں، اور معتبر نوکر بھی نہیں ملتے ہیں، جس کو نوکر رکھتے ہیں، وہ پوری حفاظت بھی نہیں کرتا، بلکہ خیانت کرتا ہے، ہمارا بہت نقصان ہوتا ہے، اور فصل کے بیچنے میں جھگڑا نہیں ہوتا، بلکہ ہم اپنے نقصان سے بچتے ہیں اور مول لینے والا اپنی خوشی سے لیتا ہے، لہٰذا یہ بیع جائز ہونا چاہئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں فصل کا درختوں پر بیچنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ہرگز یہ بیع درست نہیں، اور ایسے عذرات سے حکم شرع کا بدل نہیں سکتا۔ فقط

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۰)

(۵۴۶) باغ کی فصل فروخت کرتے وقت جنس متعین کرنا، کب صحیح ہے؟ **سوال:** فروخت کرنا درختان باردار کا اس طرح پر، کہ اس کی قیمت کے ساتھ کچھ جنس اپنے واسطے بھی ٹھہرا لے، مثلاً یک صد روپیہ و یک صد ثمر انبہ وغیرہ ٹھہرا لے، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جس باغ میں بہت بار انبہ ہو، کہ قطعاً اس میں سے سوا نبہ استثناء کر کے، بار باقی رہے، تو ایسا استثناء درست ہے، ہاں ایسا استثناء مجہول کہ بعد اخراج مستثنیٰ کے، بقاء محقق نہ ہو، درست نہیں فقط۔ کذا فی کتب الفقه

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتویٰ علیحدہ، بدست خاص)

(۵۴۷) ٹوکروں صندوقوں میں رکھے ہوئے سامان کو، بغیر دیکھے خریدنا؟ **سوال:** خرید نا نیلام کہ اکثر شے ٹوکروں اور صندوقوں میں نیلام ہوتی ہیں، اور پوری حقیقت ان کی معلوم نہیں ہوتی، کہ ان کے اندر کس قدر مال ہے، اور کیا چیز ہے، اور کہاں کہیں کھوٹا یا کھرا ہے۔

جواب: بیع پھل کی اس وقت کرے کہ بالکل بڑھ چکے اور نہایت کو پہنچ جاوے اور اس سے پہلے بیع فاسد ہوتی ہے۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۲۳۳۔۲۳۴)

(۵۴۴) بہار آنے سے پہلے باغوں کا فروخت کرنا؟ **سوال:** بہار باغ قبل از آمد بہار فروخت کرنا، اس وعدہ پر کہ اگر موسم بہار میں تھوڑے انبہ بھی مل جاویں گے، تو یہ روپیہ جو قیمت کا ٹھہرا ہے، سب مالک باغ کا رہا، اور اگر کچھ بھی وصول نہ ہوا، تو روپیہ مشتری بہار کو واپس ہو جاوے [گا] جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس طرح بیع حرام ہے۔ (بدست خاص، سوال: ۵۴)

(۵۴۵) پھل ظاہر ہونے سے پہلے باغوں کی فروخت؟ **سوال:** باغوں کی فصل کا درخت پر بیچنا فقہ کی کتابوں سے ناجائز ہے، خصوصاً جب کہ بیع پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہو، کیوں کہ مبیع معدوم ہے اور منازعت کا احتمال ہے، مگر اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو اس قدر فرصت نہیں کہ اپنی باغوں کی حفاظت کریں، اور معتبر نوکر بھی نہیں ملتے ہیں، جس کو نوکر رکھتے ہیں، وہ پوری حفاظت بھی نہیں کرتا، بلکہ خیانت کرتا ہے، ہمارا بہت نقصان ہوتا ہے، اور فصل کے بیچنے میں جھگڑا نہیں ہوتا، بلکہ ہم اپنے نقصان سے بچتے ہیں اور مول لینے والا اپنی خوشی سے لیتا ہے، لہٰذا یہ بیع جائز ہونا چاہئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں، فصل کا درختوں پر بیچنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ہرگز یہ بیع درست نہیں، اور ایسے عذرات سے حکم شرع کا بدل نہیں سکتا۔ فقط
رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۰)

(۵۴۶) باغ کی فصل فروخت کرتے وقت جنس متعین کرنا، کب صحیح ہے؟ **سوال:** فروخت کرنا درختان باردار کا اس طرح پر، کہ اس کی قیمت کے ساتھ کچھ جنس اپنے واسطے بھی ٹھہرا لے، مثلاً یک صد روپیہ و یک صد ثمر انبہ وغیرہ ٹھہرا لے، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جس باغ میں بہت بار انبہ ہو، کہ قطعاً اس میں سے سو انبہ استثناء کر کے، بار باقی رہے، تو ایسا استثناء درست ہے، ہاں ایسا استثناء مجہول کہ بعد اخراج مستثنیٰ کے، بقاء محقق نہ ہو، درست نہیں فقط۔ کذا فی کتب الفقه
رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتویٰ علیحدہ، بدست خاص)

(۵۴۷) ٹوکروں صندوقوں میں رکھے ہوئے سامان کو، بغیر دیکھے خریدنا؟ **سوال:** خرید نا نیلام کہ اکثر شئے ٹوکروں اور صندوقوں میں نیلام ہوتی ہیں، اور پوری حقیقت ان کی معلوم نہیں ہوتی، کہ ان کے اندر کس قدر مال ہے، اور کیا چیز ہے، اور کہاں کہیں کھوٹا یا کھرا ہے۔

جواب: جب تک کسی چیز کی کیفیت معلوم نہ ہو اس کا خرید نا اچھا نہیں، دلیل اس کی علماء جانتے ہیں، فقط تم کو اس قدر کافی ہے کہ بیع فاسد ہے، جب تک اس کی کیفیت نہ معلوم ہو۔ فقط، واللہ تعالیٰ (اعلم)

رشید احمد گنگوہی (فیوض رشیدیہ ص ۲۵۔ ۲۶ طبع اول)

(۵۴۸) عام خریداروں کے لئے کشمیر و کابل کے پھلوں اور میوہ جات کی، شرعی بیع کی تحقیق؟

سوال: علمائے دین شرع متین سے سائل کا سوال ہے: کہ کسی مسلمان کو جس چیز کا علم نہ ہو اور نہ جانتا ہو، اس کے حال کو دریافت کرے، بار باراس کے چھپے ہوئے حال کو کہ، یہ گندم یا گڑ کہاں سے لایا تھا اور جس سے لیا تھا، وہ شخص بہتر تھا یا بدتر تھا، اور شرع کی خرید و فروخت کو جانتا تھا، یا نہیں جانتا تھا۔ کسی کے پوشیدہ حال کو کھود کھود کر، دریافت کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ کوئی شخص انبہ فروخت کرتا ہو بازار میں، ایسے شخص سے خرید کرنا بے تحقیق جائز ہے، یا نہیں؟ خریدار کو اس کا علم نہیں ہے، کہ اس نے بیع شرع کے موافق کی ہے، یا نہیں؟

اور دوسرے کابل سے انار آئے، اب حال اس کا کچھ معلوم نہیں کہ اس نے شرع کے موافق خرید کئے، یا نہیں۔ تیسرے کشمیر سے سیب آئے، اب معلوم نہیں کہ کشمیر میں جو ایک خریدار خرید کے لایا، اس نے شرع کے موافق خرید کئے، یا نہیں کئے اور خریدار یہ کہتا ہے کہ جو چیز کہ غائب ہے، اس کو میں کھود کھود کر دریافت نہیں کرتا۔

جواب: کشمیر و کابل کے میوہ کی کنج وکاؤ کرنا ضرور(ی) نہیں ہے، علیٰ ہذا، جو انبہ بازار میں فروخت ہوتے ہیں، اگر کوئی شبہ ہوتا ہو تو پوچھ لیوے، ورنہ کچھ ضرورت تحقیق کی نہیں۔ اور اسی طرح اگر حال ظاہر مسلمان کا اچھا ہے، تو خواہ مخواہ اس کے حال کی تحقیق کرنا، کچھ ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شبہ حرمت کا ہو تو مضائقہ نہیں ہے، یا کوئی آمدنی حرام کی غلط ہونے کا قرینہ ہو، یا فاسق آدمی ہونے کی وجہ سے، کوئی احتمال غالب ہو، تو تحقیق کر لینا اولیٰ ہے، ورنہ کچھ ضرورت نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۰۹)

(۵۴۹) بیع سلم کی شرائط اور اس کے احکام؟

رواج بیع سلم کا یہاں پر چند قسم ہوتا ہے:

اول: یہ کہ زید عمرو سے کہے، کہ یک من گندم دیتا ہوں، فصل میں اس قدر لوں گا، اور حال یہ ہے کہ بوقت دہش گھن کھایا ہوا دیتے ہیں اور اچھا لیتے ہیں۔

دوم: یہ کہ عمداً باقرار قصد یک من دیتے ہیں اور سوا من لیتے ہیں۔

سوم: یہ کہ نخود یا شعیر دیتے ہیں اور گندم لیتے ہیں، خواہ وزن میں برابر ہوں، یا کم۔

چہارم: یہ کہ نقد دیتے ہیں بایں اقرار، کہ فصل میں ۲۰ ثار مثلاً لیں گے، اگر وقت ٹھہرانے کے بہت کم نرخ ہو۔

پنجم: یہ کہ غلہ جوار یا بھٹہ دیتے ہیں، اور فصل ربیع میں گندم یانخود برابر یا زیادہ، بحسب قرارداد باہمی لیتے ہیں۔
ششم: یہ کہ خراب گڑیالاٹ (۱) یاراب دیتے ہیں اور کولہو کے موسم میں عمدہ لیتے ہیں۔
اور کتاب نافع خریداران میں یہ سات شرطیں لکھی ہیں:
اول: بیان جنس، کہ گندم لئے جائیں گے یا جو، سویہ ضرور ہوتا ہے۔
دوم: بیان نوع مثلاً بارانی ہونگے یا چاہی، سویہ طرفین میں سے کوئی نہیں کرتا، بلکہ بجائے اس کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ جیسے تیرے یہاں ہوں، ویسے ہی دیدینا۔
سوم: بیان صفت، کہ اچھے ہوں یا برے، سو بجائے اس کے یہ اقرار ہوتا ہے کہ نئے لیں گے۔
چہارم: بیان مقدار، کہ ناپ تول میں اس قدر ہوں۔
پنجم: مدت، کہ اتنے دنوں کے بعد لیں گے اور اس کی کمتر مدت یک ماہ ہے، زیادہ کا اختیار ہے کہ کبھی بیان ایک ماہ وغیرہ کا کردیتے ہیں اور گاہے یہ ٹھہرادیتے ہیں کہ فصل میں لے لیں گے۔
ششم: راس المال کی مقدار، کتنادیا جاوے گا، سویہ ضرور مقرر ہوتا ہے۔
ہفتم: اس جگہ کا نام کہ جہاں مسلم فیہ ادا کی جائے، بشرطیکہ لیجانے میں کچھ بار برداری پڑتی ہو، ورنہ کچھ حاجت نہیں۔ جہاں معاملہ ہوا ہے وہاں ہی مسلم فیہ ادا کی جائے۔ (۲)
یہاں یہ دستور ہے کہ جب غلہ تیار ہوتا ہے، پیر (۳) میں یا اپنے یا اس کے آنگن [صحن] میں، تلوادیتے ہیں، فقط۔
تفصیل ہر شرط کی مفصل ارشاد ہو اور بدھنی فساق اور کفار سے بھی درست ہے، یا نہیں؟
دوسرا مسئلہ نافع خریداران میں مذکور ہے، کہ نقد کے عوض میں کم کر دینا اور اُدھار کے عوض زیادہ کو فروخت کرنا درست ہے، اس کی کیا مراد ہے، جائز ہے، یا نہیں؟ انتھیٰ ملخصاً

الجواب: پہلی صورت سوال کی کہ من بھر گندم دے کر فصل میں لینا چاہا، قرض کی صورت ہے، اگر دینے والے نے مثلاً خراب جنس دی اور اچھی لینا شرط کرتا ہے، تو یہ حرام اور سود ہو جائے گا، کیوں کہ قرض میں جیسا لیویں ویسا ہی دینا واجب ہوتا ہے۔ ہاں اگر شرط کچھ نہیں کی اور یہ کہا کہ من بھر کے بدلہ من بھر دیدینا، یا یہ کہا کہ جیسی دیتا ہوں دیدینا، تو قرض درست ہو گیا، دیتے وقت اگر اچھی جنس اپنی خوشی سے، بدون شرط دے دیوے، تو کچھ حرج نہیں۔

(۱) مختلف چیزوں یا کسی ایک چیز کا ڈھیر یا اکٹھا ذخیرہ۔ [نور]
(۲) نافعہ خریداران، مولانا محمد احسن نانوتوی ص:۱۷۔۱۸ (مطبع بھوانی پرشاد۔ نول کشور، دہلی: ۱۳۰۰) اگرچہ یہ تمام شقیں نافعہ خریداران میں درج ہیں مگر بعینہ اس کے یہ الفاظ نہیں ہیں، اس میں فرق ہے۔ [نور]
(۳) پیر (بروزن سیر) اناج صاف کرنے کی جگہ، کھلیان، انبار غلہ جس کو صاف نہ کیا گیا ہو۔ نور اللغات۔ مولوی نور الحسن نیر کاکوری، ص:۱۹۸، جلد دوم (دہلی: ۱۹۹۸ء) [نور]

دوسری: صورت کہ من بھر کے عوض سوامن لونگا، صریح سود وحرام ہے۔

تیسری قسم: کہ گندم کے بدلہ دوسری جنس مقرر کرلیوے، یہ بھی سود وحرام ہے، بسبب نسیئہ۔

چوتھی: صورت سلم جائز کی ہے، روپیہ اب دیدیوے اور لینے کی تاریخ مقرر کردیوے، یوں نہ کہے کہ فصل میں لوں گا، فصل زمانہ ممتد مجہول ہے، بلکہ دن مقرر کردیوے اور سب شروط جو کہ نافع خریداران میں لکھی ہیں، مذکور ہونا ضرور ہے۔

پانچویں: صورت بھی ناجائز ہے، کیونکہ بیع نسیہ اشیاء ربویہ کی ہے۔

ششم: صورت قند سیاہ وغیرہ کی، اس کا حال بھی پہلی صورت کا سا ہے، اگر خراب گڑ دے کر عمدہ ٹھہرالیا، تو قرض ناجائز ہوگا، اور مطلق گڑ دیا اور لینے والے نے اپنی رضا سے عمدہ دیا، تو درست رہا۔

اور دوسری شرط چاہی بارانی سے یہ غرض ہے، کہ چاہی عمدہ قسم اور موٹا خوش رنگ وزنی ہوتا ہے، اور بارانی ضعیف سب امور میں۔ سو اگر بارانی و چاہی کی قید نہ ہووے، مگر قسم اول جو عمدہ موٹا ہونا بیان کیا جاوے، تو بھی سلم درست ہوجاتی ہے، مگر یہ شرط کہ جیسی پیدا ہوجاوے وہی دیدینا، یہ شرط مفسد سلم کی ہے، کہ تعین حق اور تقرر بیع کا نہیں ہوتا، تو یہ شرط نہ کرنی چاہئے۔

اور دوسری بات یہ کہ کھیت اور قریہ کی بھی شرط مفسد سلم کی ہے، یوں کہے کہ اس قسم [کی] گندم لوں گا، نہ یہ کہ تیرے کھیت، یا اس گاؤں کے، یوں نہ کہنا چاہئے۔

اور اگر چاہی یا بارانی میں کوئی اور فرق ہے، جو اہل زراعت کو معلوم ہے، تو اس شرط کو مصرح کرنا چاہئے۔ اور جدید وقدیم کی صفت بھی ضرور ہے، کہ اس میں بھی فرق ہوتا ہے، اور سرخ وزرد کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔ حاصل ان سب کا یہ ہے کہ جنس سلم کی ایسی بیان ہوجائے، کہ پھر اس میں نزاع نہ رہے، اور ہر طرح مقرر ومتعین ہوجائے، گویا دیکھ رہا ہے، اور وزن سے بھی سلم کرنا درست ہے اور تین ماہ چار ماہ یا زیادہ مدت بھی روا ہے، مگر مدت جو کچھ ہو تاریخ سے مقرر کی جاوے، اور ایک ماہ سے کم نہ ہو زیادہ کا اختیار ہے، اور جگہ لینے میں یہ ہے کہ اگر کسی قریہ میں سلم کی اور لینے کے وقت لینے والے نے کہا، کہ میرے گھر پہنچاوے، تو باربرداری کی شے مسلم الیہ کا صرفہ ہوگا، اس میں تکرار ہوگا، لہٰذا لینے کی جگہ باربرداری کی شے میں مقرر کردیویں، تاکہ تکرار نہ ہو۔ [یہ جواب غالباً ناتمام ہے اس کے آخری صفحات موجود نہیں۔ نور]

(مجموعہ رام پور ص ۲۷۔۲۹)

(۵۵۰) گھی میں بیع سلم؟

سوال: گھی کی بدھنی یعنی بیع سلم جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: گھی کی سلم بشرائط خود جائز ہے۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۴۷)

(۵۵۱) ہندو سے ایک معاملہ میں شرکت طے ہوئی تھی، وہ مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں، تو؟ **سوال:** مخدوم معظم حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم عاصی بے حد، نظر محمد عفی عنہ تسلیمات مستمندانہ بجالا کر عرض رکھتا ہے، کہ ایک ہندو نے ایک بچھڑی نصف حصہ پر ایک مسلمان کو پالنے کو دی تھی، کہ جب یہ بیا جاوے گی اس کی نصف قیمت تجھ سے لے لونگا، یا دے دونگا۔ اب وہ ہندو مالک مرگیا ہے اور اس کا کوئی وارث قریبی بھی نہیں ہے، تو بروئے شرع شریف اس گائے کا، واسطے قربانی کے یا واسطے کھانے کے خرید کرنا، اس مسلمان سے جائز ہے، یا نہیں۔ فقط

دیگر عرض آں کہ غلام زادہ کو اب بفضل الٰہی صحت ہے، لیکن ایک تعویذ مرحمت ہو جائے۔ والسلام

نیاز مند: نظر محمد عفی عنہ از آبھہ

جواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم

وہ گائے تو اس بقال کی ہے اس کے وارثوں کو دینا چاہئے، خواہ کوئی ہو، اور اجرت اس کی پرورش کی اس مسلمان کو ملے گی، وہ مالک نہیں، نہ نصف کا نہ کل [کا] اس کی پرورش کی اجرت کی تخمین کرو، اور اگر کوئی وارث نہ دیوے، تو گائے سے وصول کریں، مگر ایسی مشتبہ شے کو قربانی کے واسطے خرید مت کرو، فقط عزیز کی صحت سے طمانیت ہوئی، تعویذ ملفوف ہے۔ فقط والسلام (مکتوب علیحدہ، بدست خاص)

(۵۵۲) قرض خواہ مجبوری میں، قرضدار سے عدالت وڈگری کا خرچ لے سکتا ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ، عدالت انگریزی میں اسٹامپ وطلبانہ ومحنتانہ وغیرہ کا خرچہ، جس میں سود بھی شامل ہوتا ہے، ڈگری دار کو محض بہ پابندی قانون، بلالحاظ شرع شریف کے دلایا جاتا ہے، وہ شرعاً مسلمان کو لینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر اس خرچہ میں جائیداد کسی مسلمان کی نیلام کی جاوے، تو دوسرے مسلمان کو اس جائیداد کا خرید کرنا، شرعاً درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر کسی مدیون نے دائن کو مجبور کیا اور دائن نے بہ ناچاری نالش کی، تو جو کچھ خرچہ وغیرہ عدالت نصاریٰ کا دیا، اگرچہ وہ ظلم اور خلاف شرع ہے، مگر دائن مدیون سے اسے لے سکتا ہے، البتہ سود کا لینا درست نہیں۔ اور پھر اس خرچہ میں سوائے سود کے، جو جائیداد مدیون کی نیلام ہو جاوے گی، اس کا دوسرے مسلمان کو بھی خرید نا درست ہووے گا۔ قال (فی) نور الأنوار:

أفتى المتأخرون بضمانه لفساد الزمان بالسعی الباطل و كثرة السعاة فيه(۱) انتهى.

---

(۱) نور الانوار۔ بحث الکلام ص: ۲۷۰ (مطبع قیومی کانپور) [نور]

اور چونکہ سود محض باعتبار دائن ہے اس کا لینا اور اس کے نیلام میں خریدنا [اور] اگر کوئی لیوے تو مالک کو اس کو رد کرنا واجب ہے۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۹۵۔۱۹۶)

[نوٹ: ایک اور مسئلہ بیع اُدھار، ثمن کا وعدہ کرنا کہ فلاں روز دوں گا، ضروری ہے یا نہیں؟ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۵۵۳) ڈگری دار کا مقدمہ کی پیروی کا بالائی خرچ لینا؟ **سوال:** ڈگری دار کو خرچہ بالائی لینا، جو کہ بابت پیروی مقدمہ وکلاء وغیرہ میں صرف ہوتا ہے، درست ہے، یا نہیں؟

جواب: مظلوم اگر ظالم سے اپنا خرچ لیویں، تو درست ہے، فقط (مجموعہ رام پور ص ۴۔۲)

(۵۵۴) پرچی کے ذریعہ سامان کی خرید وفروخت؟ **سوال:** چھٹیاں (۱) ڈال کر، کسی چیز کا خرید وفروخت کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: حرام ہے، کہ اس کو قمار اور جوا کہتے ہیں۔ (بدست خاص، سوال ۵۹)

(۵۵۵) فاسق کا قول تجارت میں معتبر ہے؟ **سوال:** علمائے دین سے سائل کا سوال ہے: کہ بعض اشخاص تجارت آڑھت وغیرہ کی کرتا ہے اور ڈاڑھی منڈاتا ہے اور لوگوں سے بیان کرتا ہے کہ کم نہیں تولتا ہوں، یعنی وزن کم نہیں دیتا ہوں، ایسے اشخاص کا اعتبار کرنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

اور بعض شخص ایسا ہے کہ وہ تجارت بساطی کی کرتا ہے اور لوگوں سے بیان کرتا ہے کہ میری کوٹھی (۲) دس ہزار روپے کی ہے اور اس کے یہاں بگل یعنی انگریزی باجا اور شطرنج اور گنجفہ بکتا ہے۔ اور بہت چیز حلال بھی فروخت ہوئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا ہوں، ایسے شخص کا قول قابل اعتبار ہے، یا نہیں؟

اور بعض شخص ایسا ہے کہ وہ نوکری سرکار کی کرتا ہے اور شرع کے خلاف لکھتا پڑھتا ہے اور کفاروں کو تعظیم دیتا ہے اور سودی تمسک پر گواہی لکھتا ہے، یا برائے تحریر دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں نے عہد کیا ہے، کہ رشوت نہ لوں گا اور جھوٹ نہ بولوں گا۔ ایسے شخص کا اعتبار کرنا، شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

اور بعض شخص یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے پیشہ بہتر اختیار [کیا] ہے، عطر وغیرہ کا اور پھر فروخت کرتا ہے، رنڈی ڈوم وغیرہ کو اور پھر کہتے ہیں میں جھوٹ نہیں بولتا ہوں، ایسے شخص کا اعتبار کرنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں۔ یا کوئی فاسق وفاجر ہو اور گناہ کبیرہ کرتا ہو، اس کا اعتبار کرنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں۔

بعض شخص ایسا ہے کہ وہ کسی اپنے نوکر فاسق وفاجر کو، کچھ روپیہ تحویل خرچ میں اس کے سپرد کردے، کہ میرے کام میں صرف کرو ایسے فاسق وفاجر کا اعتبار کرنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ اور مالک کہتا ہے کچھ حساب تم سے لینا ضروری نہیں، تمہارے

---

(۱) پرچیاں ڈال کر، ہمارے علاقہ میں آج کل کی معروف اصطلاح میں کمیٹی ڈال کر، بلا کسی رقم کے اضافہ اور کمی کے نفع کا اوسط کم زیادہ کرتے رہنا۔ (نور)

(۲) کمپنی جس میں مختلف لوگوں کے حصے (شیر Share) ہوں۔ (نور)

او پر اعتبار ہے۔ ایسے شخص فاسق وفاجر پر اعتبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اور کوئی شخص دوسرے فاسق وفاجر سے کہتا ہے یہ عدد بے شمار تم کو دیتا ہوں، گھر اپنے میں اس کا شمار کر لی جیو، اور جو کہدو گے اس کا اعتبار ہے۔ ایسے فاسق وفاجر کا قول لائق اعتبار کے ہے، یا نہیں؟ فقط

جواب: ڈاڑھی منڈانے والا، اور بگل باجے ممنوعات کا فروخت کرنے والا، اور نوکری نصاریٰ کی خلاف شرع کرنے والا، اور سودی تمسک لکھنے والا، اور گناہ کبیرہ کرنے والا۔ ڈوم کنچن کا مال کھانے والا، فاسق ہوتا ہے کہ یہ سب کام فسق ہے، اور فاسق کا قول معتبر ہے، اگر ظن غالب صادق ہونے کا اس کے قول میں ہو۔ اور فاسق کی بات کا قبول کر لینا درست ہے، اگر غالب ظن اس کے جھوٹ بولنے کا نہ ہو، کذافی کتب الفقہ۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۳۱۰-۳۱۱)

(۵۵۶) جانور کو حصہ پر دینا؟ سوال: مرغ یا بیل وغیرہ یا پھلدار درخت، کسی کو حفاظت کے واسطے دینا، اس طرح پر کہ تو حفاظت کر اور بیل وغیرہ کو گھاس وغیرہ دے، تیرا اتنا حصہ اور میرا اتنا حصہ، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جانور کو حصہ پر دینا درست نہیں ہے، درخت کا پھل محافظت کے واسطے حصہ پر، دینا جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۶۰)

(۵۵۷) چوری کے سامان کا خریدنا؟ سوال: اگر یوں معلوم ہو کہ یہ شتر چوری کا ہے، تو اس کا خرید کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: چوری کے مال کا خریدنا حرام ہے۔ فقط، واللہ اعلم (بدست خاص، سوال ۱۳۶)

(۵۵۸) ہنڈی لفافہ اور اسٹامپ کی کمی زیادتی کے ساتھ فروخت اور منی آرڈر کا حکم؟ سوال: ہنڈوی کی زیادتی سے لینا دینا، اور لفافہ اور اسٹامپ کی زیادتی سے فروخت کرنا، درست ہے، یا نہیں، مگر سرکاری دستور لفافہ واسٹامپ پر یہ ہے کہ فیصدی تین روپیہ سے، کمیشن خریدار کو دیا جاتا ہے، اور درصورت عدم فروختگی، سرکار واپس بھی کر لیتی ہے۔ ان کا فروخت کرنا درست ہے، یا نہیں؟ اور منی آرڈر کا کرایہ درست ہے، یا نہیں؟

جواب: ہنڈوی کی کمی زیادتی درست نہیں، علیٰ ہذا، لفافہ اسٹامپ، کمی زیادتی سے فروخت کرنا، درست نہیں، اسٹامپ کی بیع کی، اجرت لینی جائز ہے۔ منی آڈر کرانا درست نہیں ہے۔ (۱) (فیوض رشیدیہ ص ۲۱)

(۱) یہ فتویٰ اس وقت کا ہے جب منی آرڈر (MONEY ORDER) کا سلسلہ نیا نیا شروع ہوا تھا، اس کی صحیح نوعیت اور طریق کار واضح اور متعین نہیں تھا۔ معاملہ کی صحیح نوعیت بعد میں واضح ہوئی، اب اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (نور)

(۵۵۹) روپے کے نرخ سے کم یا زیادہ پیسے لینے کا حکم؟ (۱) **سوال:** روپیہ کے ساڑھے سولہ آنہ لینے، یا ساڑھے پندرہ آنہ دینے، جائز ہیں، یا نہیں؟

جواب: روپیہ کے نرخ سے پیسے، کم زیادہ لینا دینا، جائز ہے۔ فقط (۲) (فیوض رشیدیہ ص ۲۱)

اجارہ

(۵۶۰) کرایہ کے ایک مکان کے معاملہ میں فسخ اجارہ کا حکم؟ سوال: جو زید نے مکان کرایہ پر خالد کو دیا ہے، وہ پردہ کا جدا مکان ہے، اس مکان کے بہت لینے والے آدمی ہیں، اور یہ مکان دوسرا زید کا ملحق مکان زنانہ کے نشست گاہ ہے، اس کا کوئی لینے والا نہیں ہے، کیونکہ اس مکان میں زنانہ سکونت نہیں کر سکتی، جو لیتا ہے واسطے سکونت عیال و اطفال کے لیتا ہے اور خالد تنہا رہتا ہے، کوئی عورت اس کی نہیں ہے، وہ اس مکان نشست گاہ میں سکونت کر سکتا ہے۔ اس واسطے زید چاہتا ہے کہ مکان کا تبادلہ خالد سے کر لیوے، خالد منظور نہیں کرتا ہے اور کرایہ مکان کا جو خالد کے پاس ہے، وہ ایک روپیہ سود کے تین روپئے آٹھ آنے ہوتے ہیں، تو ایک روپیہ سود میں مجرا ہو گیا، باقی دو روپئے آٹھ آنے کا دائن کی طرف سے احسان ہے، اور احسان کی یہ صورت ہے کہ جس کا قرض دیتا ہے، وہ ہی اپنی ضرورت میں لیکر، دو روپیہ آٹھ آنہ سود معاف کرتا ہے، اور ایک روپیہ پر راضی ہوتا ہے، یعنی بمقابلہ ایک روپیہ کے تین روپیہ آٹھ آنہ چھوڑتا ہے اور اس مکان کے سوا اور کوئی مکان زید کے پاس ایسا نہیں ہے، کہ قرض دہندہ کو دے کر سود سے بچے، تو اس صورت میں فسخ اجارہ ہو سکتا ہے، یا نہیں؟ اور یہ مکان جدا نہیں ہے، ایک مکان کے تین ٹکڑے کر کے، دو زنانہ ایک مردانہ بنائے گئے ہیں، اس واسطے کہ زید کے دو بیٹے ہیں، تا کہ بعد مرنے زید کے باہم دونوں پسر کے نزاع نہ ہووے، اس واسطے زید اس مکان کو فروخت نہیں کر سکتا، اور نہ فروخت کر کے ادا قرض کا کرتا، لاچار ضرورت رہن کی ہے۔ فقط

جواب: جبراً فسخ کرنا اجارہ کا اس صورت میں صاحب مکان کو درست نہیں، البتہ اگر رضاء سے فسخ کر دیوے تو

---

(۱) یہ مسئلہ بھی اس وقت کا تھا جب روپیہ یعنی دراہم و دنانیر مستقل کرنسی تھے اور فلوس یعنی پیسے علیحدہ کرنسی تھے اور فلوس من وجہ سامان اور من وجہ ثمن تھے، اس وجہ سے کمی بیشی جائز تھی مگر اب جب کہ فلوس مستقل کرنسی نہیں رہے، بلکہ روپیہ کے اجزاء قرار دیئے گئے ہیں، تو اب روپیہ ریزگاری کے عوض کم و بیش بیچنا جائز نہیں۔ (پالن پوری)

(۲) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس وقت ایک روپیہ میں چونسٹھ پیسے ہوتے تھے، یعنی اگر ایک روپیہ کھلوانا یا بدلوانا ہے تو تبادلہ میں پورے چونسٹھ پیسے دینے ضروری تھے، ایک پیسہ بھی کم یا زیادہ ہو تو یہ معاملہ صحیح نہ تھا۔ اسی طرح آج ایک روپیہ میں سو پیسے ہوتے ہیں، مگر اب قانوناً تمام چھوٹے سکوں کا چلن بند ہو گیا ہے، آج کل بازار میں نہ ایک پیسے کا سکہ موجود ہے نہ دو کا، نہ پانچ کا، اسی طرح پچاس پیسے تک تمام سکے خلاف قانون قرار پا گئے ہیں اور بازار سے غائب ہیں۔ اس وقت صرف پچاس پیسے کا سکہ دستیاب ہے، وہ بھی عنقریب ختم ہوا چاہتا ہے، اس لئے ایک روپے میں سو پیسے کی بات صرف رواجاً رہ جائے گی، عملاً ختم۔ [نور]

مروۃ ہے مستاجر کی۔ کذا فی کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۲۲۔۲۲۳)

(۵۶۱) کرایہ کا مکان خالی کرانے کے لئے جبر کرنا؟ سوال: اگر اس فتویٰ شرعی سے منحرف ہو اور قبول نہ کرے، تو زید پر یہ امر جائز ہوگا یا نہیں، کہ کرایہ نامہ کو چاک کر ڈالے اور معاہدہ باہمی سے انکار کردے، کہ خالد نے حکم شرع کو قبول نہیں کیا۔

جواب: ایسے شخص کا یہی علاج ہے، کہ اس نے فتویٰ شرعی کو نہیں مانا اور زید کو گناہ سود میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ فقط، محمد مراد عفی عنہ (۱)

[جواب] ہرگز کرایہ نامہ کو چاک کر کے، خالد کو نکال دینا درست نہیں، کہ فسخ اجارہ کا یہاں کوئی عذر شرعی موجود نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۲۰)

از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ، جواب مسئلہ مولوی مراد صاحب نے بدون کتاب دیکھے لکھ دیا تھا، چونکہ بندہ کی فہم میں نہ آیا، جو کچھ معلوم تھا لکھ دیا، معاف فرماویں۔ آپ کی بیماری سے رنج ہے، حق تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرماوے۔

مولوی مراد صاحب السلام علیکم

اس مسئلہ کو کتاب الاجارہ کے، باب فسخ الاجارہ میں دیکھنا چاہئے، کہ عذر فسخ اجارہ کے موجر اور مستاجر کی طرف سے جو ہیں، ان کو کہتے ہیں، کہ اگر مالک پر دین ہو جاوے، کہ اندیشہ قید کا ہو اور سوائے اس شے کے اور کوئی دوسرا مال نہ ہو، جس کی بیع سے ادائے دین کر سکے، اس وقت فسخ کا اختیار ہوتا ہے، فقط سو آپ نے دین میں رہن کرنا عذر قرار دیا ہے۔

اس مسئلہ کو دیکھو اور آئندہ کو احتیاط رہے، کہ جواب [صحیح] ہو۔ ظاہری نفع ونقصان اور ظن وتخمین کو کام نہ ہو، کتاب کو خوب غور سے دیکھ کر جواب لکھو، اور عبارت کتاب کی نقل کیا کرو، تاکہ دوسروں کو پھر گنجائش رد نہ ہو اور جب خوب ماہر ہو جاؤ، اس وقت نقل عبارت کی ضرورت نہیں۔ یہ کلمات اپنا دوست جان کر بطور نصیحت لکھے ہیں، بہر خدا تعالیٰ ملال نہ فرمانا، اپنوں کو نصیحت کرتے ہیں، غیروں سے کام نہیں، فقط، سب کو سلام پہنچے۔ (مجموعہ کلاں ص ۲۲۰۔۲۲۱)

(۵۶۲) سود سے بچنے کے لئے مقررہ مدت سے پہلے مکان خالی کرالینا؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم درباب مسئلہ ذیل کے: کہ زید نے مکان اپنا میعاد معین کر کے خالد کو کرایہ پر دیا، بعد اس کے زید کو کہ مدیون ہے، بکر دائن نے کہا کہ مکان میرے پاس رہن کردے، تجھ کو سود سے

(۱) مولانا محمد مراد، فاروقی، پنجی، شاگرد رشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وحضرت مولانا گنگوہی، وبانی مدرسہ مرادیہ [حوض والی مسجد] مظفر نگر [نور]

سبکدوشی ہوجاوے گی، کرایہ مکان کا معاف کرتا ہوں، عذاب دین سے مجھ کو چھڑا دے۔ خالد اس بات کو قبول نہیں کرتا، حالانکہ اس کا کچھ نقصان نہیں ہے، بلکہ فائدہ ہے کہ کرایہ نہیں دینا پڑتا ہے۔ تو اس صورت میں زید کو اختیار خالی کرانے مکان کا، اور دوسرا مکان خالی کرایہ دار کو دینے کا ہے، یا نہیں، درصورت نہ خالی ہونے کے زید عذاب دین میں رہتا ہے۔ عندالحق [یانہیں؟]

جواب: جواب یہ ہے کہ خالد کو مناسب ہے کہ مکان زید کا خالی کردے، تاکہ وہ سود سے بچے، جو بہت بڑا گناہ ہے، جس کے لینے اور دینے پر وعید شرعی مرتب ہوتی ہے، اور سود کے گناہ سے بچنا اور دوسرے مسلمان کو بچانا، ہر مسلمان کو ضروری اور واجب ہے۔ درصورت نہ خالی کرنے مکان کے زید کے، سود دینے کا گناہ خالد کے ذمہ مرتب ہوگا، جب اپنے آپ گناہ میں مرتب ہوا، تو اس گناہ سے اس کو نجات دینی ضروری ہوگی، وہ یہ ہے کہ اس سے مکان خالی کرادیا جاوے اور جو کہ اس سے معاہدہ ٹھہرالیا تھا، اس کے بدلہ جو زید اپنا دوسرا مکان دیتا ہے، وہ کافی اور وافی ہے۔ فقط محمد مراد عفی عنہ

(از مولانا ملا محمد مراد فاروقی پٹنی ثم مظفرنگری)

[جواب از حضرت مولانا گنگوہی:] اس صورت میں زید سود مقررہ سے تو خلاصی ہوتا ہے، مگر دین کے سود میں مبتلا ہوتا ہے، کیونکہ انتفاع رہن بھی سود ہے اور فسخ اجارہ کا عذر نہیں ہے، پس اگر خالد رضاء سے فسخ اجارہ یا تبدیل کرلے درست ہے، مگر جبر اس پر زید نہیں کرسکتا، اور چونکہ زید کے پاس اور گھر بھی ہے، لہٰذا اس مکان کے ترک کا عذر اور جبر شرعاً درست نہیں: کذا فی کتب الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۱۹-۲۲۰)

(۵۲۳) کیا اپنے جائز حق کی وصولی کے لئے، کذب وتوریہ کی گنجائش ہے؟

سوال: ماقولکم دام فضلکم اندراس مسئلہ کے: کہ جو کوئی واسطے رفع ظلم اور احقاق حق کے فریب صوری کرے، جائز ہے، یانہیں؟ مثلاً زید کا ہزار روپیہ بکر کے پاس واجب ہے، جس کو اب زمانہ تین برس سے زیادہ کا گذر گیا [ہے] اب بکر روپیہ دینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمادی ہوگئی، اب تمہارا روپیہ کیسا؟ اب اگر زید کوئی کاغذ جعلی، نسبت اسی روپیہ واقعی کے، اندر اپنی میعاد کے بنائے، تو اس پر مواخذہ شرعی ہے؟ یانہیں؟

یا مثلاً کوئی معاملہ واقعی سچا، درمیان زید وبکر کے ہوا ہو اور کاغذ بھی لکھ دیا گیا، مگر اس کاغذ میں کوئی لفظ ایسا ہے کہ از روئے قانون انگریزی وہ لفظ خلاف شرع ہے، اور موجب حرام ہے، اور بکر از راہ بددیانتی ادا حقوق زید سے انکار کرتا ہے، یا اس پر اور کوئی ظلم سخت تجویز کرتا ہے، جس کا زید متحمل نہیں ہوسکتا ہے۔ اب اگر زید واسطے احقاق حق و رفع اس ظلم سخت کے، اسی مضمون کو حذف کر کے، ایک دو لفظ موافق قاعدہ وقانون انگریزی لکھ کر، مقدمہ سچا دائر کرے، یا وقت دوران مقدمہ

کے کوئی کلمہ جھوٹ، واسطے احقاق حق ورفع ظلم کے، اظہار میں بیان کرے، تو اس پر مواخذہ شرعی ہے، یا نہیں؟

اور اب اس زمانہ میں کوئی مقدمہ کیسے ہی سچے سے سچا کیوں نہ ہو، بوجہ پابندی انگریزی قانون، بلا آمیزش جھوٹ ممکن نہیں ہے، کہ درست ہو جاوے اور اس میں احقاق حق ہو جاوے، تو اب کیا کرنا چاہئے؟ بینوا بسند الکتاب من الفقہ و السنۃ و الکتاب، توجروا عند اللہ الوہاب۔

جواب: محض اپنا حق وصول کرنے کے واسطے، کہ کسی کو اس میں مضرت جان ومال کی دینا نہیں، کوئی صورت پیدا کرنا اور کذب وتوریہ سے اپنا حق حاصل کرنا، درست ہے۔ شرعاً اس میں کچھ اثم وملامت نہیں، کتاب وسنت وفقہ سے سب سے ثابت ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۶۔۲۱۷)

(۵۶۴) ڈبل پیسے کا منصوری پیسے سے تبادلہ؟ سوال: پیسہ ڈبل کو بھنانا، بایں طور کہ ایک منصوری لے لیا اور باقی کوڑی لے لی، یہ بھنانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: فلوس ڈبل کے بدلہ میں، فلوس منصوری (۱) اور کوڑیاں لینی، درست ہے، علی الاصح فقط۔

(مجموعہ کلاں ص ۱۰۰۔۱۰۲)

رہن

(۵۶۵) رہن کی زمین سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں؟ سوال: رہن کی زمین کی پیداوار میں سے، جو خرچ ہل یا ہتی وغیرہ کی لکڑی کا اور لوہے کا اور مزدور کا، اور بیلوں کا اور حاکمی کا ہوتا ہے، مجرا ہونا چاہئے، یا نہیں؟

جواب: رہن زمین کا تصرف ہی درست نہیں، تو مجرا کیا ہوگا، اور باقی کیا ہوگا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۳۳)

---

(۱) نوے، سو، سال پہلے پیسے کی بڑی قیمت تھی، تانبہ کے پیسے ہوتے تھے، ایک روپیہ میں چونسٹھ پیسے آتے تھے، اور ہر اک پیسہ میں خودکئی رقمیں چھپی ہوئی رہتی تھیں، ہر اک پیسہ کے دو منصوری پیسے آتے تھے، اور ہر اک منصوری پیسہ میں دمڑیاں ہوتی تھیں، اور ہر اک دمڑی میں پانچ کوڑیاں، اور ہر اک کوڑی میں بھی کچھ نہ کچھ آ جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک پیسہ میں سولہ عدد متفرق چیزیں [سامان] خریدی جاسکتی تھیں، دوسری صورت یہ تھی کہ ایک پیسے میں سولہ گنڈے ہوتے تھے ہر اک گنڈا دو پائی کے برابر ہوتا تھا، پھر اس میں اسی طرح دمڑی اور دمڑی کے بعد کوڑیاں آتی تھیں۔ آج حال یہ ہے کہ بھیک مانگنے والے فقیر بھی ایک دو روپے کا سکہ دیکھ کر، واپس کر دیتے ہیں کہ اس کا کیا آئے گا۔ [نور]

(۵۶۶) شی مرہونہ سے نفع لینے کا حکم؟ اور مسئلہ شاۃ مرہونہ میں یہ کہنا ہے، کہ جو مرتہن نے اذن راہن سے شیر پیا، اس کا ضمان نہیں، عام ہے کہ بشرط انتفاع رہن رکھا تھا اور نفع لینا حرام تھا، یا بلا شرط وعرف رہن رکھا تھا اور پھر اذنِ انتفاع دیا۔ اس میں حلت وحرمت سے کچھ بحث نہیں۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۲۷)

(۵۶۷) رہن سے نفع کے لئے ہدایہ کے ایک مسئلہ کی وضاحت: مسئلہ: ہدایہ میں کچھ خلاف نہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفع جو قرض کے عوض میں بشرط [اضافہ یا نفع] ملے حرام ہے؟ اور اس کو ربوا اور سود کہتے ہیں اور اگر بلا شرط ملے تو وہ درست ہے۔ اور یہ قاعدہ بھی محقق ہے کہ: المعروف کالمشروط. پس اب سنو! کہ حاصل اس مسئلہ کا کہ انتفاع باذن درست ہے، یہ ہوا کہ اگر کسی نے رہن کیا اور انتفاع رہن نہ مشروط ہوا اور نہ عرف میں ٹھہرا ہوا تھا، پس بقدر رہن کے اگر بلا وجہ بخوشی خود راہن مرتہن کو اذن، انتفاع کا دیوے، تو درست ہے۔ پس اس سے جواز انتفاع رہن، جو اس زمانہ میں جاری ہے، ہرگز جائز نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں انتفاع معروف ومقرر ہے، سو وہ مثل مشروط کے ہو کر حرام ہے، اور یہ اذن خود شرط ہے، نہ اذن مباح۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۲۶-۱۲۷)

(۵۶۸) کیا رہن رکھی گئی چیز کو مرتہن فروخت کر سکتا ہے؟ سوال: اگر کسی شخص نے اپنا زیور گرو [ی] رکھا اور کچھ دنوں کے بعد مرتہن نے راہن سے کہا کہ اپنا زیور چھڑالے، اور اس نے کہا کہ میرے پاس تو ابھی چھڑانے کا بندوبست نہیں ہے اور مرتہن کہتا ہے کہ میں تنگ ہو رہا ہوں، مجھ کو روپیہ کی ضرورت [ہے] تو اس زیور کو فروخت کردے، اور راہن زیور فروخت کرنے سے انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں مرتہن، اس زیور کو فروخت کر کے، اپنا روپیہ وصول کرے، تو جائز ہے یا نہیں۔ یا کسی جگہ دوسرے [کو] رہن کر کے، اپنا روپیہ وصول کرلے، تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مرتہن بلا اذن راہن یا حکم حاکم، اس شے کے بیچنے یا رہن رکھنے کا مجاز نہیں، مگر جب بالکل مجبور ہو جاوے اور کوئی صورت وصول کی نہ ہو تو اس وقت بیچ کر، بقدر اپنے دین کے رکھ کر، باقی مالک کو دیدے۔ واللہ اعلم (بدست خاص ص ۵)

ہبہ

(۵۶۹) ہبہ کے ایک معاملہ کی شرعی تحقیق؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ ہندہ لاولدہ نے زید کو متبنّیٰ کر کے کل جائداد اپنی بنام زید ہبہ بلاعوض لکھ دیا، اور ایک اقرار نامہ شرطی زید سے لکھوالیا کہ میں مُقِر، ہمیشہ اطاعت میں رہوں گا، کبھی بدچلنی وبداطواری نہ کروں گا۔ اگر تا حیات ہندہ کی کبھی قصداً انتقال جائداد موہوبہ کا کروں، تو ہندہ واہبہ جائیداد موہوبہ مجھ سے واپس کرلے، البتہ بعد وفات ہندہ واہبہ جائیداد موہوبہ کا مجھے اختیار ہے۔

ہندہ نے جائیداد موہوبہ پر قبضہ نہیں دیا، بلکہ ڈیڑھ برس کے بعد ایک درخواست دی، کہ میں نے ہبہ نامہ بنام زید لکھدیا ہے، مگر داخل خارج نام کا بعد میرے موہوب لہ کو اختیار حاصل ہے، اور موہوب لہ نے بھی عرصہ دو برس گیارہ ماہ کے بعد، ایک درخواست دی، کہ میں نے بوجہ دل شکنی ہندہ کے داخل خارج نہیں کرایا، و نہ ابھی قصد ہے۔ بعد اس کے کئی برس بعد داخل خارج کی کارروائی ہوگئی۔ مگر قابض دخیل متصرف ہندہ رہی، اور واقعی ہندہ نے قبضہ موہوب لہ کو کبھی نہیں دیا، جب مرض الموت میں بیمار ہوا، ہندہ نے اپنا ہبہ ہوش و حواس میں زید سے واپس کرلیا، اور زید نے بلا عذر ہبہ نامہ واپس دے کر، ابراء نامہ لکھدیا۔ سوائے تحریر واپسی کے ابراء نامہ میں یہ بھی لکھدیا، کہ آج تک نام میرا رجسٹر سرکار میں برائے نام رہا، مگر مالک و قابض جائیداد موہوبہ کی ہندہ رہیں، تاریخ ہبہ نامہ اور اقرار نامہ سے، وقت واپسی ہبہ و تحریر ابراء نامہ تک، کوئی شے جائیداد موہوبہ میں تغیر و تبدل نہیں ہوئی۔

ایسی صورت میں ہبہ ناجائز اور رجوع عن الہبہ، جائز ہے، یا دونوں، یا کون ناجائز ہے۔ **بینوا بسند الکتاب توجروا بیوم الحساب.**

جواب: یہ ہبہ اوّل ہی ناتمام تھا، کیونکہ موہوب لہ کا قبضہ موہوب شے پر نہیں ہوا، لہٰذا رجوع بھی درست ہوگا:

قال فی الدر المختار: وتتم الهبة بالقبض الكامل فی یده محرز مفرغ مقسوم . انتهی(۱)

چوں کہ ہبہ تمام نہیں ہوا، لہٰذا رجوع میں اس کے معصیت نہیں ہوئی۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۵۱-۱۵۲)

(۵۷۰) موہوبہ زمین کے ایک معاملہ کی تحقیق؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ زید نے، ایک جائیداد زینب کی، جو بحکم عدالت انگریزی نیلام ہوگئی تھی، خریدار نیلام سے خریدا۔ زینب کے واسطے بطور اسم فرضی اپنے نام سے خرید کی، اور زینب سے کہا میں نے تمہارے واسطے خرید کی ہے، قیمت اس کی تم یا تمہاری اولاد وقتاً فوقتاً ادا کردے۔ بعد چند روز کے زید نے، بمقابلہ چند اشخاص معتبرین کے، عبداللہ پسر زینب سے اسی زمین پر کھڑے ہوکر کہا، کہ اس زمین کو کس طرح پر لوگے، عبداللہ نے کہا کہ جس طرح پر دوگے، تب زید نے کہا، کہ زمین [میں] نے دی اور مگر قیمت میں نہ لوں گا، یا یہ کہا کہ قیمت مجھ کو لینا منظور نہیں، پس اس صورت میں زرِ ثمن کی ہبہ سمجھی جائے گی، یا زمین کی۔ **بینوا بسند الکتاب توجروا بیوم الحساب.**

جواب: زید اس خرید نیلام میں فضولی ہے اور خرید فضولی کی فضولی پر تمام ہوجاتی ہے۔ قال (فی) الدر المختار:

---

(۱) اصل میں اسی طرح ہے مگر درمختار اور شامی کے مطبوعہ نسخوں کی عبارت میں کسی قدر فرق ہے، اوپر وہ عبارت نقل کی گئی ہے جو اصل قلمی نسخہ میں ہے، مکمل عبارت کے لئے ملاحظہ ہو: درمختار کتاب الهبه ص:۱۵۹ ج:۲ [عکس مجتبائی] نیز شامی ج:۴، ص:۵۱۰ [مجتبائی دہلی: بلاسنہ] شامی کتاب الهبه ص:۶۹۰-۶۹۲ ج:۵ (دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) [نور]

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ(۱) پس قول زید کا زمین میں نے دی ہبہ ہے، کہ دینا ہبہ کا لفظ ہے، مگر قیمت نہ لوں گا، دفع احتمال بیع کا ہے، لہٰذا یہ عقد ہبہ زمین کا ہے، نہ ہبہ ثمن کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　　(مجموعہ کلاں ص ۱۵۲-۱۵۳)

(۵۷۱) مرض الموت میں ہبہ کی گئی جائیداد کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں باب: کہ کوئی شخص، بحالت صحت یا مرض الموت میں، اپنی جائیداد کو، باوجود موجودگی دیگر ورثاء کے، خاص ایک شخص، ذوی الفروض یا عصبہ یا ذوالارحم یا اجنبی کے نام ہبہ یا بیع کردے، تو یہ نافذ ہوگا، یا نہیں؟ بلکہ جملہ ورثاء پر بطور فرائض (تقسیم) کیا جاوے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر کسی نے حالت صحت میں اپنی جائیداد کسی وارث کو دے کر، تقسیم کرا کر، قابض کرادیا، ہبہ صحیح ہوگیا، اب بعد فوت اس شخص کے ورثاء کا کوئی دعویٰ اس میں نہیں ہوسکتا اور جو صحت میں کہا مگر مشاع ہے، یا قبض موہوب لہ نہیں ہوا، تو ہبہ فاسد ہے۔ بعد موت واہب کے یہ ہبہ فسخ ہوکر، سب ورثاء پر تقسیم ہوگا اور جو بیع کردی ہے تو کسی حال میں بھی بیع فسخ نہ ہوسکے گی، اگر چہ مرض الموت میں کی ہو، بشرطیکہ محابات نہ ہو بلکہ ثمن مثل کو بیع کی ہو، اور ہبہ ثمن نہیں تو ثمن میں وہی حال ہوگا، جو اصل شے؟ جو اَب ہے، اعنی صحت میں تام اور مرض میں باطل ہے۔ اور جو یہ ہبہ مرض الموت میں کیا ہے تو بالکل باطل ہے، ہبہ وارث کو مرض الموت میں باطل ہوتا ہے۔ اس میں سب ورثاء برابر میراث پاویں گے۔ فقط ہکذا فی سائر کتب الفقہ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔　　(مجموعہ رام پور ص ۱)

(۵۷۲) ہبہ کی ہوئی چیز کو واہب کے ورثاء واپس لے سکتے ہیں؟ **سوال:** ورثاء واہب کو، شے موہوبہ کا ورثاء موہوب لہ سے، بہ جبر لے لینا جائز ہے یا نہیں، بصورت عدم جواز ان کی شان میں کیا وعید ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: بعد موت موہوب لہ کے حق استرداد ساقط ہوگیا، اب ہرگز ورثاء واہب ورثہ موہوب لہ سے، موہوب کو واپس نہیں لے سکتے۔ اگر جبراً لیویں گے تو غاصب، ظالم، فاسق شرعاً ہوکر، ماخوذ بعذاب ظلم وغصب ہوویں گے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم　　کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۳)

(۵۷۳) اگر ورثاء موہوبہ چیز کو زبردستی واپس لے لیں تو؟ **سوال:** اگر ورثاء واہب شے موہوبہ کو ورثاء موہوب لہ سے جبراً چھیننا چاہیں اور ورثاء موہوب لہ نہ دیویں اور مزاحمت کریں، اور ان لوگوں کو مار کر

---

(۱) در مختار کتاب البیوع (فصل فی الفضولی) ص ۱۳۱ ج ۲ عکس مجتبائی، نیز شامی باب مذکور ص ۱۰۹ ج ۵ (دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) نیز شامی باب مذکور ص ۱۳۷/ ج ۳۔ (مطبع مرتضوی دہلی: بلاسنہ) [نور]

نکال دیں، تو ان ورثاء موہوب لہ، پر کوئی ملامت شرعی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان کو کیا کرنا چاہئے، اور اگر نہیں ہے، تو مزاحمت کیوں کر کی جاوے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہرگز ورثاء موہوب لہ پر شرعاً واجب نہیں، بلکہ ظالموں کا مار کر نکال دینا اور اپنا مال بچانا درست ہے، ایسی حالت میں اگر ظالم کے ضرب آوے، تو بھی کچھ ضمان و تاوان نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۴)

(۵۷۴) ہبہ مشاع میں واہب کے وارث کا رجوع کرنا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین: اس مسئلہ میں کہ، محمد وحامد ومحمود تین بھائی تھے اور ان کے خاندان میں یہ رواج ہے کہ، جو بھائی جس قطعہ زمین پر قابض ہو گیا، دوسرے بھائی نے کچھ تعارض نہیں کیا، اور تینوں بھائیوں کی اولاد میں اب تک یہی دستور چلا آتا ہے۔ حامد نے ایک قطعہ زمیں پر باغ لگایا اور ایک زوجہ زینب اور دو پسر ایک دختر کو اس پر وارث چھوڑ کر، حامد نے وفات کی، اس...... کا حق موافق باغ میں نیلام ہو گیا، زید ایک شخص خدا ترس نے، مسماۃ زینب کے واسطے خرید از نیلام، پس اس شے کو اپنے نام سے بطور فرضی رسم خرید کیا، جب زینب اور اس کے پسر نے زر ثمن دیکر، اپنے نام لکھانے کا قصد کیا، تو زید کے بڑے بھائی نے زید کو لکھنے سے ممانعت کی، اس وقت میں یہ معاملہ ملتوی ہو گیا۔

عبداللہ پسر زینب کی شادی، آمنہ خواہر زید کے ساتھ ہوگئی، تب زید نے بطور جہیز دینے کا اس کو قصد کیا، تب بھی برادر زید نے اس کو باز رکھا، بعد اس خصوصیت کے بفہمائش زید عبداللہ نے برادر زید سے گفتگو کی، اور بعد رد [و] کد بسیار زید اور ان کے دونوں بھائی اور بعض اشخاص معتبرین اہل برادری، اسی موقع زمین پر آئے اور زید نے عبداللہ سے کہا، یہ زمین ہم نے ہبہ کی لیکن زر ثمن لینا ہم کو منظور نہیں، عبداللہ نے اس کو قبول کر لیا اور اسی وقت سے عبداللہ کا قبضہ داخل زمین مذکور پر چلا آرہا ہے۔

اب بعد فوت زید چند سال کے بعد، مسمی خالد پسر زید کو، بعض معاندین عبداللہ نے ورغلا کر، اس زمین کا دعویٰ کرایا۔ خالد کہتا ہے کہ یہ زمین مشترک ہے اور ہبہ مشاع جائز نہیں، عبداللہ کہتا ہے کہ یہ خریداری زید کی فرضی تھی، اس نے ہمارے واسطے خرید کیا تھا، اب بوجہ خصوصیت شادی کے زید نے اپنی بہن کی مروت سے، زر ثمن ہم کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ معاملہ ہبہ ثمن کا ہے نہ [ہبہ] زمین کا، پس اس باب میں از روئے شرع شریف، جو امر حق ہو، بسند تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

جواب: زید نے نیلام، اگر چہ زینب کے ہی واسطے خرید کیا ہو، مگر چونکہ اس میں زینب کا نام لے کر نہیں خرید کیا، بلکہ ایجاب وقبول ہر دو بنام زید ہوئے، تو نیلام بنام زید ہی ہوا، زینب کا اس میں کچھ حق نہیں۔ اس واسطے کہ

زید اس صورت میں فضولی ٹھہرتا ہے، اس لئے کہ توکیل زینب کی یہاں ...... نہیں معلوم ہوتی، لہٰذا یہ نیلام ملک زید کا ہوا۔ قال فی الدر المختار: قید بالبیع لأنه لو اشتریٰ لغیره نفذ علیه. انتھیٰ (۱)

پس بعد اس کے کہ یہ نیلام ملک زید کا ہوا تو زید کا، یہ کہنا کہ یہ زمین ہم نے عبداللہ کو دیا، ہبہ ہوا، اور یہ قول زید کا کہ زرِ ثمن لینا منظور نہیں، دفع اس احتمال کا ہے کہ عبداللہ بیع نہ سمجھ جاوے، جیسا کہ پہلے ثمن دے کر لکھایا چاہتی تھی۔ بہر حال ظاہر متبادر لفظ دیا سے یہ ہے کہ اور احتمال بیع کو دفع کرنا، دوسرے کلام [سے]۔ پس ہر گاہ کہ یہ ہبہ ہوا، تو ہبہ مشاع فاسد ہوتا ہے، اور اس میں وارث کو بھی رجوع کرنا درست ہے، علی الاصح! اگرچہ قبض موہوب لہ کا ہو گیا ہو، چنانچہ صاحب ردالمحتار نے تصریح ان کی کی ہے:

وفیه و كما یكون للواهب الرجوع فیها یكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد، و یضمن بعد الهلاک كالبیع الفاسد (۲)

اور قول عبداللہ کا کہ اس نے ہمارے واسطے خرید کیا ہے، قابل التفات نہیں شرعاً۔ جیسا اوپر واضح ہو چکا فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۵۳ تا ۱۵۵)

(۵۷۵) ہبہ مشاع یا بیع کی تفصیل میں اختلاف کے ایک معاملہ کی تحقیق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں: کہ ایک قطعہ زمین میں حصہ زینب کا بحکم عدالت انگریزی، بلالحاظ شرع شریف نیلام ہو گیا، ایک شخص غیر نے خرید کیا، تب زینب نے احمد کی معرفت خریدار نیلام سے خرید کیا، مگر احمد نے زرِ ثمن اپنے پاس سے ادا کیا اور بیع نامہ بھی احمد کے نام لکھا گیا۔ احمد نے، زینب سے کہا کہ میں نے تمہاری زمین تمہارے واسطے خرید کر لی، جب قیمت دینا لے لینا، بعد چندے باجازت زینب کے احمد نے، پسر زینب عبداللہ کو جو احمد کی بہن کا داماد بھی ہے، اس زمین پر قبضہ دیدیا اور زرِ ثمن لینے سے انکار کیا۔ اب احمد کا انتقال ہو گیا، مسمی خالد پسر احمد اس بیان سے دعویدار ہے کہ زمین مشترکہ ہے اور یہ دینا احمد (کا) ہبہ ہے اور یہ مشاع ناجائز ہے اور فیصلہ اس نزاع کا بوجہ گذر جانے، میعاد قانون انگریزی کے، خالد چاہتا ہے کہ از روئے شرع شریف فقہ حنفیہ کے کیا جاوے۔

عبداللہ پسر زینب کہتا ہے کہ یہ معاملہ ہبہ مشاع نہیں ہے، یہ زمین شرعاً احمد کی ملک نہیں ہوئی، کیونکہ اسے زینب کے

---

(۱) الدر المختار، کتاب البیوع، فصل فی الفضولی (۳۱/۲) [مجتبائی دہلی: ۱۳۳۴ھ] نیز ردالمحتار علی هامش الدر المختار ج: ۴ ص: ۱۳۷، مجتبائی دہلی: بلاسنہ۔ [نور]

(۲) رد المحتار کتاب الھبہ ص ۶۹۲ ج ۵ دار الفکر بیروت ۱۳۸۶ھ۔ نیز شامی در باب مذکور ج: ۴ ص: ۵۱۱ مجتبائی دہلی: بلاسنہ۔ [نور]

واسطے خرید کی تھی، احمد کو سوائے زرثمن پانے کے اور کوئی استحقاق نہ تھا اور وہ حق احمد نے عبداللہ کو دے دیا، اور نیز انتقال جائیداد زینب کا، جو ابتداءً بحکم عدالت انگریزی، بلا لحاظ احکام شریعت کے ذریعہ نیلام ہوا تھا، وہ بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

پس صورت مسئولہ میں، از روئے شرع شریف مذہب حنفیہ کے، زمین مذکور عبداللہ پسر زینب کو ملنا چاہئے، یا زینب کو۔ اور خالد پسر احمد کو زرثمن پانے کا استحقاق ہے، یا بوجہ ہبہ احمد کے زرثمن زینب سے، عبداللہ پسر زینب کو ملے گا اور حسب قول عبداللہ انتقال، ابتداءً جائیداد زینب کا، جو بحکم عدالت انگریزی ہوا تھا، وہ اس صورت میں قائم رہ سکتا ہے، یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب: ہر گاہ کہ زینب نے بوسیلہ احمد کے نیلام شدہ جائیداد کو خرید کیا ہے، تو احمد وکیل زینب کا ہوا اور یہ مبیع ملک زینب کی ہو گئی، اگر [چہ] بیع نامہ احمد کے نام لکھا گیا اور زرثمن بھی احمد نے اپنے پاس سے دیا ہو:

ولو وکله بشراء شیء لایشتریه لنفسه(۱) انتھی درمختار

پس احمد نے بعد خرید کے بھی زینب سے اقرار کر لیا ہے، کہ یہ شے تمہارے واسطے خرید کی ہے، تو صاف ظاہر ہے کہ مالک اس مبیع کی زینب ہوئی، اور حبس رکھنا بیع کا بوجہ زرثمن کے تھا، کہ جب زرثمن زینب سے وصول ہو دیگا، اس وقت قبضہ زینب کا کرا دیا جائیگا اور یہ امر جائز ہے۔ قال فی الدر المختار:

و للوکیل حبس المبیع بثمن دفعه الوکیل من ماله الخ (۲)

اس سے بھی معلوم ہو گیا، کہ وکیل اگر اپنے پاس سے ثمن دیکر خرید کرے، تو ملک موکل کی ہی ہوتی ہے، پھر جب احمد نے پسر زینب کا قبض مبیع پر کرا دیا اور ثمن معاف کر دیا، تو ہبہ واسقاط ثمن کا ہوا، الحاصل یہ ہبہ زمین مبیع کا نہیں، کیونکہ مبیع خود ملک زینب کی ہے، یہ دعویٰ پسر احمد کا خلاف حکم شرع کے ہے اور یہ زمین ملک زینب کی ہے۔ فقط

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد

اس مسئلہ کا جواب پہلے بھی یہاں سے لکھا گیا ہے، مگر اس میں خریدنا مشتری کا باذن زینب نہیں لکھا تھا، بلکہ بدون امر بطور فضولی خریدنا لکھا تھا، لہٰذا اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ مالک مبیع کا مشتری ہے اور بعد قبض پسر زینب وہ ہبہ مشاع ہوتا ہے، پس اس جواب کو اُس جواب کے مخالف نہ جاننا چاہئے، کیونکہ ہر دو سوال میں مخالفت ہے۔ جواب حسب سوال لکھا جاتا ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۳۰۰ تا ص ۳۰۲)

[نوٹ: ایک اور مسئلہ: مشاع کا ہبہ جب کہ اپنے شریک کو، کرے جائز ہے، یا نہیں۔ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۱) الدر المختار، باب الوکالة (۲/۱۰۵) [مجتبائی دہلی: ۱۳۳۴ھ۔] (نور)

(۲) درمختار باب الوکالة بالبیع والشراء (۲/۱۰۵) [مجتبائی دہلی ۱۳۳۴ھ] (نور)

(۵۷۶) باپ نے اگر اپنی زندگی میں اپنا مال کسی کو ہبہ کر کے قبضہ کرا دیا تو اس میں کسی اور کا کچھ حصہ نہیں رہا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ زید اپنے پدر کے سامنے دو پسر چھوڑ کر مرگیا، بعدہ زید کے پدر جو عمرو ہے، اس نے زید کے دولڑ کے جو بکر وخالد ہیں، ان دونوں کو اپنا اسباب ومال ہبہ کر دیا، اب وہ مال واسباب خاص ان دونوں کا ہو چکا ہے، یا غیر کو بھی تقسیم ہو سکتا ہے۔ بینوا توجروا!

جواب: اگر عمرو نے سب اشیاء دونوں پوتوں کو ہبہ صحیح کر دیا اور قبضہ دونوں کا بھی درست ہو گیا ہے، تو اب وہ سب ان دونوں پوتوں کا ہے، کسی غیر کا اس میں حصہ نہیں، نہ حیاۃ عمرو میں نہ بعد موت عمرو کے۔ فقط کذا فی کتب الفقہ، واللہ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۱۴)

(۵۷۷) اولاد کے حق میں ہبہ کے معتبر ہونے کی تفصیل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں: کہ ایک شخص نے اپنی کل جائیداد موروثی ومکسوبہ، اپنی اولاد میں سے دولڑکوں کو، کہ مطیع اور فرماں بردار تھے، بنام ایک کے دوثلث اور بنام دوسرے کے ایک ثلث، ہبہ نامہ لکھ کر قبضہ اور دخل دیدیا، دولڑکوں کو بوجہ ان کی بدچلنی اور نافرمانی اور ایذارسانی کے اس جائیداد سے محروم کیا، اور وہ شخص واہب قریب آٹھ سال تک زندہ رہا اور اشیاء موہوبہ سے کچھ تعلق اور سروکار نہیں رکھا، کل جائیداد موہوب لہما کے قبضہ میں رہی اور اب تک ہے۔ اب عرصہ تین برس کا ہوا کہ واہب قضا کر گیا، اس صورت میں وہ ہبہ نامہ بموجب شرع شریف جائز ہے، یا نہیں؟ یا کسی صورت میں محروم الارث اولاد کو، اس جائیداد موہوبہ مقبوضہ موہوب لہما سے، بموجب استحقاق شرعی کچھ مل سکتا ہے؟

اور ہبہ مشاع کی تعریف شرعاً یہ ہے، کہ کسی جائیداد کا ہبہ کرنا جو غیر منقسم ہو، کیوں کر بوجہ نہ ہونے تقسیم کے قبضہ اس جائیداد پر نہیں ہو سکتا اور ہبہ میں قبضہ شرط ہے، پس جائیداد مواضعات میں قبضہ ازروئے تحصیل وصول کے ہوتا ہے، اور تفریق حصص کی ایک ثلث اور دوثلث سے ہو چکی، اور بموجب اس تقسیم کے جائیداد موہوبہ پر، قبضہ موہوب لہما کا ہے، اس صورت میں ہبہ مشاع سمجھا جاوے گا، یا نہیں، باقی مکانات مسکونہ پر قبضہ ازروئے سکونت کے ہے اور جو زائد سکونت سے ہے وہ حمام وغیرہ کے حکم میں سمجھی جاوے گی، یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ بعد نفاذ ہبہ نامہ کے، کل جائیداد موہوب لہما نے برضامندی اپنی تقسیم کر لی، بلکہ اکثر مکانات جو مخالفوں نے بجبر گرادئے تھے، از سرِ نو بنا کر، مع ان مکانوں کے جو گرنے سے محفوظ رہے تھے، تقسیم کر لئے، اب حکم مشاع

میں سمجھے جاویں گے، یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک جز کے ناجائز ہونے سے بکل ناجائز سمجھا جائیگا، یا جز۔ بینوا توجروا!

جواب: اگر شخص مذکور نے اپنی جائیداد جو کسی میں مشترک نہ تھی، خالص اس کی تھی اور منقسمہ اپنے بیٹوں کو دیدی، اس طرح کہ دونوں کو شلاثا مالک کیا اور دونوں بیٹوں نے اس پر قبضہ وتصرف کیا، تو یہ ہر دو پسر حسب حصص مالک اس کے ہوگئے، اب کسی وارث کو بعد انتقال واہب کے اس پر دعویٰ نہیں ہوسکتا۔ اور یہ جواب حسب روایت صاحبین کے ہے، جس پر بعض کتب میں فتویٰ دیا گیا ہے: قال فی العالمگیریة:

ذکر الصدر الشهید إذا وهب من رجلین ما یحتمل القسمة حتی فسدت الهبة عنده، ثم قبضها یثبت الملک ملکاً فاسداً، قال وبه یفتی کذا فی الفتاویٰ العتابیة (۱)

اور اگر خود واہب کی جائیداد اوروں میں مشترک ہے اور واہب نے اس میں کے اپنے مملوک حصے بنام ہر دو پسر ہبہ کیئے ہیں، تو یہ ہبہ فاسد ہے اور مفید ملک نہیں ہے، بعد انتقال زید کے وارثان زید اس میں شریک ہونگے، اور اپنا اپنا حصہ لیویں گے۔ فی الدر المختار:

ولو سلمه شائعاً لایملکه فلاینفذ تصرفه فیه انتهی. (۲)

اور اس صورت میں قبضہ تحصیل وصول کافی نہیں ہوسکتا اور جز میں فساد آنے سے کل میں فساد نہ آوے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مہر) (مجموعہ فرخ آباد ص ۵۹۔۶۰)

(۵۷۸) زکوٰۃ ساقط کرنے کیلئے ہبہ کے حیلہ کی تحقیق اور حکم؟

ہبہ کے حیلہ میں، اگر چہ ہبہ کا مسئلہ کتب فقہ میں نہیں، مگر یہ مسئلہ لکھا ہے کہ بعد حولان حول کے صدقہ کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے، پس جب کسی نے کسی کو ہبہ کیا تو ملک واجب سے نکل گیا، اس پر زکوٰۃ نہ آوے گی۔ جب دو تین سال بعد اس نے رجوع چاہی اور موہوب لہ نے دیدیا تو فقط طلب واہب سے، اس پر ادا ضروری نہیں ہوتا، مگر بقضاء، اگر بیان قضا کی نوبت نہ آئی، اس نے دیدیا، تو یہ دینا اپنی ملک سے اخراج ہے، بحکم صدقہ ہوتا ہے، جب اس نے سب اپنی ملک سے اخراج کردیا، تو زکوٰۃ ساقط ہوگئی، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حیلہ کے موقع میں موہوب لہ سے قرار ہوجاتا ہے، سو اگر موہوب لہ بہ نیت تصدق دیدیوے، حسب قرارداد، تو زیادہ تر واضح ہوجاوے گا۔ فقط۔

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری فصل فیما یجوز من الهبة و مالایجوز ص ۵۲۶ ج ۴ (مطبوعہ بندر ہوگلی کلکتہ: ۱۳۴۸ھ) [نور]

(۲) در مختار مع کشف الأستار کتاب الهبة ص: ۱۵۹/ ج: ۲ (عکس مجتبائی: ۱۳۳۳ھ) [نور]

نیز الدر المختار مع الشامی کتاب الہبۃ ص ۶۹۲ ج ۵ (دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) نیز الدر المختار مع الشامی کتاب مذکور ص: ۵۱۱ ج: ۴ مطبع مرتضوی۔ دہلی باہتمام عزیز الدین [نور]

تیسرا خدشہ جو ہبہ صغیر کا ہے، جو ظاہر معنی اس کے ہیں کہ مشتری اپنے صغیر کو ہبہ کردیوے، تو یہ حنفیہ کا مذہب نہیں اور ان کے قواعد کے موافق نہیں، سو یا تو کسی دوسرے شخص پر اعتراض ہے، یا اس کی یہ توجیہ ہے کہ بائع ابن صغیر مشتری کو ہبہ کردیوے، اب شفیع دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بیع ہوئی ہے، مگر حیلہ اسقاط میرے حق کے واسطے صورت ہبہ کی بنائی ہے، تو اس میں حلف صغیر پر آنا چاہیے کہ موہوب لہ ہے، کہ یہ دار تیرے پاس آیا، واقعی بطور ہبہ ہے اور دعویٰ شفیع کا غلط ہے، تو یہ ممکن نہیں، مگر یہ نصب مقسوم میں ہوسکتا ہے، نہ مشاع میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کی توجیہ سوائے اس کے کبھی بندہ سے نہیں ہوسکی، اگرچہ عسقلانی دیکھی، مگر بجز اس کے کچھ فہم میں نہیں آیا ہے اور اس وقت اس کے دیکھنے کی حاجت نہیں ہوئی۔

(مکتوبات حضرت گنگوہیؒ بنام مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مکتوب: ۵)

امانت

(۵۷۹) اگر امانت احتیاط کے باوجود ضائع ہوگئی، تو اس کا تاوان؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ ایک شخص نے ایک چیز مرمت کے واسطے اس طرح سے زید کو دی، کہ تم اس کو اپنے باپ بکر کو دیدینا، کہ وہ مرمت کراکے بھیجدیں گے۔ اس کے بعد جب بکر سے وہ چیز طلب کی، تو یہ جواب دیا کہ اول تو مجھ کو صحیح طور سے یہ یاد نہیں، کہ زید نے مجھے دی ہو، اور شاید دے دی ہو، تو گم ہوگئی۔ اس صورت میں اس کی قیمت یا معاوضہ اسی قسم کا لینا درست ہے، یا نہیں؟ اور یہ داخل امانت ہے یا نہیں، اور اگر امانت گم ہوجاوے، اس کا عوض لینا شرعاً درست ہے، یا نہیں؟

جواب: زید امین ہے، اس کے پاس سے، اگر باوجود احتیاط کے وہ شے گم ہوگئی، تو ضمان نہ آوے گا اور جو بے پروائی سے تلف ہوئی، تو ضمان دے گا، مگر اثبات اس امر کا مالک کے ذمہ پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۲۸-۱۲۹)

(۵۸۰) مال عاریت کے گم ہونے پر ضمان؟ سوال: اگر زید از عمرو چیزے بطور عاریت بوعدہ دو روز یا سہ روز گرفت، پس آں چیز بعد از سہ روز گم شد، زید ضامن گردد، یا نہ؟

ترجمہ: اگر زید نے عمرو سے کوئی چیز عاریت کے طور پر، دو یا تین دن کے لئے لی، پھر وہ چیز تین دن کے بعد گم ہوگئی، زید اس کا ذمہ دار ہوگا، یا نہیں؟

جواب: ضمان بر مستعیر نیست، اگر باوجود احتیاط گم شد:

ترجمہ: اگر احتیاط کے باوجود، مستعار چیز گم ہوجائے تو لینے والے پر اس کا بدلہ نہیں ہے۔ لا تضمن باہلاک من غیر تعدٍ مختار

مگر دریں صورت اگر موقت بسہ روز عاریت بود، پس بلاوجہ دراودیر کرد وفوت شد، البتہ ایں تعدی موجب ضمان خواہد شد، اگر تاخیر بلاضرورت وتاخیر فاحش است، واگر بعزم ارسال بود، کہ بلاتعدی فوت شد ضمان نیست۔

فلو کانت مؤقتة فأمسکها بعده فهلکت ضمنها ۔ انتهیٰ فقط واللّٰہ اعلم

ترجمہ: مگر اس صورت میں اگر [وہ چیز] تین دن مقررہ وقت کے لئے عاریت تھی، مگر بغیر کسی خاص وجہ کے، اس کے واپس کرنے میں دیر کی، تو اس غفلت کی وجہ سے بدلہ [ضمان] ہوجائے گا، اگر دیر کرنا بغیر ضرورت کے اور فضول تھا اور اگر بھیج دینے کا پکا ارادہ تھا اور وہ سامان بغیر دیر کئے ضائع ہوگیا، تو اس میں بدلہ نہیں ہے۔ [ت: نور]

(مجموعہ کلاں ص ۱۷۷۔۱۷۸)

(۵۸۱) امین اگر امانت کو رکھ کر بھول جائے، تو یہ عذر نہیں! اگر امین امانت کو رکھ کر بھول کر کھڑا ہوجائے، تو یہ نسیان عذر نہیں، فقط (نسخہ رام پور ص ۱۶)

سود

(۵۸۲) رشوت دینا اور سود کا کاروبار؟ **سوال:** جو لوگ سود لے کر کھاتے ہیں اور جو کچھ کار سرکاری ان کو پڑتا ہے، اس میں رشوت دے کر، اپنا کار جاری کراتے ہیں، اور جو صاحب صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں، وہ تمسک لکھتے ہیں، اور گواہی سود کی بھی دیتے ہیں، ان کا کیا حال ہے، اور ان کے مال کا، کیا حکم ہے؟

الجواب: رشوت دے کر اپنے اوپر سے ظلم ٹلانا درست ہے، اگر آدمی جانتا ہے کہ رشوت نہ دے گا، تو ستم اہل کاران میں مبتلا ہوگا، یا اگر رشوت نہ دے گا تو مقدمہ جو حق ہے، بگڑ جائے گا، ایسی حالت میں رشوت دے کر، اگر اپنا کام درست کرالیں، یا ظلم کو رفع کرادیں جائز ہے، اس میں کچھ گناہ نہیں۔

اور جو روپیہ بلا سود نہ ملے اور ناچار ہوجاوے کہ کچھ کام نہیں چل سکتا، تو ناچار بقدر ضرورت سود دے کر لیوے، تو توقع ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ معاف کردے، کہ ناچاری میں مجبور ہوکر سود دیتا ہے۔ اور شادی غمی کی رسموں کے واسطے سودی

روپیہ نکالے گا، تو البتہ محل لعنت بنے گا، اور جو رشوت بلاضرورت دے گا، یا کسی جھوٹے مقدمہ میں دے کر، کسی پر زیادتی کرے گا، تو البتہ سخت گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوگا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ رام پور ص ۲۶، ۲۷)

(۵۸۳) حیلہ سود کے جواز کا فتویٰ؟

سوال: حامداً و مصلیاً و مسلماً. امابعد! عرض یہ ہے کہ ان چند مسائل کا جواب تحریر فرمائیے:

ایک زمین دار کہتا ہے کہ ہمارے کاشتکاروں اور اسامیوں پر جو روپیہ واجب الاداء ہوتا ہے، وہ اس روپیہ کے دینے میں اس قدر توقف وانکار کرتے ہیں، کہ ہم کو عدالت میں نالش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نالش فریاد میں ہمارا بہت روپیہ خرچ ہوتا ہے، پھر ان کاشتکاروں سے اگرچہ روپیہ مع خرچ کے دلوایا جاتا ہے، لیکن عدالت کی کارروائی میں، بہت اصراف [خرچ] ایسے ہوتے ہیں، جس کا مطالبہ ہم نہیں کر سکتے، مثلاً کاشتکار پر ہمارے پندرہ روپئے تھے، عدالت کی کارروائی میں دس روپئے خرچ کرنا پڑے، عدالت کے قاعدہ سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے پانچ روپئے خرچ ہوئے، تو ہم کو بیس روپیہ دلائے جاویں گے، پانچ روپئے کا ہمارا نقصان ہوا، ایسے واقعات، ہم کو بہت کثرت سے پیش آتے ہیں۔

اس صورت میں اگر ہم عدالت میں یوں ظاہر کریں، کہ ہم اپنا قرض مع سود کے لینا چاہتے ہیں، تو پندرہ کی جگہ مثلاً اٹھارہ کا دعویٰ ہوگا، مع خرچ کے، مثلاً تیس وصول ہو جائیں گے۔ اس صورت میں فقط دو روپیہ کا نقصان ہوگا، مگر بعض اشخاص کہتے ہیں کہ اس صورت میں سود خواری کا گناہ بہت بڑا ہے، اور وہ زمین دار کہتا ہے کہ دنیا میں سود خواری کا الزام تو بے شک ثابت ہوتا ہے، مگر آخرت میں غالباً اس کا مواخذہ نہ ہوگا، کیونکہ ہم سود نہیں لیتے ہیں، بلکہ کاشتکاروں کی شرارت سے جو روپیہ برباد ہوتا ہے اس میں سے ہم کسی قدر سود کے بہانہ سے وصول کرنا چاہتے ہیں، سود خواری ہم کو ہرگز مقصود نہیں، بغیر اس بہانہ کے ہمارا بہت کثرت سے نقصان ہوتا ہے، لہٰذا بہ مجبوری سود کے بہانہ سے، کچھ وصول کرنا چاہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے ایسی مجبوری اور نقصان کی حالت میں سود کے بہانہ سے، اپنا وہ روپیہ وصول کرنا، جو مقروض کی شرارت سے برباد ہوا ہے، شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ اور قانون شرع کے موافق یہ بہانہ معاف ہے، یا نہیں؟

جواب: بندہ ایسے حیلہ کے جواز کا فتویٰ نہیں دیتا۔ فقط

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ فرخ آباد ص ۲۸، ۲۹)

(۵۸۴) سود کے لئے حیلہ کرنا بھی گناہ سے خالی نہیں

سوال: اگر ساہو کار سود پر اناج دیتا ہو اور قرض خواہ اسی سود کے حساب سے نرخ مقرر کر کے لے، مثلاً زید ایک روپیہ کا چھ مہینہ کے وعدہ پر، ایک من اناج دو آنہ سود کے مقرر کر کے دیتا ہے، تو اگر بکر دس آنہ کا پانچ سیر اناج کاٹ کر، زید سے کہے کہ سود تو میں دینے کا نہیں مگر

پینتیس سیر اناج ایک روپیہ کا بوعدہ چھ مہینے کے لیتا ہوں، بعد چھ مہینے کے ایک روپیہ ملا کر سود دے دوں گا، تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ حیلہ بھی خالی گناہ سے نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

(بدست خاص سوال ۱۴۲)

(۵۸۵) کافر کی سود کے ذریعہ حاصل کی ہوئی رقم کا مسلمان کے لئے حکم؟ **مسئلہ:** کافر جو سود لیتا ہے، وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، پھر اگر کسی مسلمان کو وہ دیوے گا، تو مسلمان کے حق میں وہ مال حلال ہے، خواہ نقد ہو خواہ طعام۔

دوسری صورت [میں] طعام و گوشت ہنود کے گھر کا کھانا درست ہے۔ فقط والسلام

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۵، ۲۲۶)

(۵۸۶) نمبردار کے ظلم سے بچنے کے لئے، نہایت مجبوری میں سود کی رقم سے مطالبہ ادا کرنا:

سوال: نمبردار پر سرکار نے نہایت تشدد کیا، حاکمی وصول کرنے کے واسطے اور کھیوٹ دار روپیہ نہیں دیتا، اور حاکم بے حرمتی کرتا ہے، جائداد نمبردار کے بدلہ کھیوٹ دار کی قرق کرتا ہے، اور حوالات میں بھیجتا ہے اور پٹواتا ہے، اس صورت میں اگر نمبردار، روپیہ ساہوکار سے مجبوری کو قرض لے کر، سرکاری روپیہ کھیوٹ دار کے عوض کا ادا کرے گا، اور پھر جب اس کے پاس ہو جاوے گا، تو مع سود لے کر ادا قرض کرے گا، کیونکہ اگر ایسا نہ کرے، تو کفشوں [جوتوں] سے خبر لی جاوے اور جائداد گھربار قرق ہو جاوے، تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر نمبردار اپنے پاس سے دے سکتا ہے اور پھر بھی اسے سودی لے کر دیا، تو گنہ گار ہوگا اور سود لینا کھیوٹ دار سے اسے درست نہیں ہوگا، اور جو مجبور و معذور ہے، تو بجبوری مضائقہ نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص سوال ۱۵۹)

(۵۸۷) دفع ظلم اور اپنی مغصوبہ چیز کے حوالہ سے، مجبوری میں سود لینے کا حکم؟ **سوال:** زید عمرو سے کچھ روپیہ قرض لیتا ہے اور عمرو کے لئے ایک دستاویز لکھ دیتا ہے، جس کے ذریعہ سے وہ اپنا قرض میعاد معین پر وصول کر سکے، زید سود دینے پر بھی راضی ہے، مگر عمرو سود لینا پسند نہیں کرتا، لیکن اس سے پہلے زید نے کچھ مال عمرو کا غصب کر لیا تھا، عمرو کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے، جس کے ذریعہ سے وہ اپنا مال مغصوب زید سے دنیا میں وصول کر سکے۔

اب عمرو کہتا ہے کہ میں ہرگز کسی سے سود لینا پسند نہیں کرتا، مگر ضرورت یا مجبوری کی حالت میں، ظاہر میں سود کا بہانہ کرکے، اپنا مال مغصوب وصول کرنا چاہتا ہے، جب دفع ظلم کے واسطے جھوٹ کا بولنا بضرورت جائز ہے، تو اسی طرح یہ صورت بھی جائز ہونا چاہئے، یا کوئی فرق دونوں صورتوں میں معلوم ہو۔

جواب: اگر کوئی شخص اپنے مال مغصوب کے عوض بنام نہاد سود کے، روپیہ وصول کرلیوے، تو درست ہے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۳۶، ۳۷)

(۵۸۸) مسلمانوں کیلئے شراب کی قیمت حرام ہے: سوال: شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ مسلمان اگر شراب بیچ کر، اس کی قیمت سے دوسرے مسلمان کا قرض ادا کرے، تو قرض خواہ کو اس مال کا لینا درست نہیں۔

یہاں ایک سوال تو یہ ہے کہ اگر قرض خواہ کو اس کے سوا اور مال نہ ملے، تو وہی مال لے لے، یا صبر کرے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ جس کا اکثر مال یا کل مال کسبِ حرام سے حاصل ہوا ہے، اس سے اپنے مال کی قیمت، یا مزدوری کی اجرت یا نوکری کی تنخواہ لینا جائز ہے، یا نہیں؟ شراب کے مسئلہ سے یہ صورتیں بھی ناجائز معلوم ہوتی ہیں، مگر ان صورتوں کے ناجائز ہونے میں حرج عظیم ہے۔

جواب: شراب کی قیمت مسلمان کے حق میں حرام ہے، اگر وصول نہ ہو......... سے لینا درست نہیں، صبر کرے، اور مال حرام والے کی ضیافت و اجرت درست نہیں، اگر حرج ہے تو ہو، مسئلہ نہیں بدلتا۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۳۵، ۳۷)

(۵۸۹) طوائف اور سود خور کی دعوت قبول کرنی، ان سے اجرت لینی: دعوت کا کھانا رنڈی اور سود خوار کا حرام ہے، اور اجرتِ تعلیم حرام مال سے جائز نہیں، خواہ رنڈی ہو یا کوئی ہو، البتہ اگر حلال مال سے دیوے، درست ہے۔

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۹)

....

....

احکام الاراضی

[عشر اور متعلقہ مباحث ومسائل]

(۵۹۰) عشر کیا ہے اور یہ فرض ہے یا واجب؟ عشر کس کو کہتے ہیں شرع شریف میں، یہ فرض ہے یا واجب ہے، یا مستحب؟

جواب: عشر کھیتی اور پھل کی پیداوار سے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ دینا ہے اور وہ فرض ہے، مثل زکوٰۃ کے۔ واللہ اعلم

(فتوی(۱) فتاوی عشر مشمولہ فیوض رشیدیہ، [طبع اول میرٹھ۔۱۳۱۰ھ،ص:۱-۲)

(۵۹۱) عشری زمین کون سی ہے جس پر عشر واجب ہوتا ہے؟ **سوال:** زمین عشری کون سی ہوتی ہے، جس پر عشر واجب ہوتا ہے، جو زمین وراثتاً قبضہ میں آئی اور اس کی کیفیت سابقہ معلوم نہیں، کہ عشری تھی یا خراجی، اب اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو زمین مسلمان کے قبضہ میں چلی آتی ہے، وہ عشری ہوگی، جب تک تحقیق نہ ہو کہ اول میں خراجی تھی۔ لہٰذا سب ملکات مسلمانوں کے عشری ہیں۔ فقط، واللہ اعلم

(فتوی ۲۔ فتاوی عشر مشمولہ فیوض رشیدیہ ص ۲)

(۵۹۲) ہندوستان کی زمین عشری ہیں؟ **سوال:** اس زمانہ میں جو زمین مسلمانوں کی ہے، وہ بھی عشری ہے، یا نہیں، اور عشری زمین کی کیا صفت ہے؟

جواب: مسلمانوں کی ملک زمین عشری ہوتی ہیں، عشری وہ [زمین] ہے، جس میں دسواں حصہ بارانی میں اور بیسواں حصہ سینچ کی پیداوار سے دیا جاوے، اور بیان اس کا کہ عشری کس طرح ہو، ہر ایک کے سمجھ کا مسئلہ نہیں۔ اس کی تحریر کی حاجت نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتوی متفرقہ، بدست خاص)

(۵۹۳) ہندوستان کی زمین عشری ہیں یا خراجی، نیز غلہ میں سے عشر کا حساب کئے بغیر مزدوروں کو غلہ دینا، کیسا ہے؟ **سوال:** کھیت کٹوانے میں، مزدوری کٹوائی اسی غلہ میں سے دینا، اور بعد دماہی وغیرہ کے مجموعہ کا عشر دینا اور جس قدر مزدور کو دیا ہے، اس کا تقریبی حساب کر کے دینا جائز ہے، یا نہیں؟...............اور اراضی ہندوستان عشری ہیں یا خراجی، بینوا توجروا!

جواب: کٹوائی کی مزدوری اس سے دینا جیسی عادت ہے، ناجائز ہے۔ البتہ اگر اجرت مقرر ہو جاوے اور پھر اس قدر اس غلہ سے وزن کر کے دیا جاوے، تو درست ہے۔ اور جس قدر اس غلہ سے مزدور کو دیا ہے، اس کا بھی حساب کر کے، مجموعہ کے عشر کا دینا درست ہے، اور جس طرح عادت ہے کہ بیس گٹھری سے، ایک گٹھری مزدور کو دیتے ہیں، یا بعوض پانچ سیر اجرت کے، گٹھری غلہ کی مع بھوسہ کے دیتے ہیں، یہ خود فاسد و ناجائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

اور اراضی ہندوستان کی بعض خراجی اور بعض عشری ہیں، مگر جو اراضی قدیم سے اہل اسلام کے پاس ہیں، وہ عشری قرار دی جاویں گی اور جو ایسی ہیں کہ کسی کافر سے مسلمانوں نے خرید کی ہیں، وہ خراجی ہوویں گی، بہر حال جس کا کچھ حال معلوم نہیں، وہ مسلمانوں کی ملک میں عشری ہوویں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۱۳)

(۵۹۴) ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں باب: کہ اراضی ہندوستان فی زمانہ بعض معاف ہیں، اور بعض پر سرکاری محصول ہے۔ تو اس میں سے کون خراجی ہوئی اور کون عشری، یا سب خراجی یا سب عشری؟ اور درصورت خراجی محصول سرکاری دینا، قائم مقام خراج کے ہو جاوے گا، یا نہیں؟

جواب: ہندوستان کی زمین جو مقبوضہ اہل اسلام ہے، جس حال میں معلوم ہے کہ کس طرح مسلمانان کے قبضہ میں آئی، اس پر تو اس قسم کا حکم ہوگا۔ مثلاً اگر عطاء سلطانی ہے تو عشری ہے اور اگر کسی کافر سے خریدی ہے تو خراجی ہے۔ حسب مذہب امام ابو حنیفہؒ۔

اور اگر اس کا حال معلوم نہیں، تو وہ عشری ہوگی، پس اگر وہ عشری ہے تو محصول سرکاری سے عشر ادا نہیں ہوتا، کیونکہ سرکار اس کو محل عشر میں صرف نہیں کرتی، لہٰذا مالکان زمین کو خود اس کا عشر ادا کرنا چاہئے۔ اور اگر خراجی ہے تو سرکار اگر اس کو خراج کے محل پر خرچ کرتی ہے، تو خراج ادا ہو جاتا ہے، ورنہ مالکان پر پھر خراج دینا آوے گا، مگر میں نے سنا ہے کہ اس محصول کو انگریز فوج پر خرچ کرتے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو خراج سے مالک بری نہ ہووے گا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (نسخہ رام پور ص ۳-۵)

(۵۹۵) بٹائی کی صورت میں عشر مالک کے ذمہ ہے یا بٹائی والے کے؟ سوال: زمین دارنے اپنے گاؤں یا اراضی مختلفہ کا ٹھیکہ کسی شخص کو دے دیا، یا اس نے کاشتکار سے بٹائی پر معاملہ کیا، تو اس صورت میں عشر وغیرہ کس کے ذمہ ہوگا، زمین دار، یا ٹھیکہ دار، یا کاشتکار پر؟

جواب: جوزمین کہ مالک نے دوسرے شخص کوزراعت پردی، اس طرح کہ زمین اس شخص کی اور باقی خرچ دوسرے شخص کا، اور جو کچھ پیدا ہووے، باہم تقسیم ہو کسی حصہ معینہ پر، اس کوزراعت بولتے ہیں، ٹھیکہ نہیں کہتے۔ اس صورت میں عشر و خراج حسب حصہ ہوگا۔

اگر اجارہ پردی ہے اور اس کو ہندی میں ٹھیکہ کہتے ہیں: تو اس کی یہ صورت ہے کہ مالک زمین نے دوسرے شخص کو زمین دیدی، اور اس کا محصول مقرر کردیا، کہ ہم تجھ سے اس قدر لیں گے، خواہ نقد روپیہ ہو، خواہ غلہ۔ تو بس اس زمین کے منافع ملک اس شخص کے ہوگئے، اور مالک زمین یہ محصول معین اس سے لے لے گا، خواہ اس میں کاشت کرے، یا نہ کرے، اس میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو۔ ایسی صورت میں اختلاف ہے کہ عشر کون دے گا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک مالک زمین کا دے گا، اس اجرت کا حصہ کہ اس نے دوسرے شخص سے عوض زمین کے لی ہے، اور صاحبین کے نزدیک دوسرا شخص۔ اور اکثر کتابوں میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ رام پور ص ۳،۴،۵)

(۵۹۶) مشترک زمین کا عشر کون دے گا؟ سوال: زید و عمرو کی ملکیت میں کچھ مشترک زمین تھی، زید نے اپنے حصہ کا ٹھیکہ عمرو کو دے دیا، یا عمرو نے اپنے حصہ (کا) اور نیز اس کے حصہ میں، خود زراعت کی، تو ان دونوں کا عشر وغیرہ دونوں پر واجب ہوگا، یا صرف عمرو پر؟

جواب: تیسرے مسئلہ کا جواب، اوپر کے مسئلہ کے جواب سے ظاہر ہے، کہ ایک شریک اپنے حصہ کا تمام عشر دے گا اور دوسرے شریک کے زمین کا اگر اجارہ لیا ہے، تو اختلافی مسئلہ ہے اور جوزراعت پر دیا ہے، تو شریک کے حصہ میں حصہ رسد دے گا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ رام پور ص ۴،۶)

(۵۹۷) کیا کافروں سے خریدی گئی، زمین خراجی ہے؟ سوال: جوزمین کفار سے خریدی جاوے، اس پر بھی عشر آتا ہے، یا نہیں؟

جواب: جوزمین کفار سے خریدی، وہ خراجی ہوگی، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک۔ فقط

(جوابات سوالات عشر جواب سوال ۳ مشمولہ فیوض رشیدیہ، طبع اول)

(۵۹۸) عشر کی ادائیگی کس کے ذمہ ہے؟ سوال: عشر بذمہ مالک زمین کے ہے یا مزارع پر، یا دونوں پر؟

جواب: جو مالک پیداوار کا ہے وہ عشر دے گا خواہ کوئی ہو، اگر مالک نے بٹائی کی، تو اپنے حصہ سے دیوے گا، کاشتکار اگر مسلمان ہے، وہ اپنے حصہ سے دیوے گا۔ (جواب سوالات عشر، جواب سوال ۵، مشمولہ فیوض رشیدیہ طبع اول)

(۵۹۹) عشر کل پیداوار پر ہے، یا خرچہ نکال کر باقی ماندہ پر؟ جو شخص زمین کو کاشت کرے، اور اس کے بونے پر جو صرف ہو، مثل تخم ریزی کے، یا ہالیوں کو دیا، تو عشر بذمہ اس شخص کے کل پیداوار پر آوے گا، یا بعد منہائے خرچ تخم ریزی وغیرہ کے، مابقایا پر؟

جواب: عشر کل پیداوار پر ہوگا، صرف نکالنے سے پہلے۔ فقط (حوالہ بالا، جواب سوال نمبر: ۷)

(۶۰۰) عشر کے مصارف کیا ہیں اور اس کا مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرنا، کیسا ہے؟

سوال: مصارف عشر کے کون ہیں، اگر عشر مدرسہ اسلامیہ میں دیا جاوے اور مہتمم اس کو تنخواہ مدرسین میں صرف کرے تو جائز ہے، یا ناجائز؟

جواب: عشر کا مصرف محل زکوۃ ہے فقراء اور مساکین، مگر تنخواہ مدرسین میں صرف درست نہیں۔ البتہ طلبہ کو اگر خرچ خوراک کے واسطے دے کر مالک کردیں، تو درست ہے۔ (حوالہ بالا، جواب سوال ۸)

(۶۰۱) مقروض اور نابالغ کے ذمہ بھی عشر ہے، یا نہیں؟ سوال: مقروض یا نابالغ کے ذمہ عشر واجب ہے، یا نہیں؟

جواب: مقروض اور نابالغ پر عشر واجب ہے۔ فقط (حوالہ بالا، جواب سوال ۹)

(۶۰۲) کیا کافر مالکوں کو لگان دینے سے عشر ساقط ہوجاتا ہے: سوال: اگر کفار حاکم اپنا لگان بطور عشر کے وصول کرے، یعنی کل پیداوار میں سے غلہ بھی وصول کرے، اس صورت میں عشر ساقط ہوجائے گا، یا نہیں؟

جواب: کفار کے لینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ فقط (حوالہ بالا، جواب سوال ۱۰)

(۶۰۳) کیا مال گذاری ادا کرنے سے عشر ادا ہوجاتا ہے؟ سوال: حکام کفار یا اہل اسلام جو مال گذاری کے طور سے وصول کرتے ہیں، آیا اس کے ذمہ سے عشر ساقط ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اگر ساقط نہیں ہوتا تو ملک زمین پر بعد منہائی مال گذاری کے، مابقایا پر عشر ہوتا ہے، یا کل پیداوار پر؟

جواب: کفار کے مال گذاری لینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا، مجموعہ پیداوار سے عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔ (حوالہ بالا، جواب سوال ۴)

(۶۰۴) بارش اور کنویں سے سینچائی کی جانے والی زمین پر عشر ہے یا نہیں؟ سوال: زمین بارانی و چاہی پر عشر مساوی یا غیر مساوی، اور کس کس زمین پر عشر معاف ہے؟

جواب: بارانی پر کامل عشر ہوگا، جس میں پانی دینے کا خرچ ومحنت ہوتی ہے، اس میں نصف عشر دینا آوے گا، واللہ اعلم۔

رشید احمد گنگوہی مہر

مسائل عشر کے مذکورہ جوابات پر علماء کرام کی تصدیق

یہ جواب درست ہے۔ احمد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی سہارنپور۔

المجیب مصیب، محمد بشیر احمد عفا اللہ عنہ۔ الجوابات صحیحۃ، خلیل احمد عفی عنہ۔

الجوابات صحیحۃ، بندہ محمود عفی عنہ۔ المسائل صحیحۃ، سخاوت علی عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ انبہٹہ۔ ضلع سہارنپور

یہ جوابات مسائل (عشر) درست ہیں۔ محمد صدیق عفا اللہ عنہ مدرس عربی انبہٹہ

جوابات صحیح ہیں، عنایت الٰہی عفی عنہ۔ الجواب صحیح، ابوالحسن عفی عنہ

المجیب مصیب اگر خراج ہونا یا نہ ہونا محقق نہ ہو، تو قبضۂ قابض کا اعتبار کیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم، سعید الدین عفی عنہ رام پوری۔

جو جواب مجیب صاحب نے ارقام کیا ہے صحیح ہے: حسبنا اللہ بس، حفیظ اللہ

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ: احمد عفی عنہ رام پوری اسمہ احمد۔ جواب صحیح ہے: فقیر محمد اسماعیل، مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی (محمد اسماعیل انصاری ۱۳؍شوال ۱۳۰۹ھ)

الأجوبۃ کلہا صحیحۃ معتبرۃ: فقیر محمد حسین کرامت اللہ ۱۲۹۸ھ

ألا إن ھذا الجواب ھو الصحیح و الصواب واللہ أعلم و إلیہ المرجع و المآب العبد ابوالفرح محمد عبدالحمید پانی پتی۔ ۱۲۹۰ھ **ھذہ الأجوبۃ کلہا صحیحۃ لاشک فیہا:** محمد مراد عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی مظفر نگر۔

الجواب صحیح و المجیب مصیب: العبد الضعیف محمد ادریس الدہلوی عفی عنہ محمد ادریس (۱۳۰۷ھ)

أصاب من أجاب: محمود احمد عفی عنہ **الجواب صحیح و الرأی نجیح:** نمقہ العاجز ابومحمد عبدالوہاب ۱۳۰۰ھ خادم شریعت رسول الاوّاب، الفنجابی الجھنگوی ثم ملتانی۔ نزیل الدہلی، مدرس مدرسہ دارالہدیٰ کشن گنج۔

الجواب صحیح العبد سید محمد بخاری الجواب صحیح محمد حسن عشقی، ہذا الجواب صحیح: سید یوسف علی عفی عنہ میرٹھ، مدرس مدرسہ صدر بازار جواب صحیح ہے: سید محمد یعقوب عفی عنہ مدرس مدرسہ خیر نگر ضلع میرٹھ

ھذا الجواب صحیح، فقیر محبوب علی خاں عفی عنہ میرٹھ، صدر بازار **أصاب من أجاب، فأما عشر أرض الإجارۃ ففی وجوبہا علی المؤجر و المستأجر، قولان، الأول قول الإمام، و الثانی قولہما و قد افتیٰ بہما، واللہ تعالیٰ أعلم.**

کتبہ العبد الراجی رحمۃ ربہ الکریم الباری، یحییٰ بن علامہ محمد ایوب البہلتی۔ **سامحہ اللہ بلطفہ الخفی یحیٰ اسمہ**

الأجوبۃ حق، الفقیر یقال لہ ابراہیم عفی عنہ، ساکن کھاتولی

مذکورہ تمام جملہ مسائل عشر اور تصحیحات (فیض رشیدیہ مرتبہ...... طبع اول فخر المطابع، میرٹھ [غالباً ۱۳۱۰ھ] کے ساتھ جڑے ہوئے پہلے چار صفحات پر درج ہیں، جو مولانا نور محمد لدھیانوی کے مرتبہ ہیں اور مطبع حقانی لدھیانہ سے چھپے تھے۔ اس کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔(۱) (نور)

(۶۰۵) مخابرہ کی صورت میں عشر کس کے ذمہ ہے؟ سوال: مخابرہ کی صورت میں ماوجب زمیندار کے ذمہ ہے یا کاشتکار کے، یا حسب [حصہ] دونوں کے۔ ذمہ عوام بوجہ عدم واقفیت عشر وغیرہ کے ادا کرنے سے قاصر ہو رہے ہیں، البذا وضاحت کے ساتھ جواب مرحمت ہونا [چاہئے]

جواب: مخابرہ اور زراعت ایک چیز ہے۔ فقط (مجموعہ رامپور ص ۲،۳)

(۶۰۶) سینچائی کی زمین میں عشر کی ترتیب: سوال: زید نے اپنی زمین کا ٹھیکہ کاشت کرنے کو، ایک سال کو سو روپیہ کا دیا اور یہ زمین سینچ کی ہے، تو اس میں سے عشر کا دسواں حصہ دیا جاوے گا، یا بیسواں؟

جواب: اس میں بیسواں حصہ دینا آتا ہے، واللہ اعلم (بدست خاص ص ۴۴)

(۶۰۷) جو زمین ٹھیکہ پر دی گئی، اس کا عشر کس کے ذمہ ہے؟ سوال: بکر نے خالد کو کاشت کرنے کے لئے اپنی زمین کا ٹھیکہ سو روپیہ کو دیا، ایک سال کا اور خالد نے اس زمین کو کاشت کیا، تو عشر بذمہ بکر چاہئے، یا بذمہ خالد، یا بکر سو روپیہ میں سے، اور خالد پیداوار میں سے، دونوں عشر ادا کریں۔

جواب: اس زمین [کا] عشر مالک کو دینا چاہئے، اسی پر فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم (بدست خاص ص ۴۴)

(۶۰۸) باغ کا عشر مالک کے ذمہ ہے یا خریدار کے؟ سوال: زید نے بہار باغ، بکر کے ہاتھ بیچ ڈالی سو روپیہ کو، تو زید اس قیمت میں سے عشر ادا کرے، یا بکر اس پھل میں سے وقت توڑنے کے عشر ادا کرے، یا دونوں ادا کریں؟

جواب: عشر مشتری دیگا، جو پھل توڑے گا، واللہ اعلم (بدست خاص ص ۴۴)

---

(۱) عشر سے متعلق مذکورہ بالا گیارہ سوالات اور ان کے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے جوابات، جس کے آخر میں مختلف علمائے کرام کی مفصل تصدیقات بھی ہیں، دو ورق کے ایک کتابچہ کی صورت میں مطبع حقانی لدھیانہ سے باہتمام نور محمد لدھیانوی چھپے تھے، اس میں ان فتاویٰ کے تحریر و جواب یا اشاعت کا سنہ درج نہیں، مگر یہ صراحت ہے کہ: یہ سوال نامہ اس دور کی ایک ممتاز علمی روحانی شخصیت، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری نے مرتب کرایا تھا۔ لکھا ہے۔

"یہ استفتاء مخدومی، مکرمی معظمی مولوی حاجی حافظ عبدالرحیم شاہ صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ، رائے پور ضلع سہارنپور نے مرتب کرایا ہے"

یہ کتابچہ حضرت مولانا گنگوہی کی حیات (وفات ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) میں چھپا ہے۔

اور اس پر درج بعض تصدیقات اور مہروں سے خیال ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ ۱۳۱۰ھ کا مرتبہ اور اسی وقت کا مطبوعہ ہے، اس دو ورقی کتابچہ کے جو نسخے راقم سطور کی نظر سے گزرے ہیں، ان سب میں یہ ورق فیض رشیدیہ (طبع اول فخر المطابع میرٹھ، ۱۳۱۰ھ) کے شروع میں جڑے ہوئے ہیں...... (نور)

(۶۰۹) حکام کے ظلم کی وجہ سے عشر ساقط نہیں ہوتا؟ سوال: یہ تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ملک زمین عشری ہوتی ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس ملک میں جو زمین مسلمانوں کی ملک میں ہیں، اور مسلمان اپنی ملک جانتے ہیں اور حاکم وقت کو دیتے ہیں، ایسی زمینوں میں بھی عشر فرض ہے، یا نہیں؟

اور بیسواں حصہ جو سینچ کی پیداوار میں دیا جاتا ہے، سینچ سے کیا مراد ہے، مثلاً جو پانی رہٹ سے، یا ڈول، یا ڈھیکلی سے دیا جاتا ہے، وہ مراد ہے، یا جو نہر سے، یا تالاب بارانی سے گول (۱) کھود کر دیا جاتا ہے، وہ بھی سینچ کو شامل ہے؟

جواب: مسلمانوں کی زمین یہاں کے لئے عشری ہیں، اور حاکم ظلم کفار کا ہے، اس سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ رہٹ میں بھی بیل، مزدور کا خرچ پڑتا ہے اور نہر میں بھی دینا پڑتا ہے، محض باران میں عشر آوے گا۔ فقط

(متفرق فتاوی۔ بدست خاص)

اراضی کے متفرق احکام ومسائل

(۶۱۰) کسی والیٔ ریاست کی دی ہوئی زمین کی شرعی حیثیت؟ **جواب مسئلہ:** اگر والیٔ بھاولپور از خود قابض ومتملک متغلب ہوگیا تھا، تو سب زمین افتادہ غیر مملوک اس کی ہیں، مثل امراء کے، وہ متصرف مُلک کا ہے، تو جب اس ارض موات کے احیاء کی اجازت اس نے کسی کو دی، خواہ کسی کے نام سے دی، مگر جو محیٔ ارض ہے وہی مالک ہے، کوئی بھی شریک اس کا نہیں، اگر چہ دفتر میں کسی کا نام درج ہو، مگر یہ صورت بظاہر ملک بھاولپور کی معلوم نہیں ہوتی، بلکہ نواب بھاولپور کو کسی سلطان سے جاگیر اس ملک محدود کی ملی ہے، تو اس صورت میں نواب مالک تمام ارض منقطع کا ہوا، اب درخواست دینے والا طالب تملک نواب سے ہے، پس یہ تجویز ہبہ ہووے گا۔ پس اگر دو برادر نے اجازت دی تھی اور اس نے حسب اجازت ان کے طلب کیا اور اس نے ہر سہ کے نام پر دیا، تو ہر سہ کے نام پر ہبہ ہوا، اور وکیل اپنا اصیل اور دو کا وکیل تھا، اس نے قبول وقبض کیا، تو بسبب مشاع ہونے کے، فساد ہبہ تو عند الامام ہے، مگر ملک فاسد بھی ہے۔

پس جب دونوں برادر نے ترک کیا اور کہہ دیا کہ ہم کو حاجت نہیں، اور ایک کے پاس چھوڑا، یہ بھی ان کی طرف سے ہبہ ہی ہے۔ لفظ ہبہ کا ضرور نہیں، جیسا ہبہ تھا ویسے ہی ملک اس واحد کی ہے، اور ان دونوں کی ملک سے خارج ہوگیا۔ ہبہ بھی بدون لفظ کے تعاطی سے ہوجاتا ہے، پس اب بعد موت دو برادر کے، اولاد کا دعویٰ باطل ہے اور جو بدون اطلاع دو برادر کے

(۱) گول [بروزن قوت] وہ نال جو کھیت میں پانی کے لئے مستقل تیار کی جاتی ہے، کھودی جاتی ہے۔ حوالہ لغت [نور]

ہوا، تو ان کی ملک ہی اس میں نہیں ہوئی، کیوں کہ نہ قبول ان کی طرف سے ہے (اور) نہ قبض ان کا ہے، لہٰذا ہر دو صورت میں ملک قابض و متصرف کی ہے، اور دعویٰ برادر زادگان کا لغو ہے، اس کی روایات اگر دیکھو تو باب ہبہ میں اور احیاء اموات میں اور باب عشر و خراج میں ملیں گی۔ ردالمحتار میں تفصیلاً اور ہدایہ، درمختار میں اجمالاً۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۵۵-۱۵۶)

(۶۱۱) ایک والیٔ حکومت کی طرف سے، عطا کی ہوئی زمین کا حکم؟ **سوال:** زید کو ایک دربار سے تعلق تھا، اس کے صلہ خدمت میں وہاں سے بطور اراضی وغیرہ کے سب کو انعام کچھ ملا، بعد ازاں آقا و نوکر کے درمیان مخالفت واقع ہوئی، پس آقا نے جو کچھ دیا تھا، واپس لے لیا، زید بھی ناخوش ہو کر دوسری جگہ چلا گیا۔ بعد مدت دراز زید کے دولڑکے اسی بستی میں گئے اور اسی سرکار میں نوکر ہوئے اور من جملہ عطیہ عطیہ مذکورہ پھر ان کو دیا گیا، اب اس میں زید کی باقی اولاد شریک ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ اور یہ ہبہ جدید ہے، یا قدیم؟

بعد اس کے اس سرکار کی عادت دو چار برس یوں ہی رہی، کہ دو چار برس کے لئے وہ زمین چھوڑ دیا کرتے، اور پھر ضبط کر لیا کرتے، مہینہ دو مہینہ بعد چھوڑ دیتے، آخر کار یہ بات ہوئی کہ ان دونوں بھائیوں میں سے، بعد انتقال ایک بھائی کے [وہ زمین] تنخواہ میں دوسرے بھائی کی لکھدی گئی، اب اس کا مالک کون ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب: زید کو بطور انعام جو اراضی ملی تھی، اگر دینے والے کی نیت ملک رقبۂ زمین کی تھی، تو وہ ہبہ تھا، اور جو تصرف کے واسطے اور انتفاع کی غرض سے دیا تھا، تو عاریت تھی۔ بہر حال جب ناخوش ہو کر واپس لے لے، تو زید کی ملک سے خارج ہو گئی، اس میں کچھ تعلق و ملک زید کا نہیں رہا۔ پس زید کے ورثاء کا کچھ حق اس میں نہیں اور پھر دو پسر زید کو جو ملی ہے، تو اس قاعدہ سے کہ کبھی لے لی، پھر دیدی، معلوم ہوتا ہے کہ محض انتفاع کے واسطے دیتا تھا، پس جب ایک شخص کے نام بعوض تنخواہ کے لکھی گئی، تو اب بیع اس شخص کے نام پر ہو گئی، لہٰذا اس زمین کا مالک، فقط یہی شخص ہے کہ جس کے نام پر بعوض تنخواہ کے لکھی گئی ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۴-۲۱۵)

(۶۱۲) ہندوستان میں زمین کے مالک، ان پر قابض افراد ہیں: **سوال:** مسلمان یا کافر بادشاہ کے قلم رو میں جو ملک ہوتا ہے، اس کی زمین کے مالک رعایا لوگ ہوتے ہیں، یا بادشاہ، اور بادشاہ جو محصول اراضی پر یا اور طور سے رعایا سے لیتے ہیں، وہ ان کو جائز ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: تحقیق سے معلوم ہوا کہ مالک زمین مقبوضہ ہندوستان کی، قابض لوگ ہیں، اور جو محصول کفار لیتے ہیں، معلوم نہیں کہاں خرچ کرتے ہیں، لہٰذا، اس کا فیصلہ جواب کا نہیں ہوسکتا اور شرح ربط اس کی طویل ہے۔ کتب فقہ سے دیکھنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۳۳)

(۶۱۳) کھیتی میں شرکت کس طرح کی جاسکتی ہے؟ **سوال:** اگر کھیتی کی اس طرح کہ ہل اور بیل اور زمین اور بیج غرض کل خرچ زید کا، اور ہل چلانا عمرو کا، اور پیداوار میں غلہ میں سے ہفتم حصہ عمرو کا باقی زید کا، اور چری گھاس جو پیدا ہو عمرو کا، تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس طرح درست ہے، مگر چری گھاس میں بھی حصہ ہونا چاہئے۔ فقط (بدست خاص ص ۳۷)

(۶۱۴) کاشتکار اور زمین دار کے معاہدہ کی طرفین کو پابندی ضروری ہے: **سوال:** آمدہ از بنگال، ۔۔۔۔ [ابتدائی آدھی سطر دستیاب نہیں] آنہ فی بیگہہ، دستور قدیم است کہ یک روپیہ جمع وعلاوہ ۔۔۔۔۔ بخوشی می دہند، لاکن چوں از عدم وصولی باشے دیگر نوبت، نالش عدالت می افتد، ڈگری دو آنہ زائد کہ علاوہ جمع وصول می نمایند، نمی دہند۔ دراں صورت آں دو آنہ باسم سود، اگر نالش خواہد کرد، حاکم وقت دہانیدہ خواہد داد، وماورائے ایں در نمودن نالش، خرچ سنگین خواہد افتاد، یا کسبے بدو مندرج خواہد شد۔ وچیزے کہ مثل انعام پیادہ ودیگر عمل گان سرکار، دادن خواہد شد، مندرج حکم نخواہد۔ اندراں صورت اگر نالش فقط خرانہ نمودہ شود، دو آنہ معمولی نقصان می شود، وہر گاہ کہ بلفظ سود نالش خواہد کرد، ڈگری خواہد داد۔

دراں صورت چہ حکم می فرمایند علماء دین، در بارہ گرفتن و نالش نمودن، بلفظ سود، اگر نگرفتہ شود نقصان ظاہرہ می شود، وچہ حکم می دہند در بارہ گرفتن۔

ابواب کہ حاکم وقت باوجود مقررے نمی دہاند، ودیگر ایں کہ بطور خوشامد جہت حصول زمینے ودیگر کسے کار، یا خوش ماندن مالک زمین، نذر یک روپیہ یا دو آنہ کسے رعیت بکسے حاکم دہد، گرفتنش چگونہ است؟

من سیف الدین احمد الی جناب مولانا واولانا رشید احمد صاحب

[اس فتوے کے سوال کی ڈیڑھ سطریں، دو جگہ سے غائب ہیں]

ترجمہ: آنہ فی بیگہہ، پرانا دستور ہے کہ ایک روپیہ جمع اور اس کے علاوہ ۔۔۔ خوشی سے دیتے ہیں، لیکن چوں کہ ان کے وصول نہ ہونے، یا اس کے تبادلہ میں کوئی اور چیز نہ ملنے کی وجہ سے، عدالت میں نالش کی نوبت پڑتی ہے اور اس میں دو آنہ جمع سے زائد وصول ہونے چاہئیں، نہیں دیتے ہیں۔ اس صورت میں ان دو آنوں کی، اگر سود کے نام سے ڈگری کردی جائے، حاکم وقت وصول کرا کے دیدیتا ہے، اس کے علاوہ صورت میں نالش کرنے سے، فضول زائد خرچ پڑتا ہے۔

یا وہ خرچ جو اس [نالش] میں درج ہوا اور ہر وہ چیز جو انعام کی طرح، پیادوں یا دوسرے سرکاری کام کرنے والوں [کو] دیئے جاتے ہیں، اس حکم میں درج نہیں ہونے والے ہیں۔ اگر فقط خزانہ کی نالش کی جائے، دو آنہ کا معمولی نقصان ہوتا ہے اور جب سود کے لفظ کے ساتھ نالش کی جاتی ہے، تو اس کی ڈگری دلادی جاتی ہے۔

اس صورت میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں، اس رقم کی نالش کرنے اور اس کو سود کے نام سے وصول کرنے کے سلسلہ میں: کیوں کہ اگر یہ سود نہ لیا جائے، تو ظاہری نقصان ہوتا ہے، تو اس رقم کے لینے کے متعلق، کیا حکم ہوتا ہے؟

ابواب (۱) جو کہ حاکم وقت باوجود معاملہ طے ہونے کے نہیں دلواتے اور دوسرے اس کو خوشامد کے طور پر، زمین لینے یا کسی اور کام کے لئے، یا زمین کے مالک کو خوش کرنے کے لئے، ایک روپیہ یا دو آنہ کی، رعایا کے کسی شخص یا کسی حاکم کو دیتے ہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

معلوم ہو اس ضلع میں وبا بکثرت پھیلا ہوا ہے، اس واسطے جواز پر فتویٰ کیا جاتا ہے۔ هو أهل التقوىٰ و أهل المغفرة تو اور چیز اس دیار میں ظاہر وبا کو چھوڑ دیں، تو بڑے زہے نصیب ہیں؟

الجواب: بعد سلام مسنون مطالعہ کریں، مالک زمین نے کاشتکار کو اپنی زمین کرایہ پر دی اور ایک روپیہ فی بیگھہ مقرر کیا، اور دو آنہ زائد بوجہ خرچ کے فی بیگھہ مقرر کئے، اور ایک آنہ بوجہ ابواب کے مثلاً مقرر کیا، فی بیگھہ پر، تو یہ سب جمع ہو کر فی بیگھہ ایک روپیہ تین آنہ ہوا، اگرچہ تفریق کر کے جدا جدا نام رکھا گیا، مگر یہ مجموعہ کرایہ کہا جائیگا۔

سو جب کاشتکار نے یہ قبول کر لیا، تو فی بیگھہ ایک روپیہ تین آنہ مثلاً اس پر کرایہ مقرر ہوا، اور اس کا لینا مالک زمین کو جائز ہوا اور حق اس کا ٹھہر گیا، اگرچہ کاغذ میں ایک روپیہ ہی لکھا گیا۔ پس ہرگاہ کہ کاشتکار نے ایک روپیہ دیا اور تین آنہ یا دو آنہ نہ دیا، تو اس نے ظلم کیا اور حق مالک کا غصب کیا، اب مالک اس سے اپنی فہمائش کر کے لیوے، اگر نہ دیوے تو نالش کر کے لیوے۔

سود کے نام سے نالش کرنا، اپنے حق شرعی کے وصول کے واسطے، ناچاری کو درست ہے، یہ واقع میں سود نہیں اور سود کے نام رکھنے سے سود نہیں ہوتا، پس سود کے نام سے نالش کر کے لینا درست ہے، اور جو خرچہ پڑے گا وہ بھی کاشتکار سے لینا درست ہے، کہ کاشتکار نے ہی نہ دے کر، نالش کی طرف مالک کو مضطر کیا ہے اور زیر بار خرچہ کا کیا۔ مالک اس کے تاوان کو کاشتکار سے لے گا، شرعاً یہ درست ہے اگرچہ حاکم اس دو آنہ کو اور ابواب کے خرچ کو منع کرے، تاہم مالک مقرر کر سکتا ہے

---

(۱) ابواب: وہ روپیہ جو مال گذاری کے ساتھ سڑک مدرسے وغیرہ کے چندے میں، زمین داروں سے وصول کیا جائے۔ نور اللغات مولوی نور الحسن نیر کاکوری ص: ۲۳۰، جلد اول۔ (دہلی: ۱۹۹۸ء) [نور]۔

اور لے سکتا ہے۔ مالک کو اختیار ہے جس قدر کرایہ چاہے لیوے، اس میں حاکم کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ هكذا يستفاد من الكتب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۴۲،۱۷۳)

(۶۱۵) رعایا کے لوگوں پر جو بیگار مقرر ہے اس کی اور زمیندار کے بعض نذرانوں کی شرعی حیثیت؟

سوال: رعایا لوگوں پر جو بیگار مقرر ہے اور اس کی مزدوری نہیں دی جاتی، اور اسی طرح جو اُن کے یہاں لڑکے کی شادی ہو، تو مبلغ دو روپیہ زمیندار لیتا ہے، گویا کرایہ مکان ہی سمجھا جاتا ہے، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس کو بحساب کرایہ اگر مجرا لیوے تو درست ہے، اگر چہ مجہول ہے، مگر بحسب عرف، بمذہب بعض علماء کے درست ہے۔ فقط

(بدست خاص سوال ۸۵)

(۶۱۶) کھیتی کے شرکاء نے اگر کمی زیادتی طے کر لی، تو کیا یہ شرکت صحیح ہے؟

سوال: کھیتی میں دو شریک ہیں، ایک کے تین حصہ اور ایک ایک حصہ کا، اور یہ بھی اقرار ٹھہر الیا کہ گھاس مثلاً چری وخوید [یعنی ہرے جو یا گیہوں] میں حصہ والا، اپنے حصہ سے زائد لے گا اور ایک حصہ والا کم، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب: اگر کمی زیادتی معین ہو تو جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۵۷)

(۶۱۷) خودرو گھاس پر پابندی یا محصول لگانا صحیح نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، اندریں مسئلہ کے: کہ گھاس اور پولہ اور سوختہ اندر جنگلات کے خودرو جو پیدا ہوتے ہیں، حاکم وقت یا زمین دار، چرانا ئرگاوان اور سوختہ اور پولہ (۱) اور بینڈ (۲) کا جو محصول لیتے ہیں، شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ مفصل جواب مع حوالہ کتاب شریف ارقام فرماویں۔ اور بر تقدیر اگر کوئی جنگلات خودرو سے، ڈُز دِیْ [چوری] کر لاوے، شرعاً ماخوذ ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: گھاس اور پولہ وغیرہ جنگل غیر مملوک کا، سب لوگوں کی ملک ہے، جس کو حاجت ہووے لیوے۔ پس اس کو روکنا اور اس پر محصول لینا شرعاً درست نہیں، البتہ مملوک زمین کا درخت اور بینڈ (۲) ملک مالک کی ہوتی ہے اور گھاس اور پولہ جس کو جانور کھاتے ہیں، مملوک زمین کا بھی، ملک میں مالک زمین کے نہیں ہوتا۔ قال في الدر المختار:

---

(۱) گھاس کا مٹھا۔ کانس یا چھپر کے پھونس کا گڈا۔ نور اللغات ص: ۱۴۵ جلد دوم۔ [نور]

(۲) بینڈ (بالکسر) یائے معروف۔ سینٹھوں یا نرکلوں کا مٹھا۔ نور اللغات ص: ۷۸۱۔ جلد: ۱۔ [نور]

و(بیع) المرعیٰ ای الکلاء و إجارتها، أمّا بطلان بیعها فلعدم الملک لحدیث: الناس شرکاء فی ثلاث: فی الماء، و الکلأ و النار.(۱)

و فی رد المحتار: و الحطب فی ملک رجل لیس لاحدٍ، ان یحتطبه بغیر إذنه و إن کان فی غیر ملک فلا باس به (۲)

پس اگر کوئی جنگل غیر مملوک ہے، بغیر اذن کے لیوے، تو شرعاً گناہ نہیں، مگر ایسا کام نہ کرے، کہ خواہ مخواہ قاعدہ حکام میں ماخوذ ہو کر ذلیل ہو۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۵۹)

(۶۱۸) خودرو گھاس، خشک لکڑی اور بینڈ کس کی ملکیت ہے؟ سوال: مولانا مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں ''گیاہ و ہیزم خودروئیدہ ملک کسے نیست'' اس میں لکڑی و درخت جو خودروئیدہ اور بینڈ سرپولا بھی شامل ہیں، یا وہ مستثنیٰ ہیں، یعنی وہ بھی ملک زمین دار ہوتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: گیاہ(۳) (گھاس) خودروئیدہ کسی کی ملک نہیں، مگر ہیزم خودروئیدہ مملوک زمین کی، مملوک زمین والے کی ہوتی ہے اور بینڈ بھی مالک زمین کی ہوتی ہے، فقط (بدست خاص ص ۳۴)

(۶۱۹) موروثی کاشتکاری کے ناجائز ہونے کی تحقیق: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ حاکمانِ وقت نے ایک حق کاشت کار کا قانونی قائم کر رکھا ہے، وہ حق یہ ہے کہ جس کاشتکار نے زمین ملکیت کسی زمین دار کی، عرصہ بارہ برس تک، متواتر کسی لگان پر کاشت کر لی، وہ کاشتکار موروثی متصور ہو گیا، اس کو بلاوجہ، کسی قانونی عمل کے [بغیر] اس اراضی سے بے دخل نہیں کر سکتا، اور نہ بلا نالش عدالت کچھ لگان کا اضافہ کر سکتا ہے، اگرچہ وہ زمین ایسی کامل ہو کہ اگر وہ کاشتکار اس زمین کو چھوڑ دے، تو وہ زمین اور کاشتکار غیر موروثی، اس لگان مقررہ موروثی سے، دوچند بلکہ سہ چند پر بخوشی زمیندار سے لیوے، اور اس کاشتکار کو قانوناً یہ استحقاق بھی حاصل ہے، کہ اپنی طرف سے بلا رضامندی مالک زمین، دوسرے کاشتکار کو اس لگان سے جو زمیندار کو خود دیتا ہے، دوچند اور سہ چند لگان دیگر، وہ منافع جو زیادہ لگان پر زمین دی ہے، اپنے قبضہ تصرف میں لاوے، اور زمیندار بوجہ حکم حاکم وقت و پابندی قانون، کچھ دم زنی نہیں کر سکتا، اور دل سے اس کاشت کار کی کاشت اور منافع اس کا سخت اسے ناگوار ہے۔

---

(۱) درمختار مطلب فی استثناء الحمل ص:۲۵ ج:۲[عکس مجتبائی ۱۳۳۴ھ] نیز الدر المختار مع الشامی ص:۲۲، جلد۵(دار الفکر بروت:۱۳۸۶ھ) نیز الدر المختار مع الشامی ج:۴ ص:۱۱۰ [مطلب فی استثناء الحمل] [نور]

(۲) شامی نسخہ هندی ص ۲۸۳ ج ۵ [مجتبائی دهلی: بلاسنه] نیز رد المحتار (فصل الشرب) ص ۴۴۰ ج ۲ (دار الفکر بیروت:۱۳۸۶ھ) [نور]

(۳) اصل نسخہ میں لفظ گاہ ہے جو صحیح نہیں بلکہ صحیح لفظ گیاہ ہوگا۔

اندریں صورت بروئے شرع شریف وہ منافع، جو اس کی کاشت سے، یا دوسرے مزارع سے اس کو حاصل ہوتا ہے، درست اور جائز ہے، یا نہیں؟ اور عند اللہ وہ حق اس زمیندار کا ہے، یا اس کاشت کار موروثی کا، جو بوجہ حکم حاکم وقت حاصل کرتا ہے اور جو نا جائز ہے، وہ کس قسم سے ہے، آیا مکروہ ہے، یا حرام ہے۔ بینوا توجروا!

الجواب: حق موروثیت شرعاً کوئی شے نہیں ہے اور مالک کو استحقاق اپنی زمین واپس لے لینے کا ہے، اگرچہ کاشت کار نے سو برس تک کاشت کیا ہو۔ اور جو شخص کہ بلا مرضی مالک کے، اس کی زمین وغیرہ رکھ لیتا ہے اور مالک کو قبضہ نہیں کرنے دیتا، وہ شخص غاصب اور ظالم ہے، اور یہ فعل اس کا حرام ہے، اس پر مواخذہ سخت ہوگا۔ اور جس قدر اس زمین کا اجر مثل ہے، اس قدر کاشت کار کے ذمہ واجب الادا ہے، اور مالک کو اس کا مطالبہ شرعاً پہنچتا ہے۔ مثلاً اگر وہ زمین پندرہ روپیہ سالانہ کے اجارہ کی ہے اور کاشت کار مالک کو دس روپے سالانہ دیتا ہے اور مالک پندرہ سے کم پر راضی نہیں ہے، تو پانچ روپے سالانہ کا مطالبہ بذمہ کاشت کار باقی ہے، اگر مالک نے معاف نہیں کیا، تو آخرت میں دین دار ہوگا:

قال العلامة الشامي: ناقلاً عن الذخيرة قالو: إن كانت الأرض معدة للزراعة بأن كانت الأرض في قرية اعتاد أهلها زراعة أرض الغير، و كان صاحبها ممن لايزرع بنفسه و يدفع أرضه مزارعة. فذالك على المزارعة و لصاحب الأرض إن يطالب المزارعة بحصة الدهكان على ما هو متعارف أهل القرية، النصف أو الربع أو ماشبهه ذالك و هذا ذكر في فتاوى النسفي.

علامہ شامی نے ذخیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: مشائخ نے فرمایا، کہ اگر زمین زراعت کے واسطے تیار کی گئی، بایں طور کہ زمین ایسے گاؤں میں ہو جس کے اہل دوسرے کے زمین جوتنے کی عادت رکھتے ہوں، اور اس کا مالک ان لوگوں میں سے ہو جو خود نہ بوتا ہو اور اپنی زمین زراعت پر دیتا ہو، تو یہ زراعت پر محمول ہوگا اور زمین والے کو حق ہوگا کہ مزارع سے مالکِ زمین کلی حصے کا مطالبہ کرے، جیسا متعارف ہو، اہل قریہ کے نزدیک، آدھا یا چوتھائی یا اس کے مثل، اور ایسا ہی فتاویٰ النسفی میں ذکر کیا گیا ہے۔ [ت۔نور]

وهو نظير الدار المعدة للإجارة إذا سكنها إنسان فإنه يحمل على الإجارة، و كذا ههنا وعلى هذا أدركت مشائخ زماني.

والذي تقرر عندي، و عرضت على من أثق به أن الأرض إن كانت معدة للزراعة تكون هذه مزارعة فاسدة، إذ ليس فيها بيان المدة فيجب أن يكون الخارج كله للمزارع، وعلى المزارع أجر مثل الأرض انتهى.

أقول لكن سيذكر الشارح في كتاب المزارعة، أن المفتىٰ به صحتها بلا بيان المدة، و تقع على أول زرع واحد فالظاهر أن ما عليه المشائخ، مبني على هذا(۱)

(انتھی کلام العلامۃ الشامی)

اور یہ نظیر ہے اس مکان کی جو اجارہ کے لئے تیار کیا گیا ہو، جب کوئی شخص اس میں سکونت کرے گا تو وہ اجارہ پر محمول ہوگا، اور ایسا ہی یہاں پر اسی پر میں نے اپنے زمانے کے مشائخ کو پایا ہے۔ اور وہ بات جو میرے نزدیک ثابت ہے، اور میں نے اس شخص پر پیش کیا ہے، جس پر مجھے وثوق ہے، یہ کہ زمین اگر تیار کی گئی ہو زراعت کے لئے، تو یہ زراعت فاسدہ ہوگی، کیونکہ اس میں مدت کا بیان نہیں ہے، پس واجب ہے کہ پیداوار کُل کی کُل مزارع کے لئے، اور مزارع کے ذمہ زمین کی اجرت مثل ہو۔ انتھیٰ

میں کہتا ہوں عنقریب شارح کتاب المزارعات میں ذکر کریں گے، کہ مفتیٰ بہ اجارہ بلا بیان مدت کی صحت ہے، جو صرف ایک سال یعنی سال اول کے لئے واقع ہوگا، پس ظاہر یہ ہے کہ مشائخ کا فتویٰ اسی پر مبنی ہے۔

اور جب قدر اجر مثل یا قدر حصہ مالک زمین کا ہوا، تو اس کے رکھ لینے اور مالک کو نہ دینے کی حرمت، احادیث صریحہ وروایات صحیحہ سے خود ثابت ہے، جس کی نقل اور اظہار کی حاجت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم

بندہ رشید احمد عفی عنہ **رشید احمد**

الجواب صحیح ذوالفقار علی دیو بندی عفی عنہ
[والد محترم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب]

الجواب صحیح فضل الرحمٰن عفی عنہ دیو بند
[والد محترم حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی]

الجواب صحیح محمد منفعت علی عفی عنہ
مدرس مدرسہ عربیہ دیو بند
محمد منفعت علی

الجواب صحیح حق
بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ
عزیز الرحمٰن

شرعاً حق موروثیت کوئی چیز نہیں اور بحق موروثیت بلا رضاء مالک، زمین پر قبضہ رکھنا اور نفع اٹھانا حرام ہے۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ
[صدر مدرس وناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی]

الجواب حق صحیح بندہ محمود عفی عنہ
[شیخ الہند]

الجواب صحیح عبدالرحیم رائے پوری
صحیح الجواب صدیق احمد انبہٹوی

(۱) شامی باب مطلب زرع ارض الغیر نسخہ ہندیہ ص ۱۴۲ ج ۵۔ [مجتبائی دہلی۔] نیز شامی ص ۱۹۵ ج ۲ (دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) [نور]

الجواب صواب بلا ارتیاب محمد اشرف علی عفی عنہ الجواب صحیح غلام رسول علی عفی عنہ

[حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی] [استاذ الکل مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی]

هذا هو الحق و الحق أحق أن يتبع: نور محمد عفی عنہ السوال صحیح والجواب صحیح: محمد عمر دراز عفی عنہ فتح پوری

مہتمم مدرسہ حقانی لدھیانوی [مؤلف نورانی قاعدہ]

جناب المجیب العلام محمد حسن عفی عنہ

الجواب صحیح و التحقیق نقیح مغیث الدین ساڈھوروی

[نقل از رسالہ زمیندارہ بل۔ مرتبہ [مولانا] محمد متین خطیب، نائب ناظم جمعیۃ علماء اسلام دیوبند۔]

(کمال پرنٹنگ پریس دہلی: ربیع الثانی ۱۳۶۶)

از ص ۱۹ تا ۲۲۳ تصدیقات ص ۲۴

(۶۲۰) موروثی کاشت کاری شرعاً بے اصل ہے: سوال: جو کاشت کار بارہ سال زمین کو کاشت کر کے، مزارعہ موروثی ہو جاتے ہیں، تو ان کو بلا رضا زمیندار مالک کے، اس زمین کو کاشت کرنا اور وہی محصول مقررہ سابق دینا اور اس وقت جو مالک کو دوسرے مزارعہ، اس محصول سے زیادہ دیتے ہیں، اس کے موافق نہ دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کاشت کار موروثی شرع میں کوئی شئے نہیں، یہ سب امور ظلم ہیں۔ ہرگز بدون رضاء مالک کے کاشت کرنا، اور کم محصول دینا حلال نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۳۲)

اس رسالہ زمیندارہ بل کے صفحہ ۱۱ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ فتویٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے زمانہ میں بصورت اشتہار شائع ہوا تھا، یہ مطبوعہ اشتہار دفتر جمعیۃ اسلام میں محفوظ ہے۔ نیز یہ فتوی جواہر الفقہ تالیف مولانا مفتی محمد شفیع ص ۳۲۴ جلد دوم [مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند: ۱۳۹۰ھ] میں بھی شامل ہے۔

حضرت مولانا کا یہ فتویٰ، فتاویٰ خلیلیہ (فتاویٰ مظاہر علوم) مرتبہ مولوی محمد خالد صاحب ص: ۳۹۲-۳۹۴ (سہارنپور: ۱۴۱۷ھ) میں بھی درج ہے۔ [نور]

دسواں باب

کتاب الوقف

(وقف مساجد اوران کے متعلقہ مسائل)

(۶۲۱) کیادارالحرب میں بھی مسجد بنانے کاثواب ملے گا؟ سوال: دارالحرب میں زید نے مسجد بنائی ہے، پس اس کوثواب مسجد بنانے کا ہوگا، یا کہ بسبب بنانے مسجد دارالحرب میں، ثواب بنانے مسجد کا نہ ہوگا؟

جواب: ثواب مسجد کا ہووے گا، اگر چہ دارالحرب میں مسجد بنائی ہو۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

العبد رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (نقل بقلم مولانا محمد ابراہیم پھلاودہ، محفوظ در ذخیرہ خود)

(۶۲۲) جوئے میں جیتی ہوئی رقم سے، مسجد بنانے کاحکم؟ سوال: زید جوا کھیلا کرتا تھا، ایک مرتبہ زید نے پانچ سوروپیہ جیت لیا، پھر جوئے سے توبہ کی، اوراس پانچ سوروپیہ سے زید نے تمباکو کی دوکان کرلی، اس دوکان مذکورہ سے بہت نفع ہوا، زید نے اس روپیہ کے نفع سے ایک مسجد تیار کروائی، اب اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز (ہے) یا حرام ہے، یامکروہ ہے۔ مکروہ ہے توکس درجہ کا ہے، جوحکم خدا، رسول کا ہو تحریر فرمادیں۔

جواب: قمار کے روپیہ سے جونفع حاصل کیا ہے، پھراس سے مسجد بنائی، وہ بھی مسجد نہیں، اس میں بھی نماز مکروہ تحریمہ ہووے گی، جیسا کہ پارچہ میں [اگر] ایک درہم [بھی] حرام کا مل گیا، تو نماز اس کی قبول نہیں ہوئی، اسی طرح جس زمین میں روپیہ حرام کا ہوگا، اس زمین میں نماز قبول نہ ہووے گی، چنانچہ روایت پارچہ کی مشکوٰۃ سے نقل ہوچکی اور تفسیر مدارک میں لکھا ہے تحت آیات:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِداً ضِرَاراً الأية — اور جنھوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر۔

(ترجمہ شیخ الہند)

وقیل کل مسجد بنی بمال غیر ذی طیب فھو لاحق بمسجد الضرار" انتھیٰ ملخصا، واللہ اعلم (۱)

اور کہا گیا ہے ہر وہ مسجد جو ناپاک مال سے تعمیر کی گئی ہو، وہ مسجد ضرار کے ساتھ شامل ہے۔ (ترجمۂ نور)

(فیوض رشیدیہ ص ۱۳-۱۲)

(۶۲۳) جس مسجد میں حرام مال خرچ ہوا ہو، اس میں نماز پڑھنا، کیسا ہے؟ **سوال**: جس مسجد کی تعمیر میں اکثر مال حرام صرف ہوا ہو، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا مکروہ، اور اس مسجد کو باقی رکھا جائے یا اس کو منہدم کیا جائے؟ سوالات معروضہ کا جواب شافی تحریر فرمائیں اور اپنی خیر وعافیت سے اطلاع دیں۔ عریضہ ادب نظیر حسن۔

جواب: جس مسجد میں اکثر مال حرام لگا ہے، اس میں نماز مکروہ تحریمہ ہووے گی، اس کو توڑ کر حلال مال سے بنادے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ فرخ آباد ص: ۳۷-۳۶-۳۵)

(۶۲۴) شیعہ یا ہندو کی وقف کی ہوئی جانماز پر نماز پڑھنے، ان کے بنوائے ہوئے سائبان اور مسجد کے لیے ان کے چندہ کا حکم؟

سوال: الف: ایک شیعہ نے جائے نماز جامع مسجد میں وقف کردی، اس پر نماز جائز ہے یانہیں، اور اس پر نماز پڑھنے سے ثواب نماز مسجد کا ملے گا، یانہیں؟

اسی طرح اگر ہندو نے جائے نماز مسجد میں وقف کردی، تو اس کا کیا حکم ہے؟

ب: اگر شیعہ یا ہندو مسجد میں سائبان بنوادے، تو اس کے سایہ میں نماز بلا کراہت جائز ہے، یانہیں، اگر شیعہ یا ہندو بنائے مسجد کے واسطے چندہ دیوے، تو اس کا فرش اور دوسری تعمیر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، یانہیں۔ دوسرے تعمیر سے مراد ستون وسقف مسجد ہے، جو مسجد میں داخل ہے۔ درصورت عدم جواز، حیلۂ جواز ارشاد ہو۔ فقط۔

جواب: شیعہ کی جانماز پر جو مسجد میں اس نے دی ہے، نماز پڑھنا درست ہے، اور ثواب مسجد کا ملتا ہے۔ علیٰ ہذا، اس کا روپیہ لے کر تعمیر مسجد میں صرف کرنا درست ہے، اور اس مسجد میں ثواب مسجد کا ملتا ہے۔ علیٰ ہذا، کافر کا روپیہ لگانا مسجد کی تعمیر [میں] اور اس کے فرش پر نماز پڑھنا اور اس کے سائبان کے نیچے نماز پڑھنا درست ہے، اور منقص ثواب مسجد کا نہیں۔ بدلیل اس کے کہ قریش کفار نے مسجد حرام کو تعمیر کیا اور فرش لگایا اور اس پر فخر عالم علیہ السلام نے نماز پڑھی

(۱) وقیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او بغرض، سوی ابتغاء وجہ اللّٰہ، او بمال غیر ذی طیب، فھو لاحق بمسجد الضرار. (تفسیر مدارک ص ۲۶۲ ج ۱)

اور فضل اس کا فرمایا، اور سقف قریش کی بناء کے سایہ میں نماز ادا فرمائی، لہٰذا یہ سب امور درست ہوئے اور کچھ حرج مسجد میں نہیں آوے گا۔ فقط (فیوض رشیدیہ ص: ۲۰-۲۱)

(۶۲۵) اگر ہندو اپنی زمین مسجد کیلئے دے، یا اپنے پیسے سے مسجد بنوادے؟ **سوال:** اگر ہندو زمین دار اپنی زمین میں رعایا مسلمان کو اجازت بنائے مسجد کی دیوے، یا خود اپنے روپے سے بنوادے؟ تو وہ حکم مسجد کا رکھتی ہے، یا نہیں، بینوا توجروا فقط

جواب: اگر زمیندار کافر، رعایا مسلمان کو اپنی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دے، تو یہ معنی ہیں کہ یہ زمین تم کو دی، تم مسجد بناؤ، یا یہ بسبب اس کے کہ ہنود ہند کے، مسجد کو ثواب کا کام جانتے ہیں، خود مسجد بنا کر مسلمانوں کو دیدے، یا وقف کردے، سب صورت میں مسجد ہوجاتی ہے اور ثواب مسجد کا اس میں ملتا ہے۔ قال فی الدر المختار:

لانه مباح بدليل صحته من الكافر. (۱)

اس سے دریافت ہوتا ہے کہ اگر کافر ایسی شے کا وقف کرے، کہ مسلمانوں کے نزدیک قربت ہے اور کفار بھی اس کو قربت جانتے ہیں، تو وقف صحیح ہوتا ہے۔ تو پس یہ مسجد کافر کی بنائی [ہوئی] بھی مسجد ہوتی ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی (فیوض رشیدیہ ص ۲۱)

(۶۲۶) اگر حلال آمدنی سے طوائف کا مکان خرید کر اس میں مسجد بنائی تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** زید نے ایک مکان اس کسبی سے خریدا، جو کہ خرچی لے کر حرام کراتی ہے، زید نے اس مکان کو تڑوا کر ایک مسجد شاہراہ میں بنوائی، تاکہ نمازی نماز پڑھیں اور زید کو ثواب ہو، تو مسجد مذکور میں ہم لوگوں کو نماز پڑھنا جائز ہے، یا حرام، یا مکروہ؟ جو مکروہ ہے تو کس درجہ کا ہے؟ صاف صاف تحریر فرماویں، کیونکہ بعض عالم فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنا مسجد مذکورہ میں کچھ حرج نہیں، اس مسئلہ کو مع دلائل عقلی ونقلی کے تحریر فرماویں۔ فقط

جواب: اگر وہ مکان کسبی کے پاس حلال مال کا ہے، مثلاً اس کے باپ کا ترکہ، اس کا مال حلال وجہ سے تھا، اس کی میراث کسبی کو ملے، اس سے مکان خرید لیا، یا دوسری کسی وجہ حلال سے، مکان اس کی ملک میں آیا ہے، تو اس صورت میں اس کا خریدنا اور بنانا درست ہوا، کہ اس میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں ہے۔ اگرچہ کسبی کا خود مال مکسوبہ حرام ہے، ایسی حالت میں وہ مسجد ہے، اس میں ثواب بنانے والے کو ہوگا اور نماز میں بھی ثواب مسجد کا ملے گا، کیوں کہ اس میں سب طرح سے، مال طیب صرف ہوا ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام:

(۱) الدر المختار ص ۳۷۷ ج ۔ کتاب الوقف عکس مجتبائی ۱۳۴۳ھ۔ نیز شامی ج ۳ ص: ۳۵۸ [مجتبائی دہلی ۱۳۸۷ھ [نیز شامی ج ۴ ص: ۳۳۹ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ]

"لایقبل اللّٰہ إلا الطیب" (الحدیث) (۱)

اور جو وہ مکان حرام مال کسبی سے خریدا ہوا تھا، یا زمین حرام مال سے خرید ہو کر، حرام مال سے مکان بنایا تھا، تو اب طیب مال سے خرید ہو کر، توڑ وا کر مسجد بنانے سے یہ حلال نہیں ہوا، بحال خود حرام ہی ہے۔ اس میں نماز مکروہ ہو وے گی، کراہت تحریمہ، اور مسجد بنانے والے کو کوئی ثواب مسجد بنانے کا نہ ہوگا۔ قال علیه الصلوٰة والسلام:

مهر البغی خبیث (الحدیث) (۲)

بدکاری کی آمدنی [ناپاک، حرام اور] خبیث ہے۔

وعن ابن عمر رضی الله عنه قال من اشتری ثوباً بعشرة دراهم و فیه درهم حرام، لم یقبل الله له صلاة مادام علیه. الحدیث، رواه فی مشکوة المصابیح (۳)

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: جس شخص نے [بھی] کوئی کپڑا دس درہم میں خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا، جب تک اس پر اس کپڑے کا لباس ہے۔

قال فی الدر المختار: أما الخبیث لعدم الملک کا الغصب فیعمل فیهما انتهی (۴)

یعنی غصب کے روپیہ اور مال حرام کے ذریعہ سے، جو شے خریدی ہوئی ہو حرام ہے، اس کا نفع بھی حرام ہے، علی ہذا، جو

---

(۱) رواه البخاری عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب ولا یقبل الله الا الطیب، الخ. (کتاب الزکوة، باب لایقبل الله صدقة من غلول ولایقبل إلّا من کسب طیب، الحدیث: ۱۴۱۰) ص: ۹۳ جلداول، جزء دوم [مکتبة الریاض الحدیثة ۱۹۸۳ء] نیز ص: ۱۸۹ جلداول رقم الحدیث: ۱۳۹۲ [نسخة هندیه ۱۴۱۵ھ] ورواه مسلم عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه یقول: قال رسول الله ﷺ: ماتصدق احد بصدقة من طیب ولایقبل الله الا الطیب، الا اخذها الرحمن بیمینه وإن کانت تمرة. الخ. ص: ۳۲۶ ج: ۱ [مطبع مجتبائی ۱۳۱۹ھ] کتاب الزکوة، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب وتربیتها ص: ۴۵۰ جلداول رقم الحدیث: ۱۰۱۴، ت: ابوقتیبه نظر محمدفاریابی [دارطیبه، ریاض ۲۰۰۶ء]

(۲) رواه مسلم عن رافع بن خدیج قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ثمن الکلب خبیث و مهر البغی خبیث وکسب الحجام خبیث (کتاب المساقاة، رقم الحدیث: ۱۵۶۸، ج: ۲، ص: ۷۳۷ [ابوقتیبه نظر محمد الفاریابی ۲۰۰۶ء] نیز دیکھئے مشکوة کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال، الحدیث: ۲۷۶۳، ص: ۱۰۸۴، جلد: ۳ [مکتبة التوبه بیروت: ۲۰۰۳ء]

(۳) رواه احمد فی المسند ۹۸/۲، سندابی عمر [دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ. نیز ص: ۲۱۹ ج: ۵ ت: احمدمحمدشاکر. رقم الحدیث: ۵۷۳۲] دارالحدیث القاهر ۱۹۹۵ء ۱۴۱۲ھ والبیقهی فی شعب الایمان، باب فی الملابس والأوانی، رقم الحدیث: ۵۷۰۵ جلد: ۱۱، ص: ۱۰۶ [دارالسلفیه ۱۴۱۱ھ] [نیز دیکھئے مشکوة شریف ص: ۲۴۳ ج: ۱. کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال (مطبع اصح المطابع دهلی: ۱۳۷۵ھ) نیز مشکوة المصابیح ص: ۱۰۹۲. جلد: ۳ حدیث نمبر: ۲۷۸۹. [مکتبة التوبه بیروت: ۲۰۰۳ء]

(۴) درمختار ص ۹۷ ج ۵ باب بیع الفاسد (دارالفکر بیروت: ۱۹۶۶ء) نیز۔ مطلب فی تعیین الدراهم فی العقد الفاسد ص: ۱۳۵ جلد چہارم [مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ پاکستان ۱۳۹۹ھ]

شے غصب وحرام کی ہے، اس کے عوض جو روپیہ کا نفع ہوگا، وہ بھی حرام ہے۔ پس جو مکان حرام مال کا خرید کیا ہوا حرام ہے، اب اس کو حلال مال سے خریدنے میں حلت اور اباحت حاصل نہ ہوگی، اور مسجد بنانا اس میں درست نہ ہوگا علی الاصح۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ — ہذا الجواب صحیح محمد امیر باز خان سہارنپوری — محمد مراد عفی عنہ مظفر نگری

(فیوض رشیدیہ ص ۱۲-۱۱)

(۶۲۷) قربانی کی کھال کا صدقہ واجب ہے، اوراس کا مسجد کی تعمیر یا تنخواہ میں استعمال؟

سوال: کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی کھال کی بیع مکروہ ہے، لیکن اگر بیع کی جاوے تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا چاہئے، مساکین کی قید ہدایہ وغیرہ میں نہیں ہے۔ فقط صدقہ کا ذکر ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ قیمت مسجد کی تعمیر میں، یا پھر مدرسین کی تنخواہ میں صرف کی جاوے، تو جائز ہو۔ کیونکہ یہ دونوں صورتیں بھی صدقے کی ہیں، اور اگر یہ صدقہ نہیں ہے، تو جس شخص نے اپنے مال کے صدقہ کرنے کی قسم کھائی، پھر اس کو مسجد کی تعمیر میں یا کتابوں کے وقف کرنے میں صرف کیا، تو وہ کس طرح سچا ہوگا، اور اگر کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا، خاص مساکین پر بطور تملیک کے واجب ہے، تو یہ وجوب اور تخصیص کس کتاب سے ثابت ہے؟

جواب: قیمت جلد اضحیہ کا صدقہ واجب لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ صدقہ واجبہ مساکین وفقراء کو ہی دے سکتے ہیں، اغنیاء بنی ہاشم کو درست نہیں، لہٰذا قید مساکین کی نہیں ضرورت ہوئی، کہ امر بدیہی ہے، اور صدقہ واجبہ میں تملیک شرط ہے، مثل زکوٰۃ ونذر کے، پس تعمیر مسجد ومدرسہ میں درست نہ ہوگی، اور تنخواہ اجرت وبیع کے حکم میں ہے، کس طرح درست ہوگی، تنخواہ ہرگز صدقہ نہیں، بلکہ اجرت ہے، اور مسجد کی تعمیر وغیرہ اباحت ہے نہ تملیک، اور تملیک صدقۂ واجب کی، سب کتب فقہ میں مسطور ہے، کتاب الزکوٰۃ جس کتاب کا چاہو دیکھ لو۔ فقط (مجموعہ فرخ آباد ص ۴۱-۳۹-۳۸)

(۶۲۸) نظریات کے اختلاف کی وجہ سے، الگ مسجد بنانا صحیح نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسی حالت میں: کہ اپنی عزت کے بچانے کے واسطے اور اپنی نماز کے، جو جہال ونا واقفین کے پیچھے صحیح نہیں ہوئی، درست کرنے کی غرض سے نہ بخیال تعلی وتفاخر تفرقہ، اپنے محلہ میں نئی مسجد کا بنانا، عاملان بالحدیث کو شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ یہ سب نزاع وخلاف فریقین کا، سبب جہر آمین ورفع یدین وغیرہ چند امور کے جو عند قائلھم مستحب ہیں، واقع ہوا ہے، یہ بوجہ کسی امر واجب الاداء کے۔ اور سب اہل دین جانتے ہیں کہ

ہر مستحب کا ادا اس وقت مستحب ہے کہ کوئی امر واجب فوت نہ ہو، ورنہ یہی مستحب ایسی صورت میں حرام و مکروہ ہو جاتا ہے، اور اتفاق مسلمین ایک ایسا امر واجب منصوص ہے، کہ کسی عامی کو بھی اس میں خلاف نہیں، پس بحکم آیت:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَّلَاتَفَرَّقُوا. اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر، اور پھوٹ نہ ڈالو۔ الآية (آل عمران:۱۰۳) (ترجمہ شیخ الہند)

أَقِيمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ. الآية (الشوریٰ:۱۳) یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اہل حدیث (پر) لازم و واجب ہے کہ اس امر مستحب کہ جو تفرقہ انداز عوام ہو، کو ترک کر کے، اتفاق منصوص مطلوب حاصل کریں، اور ادائے مستحب کے واسطے، جس کا ترک وقت تفرقہ کے واجب ہے، منہی شرعی اور محرم قرآن کو اور اس کے سبب کو اختیار نہ کریں، اور ظاہر ہے کہ ترک ان مستحبات میں وحشت دوسرے فریق کی رفع ہو کر، اتحاد و اتفاق ہے، تو اس کی تحصیل واجب ہے، اور درصورت بناء مسجد جدید کے، اس اختلاف و تنافر استحکام بناء اور تقویت بدیہی ہے، پس اس کا ترک واجب ہے۔

پس محل تامل ہے کہ حاملین حدیث بزعم خود اپنی آبرو کے واسطے، تجدید بناء مسجد کر کے، تفرقہ منہی قرآنی کو اختیار کرنا پسند کریں اور حق تعالیٰ کے مامور اتفاق کلمۂ مسلمین کی حفاظت کے واسطے، اپنے مرغوب عمل مستحب کو، جس کو خود شارع اسی وقت میں منع فرماویں، ترک نہ کریں، حیف صد حیف! کہ للہ تعالیٰ فی اللہ تعالیٰ کوئی عمل کیا جاوے اور رعایت حکم اللہ تعالیٰ کی اس میں، اور نگہداشت حدود اللہ تعالیٰ کی نہ ہو، اور صحاح حدیث اور آثار کرام سے، سب پر ظاہر ہے کہ ترک مستحب حفاظت واجب کے واسطے، ہر روز معمول و مامور رہا ہے، اور اسباب منہیات کے ہمیشہ ممنوع رہے ہیں، جس کے بسط میں تطویل ہے۔ فقط

الحاصل اس حالت میں بناء مسجد جدید کی، حسب حکم شارع علیہ السلام کے درست نہیں، بلکہ ترک مستحب متنازع فیہ کا کرنا اور اتفاق پیدا کرنا واجب ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص۱۹۴-۱۹۵)

(۶۲۹) برادری سے باہر نکاح کرنے والے کو مسجد آنے سے منع کرنا کیسا ہے؟

سوال: جس نور باف نے قصائی بیوہ سے نکاح کیا، اس نور باف کو قصائی محلہ کی مسجد میں نماز سے روکتا ہے، کہ تو نے ہماری آبرو میں بٹہ لگایا، یا نماز سے منع کرنیوالا قصائی مسجد میں، گنہگار رہتا ہے، یا نہیں؟

جواب: اس شخص کو نماز پڑھنے سے منع کرنا نہ چاہئے، کہ اس نے کام کوئی ایسا نہیں کیا کہ مسجد سے روکا جاوے، پس نماز سے روکنے والا گنہگار ہوگا، واللہ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

هذا الجواب صحيح محمد مراد مدرس مظفر نگر۔ عبدالحق بگھروی

(فیض رشیدیہ، طبع اول لدھیانہ۔ سوال ۲۷ ص ۲۲)

(۶۳۰) شادی یا خوشی کے موقع پر مسجد کے لیے جبراً، پیسے لینا کیسا ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین: کہ ایک قوم نے اپنی برادری میں یہ رسم مقرر کی ہے، کہ ہر شخص کی شادی میں خواہ وہ امیر ہو یا غریب یا یتیم، دولہا سے دس روپیہ اور دلہن سے چار روپیہ لیتے ہیں، اور اس روپیہ کو مسجد میں صرف کرتے ہیں، سو اس طرح لینا اور لے کر مسجد میں صرف کرنا، از روئے شریعت درست ہے، یا نہیں؟ اور جب تک روپیہ نہیں لیتے، تب تک دولہا دلہن کی شادی میں شامل نہیں ہوتے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا ہے، آٹھ آنہ لیتے ہیں، وہ بھی مسجد میں صرف ہوتا ہے۔ بینوا توجروا! فقط

جواب: اگر کوئی خوشی سے روپیہ شادی میں یا لڑکا پیدا ہونے میں دیوے، تو مسجد میں لگانا اس روپیہ کا درست ہے، اور جو ناخوشی سے دیوے، تو وہ لینا بھی حرام ہے اور مسجد میں صرف کرنا بھی درست نہیں۔ فقط

اور جبراً لینا دباؤ برادری [کا] ڈال کر شرع میں حرام ہے۔ فقط رشید احمد گنگوہی

(فیوض رشیدیہ طبع اول لدھیانہ۔ سوال ۳ ص ۵)

(۶۳۱) اگر نیچے دو کانیں، ان کے اوپر مسجد بنوائی، تو کیا حکم ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں: ایک شخص نے مسجد اس طور سے بنوائی کہ اس کے نیچے مکان یا دوکان وغیرہ ہے اور اس کے اوپر مسجد ہے، اور اس مکان وغیرہ کا کرایہ وہ شخص اسی مسجد میں صرف کرتا ہے۔ ایسی مسجد کے بنوانے والے کو اس میں نماز پڑھنے کا ثواب، مثل ان مساجد کے ہے، کہ جن کے نیچے کوئی مکان یا دوکان وغیرہ نہیں، ملے گا۔ یا کم وبیش، اور اس مسجد کا حکم مثل مساجد مذکورہ یا دیگر مکانات کے ہے؟

جواب: اگر دوکان مسجد بھی وقف ہے، تو مسجد ہوگئی اور ثواب مسجد کا اس میں مثل دیگر مساجد کے ہے اور جو دوکان کو ملک اپنی رکھا ہے اور اوپر مسجد کو وقف کیا ہے، تو یہ مسجد نہیں ہوئی، مملوک بانی کی ہے، ثواب مسجد کا اس میں حاصل نہیں ہوتا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۲۴۱)

(۶۳۲) مسجد کے فائدے کے لئے، اس کی چھت گرانے کا حکم؟ سوال: حامداً ومصلیاً کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں: کہ ایک شخص نے مسجد کہنہ کی، جو قریب انہدام تھی تعمیر کرائی، اور لکڑی نئی عمدہ بقدر وسعت اس مسجد کی چھت میں ڈالی اور ہر طرح کی اس کی درستی کرادی، مگر چوبیں اور خام ہے، موسم بارش میں ہر ہفتہ اور ہر عشرہ میں ضرورت دیکھ بھال کی، چونے ٹپکنے اور چھیلنے گھاس پھوس کے رہا کرتی ہے، اگر

چھت پٹنہ کرادی جائے تو بھی ضرورت مرمت کی رہے گی، بلکہ زیادہ خرچ مرمت میں ہو جائے گا اور کوئی مرمت کرنے والا جس کو خیال مسجد کا ہو، نظر نہیں آتا۔ لہٰذا وہ شخص کہ جس نے تعمیر اور مرمت مسجد کی ہے، چاہتا ہے کہ جو لکڑی اس مسجد کی چھت میں ڈالی ہے، تخمینہ قیمت کا کر کے نکال لیوے، اور اس لکڑی کو اپنے مکان میں اور قیمت اس لکڑی کی اور علاوہ اس کے جو کچھ صرف ہو خرچ کر کے، چھت ڈاٹ کی لگادیوے، تاکہ سو دو سو برس تک مرمت اور دیکھ بھال کی ضرورت نہ پڑے۔

زید کہتا ہے کہ لکڑی جو مسجد میں پڑ چکی ہے، اب وہ بوجہ عظمت کے مکان میں ڈالنے کی نہیں، دوسری مسجد یا حجرہ مسجد یا خانقاہ یا مدرسہ میں ڈالی جاوے۔ اس مسئلہ کی تحقیق بدلیل قوی وثبوت واثق منظور ہے۔ یہ کام بنیت حصول مثوبت کیا جاتا ہے اور جب خوف عقوبت ہو تو باز رہا جاوے۔ حسبۃً للہ جواب تحریر ہو۔ فقط

جواب: اگر اس مسجد کا کوئی اور متولی ہو تو اس سے خرید لے، اور اگر خود ہی متولی ہو تو بھی اس شخص کو یہ تبادلہ اور بیع درست ہے، اگر مسجد کے لئے یہ تصرف مفید ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ فرخ آباد ص ۶۲۔۶۱)

(۶۳۳) اگر مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہو اور دوسری مسجد میں اس کی ضرورت نہ ہو تو؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ آمدنی جامع مسجد سہارنپور کی اس قدر ہے کہ جملہ حاجات سے فارغ ہو کر زر کثیر بچ رہتا ہے، اور شدہ شدہ کئی ہزار روپیہ جمع بھی ہو گیا ہے، جامع مسجد پر اس کا صرف ہونا مظنون نہیں ہوتا، اور درصورت اوپر کے جمع رہنے کے، غالب گمان اس کے تلف ہونے کا ہے، چنانچہ اسی وجہ سے ٹیکس سرکاری بھی اوپر لگ گیا ہے، اور دیگر مساجد سہارنپور کو بھی حاجت نہیں ہے، کہ سب مساجد کی آمدنی ان کے مصارف کو کافی ہے، پس اس حالت میں اندیشہ تلف غالب ہے، اس روپیہ کو تعلیم دینیات میں صرف کرنا کہ وہاں اشد ضرورت ہے، جائز ہے، کہ نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب: کتب فقہ میں یہ مسئلہ بندہ کی نظر سے نہیں گزرا، اس قدر تو ان کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسجد کا غلہ وقف، جب کہ وہاں حاجت نہ رہے دوسری مسجد پر صرف کر دینا درست ہے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ اندیشہ تلف غالب ہو، مگر یہ کہ کسی مسجد میں بھی حاجت نہ رہے اور اندیشہ تلف ہو تو، اس شق کو کسی کتاب میں نہیں دیکھا، بلکہ ہر جنس کہ غلہ کو اسی جنس پر صرف کرنے کو لکھتے ہیں، بظاہر فقہاء کو ایسی صورت پیش نہیں آئی۔

لہٰذا بندہ لکھتا ہے کہ ایسی صورت مذکورہ سوال میں، صرف کرنا اس روپیہ کا مدرسہ پر جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واللہ یعلم المفسد من المصلح چونکہ نیت متولیان مسجد کی خیر محض اور محافظت مال وقف ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، اور

کنز بیت اللہ جو مدفون بیت اللہ میں ہے اور حاجت بیت اللہ سے زائد ہے، بعض کتاب میں لکھا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام اس کو نکال کر، جہاد میں صرف کریں گے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ ثانی، مثل اعلاء کلمۃ اللہ لسانی کے ہے، اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس کو نکال کر صرف کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ نے اس کو نہیں نکالا تھا، اس لئے انھوں نے بھی نہیں نکالا۔ سواس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ کا نہ نکالنا، بوجہ عدم جواز اخراج کے تھا، بلکہ یہ وجہ ہے کہ اخیر زمانہ میں اس کی زیادہ حاجت ہوگی، اب چنداں حاجت نہیں ہے، اور مسجد نبوی کے ستون جس وقت کے بدلے گئے ہیں اور منبر شریف جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں رکھا گیا، لوگوں پر تقسیم کیا گیا اور کبھی ثابت نہیں کہ بیع کر کے پھر مسجد پر لگایا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اشیاء کہ مسجد ضرورت میں ان کی تمام ہوگئی ہو، جب مسجد میں اس کی حاجت نہ رہے تو اس کو تقسیم کر دینا، یا دوسری جگہ صرف کر دینا جائز ہے۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

فقط، واللہ اعلم بالصواب

نقل از فتاویٰ مظہریہ قلمی ص ۵۵۴ ج ۲ (یعنی مجموعہ فتاویٰ، دارالافتاء، مظاہر علوم سہارنپور، غیر مطبوعہ مخزونہ، کتب خانہ مظاہر علوم سہارنپور)

(۶۳۴) جس نے مال صدقہ کرنے کی قسم کھائی مسجد میں خرچ کرے اور دینی کتابیں خرید کردے تو؟

مسئلہ: جس نے مال صدقہ کرنے کی قسم کھائی، تو تعمیر مسجد میں لگانے سے، یا کتب دین وقف کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، اور صدقہ جاریہ وہ ہے کہ جس کا ثواب دیر تک ملے۔ کتاب کا دینا، چاہ بنانا، تصنیف کر کے چھوڑنا، شاگرد کا چھوڑنا مثلاً خصوصیت وقف کی نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۵۔۵۶)

(۶۳۵) مسجد سے ملحق مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے اور اس پر مسجد کی زائد آمدنی خرچ کرنے کا حکم؟

سوال: احاطۂ مسجد میں مدرسہ کے لیے مکان بنانا درست ہے، یا نہیں؟ آمدنی مسجد کی اس قدر زائد ہے کہ اس کے خرچ کی، اس وقت نہ آیندہ ضرورت معلوم ہوتی ہے اور نہ قریب کی مسجد اس کی محتاج۔ ایسے روپیوں کو مدرسہ کے کام میں خرچ کیا جائے، یا نہیں؟ اگر درست نہیں، تو اس قدر وافر روپے کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

جواب: احاطۂ مسجد میں مدرسہ بنانا جائز ہے، کیوں کہ فنائے مسجد جیسے افتادہ پڑی ہے، ایسا ہی مکان بنا کر اس میں درس دینا درست ہے، مگر وہ مکان مدرسہ متعلق مسجد کے ہی رہے گا۔ وقف جدید نہ ہووے گا۔ اگر فنائے مسجد میں تعمیر کرنے لگے، تو کیا مانع ہے، ایسا ہی بنائے مکان میں کچھ حرج نہیں۔ اگر آمدنی اس قدر زائد ہے، تو مدرسہ متعلق

مسجد میں خرچ کرنا درست ہے۔فقط

(مکتوب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، بنام مولانا عبدالرحمٰن صدیقی امروہوی)

مشمولہ تصوف نمبر، ماہ نامہ نظام، کانپور، ص: ۱۷/۱۱/۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء]

(۶۳۶) نقارہ بجانے کے لیے وقف شدہ جائداد کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین اسلام ومفتیان شریعت خیر الانام: کہ ایک شخص واسطے بجانے نقارہ (کے) کسی درگاہ بزرگ (پر) کوئی مکان وقف کرے، تو یہ وقف عند الشرع شریف جائز ہے، یا نہیں؟ اور ایسا وقف بعد مرنے واقف کے اس کی اولاد پر، بموجب فرائض وراثت پذیر ہوگا، یا نہیں؟ اور وقف کے واسطے تحریر واقف بھی لازمی ہے، یا زبانی کہہ دینا کافی ہے؟ بینوا توجروا!

جواب: جو مکان نقارہ بجانے کے واسطے وقف کیا گیا ہے، وہ مکان شرعاً وقف نہیں ہوا، اس واسطے کہ (نقارہ) بجانا قبر پر گناہ ہے اور وقف قربت وطاعت میں صحیح ہوتا ہے، وقف علی المعصیت درست نہیں [وقال فی الدر المختار: و ان یکون قربة فی ذاته انتھی (۱)] پس یہ جو وقف علی المعصیت ہوا باطل ہے۔ اب اس میں میراث جاری ہووے گی، اور وقف کے اتمام کے واسطے کتب تحریر ہونا ضروری نہیں۔فقط کتبہ الراجی رحمة ربہ رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۱۷۲)

(۶۳۷) زمین وقف اور زمین مسجد کی فروخت کسی طرح صحیح نہیں؟ **مسئلہ:** زمین مسجد کو بیع نہیں کر سکتے علی الاصح، مگر حالت مذکورہ سوال میں خشت وغیرہ مسجد کی، دوسری مسجد میں صرف کر دیویں، اگر ضائع ہونے کا خدشہ ہو، اور زمین مسجد کے گرد ایک احاطہ بنوا دیں، جو محفوظ رہے، اور اسی طرح وقف کی اینٹ لکڑی کا حال ہے، کہ جب یہاں کار آمد نہیں تو دوسری جگہ صرف کریں، خواہ اس کو یا اس کی قیمت کو، مگر زمین وقف کا بیع درست نہیں، مگر جب بالکل از کار رفتہ ہو جائے، گویا ہلاک ہوگئی۔فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد ص ۲۸)

(۶۳۸) مسجد یا مسافر خانہ کی تعمیر کے لئے چندہ مانگنا اور اس میں سے اپنا خرچ نکال لینا؟

سوال: ایک شخص مانگ مانگ کر مسجد یا مسافر خانہ بناتا ہے اور جو روپیہ جمع ہوتا ہے، اس میں سے اپنے اہل وعیال کا اور اپنا خرچ نکال لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ جب میں اپنے اوقات اسی کام میں صرف کرتا ہوں، تو اپنا خرچ کہاں سے چلاؤں، تو یہ کام مانگ مانگ کر کرنا جائز ہے، یا نہیں، اور اس میں سے لے کر اپنے خرچ میں لانا کیسا ہے؟

(۱) شامی ص: ۳۶۰، ج: ۳، مطبع ایچ ایم سعید... (مطبع اکمل المطابع ۱۲۸۸ھ) نیز در مختار ص: ۳۷۷، ج: ۳، کتاب الوقف [عکس مجتبائی ۱۳۳۱ھ] نیز رد المحتار، ص: ۳۶۱، ج: ۳، کتاب الوقف، دار الفکر، بیروت۔ [نور]

جواب: درست نہیں۔ (بدست خاص ص ۴۱)

(۶۳۹) مسجد کی دوکانوں کی رہن کی ایک صورت، اور اس کی وجہ سے متولی کی معزولی کا حکم؟

سوال: زید نے ایک مسجد تعمیر کی اور زیر فرش مسجد چار دوکانیں نکالیں اور مسجد کو باستثناء دوکانات مذکورہ وقف کردیا، بعد وفات زید دوکانات معلومہ اس کے ورثہ کے قبض ودخل میں رہیں، انہوں نے عندالضرورت ان دوکانوں کو مہاجنوں وغیرہ کے پاس رہن کردی، پھر مدت مدید کے بعد دوکانات معلومہ قبل از انفکاک بنام مسجد بیع کردیں۔ بعد اس کے متولی مسجد کو یہ اندیشہ دامن گیر ہوا کہ، حسب قانون انگریزی کہ قبل از انقضاء مدت ساٹھ سال جن میں، چند ہی سال باقی ہیں، اس کا انفکاک نہ ہوا، تو دوکانات معلومہ ملک مرتہن ہوجاویں گی، اور مسجد کے انہدام وغیرہ کا ان کو اختیار حاصل ہوگا، لہٰذا متولی نے ان دوکانات کو کسی مہاجن کے پاس رہن رکھ کر، مرتہنان سابق کا روپیہ ادا کیا، اور مرتہن ثانی سے قسط وار روپیہ ادا کرنے کا اقرار کیا، اب آیا متولی بوجہ ان مصالح کے، اس رہن رکھنے سے قابل عزل ہے، یا نہیں؟ دراں حالیکہ متولی عمائد شہر کے نزدیک، ہر طرح سے متدین، نیک نیت باایمان ہے۔

جواب: یہ دوکانیں جو متولی نے خرید کی ہیں تو وقف بنام مسجد نہیں ہوئی، بلکہ متولی کی ملک ہوگئیں ہیں، اس واسطے کہ متولی نے ان کو مالِ وقف سے خرید نہیں کیا، بلکہ قسط وار [ادائیگی] اس کی، اور ادا زر رہن جو ثمن دوکانات ٹھہرا ہے، سب ان دوکانوں سے ہے، بر رہن وکرایہ ادا کیا ہے، پس مسجد کے نام پر وقف ان دوکانات کا ہونا نہیں ہوسکتا۔ قال فی الدر المختار:

اشتری المتولی بمال الوقف داراً للوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفة و یجوز بیعها فی الأصح. انتهیٰ (۱)

اس کی شرح ردالمحتار میں لکھا ہے: فلو استدان فی ثمنه وقع الشراء له.

الحاصل اس صورت میں یہ دوکانات وقف نہ ہوئی، کہ مال وقف مسجد سے شراء ان کا واقع نہیں ہوا، پس جب یہ ملک متولی ٹھہری اور اس میں متولی نے کوئی امر خلاف شرع یا مضر مسجد کا یا خیانت نہیں کی، تو اب رہن کردینا ان کا بھی جائز ہوا، جیسا کہ بیع کرنا ان کا جائز ہے، چنانچہ روایت بالا سے واضح ہے، پس متولی سے یہ امر خلاف نہیں ہوا، رہن کرنا درست اور خریدنا جائز ہے اور یہ امر ہرگز وجہ عزل کی نہیں ہوسکتا۔ اب متولی آمدنی اس کی اگر مسجد پر صرف کرے مختار ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۵۸۔۱۵۹)

---

(۱) الدر المختار: ج:۱ص:۳۸۸ مکتبہ مجتبائی دیو بند:۱۳۳۱ھ

(۲) الف: ردالمحتار (نسخہ ہندیہ) ص:۴۰۶ ج:۳ بحث اشتری بمال الوقف داراً للوقف (اکمل المطابع دہلی:)

ب: ص:۴۱۷۔۴۱۸ ج:۴۔ (مطبوعہ دار الفکر بیروت:۱۳۸۶ھ) [نور]

(۶۴۰) متولی وقف، ذاتی ضروریات کے لیے، کس قدر رقم خرچ کرسکتا ہے؟ **سوال:** متولی اوقاف محاصل وقف سے، باختیار خود، کسی قدر [رقم] اپنے ذاتی صرف میں لاسکتا ہے، یا نہیں؟

جواب: وظیفہ متولی کا جو کچھ واقف نے یا اہل محلہ نے مقرر کردیا، یا درصورت عدم تقرر کے اجرۃ مثل کے قدر لینا درست ہے، اور زائد کو صرف کرنا، ناجائز ہے۔ قال فی الدر المختار:

ليس للمتولي أخذ زيادة على ماقرر له الواقف أصلاً. انتهیٰ وفيه للمتولي أجر مثل عمله. (۱)

پس زیادہ اگر اس سے لیوے گا، یہ بھی خیانت میں شمار ہو کر قابل عزل ہو جائے گا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاضعف رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۵۶۔۱۵۷)

(۶۴۱) متولی کو معزول کرنے کا حق کس کو ہے؟ **سوال:** شرعاً عزل متولی کے اختیارات عمائد اہل شہر کو حاصل ہیں، یا عوام کو جو ہر طرح سے بے علم، ذلیل پیشہ، بازاری آدمی ہیں؟

جواب: عزل کرنا کام اہل فہم وصلاح کا ہے، بشرط وجود (و) اعیٰ عزل کے نہ ہر کس وناکس کا۔ چنانچہ عالمگیریہ کی روایت سے مستفاد ہوتا ہے:

قيل هل يفرق الحال بين أن يكون المتصرف واحداً أو اثنين. قال لابدّ أن يكون المتصرف من الأماثل رئيس المحلة و متصرفها، انتهیٰ (۲)

علی ہذا درمختار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے:

و كذالك إذا كان الواقف على أرباب معلومين يحصىٰ عددهم إذا نصبوا متولياً وهم من أهل الصلاح، انتهی (۳)

پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصب وعزل کا کام اماثل واہل اصلاح کا ہے اور اراذل کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۵۷۔۱۵۸)

---

(۱) درمختار ص:۳۹۲ ج:۱ کتاب الوقف [عکس مجتبائی ۱۳۳۱ھ] ردالمحتار ص:۴۵۰۔۴۵۱ ج:۴۔ باب مذکور [دار الفکر بیروت] نیز شامی ج:۳ ص:۴۲۶، ۴۲۷ [مطبع مجتبائی دہلی]

(۲) فتاوی عالمگیری کتاب الوقف .الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی ص:۴۶۳ جلد دوم [نورانی کتب خانہ، پشاور پاکستان، ۱۳۱۰ھ]

(۳) شامی نسخہ ہندیہ ص:۴۰۹ ج:۳ فصل مذکور بالا (مطبع اکمل المطابع دہلی:) نیز ردالمحتار ص:۴۲۲ ج:۴ باب مطلب الافضل فی زماننا نصب المتولی، بالاعلام المقاضی (مطبوعہ دار الفکر بیروت: ۱۳۹۹ھ)

(۶۴۲) متولی اوقاف کو کب معزول کیا جاسکتا ہے؟ **سوال:** متولی اوقاف کو کون سی وجوہ کے ارتکاب سے، لائق عزل سمجھا جاتا ہے؟

جواب: اگر خیانت یا فسق یا صرف بیجا، یا کوئی دوسری وجہ ثابت ہوجاوے، کہ جس سے متولی مامون نہ رہے، اس وقت مستحق عزل کا ہوتا ہے۔ قال [فی] الدر المختار:

وینزع وجوباً لو غیر مامون أو عاجزاً، أو ظهر به فسق، کشرب خمر و نحوه فتح أو کان یصرف ماله فی الکیمیاء، انتھی(۱)

پس جب کسی وجہ سے مامون نہ رہے، اس وقت لائق عزل کے ہوجاتا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۵۶)

(۶۴۳) متولیٔ وقف کو بلا کسی مناسب وجہ کے معزول کرنا؟ **سوال:** اگر متولی اوقاف عمائد شہر اور علماء اور فضلاء کے نزدیک، ہر طرح سے قابل اطمینان اور متشرع آدمی ہے، تو شرعاً اہل محلہ اور اہل شہر بلا کسی وجہ شرعیہ کے محض عداوت نفسانیہ سے متولی کو تولیت سے علاحدہ کرسکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: ایسی حالت میں معزول کرنا متولی کا درست نہیں۔ قال فی الدر المختار:

لیس للقاضی عزل الناظر بمجرد شکایة المستحقین حتی یثبتوا علیه خیانته. (۲)

پس ہرگاہ کہ قاضی بھی بلا وجہ شرعیہ عزل نہیں کرسکتا، تو اہل محلہ کو بھی یہ امر جائز نہیں، فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۵۷)

(۶۴۴) مسجد کے لئے آئی ہوئی رقم کا، خادم مسجد کو دے دینا، کیسا ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ ایک شخص نے چند روپیہ واسطے اصراف مسجد کے براہ خدا دیئے ہیں، اب وہ روپیہ خدمت گار کو دینے چاہئیں، یا کہ اصراف مسجد میں صرف کریں، بینوا توجروا!

جواب: جو لوگ مسجد کے نام سے روپیہ دیتے ہیں، اللہ کے واسطے ہی دیتے ہیں [پس] یہ خدمت گزار مسجد کو دینا لازم ہے۔ فقط، واللہ اعلم

رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۱۸۔۱۱۷)

---

(۱) درمختار ص: ۳۸۳ ج: ۱ کتاب الوقف [عکس مجتبائی دہلی: ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء] نیز شامی ص: ۳۸۰۔۳۸۱ ج: ۴ کتاب الوقف (دار الفکر بیروت:) نیز شامی ج: ۳ ص: ۳۸۵۔۳۸۴ [مجتبائی دہلی] (نور)

(۲) درمختار ص: ۳۹۱ ج: ۱۔ کتاب الوقف عکس نسخہ مجتبائی دیوبند، نیز رد المحتار ص: ۴۳۸ ج: ۴۔ نیز کتاب الوقف مطلب لیس للقاضی عزل الناظر ص: ۴۱۹ ج: ۳ [مطبع مرتضوی باہتمام عزیز الدین] مطبع دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ) نیز شامی ج: ۳ ص: ۴۹۱ [مجتبائی دہلی]

(۶۴۵) مسجد کے لئے وقف سامان، ڈول یا روپے کا کسی اور کے لیے استعمال؟ **سوال:** مسجد کا روپیہ جو امین کے پاس جمع ہے، اس میں سے امین نے ڈول خرید کر مسجد میں رکھا، تو اس ڈول سے لوگوں کو، اپنے گھر کے واسطے پانی لیجانا حرام ہے، یا مکروہ، یا جائز؟

جواب: جو مال وقف مسجد کا ہے، اس کو اپنی حاجت میں استعمال کرنا درست نہیں، جو کسی نے روپیہ دیا اس کی نیت کا یا عرف کا اعتبار ہوگا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۴۹)

(۶۴۶) مسجد کا سامان ذاتی استعمال میں لانا؟ **مسئلہ:** مسجد کی شے اگر چہ زائد ہو، متولی کو اپنے خانگی صرف میں لانا منع ہے اور خیانت۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۳۴)

(۶۴۷) مسجد کے تیل یا کسی اور چیز کا ذاتی استعمال کیسا ہے؟ **سوال:** مسجد کا تیل اگر زخم پر لگالیا اور اس کا عوض اور تیل مسجد میں دیدیا، اور مسجد کے روشن چراغ سے اپنا کوئی کام کیا، مثلاً کپڑا سیا، یا دنیاوی کتاب کا ہی سبق لیا، مسجد ہی میں، یا کوئی خط اس کی روشنی میں لکھا، یا مسجد کے حمام میں سے آگ لی، یا بدن سینکا مسجد کی وقف لکڑیوں کی آگ سے، یا مسجد کے ڈول سے اپنے گھر کے واسطے پانی بھرلیا، یا مسجد کے لوٹے یا گھڑے میں پانی بھر کر، اپنے گھر میں لایا، یا مسجد کے بوریے اور صفیں مسجد یا حجرہ میں بچھا کر سبق پڑھایا سنا، یا مسجد کے کانٹے سے جو ڈول نکالنے کا ہے اور کسی غیر مسجد کا کوئی گرا ہوا ڈول، یا چرس نکالا تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مسجد کا تیل اگر بدن کو لگایا، تو اس کا بدلہ دیدیوے ادا ہو جاوے گا، مگر اول ہی لگانا جائز نہیں، اگر لگا کر عوض دیا، تو ضمان مال کا ساقط ہوا، معصیت باقی رہتی ہے، توبہ کرے۔

اور مسجد میں چراغ روشن ہو، اس سے وہیں بیٹھ کر لکھنا، پڑھنا، سینا بدون حرج کسی کے درست ہے۔ مسجد کے حمام کی آگ لیجانا منع [ہے] ضمان آوے گا، ہاں جب پانی کی آگ روشن ہے(۱) اس سے سینک لینا درست ہے، کہ کوئی نقصان وحرج کسی کا اس میں نہیں ہوتا۔

مسجد کے ڈول سے پانی گھر کا نہ بھرے، مگر باذن ڈول ڈالنے والے کے، اگر اس نے اس وقت یہ نیت کی ہو اور بعد مسجد میں دینے کے، اس کی نیت کا اعتبار نہیں، اور مسجد کا لوٹا گھر لے جانا بھی منع ہے اور مسجد کا بوریا خارج مسجد میں بچھانا بھی درست نہیں۔ علیٰ ہذا، مسجد کی کوئی شے غیر جگہ استعمال کرنا درست نہیں، مگر کانٹا مسجد کا اس نیت سے رکھتے ہیں کہ اور لوگ بھی نفع لیویں، سواس سے ڈول اپنا نکالنا درست ہے۔ ہاں! اگر یہ نیت نہ ہو، بلکہ خاص مسجد کا ہی ہو، اس کو نہ برتے۔ (مکتوبہ بدست خاص بجواب سوال ۲۸)

---

(۱) اصل میں اسی طرح ہے، یعنی وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے، مسجد کے حمام میں آگ جلی ہوئی ہے۔ [نور]

(۶۴۸) مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا کیسا ہے؟ سوال: آب گرم مسجد کے نمازیوں کے واسطے جو ہوا کرتا ہے، اس میں سے اگر کوئی شخص غسل یا وضو کے واسطے، اپنے گھر کے آدمیوں کے لئے پانی لیجاوے، تو جائز ہے، یا نہیں۔

جواب: گھر لے جانا درست نہیں، مگر باجازت گرم کرانے والوں کے، اور جو وقف مال سے گرم ہوتا ہے، تو کسی حال درست نہیں۔ فقط (بدست خاص ص ۱۸)

(۶۴۹) مسجد میں کس قسم کی گفتگو اور کون سے کام کرنے کی گنجائش ہے؟ سوال: کلام دنیاوی مثلاً یوں پوچھنا کہ بھائی تم کہاں نوکر ہو، کیا تنخواہ ہے یا کیا کام کرتے ہو، کھیتی کرتے ہو یا سوداگری، کیا بچت رہتی ہے، کتنے گھوڑے ہیں۔ مسجد میں کرنا، یا نوشت وخواند دنیاوی کتابوں کی، یا کپڑا سینا، یا طلبہ کو اجرت لے کر مسجد میں دنیاوی کتابوں کا سبق دینا، مثلاً گلستاں وانشاء وغیرہ کا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کلام مباح قلیل مسجد میں کرنا، اس طرح کہ کسی نمازی کو حرج نہ ہو مباح ہے۔ ایسا ہی کتاب مباح کا لکھنا، یا پارچہ سینا درست ہے، اور مزدوری دیکر مسجد میں پڑھانا، بعض کتب میں مکروہ لکھا ہے اور بدون اجرت بشرط عدم تلویث مسجد کے، اور نہ حرج ہونے کسی نمازی کے، جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص سوال ۲۵)

(۶۵۰) بچے اگر مسجد میں پیشاب کردیں، تو ان کے والدین کو گناہ ہوتا ہے، یا نہیں؟ سوال: لڑکا چھوٹا اگر مسجد میں پیشاب وغیرہ کردے، تو اس کے والد کو جس کے ساتھ وہ مسجد میں گیا تھا۔ کچھ گناہ ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: مسجد میں لڑکوں کا لیجانا بسبب اندیشہ تلویث مسجد کے منع ہے، اس کا اندیشہ ہو اور لیجاوے تو گناہ ہوگا اور جو طمانیت ہو تو گناہ نہیں، مگر بہتر ہر حال نہ لیجانا ہے۔ (بدست خاص، سوال ۳۰)

(۶۵۱) مسجد میں کپڑا وغیرہ ڈال کر جگہ گھیر لینا، کیسا ہے؟ سوال: اول: یہ کہ مسجد میں لوگ چادر وغیرہ ڈال کر جگہ روک کر، باہر جا کر اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور اگر کوئی اس جگہ پر بیٹھ جاتا ہے اس سے لڑتے ہیں، یہ امر جائز ہے یا نہیں، اور ایسے فعل کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

اور دوسرا یہ کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا کسی حاجت کے واسطے اٹھا اور اپنا کپڑا اپنی جگہ پر استحقاق باقی رکھنے کو چھوڑ چلا، تا کہ اور نہ بیٹھے، اس کا کیا حکم ہے، اور نیز متولی اور مہتمم جو ایسی حکایت سے روک سکتے ہیں، منع نہ کریں، ان کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا!

جواب: اس طرح جگہ رکھنا مساجد میں ہرگز درست نہیں، اور یہ کام کرنے والا گنہگار رہے۔ اس واسطے کہ مساجد سب خاص اللہ تعالیٰ کی ہیں، اس میں کسی کا استحقاق دوسرے سے زیادہ نہیں ہے، سب برابر ہیں۔

قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ: اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہ (سورۂ جن: ۱۵)

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں۔ (ترجمہ شیخ الهند)

وَقَالَ تَعَالٰی: سَوَاءِ نِ العَاكِفُ فِيهِ وَ الْبَادِ، الآية (برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا۔ (ترجمہ شیخ الهند)) (الحج: ۲۵)

پس جب کوئی شخص سبقت کر کے آیا، تو قدر اپنے جلوس کے جس مجلس میں بیٹھ گیا، اس کا مستحق ہو گیا کہ اس کو وہاں سے اٹھانا درست نہیں، اور زیادہ جگہ اگر روکے گا تو اس کو دوسرا لیوے گا، کہ حصر اس کا اس کو جائز نہیں، کہ وہ حق دوسرے حاضر کا ہے۔ لقوله عليه الصلوٰة والسلام:

لايقيمن أحدكم أخاه يوم الجمعة ثم يخالف إلىٰ مقعده فيقعدفيه، ولكن يقول تفسّحوا، افسحوا. مشكوة جلد: اول ص: ۱۲۲) متفق عليه. (۱)

پس اول حدیث سے استحقاق سابق کا اور اس کو اٹھانے کی حرمت ثابت ہوئی، فرمادی [کذا] اور آخری حدیث سے زیادہ جگہ لینے کی ممانعت اور زائد دوسرے حاضر کو لے لینا حکم فرمادیا، کیونکہ اگر زائد کا کوئی مستحق ہوتا تو تفسحوا کہہ کر، کس طرح اس سے جگہ اپنی نکال سکتا، کہ وہ پہلے سے آیا ہوا تھا، پس ظاہر ہو گیا کہ اگر زائد کہیں [جگہ] نہو تو اس کو حاضر لے لیوے، کہ حاضر اس کا مستحق ہے۔

علیٰ ہذا جب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے، آپ کے واسطے منیٰ میں بناء مکان کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ: لا! منى مناخ من سبق. (۲) یعنی منیٰ میں میرے واسطے مکان مت بناؤ، کہ منی فرودگاہ سابق کا ہے، اور درصورت بناء مکان کے تخصیص بانی کی ہو جاتی ہے، اور قبل از رسیدن حصر محل کا بانی کے لئے ہو جاتا ہے، اور منیٰ اس حکم مساوات تصرف عامہ میں مثل مسجد کے ہے، کما لایخفیٰ۔

پس ظاہر ہوا [کہ] کسی کو ایسے امکنہ میں پہلے سے جگہ کا روکنا، روا نہیں۔ پس جو شخص آتا جائے اپنی جگہ لیتا جاوے نہ یہ کہ اپنے اقارب کے واسطے جگہ خاص کر رکھے اور روکے، کہ یہ فعل ایک نوع ظلم ہے، کہ خود فخر عالم (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

---

(۱) مذکورہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں، جس میں "تفسحوا" کی جگہ "افسحوا" اور یخالف کی جگہ "لیخالف" ہے رواہ مسلم عن جابر رضي الله عنه، كتاب السلام باب تحريم اقامة الانسان من موضعه. ص: ۲۱۷ ج: ۲ كتاب السلام، باب تحريم أقامة الانسان من موضعه المباح الذى سبق إليه [مطبع مجتبائی دهلی] نیز باب مذكور. ص: ۱۰۴۱ / ج: ۲ رقم الحديث: ۲۱۷۸ ت: ابوقتیبہ نظر محمدفاریابی دارطیبہ ریاض ۲۰۰۶ء، ۱۴۲۷ ھ [نیز دیکھئے، مشكوة ابواب الجمعة باب التنظيف والتكبير ص: ۱۲۲ ج: ۱ [کتب خانہ رشیدیہ دہلی: ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء] نیز مشکوۃ ج: ۲ ص: ۵۵۷، رقم الحدیث: ۱۳۸۶۔ رمضان بن احمد بن آل عوف [مکتبۃ التوبہ ۱۴۲۳ھ]۔ مسلم کی دوسری روایت میں ہے "ولكن تفسحوا وتوسعوا" رقم الحديث: (۲۱۷۷) ص: ۱۰۴۰، ج: ۲ [ریاض] اصل میں متفق علیہ درج ہے۔ جو صحیح نہیں۔ (نور)

(۲) رواه الترمذى عن عائشة، كتاب الحج، باب ماجاء ان شى مناخ من سبق ص: ۱۷۷ ج: ۱ [رشيديه ديوبند] نیز باب مذكور ص: ۲۲۸ ج: ۳ رقم الحديث: ۸۸۱ ت: محمدفواد عبدالباقى [دار الكتب العلمية بيروت: ۱۹۵۸ء/۱۳۷۷ ھ] وابو داؤد، كتاب المناسک، ج: ۱، ص: ۲۷۶ [دار الاشاعت کلکتہ ۱۴۰۰ھ] نیز ابو داؤد ج: ۲، ص: ۵۳۰، رقم الحديث: ۲۰۱۹. تحقيق شيخ محمد عوّامه [دار القبلة للثقافة الاسلاميه، بيروت: ۱۴۲۵ھ]

نے اس کو، اپنی ذات خاص کے واسطے پسند نہیں کیا، پھر کسی کی کیا حقیقت ہے۔

دوسرے مسئلہ کا جواب یہ ہے، کہ یہ شخص اگر حاجت ضروری قریب کے واسطے گیا، جیسا وضو کرنا مثلاً تو لا ریب! یہ مستحق اس جگہ کا اول ہو چکا تھا، اب بھی وہ ہی احق ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال:

إذا قام الرجل من مجلسه ثم رجع إليه فهو أحق به، رواه أبو داؤد فی سننه (۱)

ترجمہ: جب کوئی شخص کسی مجلس سے [کسی ضرورت کی وجہ سے] باہر نکل جائے، پھر اسی مجلس میں واپس آجائے تو وہ اپنی [پرانی] جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔ (ت: نور)

البتہ اگر وہ جگہ کو حِس کر کے، اپنے دنیاوی کاروبار کو چلا آیا، تو وہ مستحق نہیں رہا، یہ مثل دیگر غیر حاضرین کے ہے۔ چنانچہ حدیث مٰنی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ پس بعد اس کے جاننا چاہئے کہ جب یہ امور منکرہ مساجد میں سرزد ہوتے ہیں، اگر متولی مسجد یا دیگر کوئی شخص جو قادر اس کے اوپر ہے، جان کر اس کا ازالہ نہ کرے گا، وہ بھی گنہگار ہوگا، اور ماخوذ ہوگا۔ بقولہ علیہ السلام:

مامن رجل يكون فی قوم يُعمَلُ فيهم بالمعاصی يقدرون علىٰ أن يغيروا عليه ولا يغيروا إلاّ أصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا. (رواہ ابوداؤد) (۲)

ترجمہ: اگر کوئی شخص کسی قوم میں (موجود) ہو اور کسی خاص گناہ (یا گناہوں) کا ارتکاب کرتا ہو، اور قوم اس کی صلاحیت رکھتی ہو کہ اس ماحول اور گناہ کے معاملہ کو وہ بدل ڈالیں، مگر (اپنی صلاحیت وطاقت کے باوجود) نہ بدلیں، تو اللہ کی جانب سے ان پر مرنے سے پہلے اس کی سزا مقرر کی جاتی ہے۔ (ت: نور)

پس ہر ہر قادر پر اصلاح اس کی اور ازالہ اس کا واجب ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۷ـ۲۳۸)

(۶۵۲) مسجد میں تھوکنے کے لئے برتن رکھنے کا حکم؟ اگر مسجد میں تلویث اور بدبو نہ ہو تو ظرف تھوک کا رکھنا درست ہے ورنہ مکروہ اور دلائل یاد نہیں، جو لکھوں۔

(مجموعہ کلاں ث ص ۱۳۴)

---

(۱) ابوداؤد عن ابی هريرة، كتاب الادب باب من قام من مجلسه ص: ۶۶۲، ج: ۲ [دار الاشاعت کلکتہ: ۱۴۰۰ھ]. نیز ابوداؤد کتاب الأدب باب من قام من مجلسه ثم رجع ص: ۲۹۴، رقم الحدیث ۴۸۱۸، ج: ۵ ت: شیخ محمد عوامہ [مکتبہ الریان: بیروت ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۷ء]

(۲) رواه ابو داؤد عن جرير بن عبد الله، كتاب الملاحم، باب فی الامر والنهی ص: ۵۷/ ج: ۵ ت: شیخ عوامہ [مکتبۃ الریان، بیروت ۲۰۰۴، ۱۴۲۵ھ] وابن ماجه بمعناه. نیز ابوداؤد باب مذکور ج: ۲، ص: ۵۹۶ [دار الاشاعت کلکتہ: ۱۴۰۰ھ] نیز مشکوۃ: کتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف الفصل الثانی ص: ۴۳۷، ج: ۳ [کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، نقل اصح المطابع ۱۳۷۵ھ] مشکوۃ کے نسخہ جدیدہ (بیروت) میں یہ روایت موجود نہیں۔

(٦٥٣) مسجد میں تھوکنے، ناک صاف کرنے کا حکم؟ **سوال:** حدیث میں جو آیا ہے کہ سخت گناہ ہے یہ کہ، مسجد میں تھوکے اور اس کا بدلہ یہ ہے کہ صاف کرے، آیا یہ حکم تھوک کا ہے یا بلغم کا، یا دونوں کا، اور تھوک اور بلغم پاک ہیں یا ناپاک، اور اگر پاک ہیں، تو گناہ کیوں ہوا؟

جواب: تھوک بلغم اور رینٹ سب پاک ہیں، گھن کی شے کا یہ حکم ہے، گناہ گھن کے سبب سے ہے۔ (بدست خاص سوال ٨٠)

(٦٥٤) مسجد کی دیوار سے جوتا صاف کرنا؟ **سوال:** مسجد کے فرش کی دیوار سے یا مسجد کی دیوار سے جوتا جھاڑنا، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مسجد کی دیوار کا باہر سے بھی ادب رکھنا چاہئے، اس پر جوتا پونچھنا جھاڑنا نہیں چاہئے۔ (بدست خاص سوال ٨٧)

(٦٥٥) مسجد کی دیوار یا فرش کے ڈھیلے سے استنجا؟ **سوال:** مسجد کی دیوار یا فرش میں کا ڈھیلہ ہے، تو اس سے استنجاء کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ہرگز درست نہیں، کہ اس کا ادب ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ١٣٢)

(٦٥٦) مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا کیسا ہے؟ **مسئلہ:** چارپائی مسجد میں بچھا کر سونا درست ہے، بلا کراہت۔ (مجموعہ کلاں ص ١٣٢)

(٦٥٧) مسجد میں وضو کرنے کا حکم؟ **سوال:** اندر مسجد کے بارش وغیرہ میں وضو کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مسجد میں وضو کرنا درست نہیں، بے ادبی اور گھناوٹ کی بات ہے۔ (بدست خاص، سوال ٨١)

(٦٥٨) کھوئی ہوئی چیز کے، مسجد میں تلاش کرنے اور اس کے اعلان کی حدود؟ **سوال:** جو چیز مسجد میں کھوئی جاوے، تو اس کا ڈھونڈنا مسجد میں کیسا ہے؟

جواب: تلاش کرنا مفقود شے کا درست ہے، مگر مسجد میں چیخ چیخ کر پوچھنا منع ہے۔ ہاں! مسجد کے باہر کھڑا ہو کر پکار کے پوچھے تو درست ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ٣٦)

(٦٥٩) پیاز لہسن کچا کھا کر مسجد میں جانا؟ **سوال:** پیاز لہسن، خام کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: لہسن پیاز خام (کھانا) درست ہے، مگر مسجد میں بوئے دہن سے جانا حرام ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ٩٢)

(٦٦٠) ایسی جگہ حقہ پینا جس سے دھواں مسجد میں آئے؟ **سوال:** مسجد کے فرش سے جو فرش دوسرا، ملا ہوا حجرہ کے آگے کا ہوتا ہے، اس پر بیٹھ کر حقہ پینا کیسا ہے؟

جواب: مسجد میں دھواں نہ آوے، تو درست ہے اور جو آوے تو حرام۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ٢٧)

گیارہواں باب

کتاب الحظر والاباحۃ

۱

حلال وحرام یا پاک اور ناپاک چیزوں کا بیان

(۲۶۱) ناک اور منہ کی رطوبت (سنک اور بلغم) کا حکم؟ **سوال:** ناک یا منہ کی رطوبت رقیق یا غلیظ، یعنی سنک وبلغم پاک ہے، یا ناپاک ہے؟

جواب: دونوں رطوبت بچہ وجوان کی پاک ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۱۲)

(۲۶۲) سیہہ کے بدن کے تکلوں کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** سیہہ (۱) ایک جانور ہے، اس کے بدن پر تکلے سے ہوتے ہیں، وہ تکلے جب اس کے بدن سے جدا ہوگئے، پاک ہیں، یا ناپاک؟ بینوا توجروا۔

جواب: تکلے بدن سیہہ کے پاک ہیں، مگر تکلے کی جڑ میں جو سفید رطوبت ہوتی ہے، وہ ناپاک ہے، اس کو دفع کر کے استعمال کرے، تو درست ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۹۳)

(۲۶۳) سانپ کی کانچلی کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** سانپ کی کانچلی پاک ہے، یا ناپاک؟

جواب: پاک ہے۔ (بدست خاص، سوال ۹۴)

(۲۶۴) مرغی کے پروں پر لگی ہوئی رطوبت کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** مرغی کے پر یا آدمی کے بال کی جڑ میں جو قدرے رطوبت سفید لگی ہوئی ہوتی ہے، اگر مع اس رطوبت کے پر یا بال چاہ میں گر جاوے، تو وہ پانی پاک رہا، یا ناپاک؟

جواب: اگر زندہ کا پر ہو تو ناپاک ہو جائے گا اور ایسے ہی میتہ (۲) کا بھی اور اگر مذبوح (۳) ہو تو پاک ہے۔ ایسے ہی آدمی کے بال کے نیچے کی رطوبت نجس ہے۔ واللہ (تعالیٰ) اعلم (بدست خاص، ص ۳)

---

(۱) سیہہ (خارپشت) ایک پرندہ نما جانور ہے جو مرغی سے بڑا ہوتا ہے اور اس کے پورے بدن پر بڑے بڑے خوفناک زہریلے کانٹے ہوتے ہیں۔ (نور)
(۲) مردار۔ (۳) ذبح کیا ہوا۔ [نور اللہ]

(۶۶۵) مرغی بگلے وغیرہ پرندوں کی بیٹ کی ناپاکی کا حکم: **سوال:** پنجال مرغی کی اور بگلے کی پاک ہے یا ناپاک، اور اسی طرح اور حلال جانوروں کی، مثلاً مور کی یا چڑیا، یا کبوتر یا ڈھیڈ [کوے] کی پاک ہے، یا ناپاک؟

جواب: پنجال مرغی کی ناپاک ہے اور جس پرند حلال کی عادت پنجال ہوا میں کرنا ہے، وہ نجس نہیں، اور کبوتر اور کنجشک کی بھی نجس نہیں۔ (بدست خاص، سوال ۱۳۱)

(۶۶۶) چیل اور اُلو کے پر کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** اُلو اور چیل کا پَر پاک ہے، یا ناپاک؟

جواب: چیل اُلو حرام ہے، اگر ذبح تکبیر سے کرے تو پران کا پاک ہے، مگر کھانا حرام ہے۔(۱)

(بدست خاص، سوال ۹۵)

(۶۶۷) گھوڑے اور گدھے خچر کا پسینہ اور لعاب پاک یا ناپاک؟ **سوال:** گھوڑے کا اور گدھے خچر کا پسینہ اور لعاب دہن اور رطوبت بینی کی پاک ہے، یا ناپاک؟

جواب: گھوڑے کا لعاب اور سنک اور پسینہ پاک ہے، اور خچر گھوڑے کے ولد کا بھی، اور گدھے کا پسینہ پاک اور لعاب مشکوک ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۰۵)

(۶۶۸) حرام چیزوں کو دوا میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ **سوال:** حرام شے دواء استعمال کرنا، مثلاً شیر مادہ خر یا شراب یا بھنگ خواہ طلاء، یا شرباً، جائز ہے، یا نہیں؟ فقط

جواب: شراب کا استعمال مطلق حرام ہے، کھانا طلاء کرنا، اور شیر خر اور بھنگ کو طلاء میں استعمال کرنا درست ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، بلاعدد)

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(۶۶۹) جس نجاست خور بھینس کے دودھ میں گندگی کا اثر آجائے، اس کا پینا؟ **سوال:** جو گاؤ میش نجاست خور ہے اور اس کا دودھ نمکین ہوتا ہے تو وہ دودھ پاک ہے، یا ناپاک؟

جواب: جس نجاست خور جانور کے شیر میں مزہ نجاست کا آجاوے، وہ منع ہے، اس کو ہرگز نہ پیوے اور جو شیر میں مزہ نہ آوے، تو درست ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۱۰۹)

---

(۱) پرندہ کا پر پاک ہے کیونکہ اس میں حیات نہیں۔ البتہ اگر چیل، الو زندہ یا غیر مذبوح ہوں تو ان کی جڑ کی رطوبت ناپاک ہے۔ درمختار میں ہے: وکذا کل مالاتحل الحیاۃ ج:۱ ص:۳۸ [عکس مجتبائی ۱۳۳۳ھ] اور شامی میں ہے: وھو مالایتالم الحیوان بقطعہ کالریش الخ (۱/۱۵۱۔ باب المیاہ) مطلب فی احکام الدباغۃ [مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان ۱۳۹۹ھ | نیز شامی نسخہ قدیمہ ص:۱۳۸، ج:۱ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۷ھ | نیز شامی باب مذکور ج:۱ ص:۲۰۶ دار الفکر بیروت] [پالن پوری]

(۶۷۰) عورت کا دودھ دوا میں استعمال کرنا یا کان میں ڈالنا کیسا ہے: سوال: عورت کا دودھ دوا میں استعمال کرنا، یا کان میں ڈالنا جائز ہے، یانہیں؟

جواب: عورت کا شیر پاک ہے، مگر استعمال اس کا درست نہیں، نہ دوا میں، نہ غذا میں۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۱۰۸)

(۶۷۱) شوہر کیلئے بیوی کے پستان کا منھ میں لینا درست ہے، مگر اس کا دودھ پینا؟

سوال: زوج رانی وقت الجماع وغلبہ شہوت بغرض تلذذ، سر پستانہائے زوجہ خود در دہن خویش گرفتن، جائز است یانہ۔ واگر شیر زن در دہن زوج در آمدہ باشد در حالے کہ از حلق فرو رود یا نرود چہ حکم دارد؟ بینوا توجروا!

ترجمہ: شوہر کو ہمبستری اور شہوت کے غلبہ کے وقت، لذت کے لئے، اپنی بیوی کے پستان کو اپنے منھ میں لینا جائز ہے، یانہیں؟ اور اگر عورت کا دودھ شوہر کے منھ میں آ گیا ہو، اس حال میں کہ اس کے حلق میں اتر جائے، یانہ اترے (دونوں صورتوں میں) اس کا کیا حکم ہے۔؟

جواب: پستان را در دہن گرفتن جائز است مگر شیر فرو بردن در حلق حرام است۔ اگر بمکیدن پستان چیزے در دہن آید، آں را بیروں اندازد، واگر فرو برد اگرچہ عاصی شد مگر در نکاح خلل نمی آرد۔ کذا فی عامۃ کتب الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم

ترجمہ جواب: (اپنی بیوی کے) پستان کا منھ میں لینا جائز ہے، مگر اس کے دودھ کا حلق میں لے جانا حرام ہے۔ اگر پستان چوسنے سے کوئی چیز منھ میں آئے، اس کو باہر ڈال دے، اور اگر حلق میں چلا جائے، اس سے اگرچہ گنہگار ہوگا، مگر اس سے نکاح میں خلل نہیں آئے گا۔ فقہ کی عام کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [ت۔ نور]

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(بدست خاص، علیحدہ)

(۶۷۲) بعض حرام وحلال چیزوں، کھیلوں اور آداب کا تذکرہ: سوال: دوا کے واسطے شراب پینا اور کبوتر بازی وغیرہ اور لوگوں کے سنانے کو گلا گایا کرنا، اور چوسر اور شطرنج بغیر بازی باندھے کھیلنا، اور راہ چلتے میں کھانا اور راہ میں پیشاب کرنا اور ایسے کھیل جیسے لڑکی کھیلا کرتی ہیں، مثلاً لڑکیاں گڑیوں اور لڑکے برجو (۱) اور کھیل گیند وتوڑ ابڈی (۲) وغیرہ کھیلنا حرام ہیں، یا کیسا؟

---

(۱) بظاہر صحیح لفظ برجلا ہے۔ لڑکوں کا ایک کھیل، جس میں مستطیل زمین کے دو مربع حصے کرتے اور باری باری کوڑیاں پھینکتے ہیں اور جتنی کوڑیاں چت گریں وہ پھینکنے والے کو مل جاتی ہیں۔ اردو لغت۔ مرتبہ اردو لغت بورڈ۔ حکومت پاکستان ص: ۹۹۸/ جلد دوم (کراچی: ۱۹۷۸ء) [نور]

(۲) بڈی یعنی کبڈی، بچوں اور جوانوں کا ایک مشہور ومقبول کھیل۔ [نور]

جواب: شراب دواءً بھی کھانا حرام ہے، مگر اگر شفا شراب میں حصر (منحصر) ہو جاوے، اور طبیب حاذِق مُسلِم عادل کہے، تو مباح ہے، ورنہ نہیں۔

کبوتر بازی اور چوسر وشطرنج واٹھارہ سینہ وغیرہ کھیل مطلقاً حرام ہیں، اگر بازی ہو تو قمار کی دوسری حرمت ہوتی ہے۔ اور راہ میں کھانا مباح ہے، اور راہ میں پیشاب، اگر ستر کھلے یا راہ چلنے والوں کو تکلیف ہو تو حرام ہے، ورنہ درست گڑیاں کھیلنی درست، کہ انتظام خانگی کا سلیقہ ہوتا ہے اور دیگر کھیل جس میں سپاہ گری آتی ہو، درست، بشرطیکہ حرج عبادات میں نہ ڈالے، باقی سب لعب حرام ہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص۲۲)

(۶۷۳) مرغی ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے جو انڈے نکلیں، ان کا حکم؟ **سوال:** مرغی کے ذبح کرنے کے بعد، جو بیضہ سخت یا نرم اُس کے شکم میں سے نکلیں، اُن کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص۲۶)

(۶۷۴) ذبح شدہ مرغی کے پیٹ سے کچے انڈے نکلے، ان کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** مرغی ذبح کی اور اس کے پیٹ سے چھوٹے چھوٹے بیضہ نرم ہیں، تو وہ کھانے جائز ہیں، یا نہیں؟

جواب: جائز ہیں، حلال ہیں کھالیوے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۱۶۴)

(۶۷۵) مری ہوئی مرغی کے پیٹ سے نکلے ہوئے انڈے کا حکم؟ **سوال:** مرغی مری ہوئی کے شکم میں کے نکلے ہوئے بیضہ کا، کیا حکم ہے؟

جواب: حلال ہے۔

(بدست خاص، ص۴۰)

(۶۷۶) ذبح کے بعد ذبیحہ کے پیٹ سے جو بچہ نکلے، اس کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** ذبیحہ کے شکم میں سے بعد ذبح، جو بچہ زندہ یا مردہ نکلے، اس کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مردہ کا کھانا درست نہیں اور زندہ کو اگر ذبح کرلیا تو درست ہے، بدون ذبح ناجائز۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص۲۶)

(۶۷۷) مچھلی کے پیٹ سے نکلی ہوئی مچھلی کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** مچھلی کے شکم میں کی نکلی ہوئی مچھلی، اعنی مچھلی کی نگلی مچھلی ہوئی کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص۲۶)

(۶۷۸) مچھلی اگر گرمی یا سردی سے مرجائے، تو کیا حکم ہے؟ **سوال:** مچھلیاں اگر گرمی یا سردی سے پانی میں مرجاویں، تو ان کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: حلال نہیں۔ (۱) (بدست خاص، ص ۳۸)

(۶۷۹) گرمی یا سردی سے مری ہوئی مچھلی کی، کس طرح تعیین ہو؟ **سوال:** لکھا ہے کہ جو مچھلی بدون آفت سردی و گرمی کے پانی میں مرجاوے، تو وہ حلال نہیں، تو یہ بات کس طرح معلوم ہو کہ گرمی یا سردی سے مری ہے، یا کیسے مری ہے؟

جواب: گرمی سردی تو ایسی شے نہیں جو معلوم نہ ہو، یہ تو ہر شخص کو معلوم ہوجاتا ہے کہ آج گرمی زیادہ ہے یا سردی۔ (بدست خاص، ص ۵۰)

(۶۸۰) طافی مچھلی کی پہچان کیا ہے؟ **سوال:** طافی مچھلی کونسی کہلاتی ہے، جس کا کھانا منع ہے؟

جواب: جو بلا کسی عذر کے مرکر اوپر آجاوے، وہ منع ہے۔ (بدست خاص، ص ۳۸)

(۶۸۱) مردہ بکری کے پستان کے دودھ کا حکم؟ **سوال:** بکری مردہ غیر ذبیحہ کے پستان میں کا دودھ حلال ہے، یا نہیں؟

جواب: حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۵۳)

(۶۸۲) اگر نامعلوم کبوتر اپنے کبوتروں میں آجائے، تو اس کے پکڑنے اور کھانے کا حکم؟ **سوال:** اگر کبوتر غیر معلوم جگہ کا، اپنے کبوتروں میں آجاوے، تو اسکو ذبح کر کے غنی کو کھالینا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اس کا کھانا فقیر و غنی دونوں کو درست نہیں، مگر بعد تعریف کے جب مالک کا پتہ نہ لگے، تو کسی فقیر کو دیدے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۴۶)

(۶۸۳) نامعلوم کبوتر سے اپنے کبوتر کی نسل پیدا ہوگئی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** اگر کبوتر جس کا مالک معلوم نہیں، اپنے کبوتروں میں آجاوے اور اس کا جوڑا کسی کبوتر مادہ سے مل جاوے اور اس کے بچے نکلیں، تو ان کبوتر بچوں کو ذبح کر کے غنی کو کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) حلال ہے سہو کتابت ہے۔ فی الخانية والأصل أن السمک متی مات بسبب حادث حلّ أكله، وإن مات حتف انفه لابسبب ظاهر، لايحل أكله عندنا لانه طاف. الفتاوىٰ الخانية علی هامش الفتاوى الهنديه ج: ۳ ص: ۳۵۷ [نورانی کتب خانه پشاور، پاکستان، بلاسنه] وفی الدرالمختار: ولايحل حيوان مائی الا السمک الذی مات بآفة. إلى أن قال. ومامات بحرّ الماء أو برده وبربطه فيه أو إلقاء شئ فموته بآفة (وهبانية الدرالمختار (۲/ ۲۲۹) کتاب الذبائح [عکس مجتبائی، ۱۳۳۳ھ] ان عبارات سے ظاہر ہے کہ گرمی یا سردی سے مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔ (نور)

جواب: جائز ہے اور حلال۔ (بدست خاص ص۳۰)

(۶۸۴) کانجی ہاؤس سے خریدے ہوئے جانوروں کا حکم؟ **سوال:** پھاٹک (۱) میں جو لاوارث جانور جاتے ہیں اور بعد پندرہ یوم کے نیلام ہو جاتے ہیں، تو بعد خرید نیلام کے، اگر اس کا مالک اول آجاوے اور معلوم ہو جاوے کہ یہ جانور فلانے کا ہے، تو مشتری نیلام کو اس کا رکھنا درست ہے، یا مالک اول کو ہی واپس کر دینا چاہئے؟

جواب: اپنی قیمت لے کر مالک پر واپس کرنا چاہئے، مگر جو وہ اجازت دیوے، تو رکھنا درست ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بدست خاص ص۳۳)

(۶۸۵) لاوارث بھینس کے پالنے اور اس کے دودھ کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** ایک غنی شخص نے ایک لاوارث بھینس کی کٹری پالی اور خود ہی اس کا مالک بن گیا، تو اس بھینس کا دودھ اس پالنے والے کو، یا اور شخص کو جو اس کو یا اس کے دودھ کو خرید کرے، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس کا دودھ پینا اور خریدنا درست ہے۔ (بدست خاص ص۶)

(۶۸۶) ہندو جو جانور اپنے دیوتاؤں کیلئے نامزد کر کے چھوڑ دیتے ہیں، اسکی تفصیل؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں: کہ اکثر ہنود گائے بیل وغیرہ، داغ دیکر کسی مردہ کے نام یا دیبی وغیرہ کے نام سے چھوڑتے ہیں، اور ان سے اور اولاد پیدا ہو کر، جنگل میں بکثرت ہو جاتی ہیں اور زراعت کا نقصان کرتی ہے، اور بعضے آدمی ان کو پکڑ کر کھا لیتے ہیں۔ از روئے شرع شریف کے حلال ہے، یا حرام؟

دیگر بعض آدمی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ، پلی ہوئی گاؤ میش یا گاؤ کے بچہ پیدا ہوتے ہیں، یہ بھی انہیں سانڈ کے چھوڑے ہوئے نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا!

جواب: ہنود جو جانور داغ دیکر بنام کسی کے چھوڑتے ہیں، تو وہ جانور ملک اس چھوڑنے والے سے نہیں نکلتا، اس کی ہی ملک میں رہتا ہے وہ نیت اس کی بیہودہ ہوتی ہے۔ ہاں! اگر اس نیت کے ساتھ اس جانور کو برہمن یا کسی کو دیکر مالک کر دے، تو نیت کا اثر ہوا اور حرام ہو گیا، پس جب تک کسی کو نہیں دیا، جیسا اب کرتے ہیں تو مالک اس کا وہی ہے۔ اب اس کو ذبح کر کے کھانے میں حرمت حق مالک کی ہے، مگر وہ حرمت جو نذر لغیر اللہ کی ہے، نہیں ہوئی۔ اگر مالک اجازت دیوے، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ غصب کا مال ہے، اور جو حاکم پکڑ کر کسی کو دیدے، جب درست ہے۔

اور اس سے جو اولاد ہوئی ہے، اس کا بھی یہ ہی حال ہے، کہ وہ ملک گائے والے کی ہیں، اس کا اذن ہو تو حلال ہے، ورنہ غصب کا مال ہووے گا، اور جو حاکم پکڑ کر دیدیوے، جب بھی حلال ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۱۲۷۔۱۲۸)

---

(۱) پھاٹک، باڑا، احاطہ مویشی خانہ۔ نور اللغات ص: ۴۷، جلد دوم (دہلی: ۱۹۹۸ء) جس کو عام طور پر کانجی ہاؤس (Kanji House) کہا جاتا ہے۔ (نور)

(۶۸۷) طوطا حلال ہے: سوال: طوطا جو جانور ہوتا ہے اور اس کو پالا کرتے ہیں، اس کا کھانا حلال ہے یا مکروہ، یا حرام؟

جواب: حلال ہے۔ (۱) (بدست خاص، ص ۴۷)

(۶۸۸) اوجھڑی انتڑی وغیرہ کھانے کا کیا حکم ہے؟ سوال: اوجھڑی اور انتڑی اور کلیتین (گردے) اور تلی حلال جانور کی کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: سب حلال وجائز ہیں، مگر گردہ کا کھانا اولیٰ نہیں، اگرچہ درست ہے۔ (۲) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (بدست خاص، سوال ۱۶۵)

(۶۸۹) کیا شوافع کے نزدیک مور کا کھانا جائز نہیں؟ سوال: طاؤس مذہب شافعی میں بھی حلال ہے یا نہیں، اور نہیں تو کس وجہ سے حلال نہیں؟

جواب: طاؤس حرام ہے عند الشوافع بعض کتب میں لکھا ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۴۰)

(۶۹۰) شریر جانور کا زبردستی دودھ نکال لینا؟ سوال: گاؤ میش وغیرہ سے زبردستی کر کے دودھ لینا، اگر وہ دودھ [نہ دے رہی] ہو اور شوخی کرتی ہو، جائز ہے یا نہیں۔ مثلاً اس کی دُبر میں ہاتھ وغیرہ دے کر اور ڈرا کر۔

جواب: شوخ جانور سے زبردستی شیر لینا درست ہے، مگر فحش کی حرکت نہ کرے، تو اچھا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، سوال ۱۳۲)

(۶۹۱) جانوروں کے بچے کو اس کی ماں سے علیحدہ کرنا؟ سوال: گھوڑی یا اور جانور کا بچہ حالت شیر خوارگی میں، یعنی جب کہ وہ کچھ تھوڑا گھاس بھی چرنے لگے، یا نہ چرے، اس کی ماں سے علیحدہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کسی مصلحت کے واسطے، درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۴۷)

(۶۹۲) گھوڑے بیل وغیرہ کا خصی کرنا کیسا ہے؟ سوال: گھوڑے یا بیل کا خصی کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: خصی کرنا مصلحت کے واسطے درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۷۸)

(۶۹۳) خچر کیلئے گھوڑے گدھے کو ملانا کیسا ہے؟ سوال: گھوڑی پر گدھا ڈالنا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) کیونکہ طوطا پنجے سے شکار کرنے والا پرندہ نہیں، نہ مردار کھاتا ہے، اس لئے حلال ہے۔ (پالن پوری)

(۲) گردہ میں کبھی پتھری ہو جاتی ہے، اس لئے شاید حضرت نے طبی نقطۂ نظر سے اس کے کھانے کو غیر اولیٰ قرار دیا ہے، ورنہ حیوان کے جو سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں، ان میں گردہ شامل نہیں۔ (پالن پوری)

جواب: خچر لینا درست ہے، بکراہت تنزیہیہ۔ (بدست خاص، سوال ۹۰)

(۶۹۴) گائے بھینس دودھ نکالتے وقت، اگر اس میں اپنی دم ڈالدے تو، کیا حکم ہے؟

سوال: گائے اور بھینس دودھ نکالتے وقت، جو دم کو دودھ میں ڈال دیتی ہے، تو وہ دودھ پاک رہتا ہے، یا نہیں؟

جواب: (اوپر کا جواب ہی اس کا جواب ہے) اس سے پہلے فتوی کے سوال میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

"پاک رہتی ہے، کیوں کہ جب دُم سے اثر نجاست کا جاتا رہا، پاک ہوگئی البتہ اگر دُم پر نجاست لگی ہو تو اس حالت میں پارچہ نجس ہوجاوے گا۔"

لہٰذا یہی حکم دودھ میں دم ڈالدینے کا ہے، اگر دُم صاف ہے تو دودھ پاک ہے، لیکن اگر دُم پر نجاست لگی ہوئی ہو تو دودھ میں دُم ڈالدینے سے دودھ ناپاک ہوجائے گا۔ (نور)

(۶۹۵) کچا لہسن پیاز کھانا صحیح ہے مگر اس کو کھا کر مسجد میں جانا؟

سوال: پیاز و لہسن خام کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: لہسن پیاز خام درست ہے، مگر مسجد میں بوئے دہن سے جانا حرام ہے۔ (بدست خاص، سوال ۹۲)

(۶۹۶) ناپاک لوگوں کے ہاتھ کا بنا ہوا گڑ وغیرہ استعمال کرنے کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ گاؤں وغیرہ میں جو راب پکتی ہے اور گڑ وغیرہ بنتا ہے، تو اس میں کام کرنے والے چمار وغیرہ ناپاک ترین ہوتے ہیں، مٹکے میں راب یہی قوم بھرتی ہے اور گڑ کی بھیلی بناتی ہیں، غرض یہ ہے کہ ان کے ہاتھ خوب طرح ڈوبتے ہیں، پس راب و گڑ وغیرہ کھانا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اس راب و گڑ وغیرہ کا کھانا درست ہے شرعاً۔ اس کی دلیل شرع سے کہ اگر ان کے ہاتھ نجاست میں ڈوبے ہوں، اور وہ کڑاہی یا مٹکے وغیرہ [میں] ہاتھ ڈالیں، تو اب یہ ہاتھ اس کڑاہی یا مٹکے میں پڑنے سے پاک ہوگئے۔ اب جس شے میں ہاتھ ڈالیں نجس نہ ہوگی، رہا وہ مٹکے وغیرہ جس میں نجس ہاتھ ڈالا تھا، وہ ناپاک ہے، لیکن چونکہ معلوم نہیں اور تمیز نہیں کہ وہ کون مٹکی ہے، تو اب تمام مٹکیاں کھانی حلال و درست ہوگئیں۔ ہاں لا ریب! جس کو معلوم ہو کہ یہ وہی مٹکی ہے، تو اس کو اس کی راب و گڑ درست نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۱۳۵)

(۶۹۷) حرام آمدنی والے کے ہاتھ اپنا سامان بیچنا؟

سوال: تاجر کو رنڈی ڈوم وغیرہ کو یعنی جس کی روزی حرام کی ہے، کوئی چیز فروخت کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اس مال سے حج و زکوۃ و قربانی و صدقہ و نذر نیاز کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: تاجر کو حرام مال والے کے ہاتھ فروخت کرنا حرام، اس کا مال حرام ہوتا ہے، ایسے مال سے حج نہ کرے، سب کو صدقہ کر دینا واجب ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

احقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فیوض رشیدیہ، طبع اول ص ۳۵)

تصدیق جواب بالا: فائدہ واضح کہ یہ صدقہ متقی پرہیز گاروں کو نہ دے، ایسے شخصوں کو جو بالکل محتاج و تنگدست ہوں مثل کوڑھی و نابینا وغیرہ کو دیدے، یا مسافر کو ٹکٹ ریل یا سواری وغیرہ دلوا دے، بے نمازوں کو رضائی وغیرہ بنوا دے، عالم و طلباء کی خدمت نہ کرے۔ فقط عبد الکریم واعظ سڑک (کیرانوی)

(۶۹۸) ناجائز آمدنی والے کے یہاں کھانے سے نہایت احتیاط؟ سوال: اکثر اہل کار سرکاری رشوت لیتے ہیں، بلکہ بعض اہل کار، مثلاً چوکیدار نمبر، یا ملازمان پولیس کی تو رشوت، تنخواہ سے بدرجہا زیادہ آتی ہے، اور علاوہ ازیں دیگر اہل حرفہ بھی اکثر حرام و حلال کی احتیاط نہیں رکھتے ہیں، اور قوت حلال بہت کم بلکہ مفقود ہے، اور ان کے یہاں کے کھانے سے بچنا نہیں ہو سکتا، پان یا الائچی و تمباکو وغیرہ تو ضرور [ہی] ہی لیا دیا جاتا ہے، تو اس صورت میں کیا کرے؟

جواب: احتیاط ضرور چاہئے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۵۲)

(۶۹۹) حرام مال میں ملی ہوئی حلال آمدنی سے بھی پرہیز؟ سوال: ایک شخص کے پاس کچھ آمدنی حرام طور سے ہے، مثلاً سود وغیرہ کی، اور حلال طور کی بھی ہے، مثلاً کھیتی وغیرہ کی، تو ایسے شخص کے گھر کا کھانا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: حرام حلال سے ملا ہوا مال حرام ہوتا ہے، اس کو نہ کھاوے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۳۰)

(۷۰۰) ناپاک شیرے یا تیل کی فروخت کا حکم؟ سوال: شیرہ میں یا تیل وغیرہ میں چوہا گر کر مر گیا، یا اور کوئی چیز ناپاک گر پڑی، تو اس سے اور پاک چیز کا بدلنا، یا اس کو فروخت کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر منجمد ہے، اس کو اس جگہ سے نکال کر پھینک دے، باقی پاک ہے، اور نجس شے دوسرے کو دینا نہیں چاہئے، کہ وہ اس کو استعمال کرے گا۔ البتہ جس کے مذہب میں وہ ناپاک نہیں، جیسا بھنگی اس کو اطلاع کر کے دیوے، اور جو اندیشہ ہو کہ وہ دوسرے مسلمان کو دھوکا دے گا، تو نہ دے۔ (بدست خاص، سوال ۳۵)

(۷۰۱) جند بیدا ستر کے دوا میں استعمال کا حکم؟ سوال: جند بیدا ستر (۱) بقول اطباء خصیہ حیوان بحری ہیں، اس کا استعمال اور بغیر ذبح و تسمیہ کے قطع کئے جانے سے طاہر ہے، یا نہیں؟

---

(۱) جند بیدا ستر: ایک معروف دوا ہے جس کا یونانی طب میں کئی امراض، خصوصاً مردانہ امراض میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ (نور)

جواب: استعمال اس کا جائز ہے اور وہ پاک ہے، اگر چہ وہ غیر ماہی ہے مگر دیگر ائمہ کے نزدیک جائز ہے، ضرورۃ احناف کے نزدیک بھی جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد،ص ۵۱)

(۷۰۲) دواؤں میں نشے والی چیزوں کا استعمال: سوال: اگر کسی مرکب دوا میں بھنگ یا افیون پڑی ہوئی ہو تو، اس کا کھانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: نشہ کے قدر سے کم درست ہے، فقط (بدست خاص،ص ۴۰)

(۷۰۳) جوہر شراب بھی حرام ہے؟ مسئلہ: جوہر شراب میں حرمت ونجاست شراب کی باقی ہے، کہ سمیت اعلیٰ درجہ کا سکر کا ہے، اس کا استعمال [حرام] ہے۔ فقط (۱) واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد،ص ۵۶)

(۷۰۴) شراب کے ناپاک ہونے کی وجہ؟ سوال: شراب اگر نشہ کی باعث سے ناپاک ہے تو افیون اور بھنگ کیوں ناپاک نہیں، اور اگر سڑ جانے کے سبب سے ناپاک ہے، تو پانی جو بلا آمیزش کسی ناپاک چیز کے سڑ جاوے وہ بھی ناپاک ہونا چاہئے۔ غرض موجب نجاست کا تحریر فرماویں اور اس کی وجہ بھی تحریر فرمادیں کہ جب شراب میں نمک ملادیں، تو وہ سرکہ بن جاتا ہے، کیوں ناپاک نہیں رہتا، کہ دراصل تو وہ ہی شراب ناپاک تھی؟

جواب: شراب بحکم حق تعالیٰ نجس ہوئی، جیسا کہ پانی اس کے حکم سے پاک ہوا، کہ شراب کو قرآن میں رِجس فرمایا ہے۔

جواب تو ہو چکا۔ اب سنو! کہ ایسی حجت اگر آپ کریں گے، تو کوئی شے پاک وناپاک نہ رہے گی، مثلاً پوچھو گے کہ پیشاب کیوں نجس ہے، اگر پتلا ہونے کے سبب تو پانی اور شیر بھی چاہئے نجس ہو، اور جو آدمی کے اندر سے نکلنے کے سبب، تو تھوک بھی چاہئے ناپاک ہو۔ علیٰ ہذا! اگر تمہارا یہ ہی قیاس ہے تو اس کا سلسلہ بے نہایت ہے، پس آپ کو ایسے شبہات نہ کرنے چاہئیں، کیا ہم اور تم اور کیا ہماری قیاس اور سمجھ جو احکام میں حجت نکالیں۔

اور سرکہ شراب کا اس واسطے ناپاک نہیں، کہ اس کی حقیقت بدل گئی، دیکھو منی اور علقہ نجس تھا، آدمی [بن کر] پاک ہو گیا کہ حقیقت بدل گئی۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص،ص ۳۴)

(۷۰۵) حقہ پینے کا کیا حکم ہے؟ سوال: حقہ پینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: حقہ مکروہ ہے، بکراہت تنزیہی۔ (بدست خاص، سوال ۹۱)

---

(۱) یہ جواب اصل نسخہ میں اسی طرح ہے، اعلیٰ درجہ کے سکر کی صراحت سے پہلے، جو ایک لفظ ہے وہ واضح نہیں ہے۔ (نور)

(۷۰۶) تمباکو اور چونے کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** تمباکو کا استعمال کھانے پینے میں سونگھنے میں کیسا ہے، چونا کھانا جیسا کہ پان میں کھایا جاتا ہے، جائز ہے، یا نہیں؟ اگر اس کو مٹی پر قیاس کرکے منع کیا جائے تو یہ قیاس ٹھیک نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ مٹی کی ممانعت کی وجہ بہت ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ غالباً وہ مضرت پہنچاتی ہے، چونا ایسا مضرت نہیں پہنچاتا، اگر کچھ کرتا ہے، اس کا جبر نقصان کتھا اور چھالیہ سے ہوجاتا ہے اور اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

جواب: تمباکو کی کراہت بہ سبب اس کی بو کے ہے، جس قدر بو اس کی زائد ہوگی کراہت زائد ہوگی، اور جن لوگوں نے اسے حرام کہا ہے اسے مُسکر قرار دیتے ہیں اور بندہ کے نزدیک اس میں سکر نہیں، لہٰذا حرام نہیں۔ البتہ بوجہ اپنی بو کے مکروہ ہے اور جتنی بو ہوگی اتنی کراہت ہوگی۔ چونا پان کے ساتھ کھانا جائز ہے، کیونکہ یہ اس کا مصلح ہے، مٹی کی حرمت بوجہ اس کی مضرت کے ہے اور یہ مُضر نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ رام پور ص:۱۳)

(۷۰۷) محکمہ نہر کی ملازمت اور آب پاشی کی قیمت جائز ہے: **سوال:** ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ محکمۂ نہر کی نوکری ناجائز ہے، کیونکہ تنخواہ زرِ آب پاشی سے ملتی ہے اور زرِ آب پاشی، جس صورت میں کہ اسی زمین کا محصول بنام زر مال اور حاکمِ سرکار کے، لے چکی ہے تو دوبارہ، اس زمین کا محصول بنام آب پاشی لینا ناجائز ہے، تو اس محکمہ کی نوکری بھی ناجائز ہے، یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: نہر کی نوکری جائز ہے، اور زرِ آب پاشی جو لیتے ہیں، وہ ظلم نہیں بلکہ پانی کی قیمت ہے، وہ ان کا مملوک ہے۔ واللہ (تعالیٰ) اعلم

(بدست خاص، ص ۵)

(۷۰۸) مقدموں میں وکیل کرنا، کب مناسب ہے؟ **سوال:** لکھا ہے کہ وکیل کرنا اپنے جواب وسوال کے واسطے حقوق میں، طرف ثانی کی رضامندی سے درست ہے، تو طرفِ ثانی سے کون مُراد ہے، وکیل یا جس سے جھگڑا ہے۔

جواب: طرف ثانی مدعی [کا] مدعی علیہ ہوگا، مگر یہ مسائل یہاں کے نہیں۔ (۱) فقط

(بدست خاص، ص ۳۶)

---

(۱) فقہ میں وکیل کے دو معنی ہیں: اول: من فوض إليه التصرف، وہ شخص جسے کسی کام کا اختیار دیا گیا ہو، یعنی تصرفات میں دوسرے کے قائم مقام کیا گیا ہو۔ دوم: وہ شخص جسے قاضی مدعی علیہ کا نائب مقرر کرے، کیونکہ وہ کورٹ میں حاضر نہیں ہوسکتا، مثلاً حج میں گیا ہے اور اس کے خلاف کوئی مقدمہ ہے اور غائب پر کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا، پس ایسی صورت میں قاضی اس غائب کی طرف سے نائب مقرر کرے گا، جو مقدمہ کی سماعت کے وقت کورٹ میں حاضر رہے گا، اور جو فیصلہ ہوگا اس کو سنے گا، اور ہمارے ملک میں وکیل وہ شخص ہوتا ہے، جو مدعی اور مدعی علیہ کی طرف سے مقدمہ لڑتا ہے اور اصیل بھی کورٹ میں حاضر رہتا ہے، سائل نے اس وکیل کے بارے میں پوچھا ہے، حضرت نے فرمایا کہ: فقہ کا مذکورہ مسئلہ اس وکیل کے بارے میں نہیں ہے، کہ وکیل مقرر کرنے میں طرف ثانی کی رضامندی ضروری نہیں۔ (پالن پوری)

(۷۰۹) نمائش میں سامان رکھنا جائز ہے، اور اگر کسی چیز پر انعام ملے، تو اس کا حقدار اس چیز کا بنانے والا ہے:

سوال: ایک شخص نے بلا تعیین وتقرر حصہ کے، ایک چوتھی (۱) کسی شخص سے لے کر، میلہ نمائش میں بغرض انعام رکھدی، اس پر کسی قدر انعام ہوا، بقدر انعام کے مالکِ چوتھی، حصہ چاہتا ہے، اس کو حصہ دینا چاہئے، یا نہیں؟ اشیا نمائش کا ایسی جگہ رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا!

جواب: انعام نمائش گاہ، کا بنانے والے کے واسطے ہوتا ہے، سو یہ انعام نہ حق مالک چوتھی کا ہے، نہ رکھنے والے کا، (۲) فقط۔ اور نمائش گاہ میں اسباب رکھنا درست ہے، مگر وہاں جو کوئی معصیت ہوتی ہو تو شرکت اس کی درست نہیں۔

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۳-۲۳۲)

(۷۱۰) مشرکانہ اور غیر اسلامی کتابیں بیچنا کیسا ہے؟

سوال: تاجر کو بیچنا کتب دین مشرکین کا جن میں رغبت ہے عبادت غیر اللہ کی اور تعریف اس دین کی، اور قصہ سانگ ہولی دیوالی اور ان کے اوتاروں کے اور پوتھیاں شاستر کی جائز ہیں، یا نہیں؟ اور ان کتابوں کا جو بدعتیوں کی تصنیف ہیں، جن میں بدعت کی ترغیب ہے، مثل عرس مزامیر وغیرہ اور کتب رافضیوں کی، جن میں ان کے مذہب کی خوبیاں اور اکابر دین کی برائیاں ہوں، اور کتب نجوم ورمل وفال وشگون اور بیچنا کتب غزلیات دیوان وغیرہ، مانند قلق، ضامن، ظفر، مؤمن، اور ان کتابوں کا جن میں تصویریں ہوں، یعنی مثنوی میر حسن، وقصہ سپاہی زادہ جائز ہے، یا نہیں؟ فقط

اگر یہ منع ہیں تو کس درجہ کی ممانعت ہے، حرام ہے، یا مکروہ تحریمی، یا تنزیہی وغیرہ، مع حوالہ کتب تحریر فرماویں۔

جواب: کتب مشرکین کے مذہب کی اور حرام امور کی اور اہل بدعت کی بدعات رواج دینے کی کتب، اور شیعہ مذہب کی کتب اور نجوم فال کی کتب کا بیع کرنا حرام ہے، کہ اعانت حرام کام کی ہے اور اعانت حرام کی حرام ہے، اور قصہ کہانی کی کتب اور اشعار کے دیوان مکروہ ہیں، کہ حرام کام کی اس میں اعانت نہیں ہے، مگر عبث وقت ضائع کرنا اور لہو کے امور ہیں اور تصویر کی بیع بھی حرام ہے، ہدایہ میں لکھا ہے:

أن سبب الحرام حرام (۳) جو سبب حرام کا ہوتا ہے، وہ بھی حرام ہوتا ہے۔

فقط، واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فیض رشیدیہ طبع اول ص ۲۲،۲۳)

---

(۱) چوتھی، ایک قسم کا سوتی بستر، جس کو چار تہہ کرکے بچھاتے ہیں۔ نور اللغات ص: ۵۰۸۔ جلد دوم۔ (نور)

(۲) یہ مسئلہ عرف کے تابع ہے، اب عرف بدل گیا ہے، فرم کا مالک چیزیں بنواتا ہے، اور یہی نمائش میں بھی رکھتا ہے، بس وہی انعام کا بھی حقدار ہوگا۔ (پالن پوری)

(۳) ہدایہ۔ کتاب الکراہیۃ، فصل فی الاستبراء وغیرہ ص ۶۶-۳ جلد چہارم۔ مکتبہ تھانوی، دیوبند

(۷۱۱) مدرس کو ہندو مسلمان شاگردوں سے عیدی لینا؟ **سوال:** معلم کو متعلم مسلمان یا ہنود سے عیدی یا آغازی، بطور نقد یا جنس لینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: عیدی اور آغازی معمولی وعرفی لینا سب سے درست ہے، مگر ہنود کے تہوار میں ایسے مضامین لکھ کر دینا، جن سے کفار کے تہوار کی تعریف ہو، حرام ہے۔ فقط

(مجموعہ رام پور، ص ۷)

(۷۱۲) فقیر کے مانگے ہوئے پیسے اور سامان کا خریدنا تبادلہ کرنا کیسا ہے؟ **سوال:** فقیر لوگ جو غلہ مانگ کر جمع کر لیتے ہیں یا کپڑا، تو آن آج کل کے فقیروں سے وہ غلہ یا کپڑا جو مانگا ہوا ہے، کسی کو خرید کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس کا خریدنا درست نہیں ہے۔ (۱) واللہ اعلم۔

(بدست خاص، ص ۸)

(۱) چونکہ آج کل کے پیشہ ور فقیر اکثر مالدار ہوتے ہیں، جن کو زکوۃ صدقات دینا جائز نہیں۔ پس وہ اس بھیک کے حقدار نہ ہونے کی وجہ سے مالک نہیں ہوتے، اس لئے ان سے اس غلہ وغیرہ کا خریدنا درست نہیں، لیکن اگر کسی کے بارے میں بالتحقیق معلوم ہو کہ وہ غریب ہے، تو اس سے خریدنا درست ہے، مگر وہ بھیک کا سامان کیوں بیچے گا! بیچنے والے تو یہ دولت مند بھکاری ہوتے ہیں۔ (پالن پوری)

کتاب الحظر والاباحۃ

۲

(مردوں اور عورتوں کے بعض مسائل)

(۷۱۳) ڈاڑھی کی کیا مقدار ضروری ہے؟ **سوال:** داڑھی بقدر ایک مشت دو انگشت رکھنی جو مشہور ہے، صحیح ہے، یا غیر صحیح؟

جواب: ریش یک مشت سنت ہے، دو انگشت زیادہ جو مشہور ہے، غلط ہے۔ ایک مشت سے کم کاٹنا منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۲۳۴)

(۷۱۴) ریش بچہ کے منڈوانے کا حکم؟ **سوال:** زیر لب زیریں ہر دو جانب ریش بچہ کے، بال منڈوانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: بچہ ریش کا منڈوانا درست نہیں (۱)

(بدست خاص، سوال ۷۳)

(۷۱۵) کان کے پاس بڑھے ہوئے ڈاڑھی کے بال تراشنے کا حکم: **سوال:** متصل کان کے جو بال ریش کے بڑھ جاتے ہیں، اُن کو کتروانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، سوال ۷۲)

(۷۱۶) بال کٹوانا خط بنوانا کس دن افضل ہے؟ **سوال:** حجامت بنوانا بروز جمعرات یا بروز جمعہ، قبل از نماز جمعہ، یا بعد نماز جمعہ افضل ہے؟

جواب: سب جائز ہے، اس کی کوئی روایت صحیح افضلیت کی نہیں، مگر جمعہ کو صفائی قبل نماز اولیٰ ہے، لہٰذا افضل ہونا چاہئے۔

(بدست خاص، سوال ۶۰)

---

(۱) ریش بچہ کو عربی میں عنفقہ کہتے ہیں جو ڈاڑھی ہی کے حکم میں ہے، مگر سائل نے فنیکین کے بارے میں پوچھا ہے، یعنی ریش بچہ کے اِدھر اُدھر کے بالوں کے بارے میں پوچھا ہے مگر یہ ڈاڑھی کے حکم میں نہیں، ان کا کاٹنا مونڈنا درست ہے۔ (پالن پوری)

(۷۱۷) مونچھوں کے تراشنے کی مقدار کیا ہے؟

سوال: اندازہ گرفتن موئے لب ازعرض وطول بیان فرمائیہ، پس اگر از حد کم یا بیش کند، چہ گناہ است؟

ترجمہ: مونچھ کاٹنے کی لمبائی چوڑائی بیان فرمایئے، پس اگر اس حد سے کم یا زیادہ کرے، تو کیا گناہ ہے۔

جواب: موئے کہ برلب (بالا) باشد آں را شارب گویند، پس ہر قدر موکہ بردہن ولب بالا باشد آں را بگیر وقدر آں کہ کنارہ لب ظاہر گردد، اگر کم ازیں خواہد گرفت، بوجہ مشابہت مجوس وہنود گناہ کبیرہ خواہد گشت:

ترجمہ: وہ بال جو ہونٹ کے اوپر ہوں، ان کو مونچھ کہتے ہیں، پس جس قدر کہ بال منھ اور اوپر کے ہونٹ کے اوپر ہوں، ان کو کاٹ دے، اس قدر کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہوجائے، اگر اس سے کم کاٹے گا، تو مجوسیوں اور یہودیوں کی مشابہت کی وجہ سے گناہ کبیرہ ہوگا۔ (حدیث شریف) میں ہے:

أحفوا الشوارب خالفوا المجوس. الحديث فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

مونچھوں کو گھٹاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم [ت: نور] (مجموعہ کلاں ص ۱۷۷، ۱۷۸)

(۷۱۸) گلے کے بال منڈوانے کی حد اور وضو میں ڈاڑھی کی حد؟

سوال: گلے پر سے بال منڈانے میں یا وضو میں بال ڈاڑھی کے دھونے میں، ڈاڑھی کہاں تک سمجھی جاتی ہے، یعنی گلے کے بال منڈانا یا وضوء میں نہ دھونا، کیسا ہے؟

جواب: گلے کے بال داخل ڈاڑھی میں نہیں، اس لئے ان کا منڈانا جائز اور وضو میں دھونا ضروری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، سوال ۱)

(۷۱۹) سر کے کچھ بال منڈوانے اور کچھ بال رکھنے کا حکم؟

سوال: سر کے بال کچھ منڈانے اور کچھ رکھنے، مثلاً سر کے بیچ میں سے، یا گرد سے جائز ہیں، یا حرام؟

جواب: سر کے بال کچھ رکھنے اور کچھ منڈانے ناجائز ہیں، یا سب بال رکھے یا سب منڈا دیوے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بدست خاص، ص ۶)

(۷۲۰) ابرو اور پلک کے بال کاٹنے کا حکم؟

سوال: بال ابرو کے و پلک کے اور گدی کے اور حلق کے مونڈنا اور منھ کا رُواں نوچنا اور سینہ و پنڈلی وغیرہ کے بال صاف کرنا، کیسا ہے؟

---

(۱) رواه مسلم عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال أحفوا الشوارب واعفوا اللحى. ص ۱۲۹ ج ۱. كتاب الطهارة باب خصال الفطرة [مجتبائي دهلي: ۱۳۱۹ھ] نيز: مسلم كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة ص: ۱۳۴ جلد اول رقم الحديث: ۲۵۹ ت: ابوقتيبه نظر محمد الفاريابي [دار طيبه، رياض ۲۰۰۶ء، ۱۴۲۷ھ] (نور)

جواب: زائد کا کاٹنا درست ہے۔ فقط

(بدست خاص ص ۳۷)

(۷۲۱) موئے زیرناف کا صاف کرنے کا حکم؟

سوال: موئے زیرناف کا صاف کرنا فرض ہے، یا واجب، یا مسنون اور کتنے روز میں صاف کرنے کا حکم ہے؟

جواب: موئے زیرناف کا ازالہ واجب ہے، چالیس دن تک حد ہے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۲۰)

(۷۲۲) موئے زیرناف اگر چالیس دن تک صاف نہ کیے تو؟

سوال: موئے زیرناف اگر چہل روز تک صاف نہ کرے، تو گنہگار بھی ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: چہل روز تک حد ہے، بعد چہل روز کے گنہ ہوگا۔

(بدست خاص، سوال ۴۷)

(۷۲۳) موئے زہار کہاں سے کہاں تک ہیں؟

سوال: موئے زہار کہاں سے کہاں تک ہیں، کہ جن کا حکم صاف کرنے کا ہے؟

جواب: ناف سے لیکر دُبر تک صاف کرنے کا حکم ہے۔

(بدست خاص، ۱)

(۷۲۴) مرد کو بالوں کے ازالہ کے لئے نورہ کا اور عورتوں کو استرہ کا استعمال جائز ہے، مگر؟

سوال: استعمال نورہ کا مرد کو اور اُسترہ کا عورت کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، غرض ازالہ مو ہے، اگر چہ کوئی مصلحت اس کے خلاف ہو، مگر شرع کا گناہ نہیں۔

(بدست خاص، سوال ۳۶)

(۷۲۵) موئے زیرناف کا قینچی سے کاٹنا اور اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی دی گئی خواب کی تعبیر

سوال: موئے زیرناف کو مقراض سے کاٹنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو عدم جواز کی دلیل کیا ہے اور اگر جائز ہے تو، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیوں منع فرمایا ہے؟(۱)

جواب: یہ قصہ خود غلط ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا فرمانا یعنی منع کرنا غلط ہے۔ اس کی درستی سو وہ

---

(۱) یہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے ایک مشہور قصہ کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

''ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ یا حضرت میں نے آج شب کو خواب میں دیکھا ہے کہ میری زوج سے دو کتے مباشرت کرتے ہیں، یا حضرت جب سے کہ خواب دیکھا ہے کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ مجھ پر کیا صدمہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس قدر کچھ پریشانی کی بات نہیں ہے، شاید تمہاری زوج موئے زہار مقراض سے کترتی ہے، اس کو منع کردو کہ بار دگر ایسا نہ کرے۔ پس جو دریافت کیا گیا تو واقعی ایسا ہی تھا'' کمالات عزیزی مرتبہ نواب مبارک علی خان ص ۹۔۱۰ (مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۸۹ھ)

یہ واقعہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے احوال و ملفوظات پر اور بھی کئی کتابوں میں ذکر ہوا ہے مگر اس میں ناجائز ہونے کی صراحت نہیں، غالباً صرف اس خواب کی وجہ سے ان کو منع کیا ہوگا؟ اس طرح کے خواب کی یہی تعبیر، قدیم ائمہ تعبیر سے بھی منقول ہے۔ (نور)

ہے اور بالوں کا دفعیہ مقراض سے جائز ہے، مگر چونکہ استیصال اچھی طرح نہیں ہوتا، اس واسطے مستحسن بھی نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد ص ۵۰۔۵۳)

(۷۲۶) موئے زہار کو چھپانے کا حکم؟ سوال: موئے زہار کا صاف کر کے پوشیدہ کرنا فرض ہے، یا کیا؟

جواب: شرم کی جا کے بال کو چھپانا، قریب واجب ہونا چاہئے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۲۹)

(۷۲۷) بال اور ناخن کا گندگی میں ڈالنے نیز ان کے متعلق چند احکام؟ سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ بال اور ناخن جائے طہارت و پاخانہ میں ڈالنا مکروہ ہے اور مورث زحمت ہے، اور ناخن دانتوں سے یا کارد سے کاٹنا برص پیدا کرتا ہے، صحیح ہے یا غلط؟

اور ناخن گیر یعنی نہرنہ سے ناخن کترنا جائز ہے، یا مکروہ؟

جواب: ناخن اور بال کو نجاست کی جگہ ڈالنا مکروہ ہے، اور چھری مقراض سے، ناخن کا کاٹنا درست ہے، دانت سے کاٹنا گناہ نہیں ہے، مگر بہتر نہیں ہے۔ باقی ان روایات کا مجھ کو حال معلوم نہیں کہ کیا زحمت ہوتی ہے۔

(بدست خاص، سوال ۱۱۰)

(۷۲۸) مہندی اور سیاہ خضاب کا حکم؟ سوال: علمائے دین شرع متین سے سائل کا سوال ہے: کہ مہندی لگانی ڈاڑھی [پر] مسلمان کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مسلمان کو مہندی لگانا درست ہے، مگر سیاہ خضاب کرنا منع ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص ۲۰۹)

(۷۲۹) تیل کے سیاہ خضاب کا حکم؟ سوال: اور خضاب تیل اچھا ہے، یا نہیں؟

جواب: خضاب سیاہ خواہ کسی شے کی کرے ناجائز ہے، سوا سیاہ کے درست ہے۔ (مجموعہ کلاں ص ۲۳۳۔۲۳۴)

(۷۳۰) سرخ رنگ کے کپڑے استعمال کرنا کیسا ہے؟ سوال: سرخ ململ کا استعمال مردوں کے واسطے کیسا؟ احادیث جواز و عدم جواز دونوں قسم کی موجود [ہیں] بایں ہمہ جواب ہر قسم کی حدیث کا ہو سکتا ہے، آپ کے نزدیک مذہب محقق کیا ہے اور حدیث راجح کونسی ہے، فرد کے نیچے اگر استر کے طور پر لگا لیا جاوے، تو شرعاً خرابی ہے یا نہیں؟ درصورت خرابی مُرتکبہ استعمال مخصوص رہے گا یا نماز میں بھی نقصان ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب: پارچہ سرخ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں، بعض حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق سرخ کو منع فرمایا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ معصفر سے منع فرمایا۔ اور بعض حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ حلّہ

آپ نے پہنا، یہ سب احادیث صحاح ہیں، لہٰذا علماء کے اس میں دو مذہب ٹھہرے: ایک یہ کہ مطلق سرخ ناجائز، اور آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] نے جو سرخ پہنا تھا وہ مخطط تھا، دوسرا یہ کہ سرخ معصفر حرام ہے، اور جہاں مطلق سرخ آیا ہے وہاں مراد معصفر ہے، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو سرخ پہنا وہ معصفر نہ تھا، بلکہ دوسری قسم کا سرخ تھا، پہلا مذہب احوط ہے اور دوسرے میں وسعت ہے۔ صاحب درمختار اور دیگر بعض فقہاء نے مذہب ثانی کو اختیار کیا ہے، پس بنا بر مذہب ثانی سرخ استر جائز ہے اور پہلے مذہب پر نادرست۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ رام پور ص ۱۲۔۱۳)

(۷۳۱) مردوں کے لئے سرخ رنگ کے کپڑے کا حکم؟ **سوال:** سرخ رنگ کا کپڑا مردوں کو پہننا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: سرخ معصفر کا تو حرام ہے اور غیر اس کے خواہ سرخ خام ہو یا پختہ بعض علماء جائز کہتے ہیں اور بعض منع فرماتے ہیں، پس تقویٰ ترک اُس کا ہے، اور اگر پہنے تو مباح ہے کہ بعض علماء کا فتویٰ کافی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص ص ۱۵)

(۷۳۲) ولایتی چھینٹ کا کیا حکم ہے؟ **سوال:** اور آج کل کچے رنگ کی چھینٹیں، لوگ استعمال کرتے ہیں، اس سے نماز جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: السلام علیکم جو چھینٹ (۱) ولایت سے آتی ہے، وہ پاک ہوتی ہے، جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ کچھ نجس رنگ پڑا ہے۔ (از اوراق فتاوی حضرت مولانا گنگوہی محفوظ نیشنل میوزیم کراچی پاکستان)

(۷۳۳) مرد کو سونے چاندی کی بوتام اور گھڑی کی زنجیر لینی کیسی ہے؟ **سوال:** مرد کو چاندی سونے وغیرہ کی بوتام (۲) وعلیٰ ہذا وہ گھڑی کہ جس میں اس قسم کی زنجیر ہو، زیر لباس کرنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: مرد کو چاندی سونے کے بٹن جو کپڑے میں لگے ہوتے ہیں، جائز ہیں، اور چاندی کی گھڑی اور زنجیر گھڑی کی حرام اور یہ گھڑی اور زنجیر عورت کو بھی ناجائز، اگر عورت بغیر گھڑی کے زنجیر ڈالیں تو جائز ہے۔ (۳) فقط۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ رام پور ص ۳۔۶)

(۱) رنگ برنگ کے پھول بوٹوں کا خوش وضع اور خوش نما چھپا ہوا کپڑا۔ اردو لغت ص: ۹۶۳، جلد ہفتم [اردو لغت بورڈ، کراچی: ۱۹۸۶ء]

(۲) لوہے، چاندی، سونے کی گھنڈی یا تکمہ۔ نور اللغات مولوی نور الحسن نیر کا کوروی ص: ۷۸۳ جلد اول (دہلی: ۱۹۹۸ء) فرہنگ آصفیہ، مولوی سید احمد دہلوی، ص: ۴۱۹ ج: ۱ (دہلی ۱۹۷۴ء) (نور)

(۳) جو کپڑے میں لگے ہوئے ہیں یعنی کپڑے میں جڑے ہوتے ہیں وہ کپڑوں کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہیں، لیکن اگر بٹن علیحدہ ہو سکتے ہوں تو جائز نہیں۔ قولہ عورت کو بھی ناجائز، کیونکہ عورتوں کے لئے سونے چاندی کا صرف زیور جائز ہے اور یہ زیور نہیں، کیونکہ مرد بھی گھڑی باندھتے ہیں، البتہ اگر عورت گھڑی کے بغیر سونے چاندی کی زنجیر پہنے تو جائز ہے، کیونکہ اب وہ زیور ہو گیا ہے۔ (پالن پوری)

(۷۳۴) مردوں کے لئے گھڑی کی چاندی کی زنجیر کا حکم؟ **سوال:** گھڑی کو چاندی وغیرہ کی زنجیر میں، سینہ یا گلے میں لٹکانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ناجائز ہے، چاندی سونے گھڑی وزنجیر سب ناجائز ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص۵۳)

(۷۳۵) عورتوں، مردوں کیلئے ایک دوسرے کی مشابہت کا حکم؟ **مسئلہ:** مردوں کا جوتہ جب دونوں میں امتیاز ہوتو درست ہے، کیونکہ تشبہ بالرجال نہیں ہے۔ پائجامہ کھلا سفید یا رنگین کا بھی یہی جواب ہے، کہ طرز پائجامہ مردوں سے جدا ہو، اور بالوں کی چوٹی گوٹے سے گوندھ کر، اسی طرح اگر نماز پڑھیں تو کوئی حرج نہیں، مگر چونڈا باندھنا جیسے قوم سکھ کی عورتیں کرتی ہیں، بوجہ شعار کفار کے مکروہ ہے اور نماز میں بھی مکروہ ہوگا۔ فقط۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ

(۷۳۶) کسی بیماری کی وجہ سے لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم؟ **سوال:** بیماری میں لوہے وغیرہ کی انگوٹھی خواہ چھلا، پہننا جائز ہے، یا نہیں؟ جیسا کہ سنگِ گردہ میں مفید لکھا ہے۔

جواب: اگر کوئی [اور] علاج نہ ہو، تو درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۴۰)

(۷۳۷) تعویذ کیلئے چاندی یا تانبے کے خول کا حکم؟ **سوال:** تعویذ کا خول چاندی تانبہ وغیرہ کا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص۵۹)

(۷۳۸) دانتوں میں سونے چاندی کی میخ لگانے کا حکم؟ **سوال:** دانتوں میں سونے اور چاندی کی میخ لگانا کیسا ہے؟

جواب: ضرورت کے واسطے درست ہے، ورنہ ناجائز۔ فقط (بدست خاص، ص۳۸)

(۷۳۹) انگریزی بوٹ پہننے کا اور اس کی تجارت کا حکم؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ جوتی منڈی یعنی بوٹ پہننا جائز ہے، یا نہیں؟ اور دوکاندار مسلم کو اس کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

اور ریش نیل کا خضاب جس سے جلد سیاہ ہوجاوے؟

اور مسلمہ عورت کو زیور باجے دار پہننا اور جلاد کو جو کتب قصص، جن کا پڑھنا جائز نہیں ہے، اس کی جلد کی مزدوری جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: بوٹ پہننا مسلمان کو مکروہ ہے، مشابہت نصاریٰ کی اس میں ہوتی ہے، اور دوکاندار کو اس کی بیع کرنا مسلمانوں کے ہاتھ مکروہ ہے اور کفار کے ہاتھ بیع کرے تو جائز ہے۔

اور خضاب سیاہ بھی منع ہے اور عورت کو باجے کا زیور پہننا بھی مکروہ ہے، اور جو نامحرم اس کی آواز سنے تو حرام ہے۔ اور قصہ کہانی غیر مشروع کی جلد بھی بنانا مکروہ ہے، مگر اجرت اس کی جو [ہے] وہ حلال ہے۔ فقط

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۱۸۔۲۱۹)

(۷۴۰) ہر قسم کا موزہ پہننا صحیح ہے؟ **مسئلہ**: جراب خواہ کسی طرح [کی] ہے درست ہے، مگر اگر کوئی تشبہ غیر مذہب کا ہوگا تو وہ صورت مکروہ ہو جاوے گی۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۳۴)

(۷۴۱) عورتوں کیلئے کون کون سے زیور ناجائز ہیں اور کون سے جائز؟ **سوال**: عورت کو گھونگھرو پازیب گوجری وغیرہ پہننا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: بجنے کا زیور نہ پہننا چاہیئے، کہ باجا، ناجائز ہے۔ فقط

(بدعت خاص، سوال ۷۰)

(۷۴۲) عورتوں کے لئے کس قسم کے زیور جائز ہیں؟ **سوال**: آپ نے عورتوں کے واسطے ہر قسم کا زیور جائز فرمایا ہے اور بعض کتب فقہ میں پتھر اور پیتل کا زیور حرام لکھا ہے۔ یہ مسئلہ ان کتابوں میں مردوں کے لئے خاص ہے یا عورتوں کے لئے بھی؟

جواب: فقہ کی کتب میں خاتم [انگوٹھی] کو لکھا ہے، مگر دوسری کتب سے سب قسم کے زیور درست معلوم ہوتے ہیں، عورتوں کے واسطے، فقط

رشید احمد عفی عنہ

(مجموعہ فرخ آباد ص ۳۰)

(۷۴۳) عورتوں کو ناک میں زیور پہننا؟ **سوال**: ناک کان میں گہنا پہننا عورت کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔

(بدعت خاص، سوال ۷۱)

(۷۴۴) عورت کیلئے مسّی لگانے کا حکم؟ **سوال**: عورت یا مرد کو مسی لگانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: مرد کو مسّی حرام عورت کو درست، مگر دانتوں میں جرم مسّی کا نہ جمے، اگر جمے گا تو غسل سے پاک نہ ہوگی۔ فقط

(بدعت خاص، سوال ۵۵)

(۷۴۵) کاجل لگانے کا حکم؟ **سوال**: کاجل لگانا مردوں اور عورتوں کو آنکھ میں جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر نفع مرض کو دے تو درست ہے مرد کو، اور عورت کو ہر حال درست ہے۔ فقط

(بدعت خاص ص ۳۶)

(۷۴۶) گلٹ کا زیور پہننا جائز؟ **سوال**: گلٹ کا زیور پہننا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدعت خاص ص ۲۰)

(۷۴۷) والدین کی عزت برادری کے اصولوں پر مقدم ہے: **سوال:** ایک قصائی بیوہ نے ایک نورباف کے ساتھ نکاح کیا، اس قصائی کی پہلے خاوند سے لڑکا ہے اور برادری کے لوگ اس لڑکے کو یوں کہتے ہیں کہ اگر تو اپنی والدہ سے ملا، یا اس کی خدمت یا تابعداری کی، تو ہم تجھ کو ذات سے نکال دیں گے۔ اس صورت میں اگر لڑکا برادری کا کہنا مان کر اپنی والدہ سے نہ ملے اور کہنا اس کا اور تعظیم (و) تکریم واجبی نہ ادا کرے، اور نہ بیماری وتندرستی میں اپنی والدہ کے پاس آوے، آیا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور جو لوگ لڑکے کو منع کرتے ہیں، وہ گنہگار رہوتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: لڑکے کو اپنی والدہ کی تابعداری فرض ہے، برادری کا کہنا خلاف شرع نہ مانے اور وہ لوگ گنہگار رہوں گے۔

رشید احمد

(فیوض رشیدیہ ص ۲۱، ۲۲)

(۷۴۸) بعض برادریوں کی رسومات اوران کی شرعی حیثیت؟ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں: کہ ایک قوم میں چند چودھری مقرر ہوئے، برادری میں یہ بندوبست کیا گیا کہ جو کوئی غیر قوم کی عورت لاوے، یا ایک عورت کے اوپر دوسرا نکاح کرے، تو اس کے اوپر روپیہ جرمانہ ہو، دیگر جو بھاجی (۱) تقسیم ہو برادرانہ، اس کو جو واپس کرے روپیہ جرمانہ دے، دیگر جو دوبارہ بھاجی اس کی کیا چاہے، چودھری یا اور کوئی برادری کا ۴/ روپیہ جرمانہ دے۔

جرمانہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کھانا سب کے پاس تقسیم نہ ہونے پاوے تھا، جو پہلے سے بعضے آدمی کھانا شروع کر دیں تھے، تو ایک طرح کی بدانتظامی تھی، کھڑے ہو کر مانگنے لگا کریں تھے اور بعضے آدمی پہلی بیوی کو کسی رنج کے باعث سے نہیں لے جاتے ہیں، اس باعث سے یہ قید جرمانہ کی لگائی گئی ہے۔ جب سے یہ قید لگی ہے برادری کا انتظام اچھا ہو گیا ہے اور جرمانہ کر کے بعد دس پانچ روز کے جرمانہ واپس بھی کر دیا ہے۔ تو اس صورت میں جرمانہ کرنا از روئے شرع جائز ہے، یا نہیں؟

دیگر ایک جگہ بھاجی تقسیم ہوئی، چند جگہ سے واپس آئی عورتوں نے واپس کر دی، مرد اُن کے موجود نہ تھے، بعد ازاں ایک چودھری نے مکرر بھاجی بھیجی، یہ بات قائم ہو چکی تھی کہ جو بھاجی دوبارہ بھیجے گا ۴/ روپیہ جرمانہ دے گا، بعد ازاں ان چند آدمیوں کو چودھریوں نے پنچایت کے روبرو بلایا، دریافت کیا کہ تمہارے یہاں سے بھاجی کیوں واپس آئی، انھوں نے حلف سے بیان کیا کہ بروقت پنچایت کے ہم موجود نہیں تھے صبح کو ہم کو خبر ہوئی، ہم باہر یا بازار چلے گئے بعد میں بھاجی تقسیم ہوئی، گھر میں انھوں نے لاعلمی سے واپس کر دی، ہمارا کچھ قصور نہیں ہے، اور بھائی اگر قصور مند تصور فرماتے ہیں، تو اللہ کے واسطے ہمارا قصور معاف فرماؤ، آئندہ انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا۔ اس کے اوپر چودھریوں نے کچھ غور نہ فرمایا، عمر

---

(۱) بھاجی: کھانا، جو کسی تقریب یا خوشی میں پکا کر، برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ وہ حصہ جو کسی تقریب میں عزیزوں میں تقسیم کیا جائے۔

اردو لغت، ص: ۹، جلد سوم [اردو لغت بورڈ۔ کراچی: ۱۹۸۱ء]

نے ان کی طرف سے عرض کیا، کہ بھائیو! جب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا معاف فرما دیتے ہیں، تو بھائی بھی ان کی خطا اللہ کے واسطے معاف کر دیں، تو اس کے اوپر تمام برادری کے سامنے، ایک چودھری صاحب نے یہ فرمایا کہ بیشک اللہ اور رسول معاف کر دیتے ہیں، مگر پنچ معاف نہیں کرتے۔ عمر یہ کلمہ سن کر خاموش ہو رہا۔ اس وقت ان آدمیوں پر فی کس ۲؍ روپیہ جرمانہ کر دیا اور جس چودھری نے دوبارہ بھاجی بھیجی تھی، اس سے چشم پوشی اختیار کی، تو اس صورت میں ان کو ظالم یا نا انصاف کوئی کہہ دے، آیا جائز ہے، یا نہیں، اگر کسی نے کہہ دیا تو اس پر جرمانہ کرنا، یا اس کو جرمانہ دینا جائز ہے، یا نہیں۔ از روئے شرع شریف؟

الجواب: یہ چودھریوں کے قواعد ہی خلاف شرع ہیں، چودھری اور سب لوگ اس کے قبول کرنے والے بے انصاف اور ظالم ہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح۔ حکیم ابو القاسم محمد عبد الرشید انصاری سہارنپوری عفی عنہ الجواب صحیح۔ ابو الحسن عفی عنہ۔

جواب جو حضرت مولانا مخدوم زمان، جناب مولانا رشید احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے، درست ہے، اور یہ واضح ہو کہ ایک جماعت اہل اسلام کی متفق ہو کر، قواعد خلاف شرع شریف کے تجویز کرے اور برادری کا دستور العمل اس کو قرار دے، نہایت مذموم ہے اور اس گناہ سے زاید ہے کہ ایک شخص اس حرکت کا مرتکب ہوا، اہل اسلام کا خطاوار ہونا کسی امر میں اور بات ہے اور قواعد خلاف شرع شریف ایجاد کرنا اور امر ہے۔ سرکار نے قانون خلاف اسلام ایجاد کیا، وہ جائے تعجب نہیں کیونکہ وہ اسلام کی پابند نہیں، مگر اہل اسلام کی شان سے خلاف شرع قانون ایجاد کرنا بہت بعید ہے۔ احمد علی عنہ

باغ فیض (تالیف مولانا حشمت علی بنارسی شاگرد مولانا محمد مظہر نانوتویؒ [درعدم جواز سفر مزارات اولیاء] مطبع ہاشمی بنارس ۱۸۹۳ء / ۱۳۱۱ھ)

(۷۴۹) بلا نکاحی عورت رکھنے والے سے سلام وتعلقات رکھنا کیسا ہے؟ سوال: زید (جو بغیر نکاح کے عورت کو رکھے ہوئے ہے) کو سلام علیک کرنا اور اس کے سلام کا جواب دینا، اور اس کے ساتھ کھانا پینا مسلمان جان کر کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور زید سے یہ امورات یعنی سلام علیک وغیرہ خاص برادری زید کو ہی منع ہے، یا کل مسلمانوں کو۔

جواب: نہ زید کے ساتھ سلام علیک کریں، نہ اس کے سلام کا جواب دیں۔ زید سے سب مسلمانوں کو متارکت چاہئے، زید کو مثل چمار بھنگیوں کے جانیں، غرض سب مسلمانوں کو زید سے ترک کرنا چاہئے، کچھ برادری پر منحصر نہیں۔

(فیوض رشیدیہ ص ۲۰)

رشید احمد

(۷۵۰) شخص مذکورہ بالا کی حمایت کرنے والے گنہ گار ہیں: سوال: ایک شخص نے زید مذکور کی برادری میں سے کل برادری کی دعوت کی، جس وقت کھانا کھانے گئے ایک مہتر نے زید اور اس کی بیوی کو وہاں دیکھ کر کہا، کہ پنچو! یہ برادری کا چور ہے اس کو نکال دو، بعدہ برادری کے لوگوں نے پنچایت کی [کہ] مہتر کو ذات سے ڈال دینا

چاہئے، کیونکہ اس نے زید کی ہتک کی، ہم نے زید کو صرف اپنے قصبہ کی برادری سے خارج کیا ہے، نہ اور کسی جگہ کی، کیونکہ جس نے ہماری دعوت کی ہے، اگرچہ ہماری برادری ہے لیکن پردیسی ہے، پھر مہتر نے کہا کہ اس نے جو یہ کام خلاف شرع کیا، تو ہمارے کل شہروں کی برادری سے، بلکہ کل مسلمانوں سے خارج ہوگیا۔ اس بات پر برادری نے کچھ خیال نہ کیا۔ زید کے ہمراہ ہو کر، مہتر مذکور کو ذات سے علیحدہ کردیا، اب اس میں برادری حق پر ہے، یا مہتر؟ فقط

جواب: مہتر نے جو کچھ کہا وہ حق کہا، اور جو لوگ مہتر کو ذات سے ڈالتے ہیں، وہ گنہگار ہیں۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح، محمد مراد عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ عربیہ مظفر نگر۔ الجواب صحیح، سید مخدوم کاندھلوی حال مقیم مظفر نگر، راقم عبدالحق عفی عنہ۔ العبد الآثم عبدالکریم، واعظ سڑک (کیرانہ)

(۷۵۱) قبلہ رُخ ناپاکی (گندگی) پھینکنے اور استنجے کا حکم؟ **سوال:** کعبہ شریف کی جانب ہاتھ سے ناپاکی پھینکنا حرام ہے، یا مکروہ، اور اسی طرح کعبہ شریف کی جانب پشت کر کے بیٹھنا، یا پیشاب استنجا کرنا کیسا ہے؟

جواب: مکروہ تحریمہ ہے اور کعبہ کی طرف پشت کرنا درست ہے، مگر پاخانہ پیشاب میں پشت کرنا، مکروہ تحریمہ ہے، مگر منھ کرنے سے کم گناہ ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۳)

(۷۵۲) ننگے کو پردہ میں گفتگو کرنا کیسا ہے؟ **سوال:** ننگے کو پردہ میں کلام کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ یا کچھ آیت پڑھنا ننگے بدن؟

جواب: ننگے کو کلام کرنا درست نہیں۔ (بدست خاص، سوال ۱۳۷)

(۷۵۳) استاذ سے بغیر پڑھے صحیح علاج کرنا: **سوال:** ایک شخص نے استاد سے حکمت نہیں پڑھی، مگر از خود طبابت کی کتابیں دیکھ کر جونسی بیماری فہم میں آجاتی ہے، اس کا علاج کرتا ہے اور اگر کوئی بیماری سمجھ میں نہیں آتی، تو اس کا علاج نہیں کرتا ہے، تو ایسے شخص کو علاج کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر موافق قاعدہ کے علاج کرتا ہے، درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۳۵)

(۷۵۴) جنابت کی حالت میں کھانا کھانے کا حکم؟ **سوال:** ایک کتاب میں لکھا ہے کہ حالت جنابت میں طعام کھانا حرام ہے اور وہ طعام اس شخص کو لعنت کرتا ہے اور شیطان اس طعام میں بول ملا دیتا ہے، اور اُس شخص کے جسم کے بال جلاتے ہیں، اور جو جان کر ناپاک رہے، وہ شخص حشر میں قبر سے ناپاک اُٹھے گا۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

جواب: سب خرافات غلط، جہال کی ہفوات غلط ہے۔ فقط (بدست خاص ص ۱۳۵)

(۷۵۵) مردوں کے سامنے کا بچا ہوا کھانا، عورتوں کیلیے، کیسا ہے؟ **سوال:** مردوں کے آگے کا بچا ہوا کھانا، جو غیر محرم ہوں، عورتوں کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کھانا فضلہ مردوں کا، عورتوں نامحرموں کو درست ہے، اگر کوئی فتنہ نہ ہو اور شیر و شربت جس میں لعاب مل جاوے، وہ مکروہ ہے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۱۲۹)

(۷۵۶) رشوت خور کی اجرت اور دعوت کا حکم؟ **سوال:** اگر کوئی شخص کھلم کھلا رشوت لیتا ہے اور دیگر شخص کو یہ معلوم ہو جاوے، کہ طعام خوردنی میں بجز اس کے اور کہیں سے صرف نہیں کرتا۔ اس حالت میں جاننے والے شخص کو حصہ رسدی داخل کرنے کے بعد، شرکت جائز ہے، یا نہیں؟

یا ملازم کو اپنے آقا کا حال معلوم ہو کہ وہ اجرت رشوتی یا سودی مال سے دیتا ہے، اس صورت میں ایسے شخص کی چاکری درست ہے، یا نہیں، اور موہوب لہ کو ایسی اشیاء کا ہبہ، درصورتِ علم وعدم علم، لینا کیسا ہے؟

الجواب: جس کے یہاں رشوت یا کسی قسم کا حرام مال ہے، نہ اس کی اجرت درست، نہ اس سے شرکت کھانے میں جائز، اگر خبر ہے۔ نادانستہ ہوا تو معاف ہے، فقط (مجموعہ رام پور ص ۶-۷)

(۷۵۷) رشوت کے کھانے پر بسم اللہ پڑھنا صحیح نہیں؟ **سوال:** رشوت وغیرہ کا کھانا کسی..... کھایا جاتا ہے تو کھانے کے وقت جو حکم بسم اللہ پڑھ کر کھانے کا ہے، بسم اللہ کہے یا نہیں، اور اگر بسم اللہ کہہ کر کھاوے، تو بسم اللہ کہنے سے اس وقت گنہگار بھی ہوتا ہے، یا نہیں، اور اگر وہ گنہگار ہوتا ہے، تو کس درجہ کا ہوتا ہے؟

جواب: رشوت کا کھانا درست نہیں ہے اور نہ اس پر بسم اللہ کہنا درست ہے، اور اگر کہے گا تو [دو] گناہ ہونگے، بسم اللہ کہنے کا اور کھانا ناپاک کھانے کا۔ فقط (بدست خاص، ص ۵۴)

(۷۵۸) ایک برتن میں سے ایک آدمی اگر دوسرے کے سامنے سے کھالے؟ **سوال:** ایک رکابی یا طباق میں جو چند آدمی کھانا کھاویں، اور ایک شخص دوسرے کے آگے سے کھاوے، تو کیسا ہے، حرام ہے، یا مکروہ؟

جواب: دوسرے کے سامنے سے کھانا ترکِ ادب ہے، اگر ایک قسم کا کھانا ہو اور جو کئی قسم [کا] ہو جیسا چنے، چُن چُن کر کھیل (۱) سب جگہ سے اٹھانا درست ہے، خلاف ادب نہیں۔ (بدست خاص، سوال ۱۲۸)

(۷۵۹) عصر کے بعد کھانا پینا ترک کرنے کی کوئی اصل نہیں؟ **سوال:** بعض لوگ جو عصر کے بعد خورد و نوش سے اجتناب کرتے ہیں، اس کی شرع میں کچھ اصل ہے، یا نہیں؟

---

(۱) کھیل: چنے، جوار یا مکی وغیرہ کا بھنا ہوا کھلا ہوا چاول۔ وہ بھنا ہوا اناج جو بھن کر پھول گیا ہو۔ اردو لغت ص: ۷۸۲ جلد: ۱۵ (کراچی: ۱۹۹۳ء)

جواب: عصر کے بعد خورد ونوش ترک کرنے کی کوئی اصل نہیں، بندش عوام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ رامپور ص ۷)

(۷۶۰) جماعت علماء بحیثیت مجموعی مجدد ہوتی ہے؟ **مسئلہ:** مجدد ایک شخص نہیں ہوتا، اکثر بلکہ عالم غیب میں مجموعہ علماء کا ایک شخص ہوتا ہے، لہٰذا ہر وقت میں جو علماء مانع بدعت ہوں اور محی سنت، ان کا مجموعہ مراد ہے۔ جس کو بایں صفت پاویں اس مجموعہ کا ایک جز خیال کریں، اور جن لوگوں نے ایک کو قرار دیا ہے ان کو سخت مصیبت پیش آئی اور تاویلات کر کے بنایا، تاہم درست نہ ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مجموعہ فرخ آباد ص: ۵۱)

(۷۶۱) کیا ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے اور اولاد میں باپ کے امراض کا اثر کیوں ہوتا ہے؟ **سوال:** بیماری ایک کی دوسرے کو ہو جاتی ہے یا نہیں، بوجہ تاثیر ہوا کے، اور اگر نہیں ہوتی ہے، تو کیا سبب ہے کہ جب گھر میں ایک کو خارش ہوئی، تو سب گھر کے آدمیوں کو ہو جاتی ہے، یا مثلاً باپ کو بواسیر یا دمہ کی بیماری ہے تو بیٹے کو بھی ہو جاتی ہے، یا ایک شخص کو جمائی آتی ہے، تو دیکھنے والے کو یا پاس والے کو بھی، ضرور [ی] ہے کہ فوراً جمائی آجاتی ہے، چنانچہ تجربہ سے ظاہر ہے۔

جواب: بیماری کی تاثیر ہوا میں ہو کر، دوسرے پر اثر بیماری کا ہو جاتا ہے، باذنہ تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پانی پر کی ہوا سرد اور آگ پر کی ہوا گرم ہوتی ہے، ایسا ہی وبائی ہوا کا اثر ہے، مگر یہ حق تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے، کبھی نہیں بھی ہوتا، خود مرض نہیں لگ سکتا۔

اور باپ کا مرض پسر میں اس وجہ سے ہوتا ہے کہ، نطفہ سب اعضاء سے ٹپکتا ہے، لہٰذا اس نطفہ کا اثر ہو کر عضو ماؤف پسر کا ہو جاتا ہے، مثل عضو پدر کے۔ (بدست خاص سوال ۱۰۰)

(۷۶۲) ہفتہ کے دن سفر کرنا اور مکان کی بنیاد ڈالنا کیسا ہے؟ **مسئلہ:** بروز شنبہ سفر کرنا اور مکان کی بنیاد ڈالنی درست ہے، شرع میں کوئی دن نحس و شوم نہیں، سب دن اچھے ہیں، ہاں! بعض روز میں حق تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، مثل دوشنبہ پنجشنبہ و جمعہ، مگر شوم کسی دن میں نہیں، یہ قول نجومیوں کا ہے، شرع نے اس کو رد کر دیا ہے اور شرک کہا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

الطیرة شرک (۱)

(۱) عن عبداللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الطیرة شرک، قالہ ثلاثا (مشکوة باب الفال والطیر ص: ۳۹۲، ج: ۲) [اصح المطابع رشیدیہ دھلی: ۱۳۷۵ھ]

نیز مشکوة کتاب الطب والرقی، باب الفال والطیرة، ص: ۱۷۰۸ رقم الحدیث: ۴۵۸۴ ج: ۴ – ت: رمضان بن احمد بن علی [مکتبة التوبة دار ابن حزم، بیروت ۲۰۰۳ء ۱۴۲۳ھ]

سو کسی زمان یا مکان یا شے میں شوم ماننا بہت برا ہے، حق تعالیٰ خالق و موثر ہے، جس شے کو چاہے کسی کے حق میں متبرک کردے اور جس کو چاہے شوم بنادے۔ الغرض سفر بروز پنجشنبہ موجب برکت ہے اور سفر بروز شنبہ نحس اور شوم ہونا بالکل غلط ہے، اس کی اصل کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس، بناء مکان جب چاہے، شروع کرے، شنبہ اور غیر شنبہ کوئی نحس نہیں۔ یہ کلام خارج دائرہ شریعت سے ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۴۳-۴۲، چند یا نوی ص ۱۱-۱۲)

(۷۶۳) سات ستاروں کی تاثیر کا یقین؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مینہ اگر برستا ہے یا آندھی آتی ہے، یا کسی کو کوئی مصیبت پڑتی ہے، یا ترقی ہوتی ہے، یہ سب باتیں سبع سیارہ کی تاثیرات پر موقوف ہیں۔ یہ بات صحیح ہے، یا غلط ہے؟

جواب: یہ سب باتیں غلط ہیں، سب خدا کی قدرت سے ہوتا ہے۔ (بدست خاص، ص ۵۱)

جانوروں سے متعلق چند مسائل

(۷۶۴) جانوروں کا نگہداشت کے اہتمام کے ساتھ پالنا؟

سوال: طیور و وحوش کو بے ضرورت، فقط تفریح طبع کے واسطے قید اور قفس میں رکھنا جائز ہے، یا ظلم ہے؟

جواب: جانور کا پالنا قفس میں درست ہے، اس کے کھانے دانے پانی سے ہوشیار رہے، تکلیف نہ ہووے اور قفس میں رکھنا درست ہے۔ فقط (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۵-۳۷)

(۷۶۵) جانوروں کو کتے وغیرہ کا جھوٹا کھلانا کیسا ہے؟

سوال: حیوان کو جھوٹا سگ کا یا اور کسی طرح، ناپاک کھانا کھلانا، کیسا ہے؟

(بدست خاص، ص ۵۸)

جواب: جائز ہے، ناپاک کھانا کھلانا حیوان کو۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(۷۶۶) گرم پانی سے کھٹملوں کا مارنا صحیح ہے؟

سوال: چارپائی میں کھٹمل زیادہ تکلیف دیتے ہیں اور بغیر گرم پانی کے، ان کی تخفیف مشکل ہوتا تو اپنی تکلیف دفع کرنے کے لیے گرم پانی سے، کھٹملوں کا جلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: گرم پانی سے کھٹمل مارنا درست ہے، البتہ آگ میں ڈالنا درست نہیں۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۹-۴۱)

(۷۶۷) بلی جو بار بار نقصان پہنچائے، جانوروں کو کھالے، اس کا مار ڈالنا: **سوال:** اگر پالتو جانوروں کی حفاظت عادت کے موافق کی جاوے، باوجود اس کے بلی کھا جاوے، چند بار ایسا نقصان کرے، تو اس ایذاء کے سبب بلی کا قتل جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: بلی جو جانور یا طعام کو مکرر نقصان پہنچائے، تو قتل کرنا اس کا درست ہے۔ فقط (مجموعہ فرخ آباد ص ۲۵-۲۷)

(۷۶۸) جان یا مال کی حفاظت کے لئے کتا پالنا؟ **مسئلہ:** مطلق حفاظت کے واسطے کتا پالنا جائز ہے، جان ہو یا مال فقط، واللہ اعلم (فرخ آباد ص ۵۰)

(۷۶۹) کتا پالنے پر جو وعید ہے وہ کس کتے پر ہے؟ **سوال:** یہ ہے کہ جب کتا پالنے والے کو عیش دنیا بھی حاصل ہو اور اکثر اعمال صالحہ کی بھی توفیق ہو تو پھر اس کا کیا مطلب ہے، کہ اس کے گھر میں فرشتہ رحمت کا نہیں آتا۔ فرشتہ رحمت سے کیا مراد ہے اور اس کے نہ آنے میں کیا نقصان ہے۔ اگر ثواب اعمال کا نقصان مراد ہے، تو بقدر قیراط کے، وہ نقصان ہوتے ہیں، کچھ ثواب کا باقی رہنا بھی ظاہر ہے، تو فرشتہ رحمت کا نہ آنا، کیسے ثابت ہوگا؟

جواب: اس کتے سے وہ کتا مراد ہے، جو موذی اور حفاظت کا نہ ہو۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد ص ۵۰-۵۳)

چوری اور حد وغیرہ کے چند مسائل

(۷۷۰) چوری کے سامان کا خریدنا جائز نہیں: **سوال:** اگر یوں معلوم ہو کہ یہ شتر چوری کا ہے، تو اس کا خرید کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: چوری کے مال کا خریدنا حرام ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۳۶)

(۷۷۱) چوری کی ہوئی چیز کا واپس کرنا واجب ہے: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ کسی شخص نے سرقہ کیا اور پھر نادم ہو کر اس سے برأت چاہتا ہے، مال مسروقہ مالک تک نہیں پہنچا سکتا ہے، یا تو اس وجہ سے کہ مثل اس کے دستیاب نہیں ہو سکتا، یا اس کی سرکشی کے باعث، کہ اگر خبر ہو جاوے تو بری طرح پیش آوے [گا، تو] کیا کرے، اور اگر مال مسروق شخص تک پہنچ گیا اور اس کے پاس متغیر ہو گیا یا متغیر ہوا ہو [ا] آیا، اس کو پہنچا، اب اس کے دینے میں حرج ہے، تو یہ شخص سارق [صاحب مال] کو اگر قیمت مثل دے دے، یا اس کے عوض بقدر اس کی قیمت کے کچھ دیدے، تو یہ شخص بری الذمہ ہو سکتا ہے، یا برأت کی اور کچھ سبیل ہے؟

جواب: حق العبد سے سارق بدون مسروق کے رد کرنے، معاف کرنے کے بری نہیں ہوتا، پس اگر مثل مسروق نہیں ملتی، تو قیمت دیوے، اور جو شے ایسی متغیر ہوگئی ہے کہ دوسری شے کہلاتی ہے، جیسا بکری اور گوشت، کہ بکری کو ذبح کرکے گوشت

نکال لیا، تو بھی مثل شے، یا مثل نہ ہو تو قیمت دیوے اور جو تھوڑا تغیر ہوا ہے، تو وہ شے ہی دیوے، قیمت دینے سے بری نہ ہوگا، مگر جو مالک قیمت پر راضی ہو جاوے، تو مضائقہ نہیں، اور جو مسروق منہ کی اذیت کا اندیشہ ہے، تو کسی حیلہ سے اس کے مکان میں، اس شے کو رکھوادے، کہ قبضہ مالک کا اس شے پر ہو جاوے، یہ سارق بری ہو جاوے گا۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۴۴۔۱۴۵)

(۷۷۲) چوری کا جانور ذبح ہونے کے بعد کس کا ہے؟ **سوال:** اگر دابہ مسروقہ ذبح کردہ شود قبل از حضور مالک باز حاضر شد، پس حق سارق باشد یا مالک وخوردن او، کے راجائز است، یا نہ۔

ترجمہ سوال: اگر چوری کا جانور ذبح کیا گیا، مالک کے آنے سے پہلے، پھر مالک آ گیا، تو اس پر مالک کا حق ہے یا چور کا، اور اس کا کھانا ان میں سے کسی کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جانور سرقہ چوں ذبح شد ملک مالک است نہ سارق، خوردنش مالک را وباذن مالک، دیگراں راجائز است۔ وهو المعتمد (مجموعہ کلاں ص:۱۳۶)

ترجمہ جواب: چوری کا جانور چاہے ذبح کر دیا ہو [اس وقت بھی] مالک کی ملکیت ہے، نہ کہ چور کی، مالک کو اس کا کھانا درست ہے اور مالک کی اجازت سے، دوسروں کے لئے جائز ہے، اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ [ت: نور]

(۷۷۳) چوری کی ہوئی چیز کا مالک کے استعمال میں دیدینا بہتر ہے یا اس کا صدقہ کرنا؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ قیمت مسروق سے، کاغذات جو مسروق منہ کی ضرورت میں آتے ہیں، خرید کر اس کے دفتر میں داخل کرا دیئے گئے، تصدق سے بہتر ہوا یا نہیں؟ بیان فرمایئے اور اجر عظیم اللہ سے پایئے؟

جواب: اگر یہ کاغذ خود حکام کے کام میں صرف ہوتا ہے، تو تصدق پر مقدم بلکہ واجب ہے۔ تصدق اس وقت میں کرتے ہیں کہ اہل حق کو اپنا حق نہ مل سکے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۴۴۔۱۴۵)

(۷۷۴) صرف ایک گواہی سے قتل کا حکم؟ **مسئلہ:** ایک شہادت سے فعل کا ثبوت نہیں ہو سکتا، نہ قصاص نہ دیت، قسامت بھی بسبب بعد از خرید نہیں آتا، مگر ہاں اگر وہ زمین مملوک کسی کی ہووے، تو مالک پر قسامت ہووے گا، ورنہ ہدر رہوا۔ ایسے قرائن پر قتل کا ثبوت روا نہیں۔ (مکتوب بنام مولانا خلیل احمد۔ مکتوب:۱۹)

(۷۷۵) واطی بہیمہ کو تعزیر اور بہیمہ کا حکم: واطی بہیمہ کو تعزیر جو مناسب جانی جاوے دی جاوے اور بہیمہ ملک مالک ہے، اس کی ملکیت میں رہے، اور ذبح وغیرہ جو وارد ہوا ہے، وہ بھی زجراً ہے نہ شرعاً۔ فقط (مکتوب بنام مولانا خلیل احمد۔ مکتوب:۱۹)

وعظ ونصیحت کے چند احکام اور متعلقات

(۷۷۶) وعظ مسجد اور بازار دونوں جگہ درست ہے: **سوال:** [ایک شخص کہتا ہے] کہ مسجد میں وعظ کہنا ممنوع ہے، برسر بازار تخت بچھا کر، فروش مکلف سے آراستہ کر کے، اس پر وعظ کہنا فرض ہے۔

جواب: اور وعظ کہنا برسر بازار بھی درست اور مسجد میں بھی درست، جناب فخر عالم علیہ السلام نے مسجد میں وعظ فرمایا ہے، احادیث اس سے پر ہیں۔ غرض وعظ سب جگہ درست ہے، امر بالمعروف نہی عن المنکر واجب ہے، خواہ کہیں ہو۔ فقط (مجموعہ چندیانوی ص ۸۷-۸۹)

(۷۷۷) وعظ ونصیحت کیلئے صلاحیت اور مطلوبہ قابلیت کیا ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ ایک شخص نوجوان مرد صالح، پرہیزگار متبع سنت وتابع شریعت، یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک لہ جاننے والا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تصدیق کرنے والا، نماز پنج گانہ پڑھنے والا، زکوۃ کا دینے والا، نکمی باتوں پر دھیان نہ کرنے والا، فسق وفجور سے بچنے والا، حتی الوسع مذاہب باطلہ کی تردید کرنے والا، صرف اردو کی کتابوں سے فقط صرف علم اردو بخوبی جاننے والا، احکام ممنوعہ سے بطاقت علم اجتناب کرنے والا، اگر بباعث افلاس وتنگدستی کے غریب الوطن جا کر، کتب واعظیہ تدریس: مثلاً ترجمہ اردو کنز الدقائق ومالا بدمنہ، وتفسیر عزیزی وفتح العزیز، وتفسیر جامع التفاسیر، تصنیف مولانا نواب قطب الدین صاحب مرحوم دہلوی ودیگر تصانیف نواب صاحب مرحوم، مثل تحفۃ الزوجین، وگلزار جنت، وترغیب الجماعت وغیرہ اور حدیث میں سے مظاہر الحق، مشارق الانوار ومجالس الابرار، وعقائد میں سے تقویت الایمان و صراط مستقیم شرح سفر السعادت، ونصیحت المسلمین، ورسالہ حج مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ومکتوبات مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی ودیگر کتب اردو، مثل مجموعہ سعادت وغیرہ، ایسے موقع پر کہ جہاں لوگ رسومات بدعیہ وشرکیہ میں مبتلا ہوں۔ اس کے لئے کتب مذکورہ کا وعظ ونصیحت خالصاً للہ، واسطے قائم کرنے دین کے، کہ وہ لوگ جاہل نماز روزہ وغیرہ سے، درس (و) تدریس کیلئے، دین کی ترقی روشن کرنے کے لئے، کہ وہ لوگ بوجہ جاہلیت کے دین محمدی سے بے بہرہ ہوں، درست ہے، یا نہیں؟ اور قصد اس کا صرف ترغیب وترہیب ہو، شرعاً درست ہے، یا نہیں، اور علم عربی سے ناواقف [ہے]۔ جواب مع مہر تحریر فرما دیں، اللہ تم کو اجر عظیم دے۔ بینوا توجروا۔

جواب: اس کا کچھ عجب نہیں کہ آدمی علوم دینیہ نہ پڑھتا ہو، فقط فارسی اور اردو کی استعداد رکھتا ہو اور وعظ (و) درس

کرے، مگر یہ ضرور ہے کہ ایسا آدمی ان کتب اور مضامین کو خوب سمجھ لیوے اور استاد ماہر واقف سے تحقیق کرلیوے اور پھر بیان کرنے میں، ہوشیاری سے صحیح صحیح مضامین بیان کرے، اور جو مسئلہ بصراحت مذکور نہ ہو، اس میں لب کشا بجواب نہ ہووے، جس قدر معلوم وتحقیق ہے، اسی قدر جواب دیوے اور بیان کرے۔ محل اشتباہ اور اختلاف میں سکوت کرے اور محقق علماء سے تحقیق کرکے بولے، تو اس شرط کے ساتھ بنظر للّٰہیت اگر وعظ واضح کرے، تو درست ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

بَلِّغُوا عَنِّي وَ لَوْ آية. الحديث (۱)

اس حدیث میں جو کچھ بندہ نے لکھا ہے، سب اشارہ فرمادیا ہے و العاقل تكفيه الإشارة.

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۱۷۔۲۱۸)

(۷۷۸) جو باضابطہ عالم نہ ہو مگر محتاط اور باخبر ہو، اس کو وعظ کہنا صحیح ہے: سوال: ایک شخص نے قرآن شریف کا ترجمہ کسی عالم باعمل سے پڑھا، اور تقویۃ الایمان اور مالابد [منہ] اور راہ نجات اور مثل ان کے اور رسائل مضبوط عالم باعمل سے پڑھے، اور سوائے ان کے اور مسائل دینی، علماء حقانی سے تحقیق کیا کرتا ہے اور جتنا پڑھا اتنا ہی لوگوں کو وعظ سناتا ہے، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، اور جو کوئی شخص اس سے مسئلہ دریافت کرتا ہے، اگر اسے معلوم ہوتا ہے تو بتلا دیتا ہے اور جو نہیں معلوم ہوتا، تو کہہ دیتا ہے کہ مجھ کو معلوم نہیں، غرض کہ اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتا۔ ایسے شخص کا وعظ سننا اور اس کا وعظ کہنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ایسے شخص کو وعظ کہنا درست ہے۔ فقط (فیوض رشیدیہ، طبع اول ص ۲۵)

(۷۷۹) واعظ میں کیا کیا شرائط ضروری ہیں؟ سوال: کون شخص وعظ کا منصب رکھتا ہے اور واعظ میں کیا کیا شرائط ہونی چاہئیں؟

جواب: وعظ کہنے کو علم دین اور تقویٰ کا ہونا اور صحت روایات کا تمیز کرکے بیان کرنا، اور غلط روایات سے اجتناب رکھنا اور ہدایتِ خَلق کی نیت سے بیان کرنا اور نفسانیت اور طمع سے پاک ہونا، شرائط واعظ ہیں، اور وعظ میں لوگوں کا حال رعایت رکھنا، کہ جس معصیت کی کثرت دیکھے اس کو بہ نرمی فہمائش کرے، اور کسی کا نام خاص کرکے نہ

(۱) یہ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل ص: ۱۳۶/ج: ۲، جز: ۴ رقم الحدیث: ۳۴۶۱ مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ] نیز بخاری شریف باب مذکور ص: ۴۹۱ جلد دوم رقم الحدیث: ۳۴۶۱ [مرادآباد ۱۴۱۵ھ] مشکوۃ کتاب العلم، الفصل الاول ص: ۱۱۴، ج: ۱، رقم الحدیث: ۱۹۸ ت: رمضان بن احمد [مکتبۃ التوبۃ دار ابن حزم ۲۰۰۳ء] نیز مشکوۃ شریف باب مذکور ص: ۳۲ ج: ۱ [رشیدیہ، دھلی: نقل اصح المطابع ۱۳۷۵ھ]

لیوے، اور اصلاح عقائد و اعمال کی رعایت کر کے، مناسب حال لوگوں کے مسائل بیان کرے اور قصہ و کہانی فضول بیان نہ کرے۔ اور اس قدر طویل بیان کہ لوگوں کو ملال ہو، نہ کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعۂ کلاں ص ۱۴۴۔۱۴۵۔۱۴۶)

(۷۸۰) جاہل ان پڑھ بے سمجھ کا وعظ کرنا، ناجائز ہے: سوال: ایک شخص بالکل امی یعنی قرآن بھی نہیں پڑھا اور کوئی سورت قرآن کی بھی صحیح یاد نہیں، اور زبان سے بھی تتلاتا ہے اور اپنے کو مولوی تصور کرتا ہے، گھروں میں اور بازاروں میں وعظ بھی کہتا ہے اور لوگ اس کے وعظ میں، بسبب خراب الفاظی کے تمسخر کرتے ہیں، پھر وہ واعظ مذکور ان کو گالیاں دیتا ہے، اور علاوہ اس کے غلط مثالیں اور قصے وعظ میں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وعظ میں بیان کیا کہ جو کوئی عورت اپنے خاوند کا کہنا نہ مانے، تو اس کو کڑوے نیم میں باندھ کر مارو۔ ایک سائل نے وعظ میں دریافت کیا، کہ اگر کڑوا نیم گھر میں نہ ہو تو کیا کریں؟ واعظ صاحب نے فرمایا کہ مکان سے باہر لا کر مارو، تب لوگوں نے بہت تمسخر کیا۔ ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کا وعظ سننا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: ایسے شخص جاہل کو وعظ کہنا حرام ہے اور اس کا وعظ سننا بھی درست نہیں، کہ وہ گمراہ کرنے والا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فیوض رشیدیہ ص ۲۴۔۲۵)

(۷۸۱) وعظ کہنا کہلانا ہر جگہ ہر وقت، ہر ایک کے سامنے جائز ہے: سوال: ایک شخص پیر جی یوں فرماتے ہیں، کہ ہمارے مولوی صاحب ایسے عالم ہیں کہ پانسو پانسو کوس تک ان کا کوئی فتویٰ رد نہیں کرتا۔ ہمارے مولوی صاحب یوں فرماتے ہیں، کہ رات کو مکانوں میں وعظ کہلانا ہرگز درست نہیں ہے، کیونکہ جب واعظ کے سامنے لالٹین یا چراغ رکھا جاتا ہے تو عورتیں واعظ کو گھورتی ہیں، اور بہت شوہر والی اور بیوہ وعظ سن کر بھاگ گئی ہیں، اور رات کو جو عورتیں پانچ پانچ سات سات محلہ کی جمع ہو کر وعظ سننے آتی ہیں، یہ بھی ہرگز درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں بہت فساد برپا ہوتے ہیں، سوائے اس کے یہ کہ شریعت محمدی میں رات کو مکانوں میں وعظ کہلانے کی، کوئی اصل نہیں پائی جاتی، اور سوائے اس کے مولوی صاحب مذکور نے اور وجوہات بھی، رات کے وعظ (کے) ناجائز ہونے کے قائم کئے ہیں، جس کی تحریر کو طول چاہئے۔

اور تعجب یہ ہے کہ مولوی صاحب جوان عورتوں کو مرید بھی کرتے ہیں، اور ان کی مریدن اکثر بے پردہ بھی ہیں، چڑی مارنی وغیرہ، مولوی صاحب کے سامنے بے حجاب آتی ہیں، روٹی وغیرہ پکا کر کھلاتی ہیں، وہاں مولوی صاحب کو فساد کا کچھ خیال نہیں آتا ہے۔

ایک شخص نے پیرجی سے دریافت کیا، کیا وعظ سننا بالکل منع ہے، پیرجی صاحب نے فرمایا کہ مسجد میں بعد نماز صبح اور بعد نماز مغرب وعظ مسجد میں ہو مگر عورتیں نہ ہوں۔ سائل نے کہا کہ کیا عورتوں کو دین سیکھنا منع ہے؟ پیرجی نے کہا کہ وعظ سننا منع ہے، مرد مسجد میں سن کر گھروں میں جا کر بیان کردیں، سائل نے کہا کہ جو کچھ عورتیں واعظ کے کہنے کو مانتی ہیں، وہ ہمارے کہنے کو نہیں مانتی، پیرجی نے کہا، اگر نہ مانیں تو آپ جہنم میں جائیں گی ہم کہہ کر بری ہو جائیں۔

دوسری بات سائل نے یہ کہی، کہ ہمارے کہنے اور واعظ کے کہنے کو زمین آسمان کا فرق ہے، پوری طرح سے ہم لوگ نہ عذاب دوزخ بیان کرسکیں اور نہ خوشخبری جنت، اور نہ حقوق زوجین وفضائل علم دین بیان کرسکیں۔ پیرجی صاحب! ہم کل بزرگوں سے سنتے آئے ہیں، بچپن سے اس عمر تک بچشم خود دیکھتے آئے ہیں، کہ رات کو وعظ گھروں میں ہوتا چلا آتا ہے، اور مولوی لوگ بھی اپنے گھروں میں مسافر واعظ کا وعظ کہلاتے ہیں، حالانکہ وہ خود مولوی ہوتے ہیں اور اپنی اور محلہ کی عورتوں کو وعظ سنواتے ہیں، اگر وعظ رات کو مکانوں میں ناجائز ہوتا، تو مولوی اپنے گھروں میں کیوں کہلواتے۔

چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی نے، مولوی فتح محمد [صاحب جلال آبادی] کا رات کو اپنے مکانوں میں وعظ کہلوایا، اور کل محلہ کی عورتوں کو سنوایا اور مولوی رحیم بخش صاحب نے بھی وعظ کہلوایا، اور مولوی محمد مراد صاحب مدرس مظفر نگر نے، مولوی امیر باز خان صاحب سہارنپوری اور مولوی محمد حسین صاحب فقیر بنتی کا، اپنے گھر میں وعظ سنوایا، اور سوائے اس کے ہم جس بستی میں، واسطے تجارت کے یا کار ضروری کے پہنچتے ہیں، سب عالم اپنے اپنے گھروں میں مسافر واعظوں کا وعظ کہلاتے ہیں، اگر ناجائز ہوتا تو کوئی نہ کہلواتے۔

پیرجی صاحب! میری عقل ناقص میں یہ بات آرہی ہے اور سب لوگ اس کو جانتے ہیں کہ، پہلے گھروں میں اس قدر کفر اور شرک اور بدعت کا رواج تھا، کہ سیتلا وغیرہ پوجتے تھے، اور قبروں اور جھنڈوں اور تعزیوں کو پوجتے تھے، اور بچوں کے سروں پر پیروں کے نام کی چوٹیاں اور پیروں میں بیڑیاں رکھتے تھے اور سوائے اس کے گھروں میں سیکڑوں خرافاتیں ہوتی تھیں، سچ تو یہ ہے کہ گھروں کے وعظ سننے سنانے سے یہ بات چھوٹ گئی۔

اللہ تعالیٰ علماء دین کو ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھے، کہ جن کی بدولت ہم لوگ ایمان (و) کفر میں فرق سمجھ گئے۔

اب سائل دریافت کرتا ہے کہ گھروں میں رات کو وعظ کہلانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور وعظ اس صورت سے ہوتا ہے کہ رات کو واسطے عورتوں کے کپڑے کا پردہ ہو جاتا ہے، اکثر عورتیں پردہ نشیں اور بعض بے پردہ، پردہ میں بیٹھ کر وعظ سنتی ہیں اور بعض عورتیں پچاس قدم دور ہوتی ہیں، اور بعض عورتیں کوٹھوں پر بیٹھ کرسنتی ہیں۔ غرض بہرصورت مردوں سے دور رہ کر وعظ

سنتی ہیں اور سن کر عمل بھی کرتی ہیں، چنانچہ سیکڑوں عورتیں کفر وشرک سے توبہ کرتی ہیں، اور بے نمازی عورتیں نمازی ہوجاتی ہیں۔ تو اس صورت میں وعظ کہلایا جاتا ہے، اور پانچ پانچ سات سات محلہ سے، عورتوں کو وعظ سننے جانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور خاوندوں کو ایسے وعظ میں اجازت دینی جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر خاوندان عورتوں کو وعظ سننے کی اجازت دیں گنہگار ہوتے ہیں، یا نہیں، جو خاوند وغیرہ اس صورت کے وعظ میں عورتوں کے جانے سے منع کریں، گنہگار ہوتے ہیں یا نہیں؟ اب علمائے دین سے یہ عرض ہے کہ جو حکم خدا اور سول اُس کے کا ہو، مع دلائل تحریر فرماویں۔

جواب: وعظ کہنا اور کہلانا رات اور دن کو، مساجد میں سب جگہ سب اوقات میں، درست ہے، کوئی خصوصیت نہیں، قال اللہ تعالیٰ:

وَ ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ. الآية ترجمہ: اور سمجھاتا رہ، کہ سمجھانا، کام آتا ہے ایمان والوں کو۔

(الذاریات. ۵۵) (ترجمہ شیخ الہند)

کچھ قید زمان ومکان کی وعظ میں حق تعالیٰ نے نہیں فرمائی اور حدیث صحیح ہے:

بلغوا عني ولو آية الحديث. کہ میرے احکام کی تبلیغ کیا کرو، اگرچہ قلیل ہو۔

(رواہ البخاری) (بخاری نے روایت کیا ہے)

تبلیغ احکام کو آپ نے فرض فرمایا اور کوئی قید کسی وقت اور مکان کی نہیں فرمائی، اور اپنی رائے سے نص کو مقید کرنا منع ہے، پس ہر وقت ہر جگہ وعظ کہنا درست ہوا۔ اور جو مفاسد اس شخص نے بیان کیے ہیں، وہ دن میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی عورت کی چال ڈھال سے فتنہ ظاہر ہو، اس کا انتظام کرے، ورنہ خواہ مخواہ اپنے وہم فاسد سے مسلمان عورتوں پر، حکم خداوندی کا سننے سے تنگی کرنا اور منع کرنا سخت بیجا ہے۔ غرض تقریر اس شخص کی عدم جواز وعظ شب میں بیہودہ ہے۔

وعظ سننے سے مستورات کو فائدہ ہوتا ہے، ضرور سننا چاہئے، مگر جس میں کوئی مفسدہ ظاہر ہو، اس کا انتظام کرلیوے، اور بیوہ کا نکاح کرنا چاہئے، کیوں ان کو معطل کرے اور امر خیر سے روکے۔ جو وعظ سن کر وہ اپنا چارہ آپ کرے، نکاح بیوہ کا کرنا، والیان کو واجب تھا، جب انھوں نے سنت کام برا جانا، تو یہ بے غیرتی ان کو ہوئی کہ عورتیں خود اپنا نکاح کرنے لگیں، یہ عذر سخت بیہودہ ولغو ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

یہ جواب صحیح ہے: محمد مراد عفی عنہ

بے شک یہ وعظ میں جانا عورتوں کا جائز ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان تقدس میں، عورتیں عیدگاہ میں وعظ سننے جایا کرتی تھیں اور وہیں نماز بھی پڑھتی تھیں۔ مجیب محمد مراد مظفر نگری

کلام مجید میں صاف آیا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا قُوا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً (التحریم ۶) یعنی اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر کے لوگوں کو دوزخ سے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آگ سے بچنا مردوں اور عورتوں کو سب کو چاہئے، نہ کہ مردوں کو ہی ضروری ہے، اور مردوں کو امر کے صیغہ سے تاکید کیا ہے. واھلیکم فرمایا، کہ گھر کے لوگوں کو بھی بچاؤ۔ اور آگ سے بچنا خدا اور رسول کی تابعداری سے ہے، اور امر و نواہی میں اور امر و نواہی وعظ سننے سے معلوم ہوتے ہیں، اور سوائے اس کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کوئی دعوت کرتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مکان پر تشریف لے جا کر، کھانا تناول فرماتے تھے، تو بعد کھانے کے، اس گھر کے سب لوگ، نیز پڑوس کے سب مرد عورت، آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر، مسائل دینی دریافت کرتے تھے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ مرد سنیں، عورتیں نہ سنیں، بلکہ یوں فرمایا ہے: کہ علم دین کل مرد[وں] و عورتوں کو سیکھنا فرض ہے: طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة.

فائدہ: علمائے دین یوں فرماتے ہیں کہ اگر شوہر خود عالم ہو، تو شوہر پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو علم، یعنی مسائل دینی سکھلاوے، ورنہ بیوی کو علم دین کے سیکھنے کی اجازت دیوے۔

نہ اذن دے شوہر اپنی بیوی کو مگر سات جگہ، پہلی واسطے عیادت والدین اور ان کی تعزیت کے واسطے، اور دوسری واسطے ملاقات محارم اور ان کی عیادت کے، اور تیسرے دودھ پلانے کے لئے، اگر عورت قابلہ اور دائی ہو، چوتھے واسطے غسل میت کے اگر وہ غسالہ ہو، پانچویں واسطے طلب ایک حق کے کہ دوسرے پر ہو، چھٹے واسطے ادائے حق غیر کے کہ اس پر ہو، ساتویں حج اور طلب علم دین ضروری کیلئے: كذا في المضمرات في كتاب النفقات و عين العلم

فائدہ: ان عبارات (کی رو) سے عورت کو وعظ میں جانا اور دین سیکھنا واجب ہے۔ حدیث شریف میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ قرب قیامت کے ایسے دجال اور کذاب لوگ فتویٰ دیں گے کہ وہ نہ خود سمجھیں گے، بلکہ لوگوں کو گمراہ کریں گے، اور ایسی ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ جو تمہارے باپ دادوں نے [بھی] نہیں سنی ہوں گی۔ (رواہ مسلم)

فائدہ: جو شخص وعظِ شب کے سننے کو عورتوں کو منع کرتا ہے، وہ بھی انھیں لوگوں میں ہے، جن کی خبر رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی ہے، کیونکہ جتنے عالم اہل اسلام میں متقدمین سے متاخرین تک ہوئے، ناچ وغیرہ کو منع کرتے چلے آئے اور وعظ کے سننے سنانے کے فضائل بیان کرتے چلے آئے۔ اور یہ مولوی مانع، خدا اور رسول کا اور کل اجماع امت کا خلاف کرتا ہے، پس شخص ایسے کے کہنے کا خیال نہ کرے، یہ گمراہ کرنے والا ہے، جو کچھ ضرورت ہو، علماء حقانی

سے دریافت کرلیا کرے اور مرد (و) عورت کو دل وجان سے وعظ سننا چاہئے۔ یہ وعظ سننا ہدایت ہے، اس پر اجماع امت کا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

إن اللّٰه لایجمع أمتي أو قال أمة محمدٍ علی ضلالة و ید الله علی الجماعة، و من شذّ شذّ في النار. رواه الترمذي(۱)

ترجمہ: فرمایا نبی علیہ السلام نے ہرگز ہرگز اللہ پاک میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اور جو جماعت سے جدا ہوا، آگ جہنم میں پھینکا جائے گا۔

فائدہ: علماء یوں فرماتے ہیں، کہ امت سے یہاں مراد اہل علم ہیں، یعنی اصحاب اور مجتہدین آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا یہ گمراہی کی باتوں پر اتفاق نہ کریں گے، کیونکہ اس جماعت پر اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہے، وہ ہمیشہ اللہ کی حفاظت میں رہیں گے اور جو کوئی ان سے جدا ہوکر، خلاف راستہ اختیار کرے گا، گمراہ ہوکر جہنم میں پڑے گا۔

رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اصحاب (کرام رضی اللہ عنہم) اور علماء امت محمدی، سب وعظ عورتوں اور مردوں کو سناتے رہے، آج تک کسی عالم حقانی نے منع نہیں کرا، اگر یہ گمراہی ہوتا تو اس پر اجماع کیوں ہوتا اور اجماع اس پر ہے کہ گھروں میں مسجدوں میں، سب جگہ مرد اور عورتوں کو وعظ سناؤ۔ اب جو اس کے خلاف کرتا ہے، قرآن وحدیث واجماع امت کا خلاف کرتا ہے اور رحمت کے ہاتھ سے نکل کر جہنم میں پڑتا ہے۔ یا اللہ اس مانع کو ہدایت دے اور کل اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، کہ تیرا اور تیرے حبیب کا دل وجان سے ذکر سنا کریں اور ہمیں عمل کی توفیق دے، آمین! جیسے کہ تو نے اپنے کلام [قرآن شریف] میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ. (الانفال: ۲)

بے شک وہ لوگ ہیں کہ جب یاد کیا جاتا ہے اللہ ڈر جاتے ہیں دل ان کے، اور جب پڑھی جاتی ہیں اوپر ان کے نشانیاں اس کی، زیادہ کرتے ہیں ان کا ایمان، اور اوپر پروردگار اپنے کے توکل کرتے ہیں۔

فائدہ: افسوس ہے اس مولوی پر کہ اس نے کچھ پڑھا ہے، یا جلاہوں کی طرح مومن کہلاتا ہے کہ، کہتا ہے کہ وعظ سن کر عورتیں بھاگ جاتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن سننے سے (عورتیں) بگڑ جاتی ہیں، اور پروردگار عالم یوں فرماتا ہے کہ شناخت ایمان والوں کی یہ ہے، کہ جب ان کے سامنے یاد کیا جاتا ہے، اللہ اس کے خوف سے ڈرتے ہیں،

(۱) مشکوۃ کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثانی ص:۳۰، ج:۱، رقم الحدیث: ۱۷۳، ت: رمضان بن احمد بن علی [مکتبۃ التوبۃ، دار ابن حزم ۲۰۰۳ء] نیز باب مذکور ص:۳۰، ج:۱ [کتب خانہ رشیدیہ، دہلی نقل اصح المطابع ۱۳۷۵ھ]

اور جب اس کی آیت سنتے ہیں، توان کے ایمان بڑھتے ہیں۔ پس اس آیت سے رد ہوگیا قول مانع کا، اور واضح ہوا کہ قرآن شریف کے سننے سے ایمان بڑھتا ہے ایمان والوں کا۔

پس کل مرد(وں) عورتوں کو واجب ہے کہ وعظ میں جایا کریں، اور اللہ کا ذکر سن کر اپنا ایمان بڑھایا کریں، اپنے گھر ہوں یا غیر کے گھر ہوں، سب جگہ وعظ سننا درست ہے۔ عبدالکریم واعظ سڑک کیرانوی۔

الجواب صحیح۔ مکرر یہ ہے کہ جو شخص وعظ [سننے] کو مستورات کو منع کرتا ہے، وہ خلاف کلام اللہ کی آیت کے کہتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا اَنْفُسَكُم وَاَهلِيكُم نَاراً (التحريم.٦) اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ دوزخ سے۔

سو اس کے ذمہ اپنے بیوی بچوں کو وغیرہ [کو] بچانا آگ سے، خواہ اپنی نصیحت سے ہو یا غیر کی نصیحت سے ہو، امر کے صیغہ سے واضح ہے، اور شب کو وعظ ہونا زیادہ مناسب ہے، کہ طبیعت یکسو اور فراغت امور خانہ داری سے ہوتی ہے۔ سو اس وقت اطمینان کلی ہے، بہ نسبت دن کے کہ دقت ہے کہ تفکرات، امور مرجوعہ کے ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد امیر باز خان، سہارنپوری

یہ سب عبارت درست اور صحیح و درست ہے، عبدالحق عفی عنہ بگھروی...... ہذا الجواب صحیح۔ عبدالعزیز کھجناوری

فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

فَعِظُوهُنَّ وَاهجُرُوهُنَّ. (النساء۔۳۴) ترجمہ: پس نصیحت کرو اور چھوڑ دو ان (عورتوں) کو۔

یہاں اللہ نے صاف فرمایا ہے صیغہ امر سے، کہ عورتوں کو وعظ کرو اور چھوڑ دو، شاید یہ راہ پر آجائیں۔ اس آیت سے عورتوں کو وعظ سنانا واجب ہے، اور کہنا پیر جی کا کہ عورتیں آپ جہنم میں جاویں گی، تم کہہ کر بری ہوجاؤ۔ سو غلط ہے۔ کیونکہ اللہ نے واهجروهن فرمایا کہ اگر نہ مانے چھوڑ دو، جو شخص وعظ [سے] منع کرتا ہے، اس آیت کا منکر ہے۔ راقم حافظ امانت خان صاحب مظفرنگری (فیوض رشیدیہ۔ ص ۱۳ سے ص ۱۹ تک)

(۷۸۲) وعظ کے بعد دعا اور مصافحہ میں حرج نہیں:

مسئلہ: اب رہا یہ کہ بعد وعظ کے دعا، سو کچھ مضائقہ نہیں، بعد عمل صالح کے دعا مستحب ہے، اور مصافحہ رخصت ہونے کے وقت، عوام جو بعد وعظ کے کرتے ہیں، یہ بھی جائز ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ص: ۴۸)

....

علم اور تعلیم سے متعلق چند مسائل واحکام

(۷۸۳) علم سے مراد علم دین ہے، طلب علم سے اسی کی ترغیب دی گئی ہے: علم (سے) مقصود مراد و مطلوب علم دین کا ہے فقط، نہ علم دنیا کا:

قَالَ اللّٰه تعالیٰ: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا، الآية (القاطر:۲۸) — اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں، جن کو سمجھ ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

وَقَالَ تَعَالیٰ: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ. (المجادلة:۱۱) — اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے، درجے بلند کرے گا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ان دونوں آیات میں، صاف ظاہر ہے کہ [علم سے] علم دین مراد ہے، کیونکہ خشیت حق تعالیٰ کی علم دین سے حاصل ہوتی ہے، نہ علوم دنیاوی سے، اور رفع درجات عند اللہ تعالیٰ بھی دین کے علم سے حاصل ہوتی ہے، نہ تحصیل علم دنیا سے۔ بلکہ علوم دنیا سے غفلت اور معصیت پیدا ہوتی ہے اور موجب بعد کا ہوتا ہے، کما لایخفی۔

علیٰ ہذا! جہاں کہیں تمام قرآن شریف میں ذکر علم مطلوب کا آیا ہے، وہاں علم دین ہی مراد ہے اور بس:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: طلب العلم فريضةٌ على كل مسلم الحديث(۱) — فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کا سیکھنا ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔

وقال أيضا: من خرج في طلب العلم فهو في سبيل اللّٰه (۲) الحديث — نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علم حاصل کرنے کے لئے [اپنے گھر اور وطن سے] نکلا، وہ اللہ کے راستہ میں ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں بھی مراد علم سے علم دین کا ہی ہے۔ کیونکہ طلب کا فرض ہونا اور طالب کا فی سبیل اللہ ہونا، دین

---

(۱) رواه ابن ماجه ص: ۲۰، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم [مطبع فاروقی دھلی] نیز ابن ماجہ ج: ۱ ص: ۱۵۱، رقم الحديث: ۲۲۴ ت: شعيب الارنووط [الرسالة العالميه ۱۴۳۰ھ] نیز مشکوۃ ج: ۱، ص: ۳۴ اصح المطابع رشيديه دهلی: ۱۳۷۵ھ، نیز مشکوۃ فصل مذکور ج: ۱، ص: ۱۲۳ رقم الحديث: ۲۱۸ [مكتبة التوبه دار ابن حزم، ت: رمضان بن آل عوف ۲۰۰۳ء] [نور]

(۲) یہ حدیث ترمذی اور دارمی کی ہے۔ مشکوۃ کتاب العلم، الفصل الثانی ص: ۳۴ جلد: ۱، [مكتبه رشيديه اصح المطابع دهلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ فصل مذکور ج: ۱، ص: ۱۲۴ [مكتبة التوبه دار ابن حزم، ت: رمضان بن احمد ۲۰۰۳ء] حديث: ۲۲۰ [پالن پوری]

کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، نہ بوجہ تحصیل متاع دنیا کے۔ کہ حب متاع دنیا کو شارع نے: رأس كل خطيئة فرمایا ہے۔(۱) پس جو شے کہ سر جملہ گناہوں کا ہو، وہ کس طرح فرض اور فی سبیل اللہ بن سکتا ہے، اور علیٰ ہذا، جس قدر احادیث فضل اور تحصیل علم میں وارد ہیں، سب میں مراد علم دینیات کا ہی ہے، اور بس! اور ہرگز کہیں اس سے علم تحصیل دنیا کا مراد نہیں، اور وہ حدیث جو زبان زد ہے:

اطلبوا العلم و لو كان فی الصين۔(۲) ترجمہ: علم کو حاصل کرو، چاہے وہ چین میں ہو۔

بشرط ثبوت کے، اس سے بھی علم دین ہی مراد ہے، کیونکہ قدر مایحتاج دنیا تو ہر بلد و قریہ میں حاصل ہے، پس اس قدر مشقت کہ تا بہ چین، اس کی تحصیل کے واسطے مشقت اٹھانا فرض ہو، ہرگز کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ دنیا کے واسطے امر ہووے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود رگوب، بحر کو، بوجہ مشقت کے تحصیل دنیا کے واسطے ناز یبا ارشاد فرماتے ہیں: لقوله عليه السلام:

لايركب البحر إلّا حاجٌ (۳) ترجمہ: حج کرنے والے کے علاوہ کوئی دریا کا سفر نہ کرے۔

پس أطلبوا کا لفظ جو فرض طلب پر دال ہے، بوجہ امر کا صیغہ ہونے کے، تحصیل متاع دنیا کے واسطے مشقت سفر کو کب فرض کر سکتا ہے، سو خلاف عقل و نقل کے ہے۔ بہر حال اس سے مراد وہ ہی علم ہے، جس کو فرمایا کہ:

طلب العلم فريضة على كل مسلم ترجمہ: علم کا حاصل کرنا ہر اک مسلمان پر فرض ہے۔

جس کو علم دین کہتے ہیں نہ کہ علم دنیہ کا، اور یہ روایت کتب طب کہ:

العلم علمان الخ اولاً یہ حدیث ہی نہیں۔(۴) بعد تسلیم و فرض اس کے حدیث ہونے کے، وہ خود تفرقہ کرتی ہے

---

(۱) یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حسن بصریؒ سے مرسلا روایت کی ہے (مشكوة كتاب الرقاق فصل ثالث ص: ۴۴۴ ج: ۲ [نقل اصح المطابع دهلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ شریف ص: ۱۹۳۸ ج: ۳۔ رقم الحدیث: ۵۲۱۳ ت: رمضان بن احمد [مکتبۃ التوبۃ، دار ابن حزم ۲۰۰۳ء] [نور]

(۲) یہ حدیث نہیں کسی کا مقولہ ہے۔ ابن حبان نے اس کو باطل کہا ہے اور ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور بیہقی اور خطیب وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور مزی نے اس کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے (كشف الخفاء، ص: ۱۳۸، ج: ۱ [دار احياء التراث العربی بيروت] حديث ۳۹۷ [نور]

(۳) عن عبد الله ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايركب البحر الاحاج او معتمرٌ او غاز فی سبيل الله فان تحت البحر ناراً و تحت النار بحراً

بذل المجهود عكس طبع قديم ص: ۲۰۵، ج: ۳ [سهارنپور] بذل المجهود شرح ابوداؤد، باب مذکور ص: ۲۹ جلد ۹ ت: مولانا تقی الدين الندوی المظاهری [اعظم گڈھ، ۲۰۰۶ء، ۱۴۲۷ھ]

ابوداؤد، كتاب الجهاد، باب فی ركوب البحر ص: ۲۰۵ جلد: ۳ رقم الحديث: ۲۴۸۱ ت: شيخ محمد عوامه [مؤسسة الريان، بيروت: ۲۰۰۴ء]

نیز مشكوة كتاب الجهاد ص ۱۳۶۴ ج ۳، رقم الحديث: ۳۸۳۸ [مكتبة التوبه بيروت: ۱۴۲۳ھ] [نور]

(۴) یہ حدیث ہی نہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس کو موضوع کہا ہے اور سیوطی نے کتاب الطب کے شروع میں اس کو امام شافعی رحمہ اللہ کا مقولہ قرار دیا ہے۔ پوری عبارت ہے العلم علمان: علم الأديان وعلم الأبدان (کشف الخفاء ۲: ۶۸ حدیث ۱۷۶۵) [دار احياء التراث العربی ۱۳۵۱ھ] [نور]

کہ علم کی دو نوع ہیں اور علم ابدان جو فن طب ہے علم دین سے جدا ہے۔ کیونکہ ہر نوع دوسری نوع سے متباین اور ضد ہوتی ہے۔ بہر حال علم ابدان کا علم دین کا غیر اور ضد ہونا، اس سے واضح ہو گیا، اور بالا واضح ہو گیا کہ جس علم کی تحصیل کا حکم ہے، وہ علم دین کا ہی ہے۔ فقط

سوا مر واضح رہے کہ جہاں علم دین کا اطلاق ہووے گا، وہاں دوسرے کسی علم کا دخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر نوع متباین دوسرے کی ہے، پس نصوص قرآن شریف اور احادیث سے واضح ہوا کہ علم معتبر عند اللہ تعالیٰ و عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عرف شرع شریف میں، علم دین ہی ہے۔ اور عرف عام وخاص اہل اسلام میں قدیماً وحدیثاً، یہ ہی ہے کہ جب علم کا لفظ بولتے ہیں اور عالم کسی کو کہتے ہیں، تو اس سے مراد علم دین اور عالم علوم دینی کا ہی مراد ہوتا ہے، نہ ریاضی وطب وفلسفہ، کہ ان علوم کو کوئی بھی علوم نہیں جانتا، کہ ان کے واقف کو عالم کہتا ہے۔

خود واضح ہو گیا کہ جو وقف تعلم علم کے واسطے کسی اہل اسلام نے کیا ہے، تو غرض اس کی حسب اصطلاح شرع وعرف عام وخاص، قوم اہل اسلام کے، علوم دینیہ ہی مراد ہوتی ہے، اگر چہ صراحتاً علم دین کا نام نہ لیا ہو، چہ جائیکہ تصریح ہو، کیونکہ قاعدہ تمام امت کا ہے: المعروف كالمشروط. لہٰذا مصرف اس وقف کا خاص علوم دینیہ کا ہونا، منصوص ہو گیا۔ قال في الدر المختار:

شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم و الدلالة و وجوب العمل به(۱)

پس صرف کرنا اس کا، سوائے علوم دینیہ اور مبادی علوم دینیہ کے، کسی علم دنیا میں کسی وجہ سے درست نہ ہو گا، کیونکہ علوم دنیا ضد اور غیر علوم دینیہ کا ہے، اور اب ظاہر ہوا کہ نص واقف کی، مثل نص شارع کے ہے، کہ تبدیلی اس کی ہرگز درست نہیں۔ قال (في) رد المحتار:

فإذا قال وقفت على الأولاد الذكور يصرف إلى الذكور، بحكم المنطوق. وأما الاناث فلا يعطى لهن، لعدم ما يدلّ على إعطائهنّ الخ (۲)

اس سے ظاہر ہوا کہ ذکور کی قید سے دوسری نوع اولاد کا رفع ہو گیا، اور اس پر صرف اس وقف کا ناجائز ہوا، اور نیز درمختار میں ہے:

---

(۱) در مختار کتاب الوقف ج: ۱ ص: ۳۹۰، فصل يراعى شرط الواقف في اجارة" فروع مهمله" (نور)

(۲) شامی کتاب الوقف مطلب لايعتبر المفهوم في الوقف ج: ۳، ص: ۴۱۶ (مجتبائی دهلی) نیز شامی ج: ۴ ص: ۴۳۳ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ] (نور)

وإن اختلف احدهما بان بنیٰ رجلان مسجدين أو رجل مسجداً و مدرسة ووقف عليهما أوقافاًلايجوزله ذلک(۱) و من اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين، أحدهما للسكنیٰ و الآخر للاستغلال، لايصرف احدهما للآخر.(۲) الخ

ان روایات سے بھی واضح ہوگیا کہ اختلاف جہت میں صرف کرنا درست نہیں، چہ جائیکہ ایک دوسرے کی ضد ہو۔

پس ثابت ہوا کہ [وقف برائے]علوم دینیہ کو، تعلیم زبان انگریزی یا دیگر علوم دنیا میں صرف کرنا، قرآن وحدیث کے مقتضیٰ و فتویٰ سے، اور فقہاء کی عبارات سے ممنوع و ناجائز ہوگیا۔ اب کیسے کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ وقف علوم دینیہ کو تعلیم زبان انگریزی پر صرف کرنا درست ہی نہیں، بلکہ بداہتاً معلوم ہوا کہ سخت ز بوں اور ناجائز ہے۔ اور یہ تصور کرنا کہ علوم انگریزی پڑھ کر، ترقی مسلمانوں کی ہووے گی اور پھر اس کے ذریعہ سے دین حاصل کریں گے۔

اولا: یہی قاعدہ غلط ہے کہ ترقی دنیا سے، ترقی دین کی حاصل ہوتی ہے، کیونکہ دنیا و دین باہم دونوں ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ اشتغال دنیا، باعث خرابی آخرت کا ہے، اور یہ مسئلہ بدیہی مسلم تمام عقلاء کا ہے، کہ اور دنیا غفلت دینے والی آخرت اور علم آخرت کی ہے اور مشغول کرنے والی کمالات و علوم اخرویہ کی ہے۔

ثانیاً: خود ظاہر ہے کہ جب سرکار نے تمام ہندوستان میں مدارس انگریزی جاری کردیئے ہیں، کہ ہر شریف ورذیل، ہندو و مسلمان، مدارس میں داخل ہوکر، ہزارہا سے تجاوز کرکے لکھوکھا (لاکھوں) کو نوبت پہنچی ہے، کہ پاس مڈل حاصل کئے ہوئے ہیں، اور اعلیٰ درجہ کے پاس بھی قریب لاکھ آدمی حاصل کئے ہوئے موجود ہیں، چنانچہ اخبارات سے یہ امر واضح ہے اور وہ عہدہ کہ موجب ترقی کا ہو، تمام ممالک مشرقیہ و مغربیہ ہندوستان میں، پانچ چھ ہزار سے زیادہ نہیں اور وہ اب سب مامور ہیں اور قریب لاکھ آدمی کے، ان کے امیدوار ہیں، اور آئندہ کو ہر ہر سال میں دو تین ہزار آدمی دیگر تیار ہوتے جاویں گے۔

اب خیال کرنے کی جائے ہے کہ اس قدر ہنود اور ارازل میں شرفاء مسلمان کس قدر ہیں، اور کیا نسبت رکھتے ہیں، اور مسلمانوں کو کس قدر عہدہ پانے کی نسبت اور امید ہے، آیا ہزار میں ایک کو امید ملنے کی ہے، یا نہیں، پھر اس حال پر کیا توقع کوئی مسلمان عاقل کرتا ہے، کہ ہم کو عہدہ انگریزی دانی سے مل کر، ترقی قومی حاصل ہووے گی۔ جو کام انگریزی داں کا سابق ایام میں سو روپیہ میں ہوتا تھا اور بدقت اس کا واقف ملتا تھا، اب پانچ روپیہ میں اس کام کے ماہر صد بالتجا کرکے، لینے کو موجود ہیں، اور اعلیٰ درجہ کے پاس والے، مزدوری چھ آنہ روز کو، مارے مارے پھرتے ہیں، ایک چپراسی پانچ روپیہ کے مشاہرہ پر، سو سو مڈل

---

(۱) الدر المختار کتاب الوقف ج: ا ص: ۳۸۰ [عکس مجتبائی: ۱۳۳۳ھ] (نور)

(۲) ردالمحتار کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ج: ۳، ص: ۳۷۲، (مجتبائی دهلی)، نیز شامی ج: ۴، ص: ۳۶۱ دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ]. (نور)

پاس والے امیدوار ہیں، اور سوائے حرمان اور بھوکے مرنے کے کوئی ترقی نہیں ہے۔ آئندہ کو کہ زیادت پاس کنندگان کی ہووے گی، کیا حال پیش آوے گا۔ لطف یہ ہے کہ بتوقع روزگار ہر قوم و پیشہ والے اپنے گھر کی دولت فیس وخوراک میں صرف کر کے، تعلیم انگریزی پائی اور اپنے پیشہ کو ترک کر کے، اس سے نابلد محض اور محروم رہے، اور بسبب کثرت پاس والوں کے اب روزگار بھی ان کو ملنا لامحال ہوگیا، اور دین کی تعلیم سے بھی باستمناءِ ترقی دنیا محروم ہوئے۔ تو دیکھو کس قدر خسر الدنیا و الدین کا مصداق وہ ہورہے ہیں۔ پس افسوس ہے کہ اس امر مشاہد کو کوئی بھی آنکھ کھول کے نہیں دیکھتا اور توقع موہوم میں کہ ظاہر دھوکہ ہے، خراب ہو کر خواب غفلت میں ہیں اور ترقی دنیا کا خواب وخیال باندھ رہے ہیں۔

ہاں! تعلیم علوم انگریزی میں اب ترقی ذلت وافلاس مسلمانوں، بلکہ تمام اہل ہند کی واضح ہے، اگر کچھ بھی غور کوئی عاقل کرے۔ البتہ اس میں سرکار کی نہایت ترقی اور فائدہ ہے، کہ دوسو روپیہ کا کام ایک روپیہ میں ہو کر، تمام خزانہ بچت ہی بچت رہتا ہے اور آئندہ کو زیادہ امید نفع کی ہے، اور پھر عہدوں کی تخفیف اور ہندؤں کی کثرت کا بھی معاملہ ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں تعلیم انگریزی میں ترقی وغیرہ، مسلمانوں کے دین کا مصرف برباد کر کے پیدا ہونا، عجائب روزگار اور خیال عجیب اور فکر غریب ہے۔ ۱۲ فافہم فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۸۶۔۱۹۱)

(۷۸۴) منطق وفلسفہ کی تعلیم ناپسندیدہ ہے: مسئلہ: تعلیم صدرا خود ناپسند ہے۔ (۱) انصاف کرنا چاہئے کہ اثبات ہیولیٰ وصورت، وابطال جزء لاتجزیٰ اور اقرار قدم ہیولیٰ وصورت سے کیا مطلب ہے۔ ابطال قیامت واقرار تعدد قدماء، عدم اختیار جل علاشانہ نہیں تو کیا ہے؟ ان عقائد فاسدہ کو منہ سے نکالنا، موجب ظلمت ہے۔ اور پھر دلائل سے ثابت کر کے طلبہ کو اس پر قائم کرنا، اور شبہات کو رفع کر کے پختہ کرنا ضروری ہے، گو دل میں عقیدہ نہیں، مگر کفار کے عقیدہ کا اثبات ہے۔ اگر اس خیال کی تعلیم پادریوں کے مدرسہ میں کرے اور عقیدہ بطلان تثلیث وغیرہ ہو، تو کیوں برا جانتے ہیں، یہاں بھی وہی ہے۔ پہلے زمانہ میں بضرورت ابطالِ مذہب فلاسفہ اور معتزلہ، اس کو پڑھنے کی ضرورت تھی کہ مطلع ہو کر، مثل ان قواعد کے جواب دیویں، اب کیا ضرورت ہے؟ بالکل غلط ہے، سب حیلہ ہے، لہٰذا، اس نوکری کو جائز نہیں جانتا ہوں۔ (مکتوب بنام مولانا خلیل احمد، مکتوب ۳۶)

(۷۸۵) عورتوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا اور انگریزی اسکول میں پڑھانے کا حکم؟ سوال: کیا فرماتے ہیں ارباب علوم وعقول اور اصحاب تجربہ وشعور ادام اللہ فیوضھم إلی یوم النشور مسائل مفصلہ ذیل میں:

(۱) صدرا فلسفہ کی ایک کتاب کا نام ہے۔ ..... حضرت کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ فلسفہ کی تعلیم بے ضرورت اور مضر ہے۔ ..... البتہ رد فلسفہ کی تعلیم دی جاسکتی ہے کیونکہ جب طالب علم کسی ایک فلسفہ کا رد کرنا سیکھ لے گا تو وہ ہر باطل ازم کو اسی طرح رد کر سکے گا۔ [اسلامی مدارسوں کے اعلیٰ نصاب میں شامل، فلسفہ کی مشہور کتاب] میبذی اسی مقصد سے پڑھائی جاتی ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے فلاسفہ کے دلائل کو تار تار کر دیا ہے، اس کو پڑھنے پڑھانے والے اکثر اصحاب کے ذہن وخیال سے یہ مقصد اوجھل ہوگیا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ میبذی کا مقصد فلسفہ کی تعلیم ہے [حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔] البتہ صدرا میں فلسفہ کا رد نہیں ہے۔ (پالن پوری)

(۱) تعلیم کتابت واسطے نساء کے اس زمانہ پُر فساد میں، کہ قبائح اور مفاسد اس کے اہل دانش پر کالمشاہدہ ہیں، مکروہ ہے، تحریما، یانہیں؟

(۲) تعلم وکتابت وغیرہ مراہقات اور بالغات کا، بغیر حجاب کے، غیر محرم مرد بالغ سے کیسا [ہے]؟

(۳) منع نسوانِ زمانِ ہٰذا کا تعلیم کتابت سے، موافق قول محقق جلال الدین دوانی کے، کما ذکرہ فی اخلاق جلالی (۱) قرین مصلحت ہے، یانہیں؟ بینوا توجروا

جواب: اس زمانہ میں تعلیم کتابت کا عورتوں کو مکروہ ہے تحریما بے شک، اور مراہقہ اور بالغہ مر دنا محرم بالغ سے بے حجاب ہونا، اگرچہ تعلیم وکتابت کے واسطے ہو حرام ہے، اور منع کرنا عورتوں کو ایسے کام سے ضرور ہے، فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد

درجہ بالا فتویٰ یا تصدیق جناب عبد الرحمٰن (غالباً مولانا قاری عبد الرحمٰن پانی پتیؒ) کے فتوی کے آخر میں درج ہے، جو صواعق الملک الدیان علی من اباح الکتابۃ لنساء الزمان ص ۱۶۵۔۱۶۳ تالیف مولوی نجف علی خان ابن مولوی نظام علی خان (مؤلفہ ۱۳۰۵ھ مطبوعہ مطبع احمدی بمبئی: ۱۳۰۵ھ) کے حوالہ سے زیر نظر مجموعہ فتاویٰ کے ضمیمہ میں درج ہے۔

(۷۸۶) انگریزی کا سیکھنا پڑھنا اس وقت جائز ہے، جب؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں: کہ انگریزی بغیر داخل ہونے کے کسی مدرسہ میں، بقصد روزگار اور فکر معاش کے پڑھنا، یا گورنمنٹ اسکول میں کہ اس میں انجیل پڑھائی جاتی تھی، داخل ہوکر، یا مشن اسکول میں یعنی پادریوں کے مدرسہ میں، کہ اس میں ہر ایک طالب علم کو جبراً انجیل پڑھاتے ہیں، داخل ہوکر، قصداً انگریزی اور تبعاً انجیل پڑھنا، ان سب صورتوں میں جائز ہے، یا حرام، یا مکروہ؟ علی التقید الثالث قید تحریمی تنزیہی درکار ہے۔ بینوا توجروا

جواب: انگریزی زبان کا سیکھنا مباح ہے، نفس تعلیم زبان میں کوئی معصیت نہیں، مگر امر مباح اختلاط غیر مشروع سے ناجائز ہوجاتا ہے۔ بقولھم:

اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام (۲)

پس انگریزی زبان کا خارج مدرسہ میں سیکھنا، بشرطیکہ کوئی ممنوع شرعی اس کے ساتھ نہ ہو، مباح ہے، اور اسکول میں داخل ہوکر پڑھنا ممنوع ہے۔ کیونکہ فی زمانا دخول مدرسہ میں التزام، لباس وزی انگریزی کا اور اختلاط کفرۃ (و) فسقہ اور

(۱) علامہ دوانی نے لکھا ہے: "وہنرہائے لائق آموخت واز خواندن ونوشتن بکلی باید منع کرد" اخلاق جلالی ص ۲۱۴، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء] مگر یہ شرعی حکم نہیں ہے اور اس دور میں اس پر عمل کرنا بالکل غلط ہے۔ وبضدھا تتبین الاشیاء۔ [نور]

(۲) الاشباہ والنظائر لابن نجیم، الفن الاول، النوع الثانی، القاعدۃ الثانیۃ ص ۱۰۹ جلد اول [دار الکتب العلمیۃ بیروت: ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء] [نور]

مداہنت فی الدین ضروری ہے، اور یہ امور شرعاً حرام ہیں۔ علیٰ ہٰذا! جہاں انجیل کا پڑھنا، کیونکہ کلمات کفر کا زبان سے نکالنا، اگر چہ عقیدہ نہ ہو، حرام ہے، قال اللّٰہ تعالیٰ:

فلا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرىٰ مَعَ القَومِ الظَّالِمِين. تو مت بیٹھ، یاد آجانے کے بعد، ظالموں کے ساتھ

(سورۃ الانعام۔ آیت: ۶۸) (ترجمہ شیخ الہند)

و فى الحديث: من تشبه بقوم فهم منهم.(۱) (الحديث)

و من كثر سواد قوم فهو منهم.(۲)(الحديث)

قال فى رد المحتار: و الحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلاً أو لاعباً، كفر عند الكل و لا اعتبار باعتقاده، كما صرح به فى الخانية.

و من تكلم مخطياً أو مكرهاً لايكفر عند الكل، و من تكلم بها عامداً عالماً كفر عند الكل و من تكلم بها اختياراً جاهلاً بانه كفر ففيه اختلاف.(۳) الخ فقط، واللّٰہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۱۶، ۱۱۷)

(۷۸۷) انگریزی پڑھنا برائے روزگار؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ انگریزی پڑھنا برائے روزگار، اس طرح کہ اس کے اسکول میں داخل نہ ہو، یہ جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر کوئی ماسٹر ایسا ہو کہ انجیل بھی ضرور پڑھاوے اور اپنے مذہب کی ضرورتاکید کرتا ہو، اس ماسٹر سے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: غیر زبان سیکھنا جائز ہے، تاوقتیکہ کوئی امر حرام عارض نہ ہو، مدرسہ میں اگر سیکھے تو بھی جائز ہے۔ اگر مدرس یا ماسٹر کا ایسا حال ہو، تو جائز نہ ہوگا، اگر چہ اس کا عقیدہ ایسا نہ ہو۔ لقوله عليه الصلوٰة و السلام:

من تشبه بقوم فهو منهم .(۴) الحديث جو کسی قوم کی مشابہت اختیار [اور پسند] کرے، وہ انہی میں سے ہے۔

سو غیر زبان ایسی صورت میں کہ تشبہ ہوتا ہو، کیوں کر جائز ہوگی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۴۶)

---

(۱) مشکوٰۃ: كتاب اللباس، الفصل الثانى، ص: ۳۷۵ جلد دوم۔ [رشیدیہ دہلی ۱۳۷۵ھ] نیز باب مذکور ص: ۱۶۳۵ جلد چہارم۔ رقم الحدیث ۴۳۴۷، ت: رمضان بن احمد بن علی بن آل عوف [مكتبة التوبة، دار ابن جزم، بیروت۔ ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء] [نور]

(۲) کتاب الزهد والرقائق، لابن المبارک، زيادات الزهد لنعيم بن حماد، باب استماع اللهو ص: ۱۲۔ [علمی پریس، مالیگاؤں ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء] نیز یہ روایت مذکورہ بالا الفاظ سے نصب الرایہ للزیلعی میں مروی ہے، ملاحظہ ہو: ج: ۴ ص: ۳۴۶۔ [مجلس علمی ڈھابیل۔ دار المامون القاہرہ: ۱۳۵۷ھ] [نور]

(۳) ردالمحتار. كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب فى مايشک أنه ردة لايحكم بها ص: ۲۸۵ جلد سوم [مطبع مجتبائی، دہلی] نیز شامی ج: ۴، ص: ۲۲۴، [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ] [نور]

(۴) مشکوٰۃ، حوالہ مذکور۔ [نور]

تقلید اور عدم تقلید کی شرعی حیثیت

(۷۸۸) عوام کیلئے کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے: **سوال:** تقلید ائمہ اربعہ میں سے کسی خاص کی کرنا واجب نہیں، اور قول کسی امام خاص کا ماننا، گو وہ مخالف قرآن اور حدیث اور قول صحابہ کے ہو اور اعتقاد رکھنا اس پر، کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: تقلید ایک ایک امام کی درست ہے، اور عوام کو بسبب خلاف اور فساد فتنہ کے ایک کی تقلید واجب ہے۔ اور یہ کہنا کہ یہ قول فلاں امام کا مخالف قرآن وحدیث کے ہے، کسی جاہل یا کم پڑھے کا ہے، نہ ماننا چاہئے۔ ائمہ نے جو کچھ فرمایا ہے، قرآن وحدیث واقوال صحابہ سے ہی استخراج کیا ہے، اس کے فہم کو بھی عقل اور علم کامل درکار ہے۔ ایسی بات کچے پڑھے ہوئے کہتے ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ سب ائمہ نے موافق قاعدہ شرع مسئلہ فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۶۷)

(۷۸۹) اس وقت ایک امام معین کی تقلید ضروری ہے: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائلِ ذیل میں: [کہ] تقلید معین ایک امام کی، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے درست ہے یا نادرست، بصورت اول واجب ہے یا جائز۔ بصورت ثانی شرک ہے، یا بدعت؟

جواب: تقلید ایک امام معین کی درست ہے اور جائز بلا تردد، اور مامور بہ حق تعالیٰ ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ الخ (النحل-۴۳) ترجمہ: سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت میں قید نہیں کہ ایک عالم سے معین کر کے مت پوچھو، بلکہ عام حکم ہے، خواہ ایک عالم سے پوچھا کرو، خواہ بہت سے علماء سے، مگر جب بہت [سے] علماء سے پوچھتے ہیں اور جگہ جگہ سے پوچھتے پھرتے ہیں، کوئی فساد اور فتنہ یا نقصان آوے، تو اس وقت ایک عالم سے پوچھنا واجب ہو جاتا ہے، جس کو تقلید ایک کی کہتے ہیں، اس واسطے کہ جو امر موجب فساد کا ہو، اس کا ترک کرنا واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ:

أَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَاتَتَفَرَّقُوْا فيه الآية (الشوریٰ-۱۳) یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

پس ایسی حالت میں جو آج کل ہوا ہے، تقلید ایک مجتہد کی واجب ہے، اگر چہ دراصل جائز تھی۔ پس ایسے امر کو کہ دراصل جائز و مامور تھا اور اب بوجہ رفع نزاع کے واجب ہو گیا شرک کہنا سخت بے دینی ہے، حق تعالیٰ ان کو ہدایت فرماوے۔ آمین

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۹۶)

(۷۹۰) عوام کے لئے تقلید ائمہ اربعہ ضروری ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں دینِ آسان، اسلام کے علماء اور سہل شریعت محمدی کے فقہاء: کہ عامی مؤمن جو مجتہد نہ ہو امتثالِ امر و نہی و تعمیل ہدایات شرعی میں، علمائے وقت سے تحقیق کرے، یا فروع و اصول مسائل میں، مذاہب مروجہ سے کسی ایک مذہب پر چلے، اور تقلید اور اتباع دونوں امر واحد ہیں، یا دو، اور انکے کیا معنی ہیں؟ براہِ عنایت چاروں دلائل اسلام میں سے، کسی دلیل سے جواب ملے۔ بینوا تو جروا!

جواب: حامداً ومصلیاً! عامی کو کسی عالم محقق متدین سے پوچھنا کافی اور فرض امر سوال سے ادا ہو جانے کو بس ہے، خواہ ایک ہی عالم سے پوچھا کرے، خواہ متعدد علماء سے، اور خواہ ایک مذہب معین کے علماء سے، خواہ مذاہب متعددہ کے، لقولہ علیہ السلام:

أولم يكن شفاء العي السوال. الحديث. (۱) ترجمہ: کیا بیماری کی دوا، سوال نہ تھا۔

کہ اس میں سوال مطلق ہے کوئی قید نہیں، اور امتثال مطلق میں جس فرد مطلق پر عمل ہووے گا اداءِ فرض حاصل ہو جاتا ہے۔ پس اصول عقائد و اخلاق میں تو تمام علماء کا اتفاق ہے، اس میں تو سب متفق ہیں اور فروع مسائل میں جوابات مختلف ہیں، پس فروع میں ہر چند متعدد علمائے مذاہب سے سوال کرنا درست ہے، خصوصاً احوط کا اختیار کرنا، مگر حسب مشاہدہ زمانہ موجود کے یہ بھی محقق ہے کہ، عامی کو متعدد مذاہب کے علماء سے سوال کرنے میں، ابتلاء مرض تلهي في الدين کا ہو جاتا ہے اور لاابالی دین میں بن جاتا ہے، اور یہ ممنوع اور معیوب ملت غرّاء میں ہے، ایک روز مُحرِم ایک اَمر کا، دوسرے دن مُحلّل اسی کا، تو مصداق قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

ايلعب بكتاب الله. (الحديث) (۲) ترجمہ: کیا کتاب اللہ (قرآن کریم) سے کھیل کرتے ہو۔

---

(۱) ابن ماجه عن ابن عباسؓ ص: ۴۳ باب في المجروح تصيبه الجنابة [فاروقي دهلي:] نيز ابن ماجه ج: ۱، ص: ۳۶۲، رقم الحديث: ۵۷۲، ت: شعيب الارنووط [الرسالة العالمية: ۱۴۳۰ھ] (نور)

(۲) عن محمود بن لبيد: ايلعب بكتاب الله عزوجل، وانا بين اظهركم. مشكوة، كتاب النكاح، باب الخلع والطلاق الفصل الثالث ص: ۲۸۴، ج: ۳، رقم الحديث: ۳۲۹۲، ت: رمضان بن احمد بن علي [مكتبة التوبة ۲۰۰۳ء] نيز باب مذكور ص: ۲۸۴ جلد دوم [رشيديه، دهلي نقل اصح المطابع ۱۳۷۵ھ] ونيز نسائي: كتاب الطلاق، باب الثلث المجموعة وما فيه من التغليظ ص: ۸۱۸ ت: صدقي جميل العطار [دار الفكر بيروت: ۱۴۲۵ھ] (نور)

بن جاتا ہے۔ لہٰذا عامی کو مذہب معین سے سوال جملہ مسائل کا کر کے عامل ہونا ضرور ہوگا۔ بہت اشیاء ہیں کہ فی حد ذاتہ جائز اور مباح ہیں، مگر عروض فساد سے ترک کی جاتی ہیں، جیسے: ترک قراءۃ فی سبعۃ احرف اور بہت نظائر اس کے شرع میں موجود ہیں، اسی واسطے نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وفی هذا الحديث دليل لقواعد من الأحكام، منها إذا تعارضت المصالح أو تعارضت مصلحة و مفسدةٌ، و تعذّر الجمع بين فعل المصلحة وترک المفسدة بدئ بالأهم، لأن النبی صلى الله عليه وسلم أخبر أن نقض الكعبة وردّها إلى ما كانت عليه من قواعد إبراهيم صلى الله عليه وسلم مصلحة و لكن تعارضه مفسدة أعظم منه، وهی خوف فتنة بعض من أسلم قريباً الخ (۱)

اور اسی سبب سے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

ان هذه المذاهب الأربعة المدوّنة المحررة، قد اجتمعت الأمة أو من يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا، و فی ذالک من المصالح مالا يخفیالخ (۲)

الحاصل امر جائز کو بوجہ کسی مفسدہ کے ترک کرنا، متفق علیہ ہے اور نصوص سے ثابت ہے، اور ہر شخص عالم سے سوال کرنا اور اختلاف اجوبہ سننا، موجب مفسدہ کا ہے، لہٰذا ایں وجہ ایک مذہب کے علماء سے عامی کو سوال کرنا ضرور [ی] ہوا، اور جس نے خلاف اس کے کہا ہے، تو وہ علماء کی نسبت لکھا ہے، ان علماء کی نسبت کہ تمیز صحت وسقم کی رکھتے ہیں اور استنباط پر قادر ہیں، نہ عامی کی نسبت، کہ عامی کو تمیز وعلم دونوں مفقود ہیں، اور اکثر علماء ہمارے زمانہ کے بھی عامی کے حکم میں ہیں۔ اور اتباع اور تقلید کے معنی مرادی ایک ہیں، کیوں کہ اتباع کے معنی کسی کے پیچھے چلنا ہے لغت میں، اور مراد اس سے کسی کے قول وفعل کو ماننا اور اس کے موافق عمل کرنا ہے، اور تقلید کے معنی گردن میں قلادہ ڈالنا اور مراد اس سے کسی کے قول وفعل کو ماننا اور اس کے موافق عمل کرنا [ہے]۔

سو اتباع تو جیسا فقہ میں مطلق کسی کی تابعداری ہے، ایسا ہی اصطلاح وعرف میں بھی مطلق ہے، کہ خواہ وہ شخص متبوع رسول ہو، یا قرآن یا اجماع یا شخص واحد، سوائے آپ کے، (۳) پھر اُس کا قول مدلل ہو یا غیر مدلل۔

(۱) نووی شرح مسلم شریف کتاب الحج باب نقض الكعبة وبنائها ص: ۴۲۹، جلد اول [مطبع مجتبائی، دھلی: ۱۳۱۹ھ] (نور)

(۲) حجۃ اللہ البالغۃ ص: ۱۵۹ ج: ۱۔ (طبع اول بریلی: ۱۲۸۶ھ) حجة الله البالغة. تتمه. فصل فی المسائل اللتی ضلت فی بواديها الأفهام حكم التقليد والردعلی ابن حزم ص: ۴۳۱-۴۳۲ جلد اول [ت: مفتی سعید احمد پالن پوری، مکتبہ حجاز، دیوبند] (نور)

(۳) قولہ سوائے آپ کے: یہ استثناء اس لئے کیا ہے کہ شاید سائل غیر مقلد ہے۔ واللہ اعلم۔ (پالن پوری)

لیکن تقلید اصطلاحِ علماء میں خاص ہے اس معنی میں، کہ کسی ایسے شخص کے قول پر عمل کرنا کہ اس کا قول حجت نہیں، یعنی کوئی مجتہد، یا عالم ہو، پس اگرچہ تقلید بھی فقہ میں عام تھی مثل اتباع کے، مگر جب اصطلاح خاص ہوگئی ہے کہ عمل کتاب وسنت و اجماع پر اطلاق تقلید کا اصطلاحاً نہیں ہوتا، اگرچہ تقلید لغۃً عام و مطلق تھی، پس حسب اصطلاح اتباع عام ہے اور تقلید فرد خاص اس کی ہے، اور عام وخاص میں مبائنت نہیں ہوتی، بلکہ عام اپنے فرد خاص کے ساتھ ہر روز مجتمع رہتا ہے، پس جہاں تقلید ہوگی وہاں اتباع ضرور ہوگا، اگرچہ بعض اتباع میں تقلید اصطلاحی ہوگی، اعنی اتباعِ [غیر؟] نص میں، مگر تقلید لغوی اور اتباع دونوں ایک ہی شئے ہیں۔

پس واضح ہوگیا کہ اتباع اور تقلید اصطلاحی عام وخاص ہیں، کہ تقلید بدون اتباع کے نہیں ہوسکتی اور اتباع حدیث واجماع پر تقلید کا لفظ نہیں بولتے، پس جس نے ان دونوں میں تناقض لکھا ہے، ہمارے معاصرین میں سے، صحیح نہیں، اور یہ بھی واضح ہے کہ جو عامی کسی عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے، غرض اس کی حکم حق تعالیٰ کا اس واقعہ میں پوچھنا مراد ہوتا ہے، کہ اس مسئلہ میں کیا حکم شرع کا ہے، خواہ وہ عالم منصوص سے جواب دے، خواہ استنباط سے، اور کوئی سائل ہرگز ہرگز اس عالم کی رائے، غیر مستنبط من النصوص کو نہیں پوچھتا۔ اگر عامی کو خبر ہوجائے کہ عالم نے اپنی رائے، محض خلاف نص کہی ہے، تو ہرگز قبول نہیں کرتا، بلکہ اس کی رائے کو مستنبط سمجھ کر ہی، پوچھتا ہے اور مانتا ہے۔

پس یہ امر از قرن صحابہ آج تک چلا آتا ہے، کہ مسئول عنہ نے نفس حکم بتادیا اور سائل نے قبول کرلیا، اگر دلیل کے ساتھ بتایا اور عمل کیا تو تقلید نہیں کہلاتی، اور جو بلا دلیل بتایا اور عمل کیا تو اس کو تقلید کہتے ہیں، اور بلا دلیل بتانا شائع وذائع، اس وقت سے چلا آتا ہے، کتب احادیث اسی سے پُر ہیں، اور کبھی قرنِ صحابہ سے لے کر آج تک ایسے جواب بلا دلیل دینے پر اور عمل کرنے پر اعتراض کسی نے نہیں کیا۔ البتہ اگر وہ جواب خلاف نص کسی کے نزدیک ہو، تو اس وجہ سے اعتراض کیا ہے، پس یہ عین تقلید ہے اصطلاحاً اور یہی اتباع بھی ہے، اس میں فرق کرنا ہرگز درست نہیں، اور نہ اس سے زیادہ تقلید درست ہے۔

اعنی رائے کسی عالم کی جو محض رائے غیر مستنبط ہو، اس کو مان لیوے، کہ یہ نہ کسی مقلد عالم نے کہا، نہ کسی عامی جاہل کا یہ مقصد ہے اور نہ کسی کتاب فقہ میں اس کو جائز لکھا ہے، بلکہ ایسی تقلید کی ذم لکھتے ہیں اور جہاں تقلید کی ذم ہے، یہی معنی ہے، ورنہ تقلید مصطلحہ ہرگز معیوب نہیں، بلکہ معمول قرونِ ثلاثہ ہے، اور قیاس کی بھی جہاں ذم ہے، اسی قیاس کی ہے کہ خلاف قواعد شرعیہ کے ہو۔ پس ظاہر ہوا کہ تقلید مذموم ہے وہ شخصی اور غیر شخصی، دونوں قسم ممنوع ہیں، بُرا کام اور شرک

ایک کے ساتھ اور سو کے ساتھ برابر ہے اور محمود علیٰ ہذا! ایک اور متعدد کے ساتھ جائز ہے، اور یہ تمام قصہ خلاف ونزاع کا بسبب عدم تحقیق وتامل کے پیدا ہو گیا ہے: واللہ تعالیٰ ولی التوفیق.

والحمد لله رب العالمين، و صلى الله تعالىٰ على سيدنا محمد و آله و اصحابه و اتباعه اجمعين. فقط

[نقل فتوی بدست مولانا کریم بخش (۱) پنجابی، شاگرد خاص حضرت مولانا گنگوہیؒ]

(۷۹۱) چاروں مذاہب فقہ برحق ہیں، ان پر طعن صحیح نہیں: **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ زید کہتا ہے کہ مکہ معظمہ میں چار مصلوں کی کچھ حاجت نہیں، ایک مصلی ہونا چاہئے، ان چار مصلّے والوں نے فساد ڈال رکھا ہے، آیا! یہ کہنا اس کا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: مذاہب اربعہ حق ہیں، ان پر طعن کرنے والا فاسق مبتدع ہے۔ البتہ قرونِ ثلاثہ میں ایک جماعت مکہ معظّمہ کی مسجد میں ہوتی تھی، جس طرح اب چار جماعت کرتے ہیں، یہ امر مکروہ ہے۔ اگر یہ شخص اس طرح کی چار جماعت پر طعن کرتا ہے تو یہ درست کہتا ہے اور جو اہل مذاہب پر طعن اس کا مقصد ہے، تو وہ فاسق ہے، اور یہ قول اس کا خلاف شرع اور زبوں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۱۲۸-۱۲۹)

(۷۹۲) کسی کو لامذہب یا غیر مقلد کہنا؟ **سوال:** زید نے عمرو سے کہا کہ تو لامذہب ہے، یا کہ غیر مقلد، عمرو نے جواب دیا کہ غیر مقلد اور لامذہب سوائے اللہ تعالیٰ اور شیطان کے کوئی نہیں، ہر کوئی کسی نہ کسی کی پیروی کرتا ہے اور زید وعمرو دونوں مقلد ہیں۔ اس کلام کا بولنے والا عند الشرع شریف کیسا ہے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب: یہ کلمہ گستاخ بظاہر کلمہ کفر کا ہے، کیونکہ لامذہب اور غیر مقلد کلمہ اہانت کا ہے، لہٰذا، ایسا کلمہ منہ سے نکالنا نسبت حق تعالیٰ کی بیجا ہے، مگر چونکہ قائل نے ایک توجیہ اس کی کردی ہے (۲) لہٰذا اس کو کافر نہیں کہنا چاہئے، مگر توبہ کرے اور آئندہ کو ایسا کلمہ منہ سے نہ نکالے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۲۳۱)

---

(۱) مولانا کریم بخش حضرت گنگوہی کے خاص شاگرد، متبحر فقیہ اور ہیئت اور معقولات کے بہت بڑے اور بہت مشہور عالم تھے۔ مولانا کریم بخش نے اس تحریر کے آغاز پر لکھا ہے:

"نقل فتوی سلطان العلماء، مجدد زماں، حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب مدظلہ"

لہٰذا اس فتوی کا حضرت مولانا گنگوہیؒ سے انتساب بلاشک درست ہے۔ فتوی کے بعد مولانا کریم بخش صاحب نے ان الفاظ میں اپنے دستخط بھی ثبت کئے ہیں: "راقم الحروف بندہ کریم بخش غفرلہ" (نور)

(۲) یعنی عمرو کا یہ قول: ہر کوئی کسی نہ کسی کی پیروی کرتا ہے۔

(۷۹۳) مقلدین کو مشرک کہنے والا فاسق ہے: سوال: [اگر کوئی مقلدین کو مشرک کہتا ہے تو یہ شخص اور حضرت عمرؓ کو بدعتی کہنے والا شخص از روئے شریعت کیسا ہے] (۱) بینوا توجروا۔

جواب: مقلدین [کو] مشرک کہنے والا خود فاسق ہے، حضرت عمرؓ کو بدعتی کہنے والا رافضی ہے، اس کو اگر کافر کہا جاوے [تو] بجا ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۱۲۳)

(۷۹۴) غیر مقلد کو مسجد یا نماز سے نکال دینا صحیح نہیں: سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں باب، کہ امام مسجد جمعہ کہتا ہے کہ جب تک زید کو کہ لامذہب ہے، نہ نکالو گے نماز جمعہ نہ پڑھاؤں گا۔ حالانکہ زید لامذہبوں پر تبرا کہتا ہے، بلکہ امام مذکور بسبب تعصب یا بحث دینوی کے کہتا ہے اور زید عاجزی سے کہے، کہ میں تمہاری جوتیوں میں کھڑے ہوکر جمعہ پڑھ لوں گا، اور امام صاحب زید مذکور کو نکال کر جمعہ پڑھوائیں، اور جوتیوں میں بھی نہ کھڑا ہونے دیں۔ پس یہ فعل امام صاحب کا موجب ثواب ہے یا گناہ، اور نکال دینا زید کو مسجد سے درست ہے، یا غیر درست؟ اور بالفرض اگر کوئی لامذہب ہے اور پیچھے کھڑا ہوکر نماز پڑھے، تو امام کی نماز میں کیا فرق آتا ہے؟

جواب: اگر زید اپنی زبان سے کہتا ہے کہ میں لامذہب نہیں ہوں، تو پھر تعصب ایسا اور زیادتی سخت گناہ ہے اور ظلم ہے، اس سے امام کو توبہ کرنی چاہئے۔ اور جو فی الواقع وہ لامذہب ہے ہی، (۲) تو پھر اس کے نماز میں شریک ہونے سے کیا نقصان کسی کا ہوا ہے، یہ حرکت امام کی اچھی نہیں، اس سے باز آنا اور توبہ کرنا واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۱۳-۱۱۴)

(۷۹۵) امت مقبولہ اور معتبر علماء کا اجماع ہر وقت معتبر ہے: سوال: اجماع امت صرف صحابہ رضی اللہ عنہم پر ختم ہوا، بعد ازاں نہیں؟

جواب: اجماع امت کا ہر روز مقبول ہے، مگر امت سے مراد امت مقبولہ ہے، کہ علماء و اتقیاء ہوں اور حجت شرعیہ کے موافق اجماع ہو، اور خلاف نص کے اور خلاف اجماع سابق کے نہ ہو۔ جب سب شرائط اجماع کے موجود ہو جائیں گے معتبر ہوگا، اجماع کا ہونا صحابہ پر ختم نہیں ہوا۔

---

(۱) اصل ماخذ میں صرف جواب کا اندراج ہے، سوال کی نقل موجود نہیں، اس لئے اس جواب کی مطابق یہ مختصر سوال خود لکھ دیا ہے۔ [نور]

(۲) پہلے غیر مقلدین کو لامذہب کہتے تھے یعنی مذاہب اربعہ کا نہ ماننے والا، مگر غیر مقلدین نے بہت واویلا کیا کہ لامذہب کے معنی ہیں: غیر مسلم، تو کیا ہم غیر مسلم ہیں؟ ان کا یہ شکوہ درست تھا، اس لئے بعد میں یہ محاورہ ترک کر دیا گیا۔ عربی میں مذہب کے معنی مسلک کے ہیں، کہا جاتا ہے کذا فی مذهب أبي حنيفة و كذا في مذهب الشافعي رحمهما الله۔ اس لئے عربی کے اعتبار سے یہ استعمال درست ہے، مگر اردو میں مذہب کے معنی دین کے ہیں، تعلیم الاسلام کے بالکل شروع میں ہے۔ سوال: تم کون ہو؟ یعنی مذہب کے لحاظ سے تمہارا کیا نام ہے؟ جواب: مسلمان! اسی طرح "مذہب اسلام" کا استعمال عام ہے، پس اردو کے اعتبار سے غیر مقلدین کو لامذہب نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ وہ مسلمانوں کا فرقہ ہے۔ (پالن پوری)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماراٰه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن الخ (۱)

مگر ہاں، اب جیسے علماء کا اجماع، کہ اپنی رائے ناقص پر خلاف نص کے اور مخالف ائمہ ہدیٰ کے، کچھ ٹھہرالیویں، مردود ہے اور غیر معتبر۔ فقط

(چندیانوی ۸۸،۹۱-۹۲)

(۷۹۶) مسائل شریعت میں کن لوگوں کا اختلاف واتفاق قابل اعتبار ہے اور اہل سنت کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اتفاق واختلاف قابل لحاظ واعتبار کے وہ ہے، جو مجتہدین میں ہو، یا ایسے علماء میں کہ درجۂ اجتہاد کے قریب ہوں، اور وہ دونوں طرف نصوص سے مستنبط ہوں اور وجہ خلاف کی یا بنظر قوت وضعف اخبار کے ہو، یا بنظر قول وفعل صحابہؓ کے، یا بوجہ علت واسباب کے، تو مثلاً ایسی حالت میں، ہر دو فریق اہل سنت واہل حق ہوتے ہیں، جیسا کہ مذاہب اربعہ میں، یا کسی مسئلہ جزئیہ میں، خلاف علماء ایک مذہب کا ہوا ہے، تو قنوت فجر میں یہ بھی وجہ خلاف کی ہے، دونوں نص حدیث رکھتی ہیں۔ (۲)

اور امور جدیدہ کا بدعت ہونا، موافق قواعد سنت واجماع وقیاس ائمہ کے ہیں، اس کا خلاف علماء کا خلاف نہیں، بلکہ عوام کا خلاف ہے، مجوزان امور کے خلاف نص وائمہ کے کہتے ہیں، کوئی حجت جوازان کے پاس نہیں، بلکہ مطلق ومقید کے عدم تفرقہ میں، جہل کے سبب یا عناد کے، مبتلا ہیں، تو اس کو قیاس خلاف سلف پر کرنا نہایت کم فہمی ہے۔ وہ اختلاف موجب رحمت، یہ اختلاف بسبب فساد وقہر ومعصیت، پھر تعجب ہے مقیس علیہ وہ ہو۔ معاذ اللہ!

مگر ہاں! یہ کہنا ان علماء کا کہ اہل بدعت امور جدیدہ کے، داخل اہل سنت میں ہیں، یہ صحیح ہے کہ یہ اہل سنت کامل نہیں، عاصی ہیں، جیسا فاسق اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ایسا ہی یہ فریق اہل سنت سے خارج نہیں، اس معنی اہل سنت سے جو بمقابلہ اہل اہواء کے ہے اور بمعنی اہل سنت کہ متبع اعمال سنت کے ہیں، البتہ خارج ہیں، اور یہ کہنا کہ مثل روافض کے خارج

---

(۱) اخرجه البزاز والطيالسي و الطبراني و ابونعيم و البيهقي في الاعتقاد، عن ابن مسعود. وقال الحافظ ابن عبد الهادي مرفوعاً عن انس باسناد ساقط والاصح وقفه على ابن مسعود، ورواه احمد في كتاب السنة وليس في مسنده، كما في كشف الخفا و مزيل الالباس للعجلوني ص ۱۸۸ ج ۲ رقم الحديث: ۲۲۱۴، [دار احياء التراث العربي بيروت: ۱۳۵۱ھ] (نور)

(۲) یہاں تک عنوان کے پہلے جز کا بیان ہے یعنی مجتہدین کا یا ایسے علماء کا جو درجۂ اجتہاد کے قریب ہوں، ان کا اختلاف معتبر ہے اور وہ رحمت ہے، بشرطیکہ دونوں رائیں کسی نص سے مستنبط ہوں اور وجہ اختلاف بطور مثال تین ہو سکتی ہیں: اول: حدیثوں کا قوی ضعیف ہونا دوم: صحابہ کے اقوال وافعال میں اختلاف ہونا سوم: علت حکم میں اختلاف..... ایسی صورت میں دونوں فریق اہل سنت اور اہل حق ہوتے ہیں، جیسے مذاہب اربعہ کا اختلاف یا جیسے کسی مسئلہ میں ایک ہی مکتب فکر کے علماء کا اختلاف..... سائل نے غالباً قنوت فجر کا مسئلہ پوچھا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد فجر کی نماز میں قنوت راتبہ کے قائل نہیں اور امام مالک اور امام شافعی قائل ہیں، پھر امام مالک مستحب کہتے ہیں اور امام شافعی سنت، اور وجہ اختلاف نصوص کا اختلاف ہے دونوں فریقوں کے پاس حدیثیں ہیں۔ (پالن پوری)

ہیں، یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ رافضی وغیرہ اہل اہواء کی بدعت، انکار ضروریات دین کے سبب سے ہے، مگر چونکہ تاویل بھی مُسلّم رہے، اگر بلا تاویل ہو کفر ہو جاوے، اور ان امور جدیدہ کے مبتدع، اعمال جزئیہ خلاف سنت کو جائز کہتے ہیں، ضروریات دین میں مخالف نہیں، لہٰذا اہل سنت سے خارج نہیں۔ الحاصل اہل سنت کے دو معنی ہیں، ایک بمقابلہ اہل اہواء، بایں معنی یہ لوگ اہل سنت میں داخل ہیں اور دوسرے بمعنی اعمال مثل [اہل] سنت کے کرنا، بایں معنی یہ اہل سنت سے خارج ہیں۔ (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ والسلام

اوران سوالات کو بسبب گرانی لفافوں کے روانہ نہیں کیا، اور اگر طلب کرو گے مرسل کردوں گا۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۷-۵۸)

....

(۱) لفظ سنت چار معنی میں مستعمل ہے: اول: احکام میں فرض و واجب کے بعد کا درجہ...... اہل سنت میں یہ معنی مراد نہیں دوم: بدعت کے مقابل سنت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ پس اہل سنت اہل اہواء کا مقابل ہے، اہل سنت میں یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں سوم: سنت بمعنی دینی راہ (الطریقة المسلوكة فی الدین) أهل السنة والجماعة میں یہی معنی مراد ہیں...... اور حدیث اور سنت میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، وہ حدیثیں جو منسوخ یا مخصوص ہیں وہ حدیثیں ہیں، سنت نہیں۔ اور ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی خلفاء راشدین کی باتیں سنت ہیں، حدیث نہیں۔ حدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین: میں یہی سنت مراد ہے اور جو حدیثیں معمول بہا ہیں، وہ حدیثیں بھی ہیں اور سنت بھی، چہارم: سنت بمعنی قول وفعل نبوی، پس اہل سنت وہ لوگ ہیں جو اعمال سنت کی پیروی کرتے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امور جدیدہ جیسے میلاد مروجہ کے قائلین خود کو سنی کہتے ہیں، ان کا یہ قول کہاں تک درست ہے، حضرت رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے کہ امور جدیدہ بدعت ہیں، کیونکہ وہ قواعد سنت واجماع وقیاس کے خلاف ہیں، ان میں عوام کا اختلاف ہے اور وہ نص اور اقوال ائمہ کے خلاف کہتے ہیں۔ ان کے پاس اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ ان امور میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں، پس اہل بدعت کا خود کو سنی کہنا درست نہیں...... اور عوام ان باتوں کے اس وجہ سے قائل ہوئے ہیں، کہ انھوں نے جہالت کی وجہ سے یا عناد کی وجہ سے، جیسے رضا خانیوں نے مطلق ومقید کے درمیان فرق نہیں کیا، جیسے مطلق (بلا قید) ایصال ثواب ثابت ہے اور مقید جیسے سوم، چہلم وغیرہ بدعت ہیں، پس اس اختلاف کو سلف کے اختلاف پر قیاس کرنا درست نہیں، سلف کا اختلاف موجب رحمت ہے اور یہ اختلاف عوام کے بگاڑ، اللہ کے غصے اور دین اور شریعت کی نافرمانی کا سبب ہے، پس اس کو اس پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا!

البتہ یہ اہل بدعت اہل السنة والجماعة میں داخل ہیں، البتہ وہ کامل اہل السنة نہیں، گنہ گار ہیں، جیسے فاسق (مرتکب کبیرہ) مسلمان ہے، اسلام سے خارج نہیں مگر وہ گنہ گار ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی اہل سنت سے خارج نہیں ہیں، یعنی اس اہل سنت سے جو اہل اہواء کے مقابل بولا جاتا ہے، البتہ چوتھے معنی کے اعتبار سے وہ اہل سنت سے خارج ہیں، کیونکہ وہ اعمال سنت کی پیروی کرنے والے نہیں۔

البتہ روافض کی طرح اہل السنة والجماعة سے خارج نہیں، روافض ضروریات دین کا انکار کرنے کی وجہ سے اہل اہواء ہیں اور اہل السنة سے خارج ہیں، مگر چونکہ وہ ضروریات دین کا انکار تاویل سے کرتے ہیں، اس لئے کافر نہیں، اگر بلا تاویل انکار کرتے تو کافر ہو جاتے اور بدعتی ضروریات دین کے منکر نہیں ہیں، بلکہ بعض اعمال جزئیہ جو خلاف سنت ہیں ان کو جائز کہتے ہیں، پس روافض کی طرح یہ لوگ اہل السنة سے خارج نہیں (حضرت رحمہ اللہ نے سنت کے دو معنی بیان کئے ہیں، ہم نے تکمیل بحث کے لئے چار معنی بیان کئے ہیں، حضرتؒ نے دوسرے اور چوتھے معنی بیان کئے ہیں)

[پالن پوری]

سلوک واحسان

توبہ، سلاسل تصوف، بیعت، ذکر کے درجات اور متعلقہ عنوانات

(۷۹۷) توبہ کی حقیقت کیا ہے؟

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ: اس مسئلہ میں: کہ توبہ شرعاً چہ معنی دارد، وتوبہ کردن ہر مسلماں را، سنت است، یا فرض یا مستحب۔ وشخصے بحضور محل (کذا؟) توبہ کردہ باشد، ودیگر شخص گفت شما توبہ واپس دہد۔ پس ایں شخص بمطابق حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتب فقہ چہ حکم نافذ خواہد شد، وبر منکر توبہ چہ؟

ترجمہ سوال: آپ حضرات کا کیا فرمانا ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، کہ توبہ شرعاً کیا معنی رکھتی ہے، اور توبہ کرنا، ہراک مسلمان کے لئے سنت ہے، یا فرض یا مستحب؟ ایک شخص کسی کے سامنے توبہ کرتا ہے، دوسرا شخص کہتا ہے تم توبہ واپس دیدو۔ پس اس شخص پر حدیث شریف اور کتب فقہ کے مطابق کیا حکم جاری ہوگا۔

جواب: توبہ در شرع شریف از گناہ باز ماندن، وندامت بر فعل بد کردن را گویند، وتوبہ کردن بر ہمہ مسلماناں فرض عین است۔ قال اللہ تعالیٰ:

پس توبہ کراندن وامر توبہ کردن بر ہمہ فرض خواہد بود، وہر کہ از توبہ منع کند یا ہدایت توبہ شکنی نماید فاسق است کہ امر منکر رامی گوید۔ حسب حکم حدیث وفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم فقط

ترجمہ جواب: توبہ، شریعت میں گناہ سے رک جانے اور برے کام پر شرمندگی کو کہتے ہیں: توبہ کرنا، تمام مسلمانوں پر فرض عین ہے، اللہ نے فرمایا ہے:

يَـآيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوْا تُوْبُـوْٓا اِلَى اللّٰـهِ تَوْبَـةً نَّصُوْحًا. الآیۃ (التحریم-۸)

ترجمہ: اے ایمان والوں توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ترجمہ: اس لئے توبہ کرانا اور توبہ کا حکم کرنا سب پر فرض ہوگا، اور جو شخص کہ توبہ سے منع کرے یا توبہ توڑنے کی ہدایت کرے، وہ فاسق ہے، کیوں کہ وہ برے کام کے لئے کہتا ہے، یہ فقہ وحدیث کے حکم کے مطابق ہے۔[ت نور]

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

[جواب] خط مولوی جمال الدین صاحب [غالباً سہنپوری، بجنوری]

(مجموعہ کلاں، ص ۱۳۳)

(۷۹۸) توبہ باربار کرتا رہے: بندہ کولازم ہے کہ سچے دل سے توبہ کرتا رہے، اگر چہ توبہ ٹوٹ جایا کرے، برابر کرتا رہے، آخرکار پختہ ہوجائے گی۔ فقط والسلام (مجموعہ کلاں ص ۲۲۹)

(۷۹۹) توبہ کی باربار تجدید کرتے رہنا چاہئے: از بندہ رشید احمد عفی عنہ، بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند: آپ کا خط آیا، حال معلوم ہوا، جس وقت نظر میں بدی دیکھو، فوراً نظر کو نیچی کرلو، اوراس کی سزا کسی قسم کی نفس پر مقرر کرلو اور بہتر سزا جوع کا دینا ہے اور لازم ہے کہ نظر ڈالو ہی نہیں، فقط زبان سے تعلیم کرو اور تجدید توبہ کرتے رہو، اگر [چہ] ہر روز ٹوٹا کرے، رفتہ رفتہ ملکہ راسخ ہوجاتا ہے۔ غرض ذکر میں جس قدر ہوسکے سعی کرتے رہو، اور تقصیر پر ندامت اٹھاتے رہو اور حق تعالیٰ سے التجا کرتے رہو، یہ ہی کام بندہ کا ہے اور بندہ اس کو ہی کہتے ہیں، ورنہ معصوم بعد انبیاء کے کوئی بشر نہیں۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۲۲۵)

(۸۰۰) توبہ نصوح کا مفہوم کیا ہے؟ سوال: ایک شخص نے آیت: یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا کی تفسیر یوں بیان کی کہ نصوح ایک شخص تھا، اور وہ جو ایک قصہ، ڈپٹی نذیر احمد جج حیدرآباد نے، اپنی کتاب توبۃ النصوح میں تحریر کیا ہے، (۱) تائیداً بیان کیا۔

جواب: آیت کی تفسیر میں توبہ نصوح کی، معنی نصوح کے توبہ کرنا اور نصوح کسی شخص کا نام مقرر کرنا محض جہل وحماقت ہے، ترجمہ یہ ہے کہ توبہ خالص کرو۔ توبہ موصوف اور نصوح اس کی صفت ہے اور یہ ترجمہ جہال کا توبہ نصوح کی باضافت ہے، پس ایسی تفسیر کرنا اولاً جہل دوسرے تفسیر بالرائے ہے، ایسا شخص ہرگز قابل وعظ نہیں۔ اور قصہ جس نصوح کا لوگوں میں زبان زد ہے، وہ نزول قرآن شریف سے مدتوں پہلے پیدا ہوا ہے۔ الغرض یہ مفسر بالکل احمق ہے اور یہ تفسیر اس کی بالکل غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۴۱-۱۳۸)

(۸۰۱) توبہ کو باربار توڑنے والے کا حکم؟ مسئلہ: جو شخص بدزبانی اور ارتکاب معصیت کرکے توبہ کرے اور پھر توبہ شکنی کرے، پھر توبہ کرے، اور ایسی ہی طرح کیا کرے تو اس کو شرع میں فاسق نہیں کہہ سکتے: بقولہٖ تعالیٰ:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْآ اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَافَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ٥ اُولٰٓئِکَ جَزَآءُ ھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ. الآیۃ (آل عمران-۱۳۵، ۱۳۶)

(۱) توبۃ النصوح، مشہور مصنف، مترجم قرآن کریم، ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی معاشرتی ناولوں کے سلسلہ کی تیسری کڑی یا ناول ہے، جو ۱۸۷۳ء (۱۲۹۰ھ) میں لکھا گیا اور پہلی مرتبہ ۱۸۷۴ء میں آگرہ سے چھپا تھا۔ بعد میں باربار چھپتا رہا۔ معلومات کیلئے دیکھئے: مولوی نذیر احمد دہلوی، احوال وآثار، تالیف ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ص ۳۴۷ ومابعد (لاہور: ۱۹۷۱ء) [نور]

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں اپنے حق میں، تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی، اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے، اور اڑتے نہیں اپنے کئے پر، اور وہ جانتے ہیں انہی کی جزا ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

وبقوله عليه السلام: مَاأَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَلَوفَعَلَه فِي اليَومِ سَبْعِينَ مَرَّةً. الحديث(۱)

اور یہ کہنا کہ اس کی توبہ دل سے اور خوف خدا سے نہیں، بلکہ ظاہری حیلہ وخوف آدمیوں سے ہے، نازیبا ہے۔ لقولہ تعالیٰ: يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوااجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. الآية (الحجرات-۱۴) ترجمہ: اے ایمان والو بچتے رہو، بہت تہمتیں کرنے سے، مقرر بعضی تہمت گناہ ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور یہ دلیل کہ اگر خوف حق تعالیٰ سے توبہ کرتا تو عہد شکنی نہ کرتا، اس کو رد کرتی ہے، پہلے جو ذکر ہوا قرآن وحدیث سے۔ بہر حال ایسی صورت میں یہ امام لائق عزل کے نہیں، ہاں اگر وہ فاسق مصر ہے، تو لاریب! اس کو منصب امامت سے معزول کر کے، کسی صالح کو مامور کرنا مناسب ہے۔ قال في رد المحتار:

و أمّا الفاسق فقد علّلوا كراهة تقديمه بأنه لايهتمّ لأمر دينه، وبأنّ في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً، انتهى(۲)

پس درصورت اصرار علی المعصیت اس کو معزول کر دینا ضروری ہے، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۲۹)

(۸۰۲) جس کام کے صوفیہ مجتہدین ہیں، اس میں ان کی تقلید اور جس کے فقہاء مجتہدین ہیں، اس میں ان کی تقلید کی جانی چاہئے:

سوال: بعض اولیاء کی تقلید سے سجدۂ تحیت کو جو لوگ جائز کہتے ہیں اور حرمت کی حدیثوں میں تاویل کرتے ہیں، وہ لوگ اہل سنت میں داخل ہیں، یا اہل بدعت میں۔ برتقدیر ثانی امام شافعیؒ کی تقلید اور حضرت محبوبِ الٰہی (یعنی حضرت نظام الدین اولیاءؒ) کی پیروی میں کیا فرق ہے۔ مسائل کا جواب شافی تحریر فرمائیں اور اپنی خیریت سے ضرور اطلاع دیجئے۔ فقط

عریضۂ ادب: نظیر حسن عفی عنہ از فرخ آباد محلہ صوفی خان

---

(۱) ترمذی، كتاب الدعوات رقم الباب: ۱۰۷ ص: ۵۲۱ جلد خامس رقم الحديث: ۳۵۵۹ ت: كمال يوسف الحوت [دار الكتب العلمية، بيروت] (نور)

(۲) ردالمحتار، باب الامامة مطلب في تكرار الجماعة في المسجد ص: ۳۷۶ جلداول [مطبع مجتبائی دهلی: ۱۲۸۷ھ] نیز شامی باب مذکور ج: ۱، ص: ۵۹۰ [دار الفكر بيروت: ۱۳۸۶ھ] ونیز شامی ج: ۱ ص: ۴۱۴، باب مذکور مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان، ۱۳۹۹ھ (نور)

جواب: جس کام کے اولیاء مجتہد ہیں، اس میں ان کی تقلید درست ہے، وہ علم باطن ہے یہ (سجدۂ تحیت کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ) علم ظاہر ہے، ایسے لوگ مبتدع نہیں۔ فقط والسلام! بندہ ویسے ہی بیمار چلا جاتا ہے۔ فقط

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعۂ فرخ آباد ص ۳۲)

(۸۰۳) بیعت کے چاروں سلسلے صحیح ہیں:

سوال: [ایک شخص] ہر چار خاندان یعنی چشتیہ قادریہ وغیرہ کو خلاف شرع بتلاتا ہے، بلکہ ان خاندان والوں کو بہت برا کہتا ہے، آیا اس کا کہنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: خاندانِ اربعہ حق ہیں اور سب اہل اللہ اور مقبولان اللہ تعالیٰ ہیں، ان کا برا کہنے والا اور خلافِ شرع جاننے والا مردود ہے۔ کیوں کہ مطلب ان سب خاندانوں کا تحصیل محبت حق تعالیٰ کی، اور اتباع حق کا اور تہذیب نفس اور اصلاح دین کا ہے۔ سو یہ سب مطلب شارع علیہ السلام کا ہے، پس اس کو برا کہنا سخت فسق ہے، مگر ہاں جو امر خلافِ شرع کوئی کرتا ہو، وہ برا ہے۔ سو اس میں کیا خصوصیت ان خاندان والوں کی ہے، اگر کوئی عالم محدث بُرا کام کرے گا، وہ بھی بُرا ہے۔ بہر حال خاندانِ اربعہ محض اتباعِ سنت وشریعت کرنے والے ہیں، ان کو برا کہنا شارع کے احکام کو برا کہنا ہے۔ فقط۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۲۸-۱۲۹)

(۸۰۴) جو شخص کسی بزرگ کے متعلق توہین کے کلمات کہے، اس کا حکم؟

مجمع علوم ظاہری وباطنی جناب مولانا رشید احمد صاحب دام ظلکم

بعد سلام سنت الاسلام کے عرض خدمت شریف میں یہ ہے کہ، جو کوئی شخص کسی بزرگ خاص کی نسبت ایسے کلمات نکالے، زبان سے کہ جس سے اس بزرگ خاص کی توہین ہوتی ہو، مثلاً جیسے کہا کرتے ہیں، کہ فلانا تو جوتے پھٹکارتا پھرتا ہے۔

اور اس کے بعد جو کسی نے منع کیا، تو اس نے سب بزرگوں کی نسبت یہ کلمہ کہا، کہ اسی طرح سب بزرگ جوتیاں پھٹکارتے پھرتے ہیں، جب کہ پھر اس سے کسی نے پوچھا، کہ ایسا کلمہ تم نے کیوں کہا؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے برا سمجھ کر نہیں کہا، بلکہ بطور مسخرہ پن کے کہا ہے۔ تو ہم نے اس سے کہا کہ، تو ایسے شخص کو کہا کرتے جو کہ ذلیل اور خوار ہو، تو پھر اس نے جواب دیا کہ: دنیا میں بزرگ لوگ بھی ذلیل رہتے ہیں۔ تو پھر ہم نے اس سے کہا، کہ بالفرض، اگر تم نے بطور ہنسی کے کہا تو تب بھی توبہ کرنی چاہئے، کیونکہ بزرگوں کی شان میں ایسا کلمہ نکالنا اچھا نہیں ہے، تو اس نے اس پر بھی اصرار کیا اور کہا، کہ میں نے خطا تھوڑے ہی کی ہے، جو میں توبہ کروں۔

تو، اب یہ فرمایئے کہ اگر اس نے بنظر حقارت کہا، تو گناہ کس درجہ میں ہوا، آیا کفر یا کبیرہ یا صغیرہ گناہ کے، اور پھر توبہ پر اصرار کرنا کس درجہ میں ہوا۔

اسی طرح کوئی شخص خلاف شریعت کام کرتا ہے اور کوئی اس کو منع کرے کہ یہ کام خلاف شریعت ہے، اور وہ شخص اس پر اصرار کرے کہ، یہ یونہی جائز ہے، جیسے آج کل کے فقیر بعض بعض کہہ دیتے ہیں، کہ میاں تم کیا جانو (یہ) کو نچھ ہی اور ہے۔ تو ایسے شخص کو کیا سمجھنا چاہئے؟ اور ایسے شخص سے ملاقات رکھنا، السلام علیکم کرنا کیسا ہے؟

الجواب: جو عام بزرگوں کی توہین کرے، خواہ حق جان کر، خواہ استہزاءً وہ فاسق ہے۔ کیونکہ توہین عام مسلمانوں کی بھی فسق ہے، چہ جائیکہ صلحاء اور اولیاء کی۔ اور پھر اصرار کرنا اس پر گناہ کبیرہ ہے، ایسے شخص سے اگر ترک ملاقات کردیوے درست ہے، اور اصرار کرنا گناہ پر فسق ہوتا ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح احمد علی عفی عنہ

[مکتوب حضرت مولانا۔۔۔ بدست خود]

(۸۰۵) اپنے پیر کے علاوہ کسی اور سے تبرک کا بیعت ہونا؟ سوال: بلاضرورت شرعی، شرعاً تکرار بیعت دوسری جگہ جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: دوسری جگہ بیعت کرنا فضل دوسرے سلسلہ کے حاصل کرنے کو، یا برکت دوسرے میں شریک ہونے کو درست ہے، بشرطیکہ دوسرا شخص قابل بیعت ہو، ورنہ کسی حال بیعت درست نہیں، خواہ اول ہو یا دوبارہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۲۴۳)

(۸۰۶) نسبت سلوک حاصل کئے بغیر کسی کو بیعت کرنا صحیح نہیں، نیز وعظ ونصیحت کے آداب: سوال: علمائے دین سے سائل کا سوال یہ ہے: کہ جس شخص میں یہ صفتیں ہوں، تو وہ بہتر ہے، یا نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین قوتیں عنایت کی ہیں، ایک قوت عقلی ہے، جس کے سبب سے نیک اور بد کو دریافت کرتا ہے، اور دوسری قوت شہوی یعنی خواہش کی ہے، جس کے سبب سے چیزوں کی طرف خواہش کرتا ہے اور تیسری قوت غضبی ہے، جس کے سبب سے اپنے مخالف اور مزاحم کو دفع اور دور کرتا ہے۔ سو آدمی کی جب یہ دونوں قوتیں، یعنی شہوی اور غضبی تیسری یعنی عقلی کی تابعدار ہوجاویں اور بے اس کی صلاح کے اور کوئی کام نہ کریں، اور جس چیز کا حکم کریں وہ ہی کام کریں، اور جس سے منع کریں، اس سے دور رہیں، اور جس سے کہیں لڑنے کو تو لڑ بیٹھیں، اور جس کو منع کریں، اس کو روک دیں، اور وہ شخص اپنی قوت عقلیہ کو شرع کے طور سے روشن کرے اور انبیاء کے طریقہ پر چلاوے اور نیک کو نیک اور بد کو بد شناخت کرکے، ان دونوں قوتوں کو کام میں لگاوے، تب مرتبہ تقویٰ کا حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ شخص اگر بات کرے فاسق وفاجر سے ساتھ منھ ترش اور ناخلقی کے، اور اگر اس کی قوم کے لوگ گناہ کبیرہ کرتے

ہیں، جیسے داڑھی کا چڑھانا یا منڈوانا، یا سونے کی انگشتری کا پہننا، یا سود لینا یا دینا، یا کوئی گناہِ کبیرہ کرنا، جب تک اس گناہِ کبیرہ سے توبہ کرکے تائب نہ ہوں، تو وہ شخص ہرگز ان سے خلق نہ کرے، اور واجب کو ساتھ ان کے ادا کرے، یعنی کہوے کہ یہ گناہِ کبیرہ ہے، تم اس کو چھوڑ دو تو تم سے خلق کرنا جائز ہے، اور جو کوئی غیر قوم یا مسلمان مل جاوے اور ظاہری گناہِ کبیرہ علانیہ کرتا ہو، جیسے کہ شطرنج کھیلنا، یا ستار بجانا اور ہر ایک گناہِ کبیرہ کو جو کوئی علانیہ کرنے والا ہو، اس کو منع کر دیتا ہو، اور وہ شخص رضامندی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی ڈھونڈتا ہو، اور ایسا شخص اگر کسی کو مرید کرے اس نیت سے کہ یہ لوگ گناہ سے توبہ کرکے، آخرت کا نفع اٹھانے والے ہوجاویں، اور پھر گناہ کی طرف نہ جاویں، اور ڈراتا رہے ان لوگوں کو کہ تم اگر گناہ کبیرہ کروگے، تو تمہاری بزرگی ٹوٹ جائے گی، اور گنہگار ہوجاؤگے، اور نیت بھی اس شخص کی جو مرید کرتا ہے، خالصاً اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو۔

الحب للہ و البغض للہ اور عقل بھی اس میں اسلامیہ ہو، اور سینہ اس کے پُرفیضِ غیب سے نور گرتا ہو، اور جتنی خلاف چیزیں ہیں، اپنے دل میں نہ رکھتا ہو، اور ذکر کرنے سے خلاف چیزوں کے بیزار ہوتا ہو، اور غذا اس کی تازگی اور نیکیاں ہوں، اور وہ شخص مقلد ہو اور قرآن شریف اور حدیث اور اجماع اور قیاس کا تابعدار ہو۔

اور جو کوئی فقیر اور ولی کامل کہلاتا ہو اور وہ شرع شریف کے خلاف کام کرے، یعنی کافروں کے [جان] اور مال کی سلامتی کی دعاء کرے، یا فاسق وفاجروں کی جان کی یا مال کی سلامتی کی دعاء کرے، یا سنت پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرے، اور مدح کرے فاسق وفاجروں کی، تو اس کو بھی وہ شخص دوست نہیں رکھتا، اور یہ خصلتیں قلبی ہوں، اور وہ خلاف چیز کو اس قلبی نور سے توڑ دیتا ہو، تو ایسا شخص مرید کرے، کسی کو تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: جس میں واقعی یہ صفت ہوں، جو سائل لکھتا ہے اس کو توبہ کرانا اور نصیحت کرنا درست ہے اور ضرور[ی] ہے، مگر بیعت کرنا جس کو دخول سلسلہ اولیاء کہتے ہیں، درست نہیں، جب تک اس سلسلہ کی نسبت حاصل نہ کرلیوے، اور ایسے شخص کو وعظ ونصیحت میں بھی رعایت رفق اور یسر کی رکھنی لازم ہے، اور تشدد اور عسر کو جو خلاف حکم شارع علیہ السلام کے ہے، ترک کرنا، اور اختلاف مذاہب اور اقوال علماء کی رعایت کرنا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۲۹-۲۳۱)

(۸۰۷) ولی اگر جان بوجھ کر گناہ کبیرہ کرے، تو اس وقت کے لئے ولایت سے خارج ہوجاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین: کہ بعض اشخاص ایسے ہیں کہ اولیاء اللہ اور صاحب نسبت [اپنے] آپ کو کہلاتے ہیں، اگر ان سے کبیرہ گناہ ہوجاوے تو باوجودیکہ ان کو علم ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور پھر کرتے ہیں بقصداً، ایسی صورت میں اولیاء اللہ اور صاحب نسبت رہتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: جو گناہِ کبیرہ جان کر کرتا ہے، اس وقت ولایت خاصہ سے خارج ہو جاتا ہے، توبہ کرنے کے بعد ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس وقت مسلمان زنا کرتا ہے، کمالِ ایمان اس کا نکل جاتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت معصیت کے، کمالِ ایمان نہیں رہتا اور صاحب نسبت ہونا، سو یہ ایک علاقہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے، اگر باوجود علاقہ کے جان کر گناہ کرتا ہے، وہ سخت شقی اور نہایت عاصی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　　(مجموعہ کلاں ص ۲۳۲)

(۸۰۸) توکل حقیقی کیا ہے؟

سوال: جو شخص کسب سے عاجز ہو، سوال کو حرام اور توکل کو واجب سمجھے، لیکن بغیر طلب اور بلا طمع جو کچھ ملے، من جانب اللہ سمجھے، کہ وہ بلحاظ اسباب ظاہر ایسی جگہ قصداً قیام کرے، جہاں فقراء اور مساکین کے خدمت گذار زیادہ ہوں اور ایسی جگہ اس کا قیام کرنا، توکل کے خلاف ہے، یا نہیں؟ اگر خلاف ہے تو کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟

جواب: اس کا قیام اس جگہ خلاف (۱) ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم　　(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۲)

(۸۰۹) توکل کی ایک حدیث کا حوالہ:

جو لوگ کہ متوکل تام ہیں، کہ منتر نہیں کرتے اور دوغ نہیں دلاتے، ان کا ذکر بخاری اور سب کتب احادیث میں ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔　　(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۲)

(۸۱۰) تعلیم وتدریس چھوڑ کر اور اشغال میں مصروف ہونا صحیح نہیں:

مولوی منہاج الدین صاحب مدفیوضہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بندہ بعافیت ہے۔ تمہارا خط آیا، حال معلوم ہوا۔

مکرما! آدمی کے ایک قلب ہے اور ایک کام کو ہی بخوبی انجام دے سکتا ہے، دو کام متبائن جمع نہیں ہو سکتے۔ درس میں شغل بہ غیر ہے اور رات دن طلبہ اور مستفیضوں کے ساتھ اختلاط اور مضامین علمی میں تفکر اور تردد ہوتا ہے، اور شغل یکسوئی اور فراغ از غیر اور سب تخیلات کا رفع، پھر یہ دو کام کس طرح جمع ہو سکتے ہیں، کہ علم فرض اور اعلیٰ اشغال اور نیابت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

(۱) نامناسب، بیجا۔　　اردو لغت [اردو بورڈ] ص:۶۵۳ جلد ہشتم کراچی: ۱۹۸۷ء]

(۲) ایک طویل روایت کا ایک فقرہ ہے: هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون، وعلى ربهم يتوكلون. (رواه البخاری، رقم الحديث: ۶۴۷۲ ص: ۸۴، جز: ۸، ج: ۳ [مكتبة الرياض الحديثة ۱۹۸۴ء] [نیز نسخہ ہندیہ ۱۴۱۵ھ] ص: ۹۵۸ جلددوم. كتاب الرقاق، باب ومن يتوكل على الله فهو حسبه. مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں. "هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون ولا يكتوون، كتاب الايمان، باب الدليل على فصول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ص: ۱۱۸، ۱۱۹ جلداول. رقم الباب ۹۴ رقم الحديث: ۲۱۸ و ۲۲۰ ت: ابوقتيبه نظر محمد فاريابی [دار طيبة، رياض ۲۰۰۶ء] نیز نسخہ قدیم ہندیہ ۱۳۱۹ھ، [مطبع مجتبائی دھلی] ص: ۱۱۶ جلداول. [نیز دیکھئے: مشکوۃ، باب التوکل والصبر، ص ۱۹۶۹، رقم الحديث: ۵۲۹۵ و ۵۲۹۶] [مكتبة التوبه ۱۴۲۳ھ]　　(نور)

کی ہے مقدم اور ضروری جان کر آپ اس میں مشغول رہیں، اور اس کی تعلیم کو فرض اور وصیت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یقین کریں، (اس پر) کاربند [رہیں] اور سب اوقات اپنے اس میں صرف کرتے رہیں۔ یہ خیال استغراق کا بھی ایک وسوسہ شیطانی ہے، کہ علم سے روک کر آپ کو ایک کام نفل وزائد [میں] لگانا چاہتا ہے، جب تم مستغرق ہوئے، کسی کو کس طرح تعلیم و تدریس کروگے۔ پس "فقيه واحد أشدّ على الشّيطان من ألف عابد" (۱) کو دیکھو اور اس خیال سے باز رہو۔

اس واسطے ہی شغل کرنا طالب علم کو ومدرس کو، بندہ جائز نہیں جانتا، اور ہمیشہ بیعت و شغل سے انکار کرتا ہے، وہی امر آپ کو پیش کیا۔ پس اب جس قدر ذکر اور شغل بدون حرج تدریس ہو سکے کر لیا کرو، اور فکر ایسی خلوت اور استغراق کا ہرگز ہرگز مت کرنا، کہ یہ وسوسہ ہے اور کسی کے کہنے سننے سے تمام عمر کی محنت کو کہ علم ہے، رائیگاں مت کرنا۔ اور حجت اللہ اپنے اوپر قائم کر کے، معصیت میں مبتلا مت ہونا۔ اگر جورو بچہ کو چھوڑ کر بخیال درویشی نکلوگے، تو فردا قیامت کو حقوق العباد کا کیا بندوبست اور جواب دوگے؟ اور جو تعلیم درس کو چھوڑ کر، نفع متعدی کو ترک اور نفع لازمی کی تحصیل میں جو ہنوز موہوم ہے، مشغول ہوگے، تو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوگے، کہ فرماتے ہیں:

بَلِّغُوا عَنّي و لو آية. الحديث (۲)

ليبلغ الشاهد الغائب. الحديث (۳)

اور دیگر احادیث، کہ جس میں تبلیغ کو فرض اور علم کو واجب وعمدہ شغل اور عبادت فرض اس کو فرمایا ہے، اور شغل و تصوف وریاضت کہ ادب ومستحب ہے، اس میں منہمک ہو کر فرض کو ترک کر کے، کیا نفع حاصل کروگے، بجز مطالبہ عباد اور شارع علیہ السلام کے۔

پس زنہار زنہار کسی درویش قاطع علائق غافل از فن درس کو دیکھ کر، اور اس کے واردات کو بزعم خود پسند مرجح بنا کر

(۱) رواه الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة. الحديث: ۲۶۸۱ ص: ۴۷، ج: ۵، ت: کمال یوسف الحوت [دار الکتب العلمية بيروت] نیز نسخہ هنديه قدیم ص: ۹۷ جلددوم [کتب خانه رشیدیه، دهلی] وابن ماجه، الحدیث: ۲۲۲ ص: ۱۵۰، ج: ۱ [دار الرسالة العلمية بيروت ۱۴۳۰ھ] [نیز دیکھئے: مشکوۃ. کتاب العلم، الفصل الثانی ص ۳۴ ج ۱ [اصح المطابع دهلی: ۱۳۷۵ھ] حدیث نمبر: ۲۱۷] نیز مشکوۃ ص: ۱۲۳ [مکتبة التوبه ۱۴۲۳ھ] (نور)

(۲) بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل ص: ۱۳۶ جلددوم رقم الحدیث: ۳۴۶۱ [مکتبة الرياض الحديثة ۱۴۰۴ھ. ۱۹۸۴ء] نیز نسخہ هندی باب مذکور ص: ۴۹۱، ج: ۱. ۱۴۱۵ھ. [نیز دیکھئے: مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، ص ۳۲ ج ۱۔ [اصح المطابع دہلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ کتاب العلم، الفصل الاول ص: ۱۱۴ جلداول رقم الحدیث: ۱۹۸ ت: رمضان بن احمد بن علی [مکتبة التوبة، دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء]

(۳) بخاری، کتاب العلم، باب رب مبلغ اوعی من سامع ص: ۲۰ جلداول رقم الحدیث: ۶۷ [مکتبة الرياض الحديثة ۱۴۰۴ھ. ۱۹۸۴ء] رواه البخاری، کتاب العلم، باب یبلغ الشاهد الغائب ص ۲۱ ج ۱. الحدیث: ۶۷۔ نیز بخاری میں متعدد جگہوں پر یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔ کہیں لیبلغ .... الخ اور کہیں فلیبلغ .... الخ کے الفاظ ہیں۔ (نور)

اپنے فرض منصب کو ترک مت کرنا اور اپنے کام کو کسی درجہ حقیر اور کم جان کر، دوسرے فن کو کہ فی الواقع بمراتب کم تعلیم علم سے ہے مت لینا، ہاں! جب تم اس تعلیم کے کام میں خوب ماہر ہو جاؤ، اس وقت شغل کو کرو گے تو حرج نہ ہوگا۔

اور پھر یہ سمجھ لو کہ ہر طبع جدا ہے، کسی کو مناسبت شغل سے ہوتی ہے تو اس کو اثر کامل ہوتا ہے، اور جو نہیں ہوتی، تو باوجود کثرتِ مشغولی کے نفع معتد بہ حاصل نہیں ہوتا ہے تم نفع معتد بہ حاصل کو، نفع موہوم کے واسطے ضائع وترک کرتے ہو۔

بہر حال یہ سب وسوسہ ہے۔ کہ توبہ کرو اور تعلیم دین میں خوب سعی کرو اور شغل قدرے قلیل کرتے رہو، اور بس! آئندہ مختار ہو۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۲۵۔۱۲۶)

(۸۱۱) ہر وقت کی تسبیح میں کیا، ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا ضروری ہے؟

سوال: چلتے پھرتے ہوئے، جو آدمی اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح پڑھتا ہے، یا کلمہ شریف کی، تو ہر نام پر اللہ تعالیٰ کے جل جلالہ یا پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے نام پر درود پڑھا کرے، یا سو پچاس کے بعد میں ایک دفعہ کہا کرے، اور اگر کلمہ لا الٰہ مثلاً دس دفعہ کہا اور گیارہویں دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا، تو کہنے والے کو پورے کلمے کا ثواب ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: کبھی کبھی کہہ لیا کرے، ایسے متصل پڑھنے میں (۱)۔ فقط (بدست خاص علاحدہ)

(۸۱۲) جہری ذکر جائز ہے، اگر مضرتوں سے خالی ہو:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے راسخین و محققانِ دین متین اس مسئلہ میں: کہ ذکر اللہ بالجہر کرنا خواہ اکیلا ہو یا مجمع مسترشدین میں، شب کو یا دن کو تنہا مکان میں یا جنگل میں یا مسجد میں، کہ جس سے کسی کا حرج نہ ہو، جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: کتب حنفیہ میں ذکر جہر کے باب میں روایات مختلفہ وارد ہیں، بعض روایات میں مکروہ لکھا ہے اور بعض میں جائز، اگر خالی شائبہ ریا واذیت غیر سے ہو اور اس پر ہی عمل در آمد مشائخ کا ہے۔ پس بناءً علی ہذہ الروایۃ ذکر جہر میں جو خالی ہو مضار سے، کچھ حرج نہیں۔ اور یہی راجح بندہ کے نزدیک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی [مہر رشید احمد]

الجواب صحیح، وفی حاشیة الحموی عن الإمام الشعرانی؛ أجمع العلماء سلفاً وخلفاً علیٰ استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها، إلا ان یشوش جهر هم علیٰ نائم أو مصل أو قارئ انتهی . رد المحتار۔ (۲) کتبہ ابو الحسن مہتمم جامع مسجد سہارنپور۔

---

(۱) قولہ: "ایسے متصل پڑھنے میں" یعنی جسے سوال میں ذکر کیا ہے یعنی مسلسل ذکر کر رہا ہو، تو کبھی کبھی درود شریف پڑھ لیا کرے، ورنہ ہر مرتبہ نام پاک کے ساتھ درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ (پالن پوری)

(۲) رد المحتار علی الدر المختار، مطلب فی رفع الصوت بالذکر، ۱/۴۴۴ (مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج:۱ص:۶۶۰ [دار الفکر بیروت، لبنان ۱۳۸۶ھ] ونیز شامی ج:۱ص:۴۸۸ [مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان ۱۳۹۹ھ] (نور)

الجواب صحیح، عنایت الٰہی مدرس مدرسہ اسلامیہ سہارنپور۔

یہ جواب صحیح ہے، محمد مراد عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ مظفر نگر۔

صح الجواب، محمد صدیق احمد کاندھلوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ کاندھلہ۔

الجواب صحیح، وقد استنبط الجهر فی الذکر من قوله تعالیٰ: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ، (۱) الآیة. عزیز الرحمن دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔

احسن ہٰذا الجواب، محمد ناظر حسن عفی عنہ دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔

الجواب صحیح، احمد علی بٹراڑوی۔

ذکر میں جہر متوسط جائز ہے اور جہر مفرط سوائے اذان کے اور ذکر میں جائز نہیں، مکروہ ہے۔ مشتاق احمد سہارنپوری۔

اگرچہ علمائے حنفیہ کثر اللّٰہ شوکتھم کو درباب ذکر جہر اختلاف ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ جب ذکر جہر عوارض مذکورہ سے خالی ہو، تو بلاشک جائز ہے۔ خادم الطلباء غلام محمد ہوشیارپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ کرنال۔

ذکر جہر ریاء حرام ست، وضرر القاری والمحدث والنائم والمصلی مکروہ ست، والخالی عنہا بلاشبہ جائز ست، خصوصاً درمجمع ہمچو اشخاص افضل ست۔ محکمہ مختلف باختلاف الاشخاص بموجب حدیث: من ذکرنی الخ (۲) واللّٰہ اعلم بالصواب۔ کتبه العبد المذنب عبد الرحمن پانی پتی۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و اله وصحبه وتابعیهم أجمعین الیٰ یوم الدین برحمتک یا أرحم الراحمین

منظوم امیریہ، تالیف: مولانا امیر باز خاں سہارنپوری، ص: ۳۲ (مطبوعہ: غالباً ۱۳۳۰ھ)

(۸۱۳) فعل حرام میں مشغولیت کے وقت ذکر کرنا؟

مولوی نذیر احمد صاحب السلام علیکم

آپ کا خط آیا، فی الواقع عالم کا حال ہر روز متغیر اور اہل نظر کو ایسے وقت میں اپنے خاتمہ کا اندیشہ، حق تعالیٰ سب اہل اسلام کو باایمان اٹھاوے، آمین!

ذکر اللہ تعالیٰ عمدہ شئے ہے، مگر تلبسات محرمات سے بے تعظیمی نام الٰہی کی ہوتی ہے، مثلاً بسم اللہ کا کہنا ہر شئے کے شروع پر مستحب ہے مگر شراب اور حرام طعام پر کفر ہے، گویا کہ استہزاء واہانت نام پاک ہے اور نہایت بے حیائی۔

(۱) آیت کریمہ سے ذکر جہری اس طرح مستنبط ہوگا کہ: ذاکر جہراً ذکر کرے گا تبھی روکنے والا اس کو روکے گا، سراً ذکر کرنے کی صورت میں روکنے کی کوئی صورت نہیں۔ (پالن پوری)

(۲) مسند احمد. مسند ابی ہریرةؓ ص: ۴۰۵ جلد دوم [دار الفکر. بیروت، الطبعة الثانیة ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء] نیز مسند احمد محقق۔ ت: حمزہ احمد الزین۔ ص: ۱۵۳ جلد نہم۔ رقم الحدیث: ۹۲۲۶ [دار الحدیث القاہرہ۔ ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء]

ہاں! اگر بیہودہ کلام کرتا ہے اور وقت سکوت کچھ ذکر زبان سے نکالا، تو سکوت سے یہ ذکر فی حد ذاتہ بہتر ہے، اور حالت زنا میں ذکر کرنا سخت تر ہے کہ اندیشہ کفر ہے، عین تلبس بفعل حرام میں ذکر برا ہے، بوجہ مجاورت ذکر یہ حرام، کہ ذکر فی حد ذاتہ عمدہ شئے ہے، مگر فی الحقیقت وہ ذکر ذکر نہیں، بلکہ استہزاء وتمسخر یہ ہے اور جب وقفہ امر بد سے ہو، اس میں ذکر اچھا ہے، ایسا ہی دائم تارک الصلوٰۃ سے گنڈے دار نمازی اچھا ہے، مگر عین تلطخ نجاسات میں صلوٰۃ کا پڑھنا، یا پائخانہ میں نماز پڑھنا سخت مذموم ہے، اندیشہ کفر رکھتا ہے، تو دونوں بات میں فرق بین۔ الغرض! عین حالت حرمت میں ذکر بسبب اہانت ذکر کے زیادہ مضر ہے اور وقفہ میں اچھا ہے اور دونوں میں فرق ہے۔ فقط والسلام

(مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی غیر مطبوعہ، بنام مولانا خلیل احمد مکتوب نمبر ۱۰، قلمی)

(۸۱۴) دین داری میں انگشت نما ہونا، کیوں غلط ہے؟ انگشت نما ہونا بھلائی میں موجب ریا اور تکبر کا ہوتا ہے، اس واسطے برائی ہے، اگر اس شہرت سے اس کو تکبر نہ ہو تو کچھ اندیشہ نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے برابر کس کو شہرت ہوئی، اور یہ حدیث صحیح ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۲۱)

(۸۱۵) وحدۃ الوجود کی تحقیق؟ مسئلہ وحدۃ وجود: یہ بات ثابت ہے کہ وجود حقیقی ذات پاک حق تعالیٰ ہی کے واسطے ہے، اور باقی جملہ موجودات فانیہ موجود بوجود ظلی ہیں اور ظلی بہ نسبت حقیقی کے کالعدم ہوتا ہے، پس مطلب ہمہ اوست کا یہ ہوا، کہ جملہ موجود حقیقی واصلی وہ ذات پاک باقی ہے اور باقی جملہ موجودات معدوم وفانی ہیں۔ یہ عین توحید ہے اور حق ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ جملہ موجودات ظلیہ کو اصلیہ حقیقیہ اعتقاد کر کے، سب موجودات عدمیہ فانیہ کو، موجود حقیقی وعین ذات حق تعالیٰ قرار دیں، معاذ اللہ! کہ یہ سخت شرک ہے، مطلب اول وثانی میں فرق زمین و آسمان کا ہے، اول مراد عارفین ہے اور ثانی ملحدین جاہلین۔ (۱) فقط رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۸۴)

(۸۱۶) ہمہ اوست کی بحث؟ **سوال:** ہمہ اوست کے کیا معنیٰ [ہیں] اور ایسا عقیدہ رکھنا کیسا ہے۔ آج کل اس بدعتی کی ایسی کیفیت ہے کہ ہر کس وناکس کو اسی کی تعلیم کرتا ہے اور اس پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مدظلہ کے اقوال کی سند لاتا ہے، جو ضیاء القلوب میں لکھے ہیں اور فی الواقع آنحضرت نے ایسا ہی لکھا ہے۔ چنانچہ ذکر مراقبہ میں ایک موقع پر صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے:

---

(۱) یہ اور اس کے بعد کا فتوئی بہ ظاہر ایک ہی ہیں، بعد والے میں کچھ اضافے ہیں اور چند الفاظ کا فرق بھی ہے، اس لئے دونوں کو نقل کرلیا گیا ہے۔ (نور)

مراقبۂ وحدت وہمہ اوست، ھو الاول، ھو الاخر، ھو الظاھر، ھو الباطن، برزبان گفتہ باملاحظہ معنی تصور کند کہ ہیچ نیست مگر اوست، ودراں مستغرق شود۔ (انتہی) (۱)

ترجمہ: مراقبہ وحدت اور ہمہ اوست یہ ہے کہ: ہوالاول، ہوالاخر، ہوالظاہر، ہوالباطن زبان سے کہہ کر، کسی صورت کے لحاظ کئے بغیر معنی کا تصور کرے، کہ کوئی نہیں ہے مگر وہ ہے، اوراس خیال میں [بالکل] محو ہوجائے۔ (ت:نور)

اور بعض مواضع میں فرمایا ہے، اگر یہ مسئلہ اسی طرح سے ہے، تو یہ ثواب وعقاب حرام وحلال اور اکثر کارخانہ عالم فضول ہوجاوے گا، نعوذ باللہ!

جواب: یہ امر محقق ہے کہ وجود حقیقی ذات باری تعالیٰ کے واسطے ہے اور باقی جملہ موجودات فانیہ موجود بوجود ظلی ہیں اور ظلی بہ نسبت اصلی حقیقی کے کالعدم ہوتا ہے، پس معنی ہمہ اوست کے یہ ہوئے کہ موجود حقیقی واصلی وہ ذات پاک باقی ہے اور جملہ موجودات معدوم وفانی ہیں۔ سو یہ تو عین توحید ہے اور حق ہے، نہ یہ کہ جملہ موجودات ظلیہ کو اصلیہ حقیقیہ اعتقاد کر کے، یہ کہے کہ سب موجودات عدمیہ فانیہ موجود حقیقی وذات حق تعالیٰ ہیں، معاذ اللہ! کہ یہ معنی سخت شرک ہیں۔ معنی اوّل وثانی میں فرق بیّن ہے، اوّل مراد عارفین کی [ہے] اور ثانی فہم ملحدین جاہلین کی ہے۔

رہا حال مراقبات شیخ کا، سو سنو! کہ اصل مقصد ان کا یہ ہے کہ، قلب انسان کا چونکہ اپنے وجود کے اور تمام مشاہدات کے تصور سے ..... پُر ہو رہا ہے، اسی واسطے علم حق تعالیٰ کے قرب وعظمت کا اس کے قلب میں قیام پذیر نہیں ہوتا اور غفلت میں رہتا ہے۔ جب مرآۃ قلب نقوش غیر سے خالی وصاف ہوجائے، اس وقت نقش .... اس میں جاگزیں ہو، لہٰذا اس کی تدبیرات فرمائیے۔

ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ سالک اپنے ذہن کو اپنی ہستی اور تمام عالم کی ہستی سے خالی کر کے، سب کو فنا وفراموش کرے، جس کا خلاصہ ہیچ ونیست ہوا، اور بجائے اس کے نقش ہستی حق تعالیٰ کو قائم کردے، جس کا حاصل ہمہ اوست ہوا۔ سو یہ دونوں تصور، افناءِ غیر وابقاءِ حق اسقدر کرے کہ محو ہوجاوے، تا اصل مطلب حاصل ہووے، یہ نہیں فرمایا کہ یہ عقیدہ کرلیوے کہ سب مشاہدات عین خدا کے ہیں، جو شرک ہو، بلکہ سب کو خبر عدم میں دیتے ہیں، حالانکہ اس کے افناء سے کوئی شئے بھی فنا نہیں ہوتی۔ سب اشیاء اپنے مقام پر موجود ہیں، ہاں اس کے ذہن سے خارج ہوتی ہیں: الرّب ربّ و العبد عبد، جہلاءِ زمانہ کو شیطان نے دام میں لیکر مشرک بنایا، مشائخ علیہ الرحمہ ایسے واہیات سے بری ہیں۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۷، ۸، ۹)

(۱) ضیاء القلوب حضرت حاجی امداد اللہ۔ فارسی ص ۳۳ بیان مراقبہ (طبع اول مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۴ھ) (نور)

(۸۱۷) فی زمانہ تصورِ شیخ، غیر مشروع ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین مسئلہ تصورِ شیخ معمولہ صوفیہ میں: کہ مرید صورت پیر خواہ وہ پیر زندہ ہو یا مردہ، تصور میں حاضر کرتے ہیں اور اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ آیا یہ تصور اور حصولِ فیض شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

دوم اگر کوئی شخص حضرت غوث اعظم کو تصور میں حاضر کر کے: یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للّٰہ کا تکرار کرے، تو یہ تصور اور پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ لیکن قائل اگر اس کلمہ کو بغرض حصول فیض باطنی پڑھتا ہے، تو شیئاً للّٰہ سے :اعطنی شیئاً اکراماً للّٰہ تعالیٰ مما اعطاک من الفیوض الباطنۃ مراد ہے، اور اگر اور کسی حاجت کے واسطے پڑھتا ہے تو شیئاً للّٰہ سے امددنی شیئاً اکراماً للّٰہ بالدعاء من اللّٰہ تعالیٰ غرض ہے۔

جواب: تصور شیخ جو معمول صوفیہ کا ہے، کسی وقت میں صوفیہ نے اس کو اختیار کیا تھا، کسی مصلحت کی وجہ سے، اور اس میں کوئی خدشہ نہیں جانا گیا تھا، مگر اب اس وقت میں اس کی اجازت شرعی نہیں معلوم ہوتی، کہ شائبہ بت پرستی ہو گیا ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں، ہاں! اگر کوئی مغلوب محبت معذور ہو (تو وہ) معذور ہے، اور فیض من اللہ ہوتا ہے اور بس! فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

[دوم] کسی بزرگ کو ذہن میں حاضر کر کے اس سے اپنا مطلب مانگنا شرک ہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہر وقت حاضر ہونے والا حق تعالیٰ ہے، اس سے [طلب] مرادات چاہئے اور احضار صورت شیخ سے شیخ حاضر نہیں ہوتا، پھر اس صورت و تماثل ذہن سے، کچھ حاجت دینی و دنیوی طلب کرنا خود واہی امر ہوا، جس سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا۔ اگرچہ بسبب تاویل کے اس کو شرک نہ کہا جاوے، مگر بظاہر صورت شرک کی ہے، لہٰذا ترک اس کا واجب ہے۔ جو امر مُوہم معصیت کا ہو، اس کو بھی ترک کرنا لازمِ دینی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں۔ ص ۱۰۲-۱۰۳)

(۸۱۸) من اللہ و من مشائخی کہنا صحیح نہیں: سوال: زید نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: ما کان منہ صواباً فمن اللّٰہ و من مشائخی، و ما کان خطأً فمنی. اس کا بولنا عند الشرع جائز ہے، یا ناجائز، اس لکھوانے والے اور بولنے والے کا کیا حکم ہے، ایسے شخص کو کیا کہنا چاہئے؟

جواب: من اللّٰہ تعالیٰ و من مشائخی بظاہر کلمہ شرک کا ہے، چنانچہ حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے شاء اللّٰہ و شئت(۱) رد فرمایا لہٰذا ایسا کلمہ موہم بولنا و لکھنا نہ چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۲۴۱-۲۴۲)

(۱) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لاتقولوا: ماشاء اللّٰہ وشاء فلان، ولکن قولوا: ماشاء اللّٰہ ثم شاء فلان، رواہ احمد و ابوداؤد وفی روایۃ قال: لاتقولوا: ماشاء اللّٰہ وشاء محمد وقولوا ماشاء اللّٰہ وحدہ، رواہ فی شرح السنۃ (مشکوۃ کتاب الآداب، باب الأسامی، فصل ثانی ج:۲ ص:۴۰۸ [رشیدیہ دھلی ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ باب مذکور ص:۱۷۸۳ ۔جلد چہارم رقم الحدیث: ۴۷۷۸ ت: رمضان بن احمد بن علی [مکتبۃ التوبۃ دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء]

(۸۱۹) صوفیا کے بعض اشعار واقوال میں نامناسب الفاظ وکلمات کی شرعی تحقیق؟ سوال: اگر کوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو، اشعار میں صنم یا بت یا اور ایسے الفاظ کہے، تو آپ [مولانا گنگوہی] نے اس کو کافر اور قابل قتل تحریر فرمایا ہے۔

پس اللہ جل شانہ کے واسطے ایسے الفاظ کہنا، آپ کے نزدیک بدرجہ اولیٰ کفر ہوگا، مگر اس صورت میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اکابر صوفیہ میں سے بعض مشائخ نے اشعار میں ایسی باتیں فرمائیں ہیں، جو اس فتوی کے موافق کفر ہیں، اور بعض مشائخ نے اگرچہ خود ایسی باتیں نہ کہی ہوں، مگر سماع میں بلا انکار ایسے اشعار سنے ہیں، اور ان مضامین کو جو ظاہر میں کفر ہیں، باطن میں عمدہ مطلب ہے، حمد ونعت خیال کر کے گویا ذکر اور درود میں خیال کیا ہے:

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دل براں گفتہ آید در حدیث دیگراں

جب یہ حال ہے تو ایسے کلمات کے کہنے والے کی نیت پر اور ظاہری قرائن پر کفر اور ایمان کا پہچاننا موقوف ہونا چاہئے، اور اگر فقط ظاہری الفاظ پر کفر کا فتوی ہوگا تو یہ لازم آتا ہے کہ ان صوفیوں کی ولایت، بلکہ ان کے ایمان سے انکار کیا جاوے، جن کا حال عرض کیا گیا۔

حضرات صابریہ میں تو بہت مشائخ ایسا مذاق رکھتے ہیں، قطب عالم گنگوہی (۱) اور حضرت مخدوم صابر صاحب (۲) کے اشعار مثال میں پیش ہوسکتے ہیں، بلکہ بعض مشائخ نقشبندیہ بھی اس مذاق سے خالی نہیں ہیں۔

---

(۱) حضرت شیخ عبدالقدوس بن اسماعیل ردولوی ثم گنگوہی: ردولی میں پیدا ہوئے، نحو وصرف کی ابتدائی کتابیں ملا فتح اللہ سے پڑھیں۔ لمبے عرصہ تک شیخ احمد بن داؤد کی خدمت میں رہے، پھر یہ بات دل میں آئی کہ تعلیم کے بغیر تصوف بے کار و بے مغز ہے، اس وقت دوبارہ تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور شیخ احمد عبدالحق کے پوتے شیخ محمد سے بیعت ہوئے اور استفادہ کیا، حضرت شیخ عبدالقدوس کو شیخ احمد عبدالحق سے بے حد عقیدت تھی، اُن سے فیض باطنی ہوا۔ شیخ محمد نے اجازت سے نوازا۔ جب ردولی میں کفار کا غلبہ ہوگیا اور مسلمانوں کی بے حرمتی عام ہوگئی، اس وقت (۸۹۶ھ مطابق ۹۱-۱۴۹۰ء) میں شیخ عبدالقدوس ردولی سے شاہ آباد (ضلع کرنال) آگئے تھے، وہیں ان کے فیضان کا دریا جاری ہوا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے الفاظ ہیں:

''جو شہرت وعظمت ان کو حاصل ہوئی وہ اس سے پہلے صابریہ سلسلہ کے کسی بزرگ کو حاصل نہیں ہوئی تھی''۔

تاریخ مشائخ چشت ص ۲۱۸ (طبع اول دہلی: ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء)

شیخ عبدالقدوس کے سلسلہ رُشد وہدایت کو غیر معمولی اختصاص وشہرت حاصل ہوئی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کا فیضان بہت دور دور تک پہنچ گیا اور یہ سلسلہ ایسا طاقتور اور مجمع عرفان وکمال ہوگیا تھا کہ اس کے وابستگی نشان امتیاز سمجھی گئی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس اس کی وجہ سے اس کے اثرات بہت دور دور تک پہنچے اور بعد کے لئے ایک روش شاہراہ عمل قائم ہوگئی، جس پر مسافرت اب بھی اعزاز ہے۔

شیخ عبدالقدوس نے تقریباً پچاس برس رشد وتلقین کا ہنگامہ برپا رکھا۔ آخر عمر میں شاہ آباد سے گنگوہ آگئے تھے، وفات تک یہیں رہے، سنہ ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں وفات ہوئی، مدفن معروف ہے۔ شیخ عبدالقدوس کی متعدد اہم اور نہایت عالمانہ تصانیف اور مجموعہ مکتوبات یادگار ومعروف ہیں۔ شیخ صاحب کے صاحبزادے بھی علم ومعرفت میں یگانہ اور فخر روزگار تھے۔ مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہوں:

......بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر......

اگر یہ کہا جاوے کہ اہل سکر معذور ہیں، تو سکر سے کیا مراد ہے، اگر فی الجملہ ذوق اور شوق مراد ہے، تو اپنے مرتبہ کے موافق اکثر مؤمنین میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے، اور اگر بے اختیاری اور بے ہوشی مراد ہے، تو جو شخص دین و دنیا کی خیر و شر میں نظم و نثر میں عمدہ تمیز رکھتا ہو، سماع کی جائز محفلوں میں قصداً شریک ہو، بہت اوامر کو اختیار کرے اور بہت مناہی سے بچے، ایسے شخص کو بے اختیار اور بے ہوش کہنا، ظاہر میں کسی طرح درست نہیں ہوتا؟

جواب: حق تعالیٰ کی ذات مقدس پر اطلاق الفاظ مکروہہ کا، مثل بت وغیرہ کے حرام وموجب کفر کا ہو سکتا ہے، خواہ کوئی بولے۔ مشائخ کے فعل کی تاویل کرنا چاہئے، اگرچہ بعید ہو، نہ یہ کہ حکم شرع کا ان کے فعل کے سبب بدلنا۔ حق تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، مثلاً جواد حق تعالیٰ پر بولنا درست اور سخی کہنا منع، حکیم درست اور طبیب غیر جائز، پس ایسے مکروہ لفظ کس طرح درست ہو سکتے ہیں، کسی شیخ کے فعل کے سبب۔

پس مسئلہ عقائد کا مجمع علیہ امت کا، اپنے حال پر رکھو، مشائخ کے قول (و) فعل کی کوئی تاویل کرو، یہ ہے حکم ادب شریعت کا۔ نہ یہ کہ مشائخ معدودہ کے فعل کو اصل ٹھہرا کر، حکم شریعت کو منسوخ بناؤ، کہ قواعد شرع کسی شیخ سے رد و رفع نہیں ہو سکتے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۱۲، ۱۳، ۸، ۹)

(۸۲۰) مولانا روم ومولانا جامی وغیرہ، اولیائے مقبولین میں سے ہیں: سوال: [کیا] مولانا جامی ونظامی ومولانا روم وغیرہ کا بعض کلام کفر کو پہنچتا ہے؟

جواب: مولانا جامی وغیرہ اولیاء سب مقبول ہیں، ان کا بعض کلام بے شک ظاہر میں، موہم خلاف شرع کا ہوتا ہے، مگر تأمل سے اہل علم کو معلوم ہو جاتا ہے، کہ خلاف شرع نہیں، سو جس کو فہم ایسا نہ ہو وہ حسن ظن رکھے، بدگمان نہ ہو، وہ مقبول ہیں، ان کو برا کہنا زبوں ہے۔ فقط (چندیا نوی ص ۸۸-۹۲)

......بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا......

اخبار الاخیار۔ از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۵۵-۲۵۸ (دہلی: ۱۲۷۲ھ)

نزہۃ الخواطر۔ از مولانا حکیم عبدالحی حسنی رائے بریلوی ص ۱۷۴-۱۷۵ (حیدر آباد: ۱۴۱۰ھ)

تاریخ مشائخ چشت۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۲۱۸، ۲۲۳ جلد اول (طبع اول دہلی: ۱۹۵۳ء)

ص ۲۷۱، ۲۷۹ جلد اول (طبع دوم دہلی: ۱۹۸۲ء) (نور)

(۲) **شیخ علاؤ الدین علی بن احمد صابر کلیری:** سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مؤسس اور نام ور مرشد اور امام تصوف مگر تعجب ہے کہ تمام معاصر تالیفات اور تذکرے ان کے ذکر سے خاموش ہیں۔ سیر الاولیاء میں جو سطریں ایک بزرگ شیخ علی صابر کے حال میں درج ہیں، ان کے متعلق یقین سے کہنا مشکل ہے کہ وہ ان کے متعلق ہیں یا کسی اور کے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی شیخ صابر کلیری کا ذکر نہیں کیا اور یہی کلمات تحریر فرمائے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ:

"سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے مذہبی تذکروں میں ان کے حالات بڑی تفصیل سے درج ہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تذکروں نے کہاں سے یہ حالات فراہم کئے، ان کے مآخذ کیا ہیں۔ غالباً سنہ ۶۸۹/۶۹۰ھ میں وفات ہوئی۔" (نور)

جنّات، خواب اور ان کے متعلقات

(۸۲۱) ہڈی کو دانتوں سے توڑنے اور اس سے استنجاء کرنے کی ممانعت کی تحقیق؟ **سوال:** سنا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ، ہڈی پر کے گوشت کو منھ لگا کر دانتوں سے نہ توڑا کرو، کہ وہ خوراک ہے تمہارے بھائی جنوں کی۔ یہ بات صحیح ہے، یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہے تو منھ لگانے سے کیا نقصان ہو جاتا ہے، جو وہ پھر نہیں کھاتے؟

جواب: یہ غلط ہے، بلکہ دانتوں سے توڑنے کو فرمایا ہے اور استنجاء کرنے کو ہڈی سے منع کیا ہے کہ مسلمان جنات کی غذا ہوتی ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۱۷)

(۸۲۲) جنات کیا کیا کھاتے ہیں؟ **سوال:** علاوہ ہڈیوں کے جنات غلہ و مٹھائی وغیرہ بھی کھاتے ہیں، یا نہیں؟ اور اگر کھاتے ہیں، تو ہڈیوں ہی کی کیا خصوصیت ہے؟

جواب: سب کچھ کھاتے ہیں، مثل انسان کے۔ فقط، واللہ اعلم (بدست خاص، ص ۱۷)

(۸۲۳) جنات کی چوری سے حفاظت کی تدبیر: **سوال:** خرمن میں سے یا گھر میں رکھے ہوئے غلہ میں سے، جنات بھی چرا لیتے ہیں، یا نہیں؟

اور اگر چرا لیتے ہیں ان کے دفعیہ کی اور غلہ کی حفاظت کی بھی کوئی سبیل ہے، اگر ہو تو وہ بھی تحریر فرماویں۔

جواب: چور سب جگہ سے چراتا ہے، سبیل بحافظت کی یہ ہے کہ وہاں ذکر کرے، قرآن پڑھے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۱۷)

(۸۲۴) شیاطین گمراہ کرنے کیلئے دائیں جانب سے آتے ہیں: **سوال:** مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں، کہ قلب کے داہنی جانب فرشتہ رہتا ہے اور جانب چپ (بائیں) شیطان، اور سورہ والصافات میں ہے گنہ گار لوگ شیطانوں کو کہیں گے، کہ تم ہم پر آتے تھے داہنے سے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے، تحریر فرماویں۔

جواب: دہنی جانب خیرات کی ہے، اور شیاطین دہنی جانب سے آتے ہیں، تا کہ لوگ جانیں کہ بھلے لوگ خیرات بتاتے ہیں، دھوکہ دہی کے واسطے۔ فقط، واللہ اعلم (بدست خاص، ص ۲۵)

(۸۲۵) جنات آسیب وغیرہ کا اثر اور ان کا علاج برحق ہے: سوال: آسیب جن وشیاطین کا آدمی کو ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ اور کلام الٰہی دم کرنے سے، خواہ تعویذ وغیرہ باندھنے سے رفع ہو جاتا ہے، یا نہیں؟ اور جن و شیاطین گھر میں رہنے لگتے ہیں، یا نہیں؟

جواب: یہ سب امور حق ہیں۔ (بدست خاص، سوال ۵۰)

(۸۲۶) جناب رسول اکرم کی خواب میں، زیارت کے ایک پہلو کی تحقیق؟ سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جو خواب میں یا مراقبہ ومکاشفہ میں، مخلوق کو مشرف بزیارت فرماتے ہیں، تو خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی خاص اسی جسم اطہر سے رونق افروز ہوتے ہیں، یا کیا ہوتا ہے؟

جواب: آپ کہیں تشریف نہیں لے جاتے، بلکہ آپ کی شکل مبارک کی مثال، پیش نظر دیکھنے والے کے ہو جاتی ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص:۱۹)

(۸۲۷) خواب میں جو مردے نظر آتے ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے؟ سوال: مردگان جو رویاء میں نظر آتے ہیں، ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے، وہ بھی خود ہی آتے ہیں، یا کیا ہوتا ہے؟

جواب: اس خواب کی بھی یہی کیفیت ہے، جو اوپر لکھی گئی۔ فقط واللہ اعلم۔ (بدست خاص، ص:۱۹)

....

گانے بجانے اور آتش بازی وغیرہ کے احکام

(۸۲۸) راگ بلا مزامیر کا حکم؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین: کہ راگ بلا مزامیر، مذہب امام اعظم ابوحنیفہؒ میں حرام ہے، یا مباح؟ یا اختلاف ہے اگر اختلاف ہے تو پھر مفتیٰ بہ روایت کون سی ہے، اور نیز راگ مع مزامیر کا کیا حکم ہے؟ جو بعض لوگ باوجود ادعا اتباع مذہب امام اعظمؒ، واتباع سنت عرس مروجہ، متضمن غنیٰ مزامیر کے ترویج دیتے ہیں اور شامل ہوتے ہیں، وہ دائرۂ تقلید امام اعظمؒ سے باہر ہیں، یا نہیں؟

جواب: راگ بلا مزامیر مجامع میں ہونا، مذہب امام صاحب میں حرام ہے، علی الراجح، جیسا اب متعارف ہے، اور مزامیر کے ساتھ بالاتفاق حرام ہے۔

قال فی الهداية: ولا من يغني للناس لأنه يجمع الناس على ارتكاب كبيرة.(۱) انتهىٰ

و فی الدر المختار: دلت المسئلة على أن الملاهي كلها حرام.(۲) انتهىٰ

و فی رد المحتار و فی التاتارخانية عن العيون إن كان السماع سماع القرآن و الموعظة يجوز، و إن كان سماع غناء فهو حرام، بإجماع العلماء، و من أباحه من الصوفية، فلمن تخلى عن اللهو وتحلّى بالتقوىٰ و احتاج الىٰ ذالک احتياج المريض الى الدّواء وله شرائط ستة: أن لايكون فيهم أمرد وأن تكون جماعتهم من جنسهم و أن تكون نية القوال الاخلاص، لا أخذ الاجر و الطعام، و أن لا يجتمعوا لاجل طعام او فتوح و أن لايقوموا إلّا مغلوبين، و أن لا يظهروا وجداً إلّا صادقين.(۳) انتهىٰ

اس عبارت میں غناء بالمزامیر کے حرمت کو بھی مجمع علیہ لکھا ہے، اور صوفیہ زمان کی مجالس کی حرمت خوب صاف بیان کردی ہے۔ چہ جائیکہ مزامیر بھی وہاں موجود ہوں، پھر تو کچھ بھی شبہ اس کی حرمت میں نہیں۔ کہ احادیث کثیرہ حرمت معازف ومزامیر میں، وارد ہیں۔ پس ایسا شخص تقلید حنفی سے کیا، بلکہ کمالِ اسلام سے ہی خارج ہوجاتا ہے۔

---

(۱) الهداية كتاب الشهادات، باب من يقبل شهادته ومن لايقبل ص: ۱۶۲ جلدسوم[مکتبہ تھانوی دیوبند] [نور]

(۲) الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة(۲/ ۲۳۸)[عکس مجتبائی ۱۳۳۴ھ] نیز الدرالمختارمع الشامی کتاب الحظر والاباحة ص:۲۲۲ جلد پنجم[مطبع مجتبائی دہلی:۱۲۸۷ھ]ونیز الدرمع الشامی ج:۶ ص:۳۴۸[دارالفکر بیروت:۱۳۸۶ھ] [نور]

(۳) ردُّالمحتار، کتاب الحظر والاباحة(۲۲۲/۵) مجتبائی دہلی:۱۲۸۷ھ۔ نیز شامی ج:۶ ص:۳۴۹[دارالفکر بیروت:۱۳۸۶ھ] (نور)

قال فی الدر المختار: وفی البزازیة استماع صوت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام، لقوله عليه الصلوٰة والسلام استماع الملاهی معصية و الجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أی بالنعمة. (۱) انتهیٰ

الحاصل یہ فعل گناہ کبیرہ ہے کہ مومن کو فاسق بنا دیتا ہے، اور گو حنفی ہے آدمی رہے، مگر اسلام کامل سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رسالہ فتاویٰ العلماء النحاریر فی اثبات حرمۃ المزامیر ص ۲۳-۲۴

تالیف: مولانا مشتاق احمد۔[غالباً انبیٹھوی؟۔ مطبع حقانی لدھیانہ: ۱۳۰۷ھ]

(۸۲۹) ہر قسم کی تصویر بنانے کا ایک ہی حکم ہے: سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین: کہ عکسی تصویر کا کھینچنا، اور اس کا گھر میں رکھنا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: عکسی اور غیر عکسی مثل قلمی و نقشہ کے طور پر، ہر قسم کی تصویر کھینچی اور نکالنی سب نادرست ہے۔ حدیث صریح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی ممانعت اور اس کے صانع پر، زجر و توبیخ اخروی مبین و مصرح ہے اور اسی طرح ہر قسم کی تصویر گھر میں رکھنا حرام ہے اور جس گھر میں تصویر ہوتی ہے، فرشتہ کا وہاں گذر نہیں ہوتا: كذا فی كتب الحديث و الفقه فقط

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۳۷)

(۸۳۰) آتش بازی وغیرہ کا تماشہ دیکھنا حرام ہے: سوال: امور ممنوعہ مثل آتش بازی وغیرہ کا تماشہ دیکھنا، مکروہ تحریمہ ہے، یا کیا؟

جواب: حرام ہے۔ (بدست خاص، ص ۳۷)

(۸۳۱) آتش بازی کے حرام ہونے اور عمدہ لباس اور کھانوں کے حرام نہ ہونے کی وجہ؟ سوال: آتش بازی کی حرمت کی وجہ، یہ آپ نے تحریر فرمائی ہے کہ مال کا ضائع کرنا حدیث میں ممنوع ہے، مگر معترض کا شبہ یہ ہے کہ آنکھ اور کان بلکہ دل کو بھی فرحت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا یہ مال کا ضائع کرنا نہیں ہے بشرطیکہ حد اعتدال سے خارج نہ ہو۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کریں کہ مال کا ضائع کرنا ہے، تو لباس اور طعام جو بیش قیمت اور غیر ضروری ہووے، وہ بھی ایسا ہی ہے۔ آتش بازی کا

(۱) الدر المختار: ۲ ص: ۲۳۸ [عکس مجتبائی ۱۳۴۴ھ] نیز الدر المختار علی هامش الرد المحتار ج: ۵ ص: ۲۲۳ [مجتبائی دهلی: ۱۲۸۷ھ] (نور)

اور ان چیزوں کا، ایک ہی حکم ہونا چاہئے؟

جواب: شراب سے بھی فرحت ہوتی ہے اور زنا سے بھی۔ اور پھر آمدنی ضائع کرنا ہے، نہ لباس واکل کہ جزو بدن بنانا ہے، ایسی فیاضی جہل پر افسوس ہے۔

رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ فرخ آباد ص ۳۱-۳۲)

(۸۳۲) زمین کے سات طبقوں کی کیوں وضاحت نہیں؟

مسئلہ: ہم کو ہفت آسمان سے نفع ہے، شمس چہارم آسمان میں، اور زحل ہفتم میں، نزول احکام ہفت آسمان سے ہوتے ہیں، زمین سوائے طبقہ اعلیٰ کے نہ کچھ ہمارے نفع میں ہے نہ وہاں سے کوئی احکام منافع ہم کو ملتے ہیں، نہ کوئی امر محسوس ہوتا ہے، جس سے ہفت طبقہ کا اشارہ ہوتا، سوائے آسمانوں کے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص: ۲۰-۲۱)

(۸۳۳) بادل بجلی اور کڑک وغیرہ کے متعلق سائنس دانوں کے اقوال خلاف شریعت نہیں ہیں:

سوال: حکماء لوگ [سائنس داں] کہتے ہیں کہ جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں، ان ہی بخارات سے بادل اور بجلی اور کڑک اور مینہ اور اولہ پالا اور شبنم ہوجاتی ہیں، تو از روئے شرع شریف ان چیزوں کا جو کچھ حال ثابت ہوا ہو، تحریر فرماویں؟

جواب: شریعت ان امور کا انکار نہیں کرتی، ان میں کوئی بات خلاف قواعد شریعت نہیں۔ فقط

(بدست خاص، ص ۴۷)

....

قبر، قیامت اور احوال آخرت وغیرہ

(۸۳۴) امت محمدیہ کا حساب وکتاب سب سے پہلے ہوگا: **سوال:** حشر کو اول حساب اس امت کا ہوگا یا اور کا؟

جواب: اس امت کا پہلے ہوگا۔
(بدست خاص، سوال ۶۳)

(۸۳۵) جنت میں داخلہ حساب کے بعد ہوگا: **سوال:** مومن اور کافر بعد مرنے کے اسی وقت بہشت و دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں، یا بعد حشر کے ہوں گے؟

جواب: قبر میں دریچہ دوزخ و جنت کا کھول دیتے ہیں، جس سے راحت وکلفت آتی رہتی ہے، اور دخول، بعد حساب حشر کے ہوگا۔
(بدست خاص، سوال:۱۳۹)

(۸۳۶) کیا جنت میں اپنے لواحقین کو پہچان لیں گے؟ **سوال:** جنت میں لوگ اپنے لواحقین کو پہچانیں گے، یا نہیں؟

جواب: پہچانیں گے۔
(بدست خاص، سوال ۶۵)

(۸۳۷) حضرت مہدی کا عاشورا کے دن ظاہر ہونے کی روایت کی تحقیق: **سوال:** امام موعود کا شب عاشورا میں ظاہر ہونا اور اس عاشورا کا شنبہ کے دن واقع ہونا، ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو وہ حدیث صحیح ہے، یا ضعیف؟

جواب: امام مہدی کا روز عاشورا ظاہر ہونا، کسی روایت صحیحہ میں بندہ نے نہیں دیکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
(مجموعہ فرخ آباد ص ۲۵۔۲۷)

(۸۳۸) امت نوح سے آج تک دجال سے ڈرانے کی وجہ: از بندہ رشید احمد عفی عنہ سلام علیکم آپ کا خط آیا، جواب خدشہ کے لکھنے سے اس واسطے کارہ ہوں کہ آپ کو علم نہیں، اگر مواجہ میں ہوتے تو تقریراً کہہ دیتا تحریر میں طول ہے، اور اس قدر فرصت و ہمت نہیں، لہٰذا، اس کے جواب سے اعراض کر کے، آپ کے سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔ فقط۔

امت نوح علیہ السلام سے آج تک دجال کا ڈر دلانا، شان عظیم فتنہ دجّال کا بیان کرنا منظور ہے، کہ باوجود بعد کے اسی وقت سے اس کا انتظام واہتمام شروع ہوا ہے، جیسے بڑے مہتم بالشان کا سامان، برس پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۲)

(۸۳۹) گناہوں کی معافی اور چیز ہے حساب وکتاب اور! سوال: قصہ ایک بزرگ کا، کہ ان کو بعد وفات کسی نے خواب میں دیکھا، کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں دوستوں کی دعا سے بخشا گیا، اور دوسرے بزرگ کا قصہ ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک مشت خاک میں نے ایک قبر پر ڈالی تھی، اس کے سبب بخشا گیا۔ سن کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پیشتر بخشے گئے، پھر بعد قیامت حساب کا ہونا اور ان قصوں کا صحیح ہونا، کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: قصوں کا حال معلوم نہیں، گناہوں کی معافی اور چیز ہے، حساب وکتاب اور چیز ہے۔ نیک لوگوں کا حساب یسیر ہوگا، جیسا قرآن شریف میں عفونذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص: ۵۸)

(۸۴۰) قیامت میں روحیں فنا ہو کر دوبارہ زندہ ہونگی: سوال: قیامت میں ارواحیں بھی فنا ہوجاویں گی یا نہیں؟ یا بعد فنا پھر [زندہ] ہوجاویں گی؟

جواب: فنا ہو کر زندہ ہوجاویں گی۔ فقط

(بدست خاص، ص ۱۶)

(۸۴۱) روحوں کا جمع ہونا ثابت ہے، مگر تعزیت صحیح نہیں: سوال: بعد مرنے کے مردہ کے خاندان کے لوگ قبر میں مردہ سے مل کر، اوّل شب کلمات تسلی کہتے ہیں، یا نہیں، یا اس مقام میں ملتے ہیں، جہاں ارواح رہتی ہیں، یا کہیں نہیں ملتے؟

جواب: جمع ہونا ارواح کا ثابت ہے، اور یہ کہ قبر میں آتی ہیں یا کہاں، یہ صحیح روایت میں نظر نہیں آیا، اور تسلی کے کلمات بھی بظاہر غلط ہیں، وہاں کس چیز کی تعزیت کریں گے، اس کو بخشش کی فرحت ہے، اور دوزخی سے کوئی ملتا ہی نہیں۔

(بدست خاص، سوال ۶۴)

(۸۴۲) مسلمانوں کی روحوں کا جمعہ کی شب میں اپنے گھروں پر آنا ثابت نہیں: مسئلہ: ارواح مومنین [کا] شب جمعہ وغیرہ کو، اپنے گھر آنا کہیں ثابت نہیں ہوا، سب روایات کاذبہ واہیہ ہیں، ان پر عقیدہ کرنا ہرگز درست نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ الاجوبۃ صحیحۃ، محمد یعقوب نانوتوی

(مجموعہ کلاں ص ۵۱)

(۸۴۳) مردوں کی روحیں گھروں پر نہیں آتیں: سوال: ارواح مُردگان اپنے گھروں میں، بعد وفات، جیسا کہ امام محمد بن محمد الغزالی نے لکھا ہے دقائق الاخبار میں، آتی ہیں، یا نہیں؟

جواب: نہیں آتی، اور یہ روایات قابل اعتبار نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(بدست خاص، علیحدہ)

(۸۴۴) ایسے واقعات صحیح نہیں، جس میں کسی شخص کے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی بات کہی جائے: سوال: بعضے آدمی جو بظاہر مر جاتے ہیں اور پھر ہوش (میں) آجاتے ہیں تو ایسا قصہ کہتے ہیں، کہ یوں دو شخص آئے اور ایسے ایسے مکانوں میں کو لے جا کر، ایسی جگہ لے گئے، جہاں دفتر تھا اور منشی لکھ رہا تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ جہاں خدا تھا، پھر اس منشی نے سر اٹھا کر اور نظر کر کے کہا، کہ یہ وہ شخص نہیں ہے، اس کو کیوں لائے ہو، بلکہ وہ شخص اسی نام کا فلاں جگہ ہے، اسکو لاؤ پھر وہ دونوں شخص لیجانے والے دھکے دیکر یہاں چھوڑ گئے۔ یہ بات کیا ہو جاتی ہے اور کیا ہوتا ہے، کہ جتنے شخصوں کو ایسا حال ہوتا ہے، وہ ایسی ہی بات دیکھی ہوئی بیان کرتے ہیں، کیا سب کو یہی ایک خیال ہو جاتا ہے، یا کوئی شیطان کا دخل ہے، یا کیا بات ہے؟

جواب: یہ سب تخیلات ہیں، ان کا اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص ۷)

عیسائیوں اور غیر مسلموں کی ملازمت، ان کے ساتھ کاروبار اور ملک کی سیاست میں تعاون اور شرکت

(۸۴۵) یہود و نصاریٰ کی ملازمت صحیح ہے، مگر اس کی وجہ سے خلاف شریعت کام انجام دینا، جائز نہیں:

سوال: علمائے دین شرع متین کیا فرماتے ہیں: اس صورت میں کہ کوئی نوکری نصاریٰ یا یہود کی اور محکمہ اس کا خلاف شرع ہو اور سپرد کرے، کسی کو پیشہ ڈاکٹری کا اور کہے، اس کو کہ تو حکمت کا علم تحصیل کر، اور تحصیل کرنے والا ڈاکٹری کا مسلمان ہو، اور کہے اس سے کہ اپنی قوم کی لاش کو چیر، اور دیکھ کہ اس کے پھیپھڑے پر خون جمع ہوا ہے، یا نہیں؟ یا کون سی رگ کون سے مقام پر ہے، یا توڑ اس کی کھوپڑی کو، کہ اس میں غبار گرمی کا یا سردی کا، یا کون کون رگیں ہیں، تو اس قدر سے دوسرے مسلمان کی لاش کے ٹکڑے کرے، واسطے طمع نوکری کے، تو اس قدر ٹکڑے کرنے والے لاش کو، کسی قدر گناہ ہوتا ہے، یا نہیں؟

اور اکثر دواؤں میں شراب ڈالی جائے اور یقین (ہے) لوگ مسلمان اور اس کے افسر بالا کا، کہ فائدہ پہنچاتی ہے، ہر بیماری کو اور پلاوے وہ ڈاکٹر مسلمان سب مسلمانوں کو، اور کہے کہ ہماری ڈاکٹری میں ادویات مقرر ہیں، اسی کا استعمال کرایا جاوے گا۔ تو اس مسلمان کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اور یہ بیان کرے کہ دوا کا کرنا سنت طریق ہے، نام سنت کا لینا اور یہ نہ جاننا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام ہے، اور حاکم اس کا جو کچھ حکم دیوے حلال اور حرام، دونوں کو حکم دیوے اور بجالاوے، تو اس کے ذمہ کسی قدر گناہ ہے، یا نہیں؟

اور غیر مذہب حاکم کو سلام کرنا اور باادب پیچھے چلنا اور حاکم بنانا، کس قدر گناہ ہوتا ہے؟ فقط

الجواب: نوکری یہود و نصاریٰ اور کفار کی سب کی درست ہے، بشرطیکہ کوئی خلاف شرع اس میں نہ کرنا ہو، اور ڈاکٹری کی بھی درست ہے، مگر مسلمان کے مردے چیرنے اور شراب کی دوا کا استعمال کرنا گناہ ہے، پس ایسے کام کرنے سے نوکری ڈاکٹری میں کراہیت آ جاتی ہے۔ اور دواء کا کرنا سنت اس وقت ہے، کہ دواء میں کوئی محرم و ممنوع سے مخلوط نہ ہو ورنہ منع ہو جاتا ہے۔

علیٰ ہذا! ایسی تعظیم کرنا کہ ذلت اسلام کی لازم آجاوے اور خلاف شرع کام کرنا حرام ہے، کسی نوکر کو ایسا نہ کرنا

چاہئے۔ایسی صورت میں جو دائماً ایسا کام کرتا رہے گا، فاسق ہوجاوے گا۔فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲۱۲۔۲۱۳)

(۸۴۶) انگریزوں کی، ہندو رئیسوں کی اور عدالتوں کی ملازمت کا حکم؟ **سوال:** عدالت کی ملازمت درست ہے، یا نہیں؟ انگریزی و رجواڑے (۱) کی ملازمت کون سی درست ہے اور کون سی نہیں، اگر ملازم سرکاری سودی کاغذات کا خلاصہ، یا صرف نقل یا دوسری قسم کی معاونت کریں، شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: نوکری کفار کی وہ درست ہے کہ اس میں خلاف شرع کام نہ ہو، اور جو خلاف شرع کام کرنا ہوگا، خواہ کافر کی ملازمت میں، یا مسلمان کی، وہ سب ناجائز ہیں۔آپ جس نوکری کا معقود علیہ لکھیں گے، اس کا جواب لکھوں گا، سب کا حاصل یہ تھا، لکھتا ہوں۔فقط (مجموعہ رامپور ص ۸)

(۸۴۷) انگریزوں کی حکومت کی شرعی حیثیت اور ان کے ماتحت مسلمانوں کی ذمہ داری: **سوال:** یہ ملک ہندوستان، جو سو برس سے زیادہ سے مملوکہ و مقبوضہ حکام مسیحی ہے اور ان کی رعایا میں ہنود وغیرہ مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں اور ہم لوگ مسلمان بھی زیر حکومت آباد ہیں، تو مسلمانوں کو اس ملک میں رعایا حکام بن کر رہنا چاہئے یا نہیں، اور ہم مسلمانوں کو ان حکام کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اور نیز ہنود وغیرہ رعایا حکام کے ساتھ، کیا معاملہ کرنا چاہئے؟

الجواب: چونکہ قدیم سے مذہب اور قانون جملہ مسیحی لوگوں کا یہ ہے کہ، کسی کی ملت اور مذہب سے پرخاش اور مخالفت نہیں کرتے، اور نہ کسی مذہبی آزادی میں دست اندازی کرتے ہیں، اور اپنی رعایا کو ہر طرح سے امن و حفاظت میں رکھتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو یہاں ہندوستان میں جو کہ مملوکہ و مقبوضہ اہل مسیحی ہے رہنا، اور ان کا رعیت بننا درست ہے۔چنانچہ جب مشرکین مکہ معظمہ نے، مسلمانوں کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ملک حبشہ میں جو مقبوضہ نصاریٰ تھا، بھیج دیا، اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ وہ کسی کے مذہب میں دست اندازی نہیں کرتے تھے۔

۲:- اور جب مسلمان رعایا بن کر ہندوستان میں رہے اور حکام سے عہد و پیمان کر چکے، کہ کسی حاکم یا رعایا حکام کے جان اور مال میں دست اندازی نہ کریں گے، اور کوئی امر خلاف اطاعت نہ کریں گے، تو مسلمانوں کو خلاف عہد و پیمان کرنا، یا کسی قسم کی خیانت و مخالفت حکام کرنا ہرگز درست نہیں، اور نہ کسی قسم کی خیانت اور خلاف عہد کرنا، رعایا

(۱) ہندو راجاؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں۔جو اس وقت نیم آزاد اور گویا مستقل حکومتیں تھیں۔ [نور]

حکام، یعنی ہنود وغیرہ کے ساتھ کرنا درست ہے۔ عہد کے پورا کرنے کی مسلمانوں کے مذہب میں، اس قدر تاکید ہے کہ شاید کسی دوسرے مذہب میں نہ ہو۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: وَأَوفُوا بِالعَھْدِ إنَّ العَھْدَ کَانَ مَسْئُولاً (بنی اسرائیل۔۳۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عہد کو پورا کرو، کیونکہ عہد کے بارے میں بروز قیامت باز پرس ہوگی۔

عہد شکنی کی سخت ممانعت ہے اور کسی سے عہد کرکے، اس کے خلاف کرنے پر بہت دھمکی دی گئی ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ألا مَنْ ظَلَم مُعاھداً أو انتقصہ أو کلّفہ فوق طاقتہٖ أو أخذ منہ شیئاً بغیر طیب نفس فأنا حجیجہ یوم القیامۃ(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کو فرماتے ہیں، جو کسی غیر مذہب سے عہد کرکے اس پر ظلم کرے یا ان کو کوئی عیب لگاوے اور اس کی بلاوجہ توہین کرے، یا اس پر مشقت زائد ڈالے، یا اس کے مال میں سے کوئی چیز بلا رضامندی لے لیوے، تو قیامت کے دن اللہ کے روبرو، میں اس سے جھگڑا کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نائبوں کو عام تعلیم یہ ہوتی تھی: لاتغدروا۔ یعنی خلاف عہد مت کرو! ایک حدیث میں ارشاد ہے:

ذمّۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا أدناھم، فمن أخفر مسلماً فی ذمّتہ فعلیہ لعنۃ اللّٰہ و النّاس أجمعین لایقبل اللّٰہ یوم القیامۃ صرفاً وعدلاً(۲)

یعنی مسلمانوں کا ذمہ اور عہد ایک ہے، اگر ایک مسلمان کسی غیر مذہب والے سے معاہدہ کرلے گا، تو سب مسلمانوں پر اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ اگر کسی مسلمان کے عہد کو، جو اس نے کسی کے ساتھ کیا تھا، کوئی دوسرا

---

(۱) سنن ابوداؤد کتاب الخراج والفیء والامارۃ ..... باب فی تعشیر اھل الذمۃ اذا اختلفوا ..... عن حرب بن عبیداللہ عن جدہ ابی امہ، عن ابیہ ..... ص:۴۳۳ج:۲(عکس نور محمد، دہلی) نیز باب مذکور ص:۴۹۷ جلد سوم۔ رقم الحدیث:۳۰۴۷ت: شیخ محمد عوامہ۔[موسسۃ الریان، بیروت:۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء] (نور)

(۲) پیش نظر ماخذ میں اس روایت کے یہی الفاظ درج ہیں، مگر یہ حدیث ہمیں ان الفاظ میں نہیں ملی، اس کے قریب ترین الفاظ صحیح مسلم کے ہیں، جو یہ ہیں فمن أخفر مسلما فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس أجمعین، لایقبل منہ یوم القیمۃ صرف ولاعدل وذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا أدناھم، (مسلم: کتاب الحج باب فضل المدینۃ، جلد اول صفحہ۴۴۲۔[مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۹ھ] نیز باب مذکور ص:۶۱۹ جلد اول رقم الحدیث:۱۳۷۰ت: ابوقتیبہ نظر محمد فاریابی،[دار طیبہ، ریاض ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء] نیز یہ روایت اختلاف الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں بھی آئی ہے، (بخاری باب فضائل المدینۃ جلد اول صفحہ۲۵۱۔ رقم الحدیث:۱۸۳۲، مراداً باد۔ نیز بخاری شریف ابواب العمرۃ والمحصر، باب حرم المدینۃ ج:۱، جز۳، ص:۱۹-۱۸ رقم الحدیث:۱۸۷۰[مکتبۃ الریاض الحدیثۃ ۱۹۸۴ء] نیز ابوداؤد کتاب المناسک باب تحریم المدینۃ جلد اول۔ ص:۲۷۸[دار الاشاعت السلامیہ کلکتہ ۱۴۰۰ھ] نیز باب العمرۃ فی تحریم المدینۃ ص:۵۳۷ ج:۲، رقم الحدیث:۲۰۲۷ت: شیخ محمد عوامہ[موسسۃ الریان، بیروت:۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء] (نور)

مسلمان توڑنا چاہے، تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عہد شکن کی کوئی عبادت فرض یا نفل ہرگز قبول نہ کرے گا۔

۳:- اسی طرح کسی کو بے گناہ اور بلاوجہ قتل کردینا، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

لاتَقتُلوا النَّفسَ الَّتی حَرَّمَ اللّٰہُ إلابالحقِ (بنی اسرائیل۔۳۳) یعنی جس جان کے قتل کو خدا تعالیٰ نے حرام کردیا، اس کو ناحق نہ مارڈالو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من قتل معاهداً بغیر كنهٖ لم یرح رائحة الجنّة. (۱) یعنی جس نے کسی کے ساتھ عہد کرکے، اس کو قتل کیا وہ جنت کی بو بھی نہ سونگھے گا۔

علیٰ ہٰذا فقہ کی تمام کتابیں ان مسئلوں اور روایات سے بھری ہوئی ہیں، پس مسلمانوں کو اپنے عہد کے موافق حکام کی تابعداری کرنا، جس میں کچھ معصیت نہ ہو ضروری ہے، اور کسی قسم کی بغاوت اور مخالفت اور مقابلہ اور خیانت جائز نہیں۔

۴:- اگر کوئی قوم مسلمان یا غیر مسلمان، جو ممالک مقبوضہ ہمارے حکام سے خارج ہیں، ان ہمارے حکام کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی کرنے اور ان پر حملہ کرکے آویں، تو ہم کو اس قوم کے ساتھ ہونا اور ان کو مدد دینا بھی ہرگز درست نہیں، کیونکہ یہ بھی خلاف عہد ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّینِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلیٰ قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِیْثَاقٌ. (سورۃ الانفال۔۷۲)

یعنی اگر اہل اسلام مدد چاہیں تم سے دین کے معاملے میں، پس تمہارے اوپر مدد کرنا ضروری ہے، مگر اس قوم کے معاملے میں، کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو چکا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا ان لوگوں سے مقابلہ ہو، جن سے تم عہد و پیمان کر چکے ہو، تو مسلمانوں کا ساتھ

---

(۱) پیش نظر نسخہ میں یہی الفاظ ہیں، لیکن بعینہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہ مل سکی، بیہقی کے الفاظ قریب ترین ہیں، وہ یہ ہیں: من قتل معاهدا بغیر حق لم یرح رائحة الجنة، وإنه لیوجد ریحها من سیرة أربعین عاما (البیهقی، كتاب القسامة جلد:۸ ص:۱۳۳ [دائرة المعارف الاسلامیة حیدرآباد: ۱۳۵۴ ھ] (نسائی: كتاب القسامة والعقود والدیات باب: تعظیم قتل المعاهد ص:۱۰۱ [دارالفکر بیروت: ۱۴۲۵ ھ] مسند احمد ص:۲۰۳ جلد ششم [دارالفکر] نیز ص:۱۹۷، ج:۱۵ رقم الحدیث:۲۰۲۵۶۔ حدیث ابی بكرة نقیع بن الحارث، ت: حمزہ احمد الزین [دارالحدیث القاہرۃ ۱۹۹۵ء]۔ کنز العمال الباب الثالث فی احكام الجهاد. الفصل الاول فی الأمان والمعاهدة والصلح والوفاء بالجهد ص:۳۶۳ جلد چہارم۔ رقم الحدیث:۱۰۹۱۴ [موسسة الرسالة۔ بیروت ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء] وغیرہ میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے "من قتل معاهداً فی غیر كنهه حرم الله علیه الجنة"۔

مت دو۔ پس مسلمانوں کو ہر حال اپنے عہد کی رعایت کرنی چاہئے، نہ خود مخالفت کریں، نہ کسی مخالف کی اعانت کریں۔ اگر اس کے خلاف کریں گے، تو سخت گنہگار اور مستحق عذاب ہوں گے (۱) واللہ اعلم

الف: رودادمؤتمر الانصار۔ اجلاس مرادآباد: ۱۳۲۹ھ ص: ۵۰ تا ص: ۵۲ (مطبع قاسمی، دیوبند)
ب: (نیز الطرائف و الظرائف ص ۳۵، ۳۶، ۳۷۔ اشرف المطابع تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

(۸۴۸) عیسائیوں اور دوسری قوموں کے لباس کا حکم؟ **سوال:** ایک کپڑا جو نیم آستین یا بے آستین ہوتا ہے اور اس کو کمری یا صدری یا جاکٹ کہتے ہیں، اور دوسرا کپڑا جو آستین دار ہوتا ہے اور رانوں تک آتا ہے، اس کو کوٹ کہتے ہیں، اور گول ٹوپی اور انگریزی جوتا، ان کا پہننا تنہا تنہا، یا ایک ساتھ جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: دورے اگر کرستان (عیسائی) معلوم ہوتا ہو تو ناجائز ہے، ورنہ درست۔ فقط

رشید احمد عفی عنہ گنگوہی (بدست خاص ص ۳۶)

(۸۴۹) یہود و نصاریٰ کو سلام میں بندگی وغیرہ کہنا؟ **سوال:** مسلمانوں کو اہل ہنود و نصاریٰ (سے) سلام یا بندگی یا تسلیمات ابتداءً کہنا، یا ان کے جواب میں جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ کلمات بدعت وغیر مشروع ہیں کہ خلاف سنت ہیں، نہ ابتداءً نہ جواب میں، کہے جائیں۔ فقط

(مجموعہ رام پور ص ۸)

(۸۵۰) کانگریس میں شرکت اور سر سید احمد خاں کے ساتھ، تعاون کا حکم؟ **سوال:** سر سید احمد خاں نیچری نے جو ایک جماعت ایسوسی ایشن قائم کی ہے اور لوگوں کو بذریعہ اعلان مطبوعہ ۸ راگست ۱۸۸۸ یوں ترغیب دے رہا ہے، کہ میری جماعت میں بڑے بڑے ہندو ذی وجاہت مثل راجہ بنارس وغیرہ، جو کانگریس کے برخلاف ہیں، شامل ہیں، ہر وہ شخص جو داخل ہو پانچ پانچ روپیہ چندہ ماہواری میرے نام، علی گڈھ یا بنارس میں، راجہ صاحب کے نام روانہ کیا کرے، وغیرہ وغیرہ اور اس کی مدد کے واسطے جابجا ایسوسی ایشن انجمن اسلامیہ کے نام سے، لوگوں نے شہروں میں قائم کی ہے۔ (۲) جو شخص ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے برخلاف معلوم ہوتا ہے، اس کے ساتھ طرح طرح کا فساد

---

(۱) یہ فتویٰ حضرت مولانا تھانوی نے اپنی بیاض میں بھی نقل کیا ہے، اس سے پہلے لکھا ہے کہ:
"یہ فتویٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ منعقدہ میں مولانا عنایت اللہ صاحب (مہتمم مدرسہ) نے پڑھ کر سنایا تھا۔"
"الطرائف والظرائف۔ ص: ۳۵ تا ۳۸ (طبع اول، تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء) [نور]

(۲) اس خط اور فتوے میں سر سید احمد کی جس تحریک کا تذکرہ آیا ہے وہ: دی پیٹر مائک ایسوسی ایشن تھی (The Paster Mice Association) جو سر سید احمد نے ۱۸۸۸ء میں قائم کی تھی، اس کا مقصد انگریزی میں رسالے شائع کرنا اور برٹش پارلیمنٹ کے ممبروں کو ان ہندوؤں اور مسلمانوں کے نظریات سے واقف کرانا تھا، جو کانگریس کی پالیسیوں سے متفق نہیں تھے۔ حیات جاوید الطاف حسین حالی ص: ۲۴۲، حصہ اول ص: ۲۰۵، حصہ دوم [انجمن ترقی اردو، دہلی: ۱۹۳۹ء] نیز سید احمد خاں، خلیق احمد نظامی ص: ۱۵۳۔ [دہلی: ۱۹۷۱ء] نیز مسلمانوں کا روشن مستقبل، مولوی طفیل احمد منگلوری ص: ۲۹۴، ۳۰۳ [دہلی: ۱۹۴۵ء] [نور]

اور فتنہ برپا کر کے اس کو جبر اًملانا چاہتے ہیں۔ آیا ایسی جماعت میں مسلمانوں کو شامل ہونا اور ان کی مدد کرنا، شرعاً درست ہے، یا نہیں، اور نیچری لوگ بدخواہ اسلام ہیں، یا نہیں؟ (علی محمد لدھیانوی، متوطن بمبئی)

جواب: اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع وشراء وتجارت میں کرلیویں، اس طرح میں کہ کوئی نقصان دین میں، یا خلاف شرع معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے، جائز ہے اور مباح ہے۔

مگر سید احمد سے تعلق رکھنا نہیں چاہئے، اگرچہ وہ خیر خواہی قومی کا نام لیتا ہے، یا واقع میں خیر خواہ ہو، مگر اس کی شرکت مآل کار مسلمان واسلام کو سم قاتل ہے، ایسا میٹھا زہر پلاتا ہے کہ آدمی ہرگز نہیں بچتا۔ پس اس کے شریک مت ہونا، اور ہنود سے شرکت معاملہ کرلینا، اور اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملہ سے بھی کوئی خلاف شرع امر لازم آتا ہو، یا مسلمانوں کی ذلت یا اہانت یا ترقی ہنود ہوتی ہو، وہ کام بھی حرام ہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اسی طرح براہے اور بس۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

نصرۃ الابرار مولوی محمد صاحب لدھیانوی ص ۱۴۔۱۵۔۱۹ (مرتبہ ۱۳۰۶۔ طبع اول، لاہور: ۱۳۰۶ھ)
فتاوی قادریہ (مجموعہ فتاوی مولوی محمد لدھیانوی) ص ۴۷۔۴۸۔۵۲ (طبع اول، لاہور: ۱۳۱۹ھ)

(۸۵۱) کافروں کے گھر کا اور ان کا پکایا ہوا، کھانا کھانا؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، درباب کھانا کھانے اہل ہنود کے ہاتھ کا: یا اس کے اہل خانہ کے ہاتھ کا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے گھر کا کھانا پکا ہوا، یا ان کے مردوں کے ہاتھ کا کھایا، یا نہیں؟ اور یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، یا تابعین، یا تبع تابعین رضی اللہ عنہم نے کھایا یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: کفار کے گھر کا کھانا کھانا اور کافر کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا درست ہے، بشرطیکہ کوئی امر غیر مشروع اس میں نہ ملا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے گھر کا گوشت پکا ہوا کھایا ہے، اور ہنود عرب میں نہیں تھے، جو اس کا کوئی جواب دیوے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۳۸)

(۸۵۲) ہندوؤں کے تہواروں کے موقع پر، ان سے کچھ لینے دینے کا حکم؟

سوال: ہندو لوگ جو رعایا ہیں، ان سے کچھ ان کے تہواروں میں، مثلاً دیوالی وغیرہ میں کھیل بتاشہ خواہ پکا ہوا کھانا، پکوان وغیرہ جو ان کے تہواروں میں پکتا ہے، یا کسی ہندو کے مرے پیچھے جو مٹھائی تقسیم ہوتی ہے، لینا، بطور حق ورسوم زمینداری، یا بطور راہ ورسم بدلہ کے، تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کفار رعایا جو اپنے تہوار میں زمیندار کو دیویں، لینا درست ہے، علی ہذا، تیرہویں وغیرہ میں جو دیویں درست ہے، مگر بدلہ کی طرح معاملہ نہ رکھے، کہ مؤدۃ کفار سے درست نہیں۔ (بدست خاص سوال: ۸۹)

(۸۵۳) مسلمانوں کی ہندو کے تہواروں میں شرکت اور ان کا کھانا کھانے کا حکم؟ **سوال:** مسلمانوں کو اہل ہنود کے تہوار میں اور شادیوں میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں، اور ان کا بھیجا ہوا طعام وغیرہ کا لینا، وعلیٰ ہذا، روافض ونصاریٰ وغیرہم کی شرکت درست ہے، یا نہیں؟

جواب: کسی ہنود و رافضی، خارجی، اہل بدعت کے تہوار ومجمع میں شریک ہونا، حلال نہیں، بلکہ حرام ہے، مگر جو وہ کھانا دیویں، رعایا ہونے کے سبب تو لینا درست ہے، اور محبت ودوستی کی وجہ سے نہ لیوے۔ کفار سے دوستی رکھنی درست نہیں۔ (مجموعہ رام پور ص ۶)

(۸۵۴) ہندوؤں کے میلوں اور عرس میں دکانیں لگانا صحیح نہیں: **سوال:** ہم لوگ تجارت پیشہ (ہیں) مال بساط خانہ کا فروخت کر کے، اپنے اوقات بسر کرتے ہیں، بجوم نوچندی اور گھاٹ وغیرہ میلہ ہنود اور عرس پیران کلیر اور عرس گنگوہ اور ہنگامہ جبہ جلال آباد(۱) وغیرہ عرسوں میں، ہمارا اسباب زیادہ بکتا ہے اور جتنی زیادہ بکری ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ نفع ہمارا ہوتا ہے، ایک جگہ کے بیٹھ رہنے کے بہ نسبت، میلہ ہائے ہنود واہل اسلام کے جانے میں ہمارا دو چند سہ چند فائدہ ہوتا ہے، اور ان میلوں اور عرسوں میں جانے سے، کچھ سیر وتماشہ کی غرض نہیں ہے، بلکہ مال فروخت کرنے کی غرض ہے اور اپنا نفع حاصل کرنا ہے، تو عند الشرع ان مواضع میں ہمارا جا کر فروخت کرنا، اسباب کا جائز ہے، یا نہیں؟

بعض علمائے دہلی وغیرہ کی یہ رائے ہے کہ بعض ہنگاموں میں اور پیٹھوں اور میلوں جاہلیت میں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) جبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تقریباً سوا دو سو سال تک جلال آباد ضلع مظفر نگر یوپی کے لئے باعث فخر رہا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جبہ شریف محمود غزنوی کے دور حکومت تک اصفہان میں تھا، اس کے بعد کسی وقت ہندوستان آیا اور کئی سو برس تک شیخ مودود چشتی کی اولاد سادات موضع براس (ضلع کرنال، ہریانہ) کے لئے ذریعۂ برکت رہا۔ عالم گیر ثانی کے عہد میں سنہ ۱۱۵۷ھ میں (سید اکبر علی جو اسی خاندان براس کے ایک فرد تھے) اس کو لیکر موضع جوجی پور میں مقیم ہوئے، وہاں سے ایک زیارت وبشارت کے بعد، جلال آباد کے رئیس نواب دلاور علی خاں سید اکبر علی، اس جبہ شریفہ کو جلال آباد لے آئے تھے۔ اس وقت سے یہ جبہ شریفہ جلال آباد (ضلع مظفر نگر، یوپی) میں تھا۔ یہ تفصیل تاریخ جلال آباد مؤلفہ محمد علی بن روشن خاں (مؤلفہ ۱۳۰۳ھ) میں درج ہے (تاریخ جلال آباد کے قلمی نسخہ کا عکس ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے)۔

سنہ ۱۳۰۰ھ کے بعد سے جلال آباد میں، ماہ ربیع الاول میں، اس کی زیارت کا زبردست جلسہ اور سلسلہ ہونے لگا تھا، جس کا درجہ بالا فتوے میں ذکر ہے، جو سنہ ۱۹۴۷ء (۱۳۶۷ھ) کے قریب ختم ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵ء میں یہ جبہ شریفہ جلال آباد سے لاہور پاکستان منتقل ہو گیا تھا موجودہ حال معلوم نہیں۔ (نور)

واسطے وعظ کے اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین واسطے خرید و فروخت کے گئے ہیں، تو ہم کو بھی ایسے ہنگمۂ ہنود میں جانا جائز ہے۔ اب جیسا ارشاد ہو ویسا کیا جاوے، اگر جائز ہو تو ہم لوگ جاویں، ورنہ نہ جاویں اور جو لوگ محض واسطے فاتحہ بزرگان کے، یا سیر تماشہ ایسے میلوں میں جاتے ہیں، وہ اچھا ہے، یا نہیں؟

الجواب: عرس مسلمانان اور نوچندی میں اگر وہ کوئی عرس یا تیرتھ ہے اور سب میلۂ ہنود میں، جا کر فروخت کرنا حرام ہے۔ اگرچہ سیر کی نیت نہ ہو فقط فروخت ہی کی نیت ہو، کیونکہ وہ مجمع معصیت کا ہے، اس کی شرکت بھی معصیت اور حرام ہے۔

من کثر سواد قوم فھو منھم

حدیث ہے۔ البتہ پینٹھ کی خرید و شراء میں جانا درست ہے، اور اسواق جاہلیت بیع و شراء کے جامع تھے، کوئی معصیت کا ہنگامہ نہ تھا، جس نے ان میلوں کو میلۂ معصیت جانا محض غلط اور خلاف سمجھا، اس کے قول کا ہرگز اعتبار نہیں۔ احادیث میں مصرح ہے کہ وہ مجامع بیع و شراء تھے، نہ مجامع معصیت کے، پس نفع دنیاوی کے واسطے معصیت کے میلوں میں جانا حرام ہے، نص قرآنی و حدیث سے اور بیع و شراء کی پینٹھ اور مجامع میں مباح ہے اور خلاف اس کے قول مردود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رشید احمد عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۲۰۷-۲۰۸)

(۸۵۵) غیر مسلموں کے تہواروں کے موقع پر، ان سے ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟ مسئلہ: اگر ہنود اپنے تہوار میں، بوجہ ملاقات اہل اسلام کو کھیل (۱) بتاشہ، شرینی وغیرہ لا کر دیں، تو اس کا لینا اور کھانا درست ہے۔

(مجموعہ چند یا نوی ص ۲۷)

(۸۵۶) ہندوؤں کے مذہبی میلوں کی سیر کرنا اور اس کو اچھا سمجھنا: سوال: جو مسلمان میلہ ہنود میں پالکی یا گھوڑی یا بگھی پر سوار ہو کر، میلے کی رونق زیادہ کرے وہ مردود مصداق: **من کثر سواد قوم فھو منھم** ہوا یا مقبول رہا، اور اس حدیث کا حوالہ تحریر فرمائے۔

جواب: لاریب! تماشائی میلہ عبارت ہنود کا فاسق دائرۂ قبولیت سے خارج ہے۔ اگر صرف سیر ہی کرتا ہے، اور اگر استحسان اس فعل کا کرے اور ملوث بافعال کفار بھی ہووے، تو کافر ہوگا۔ بہر حال مصداق حدیث شریف کا بنتا ہے، خواہ وہ محض ملوث بافعال اشرار ہو، خواہ محض تماشائی ہو، اور حدیث مذکور کو ابو یعلی نے اپنے مسند میں، اور علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ و المعصیۃ میں، عمرو بن الحارث سے روایت کیا ہے، بایں الفاظ:

(۱) کھیل: بھنے ہوئے چاول یا جوار یا مکی، وہ بھنا ہوا اناج جو پھول گیا ہو۔ (نور اللغات ۴/ ۲۱۶، دہلی: ۱۹۹۸ء)

"ان رجلاً دعا عبدالله بن مسعود الیٰ ولیمة، فلما جاء لیدخل سمع لهواً، فلم یدخل، فقیل له رجعت، قال: إنی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من کثّر سواد قوم فهو منهم، و من رضی عمل قوم فکأنه شریک من عمل به" الحدیث(۱)

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک ولیمہ میں مدعو کیا، جب وہاں پہنچے، تو لہو ولعب کی آواز سنی، تو وہاں داخل نہیں ہوئے، اس وقت عرض کیا گیا، کیوں لوٹ گئے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرمایا: جس شخص نے جس قوم کی تعداد بڑھائی وہ انہیں میں شمار ہوگا۔ (ت: نور)

اور فردوس میں دیلمی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اور عبداللہ بن مبارکؒ نے کتاب الزہد والرقائق میں، ابوذرؓ سے روایت کیا ہے۔ کذافی امداد الاحتساب۔

اور مطلب حدیث مذکور کا یہ ہے کہ جو کوئی کسی قوم کی تکثیر کسی فعل میں کرتا ہے، تو وہ اُس قوم میں بحیثیت اس فعل کے دنیا وآخرت میں شمار اور محشور ہوتا ہے، مثلاً ہولی کے میلے میں، جس نے شرکت وتکثیر کی، تو اگر نفس فعل میں ملوث ہوا کہ مکثر فعل کفر کا ہے، وہ کفر ہے اور اگر استحسان اس فعل کا کیا تو بھی کافر ہوا، کہ تحسین کفر بھی کفر ہوتی ہے، اور ان دونوں صورتوں میں عقیدہ اسلامیہ باطنیہ کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ عنداللہ بھی کافر ہوگا، جیسے زنار ڈالنا باوصف صحت وعقیدہ کے کفر لکھا ہے، کتب عقائد وفتاویٰ فقہ میں یہ روایت موجود ہے، اور جو محض تماشا ہی دیکھا اور تحسین اور تلوث بافعال اشرار، اس سے سرزد نہیں ہوا، تو تکثیر فقط ہجوم کی ہے، تو اہل ہجوم میں داخل ہوا، اور مکثر ان لوگوں کا بنا فاسق وفاجر ہوا:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام: ۶۸)

تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ (ترجمہ شیخ الہند)

کے خلاف کیا ہے، اور مکثر ان لوگوں کا ہوا ہے نہ کہ فعل کفر کا، بہر حال جس قوم میں تکثیر کیا ہے، اُس ہی قوم کا بعض بنا اور اُس ہی قوم میں داخل ہوا، تماشائی مکثر اہل تماشا ہے، نہ فعل کفر کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جوامع الکلم ہوتا ہے، ہر قسم کی رعایت اور معانی اس میں مجتمع ہوتے ہیں، اب کچھ حاجت نہیں کہ تغلیظ پر حمل کریں، بلکہ معنی حقیقی سب شقوں پر موجود ہیں۔

قال فی الفتاویٰ العالمگیریة ناقلاً عن البحر: و (یکفر) بخروجه الیٰ نیروز المجوس

(۱) کتاب الزهد والرقائق، ابواب زیادات الزهد، لنعیم بن حماد، باب استماع اللهو ص:۱۲ [مطبع علمی پریس، مالیگاؤں۔ ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء] نیز ملاحظہ ہو: نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایه ج: ۴ ص: ۳۴۶، [مجلس علمی ڈھابیل۔ دار المامون، القاہرہ ۱۳۵۷ھ]

لموافقته معهم، فيما يفعلون في ذالک اليوم(۱) انتهى. فقط محصله والله تعالىٰ اعلم

اسی طرح محرم کی بھیڑ بھاڑ میں جو جائیکین جاتے ہیں، وہ بھی تحت مصداق حدیث مذکور داخل ہیں۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۵۸۔۵۹)

(۸۵۷) غیر مسلموں کے مجمع میں، سیر و تفریح کے لئے جانے کا اور خرید و فروخت کرنے کا حکم؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں: کہ مذہبی مجمع کفار میں اگر کوئی مسلمان بہ نظر سیر و تماشا، یا بغرض خرید و فروخت چلا جائے، اور اس کو برا نہ جانے، یا برا جان کر جائے، تو ان تمام صورتوں میں اس کو کس درجہ کا گناہ ہے، اس کا نکاح باقی رہتا ہے، یا نہیں۔ سیر (تماشہ) اور خرید و فروخت کو جانا دونوں گناہ میں برابر ہیں، یا کچھ فرق ہے، جواب بتفصیل تمام عنایت ہو۔ فقط

الجواب: مجمع کفار میں کہ اس کا انعقاد علی المعصیت ہو، شریک ہونا ہر حال حرام ہے، خواہ بوجہ سیر و تماشہ جاوے یا بہ غرض خرید و فروخت کے۔ لقوله تعالیٰ:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام: ۶۸) — تو مت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ (ترجمہ شیخ الہند)

ولقوله عليه الصلوٰة والسلام:

من كثر سواد قوم فهو منهم (الحديث) (۲)

پھر اگر اس فعل کو برا اور ممنوع جان کر کرتا ہے، تو فاسق مرتکب کبیرہ کا ہے، کافر نہیں ہوا، اگرچہ قریب کفر کے پہنچا اور نکاح بھی نہیں گیا، اور جو اچھا اور بڑا جان کر کرتا ہے، تو کافر مرتد ہوگیا۔ لقوله تعالیٰ

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (البقرہ: ۸۱) — کیوں نہیں، جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی لوگ ہیں دوزخ کے رہنے والے، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

---

(۱) فتاوی عالمگیری. کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین منها مایتعلق بتلقین الکفر بالارتداد والتشبه بالکفار. ص:۹۵ جلد دوم [مطبع احمدی، امو خاں ۱۲۸۷ھ] نیز باب مذکورہ ۲۸۰ جلد دوم [مطبع طبی، بندر ہوگلی ۱۲۵۸ھ] نیز باب مذکور ج:۲ ص:۲۷۶-۲۷۷ [نورانی کتب خانہ بلاسنہ]

(۲) کتاب الزهد والرقائق، ابواب زیادات الزهد، لنعیم بن حماد، باب استماع اللهو ص:۱۲ [مطبع علمی پریس، مالیگاؤں ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء] نیز ملاحظہ ہو: نصب الراية في تخريج احاديث الهدايه ج:۴ ص: ۳۴۶ [مجلس علمی ڈھابیل۔ دار المامون، القاہرہ ۱۳۵۷ھ]

قال فی العالمگیریة، عن البحر: و (یکفر) بخروجه الی نیروز المجوس لموافقته معهم فیما یفعلون فی ذالک الیوم. انتهی(۱)

پس ظاہر ہوگیا کہ اتباع وشرکت کفار کی کفر ہے، پس جب کافر ہوا تو نکاح بھی جاتا رہا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۵۷۔ مجموعہ چندیانوی ص ۱۹)

(۸۵۸) رام لیلا وغیرہ میں چندہ دینا گناہ کبیرہ ہے: سوال: رام لیلا کے ہونے میں اپنی رضامندی ظاہر کرے، یا چندہ دے، تو اس شخص کے لئے شرع میں کیا حکم ہے، وہ شخص آثم ہوگا، یا نہیں؟ اور کس قسم کے اثم کا سزاوار ہوگا اور کوئی حکم شرع اس پر نافذ ہوگا، یا نہیں؟

جواب: ایسا شخص از روئے شرع شریف کے مرتکب سخت کبیرہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (المائدہ: ۲)

اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر، اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی مع مہر (بدست خاص، علیحدہ)

(۸۵۹) غیر مسلم کے گھر میں بیوہ عورت رکھنے کے معاملہ میں گواہی اور شرکت کا حکم؟ سوال: ایک چمار نے اپنی بھاوج بیوہ کو، دوسرے چمار کے گھر میں زوجہ کر کے بٹھادی، اور اس دوسرے سے کچھ روپے بھی لئے، اور پھر زمیندار کے پاس آیا کہ تم ایک کاغذ اپنی گواہی سے لکھدو، کہ فلاں عورت فلاں چمار کے گھر میں بٹھادی، اور اس کا سوائے میرے اور کوئی وارث نہیں ہے کہ جھگڑا کرے، اور مبلغ اس قدر میں نے اس سے خرچ کے لے لئے ہیں، تو یہ کاغذ لکھنا اور اس کی اجرت تحریر لینا، زمیندار کو جائز ہے، یا نہیں؟

یا اگر روپیوں کا حوالہ نہ لکھا بلکہ صرف یہی لکھا جاوے، کہ اس کا وارث میں ہوں اور میں نے اپنی اور عورت کی رضامندی سے، فلاں کس کے گھر میں بٹھادی ہے، تو اس تحریر کی اجرت لینی بھی جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: یہ امر اگر کفار اپنے مذہب میں کریں تو خیر، مگر مسلمان کو ایسے خلاف کاغذ کا لکھنا نہیں چاہئے، اس طرح روپیہ لینا حرام ہے، اگر فقط نکاح کر دینے کو لکھے اور لکھائی لیوے، تو بظاہر جائز ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (بدست خاص، سوال ۸۶)

---

(۱) فتاوی عالمگیری، کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین، منها مایتعلق بتلقین الکفر والامر بالارتداد والتشبه بالکفار ص: ۹۵ جلد دوم، [مطبع احمدی، امو خان دہلی: ۱۲۸۰ھ] نیز عالمگیری باب مذکور ص: ۳۸۰ جلد دوم [مطبع طبی، بندر ہوگلی ۱۳۳۸ھ] نیز عالمگیری باب مذکور ج: ۲ ص: ۲۷۶، ۲۷۷ [نورانی کتب خانہ بلا سنہ]

(۸۶۰) سفید مرغ اور سیاہ گائے کو، ہندوؤں کے ہاتھ بیچنا کیسا ہے؟ **سوال:** سفید مرغ اور کالے رنگ کی گائے، ہندو لوگ گراں قیمت کو خرید کر لیتے ہیں، اس وجہ سے کہ وہ غیر اللہ کے نام چڑھاتے ہیں، تو مسلمانوں کو ایسے جانوروں کو، ہندوؤں کے ہاتھ بیچنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر معلوم ہو جاوے کہ اس غرض سے لیتا ہے، تو نہ بیع کرے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۱۴۷)

(۸۶۱) ہندو اگر کسی مسلمان سے عطر وغیرہ کوئی چیز مورتی پر چڑھانے کیلئے خریدے، تو کیا حکم ہے؟

سوال: ہندو اگر مسلمانوں سے کوئی چیز مثلاً عطر مانگے اور مسلمان سمجھ لے، کہ یہ اس کو کہیں چڑھاوے گا اور واقعی یہی بات ہو اور مسلمان عطر دیدے، تو کچھ گنہگار بھی ہوتا ہے، یا نہیں؟

جواب: ایسا ہی عطر کا حال ہے، کہ نہ دیوے۔ (بدست خاص، سوال ۱۴۸)

(۸۶۲) اگر کسی مسلمان سے ہندو کوئی چیز خریدتا ہے اور وہ اس کو بتوں پر چڑھائے گا، تو یہ فروخت کرنا جائز ہے، یا نا جائز؟ **سوال:** زید کے پاس سیاہ رنگ کی گائے ہے یا سفید رنگ کا مرغ ہے، اور اس کو ہندو خرید کرتا ہے اور زید یہ جانتا ہے کہ ہندو ایسی چیز کو صدقہ یا چڑھاوے میں دیا کرتے ہیں، مگر چونکہ وہ گائے یا مرغ گراں قیمت کو بکتا ہے، اور مال سے زیادہ دام ہندو دیتا تھا، اس واسطے زید نے بطمع نفس، وہ گائے یا مرغ فروخت کر دیا، تو زید گنہگار ہوا یا نہیں اور یہ بیع جائز ہوئی، یا نہیں؟

جواب: بیع جائز ہوئی اور بیع کرنے والا گنہ گار نہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک، مگر صاحبین منع کرتے ہیں، کہ اعانت معصیت کی ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ خود ایسا کام نہ کرے اور جس نے کر لیا، اس کو طعن نہ کرے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۲۱)

(۸۶۳) غیر مسلم کی نذر کا جانور اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا اور اس کی اجرت لینا؟ **سوال:** ہندو اگر غیر اللہ کے نام کا جانور مسلمانوں سے ذبح کراوے، تو مسلمان کو ذبح کر دینا اور ذبح کرنے کی اجرت لینا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: ہندو کا بکرا بسم اللہ سے ذبح کر دینا درست ہے، اور اجرت لینا بھی درست ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۰۳)

(۸۶۴) ہندوؤں کے ساتھ شرکت معاملات وسیاست کا کیا حکم ہے؟ اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع وشراء وتجارت میں کر لیویں، اس طرح میں کہ کوئی نقصان دین میں یا خلاف شرع معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے، جائز ہے اور مباح ہے۔

اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملہ سے ہی کوئی خلاف شرع امر لازم آتا ہو، یا مسلمانوں کی ذلت، اہانت یا ترقی ہنود

ہوتی ہو، وہ کام بھی حرام ہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اُسی طرح پر ہے اور بس فقط۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

نیچری لوگ شریعت کی رو سے مرتد ہیں، معاملہ دنیاوی ان کے ساتھ کرنا، شرعاً مسلمانوں کو حرام ہے۔ مدد کرنی ان کی کسی امر میں ہرگز جائز نہیں، بلکہ مددگار، اُن کا بھی ان میں شرعاً گنا جاتا ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُم مِنكُمْ فَاِنَّهٗ مِنهُمْ یعنی جو کوئی محبت کرے گا تم میں سے ساتھ ان کے، پس تحقیق وہ انھیں میں سے ہے۔ اور ہنود سے معاملہ دنیاوی کرنا، بشرط حفاظت دین اپنے کے، منع نہیں، فقط اسماعیل عفی عنہ لودھیانوی۔ لاشک فی صحیح الأجوبۃ، عبدالواحد لدھیانوی

یہ سب تحریر میری نظر سے گذری، اس میں کچھ شک و شبہ نہیں، کہ نیچریوں سے ارتباط و اختلاط موجب مضرت دین ہے، اور ہنود سے معاملہ بیع و شراء یا اور معاملہ دنیا کا کرنا، بشرط عدم نقصان دین، موافق جواب مذکور کے جائز ہے، فقط ناصر الاسلام محمد شفیع ناصر رامپوری

یہ تمام تحریر جناب مولوی صاحبان کی، بموجب شریعت احمدی نہایت مدلل ہے۔ نظام الدین عفی عنہ لدھیانوی۔ حسب الفہم جوابات کو دریافت کیا، بہت صحیح اور عمدہ موافق قرآن اور حدیث کے پائے۔ الراقم بندہ رکن الدین عفی عنہ سکنہ لدھیانہ کل اجوبہ کو بخوبی نظر غور سے دیکھا صحیح پایا۔ الراقم بندہ محمد اسحاق لدھیانوی، مواہیر انبالہ۔ الجواب صحیح، عبدالقادر عفی عنہ جو جواب سوالات مذکورہ کے دیئے گئے ہیں، صحیح، اور درست ہیں۔ بندہ توکل شاہ۔ (۱)

جوابات مذکورہ صحیح ہیں کچھ شک و شبہ نہیں۔ بندہ عبدالرحیم خان امام مسجد میاں توکل شاہ۔

ہنودوں کا شمول معاملات میں، بشرط عدم نقصان دین و ترقی مخالفین دین، جائز ہے۔ بندہ ظہور الدین مدرس گورنمنٹ اسکول شاگرد جناب مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری، سہارنپور

[نصرت الابرار ص:۱۹-۲۰ مطبع صحافی، لاہور، طبع اول: ۱۳۰۶ھ]

حامداً و مصلیاً۔ بندہ رشید احمد گنگوہی (۲) عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ لدھیانہ سے، ایک استفتا اس مضمون کا آیا تھا کہ جو شخص ہنود کی اعانت اور مسلمانوں کو ضرر دیوے، وہ کیسا ہے۔ بندہ نے جواب لکھا تھا کہ وہ فاسق ہے، یہ خلاصہ سوال و جواب کا ہے۔

اب وہ فتویٰ بندہ کا طبع ہوا۔ اور اس کے اول تین صفحہ لکھے دیکھے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ سوال مولوی عبدالعزیز

(۱) یہ حضرت علم باطنی میں کمال درجہ کے مشہور ہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ان کے معتقدین ہیں۔ [حاشیہ مندرجہ نصرت الابرار] [نور]

(۲) آپ کی شہرت علم ظاہری اور باطنی میں کمال درجہ کی ہے اکثر عالم ان کے مرید ہیں۔ [حاشیہ نصرت الابرار] [نور]

صاحب لدھیانوی کی نسبت ہے، اور وہ وجوہ اعانت واضرار اس میں مصرح لکھے ہیں۔ لہٰذا بندہ راست راست کہہ کر مسلمانوں کو مطلع کرتا ہے اور اپنا ذمہ بری کرتا ہے، کہ مولوی عبدالعزیز صاحب، ہرگز ہرگز مصداق اس فتویٰ کے نہیں ہیں۔ اور جو امور ان کی طرف اِس تحریر میں منسوب ہیں، اُن کی وجہ سے بندہ ہرگز اُن کو محل، اِس جواب وفتویٰ کا نہیں جانتا، اگر سائل اِس تفصیل کو درج سوال کرتا تو بندہ ہرگز یہ جواب نہ لکھتا، جو کچھ اِس تحریر میں درج ہے اس کی تاویل صحیح ہے۔ اگر واقعی ان سے یہ امور ایسے ہی سرزد ہوئے ہیں، اور اس عبارت میں جو گستاخ کلام نسبت مولوی صاحب کے ہے، وہ سخت نازیبا ہے۔

بندہ کے نزدیک علماء کی شان میں ایسے کلام، موجب ہتک اسلام وعلم ہے، پس جو صاحب اس بندہ کو صادق جانتے ہیں اور جو بندہ کی تحریر کی وجہ سے، مولوی عبدالعزیز صاحب سے بدعقیدہ ہوئے ہیں، ان کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ہرگز مصداق اس فتویٰ بندہ کے نہیں، ان سے معذرت کرنا اور معافی چاہنا اور اتحاد ومحبت کرنا لازم ہے۔ و اللّٰہ تعالیٰ ولی التوفیق. کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی اللہ تعالیٰ عنہ مہر رشید احمد

تحریر جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب کی درست ہے، احمد علی عفی عنہ

جو تحریر جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب نے فرمائی ہے درست ہے۔ پیر محمد عفی عنہ مہر تحریر مولانا صاحب۔

درست ہے عنایت الٰہی عفی عنہ۔ تحریر مولوی صاحب ممدوح کی درست ہے۔ ثابت علی عفی عنہ۔ الحق ما قال مولانا رشید احمد۔ بندہ محمود عفی عنہ۔ تحریر مولانا صاحب راست ودرست ہے، بندہ کے نزدیک مولوی عبدالعزیز صاحب ودیگر حضرات لدھیانوی ہرگز مخرب اسلام نہیں ہیں، بلکہ معاون اسلام ہیں۔ محمد حسن عفی عنہ دیوبندی۔ انا ایضا احقہ، بندہ عبداللہ خان۔

جو کچھ حضرت مرشدنا مولانا رشید احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے، وہ راست اور بے کم وکاست ہے، جناب مولوی عبدالعزیز صاحب ہرگز اس قابل نہیں کہ جیسے ان کی نسبت طبع ہوا ہے، بندہ احمد عفی عنہ

یہ تحریر مولوی رشید احمد صاحب کی درست ہے، اور میں مولوی عبدالعزیز صاحب ومولوی محمد صاحب ومولوی عبداللہ صاحبان کو بخوبی جانتا ہوں، نہایت متقی اور ذی علم ہیں، ان سے بہتر عالم ملک پنجاب میں نہیں ہیں۔ جو ایسے عالموں کو ناحق تہمت لگاوے اور جھوٹی تحریر ان کی نسبت طبع کراوے وہ اِس وعید کا محل ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا. (سورۃ احزاب: ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں، مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کیے، تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ایسے شخص کو جلد تائب ہونا چاہئے، ایسے گناہ کا وبال بہت برا ہے اور عذاب آخرت سخت ہے۔ حررہ الراجی عفو ربہ الکریم محمد فضل عظیم خطیب دیوبندی عفی عنہ اللہ الرحیم۔

عبارت حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب سلمہ درست ہے اور فتویٰ سابق جناب مولوی عبد العزیز صاحب کے حق میں نہیں ہے، اور نہ وہ اس کے محل ہرگز ہو سکتے ہیں۔ بندہ عبد القدیر عفی عنہ

تحریر مولانا مولوی رشید احمد صاحب کی صحیح اور درست ہے۔ محمد مراد عفی عنہ ساکن...... مظفر نگر

تحریر مولانا رشید احمد صاحب سے میں اتفاق کرتا ہوں، فقیر کے پاس بھی لدھیانہ سے ایک استفتاء آیا تھا اور اس پر فقیر نے کچھ عبارت لکھی تھی، جس کو سائل نے مولوی عبد العزیز و مولوی عبد اللہ و مولوی محمد صاحب کی نسبت چسپاں کر دیا، میں تینوں صاحبان سے خوب واقف ہوں، حقیقت میں وہ دیندار ذی علم ہیں، وہ ایسے نہیں کہ خلافِ اسلام کوشش کریں۔ واللہ اعلم

نصرۃ الابرار ص: ۶-۵ (مطبع صحافی لاہور: ۱۳۰۶-۱۸۸۸ء)

فتاوی قادریہ ص: (طبع اول، لاہور: ۱۳۱۹ھ)

حضرت مولانا گنگوہی کا ایک مشہور تاریخی فتویٰ

ہندوستان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

فتوائے دار الحرب

اس فتوے کا پس منظر، اس کے محرکات، اس سوال کرنے والے، اس فتوے کے قلمی نسخے، نئی پرانی طباعتیں اور ان کے متعلقات۔ نیز مکمل فتویٰ کا قدیم اور صحیح ترین متن، فتویٰ کا مفصل سوالنامہ، جو اس تحریر کا محرک بنا تھا۔

مفصل مقدمہ، پس منظر و پیش منظر، اصل فارسی متن اور فتوے کا اردو ترجمہ

ترتیب و تحقیق اور حواشی و تصحیح

نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت مولانا گنگوہی کا تاریخی فتویٰ

[ہندوستان کی شرعی حیثیت کیا ہے......؟]

پس منظر، محرکات، اس فتوے کے مستفتی، قلمی نسخے، طباعتیں متعلقات

نیز اس موضوع پر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اور فتاویٰ

ہندوستان کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس کو فقہائے اسلام کی اصطلاح میں دارالاسلام کہا جائے گا یا دارالحرب، یا ایک نسبۃً متاخر اصطلاح کے مطابق دارالامن! اس کے دارالاسلام سے دارالحرب تک اور دارالحرب سے دور حاضر کی روایات تک پہنچنے میں، کیا حالات و محرکات کارفرما ہے اور کس کس دور میں کون کونسے علماء نے کیا رائے ظاہر فرمائی۔ نیز حضرت مولانا گنگوہی کے، اس موضوع پر مشہور فتوے اور رائے کا پس منظر کیا ہے، اس اہم فتوے کے محرک کون صاحب ہوئے تھے، اس فتوے اور اس موضوع پر، حضرت مولانا گنگوہی کی بعض اور تحریرات میں کیا مناسبت و اختلاف ہے، اس سے واقفیت کے لئے، چند معروضات ضروری ہیں۔

برصغیر ہند میں اسلامی حکومت کا قیام: برصغیر ہند میں پہلی اسلامی حکومت محمد بن قاسم (۱) کی فتوحات کے نتیجہ میں قائم ہوئی تھی، جس کی حدود دریائے سندھ کے کناروں یا پنجاب کے، بعض سرحدی علاقوں تک محدود تھیں۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز میں، محمود غزنوی کی ملک گیر فتوحات سے اس کا دائرہ وسیع ہوتا ہوا، برصغیر کے اکثر حصوں تک جا پہنچا، مگر اس کے نتیجہ میں برصغیر میں باقاعدہ مسلم حکومت یا ایسا نظام مملکت قائم نہیں ہو سکا تھا، جس کو باقاعدہ حکومت یا اسلامی نظام کہا جا سکے۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری پہلے حکمراں ہیں، جن کی تراوڑی (کرنال، ہریانہ) کے میدان میں تاریخ ساز جنگ اور فتوحات سے، اس ملک میں اسلامی مملکت اور نظام حکومت کی بنیاد استوار ہوئی، غوری کے مفتوحہ علاقہ کو، غوری کے برگزیدہ نمائندے [قطب الدین] ایبک نے بہت شان اور وقار کے ساتھ سنبھالا اور غوری کی قائم مقامی کا فرض پوری طرح ادا کیا، غوری کی ملحدین کے ہاتھوں (۷ اذی قعدہ ۶۰۲ھ ۲۵/جون ۱۲۰۶ء) کو شہادت کے بعد ایبک باقاعدہ تخت نشین ہوا، اس وقت سے برصغیر میں مسلم حکومتوں کا جو آغاز ہوا تھا، وہ مختلف قسم کے حالات،

(۱) مشہور ہے کہ سندھ میں قیادت کے وقت محمد بن قاسم صرف سترہ سال کے تھے مگر یہ روایت واطلاع صحیح نہیں، محمد بن قاسم سنہ ۶۲ھ (۶۸۱ء) میں تولد ہوئے، سندھ سنہ ۹۳ھ میں فتح ہوا، اس طرح فتح سندھ کے وقت محمد بن قاسم کی عمر تقریباً اکتیس سال ہونی چاہئے۔

جنگوں، بغاوتوں، خاندانوں اور اختلافات سے گذرتا ہوا، اس وقت تک جاری رہا، جب قلعۂ معلّیٰ دہلی کے آخری برائے نام حکمراں، بہادر شاہ ظفر انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار کر لئے گئے اور تخت دہلی کا نام ونشان مٹ گیا۔

تراوڑی کی جنگ (۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء) سے بہادر شاہ ظفر کی برخواستگی (۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء) تک تقریباً سات سو سالہ مسلم دور حکومت میں، تقریباً ستاون افراد سریر آرائے حکومت ہوئے، جس میں مشکل سے چھ یا سات حکمراں ایسے تھے، کہ جن کو دین اسلام اور قانون شریعت کی بالادستی کا خیال تھا، انہوں نے باضابطہ اسلامی نظام حکومت قائم ونافذ کرنے کی کوشش کی تھی اور اسلام کے طریقہ حکمرانی اور عدالت وانتظام میں، اسلامی اصولوں کو بہر صورت کارفرما کرنے کے، احکامات جاری کئے تھے۔ ان کے علاوہ اکثر حکمراں، صرف رسمی طور پر مسلمان اور ایسی حکومتوں کے سربراہ تھے، جن کو مسلم حکومت کہا جاتا تھا، ان کو نہ اسلام عزیز تھا، نہ اس کا نظام عدل وانصاف پسند تھا، وہ صرف اپنی حکومت اور اختیارات کے طالب وجویاں تھے، اس میں اسلام اور قوانین اسلام کی، کیسی ہی خلاف ورزی اور مخالفت ہو، ان کو اس کا بہت کم احساس ہوتا تھا، مگر اس لمبے عرصہ میں، غالباً کبھی اس پر واضح بحث وگفتگو نہیں ہوئی، کہ آج کل فلاں شخص نظام حکومت پر مسلط ہے، اس کے جاری کئے ہوئے قوانین وضوابط، دین شریعت کی اساس پر نہیں ہیں، وہ خود بھی اسلامی قوانین واصول کی پابندی نہیں کرتا، نہ ان کو پسند کرتا ہے، نہ ہی اس کا ان کے مطابق قانون ونظام نافذ کرنے کا خیال ہے، اس وجہ سے اب یہ ملک دار الاسلام نہیں رہا، ایسے حالات میں اس ملک کو صرف دار الامن یا مسلم مملکت کہا جا سکتا ہے، دار الاسلام نہیں، کیوں کہ یہاں اسلام بالادست قوت کی حیثیت سے کارفرما نہیں ہے۔

صرف خسرو خاں کا مختصر زمانۂ اقتدار اور اکبر(۱) کا آخری دور، کہنا چاہئے ہندوستان کے مسلم دور حکومت میں، اس پہلو سے مستثنیٰ ہے کہ اس پر اسی زمانہ میں سخت تبصرے ہوئے، اور اس دور کے اہل قلم اور مؤرخین نے صاف لکھ دیا، کہ ان کی حکومت

---

(۱) یہ دونوں حکمراں جو بظاہر اول اول مسلمان تھے مگر بعد میں اسلام کے بڑے دشمن نکلے۔ خسرو خاں اپنے آقا اور محسن علاؤ الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے، جمادی الاخریٰ ۷۲۰ھ کی پہلی تاریخ (۹ر جولائی ۱۳۲۰ء) کو حکومت پر قابض ہوا تھا، اس نے اسلام اور مسلمانوں کی بے آبروی میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ اس کے مختصر دور حکومت میں دہلی اور اطراف دہلی میں اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ بے وقعت کوئی نہیں تھا۔ ضیاء الدین برنی نے اس وقت کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے بہت درد کے ساتھ لکھا ہے: ''باز دہلی ہندوانہ شد و مسلمانی رفع و مضمحل گردد'' (۴۱۲) تاریخ فیروز شاہی

خسرو خاں نے اپنے اس نظریہ اور خاص دشمنانہ رویہ کے باوجود اپنے لئے ناصر الدین کا لقب اختیار کیا تھا، اس پر اس دور کے ممتاز شاعر عصامی نے جو شعر کہا ہے وہ ''تمام نہند زنگی کافور'' کی عمدہ مثال ہے۔ یہ شعر خلیق احمد نظامی صاحب نے سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات میں (ص ۳۰۵، دہلی) نقل کیا ہے ملاحظہ ہو:

شدہ ناصر دیں بہ ضدش لقب
کہ بودہ است در قمع دیں روز و شب

اکبر نے بھی اپنی اختراع، دین الٰہی کے لئے اسلام کے ارکان اور اعمال وآثار کا نشان مٹا دینا ضروری سمجھا تھا۔ اس کی تفصیلات ملا عبد القادر بدایونی وغیرہ مؤرخین نے ذکر کی ہیں۔ بعد کے مؤرخین بھی بدایونی کی تصریحات سے اتفاق کرتے ہیں۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: ''دین الٰہی اور اس کا پس منظر'' پروفیسر محمد اسلم، وغیرہ۔

اور حرکات سراسر اسلام دشمنی پر مبنی اور عملاً غیر اسلامی حکومتیں ہیں، ان دونوں کے عہد میں اہل اسلام اور مذہب اسلام دونوں پر، جو براوقت آیا تھا وہ عالم آشکارا، اور ہماری تاریخ کا ایک ایسا المناک باب ہے، جس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

چراغ آخر شب، اورنگ زیب عالمگیر: اکبر کی موت کے بعد [خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی کی کوششوں اور شیخ فرید بخاری کی دانش مندانہ حکمت عملی سے] مغل خاندان کے ارباب حکومت واقتدار کو، ہدایت نصیب ہوئی، انہوں نے ایک مرتبہ پھر ہندوستان کے پچھلے حکمرانوں اور اجداد کی روایت کے مطابق، اسلام سے وابستگی اختیار کی اور متعدد کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود، صراط مستقیم اور تعلیمات دین سے ایک حد تک وابستہ رہے۔ اس کیفیت کو عملی استحکام اس وقت حاصل ہوا، جب اورنگ زیب عالمگیر نے زمام سلطنت سنبھالی، اور اپنی مملکت میں نظام شریعت نافذ کرنے اور مملکت کو پوری طرح، اسلام کے راستے پر لانے کی تدبیر کی، ہر چند کہ اورنگ زیب کے دور میں یہ ملک گویا گہوارۂ اسلام بن گیا تھا، اور خود بادشاہ بھی اتنی بڑی مملکت وحکومت کا تاجدار ہونے کے باوجود، سادگی کا مرقع اور اسلامی احکام ونظام کا ایک نمونہ تھا، مگر اورنگ زیب کے تقریباً تیس سال تک، اپنے پایۂ تخت دہلی سے دور رہنے کے سبب، اس علاقہ پر اس کے وہ اثرات نہیں پڑے، جس کی توقع کی جاسکتی تھی۔

اورنگ زیب کے اخلاص، سادہ دینی مزاج وحکومت کے پورے اعتراف کے باوجود، اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں، کہ اگر اورنگ زیب نے ان ریاستوں کی بیخ کنی کرنے کے بجائے، دہلی اور اطراف دہلی میں اپنی حکومت کو مستحکم کیا ہوتا، دشمنوں سے حفاظت کی تدبیر کی ہوتی، ملک کو فوجی لحاظ سے ناقابل تسخیر بنانے کا اہتمام، اور مستقبل کی طویل منصوبہ بندی کی ہوتی، نیز اپنے خاندان اور اولاد کی صحیح تربیت پر توجہ کی ہوتی، تو اس کا فائدہ اس سے کہیں زیادہ اور دیرپا ہوتا، جو ان ریاستوں کو فتح کرنے سے ہوا۔

مغلیہ تخت سلطنت کے نااہل وارث اور ان کا عہد ابتلاء: اورنگ زیب کے دہلی سے مسلسل دور رہنے کی وجہ سے، اطراف دہلی اور شمالی ہندوستان میں موجود، ان طاقتوں اور قوتوں کو پھر اکٹھے ہونے ابھرنے کا موقع مل گیا، جو طاقتور مسلم دور حکومت میں، بے دست وپا اور ناقابل تذکرہ ہوگئی تھیں، ان برادریوں اور گروپوں نے، شاید اورنگ زیب کی زندگی میں ہی اپنے ہتھیار تیز کرنے اور اپنے اپنے علاقوں سے، قدم باہر نکالنے کے ارادے کرلئے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، اورنگ زیب کے وارث، اپنے باپ کی صلاحیتوں سے عاری اور ان کمالات سے محروم تھے، جو اقتدار وجہانبانی کا حرف آغاز ہوتی ہیں۔ حکومت وفرمانروائی کی تمام صلاحیتوں سے محرومی اور توقعات وخواہشات کی زیادتی نے ان کو ایسے اقدامات پر اکسایا، جو نہ صرف ان کی ذات، بلکہ اس خاندان کی حکمرانی کے لئے بد شگون اور زوال کا نشان ثابت ہوئے۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (ذی قعدہ ۱۱۱۷ھ/فروری سنہ ۱۷۰۷ء) کے بعد، ان کے بیٹوں میں تخت نشینی اور وراثت کی جنگ، برادر کشی تک پہنچ گئی تھی، خاندان میں شدید اختلافات اور تفرقہ پیدا ہوا، مملکت کی آبرو اور تخت سلطنت کی عظمت ختم ہوئی اور ان لوگوں کو اپنی حسرتیں پورا کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا، جو خاندان مغلیہ کا زوال اور مسلم حکومت کی تباہی دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ تمام افراد اپنے تیر وتفنگ لیکر میدان میں آئے تھے، جو زور آزمائی اور ظلم وستم کے بل پر، حکومت واقتدار کو بے بس کر دینا چاہتے تھے، ایسے تمام سازشیوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے، مغل حکومت اور اس کے علاقوں پر حملے شروع کئے، اپنے علاقوں میں اپنے اپنے نیزوں کی تیزی آزمانے کے بعد، ان کا رخ دوسرے علاقوں کی مسلم آبادیوں اور بستیوں کی جانب ہوا، اور جن علاقوں بستیوں میں ان کے سبز قدم پہنچے، وہاں وہاں سے انسانیت وشرافت شرمندہ ہو کر رخصت ہوگئی۔ ان کے حملوں اور شر پسندی کی وجہ سے، ہر مسلم بستی ایک مقتل میں تبدیل ہوگئی تھی، ہر محلّہ سے خون کے فوارے بلند ہو رہے تھے اور ہر اک گلی کوچہ میں موجود، خاکستر محلات ومکانات ظلم وبربریت کی ایک علیحدہ داستاں سنا رہے تھے، برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے گھروں علاقوں میں، لہو کی ایسی فروانی اور ابلیسیت کا ایسا عریاں رقص اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ کسی ایک جماعت یا گروہ کے ظلم وتشدد کی بات نہیں تھی، بلکہ اس وقت موجود، کئی اسلام اور مسلم دشمن قوتوں اور گروہوں نے، ایک ہی انداز سے سوچا تھا، ایک ہی انداز سے اقدام کیا۔ یہ بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانے، ان کے گھروں کو تاخت وتاراج کرنے کی، ایک لمبی بھیانک اسکیم تھی، جس نے شمالی ہند کے اکثر حصوں کو بے دریغ حملوں، لوٹ مار، قتل وغارت گری، ظلم وجبر، بربریت وسفاکی سے، جہنم کا نمونہ بنا دیا تھا۔ اس وقت مغل حکومت بے بس تھی، اس کی طاقت مفقود، استحکام متزلزل تھا اور جاہ ومنزلت دور ماضی کی بات بن چکی تھی۔

حال یہ تھا کہ جس کا جی چاہتا دلی پر چڑھ دوڑتا، جو چاہتا اس کے اطراف میں لوٹ مار کرتا اور رخصت ہو جاتا، جو چاہتا خون مسلم کی ہولی کھیلتا، ان کی بے کسی کا تماشہ کرتا، ان کی آبروؤں کو پامال کرتا اور ان کو گرفتار کر کے لے جاتا، نہ کوئی اس مصیبت کا دور کرنے والا تھا، نہ ان طاقتوں کا مقابلہ کرنے والا۔ یہ ایسے حالات تھے جس میں صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر کوئی خاص بات پیش نہ آئی، اور ایسا مرد میدان سامنے نہ آیا جو ان ظالم، چیرہ دست قوتوں سے پنجہ آزمائی کرکے، ان کو بے دست وپا کر سکے، تو اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود خطرے میں ہے۔ اگر ان اسلام دشمن قوتوں کو تاخت وتاراج، قتل وخون ریزی اور خاک وخون کا مشغلہ جاری رکھنے کی، ایسی ہی آزادی رہتی ہے (جیسی اُس وقت تھی) تو اس ملک میں مسلمانوں کی آبرومندانہ زیست کا، تصور بھی باقی نہ رہے گا۔ جس ملک میں مسلمانوں کے لئے ایسے حالات ہوں، جہاں اہل ایماں کے لئے زندگی اور ترقی وکامرانی کے سب راستے بند اور تباہی وبربادی کی ہر قوت آزاد وبے مہار ہو، اس ملک اور علاقہ کو دار الحرب کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے......؟؟؟

حضرت شاہ ولی اللہ کا ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فیصلہ یا فتوی اور دور رس تدبیریں: حالات کی یہ گرفت، یقیناً تمام مسلمانوں خصوصاً علمائے کرام اور اہل دانش وارشاد کو بے چین کئے ہوئے تھی، مگر زمام کاران کے ہاتھ میں نہیں تھی، اس لئے یہ حضرات دن رات کی بے چینی، اضطراب اور کڑھن کے علاوہ غالباً زیادہ کچھ نہ کر سکے۔ اس کشمکش اور سخت ابتلاء کے دور میں، حضرت شاہ ولی اللہ وہ پہلے عالم اور مقتدائے عصر تھے، جنھوں نے ظلمت ایام کی اس سیاہ چادر کو چاک کر کے، روشنی اور امید کا آفتاب طلوع کرنے کی کوشش فرمائی تھی، سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب نے، اس ملک کو دار الحرب قرار دیا، یہاں جہاد کی ضرورت اور مسلمانوں کی آبرومندانہ زندگی گزارنے کے لئے، ہر طرح کی کوششوں کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی، بلکہ اس کی بڑی دور رس، ہمہ جہت اور نتیجہ خیز منصوبہ بندی بھی فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب، پایۂ تخت دہلی میں جلوہ افروز تھے اور دہلی کے چاروں طرف مختلف سیاسی، علاقائی، مذہبی تنظیموں گروپوں کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو حملے اور یلغار ہو رہی تھی، اور اس کے نتیجہ میں ہر لمحہ جو آفت و بربادی آ رہی تھی، اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، معتبر بلکہ ان حوادث کے شکار افراد سے اس کی تفصیل بھی سن رہے تھے، اور اس کی وجہ سے نہایت آزردہ خاطر اور پریشان بھی تھے۔ اگرچہ حضرت شاہ صاحب ان افراد میں سے تھے، جن کے لئے عملی اقدام بہت مشکل نہیں تھا، اگر حضرت شاہ صاحب چاہتے تو خود میدان حرب وضرب میں اتر سکتے تھے، لیکن اس وقت مغل خاندان میں بے دانشی اور نفسا نفسی کی جو کیفیت عام تھی، اس میں امید نہیں تھی کہ اس اقدام سے کچھ بڑا فائدہ ہوگا، اس لئے حضرت شاہ صاحب نے اس کا ارادہ نہیں کیا۔ تفہیمات الٰہیہ کی ایک تفہیم میں (ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب اس سے اپنی ذات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں) فرماتے ہیں:

"فلو فرض أن يكون هذا الرجل في زمان واقتضت الأسباب أن يكون إصلاح الناس بإقامة الحروب، ونفث في قلبه إصلاحهم، لقام هذا الرجل بأمر الحرب أتم قيام وكان إماما في الحرب"(۱)

تاہم حضرت شاہ صاحب نے خود کوئی جنگی تنظیم قائم نہیں فرمائی، لیکن ہندی ملت اسلامیہ کو، حوادث کی اس چکی سے بسلامت نکالنے کے لئے، کئی پہلوؤں سے نہایت مفید اور نتیجہ خیز اقدامات کئے۔

حضرت شاہ صاحب نے سب سے پہلے اپنے مکتوبات کے ذریعہ، اس فساد و بگاڑ اور ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی، حضرت شاہ صاحب کے، متعدد گرامی نامے اس کی تصدیق کر رہے ہیں، کہ ان حالات سے حضرت شاہ صاحب کس

(۱) التفہیمات الالٰہیہ ص: ۱۳۹ جلد اول (بجنور: ۱۳۵۵ھ)

درجہ دل گرفتہ اور رنجور تھے، اس کے لئے کس طرح سوچ رہے تھے اور تدبیریں فرما رہے تھے۔

اگرچہ اس وقت بھی بظاہر مغل حکومت کا نام موجود تھا، لال قلعہ میں بادشاہ بیٹھتے تھے، مگر قلعہ سے باہر کی دنیا میں کیا ہورہا تھا، اس پر بادشاہ کی گرفت تھی، نہ قلعہ کے ارباب اقتدار کی۔ بادشاہ خود ایسے بے بس اور پریشان تھے کہ دعا، مشورہ اور تسکین قلب کے لئے، حضرت شاہ صاحب اور دوسرے علماء اور بزرگوں کی خدمات میں حاضری دیتے اور دعاؤں کی درخواست کرتے تھے۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے، کہ بادشاہ وقت، شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر کہتا ہے:

غلبۂ کفر وتفرق رعیت بدرجہ رسیدہ است، کہ معلوم است، چنانچہ خواب وخور برمن تلخ شدہ است، دریں باب دعا مطلوب است۔

کفر کا غلبہ اور رعایا کا اختلاف اس حد کو پہنچ گیا ہے، کہ معلوم ہے، جس کی وجہ میرے لئے کھانا پینا حرام ہوگیا ہے، اس کے لئے دعا کی ضرورت ہے۔

بادشاہ وقت خود کہہ رہا ہے، کہ کفر کا غلبہ ہوگیا ہے مگر میں عملاً بے بس ہوں، اس وقت خود حضرت شاہ صاحب کی کیا کیفیت تھی، اور وہ مسلمانوں کو اس عذاب وآفت سے نکالنے کے لئے، کس قدر بے چین ومضطرب تھے، اس کا حضرت شاہ صاحب کے، مکتوبات گرامی سے اندازہ ہوجاتا ہے، ان میں حضرت شاہ صاحب، اس ملک کو نہ صرف دارالحرب، بلکہ دارالکفر لکھ رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی اس رائے یا فتوے کا نسبۃً وضاحت سے، حضرت احمد شاہ ابدالی کے نام خط سے اظہار ہوتا ہے۔ اس خط میں شاہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

”درملک ہندوستان غلبہ کفار بایں صورت است کہ درمیاں آمد ضعفِ مسلمانان بایں صفت، دریں زمانہ بادشاہے کہ صاحب اقتدار وشوکت باشد، وقادر برشکست لشکر کفار، ودور اندیش جنگ آزمائی، غیر از ملازمانِ آنحضرت موجود نیست“

ترجمہ: ملک ہندوستان میں کافروں کا غلبہ اس حد تک ہے، جو سامنے آیا اور مسلمانوں کی کمزوری کی یہ حالت، اس زمانہ میں کوئی ایسا بادشاہ، جو شوکت واقتدار والا بھی ہو، کافروں کے لشکر کو شکست بھی دے سکتا ہو اور دور اندیش بھی ہو۔ جناب والا کے علاوہ [موجود] نہیں ہے۔

اسی خط میں مزید فرماتے ہیں: ”ہمت بانہمت را بجانب جہاد کفار ایں نواحی مصروف فرمایند“ (۱)

ترجمہ: اپنی عالی اقتدار والی ہمت کو، اس علاقہ کے کافروں سے جہاد کی طرف مشغول فرمائیں۔

اور یہ بالکل واضح ہے، کہ جہاد یا مسلم حکومت ومملکت سے نہیں ہوسکتا، جہاد کے لئے اس ملک کا دارالحرب یا دارالکفر ہونا

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مرتبہ خلیق احمد نظامی صاحب ص: ۱۱/۱۲ (دہلی: ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۹ء)

ضروری ہے۔ اس مکتوب کے ابتدائی سطور بھی اہم اور بڑی معنی خیز ہیں، تحریر ہے:

"وجہ بادشاہان اسلام نعمت است بغایت عظیم، وموجب نصیب بادشاہان دوچیز است، یکے کسر شوکت کفار وظہور ملت اسلام۔ تا وقتے کہ بادشاہان اسلام جہاد نکنند وبجنود اسلام دولت کفار برہم نہ زنند، زمین خدائے تعالیٰ دار الاسلام نگردد، کفار بر ضعفائے مسلمین تاختہ، جان ومال ایشاں برباد فنا دہند" (۱)

ترجمہ: عالی مرتبت بادشاہوں کی موجودگی بہت بڑی، نہایت عظیم نعمت ہے اور بادشاہوں کا مرتبہ بلند کرنے والی دو چیزیں ہیں، کافروں کی شوکت وقوت کو توڑنا اور ملت اسلام کو نمایاں کرنا، جب کہ سلاطین اسلام جہاد نہ کریں اور اسلامی لشکروں کے ذریعہ سے کافروں کا غلبہ ختم نہ کریں، اللہ کی زمین دار الاسلام نہیں ہو سکتی۔ کافر کمزور مسلمانوں پر حملے کرکے، ان کے جان اور مال فنا کی نذر کررہے ہیں۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ گرامی نامہ سنہ ۷۲-۱۱۷۱ھ (۱۷۵۸ء) کا لکھا ہوا ہے، کیوں کہ ۵۹-۱۷۵۸ء (۱۱۷۲ھ کے نصف ثانی) میں، احمد شاہ ابدالی ہندوستان آ گیا تھا۔ اسی سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا، کہ حضرت شاہ ولی اللہ سنہ ۱۸۵۷ء سے، سو سال پہلے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فیصلہ فرما چکے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے نواب عبید اللہ خاں کشمیری کے نام، گرامی نامہ میں بھی (جو بظاہر، مذکورہ بالا خط کے بعد لکھا گیا ہے) اس وقت کے ہندوستان، کو صاف دار الکفر لکھا ہے۔ تحریر ہے:

"رقیمہ سامیہ رسید، واستفسارے کہ از اقامت در دیار جٹ کردہ بودند معلوم شد عزیز القدر! از غیب بر دل جمع مکرر داعیہ دعا باستیصال ہر دو فریق فرو می آید۔ زنہار درمیان ایشان نباید بود، خبر شرط است، اگر دریں ایام عزم حج کنند از ہمہ بہتر، ہم در دنیا وہم در آخرت، اگر میسر نشود، انتقال از دار الکفر خود ضرور است" (۲)

ترجمہ: گرامی نامہ پہنچا اور سوال جس میں جاٹوں کے علاقہ میں قیام کے متعلق دریافت کیا ہے، معلوم ہوا۔ میرے عزیز! غیب سے ان دونوں فریقوں کے خاتمہ کی، اہتمام سے دعا کا دل پر بار بار تقاضہ ہوتا ہے، [اس لئے] ہرگز ہرگز ان کے بیچ میں نہ رہنا چاہئے، اطلاع ضروری ہے۔ اگر ان دنوں میں حج کا ارادہ کرلیں، تو سب سے بہتر ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اگر حج کے لئے جانے کا موقع نہ ہو، تو دار الکفر سے نکل جانا خود بھی ضروری ہے۔

(۱) یہ کلمات حضرت شاہ صاحب کے مکتوب بنام ابدالی کی ابتدائی سطور میں ملاحظہ ہو، مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ حصہ دوم۔ نسخہ مؤلف مرتبہ ومکتوبہ شاہ محمد عاشق پھلتی۔ مگر معلوم نہیں کیوں، یہ فقرے اور کلمات نظامی صاحب نے سیاسی مکتوبات میں شامل نہیں کئے۔

(۲) سیاسی مکتوبات صفحہ ۲۷ (دہلی: ۱۹۶۹ء) پروفیسر نظامی نے سیاسی مکتوبات میں دار الکفر کا ترجمہ ہی نہیں کیا، سیاسی مکتوبات میں صرف یہ مبہم ترجمہ ہے: اگر ممکن ہو سکے تو وہاں سے منتقل ہونا ضروری ہے۔۔۔ صفحہ ۱۵۸۔

حضرت شاہ صاحب اور ہندوستان کے چند، اور بڑے علماء کی گذارشات پر، احمد شاہ ابدالی نے خاطر خواہ توجہ کی اور حضرت شاہ صاحب کے متوسلین نے بھی، ان ہدایات وخطوط کی تعمیل میں فخر و مسرت محسوس کی، احمد شاہ ابدالی حضرت شاہ صاحب کے مکتوب نیز علمائے ہند کے چند اور مکتوبات اور دعوت ناموں کی وجہ سے ہندوستان آیا، اور پانی پت کے میدان میں، ایک طاقتور اور بھرپور حملہ کر کے، ان قوتوں کے ہندوستان پر قبضہ اور حکومت کے منصوبہ پر ایسی کاری بھرپور ضرب لگائی اور ان طالع آزماؤں کو ایسا کمزور اور بے دست وپا کر دیا، کہ وہ سر اٹھانے کے لائق نہ رہے۔

ابدالی ربیع الاول سنہ ۱۱۷۳ھ (یکم نومبر ۱۷۵۹ء) کو پانی پت کے میدان میں پہنچا اور تقریباً ڈھائی مہینہ تک جنگ کے بعد، اواخر جمادی الاول (۱۴؍جنوری ۱۷۶۱ء) مرہٹوں کو شکست فاش دی۔

حضرت شاہ صاحب کی، یہ تدبیر بلاشبہ نہایت کارگر ثابت ہوتی، اگر ابدالی کی تاریخی کامیابی کے بعد، ہندوستان کی سیاسی قیادت اور وزارت عظمیٰ، حضرت شاہ صاحب کے معتمد افراد میں سے، نواب نجیب الدولہ [جو اپنے جنگی تجربہ، دور اندیشی، بے مثال دانش مندی اور حوصلہ کی وجہ سے، احمد شاہ ابدالی کے لئے بھی ایک دریافت کی حیثیت رکھتے تھے] کے سپرد کر دی جاتی، تو بعد کے حالات اس سے بہت مختلف ہوتے، جو سامنے آئے، ممکن تھا کہ اس سے مغل خاندان اور حکومت کی عمر میں بھی، خاصا اضافہ ہو جاتا، ابدالی کی بھی یہی رائے تھی، لیکن درباری سازشوں، مغل خاندان اور امراء کے باہمی سخت اختلافات اور عہدہ ومنصب کے خواہشمندوں کی، شاطرانہ چالوں نے، اس انتظام کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ نجیب الدولہ کی جگہ ایک اور، وزیر اعظم منتخب کر لیا گیا، جس کا انجام معلوم ہے۔ مغل خانوادہ کے ارباب اقتدار کی بے دانشی اور صبر واعتماد کے فقدان کی وجہ سے، بات پھر وہیں آ گئی جہاں سے چلی تھی، کہ نہ حاکم کو استحکام حاصل تھا، نہ حکومت کو۔ جو دیانت وانصاف، دور اندیشی واستحکام کی بات کرتا، اس کو خود غرض ومطلب پرست کہا جاتا، اہل غرض اور خوشامدیوں کو حکومت وامراء کا مخلص ومددگار سمجھا جاتا تھا۔ اس خود غرضی اور افراتفری کی وجہ سے، بادشاہ اور سربراہان حکومت ایک تماشہ بن کر رہ گئے تھے، کبھی کسی کو حکومت سپرد کی جاتی، کبھی کسی اور کو! آج ایک شہزادہ تخت پر بیٹھتا کل دوسرا، اس کی جگہ لے لیتا، یوں حکومت کا اعتبار اور مغل خاندان کی رہی سہی ساکھ بھی خاک میں مل گئی تھی۔

انگریز بہت دنوں سے اس کھیل کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا، اور اس سے صحیح وقت پر بھرپور فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھا۔ اپنی شطرنج کی بہت عیاری کے ساتھ بساط بچھا چکا تھا، اس کے مہرے حرکت میں تھے، لال قلعہ پر قبضہ ان کی بنیادی ترجیحات میں شامل تھا، بالآخر، انگریزوں نے سنہ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر باقاعدہ قبضہ کر لیا۔ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کی عظمتوں کے نام لیوا اور تخت سلطنت کے دعویدار، انگریزوں کی ماہانہ پنشن پر گزارہ کرنے لگے اور ان کے اشارہ چشم وابرو کے محتاج ہو کر رہ گئے۔ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ!

شاہ ولی اللہ کے معاصر بڑے علماء اور ان کے وابستگان کے فتاویٰ: حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے دور کے حالات دیکھ کر، اس ملک کی مذہبی شرعی حیثیت کے متعلق، جو رائے ظاہر فرمائی تھی، تقریباً وہی رائے حضرت شاہ صاحب کے نامور معاصر، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی بھی تھی۔ ان دونوں کی وجہ سے، بلکہ حالات کی اس گرفت کی وجہ سے، جس کے اثرات بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے، ان دونوں کے بڑے طاقتور جانشینوں اور نمائندوں کی بھی، یہی رائے اور فتویٰ تھا کہ موجودہ حالات کی وجہ سے، ہندوستان قطعی طور پر دار الحرب ہے۔ ان حضرات میں سے جو اس رائے کے قائل علم و بردار تھے، ان میں حضرت مرزا مظہر کے نمائندہ اور علمی جانشین، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے برگزیدہ اخلاف کرام شامل تھے۔ جس میں حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین، نیز اس خاندان کے مہر منیر، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید، مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی اور مولانا شاہ محمد اسحاق کے علاوہ، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مفتی شرف الدین رام پوری (۱) وغیرہ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ ان ہی فتاویٰ اور نظریات کی وجہ سے اور خاندان ولی اللّٰہی سے وابستہ مختلف خطوں میں مقیم درجنوں علماء اور اہل ارشاد و معرفت نے بھی، اسی قسم کے فتاویٰ تحریر فرما کر، اپنے اکابر کی راہ پر چلنے کا عہد کیا اور اپنے عملی اقدامات سے، ان فتاویٰ کی توثیق و تصدیق کی۔ ایسے فتاویٰ کی خاصی تعداد ہے، جن کے فوائد و اثرات مختلف حیثیتوں سے ظاہر ہوتے رہے۔

کیا یہ فتوے صرف انگریز کے لئے تھے؟ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے، کہ جب علماء کے ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے کے، ابتدائی فتاویٰ کا تذکرہ آتا ہے اور برصغیر ہند کی دینی علمی سیاسی تاریخ پر، ان کے اثرات کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ، ان حضرات کی یہ جدوجہد اور کوشش، انگریزوں اور صرف انگریزوں کے خلاف تھی، اور یہی ان حضرات کے سیاسی نظریات کا بنیادی نقطہ اور مقصد تھا، مگر اس خیال کے لئے کوئی علمی بنیاد موجود نہیں۔ ان حضرات کے فتاویٰ دراصل ان تمام طالع آزما قوتوں، اور ظلم و جبر کی ایسی تمام طاقتوں کے بڑھتے اثرات کی وجہ سے صادر ہوئے تھے، جنہوں نے انگریز کے اس خطہ میں آنے سے پہلے، یہاں مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا، جن کی وجہ سے مسلمانوں کی آبرو اور جان مال کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا، جب جس کا جی چاہتا ان کے مردوں کو قتل کرتا، ان کی عورتوں کو بے آبرو کرکے، ان کے مکانات کو نذر آتش کردیتا تھا، ان حضرات کے پہلے اور بنیادی فتوے، ان ہی لوگوں کی وجہ سے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی تحریروں میں اس کی صراحت ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ میں بھی، اس کے اشارات مل جاتے ہیں، اس لئے ان تمام فتاویٰ کو صرف انگریزوں کے حکومت و اقتدار سے وابستہ کرنا، دیانت و انصاف نہیں، لیکن یہ صحیح ہے کہ شمالی ہندوستان، خصوصاً دہلی پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد، ان فتاویٰ کا رخ انگریز کی جانب ہوگیا تھا، کیوں کہ وہ

(۱) ان میں چند فتاویٰ معلوم و مطبوعہ ہیں لیکن اکثر غیر متعارف اور غیر مطبوعہ ہیں جس میں سے چند کی اصل باقی کے فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں۔

فکر ومزاج میں، ان قوتوں سے کسی طرح مختلف نہیں تھے جنہوں نے انگریزوں کے آنے سے پہلے، مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا، انگریزوں کے بھی ملک گیری کے وہی منصوبے تھے، وہ بھی مسلمانوں کو زیر کر کے، مبتلائے آلام دیکھنا چاہتے تھے، جس کا انگریزوں سے پہلے یہاں موجود مسلمانوں سے معرکہ آرا قوتیں، اظہار وتجربہ کرا چکی تھیں۔ مگر اس وقت برصغیر کے مسلمان اور مملکت ہند جن مسائل ومشکلات کا شکار تھی، اس کا حل صرف فتوے لکھنے سے ممکن نہیں تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ مسلمان میدان میں آ کر عملی جدوجہد کریں، یہی وہ خیال اور منصوبہ تھا، جو اولاً تحریک سید احمد شہید کی صورت میں، دوبارہ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں پوری شان سے ظاہر ہوا۔

اگرچہ ان دونوں تحریکات کے جنگی میدانی منصوبے ناکام رہے اور ان سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہوئے، جن کے لئے ان کا انتظام کیا گیا تھا، لیکن ان کے معنوی فوائد بے شمار ہیں، اس وقت سے آج تک ان تحریکات کے رہنماؤں اور مقاصد سے دلچسپی برقرار ہے، اور ان کے مخلص رہنما، قوم وملت کے لئے نشان راہ کی حیثیت سے، جانے پہنچانے جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ، اس جدوجہد، خصوصاً ۱۸۵۷ء کی تحریک سے، جو نقصان ہوا تھا وہ ناقابل تلافی ہی رہا۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک سے ملکی قوتوں کو استحکام تو کیا ملتا، ملکی اشخاص مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان حقوق ومراعات سے بھی محروم ہو گئے، جو ان کو انگریزوں کے ۱۸۵۷ء سے پہلے کے نظام میں حاصل تھیں۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک کے بعد، مغلوں کا برائے نام اقتدار اور قلعۂ معلیٰ کی حکمرانی بھی گزرے وقت کی داستان، اور ملک کی تاریخ کا ایک المناک باب بن گیا۔ ملک وملت کی تباہی وبربادی جو کیفیت ہوتی وہ محتاج بیان نہیں۔ لاکھوں لاکھ افراد کو سزائے موت ہوتی، پھانسیاں دی گئیں، یہاں سے ہزاروں لاکھوں افراد کو ہجرت کرنی پڑی، ہجرت، جلاوطنی، کالے پانی کی سزائیں برداشت کیں، تاحیات قید کی نہ ختم ہونے والی اذیت اس کے علاوہ تھی: اور

گھر میرا جو جلتا تھا کچھ لوگ یہ کہتے تھے

کیا آگ سنہری ہے، کیا آنچ سہانی ہے

۱۸۵۷ء کے بعد کے دور استبداد کے تلخ تجربات: ۱۸۵۷ء کی تحریک کے بعد، انگریز اس پورے برصغیر پر قابض ہو گئے تھے، ان کی حکومت ہر سیاہ وسفید کی مالک اور جبر واستبداد کے ہتھیاروں سے مسلح، ایک ایسی جابرانہ اور قاہرانہ قوت تھی، کہ اس کے خلاف آواز نکالنا، بلکہ دم مارنا بھی آسان نہیں تھا، اس لئے اس بڑے معرکہ، ملک وملت کے لاکھوں افراد کی جانوں کی قربانی اور بے شمار آلام ومصائب برداشت کرنے کے باوجود بھی، امتحان باقی رہا اور اس ملک کی شرعی حیثیت میں کچھ تبدیلی نہیں آئی، برصغیر ہند ۱۸۵۷ء کی تحریک سے پہلے جس طرح دار الحرب تھا، اب بھی

اسی طرح رہا، بلکہ ان حالات وحوادث نے، اس کی شدت اور قہرناکی میں کچھ اضافہ ہی کر دیا تھا۔

فکر و عمل کا ایک اور میدان: یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کی مسلح جدوجہد کے بعد علماء نہ عوام، اس لائق نہیں رہ گئے تھے، کہ حکومت کے سامنے دوبارہ اڑ سکیں، اور اپنے حقوق اور معاملات کے لئے، کوئی بڑا میدانی منصوبہ عمل میں لاسکیں، لیکن جہاں تک رائے اور نظریہ کی بات تھی، اس میں کچھ تبدیلی نہیں آئی تھی، اس لئے اکثر علمائے ہند، خصوصاً خاندان حضرت شاہ ولی اللہ سے وابستہ اور اس دینی علمی اصلاحی کارواں سے منسلک، علماء کی وہی رائے رہی، جو ۱۸۵۷ء سے پہلے تھی۔ حضرت شاہ محمد اسحاق کے متعدد شاگردوں، مولانا نواب قطب الدین دہلوی، مولانا عبدالقیوم بڈھانوی، مولانا مفتی محمد ایوب پھلتی اور اس خانوادۂ علم وعمل کے، بڑے دینی علمی نمائندوں میں سے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ اکابر علماء کا، اس پر اتفاق تھا کہ یہ ملک اب بھی اسی طرح دارالحرب ہے، جس طرح اس سے پہلے دور میں تھا۔ لیکن ان حضرات کو ۱۸۵۷ء کے تجربہ نے بتادیا تھا، کہ اب جدوجہد کا میدان بدل گیا ہے، موجودہ حالات میں ہتھیار اٹھانا، ملک میں مسلمانوں کے ٹوٹے پھوٹے بکھرے وجود، اور ان کے رہے سہے دینی کام، علماء اور ذمہ داران کو ختم کرنے، اور اجتماعی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اس لئے ہتھیار، جنگ کے نظام اور ارادہ کو، وقتی طور پر فراموش کر کے، ملی تعمیر وترقی کے اور کاموں کو اولیت دینی چاہئے، اس کے لئے پہلی بنیادی ضرورت، عوام کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے، ایک مرتب ومسلسل نظام اور ایک متعین فکر ومزاج کی تشکیل کی تھی، جس کی روشنی میں آئندہ نسلیں بہترین دینی تعلیم وتربیت، معاملات ومعاشرت کی درستگی ورہنمائی، مستقبل کی بہتر نشوونما اور اعلیٰ ترین منصوبوں اور دماغوں کی تشکیل کرسکیں، اس مقصد کے لئے ان علمائے کرام نے جو طریقہ اپنایا، واقعہ یہ ہے کہ ان حالات میں، مسلمانوں کی سرفرازی کے لئے، اس سے بہتر تجویز وانتخاب ممکن نہیں تھا۔

یہ اسلامی دینی تعلیم کے لئے، ایسے مدرسوں کا آغاز تھا، جو حکمرانوں اور ارباب دولت وثروت کی نگاہ کرم کے منتظر وپروردہ نہ ہوں، بلکہ ان کی اساس، حق تعالیٰ کے اعتماد اور توکل علی اللہ پر رکھی جائے، ان کا سفر عام مسلمانوں کے تعاون سے آگے بڑھے، اور منزل مقصود تک پہنچے۔ یہ کوشش کچھ ایسی کامیاب ہوئی، کہ اس کے جلو میں دوچار نہیں، پچاسوں سینکڑوں مدرسوں کا جال بچھ گیا، اور یہ مدارس نہ صرف اس خطہ، بلکہ پورے برصغیر اور بعد میں پوری دنیا کے لئے، ایک نمونہ اور ایسی مثال ثابت ہوئے، جس کی اسلامی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں تھی۔

اگرچہ یہ مدرسے اپنے قائم کرنے والوں کی زندگی میں ہی، تناور درخت بن کر سایہ دینے لگے تھے، اور اہل دین کا ایک بڑا طبقہ، ان کی ٹھنڈی چھاؤں میں، دنیا وآخرت کی نعمتوں سے ہمکنار ہونے لگا تھا، مگر اس سب کے باوجود، ان

مدارس کے منصوبہ ساز، اپنے بنیادی مقاصد سے کبھی بھی (کسی) پہلو غافل نہیں ہوئے، انہوں نے اس ملک کے حال اور مستقبل کے نقشہ میں رنگ بھرنے، اس کے دارالحرب ہونے اور آئندہ کے متوقع سیاسی اقدام کے متعلق، اپنی رائے کا تذکرہ جاری رکھا، وہ اس کو اسی طرح دارالحرب کہتے اور لکھتے رہے، جس طرح اس سے پہلے کہتے تھے، ان حضرات میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بعد، سب سے ممتاز نام حضرت مولانا گنگوہی کا ہے۔

انگریز کے دور میں ملک کی شرعی حیثیت اور سیاسی تحریکات پر حضرت گنگوہی کے فتاویٰ:

حضرت مولانا گنگوہی کے، انگریز حکومت، اس کی شرعی حیثیت اور اس کی ملازمت وروابط کے حوالہ سے، کم سے کم تین فتوے دریافت ہیں، ان میں سب سے پہلا مفصل اور جامع فتویٰ وہ ہے، جو مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی نے ترجمہ کر کے سنہ ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۳ء) میں دیوبند سے شائع کیا تھا اور فتوی دارالحرب کے نام سے متعارف ہے۔ اس فتوے کا ہندوستان کی دینی علمی تاریخ، خصوصاً سنہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے، سیاسی احوال اور ان کے متعلقات میں بار بار تذکرہ آتا ہے، مگر جب یہ فتوی شائع ہوا، اس وقت اس کا سوال اور تاریخ تحریر دریافت نہیں ہوئی تھی، اس لئے ان معلومات ومتعلقات کے لئے تلاش وجستجو کی جگہ، قرائن وقیاسات پر عمارت کھڑی کی گئی، جس کی وجہ سے اس فتوے پر، جو تبصرے ہوئے اور اس کی جو تنقیحات کی گئیں، ان میں کئی روایتیں اور اطلاعات ایسی بھی شامل ہوگئی تھیں، جو صحیح نہیں۔ اس لئے اس کے متن کی نسبۂ قدیم نقل کی جستجو، اس فتوے کی تحریر کا سبب، فتوی دریافت کرنے والے عالم کا نام، اور اس کا سنہ تحریر معلوم ہونا بھی بے حد ضروری تھا۔ ان پہلوؤں کی دریافت کے بعد ہی، اس فتوے کی ملی سیاسی تاریخ سے وابستگی اور اس پر اس کے اثرات کا صحیح علم ہوسکتا ہے۔

زیرنظر فتوی اور اس کے متعلق چند مباحث:

آئندہ صفحات میں اس فتوے کا سوال نامہ، اور اس فتوے کا مکمل قدیم ترین معلوم متن پیش کیا جارہا ہے، مگر اس فتوے اور اس کے مفصل سوال نامہ کے مطالعہ سے پہلے، اس موضوع پر حضرت مولانا گنگوہی کے، تینوں معلوم فتوؤں کے متعلق ضروری معلومات اور ان کے حوالہ سے نقل بعض غلط اور بے اصل اطلاعات کی تحقیق، وتنقیح ضروری ہے، متعلقہ عنوانات یہ ہیں، جس پر آئندہ صفحات میں کچھ گفتگو ہوگی:

(۱) اس فتوے کا زمانہ تحریر اور اس کی تحریک ۱۸۵۷ء سے وابستگی کی، روایات کی حقیقت؟

(۲) حضرت مولانا گنگوہی سے یہ فتوی دریافت کرنے والے عالم کون تھے، ان کے احوال اور مشتبہ اطلاعات پر نظر

(۳) اس فتوے کے قلمی نسخے، ان کے کاتب اور ان کے مندرجات

(۴) اس فتوی کی پہلی طباعت، اس کا ترجمہ، حاشیہ اور توضیحات نگاروں کا تعارف

(۵) حضرت مولانا گنگوہی کے اس موضوع [ہندوستان کی انگریز کے دور میں شرعی حیثیت] پر معلوم چند اور فتوے۔

(۶) زیر نظر نسخہ اور اس کی ترتیب

آئندہ صفحات اسی اجمال کی تفصیل پر مشتمل ہیں۔

اس فتوے کے سنہ تحریر اور اس کے ۱۸۵۷ء سے وابستہ ہونے کی اطلاعات پر ایک نظر: حضرت مولانا گنگوہی کا یہ فتویٰ، انگریزوں کے دورِ حکومت میں، ہندوستان کے دار الحرب ہونے کے موضوع پر، برصغیر کے معروف ترین، چند فتوؤں میں سے ایک ہے۔ بعض اہلِ قلم اور مورخین نے اس کا سنہ ۱۸۵۷ء کے واقعات اور تحریک کے مباحث اور اس کے مآخذ میں بھی شمار کیا ہے۔ مثلاً مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے لکھا ہے:

''ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا [گنگوہی] کا یہ پہلا فتویٰ بزبان فارسی، وشائع کردہ مفتی محمد شفیع صاحب، یا تو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے پہلے کا ہے، یا اس کے فوراً بعد کا، جب کہ پکڑ دھکڑ بڑے پیمانہ پر جاری تھی'' (۱)

لیکن یہ خیال اور اطلاع صحیح نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی غالباً اس وجہ سے ہوئی، کہ اب تک اس فتوے کا سوال نامہ اور اس کی تاریخ تحریر وسوال معلوم نہیں تھی، صرف یہ معلوم تھا کہ اس کے مصنف و مفتی حضرت مولانا گنگوہی، ۱۸۵۷ء کی تحریک کے قائدین و عمائدین سے تھے، لہٰذا یہ خیال کر لیا گیا کہ حضرت مولانا نے، یہ فتویٰ اس تحریک کے دوران، یا اس کے بعد لکھا ہوگا، لیکن اب جب کہ اس کے سوال اور جواب دونوں کی تاریخیں اور سن تحریر صحیح طور پر معلوم ہو گئے ہیں، اس غلط فہمی کی کوئی وجہ نہیں۔

یہ فتویٰ تحریک سنہ ۱۸۵۷ء کے (سن عیسوی کے حساب سے) پورے چھتیس سال بعد، وجود میں آیا تھا، اس کے محرک مولانا سعید الدین بن وحید الدین رام پوری [رام پور منہیاران ضلع سہارنپور یوپی] تھے۔ مولانا سعید الدین نے، جو اس وقت سعید آباد، متھرا میں ملازم و مدرس تھے، حضرت مولانا کی خدمت میں، رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ میں ہندوستان کی اس وقت کی شرعی حیثیت کے متعلق، ایک مفصل سوال نامہ ارسال کیا تھا، حضرت مولانا نے اس کا مفصل جواب لکھا، جو ۷ر شوال ۱۳۱۰ھ [۲۴ر اپریل ۱۸۹۳ء] کو مکمل ہوا اور یہ عجب حسن توارد ہے، کیوں کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک کا بھی ۲۴ر اپریل کو آغاز ہوا تھا۔

لہٰذا اس فتوے کا ۱۸۵۷ء کی تحریک اور اس کے واقعات دونوں سے کچھ تعلق نہیں، اس کو ۱۸۵۷ء سے وابستہ کرنا اور اس ضمن میں، اس کا تذکرہ، درست نہیں۔

(۲) اس فتوے کا مولانا سعد الدین کشمیری سے کچھ واسطہ نہیں: اس کے پہلے مرتب وناشر، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی کو نہ اس کا سوال نامہ ملا، نہ ہی حضرت مفتی صاحب نے اس کا کسی رخ سے کچھ تذکرہ کیا، کہ حضرت

(۱) نفثۃ المصدور ۔۔۔ اور ۔۔۔ ہندوستان کی شرعی حیثیت ۔۔۔ مجموعہ مؤلفات ص: ۴۳ (علی گڈھ: ۱۹۶۸ء)

مولانا گنگوہی سے یہ سوال کس نے کیا تھا، اس موضوع پر سب سے پہلے مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی نے، اپنی تالیف "علمائے حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے" میں (۱) وضاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"چنانچہ مولانا سعدالدین صاحب کشمیری اور مولانا امان اللہ صاحب کشمیری نے، ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے متعلق، حضرت مولانا گنگوہی سے استفتا کیا (۲)

لیکن مولانا محمد میاں صاحب کے اس فقرہ میں شامل، دونوں اطلاعات غلط اور بے ثبوت ہیں۔ وہ عالم جنہوں نے حضرت مولانا گنگوہی سے، ہندوستان کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے، مفصل سوال کیا تھا اور جس کے جواب میں حضرت مولانا نے یہ مشہور فتویٰ تحریر فرمایا تھا، ان کا نام، سعیدالدین تھا، سعدالدین نہیں اور ان کا وطن سہارنپور کا ایک قریبی قصبہ، رام پور، منہیاران (ضلع سہارنپور، یوپی) تھا، اس لئے اس فتوے کا مولانا سعدالدین کشمیری سے انتساب بے جا ہے۔ اگرچہ مولانا امان اللہ کشمیری اور مولانا سعدالدین کشمیری دونوں، حضرت مولانا گنگوہی کے شاگرد تھے (۳) مگر جہاں تک معلوم ہے، ان دونوں کا اس فتوے سے کچھ تعلق نہیں، مگران دونوں کی علمی دنیا میں بوجوہ شہرت تھی، شاید اسی شہرت کی وجہ سے مولانا محمد میاں صاحب کو یہ مغالطہ ہوا۔

---

(۱) علمائے حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے، دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ کے خاتمہ پر، تالیف کی تاریخ اختتام، ۲۲ر ستمبر ۱۹۳۹ء (۷ر شعبان ۱۳۵۸ھ) درج ہے۔ ص:۳۰۴ جلد اول (الجمعیۃ بک ڈپو دہلی: بلاسنہ)

(۲) علمائے حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے ص:۹۶ حصہ اول

(۳) ملاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید، فہرست تلامذہ حضرت مولانا گنگوہی ص:۱۹۷ حصہ اول۔ مولانا امان اللہ کشمیری کا تعارف راقم کی نظر سے نہیں گذرا، مولانا سعدالدین صاحب، قاضی سری نگر کشمیر، کے متعلق چند معلومات دستیاب ہیں:

مولانا سعدالدین کشمیری کے قدیم خاندان قضات کے فرزند تھے، اعلیٰ تعلیم حضرت مولانا لطف اللہ علی گڈھی سے پائی، درس حدیث حضرت مولانا گنگوہی سے اخذ کیا، غالباً مولانا لطف اللہ صاحب سے استفادہ کے بعد گنگوہ حاضر ہوئے تھے، اس سال جب مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور مولانا حکیم رضی الحسن بھی گنگوہ میں حضرت سے صحاح ستہ پڑھ رہے تھے، اور دامن مراد پُر کر رہے تھے، اسی زمانہ میں مولانا سعدالدین صاحب بھی اخذ فیض کر رہے تھے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے، حضرت مولانا گنگوہی سے شاگردوں میں، مولانا کا بہت مختصر ساذکر کیا ہے۔ لکھا ہے:

"مولوی سعدالدین صاحب بھی گنگوہی دربار کے تعلیم یافتہ ہیں، جو آج کل سری نگر، کشمیر میں قاضی ہیں۔" تذکرۃ الرشید ص:۱۹۷ حصہ اول۔

مولانا سعدالدین صاحب ایک مرتبہ اپنے رفیق درس، مولانا حکیم رضی الحسن کاندھلوی سے ملاقات کے لئے کاندھلہ آئے تھے، مولانا رضی الحسن نے، اپنے روزنامچہ میں ۸ر محرم الحرام سنہ ۱۳۴۲ھ (۲۱ر اگست ۱۹۲۳ء) کی یادداشت میں، مولانا سعدالدین کے کاندھلہ آنے کی یادداشت لکھی ہے، جو یہ ہے:

"مولوی سعدالدین کشمیری، کہ در دورۂ حدیث مقام گنگوہ شریف شریک بود، بعد سی سال ملاقی شد، براہ دہلی آمدند" [روزنامچہ قلمی حکیم رضی الحسن صاحب]

تحریر میں کچھ سہو ہوا، غالباً اٹھائیس سال بعد ملاقات ہوئی ہوگی۔

علامہ شبلی نعمانی جون ۱۸۹۸ء (صفر ۱۳۱۵ھ) کے آخر میں کشمیر گئے تھے وہاں مولانا سعدالدین نے علامہ کی میزبانی چاہی تھی مگر علامہ نے اس کو پسند نہیں کیا، علیحدہ مکان لیکر قیام کیا۔ اسی سفر کے دوران علامہ نے اپنی مشہور کتاب الفاروق مکمل کی تھی، جس پر جون ۱۸۹۸ء کی تاریخ درج ہے۔ حیات شبلی، علامہ سید سلیمان ندوی ص:۳۳۴ (اعظم گڈھ: ۱۹۹۹ء)

مولانا سعدالدین صاحب کشمیری کے، حضرت گنگوہیؒ سے دریافت فقہی سوالات اوران کے جوابات، فتاویٰ رشیدیہ میں مختلف مقامات پر درج ہیں۔

بہر حال یہ تو طے ہے کہ، اس فتوے کے مستفتی، مولانا سعد الدین کشمیری نہیں، بلکہ مولانا سعید الدین رام پوری تھے، مگر کونسے سعید الدین؟ کیونکہ اس وقت رام پور میں بھی سعید الدین نام کے دو فاضل تھے، دونوں جید عالم تھے، دونوں فقہ وفتاویٰ سے وابستگی رکھتے تھے، ان میں سے ایک حضرت مولانا گنگوہی کے خاندانی عزیز، حدیث میں شاگرد، مرید ومنتسب اور خاص نیاز مند تھے۔ دوسرے تھانہ بھون کے فاروقی خاندان کے فرد تھے، مولانا مفتی عبد القیوم بڈھانوی سے بیعت اور صاحب درس وافادہ شخص تھے۔ اس لئے حتمی اور متعین طور پر یہ معلوم نہیں، کہ ان میں کس نے حضرت مولانا گنگوہی سے، ہندوستان کی شرعی حیثیت کے متعلق سوال کیا تھا، لیکن قرین قیاس یہی ہے، کہ مولانا سعید الدین خلف مولانا وحید الدین رام پوری نے دریافت کیا ہوگا؟ وہ حضرت کے معتمد اور قریبی اصحاب میں سے تھے، انہی کی حضرت سے خط وکتابت تھی اور دوسرے صاحب کا مستفتی ہونا بھی غیر متوقع نہیں، ان کو بھی دار الحرب کے موضوع سے دلچسپی تھی، اس لئے یہاں دونوں صاحبان کا مختصر تعارف تحریر ہے، ممکن ہے کہ آئندہ کسی ذریعہ سے ان میں سے، کسی ایک کی تعیین ہوجائے، تاہم راقم سطور کا خیال ہے کہ یہ مولانا سعید الدین بن وحید الدین رام پوری ہی تھے۔ فتویٰ دار الحرب کے سوال نامہ، یا مکتوب مولانا سعید الدین کے آغاز پر، حضرت مولانا گنگوہی کے لئے جو اشعار وکلمات درج ہیں، ان سے بھی یہی تاثر ملتا ہے، کہ یہ تحریر وسوال مولانا سعید الدین (بن حافظ وحید الدین) کا ہوگا، اس لئے ان کے تعارف کو اولیت دی گئی ہے۔

مولانا سعید الدین بن وحید الدین رام پوری: رام پور منہیاران، ضلع سہارنپور (مغربی یوپی) کا ایک پرانا قصبہ ہے، یہاں ایک انصاری خاندان اکبر بادشاہ کے دور میں سہارنپور سے، آکر آباد ہوا تھا، جس میں علم کا سلسلہ دیر تک چلا (۱) اس خاندان کے ایک فرد، مولانا حافظ وحید الدین رام پوری تھے، جو حکیم ضیاء الدین رام پوری کے غالباً چچازاد بھائی بھی تھے۔

حافظ وحید الدین ذاکر شاغل اور باخدا شخص اور حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت تھے، حضرت مولانا گنگوہی سے بے تکلف روابط رکھتے تھے اور حضرت سے استفادۂ باطنی بھی کیا تھا، ان کے حضرت مولانا کے نام خطوط سے، حافظ صاحب کی رفعت پرواز کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک خط میں لکھا ہے:

اب سنو! کہ بندہ تم کو اپنے سے عمدہ جانتا ہے، خصوصاً یہ حال جو آپ نے اپنے لکھے، اس سے تو صاف ظاہر ہوگیا، کیوں کہ یہ احوال نصیب بندہ نہیں ہوئے۔ حق تعالیٰ مبارک فرمائے اور بندہ کو بھی حصہ مل جائے۔ آمین! (۲)

---

(۱) اس خاندان کے ہندوستان آنے اور رامپور سہارنپور میں آباد ہونے نیز اس خاندان کے چند ارباب علم وارشاد کا مختصر احوال "مرآت ناصر نما" (تذکرہ مولانا محمد شفیع ناصر رامپوری) تالیف شاہ فیضان احمد حصہ اول (بریلی ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) میں ہے۔

(۲) مکاتیب رشیدیہ مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ مکتوب: ۱۳۷، ص: ۹۸ (طبع اول میرٹھ) مکاتیب رشیدیہ میں حضرت گنگوہی کے حافظ وحید الدین صاحب کے نام چار گرامی نامے شامل ہیں، مکتوب: ۹۳-۹۹۔

ایک اور مفصل گرامی نامہ میں فرماتے ہیں:

''اور وہ کیفیت یہ ہے، کہ اپنے آپ کو روبرو مالک معبود کے جانے اور شرم وحیا طاری ہو جائے، اس کا نام حضور اور یادداشت ہے، اسی کو لسان شرع میں احسان کہتے ہیں اور یہی نسبت معتبرہ ہے، کہ چلی آتی ہے۔

جب اس کا ملکہ خوب ہو جائے، تو یہی امر ہے کہ قابل اجازت تلقین کے بناتی ہے اور اس کا ہی نام ذکر قلبی ہے، اور اس سے پہلے سب مقدمات اس کے ہیں۔ مبارک ہو، پھر مبارک ہو! حق تعالیٰ اس میں ترقی فرمائے اور تمکن فرماوے، بہت شکر کی جگہ ہے، بہت بہت شکر کرنا واجب ہے'' (۱)

حافظ وحید الدین صاحب کے احوال وتاریخ وفات وغیرہ معلوم نہیں۔

مولانا وحید الدین رام پوری نے حضرت حاجی امداد اللہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ سنہ ۱۳۰۴ھ (۸۷-۱۸۸٦ء) میں مرتب کیا تھا، حضرت تھانوی نے اس کو اردو ترجمہ، مختصر حواشی اور ضروری معلومات کے ساتھ مرتب کر کے، مرقومات امدادیہ کے نام سے، امداد المشتاق کے ساتھ شامل کر کے ۱۳۴۷ھ میں شائع کر دیا تھا۔ حافظ صاحب کے فرزند مولانا سعید الدین تھے۔

ولادت اور تعلیم: مولانا سعید الدین کی تاریخ ولادت معلوم نہیں، نوعمری سے دینی تعلیم کا آغاز ہوا، جب حضرت حاجی امداد اللہ کو اس کی خبر ملی، تو اس پر اظہار مسرت کیا، دعاؤں سے نوازا، اور تحریر فرمایا کہ:

''برخوردار احمد وسعید وغیرہ کے عربی پڑھنے سے بھی فقیر کو فرحت ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کو علم نافع اور عمل صالح نصیب کرے اور عمر دراز اور صاحب قدر کرے'' (۲)

حضرت کی دعا بارگاہ الٰہی میں منظور ہوئی، اور مولانا سعید الدین کو وہ تمام نعمتیں حاصل ہوئیں، جن کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے دعا فرمائی تھی۔

مولانا سعید الدین، حضرت مولانا گنگوہی کے ممتاز شاگرد اور جید فاضل تھے، مولانا سعید الدین کے، اسباق دورۂ حدیث شریف کا ۲۱ر شوال ۱۳۰۴ھ (جولائی سنہ ۱۸۸۷ء) میں آغاز ہوا تھا، غالباً شعبان ۱۳۰۵ھ میں درس مکمل ہوا ہوگا (۳) تعلیم سے فارغ ہو کر متعدد مدرسوں سے وابستہ رہے، سنہ ۳٦-۱۳۳۵ھ (۱۷-۱۹۱٦ء) میں بھوپال چلے گئے تھے، بھوپال میں محرر کی حیثیت سے تقرر ہوا، محنت ودیانت کی وجہ سے تیزی سے ترقی ہوتی رہی، آخر میں مہتمم سائرکل، کے اعلیٰ ترین عہدہ تک

(۱) مکاتیب رشیدیہ، مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ ص: ۹۵ [طبع اول، میرٹھ]

(۲) مرقومات امدادیہ [مشمولہ امداد المشتاق] مکتوب: ۵۵۔ ص: ۱۱۲۔ مرتبہ حافظ وحید الدین رام پوری بحاشیہ مولانا سعید الدین رام پوری

(۳) آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ص: ۱۴ طبع اول، (یحیوی سہارنپور: ۱۲۷۴ھ)

پہنچے۔ ریاست میں بہت عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ہر طبقہ کے افراد میں پذیرائی حاصل تھی۔

اگرچہ ملازمت کی مصروفیات بہت رہتی تھیں مگر مولانا نے کہیں بھی قیام ہوا، اور کسی بھی ملازمت وخدمت پر فائز رہے ہر جگہ درس حدیث کا معمول بلاناغہ جاری رکھا، طلبہ کی مالی معاشی سرپرستی فرماتے، ان کی ضروریات کا بھی بہت خیال کرتے تھے، دو چار طلبہ کو اپنے ساتھ کھانے میں شامل رکھتے تھے۔ معروف اہل قلم محمد امین زبیری نے (جنہوں نے مولانا کو قریب سے دیکھا تھا) لکھا ہے:

"وہ دورے میں ہوں یا مقیم صبح کے وقت دو چار طلباء کو حدیث وفقہ کا درس، ان کا لازمۂ زندگی تھا، ان کے دسترخوان پر چند طلباء خصوصاً ناشتہ اور شب کے کھانے کے وقت، ضرور ہوتے تھے، وظیفہ یاب ہونے کے بعد بھی یہی نظام اوقات تھا" (۱)

مولانا وحید الدین کے، حضرت مولانا گنگوہی سے جو روابط تھے، مولانا سعید الدین میں اس کا پورا اثر آیا، اور مولانا بھی ہمیشہ حضرت مولانا کے دامن فیض سے وابستہ رہے۔ مولانا سعید الدین کے نام حضرت مولانا کے مکتوبات سے ان روابط اور اعتماد کا اندازہ ہوتا ہے، جو حضرت مولانا کو مولانا پر تھا۔ حضرت مولانا کے گرامی ناموں سے یہ بھی واضح ہورہا ہے کہ مولانا، حضرت کو اپنے تمام حالات ومسائل سے باخبر رکھتے تھے اور حضرت مولانا حسب ضرورت ہدایت ورہنمائی بھی فرماتے رہتے تھے، حضرت مولانا کے مکتوبات کے بعض مندرجات سے، مولانا کے روحانی کمالات ومرتبہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا نے ایک خط میں تحریر فرمایا ہے:

"اگرچہ تم کو ایسی حالت میں کہ اسباب ظاہری پر نظر نہیں، کچھ لکھنا لغو ہے، مگر تاہم بحکم: الدين النصحية لکھتا ہوں، کہ بار بار زیارت وطن اور بہانہ دلداری خَتَن، تدبیر کے خلاف ہے، اگر حق تعالی نے سامان رزق مقرر کردیا ہے، اس کو متغیر متنکر بنانا اور پرخاش عباد کا سبب ٹھہرانا قرین مصلحت نہیں، آئندہ جو مناسب جانو" (۲)

دار العلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن: مولانا سعید الدین صاحب کو، حضرت مولانا گنگوہی کی نسبت اور خاندان حضرت مولانا قاسم نانوتوی سے قرابت کی وجہ سے، دار العلوم دیوبند سے والہانہ سا تعلق تھا، دار العلوم میں، حضرت گنگوہی کے سرپرستی کے آغاز کے وقت سے، معمول چلا آرہا تھا کہ رامپور گنگوہ وغیرہ سے خانوادہ کا، کوئی فاضل مدرسہ کی شوری کا رکن بنایا جاتا تھا، سب سے پہلے ممبر، مولانا حکیم ضیاء الدین رامپوری تھے، پھر ان کے بھتیجے، مولانا حافظ احمد رامپوری اس کے لئے نامزد کئے گئے، مولانا احمد کی رکنیت شوری کے، (۳) چار سال بعد، ۱۳۲۴ھ میں مولانا سعید الدین بھی مجلس شوریٰ کے لئے

---

(۱) بھوپال کا علمی جائزہ۔ مضمون از محمد امین زبیری۔ مشمولہ بھوپال نمبر فکر وآگہی، دہلی۔ مرتبہ رضیہ حامد صاحبہ ص: ۶۹۱ (طبع اول: ۱۹۹۶ء)

(۲) مکاتیب رشیدیہ ص: ۹۶ (۳) دار العلوم کی صد سالہ زندگی۔ تالیف مولانا قاری محمد طیب صاحب ص: ۱۰۳ (طبع اول دیوبند: ۱۳۸۵ھ)

منتخب کر لئے گئے تھے، جو اس وقت سے وفات تک، بہت دلچسپی اور اہتمام سے، مدرسہ کی بھرپور خدمت کرتے رہے۔

شوریٰ کے اجلاس کا وقت آتا، تو کئی دن پہلے دیوبند پہنچتے، مدرسہ کے معاملات کو دیکھتے، کاغذات کو جانچتے اور مجلس شوریٰ میں رکھنے کے لئے، ان کی ترتیب و تکمیل فرماتے۔ مجلس کی تجاویز لکھنا اور اس کے متعلق تحریری کام انجام دینا، اپنی سعادت سمجھتے تھے اور کئی دن تک اس میں مشغول، وقت گذارتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی روداد میں، مولانا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دارالعلوم کی خدمت میں شغف کا حال یہ تھا، کہ مجلس شوریٰ کے ہونے سے چند روز بیشتر، آپ تشریف لاتے تھے، اور وہ تمام کاغذات، جو شوریٰ میں پیش ہونے والے ہوتے تھے، آپ ان کو مرتب فرمایا کرتے تھے۔ جلسہ کے دوران میں، تمام روداد شوریٰ کا لکھنا، تجاویز کا مسودہ بنانا اور بعد میں ان کا صاف کرانا، یہ سب کچھ آپ نے اپنے ہی ذمہ لے رکھا تھا، آپ ان تمام کاموں کو عبادت عظمیٰ خیال فرماتے تھے اور اکثر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر، اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے، اپنا بیشتر وقت دارالعلوم کی ان ہی خدمات میں گذارتے تھے"(۱)

اخلاق وعادات ومزاج: علم وفضل، دیانت وسچائی اور خوش خلقی میں ممتاز ومعروف تھے، وسیع القلب تھے، ہر اک فکر وخیال کے افراد سے بے تکلف ملتے اور ضرورت ہوتی، تو نہایت نرمی سے بحث وگفتگو کرتے، تعصب اور شدت مزاج سے بہت دور تھے۔ نصیحت وگفتگو نہایت مؤثر تھی، دینی ودنیاوی وجاہت سے بہرہ ور تھے۔ محمد امین زبیری صاحب نے، بھوپال کے ممتاز علماء میں مولانا کا ذکر کیا ہے، جو لائق مطالعہ ہے۔ لکھتے ہیں:

علماء کے زمرہ میں، مولوی سعید الدین کو بھی شامل کرنا چاہئے، جو دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ بھوپال میں ان کی پوزیشن، ایک سیویلین افسر کی تھی، انہوں نے محرری سے ترقی کی اور ذمہ دارانہ عہدوں پر مامور رہے۔ وہ دورے میں ہوں یا مقیم، صبح کے وقت دو چار طلباء کو حدیث وفقہ کا درس، ان کا لازمہ زندگی تھا۔ ان کے دسترخوان پر چند طلباء، خصوصاً ناشتہ اور شب کے کھانے کے وقت ضرور ہوتے تھے، وظیفہ یاب ہونے کے بعد بھی یہی نظام اوقات تھا۔

نہایت وجیہ خوش لباس اور نفیس طبع تھے۔ ایسے پیرایہ میں نصیحت کرتے تھے کہ مؤثر ہو جاتی تھی، وسیع القلب تھے، ہر خیال کے آدمی سے مخلصانہ و بے تکلفانہ ملتے تھے اور نرمی سے بحث کرتے تھے، متعصبانہ ذہنیت کا پتہ نہ تھا۔

شرعی پائجامہ (جس کا کمر بند گلے میں ہوتا یا اس میں پتلون کی گیٹس لگے ہوتے) قمیص، شیروانی اور ترکی ٹوپی پہنتے تھے، کبھی کبھی مولویانہ عمامہ اور قبا بھی، بلیرڈ اور کرو کے کھیلوں میں مشاق تھے(۲)

---

(۱) روداد، دارالعلوم دیوبند ۱۳۴۷ھ

(۱) بھوپال کا علمی جائزہ۔ مضمون از محمد امین زبیری۔ مشمولہ بھوپال نمبر۔ فکر وآگہی، دہلی۔ مرتبہ رضیہ حامد صاحبہ۔ ص:۲۹۱ (طبع اول:۱۹۹۶ء)

مولانا کا مرتبہ حاشیہ مکتوبات امدادیہ: مولانا کی ایک مختصر سی علمی تحریری خدمت، حضرت حاجی امداد اللہ کے مجموعہ مکتوبات (مرقومات امدادیہ) میں، درج اشخاص کا تعارف ہے۔ یہ مجموعہ مکتوبات، مولانا کے والد، مولانا حافظ وحید الدین رام پوری نے مرتب کیا تھا، حضرت مولانا تھانوی نے مولانا سعید الدین سے، اس میں مذکور شخصیات وعلماء وغیرہ کی تعیین کرائی اور مولانا عبدالحی حیدر آبادی سے، ان مکتوبات گرامی کا ترجمہ کراکے، مرقومات امدادیہ کے نام سے، امداد المشتاق کے ساتھ شائع فرمادیا۔ مولانا شبیر علی تھانوی نے اس خدمت کا ذکر کرتے ہوئے، لکھاہے کہ:

''ان مکتوبات میں بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی اس طرح آئے ہیں، کہ فہم مضامین، ان کے حالات معلوم ہونے پر موقوف ہے، بناءً علیہ، جناب مولانا سعید الدین صاحب ابن مولانا محمد وحید الدین صاحب، جامع مکتوبات سے، ان حضرات کے مختصر حالات تحریر فرمانے کی استدعا کی گئی، ممدوح نے نہایت خوشی سے اس کو منظور فرمایا(۱)

وفات: مولانا سعید الدین کی بھوپال میں، ۲۴ رذی قعدہ سنہ ۱۳۴۷ھ (۳ رمئی سنہ ۱۹۲۹ء) کو وفات ہوئی (۲) وہیں دفن کئے گئے۔ علمی دینی حلقوں میں مولانا کی وفات کا گہرا صدمہ ہوا، مولانا سے جو ایک فیض جاری تھا، اس کے ختم ہونے پر تاسف ظاہر کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند نے، جس کی مجلس انتظامیہ کے، مولانا تقریباً چوتھائی صدی تک رکن رہے، مولانا کی کمی کو بہت محسوس کیا۔ دارالعلوم کی روداد میں مولانا کا تذکرہ ہوا، اور مولانا کی وفات سے مدرسہ کے لئے، جو خلا پیدا ہوگیا تھا، اس کا خاص اہتمام وتذکرہ کیا گیا۔ روداد کا مفصل اقتباس درج ذیل ہے:

اس حادثہ [مولانا احمد نانوتوی مہتمم دارالعلوم، دیوبند کی وفات] کے چند ماہ بعد ہی، حضرت مولانا سعید الدین صاحب مرحوم، رامپوری مشیر المہام ریاست بھوپال، کی وفات ہوگئی، جس سے مجلس شوری کے کاموں میں، زبردست کمی اور نقصان اہل بصیرت نے محسوس کیا۔ مولانا سعید الدین صاحب مرحوم رامپوری، دارالعلوم کے ان قدیم ممبران میں سے تھے، جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

آپ کی تمام عمر، مدرسہ کی جان نثاری ہمدردی وخیر خواہی میں گذری۔ اسی کے ساتھ آپ کا علم وفضل، راستبازی، وجاہت دینی ودنیوی، خوش خلقی ومروت، ایسے اوصاف تھے، جن میں آپ یگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ آپ کا تعلق بوجہ ریاست بھوپال میں ہونے کے، بظاہر شغل درس وتدریس خاطر خواہ نہ تھا، مگر باوجود اس کے، اس

(۱) حاشیہ صفحہ دوم، مرقومات امدادیہ (عکس طبع اول: ۱۳۴۷ھ)

(۲) تاریخ کبیر (مفصل تاریخی یادداشت نامہ) تحریر وتالیف، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی، فوٹو اسٹیٹ نسخہ مؤلف، مملوکہ راقم سطور

زمانہ میں بھی آپ اس مشغلہ سے خالی نہ رہے، ایک دو طالب علم آپ کے مکان پر حاضر ہوکر، حدیث وتفسیر، اصول فقہ اور فقہ وغیرہ کی، بڑی بڑی کتابیں آپ سے پڑھتے رہتے تھے۔

دارالعلوم کی خدمت میں شغف کا یہ حال تھا، کہ مجلس شوریٰ کے ہونے سے چندروز پیشتر، آپ تشریف لاتے تھے، اور وہ تمام کاغذات، جو شوریٰ میں پیش ہونے والے ہوتے تھے، آپ ان کو مرتب فرمایا کرتے تھے۔ جلسہ کے دوران میں تمام روداد شوریٰ کا لکھنا، تجاویز کا مسودہ بنانا اور بعد میں ان کو صاف کرانا، یہ سب کچھ آپ نے اپنے ہی ذمہ لے رکھا تھا، آپ ان تمام کاموں کو عبادت عظمیٰ خیال فرماتے تھے، اور اکثر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اس کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے، اپنا بیشتر وقت دارالعلوم کی ان ہی خدمات میں گذارتے تھے۔ فتنۂ اختلاف ۱۳۴۴ھ میں آپ نے جس سرگرمی سے دارالعلوم کی حمایت واعانت میں، غیر معمولی حصہ لیا، اس کے لئے القاسم والانصار شورائے مقالی شاہد عدل ہیں، اسی لئے مولانا کی وفات کا صدمہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ودیگر ارکان مدرسہ، اور تمام جماعت دارالعلوم نے، غیر معمولی طور پر محسوس کیا اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کی وفات سے، مدرسہ کی اور مجلس شوریٰ کی قوت انتظامیہ، وہیئت ترکیبیہ کو جو نقصان عظیم پہنچا، اس کی تلافی آج تک نہ ہوگی، فی زمانہ ایسے مخلص کارکن کہاں۔ حق تعالیٰ آپ کی مغفرت فرماکر، آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

دارالعلوم میں جب آپ کی وفات کا تار پہونچا، طلبہ ومدرسین وملازمین نے ملکر قرآن خوانی وکلمہ طیبہ کا ختم کرکے آپ کے لئے ایصال ثواب کیا" (۱)

مولانا سعید الدین بن علیم الدین رامپوری: مولانا سعید الدین کے عہد میں، رام پور میں اسی نام کے ایک اور عالم بھی تھے، جو مولانا علیم الدین، بن شیخ احمد بخش کے فرزند، اور تھانہ بھون کے اس معروف فارقی خاندان کے فرد تھے، جس سے تھانہ بھون کے، مشہور علماء اور مشائخ وابستہ ہیں (۲) یہ خاندان سنہ ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں، تھانہ بھون کی بربادی کے بعد، رامپور آکر آباد ہوگیا تھا۔

مولانا سعید الدین کی نسبت مولانا کی تحریروں سے چند مختصر سی ناتمام معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مولانا سعید الدین، مفتی عبدالقیوم بڈھانوی سے بیعت تھے (۳) غالباً کچھ دنوں بھوپال میں بھی قیام رہا تھا، مولانا سعید الدین کو ہندوستان کی

---

(۱) روداد، دارالعلوم دیوبند ......سنہ ۱۳۴۷ھ...... ص: ۱۷۔

(۲) مولانا معیز الدین فاروقی کا، دادھیالی ننھیالی نسب نامہ ان اوراق پر مفصل درج ہے، جو مولانا کی مملوکہ شامی [حاشیہ درمختار] کے ساتھ شامل ہیں۔ یہ نسخہ مدرسہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور میں محفوظ ہے۔

(۳) مولانا عبدالقیوم سے بیعت کا واقعہ، اور مفتی عبدالقیوم صاحب کی عنایت کی ہوئی ایک مفصل سند بیعت بھی، مولانا سعید الدین نے اپنی تحریرات میں نقل کی ہے۔ مولانا کی مذکورہ تمام تحریروں کے فوٹو اسٹیٹ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں۔ (نور)

شرعی حیثیت کے مباحث سے دلچسپی تھی، مولانا نے مولانا قاضی محمد ایوب پھلتی کا، رسالہ دار الحرب بھی ۱۳۰۰ھ میں نقل تھا،[یہ نسخہ مظاہر علوم سہارنپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔] ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) تک حیات تھے۔

مولانا کو فقہ حنفی سے ذوق تھا، شامی پر مولانا کے مختصر اشارات وافادات درج ہیں۔ مولانا کے تعلیم وتلمذ وغیرہ کے متعلق کچھ معلوم نہیں اور مولانا کے حضرت مولانا گنگوہی سے، کسی رابطہ کی بھی ہنوز کوئی اطلاع دستیاب نہیں، اس لئے قرین قیاس ہے کہ، حضرت مولانا گنگوہی کے نام سوال اور مکتوب، مولانا سعید الدین خلف مولانا وحید الدین کا ہے۔ بہ ظاہر موخر الذکر، مولانا سعید الدین (بن علیم الدین) کا اس فتوے سے کچھ تعلق نہیں۔

اس فتوے کے قلمی نسخے: اس فتوے کی اگرچہ تحریر کے فوراً بعد، نقلیں شروع ہوگئی تھیں، خود حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنے فتوے کے آخر میں تحریر فرمایا ہے: میں یہ مسودہ بھیج رہا ہوں امید کہ اس کی نقل لینے کے بعد، اصل تحریر یہاں واپس بھیج دیں گے، کیوں کہ یہاں بھی کچھ لوگ اس نقل کا ارادہ رکھتے ہیں:

"ایں مسودہ را روانہ می کنم، امید کہ بعد نقلش، روانہ این صوب فرمایند کہ بعض مردم این جا، ہم قصد نقلش می دارند"

حضرت کے تلامذہ اور متوسلین کا معمول بھی یہی تھا، کہ وہ حضرت مولانا کی اکثر اہم تحریروں اور فتاوی کی نقل محفوظ کرنے کی، کوشش کرتے تھے، بہ ظاہر اس پر بھی، متعدد حضرات نے توجہ فرمائی ہوگی، یہی وجہ ہے کہ حضرت کی وفات کے ایک عرصہ بعد تک، اس کی متعدد نقلیں موجود تھیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع نے مطبوعہ نسخہ کی تمہید میں لکھا ہے:

"حضرت کے اقارب وتلامذہ میں، دوسرے متعدد حضرات کے پاس بھی، اس کی نقلیں موجود ہیں"

مگر افسوس کہ اب ان میں سے اکثر نقلیں معدوم اور بے نام ونشاں ہوچکی ہیں، صرف دو قدیم ومعتبر قلمی نسخے معلوم ہیں، پہلا حضرت مولانا گنگوہی کے ایک پرانے شاگرد اور مجاز طریقت، مولانا صادق الیقین صاحب کرسوی (۱) کی باقی ماندہ

(۱) مولانا صادق الیقین خلف مولانا سراج الیقین۔ کرسی ضلع بارہ بنکی میں ولادت ہوئی، مولانا حکیم محمد حسین سے متوسطات، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے مدرسہ جامع العلوم کان پور میں درسیات کی اکثر کتابیں اور معقولات پڑھیں۔ کان پور سے کاندھلہ آئے، مولانا حکیم صدیق احمد کاندھلوی نے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اس میں پڑھا، (مولانا صادق الیقین کے اپنے والد کے نام خطوط میں اس کی تفصیلات لکھی ہیں، جو راقم نے پڑھے ہیں اور ان کے فوٹو اسٹیٹ میرے پاس موجود ہیں۔) مولانا صدیق احمد کاندھلوی کی رہنمائی میں، حضرت مولانا رشید احمد کی خدمت میں گنگوہ میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا سے حدیث شریف مکمل کی۔ حضرت مولانا گنگوہی، مولانا کی لیاقت وذہانت کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔

اول اپنے والد سے بیعت ہوئے، سنہ ۱۳۱۰ھ میں حج کے لئے حاضر ہوئے حضرت حاجی امداد اللہ سے شرف بیعت حاصل کیا، مکہ مکرمہ میں قرأت وتجوید میں کمال حاصل کیا۔ مدینہ منورہ میں شیخ ظاہر علی وتری سے اجازت حدیث اور سند لی۔ مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی سے بھی اجازت وسند حاصل کی۔ حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے، یہ سفر اصلاح باطن بیعت اور استفادہ کے لئے ہوا تھا، لمبے عرصہ تک حضرت مولانا سے استفادہ کیا اور اجازت وخلافت حاصل فرمائی، اتباع سنت میں نہایت کامل تھے۔

شوال سنہ ۱۳۳۳ھ (ستمبر ۱۹۱۵ء) میں ہجرت کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے، حج کے فوراً بعد ۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ (نومبر ۱۹۱۵ء) کو مکہ معظمہ میں وفات ہوگئی۔ معلومات کے لئے مولانا کے والد مولانا شاہ سراج الیقین کی مؤلفات: شمس العارفین ۹۴-۹۵ (افضل المطابع ہردوئی) ۱۳۳۳ھ اور سراج وہاج (سفر نامہ حج، خدا بخش لائبریری جرنل (شمارہ ۷۵-۷۷) نیز مولانا پر، راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی کا مضمون مندرجہ سہ ماہی احوال وآثار، کاندھلہ۔ شمارہ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ/ اگست ۱۹۹۴ء، ملاحظہ ہو۔

چند کتابوں میں شامل ہے، دوسرا نسخہ جو علامہ انور شاہ کشمیری کے قلم سے ہے، خانقاہ رحمانیہ مونگیر (بہار) میں محفوظ تھا، اس نسخہ کا عکس مولانا منت اللہ مونگیری نے "ہندوستان اور دار الحرب" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ دونوں کا تعارف درج ذیل ہے:

نسخہ کرسی، مکتوبہ ۱۳۲۲ھ: اس فتوے کا خانقاہ نجاتیہ کرسی (ضلع بارہ بنکی) میں موجود نسخہ قدیم ترین معلوم نسخہ ہے۔ یہ ایک مجموعہ [تحریرات و رسائل] میں شامل ہے جو تمام حضرت مولانا گنگوہی کے چند اہم ترین جوابات و مکتوبات پر مشتمل ہے، اس مجموعہ کا تصوف، اصطلاحات تصوف اور مشائخ و صوفیاء کے متعلق، خلیفہ ابو محمد محی الدین کے ایک مفصل سوالنامے اور اس کے نہایت جامع جواب سے آغاز ہوا ہے، اس کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی، حضرت مولانا سے وہ اہم خط و کتابت نقل کی ہے، جو بعد میں تذکرۃ الرشید میں شائع ہوئی تھی۔ بعد ازاں یہ فتوی اور اس کا سوال نامہ نقل کیا گیا ہے، جو [صفحہ ۳۵ کے نصف آخر سے صفحہ ۴۶ کے اختتام تک] ساڑھے آٹھ صفحات پر مشتمل ہے، آخری ڈیڑھ صفحہ میں سجدہ غیر اللہ کے سلسلہ میں، مولانا احمد حسن مراد آبادی کے ایک سوال کا جواب نقل ہے، گویا یہ مجموعہ کل سینتالیس صفحات میں ہے۔ تحریر پختہ مگر رواں ہے، ترقیمہ، کاتب درج نہیں، لیکن صفحہ ۱۷ کے حاشیہ پر یعنی خلیفہ ابو محمد محی الدین۔ کے سوال کے جواب کے اختتام پر، کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت لکھا ہے۔

"بقلم ناچیز محمد احمد عفی عنہ...... المرقوم، ۲۷؍ ذوالقعدہ ۱۳۲۲ھ یوم پنجشنبہ وقت ۷؍ بجے صبح"

فی صفحہ سترہ سے بیس تک سطریں ہیں، پہلے سترہ صفحات کے حواشی پر، خلیفہ ابو محمد محی الدین کے سوالات کا جواب نقل ہوا ہے، درمیان سے دو تین کے علاوہ اکثر صفحات کے حاشیے سادہ ہیں۔

نسخہ مونگیر، مکتوبہ بدست حضرت علامہ انور شاہ کشمیری: اس فتوے یا رسالہ کا ایک عمدہ صاف نسخہ، شہرۂ آفاق جلیل القدر عالم اور محدث، علامہ انور شاہ کشمیری کے قلم سے، خانقاہ رحمانیہ مونگیر، کے ذخیرہ میں محفوظ تھا، اس ذخیرہ کا یہ نسخہ مولانا عبد الماجد صاحب (کمراؤں ضلع دربھنگہ، بہار) کی خانقاہ کی لائبریری کو عنایت کی ہوئی، کتابوں میں شامل ہے۔ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے اس نسخہ کا عکس، خانقاہ مونگیر سے سنہ ۱۳۸۳ھ (۶۴-۱۹۶۳ء) میں، عمدہ آرٹ پیپر پر شائع کر دیا تھا۔ یہ طباعت صرف آٹھ صفحات پر مشتمل ہے، پہلا صفحہ سرورق کا ہے، دوسرے پر کتب خانہ رحمانیہ کا فوٹو ہے، تیسرے چوتھے صفحہ پر، مولانا منت اللہ رحمانی کے قلم سے، اس نسخہ کی وجہ اشاعت اور اس کا تعارف: "تقریب" کے عنوان سے درج ہے۔ تین صفحات پر حضرت شاہ صاحب کا مکتوبہ نسخہ، یا فتوی آیا ہے، آخری صفحہ سادہ ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مولانا منت اللہ رحمانی نے اس کو، حضرت شاہ صاحب کی تالیف سمجھا ہے اور اسی حیثیت سے شائع بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"میری خوش نصیبی ہے کہ حضرت (علامہ انور شاہ کشمیری) کی ایک علمی تحریر جس کا تعلق ہندوستان کے دار الحرب

ہونے سے ہے، آپ کے ایک لائق شاگرد، جناب مولانا عبدالماجد صاحب کمراوٗں ضلع دربھنگہ، کے ذریعہ حاصل ہوئی اور الحمدللہ، کہ آج اس کی اشاعت کی سعادت نصیب ہو رہی ہے

حضرت شاہ صاحب نے اپنی اس تحریر میں، سب سے پہلے، کسی ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کی، اصل وبنیاد بیان کی ہے"

سمجھ میں نہیں آتا، کہ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب جیسے جید فاضل اور باخبر عالم کو، اتنا بڑا مغالطہ، کس طرح ہوا، یا تو مولانا رحمانی صاحب، حضرت مولانا گنگوہی کے اس فتوے سے واقف ہی نہیں تھے، یا اس کا مطبوعہ نسخہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، ورنہ ایسا دعویٰ نہ فرماتے، جس کا ثابت کرنا ممکن نہیں۔ بلاشبہ یہ تحریر یا فتویٰ، حضرت علامہ انور شاہ کے قلم سے ہے، مگر یہ حضرت علامہ کی اپنی تالیف یا افادہ نہیں ہے، بلکہ حضرت علامہ نے، ان صفحات میں حضرت مولانا گنگوہی کا وہی معروف فتویٰ نقل کیا ہے، جو بعد میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ذریعہ سے، شائع ہو کر عام ہوا۔ مولانا رحمانی کی اس فروگذاشت پر، مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے متوجہ اور متنبہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، کہ یہ تحریر لکھی ہوئی حضرت الاستاد کے ہاتھ کی ہی ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت الاستاذ اس کے صرف ناقل ہیں، مصنف نہیں، کاتب ہیں، صاحب تحریر نہیں، اس بنا پر اس تحریر میں جو کچھ درج ہے، اس کو شاہ صاحب کی رائے یا فتویٰ قرار دینا، قطعاً غلط ہے (۱)

نسخہ مونگیر اور نسخہ مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب میں، کوئی بڑا بنیادی فرق نہیں ہے، بلکہ کئی مرتبہ یہ خیال آتا ہے کہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو جو نسخہ ملا تھا، وہ غالباً حضرت علامہ کے مکتوبہ نسخہ، یا ایسی کسی کا اصل پر مبنی ہے، جس سے دونوں نسخے نقل کئے گئے ہیں۔ بہر حال یہ نسخہ جو مولانا منت اللہ نے شائع کیا ہے، نہ حضرت علامہ کشمیری کی تالیف ہے، نہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مذکورہ فتویٰ کے علاوہ، کوئی اور تحریر! یہ وہی فتویٰ ہے جو حضرت مولانا گنگوہی نے، مولانا سعیدالدین کے سوال کے جواب میں، تحریر فرمایا تھا۔ مولانا اکبرآبادی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"اب آپ حضرت شاہ صاحب کی تحریر کو، حضرت گنگوہیؒ کی تحریر کے ساتھ ملا کر پڑھئے، تو معلوم ہوگا کہ اول الذکر موٗخرالذکر کی حرف، بحرف نقل ہے، فرق اگر ہے تو صرف اس قدر، کہ فتوے کے ناقل، چوں کہ حضرت شاہ صاحب خود ہیں، اس لئے املا اور کتابت کے اغلاط سے، یہ تحریر بالکل پاک وصاف ہے" (۲)

نسخہ مطبوعہ دیوبند اور مطبوعہ مونگیر کے مقابلہ سے، یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ دونوں کی اصل ایک ہے اور

(۱) نفثة المصدور ——— اور ——— "ہندوستان کی شرعی حیثیت" مولانا سعید احمد اکبرآبادی ص:۳۲ (علی گڈھ:۱۹۶۸ء)

(۲) ہندوستان کی شرعی حیثیت ص:۳۳

ان دونوں میں جو جزوی اختلاف ہے، وہ راقم سطور کے مرتبہ نسخہ کے حاشیہ میں درج دونوں کے اختلافات سے واضح ہو جائے گا۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ مونگیر سے شائع رسالہ: ''ہندوستان اور دار الحرب'' کا حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے کتابت کے علاوہ کسی اور پہلو سے انتساب درست نہیں، یہ حضرت مولانا گنگوہی کا وہی معروف فتویٰ ہے، اس لئے نسخہ مونگیر کو بھی اس فتوے کے بنیادی نسخوں میں شمار کیا جانا چاہئے۔

طبع اول، دیوبند، ۱۳۵۲ھ: اس فتویٰ کی پہلی اشاعت وہ ہے، جو مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی کے ترجمہ اور حاشیہ کے ساتھ اول مفتی صاحب کے رسالہ، ماہ نامہ المفتی دیوبند میں مضمون کی صورت میں چھپی تھی، اس کے بعد، ''فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار الاسلام...... المعروف بہ کیا ہندوستان دار الحرب ہے''؟ کے نام سے، دار التبلیغ دیوبند سے ۱۳۵۲ھ (غالباً جمادی الاولیٰ، اگست و ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء) میں، کتابی صورت میں شائع ہوئی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس فتویٰ کا اردو ترجمہ کیا، حوالوں کی مراجعت کی، چند توضیحات اور اضافے، مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری (۲) صدر مفتی دار العلوم دیوبند نے بھی کئے۔ یہ اس نسخہ کی اب تک کی واحد کتابی اشاعت ہے، اگر چہ اس رسالہ یا اشاعت سے نقل ہو کر، یہ فتویٰ اور جگہ بھی چھپا ہے، مگر ان متأخر اشاعتوں پر اعتماد صحیح نہیں۔

مفتی محمد شفیع صاحب کا چھپا ہوا نسخہ سولہ صفحات کا ہے، پہلا صفحہ سرورق کا ہے، دوسرے پر، مولانا محمد شفیع کی مرتبہ تمہید ہے، صفحہ ۳ سے ۱۴ تک فارسی فتویٰ اور ترجمہ اور حاشیے درج کئے گئے ہیں۔ اب اس طباعت کے نسخے بھی کم یاب ہیں، تاہم ہمارے ذخیرہ میں، اس طباعت کا صاف ستھرا ایک عمدہ نسخہ موجود ہے (۲)

اس طباعت کے متعلق، مولانا محمد میاں صاحب کی اطلاعات درست نہیں: مولانا محمد میاں صاحب نے اپنی کتاب، ''علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' میں اس فتوے (مطبوعہ دار الاشاعت دیوبند) کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، وہ غلط فہمی ہی نہیں بلکہ تہمت کے زمرہ میں آسکتا ہے۔ مولانا نے لکھا ہے:

---

(۱) یہ اختلافات نسخ، زیر نظر طباعت میں درج نہیں کئے گئے، ان کے وہ اشاعت ملاحظہ ہو، جو صرف اسی نسخہ اور اس کے متعلقات پر، مع اس متن اور ترجمہ کے علیحدہ شائع ہوئی ہے۔ (نور)

(۲) مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری سنہ ۱۸۷۳ (۹۱-۱۲۹۲ھ) سن ولادت ہے ۱۴ رجب سنہ ۱۳۶۷ھ ۲۳ مئی سنہ ۱۹۴۸ء کو وفات ہوئی، مفصل حالات کے لئے دیکھئے: حیات مولانا محمد سہول عثمانی بھاگلپوری، مؤلفہ محمد تسیم الدین فیروزی (کراچی: ۱۹۷۰ء)

(۳) یہ نسخہ میرے والد ماجد مدظلہ کے ایک اہم سبق اور خاص دوست، مولانا محمد عاقل الہ آبادی (سابق آرگنائزر، جمعیۃ علمائے ہند) کا مملوکہ ہے، مولانا عاقل صاحب کے قلم سے اس کے آخری صفحات پر مفصل حاشیے لکھے ہوئے ہیں۔

”حضرت امام ربانی نے نہایت مبسوط اور مدلل فتوی فارسی زبان میں تحریر فرمایا، جس کی اشاعت کانگریسی وزارتوں سے پہلے ناممکن رہی، اور جیسے ہی (۱۹۳۷ء میں) کانگریس وزارت قائم ہوئی، تو بازار کے چلنے والی چیز تصور کر کے، اس کو ایسے بزرگ نے شائع فرمایا، جن کا مسلک اس فتوے کے خلاف ہے۔ پھر آخر میں شمس الہدیٰ پٹنہ کے سابق پرنسپل نے، ایک صفحہ کا بے معنی فتوی لگا کر مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا“(۱)

افسوس کہ مولانا محمد میاں نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے، اس میں جو باتیں کہی گئی ہیں بلاشبہ وہ سب غلط ہیں:

الف: یہ فتوی کانگریس کی وزارت بننے سے چار سال پہلے، سنہ ۱۳۵۲ھ غالباً جمادی الاولی (اواخر اگست/ستمبر ۱۹۳۳ء) میں شائع ہو چکا تھا، کانگریس کی یوپی میں پہلی وزارت، وسط سنہ ۱۹۳۷ء (وسط ۱۳۵۶ھ) کے بعد قائم ہوئی تھی،(۲) اس لئے مفتی صاحب کی اس خدمت واشاعت کو کانگریسی وزارتوں سے جوڑنا ناواقفیت اور بے خبری، یا شاید مسلم لیگ اور اس کی جدوجہد سے وابستہ علماء سے، کھلی نفرت اور صاف تعصب پر مبنی ہے۔

ب: مولانا مفتی محمد شفیع نے اس فتوے کو اس کے دینی ملی مفادات کی وجہ سے نہیں، بلکہ بازار کی چلنے والی چیز سمجھ کر شائع کیا تھا۔ حالاں کہ اگر دیکھئے تو اس سولہ صفحہ کی مختصر سی، کتاب کی اشاعت سے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو (بشرطے کہ یہ کتاب بہت جلد اور تیزی سے فروخت ہوگئی ہو) زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپے کی بچت ہوئی ہوگی، جو مفتی صاحب کے لئے کوئی بات نہیں تھی، لہذا یہ بات بھی بے جا اور نامناسب ہے۔

ج: یہ بھی سراسر الزام ہی ہے، کہ اس فتوے کے مرتب وناشر (مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) کا عمل اس فتوے کے خلاف تھا، بلکہ جس کسی نے حضرت مولانا گنگوہی کے اس موضوع کے فتاوی کو توجہ سے پڑھا ہے، وہ جانتا ہے کہ حضرت گنگوہی کا مسلک ہی وہی تھا، جس پر مفتی شفیع وغیرہ کا عمل تھا، حضرت مولانا گنگوہی، اس وقت سیاسی تحریکات کے حق میں اور ان کے ہم نوا نہیں تھے۔ بعد میں حالات نے کیا رخ اختیار کیا، اس کی کیا وجوہات واسباب تھے، وہ ایک الگ بحث ہے۔

د: مولانا محمد میاں صاحب نے، مولانا مفتی محمد سہول صاب کا تعارف بھی اس طرح کرایا ہے، جس سے مفتی صاحب کے لئے غلط تاثر پیدا ہوتا ہے، اس فتوے کا حاشیہ لکھتے وقت مولانا محمد سہول دار العلوم کے اعلیٰ درجہ کے مدرس اور صدر مفتی تھے۔ نیز مولانا محمد سہول، مولانا لطف اللہ علی گڈھی، مولانا محمد حسن کانپوری اور محمد فاروق چڑیا کوٹی کے علاوہ، شیخ الہند مولانا محمود حسن کے بھی خاص شاگرد تھے، حضرت مولانا گنگوہی سے تلمذ کی بھی ایک روایت ہے، کثیر استفادہ تو بہر حال ثابت ہے۔ مولانا

---

(۱) علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے صفحہ:۹۶۔ حصہ اول

(۲) بعض معلومات کے لئے دیکھئے: یاد ایام (آپ بیتی) نواب سعید احمد خاں (نواب چھتاری۔ جو اس وقت یوپی کے گورنر تھے) حصہ دوم (علی گڈھ: بلا سنہ۔ نیز اپنی کہانی (آپ بیتی) ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ سابق صدر جمہوریہ ہند۔ (دہلی: ۱۹۶۱ء)

دار العلوم میں مدرس رہے، اس کے بعد حضرت شیخ الہند کے حسب ہدایت اور مختلف مقامات پر درس دیا۔ مولانائ شیخ الہند کی ہدایت پر، مدرسہ عالیہ کلکتہ وابستہ ہوئے، پھر شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل کے لئے انتخاب ہوا، پھر دار العلوم دیوبند کے بلانے پر دوبارہ دیوبند آ گئے تھے، لہذا مولانا سہول صاحب کو صدر مفتی دار العلوم لکھنا چاہئے تھا۔

مولانا محمد سہول صاحب نے اس تحریر میں صرف یہ لکھا ہے کہ، میں نے خود حضرت مولانا گنگوہی سے سنا ہے کہ:

"ہندوستان دار الامان ہے" مولانا سہول نے ساتھ ہی اپنی رائے بھی لکھ دی ہے، کہ ہندوستان سے ہجرت کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ صراحت نہیں ملی، مگر قرائن سے واضح ہے کہ ہندوستان کی شرعی حیثیت کے متعلق، حضرت مولانا گنگوہیؒ کی جس زبانی روایت کا، مولانا محمد سہول نے ذکر کیا ہے، وہ دراصل حضرت مولانا گنگوہی کے، اس مفصل فتوے کا حاصل اور ترجمانی ہے جو فتویٰ مجلس الانصار (دار العلوم دیوبند) کے پہلے سالانہ جلسہ، منعقدہ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۹ھ (اپریل ۱۹۱۱ء) میں پڑھا اور سنا گیا تھا، بعد میں مجلس الانصار کی روداد میں بھی شائع کیا گیا تھا، اس وقت تک اکابر علمائے ہند کی متفقہ رائے تقریباً یہی تھی، جو اس فتوے میں درج ہے اس میں جو تبدیلی آئی وہ بعد کے حالات کا اثر تھا، اس لئے مولانا محمد سہول کی اس رائے اور حاشیہ پر ناگواری، بے محل معلوم ہوتی ہے۔

میرے خیال میں، اس اندراج کے ساتھ ہی، مولانا محمد میاں صاحب کو یہ اعتراف بھی فرمانا چاہئے تھا کہ، مولانا محمد سہول کی ہجرت نہ کرنے کے متعلق، رائے بالکل درست تھی، تحریک ہجرت سے ہندوستان کے مسلم نوجوانوں کو، جو غیر معمولی اور ناقابل تلافی نقصان ہوا اور اس بے مقصد ہجرت کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہزاروں، مسلمان نوجوان جس طرح خانماں برباد ہوئے، اس کو برصغیر کی ملی تاریخ کا ایک المیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے مولانا محمد سہول کی اس رائے اور حاشیہ پر ناگواری بے محل ہے۔

ہندوستان کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے زیر بحث، فتوائے دار الحرب، اس موضوع پر حضرت مولانا گنگوہی کا پہلا اور آخری فتویٰ نہیں ہے، اسی سلسلہ میں حضرت مولانا کے کم سے کم دو فتوے اور معلوم ہیں، جو فتوائے دار الحرب کے بعد لکھے گئے ہیں، یہ دونوں فتوے مفصل فتوے سے خاصے مختلف ہیں، ان میں پہلا فتویٰ جو نسبۃً مختصر ہے، اس میں حضرت مولانا نے اپنی سابقہ مفصل رائے سے، کسی قدر رجوع فرماتے ہوئے، لکھا ہے کہ:

بہ ظاہر تحقیق بندہ کو خوب نہیں ہوئی...... اور لکھا ہے کہ: اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔

یہ مختصر فتویٰ، فتاوی رشیدیہ کی نئی پرانی تمام اشاعتوں میں شامل ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ کی پہلی دوسری طباعت میں صراحت ہے کہ، حضرت نے یہ فتویٰ، حافظ اللہ دیہ صاحب مقیم بسی کوٹلہ، ضلع بجنور کے، منجملہ بتیس سوالات میں سے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ سوالات یک جا تھے، حضرت نے اپنے معمول کے مطابق ان کے جوابات بھی، بیک وقت

تحریر فرمائے اس فتوے کی تحریر کی تاریخ، حضرت کے قلم سے ۱۶ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ (۱۷ ستمبر ۱۸۹۴ء) درج ہے، اس لئے مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا یہ خیال درست نہیں کہ:

"قیاس کہتا ہے کہ یہ اگر واقعی حضرت گنگوہی کی تحریر ہے بھی، تو فتوائے ثانی پر یقیناً برسوں مقدم ہوگی (۱)

لہٰذا یہ کہنا تو اب درست نہیں، کہ یہ فتویٰ معروف مفصل فتوے کے بعد کا ہے۔ اس سے صرف یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت نے دار الحرب ہونے کی، اپنی رائے پر جلد ہی نظر ثانی فرمائی تھی، اس خیال یا نظر ثانی کا آغاز اسی مختصر فتوے سے ہوا تھا۔ اس فتوے کے الفاظ یہ ہیں:

سوال: ہند بقول امام یا صاحبین، کیا دار الحرب ہے، اگر نہیں، تو مولانا محمد اسماعیل صاحب دہلوی نے صراط مستقیم میں کس وجہ سے، عصر ماضیہ میں اکثر کی نسبت ایسا لکھا ہے اور فتنۂ سابقہ میں، اکثر اکابر، اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف کیوں مائل تھے۔ (۲) اگر مستامنین قرار دیکر ارتفاع امان کو علت کہا جاوے، تو یہ بھی محل تأمل ہے۔ بینوا بالتفصیل۔

الجواب: ہند کے دار الحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے۔ بہ ظاہر تحقیق حال بندہ کو خوب نہیں ہوئی، حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں، کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ گنگوہیؒ (۳)

---

(۱) ہندوستان کی شرعی حیثیت ص: ۳۵

(۲) شاہ محمد اسماعیل شہید نے صراط مستقیم میں فرمایا ہے: "حال ہندوستان را دریں جز و زمان کہ سنہ یک ہزار و دو صد و سی و سوم است کہ اکثرش دریں ایام دار الحرب گردیدہ" صراط مستقیم فارسی ص: ۱۰۵ (مطبع ضیائی میرٹھ: ۱۲۸۵ھ)

ہندوستان کا حال اس وقت جو سنہ ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ء) ہے، یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ دار الحرب ہو گیا ہے۔

(۳) ملاحظہ ہو: فتاویٰ رشیدیہ، مرتبہ حافظ عزیز الدین مراد آبادی۔

الف: طبع اول صفحہ ۴۱۔ حصہ دوم، مطبع افضل المطابع (مراد آباد: ۱۳۲۳ھ)

ب: طبع دوم ص: ۴۱ (مراد آباد: ۱۳۲۷ھ)

ج: طبع سوم ص: (ہندوستانی پرنٹنگ ورکس دہلی۔ برائے مطبع قاسمی دیوبند: ۱۳۳۳ھ)

د: طبع چہارم، (مبوب باہتمام مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوری/ کتاب الاشتات) ص: ۱۵۵ حصہ دوم (کتب خانہ رحیمیہ، دہلی: ۱۳۴۸ھ)

مذکورہ بالا نسخے فقہی ترتیب پر مرتب نہیں، سب سے پہلے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری کے اہتمام اور نگرانی میں فتاویٰ رشیدیہ کی تدوین و ترتیب ہوئی تھی، اس ترتیب میں جملہ فتاویٰ الگ الگ کر کے، ابواب فقہ کی ترتیب پر درج کئے گئے تھے، اس لئے اس میں درج تمام فتووں کی ترتیب بھی بدل گئی اور یہ بھی معلوم نہ رہا کہ کونسا فتویٰ کس نے اور کب دریافت کیا تھا۔ یہ مبوب مجموعۂ فتاویٰ سب سے پہلے کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد/ پھر جامع مسجد دہلی سے ۱۳۴۸ھ (۱۹۳۰ء) اور ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس ترتیب و اشاعت میں مذکورہ بالا فتویٰ دوسرے حصہ کے آخر میں باب متفرقات [کتاب الاشتات] میں درج ہے...... ملاحظہ ہو: ص: ۱۵۵ حصہ اول (دہلی: ۱۳۴۸ھ)

اس مختصر فتوے کے بعد حضرت نے اپنے گذشتہ فتوے پر مفصل نظر ثانی کی، بعض مجمل اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ، حضرت مولانا نے (اپنے ایک اہم معمول کے مطابق) اس فتوے کو اشتہار کی صورت میں، شائع کر کے تقسیم کرادیا تھا۔ یہ فتویٰ اس کے بعد کم سے کم دو مرتبہ اور چھپا تھا، دوسری اشاعت جو پہلی اشاعت کی طرح اشتہار کی صورت میں تھی، اس پر منجملہ اور علماء کے، (شیخ الہند) حضرت مولانا محمود حسن کے بھی تائیدی دستخط تھے۔ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے سوانح شیخ الہند میں لکھا ہے کہ:

"حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے نام سے، ایک زمانہ میں بضرورت شرعی، جو فتاویٰ عدم جواز غدر بامعاہدین اور حرمت قتل معاہدین کے شائع ہوئے، وہ حضرت مولانا (شیخ الہند) کے تصدیق فرمودہ اور دستخط سے مزین تھے" (۱)

اس فتوی کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیجئے کہ، اس کو حضرت شیخ الہند کی رہنمائی میں قائم، دیوبند کی ممتاز دینی علمی تنظیم، مؤتمر الانصار کے، پہلے سالانہ جلسہ ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) کی روداد میں یہ فتویٰ ایک معتمد مشترکہ دستاویز کے طور پر شامل کیا گیا تھا، یہی اس کی آخری معتبر اشاعت ہے (۲)

حضرت گنگوہی کا یہ آخری فتوی، غالباً ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۰ء) سے پہلے کا ہے، اس وقت تک برطانوی حکومت اپنے ان معاہدوں اور اعلانات کی پابند تھی، کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی اور مسلمانانِ ہند، حکومت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

جب تک برطانوی حکومت نے اس کی پاسداری کی، مسلمان بھی اس کے پابند رہے، اور جب خود اصل فریق نے، اس کی علی الاعلان خلاف ورزی شروع کردی، اپنے طے کئے ہوئے تمام وعدوں کو کالعدم کرتے ہوئے، تمام اصولوں اور معاہدوں کو توڑ دیا اور خصوصاً مسلمانوں کے مقدس مقامات پر دست درازی شروع کردی، اس وقت علمائے ہند نے بھی، اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی ضرورت سمجھی، اس وقت انگریز کے خلاف تحریر و بیان کے علاوہ، فتاوی اور عملی میدانی جدوجہد کی بھی دوبارہ ترتیب و تشکیل کی گئی۔ یعنی علماء کرام نے یہ ربانی اصول پیش نظر رکھا تھا کہ:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل :۷)

اگر بھلائی کی تم نے بھلا کیا اپنا، اور اگر برائی کی تو اپنے لئے (ترجمہ شیخ الہند)

مگر حضرت مولانا گنگوہی، ان معاملات سے برسوں پہلے، ۱۳۲۳ھ (اگست ۱۹۰۵ء) میں وفات پاچکے تھے، اس لئے اس کے بعد، اس موضوع پر حضرت کے قلم سے کوئی اور فتویٰ نہیں آیا۔ یہی فتویٰ اس سلسلہ میں حضرت مولانا کی آخری رائے ہے۔

(۱) حیات شیخ الہند، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی۔ ص: ۲۲۰ (لاہور: ۱۹۷۷ء)
(۲) روداد اجلاس اول، مؤتمر الانصار مرادآباد سنہ ۱۳۲۹ھ ص: ۵۰ (مطبع قاسمی دیوبند بلا سنہ)

نیز اس فتوے کی وجہ سے، حضرت مولانا گنگوہی پر جلد رائے بدلنے کا اعتراض بھی بے محل ہے، یہ فتاویٰ کے تضاد یا عدم اطمینان واستقلال کی بات نہیں، بلکہ درحقیقت یہ اس وقت کے سیاسی حالات اور برطانوی حکومت کے قول وعمل کا تضاد تھا، جس کی وجہ سے متعلقہ مسائل اور احکام بھی متاثر بلکہ تبدیل ہو گئے۔

حضرت مولانا کے فتووں کے اس اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے، مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی یہاں پیش نظر رہنا چاہئے۔ مولانا کہتے ہیں:

"جب حالات ذرا بہتر ہوئے مگر مطلع بالکل صاف نہیں ہوا تھا، تو مولانا کو اب پہلی رائے پر اصرار تو نہیں رہا، لیکن ساتھ ہی کھل کر دارالحرب ہونے کی نفی بھی نہیں کر سکے اور جیسا کہ فتویٰ رشیدیہ میں ہے کسی قطعی بات کے کہنے سے معذرت فرمادی۔ پھر جب حالات اور زیادہ بہتر ہوئے، امن وامان مکمل طور پر بحال ہو گیا اور مذہبی فرائض ومعمولات بلاخوف وخطر ادا ہونے لگے، تو اب حضرت گنگوہی نے اس کو دارالامان ہی قرار دیا" (۱)

حضرت مولانا گنگوہی کی پوری زندگی، اس کی گواہ ہے کہ حضرت مولانا مسائل شرعیہ کی تحقیق وتحریر میں، صرف اور صرف حکم شریعت کو سامنے رکھتے تھے، اگر کسی مسئلہ پر کسی بھی وجہ سے رائے تبدیل ہوتی، تو اس کا بھی اظہار واعلان فرمادیتے تھے۔

اگرچہ حضرت مولانا نے برطانوی نظام حکومت میں، اسیر مملکت ہند کے دارالحرب ہونے کا مفصل فتویٰ صادر فرمادیا تھا، مگر غالباً حالات کے نسبۃً وسیع مطالعہ اور ملک میں جاری، حکومت کے اعلانات وقوانین کی وجہ سے، جلد ہی یہ خیال ہو گیا تھا کہ اس ملک کی واقعی حیثیت اب وہ نہیں رہی جس کا اس فتوے میں اظہار ہوا ہے، اس لئے حضرت مولانا کو اپنی تازہ رائے کا اعلان واظہار کرنے میں ذرا بھی تأمل نہیں ہوا، کیوں کہ نہ وہ پہلا فتویٰ کسی دنیاوی مقصد ومنافع پر مبنی تھا نہ ہے۔ حضرت مولانا کا اصول یہ تھا کہ جو مسئلہ معلوم ہے اس کی وضاحت شرعی مجھ پر ضروری ہے، ایک فتوے کے ضمن میں اپنے اس نظریہ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"بندہ مفتی ہے، مسئلہ حق جو اپنے نزدیک ہوتا ہے، اس کو بتانا فرض ہی جانتا ہوں" (۲)

اس فتوے کا ذکر آیا ہے، تو یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ مجلس الانصار کے اجلاس، مراد آباد (۱۳۲۹ھ-۱۹۱۱ء) کو زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ ہندوستان کے سیاسی حالات میں یکلخت غیر متوقع تبدیلی آ گئی، اس اجلاس کے وقت تک ہندوستان میں ایک متوازن اور گویا غیر جانبدارانہ نظام حکومت کارفرما تھا، جس کے تحت مذہبی معاملات میں ہر اک کے لئے کامل آزادی، تعلیم ملازمت اور ترقی کے موقعوں پر، سب کے لئے یکساں ضوابط اور کسی بھی قوم کے مذہبی معاملات میں، مداخلت نہ کرنے کے اصول بنیادی حیثیت رکھتے تھے، جس کی وجہ سے ہر اک طبقہ، اس وقت برطانوی حکومت کو ایک ناگزیر آفت سمجھ کر،

---

(۱) ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۴۳

(۲) درجواب سوال: ذکر جہر کونسی حدیث سے ثابت ہے؟ مرسلہ میاں جی عبدالرحمن (ہنسپور ضلع بجنور یوپی) مشمولہ فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۳۰ حصہ دوم (طبع اول مراد آباد: ۱۳۲۳ھ)

اور اپنے مذہب اور وسائل معاش کی طرف سے ایک حد تک مطمئن ہو کر، سیاسی معاملات و مسائل سے تقریباً یکسو ہو گیا تھا، اور موقع بہ موقع سرکار سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتا رہتا تھا، یہاں تک کہ برصغیر کے عام باشندوں کی ترجمان، سمجھی جانے والی تنظیم کانگریس بھی اسی راہ کی مسافر تھی، وہ بھی پوری طرح انگریز حکومت کی ہم نوا اور وفادار تھی، اور ہر موقع پر وفاداری سرکار کے اعلان میں پیش پیش رہتی تھی (۱)

اگر چہ کانگریس ۱۸۸۵ء (۱۳۰۳ھ) میں قائم ہو گئی تھی، مگر کانگریس کے کسی اجلاس میں برطانوی حکومت کے حالات پر کھلا تبصرہ، یا ہندوستانیوں کے سیاسی مفادات کے لئے آزاد آوازیں، کانگریس کے قائم ہونے کے، تقریباً بائیس سال بعد، ۱۹۰۷ء (۱۳۲۵ھ) میں پہلی مرتبہ سنی گئیں تھیں، لیکن اس وقت بھی کانگریس کے ایک طاقتور حلقہ نے، اس انداز و تبصرہ کی کھل کر مخالفت کی تھی، جس پر کانگریس دو گروپوں میں تقسیم ہو گئی تھی (۲) کانگریس کے قیام کے تیس سال کے بعد، تقریباً ۱۹۱۵ء میں اس پر اتفاق رائے ہوا تھا کہ کانگریس کو ملک کے باشندوں کے لئے، آزادانہ آواز اٹھانی چاہئے۔ جب ایسے باخبر اور انہی مقاصد کے لئے قائم، تنظیم (کانگریس) کا یہ حال تھا کہ وہ لمبے عرصہ تک سیاسی حقوق کے لئے کوئی آواز بلند نہ کر سکے، تو جو لوگ سیاسی میدان میں موجود ہی نہیں تھے، ان سے اس وقت ایسے سیاسی اقدامات کی امید نہیں کرنی چاہئے۔

اور اگر چہ شروع سے کچھ مسلمان بھی، کانگریس کے ہم نوا تھے اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا گنگوہی کا، ایک فتویٰ یا مکتوب بھی شائع ہو چکا تھا، مگر ہندوستان کے مسلمانوں میں ۱۸۵۷ء کی باقی ماندہ چنگاریاں، اس وقت شعلہ بن کر نمودار ہوئیں، جب ہندوستان پر قابض حاکم طبقہ نے، پوری دنیا کے مسلمانوں کی دل آزاری اور خلافت اسلامیہ ترکی کو پارہ پارہ کرنے کے لئے بڑے بڑے اقدامات کئے اور ہندوستانی قائدین اور مسلمانوں کو انگریزوں کی اسلامی دشمنی میں کی گئی بڑی بڑی سازشوں کا پتہ چلا اور برطانیہ کی حکومت نے، اپنے باقاعدہ معاہدوں کی کھلی خلاف ورزی شروع کی اور خلافت عثمانیہ سے کئے گئے، تمام معاہدوں کو یک طرفہ توڑ دیئے۔

یہ بلقان کی دوسری جنگ تھی، جس کی حرارت سے مسلمانان عالم کے دل سوختہ اور مضطرب تھے، اس کی وجہ سے مسلمان رہنما بھی، اپنے تمام پرانے معاہدوں اور معاملات پر نظر ثانی کر کے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو رہے تھے، کہ اس وقت پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کا، برطانیہ سے بڑا دشمن کوئی نہیں، جس کے یہاں نہ کسی معاہدہ کا پاس ہے، نہ اپنی زباں اور قول و قرار کا خیال! بالکل ایسے ہی حالات تھے، جیسے آج کل ہیں کہ پورا عالم اسلام اور مسلم دنیا امریکہ کے مظالم کی چکی میں، مسلسل پس رہی ہے مگر اس

---

(۱) کانگریس کا دوسرا اجلاس دسمبر ۱۸۸۶ء میں کلکتہ میں منعقد ہوا تھا جس میں ایک تجویز یہ بھی منظور ہوئی تھی کہ:
"ملکہ معظمہ قیصر ہند کو جوبلی کا مبارک باد دیا جائے اور ان کی درازیٔ عمر اور ترقی دولت کے واسطے دعا مانگی جائے" (لکھنؤ: ۱۹۸۷ء)
رپورٹ، تیسری انڈین نیشنل کانگریس دسمبر ۱۸۸۷ء مرتبہ و مؤلفہ گنگا پرساد ورما:

(۲) معلومات کے لئے دیکھئے تواریخ کانگریس، ڈاکٹر بی پٹا بھائی سیتا رامیہ۔ ص: ۱۶۱۔ اردو ترجمہ (طبع اول لاہور بلا سنہ)

کی کہیں کوئی دادوفریاد نہیں ہے۔ایسے وقت میں یہی ہوتا ہے کہ کمزور سے کمزورتو میں، بڑی سے بڑی طاقت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، بزن ابول دیتی ہیں اور کہہ دیتی ہیں کہ تنگ آمد بہ جنگ آمد! ایسے ہی حالات میں یہ فیصلہ بھی کیا جاتا ہے کہ:

کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑادو

بہر حال حضرت مولانا کے ان دونوں فتووں کے، برصغیر ہند کے مسلمانوں اور یہاں کی ملی تاریخ پر، گہرے اثرات محسوس کئے گئے۔ حضرت مولانا گنگوہی کے شاگردوں اور منتسبین کی، ایک جماعت نے حضرت مولانا گنگوہی کی وفات کے عرصہ کے بعد، سیاسی امور ومعاملات میں، پہلے فتوے [دارالحرب] کو اپنا رہنما بنایا، دوسری جماعت نے، دوسرے کو۔ یہ اختلاف رائے جو اس وقت پہلی مرتبہ، سامنے آیا تھا، آج تک اسی طرح جاری ہے۔ اس میں کس نے کیا کھویا کیا پایا، یہ ایک لمبی اور پر پیچ بحث ہے، جی چاہتا ہے کہ اس کا مفصل تذکرہ ہو زیر نظر صفحات اس کا محل نہیں (۱)

حضرت مولانا گنگوہی کے قلم سے شرکت کانگریس کی شروط اجازت: ہندوستان کی شرعی حیثیت کے حوالہ سے، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اسوقت تک صرف یہی تین فتوے معلوم ہیں، جن کا تذکرہ ہوا۔ تاہم حضرت کی ایک تحریر یا فتوی اور ہے، جس میں اگر چہ ہندوستان کی شرعی حیثیت یا برطانوی نظام حکومت سے، اتفاق واختلاف کا کچھ تذکرہ نہیں، مگر ہندوستان کی سیاسی تحریکات کے تذکرہ میں، اس کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، یہ تذکرہ مسلمانوں نے بھی کیا ہے اور غیر مسلموں نے بھی، جس میں کانگریس کے بڑے قائدین اور برصغیر کے ممتاز سیاسی رہنما بھی شامل ہیں، اس لئے یہاں اس کو نظر انداز کرنا صحیح نہ ہوگا۔

کانگریس، جو بعد میں ایک بڑی اور جاندار سیاسی جماعت، کے طور پر افق پر نمودار ہوئی اور اس وقت سے آج تک برصغیر کی سیاسی زندگی اور سرگرمی کے ہر اک دور، ہر پہلو پر اثر انداز رہی ہے، ایک ایسی تنظیم کے طور پر قائم کی گئی تھی، جس کا مقصد، انگریز حکومت کو، ہندوستانیوں کے نظریات وخیالات سے آگاہ کرنا اور ان کی ضرورتوں اور مطالبات سے واقف رکھنا تھا۔ یہ تنظیم اس وقت بمبئی کے انگریز کمشنر ہیوم (HUME) (۲) نے قائم کی تھی، جس کے بنیادی مقاصد اور اصول میں یہ بات بھی شامل تھی، کہ ایسے امر کی بحث سے گریز کیا جاوے، جو خلاف سرکار ہو۔

اس تنظیم نے مقبولیت حاصل کی، اعلی تعلیم یافتہ ہندوستانیوں نے اس کا خیر مقدم کیا، مسلمان بھی اس میں شریک ہوئے، لیکن بعض مسلمانوں کو اس کی شرکت سے اختلاف بھی تھا، ان کے کچھ سوالات اور شبہات بھی تھے۔ اس وقت مولانا محمد لدھیانوی نے (جو کانگریس کے پرزور حامی اور بعد کے ایک نامور سیاسی قائد، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے دادا تھے)

(۱) سن ۱۸۵۷ء میں علمائے سلسلہ ولی اللہیہ امدادیہ، کی قیادت میں جو جنگی معرکہ، محاذ شاملی وتھانہ بھون برپا ہوا تھا، اس کی مفصل تاریخ متعلقہ تمام پہلوؤں اور تفصیلات کے ساتھ راقم سطور لکھ رہا ہے۔ ایک اور کتاب سنہ ۱۹۱۷ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک برصغیر کی مسلم سیاست پر بھی لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو ان شاء اللہ تعالیٰ! ایک ایسی کتاب جس میں تمام مباحث وعنوانات پر کھل کر گفتگو ہو اور جو کسی جمعیۃ وجماعت کی، کسی ایک تنظیم وگروہ کی، کانگریس اور مسلم لیگ کی تاریخ نہ ہو کسی ایک کا قصیدہ اور کسی ایک کا مرثیہ نہ ہو بلکہ ہندی ملت اسلامیہ کے احوال واغلاط، مصائب ومعاملات کی معتبر ودیانتدارانہ تصویر ہو، جس میں ہر ایک کا بے لاگ منصفانہ تجزیہ متوقع ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ (نور)

(۲) ALLAN QCTAYIAN HUME

کانگریس میں شرکت کے متعلق، ہندوستان کے چند بڑے علماء کی رائے دریافت کی، جس میں حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی شامل تھے۔ اس کے سوال نامہ میں (جو محمد علی بھیم کے نام سے بھیجا گیا تھا) دو سوال تھے، کانگریس میں شرکت اور سرسید احمد کی تنظیم سے، وابستگی کا شرعی حکم! حضرت مولانا گنگوہی نے دونوں کا حسب معمول، ساتھ ہی جواب لکھا۔ کانگریس میں شرکت کے متعلق سوال اور اس کا جواب یہ ہے:

"**سوال:** ایک جماعت قومی مسمی بہ نیشنل کانگریس، جو ہندو اور مسلمان وغیرہ سکنائے ہند کے، واسطے رفع تکالیف وجلب منافع دنیاوی چند سال سے قائم ہوئی ہے، اور اس کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث انہی امور میں ہو، جو کل جماعت ہائے ہند پر مؤثر ہوئی، اور ایسے امر کی بحث سے گریز کیا جاوے، جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو، یا خلاف سرکار ہو..... تو ایسی جماعت میں شریک ہونا، درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع وشرا و تجارت میں کرلیویں، اس طرح میں کہ کوئی نقصان دین میں، یا خلاف شرع معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے، جائز ہے اور مباح ہے۔"

اس کے بعد سرسید احمد کے متعلق، چند سطور تحریر ہیں [سرسید احمد اور ان کی تحریک کے متعلق، سوال وجواب دونوں، اپنے موقع پر درج ہو چکے ہیں، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں] پھر لکھا ہے:

"ہنود سے شرکت معاملہ کرلینا، اور اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملہ سے بھی، کوئی خلاف شرع امر لازم آتا ہو، یا مسلمانوں کی ذلت یا اہانت یا ترقی ہنود ہوتی ہو، وہ کام بھی حرام ہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اسی طرح پر ہے اور بس۔ فقط۔
بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ"(۱)

بہر حال یہ بھی اس سلسلہ کا ایک ضمنی فتوی یا تحریر ہے، جس سے ہندوستان کے مذاہب اور قوموں کے افراد میں، مشترکہ مفادات کے معاملات میں، حضرت مولانا گنگوہی کی رائے ایک درجہ میں، سامنے آجاتی ہے۔ یہی اس فتوے یا تحریر کے یہاں پیش کرنے کا مقصد ہے۔

نسخہ کی تدوین میں راقم سطور کی خدمت: جیسا کہ ذکر ہوا، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے، فتوائے دار الحرب کے، اس وقت تک صرف تین نسخے معلوم ہیں۔ جس میں دو جو نسبۃً متاخر ہیں، شائع ہو چکے ہیں، جو نسخہ قدیم ترین معلوم ہے، وہ اب تک شائع نہیں ہوا تھا، آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

---

(۱) نصرت الابرار۔ مرتبہ مولانا محمد لدھیانوی..........ص: (لاہور: ۱۳۰۶ھ)
فتاویٰ قادریہ۔ مرتبہ مولانا محمد لدھیانوی..........ص: ۴۸-۴۷ (لاہور: ۱۳۰۶ھ)
نصرت الابرار اور فتاویٰ قادریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر حضرت گنگوہی کا ایک مفصل فتویٰ اور بھی تھا، جو مولانا لدھیانوی کے گھرانہ میں موجود تھا، مگر وہ فتویٰ نہ کہیں نقل ہوا اور نہ اب تک اس کا سراغ ملا۔

(۸۶۵)

ہندوستان دارالحرب ہے، یادارالاسلام؟

سوال ومکتوب مولانا سعید الدین صاحب رام پوری

بنام محدث عصر، فقیہ جلیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

اے بیش ازاں کہ درقلم آید ثنائے تو ☆ واجب براہل مشرق ومغرب دعائے تو
اے در بقائے ذاتِ تو، نفع جہانیاں ☆ باقی باد ہرکہ بخواہد بقائے تو

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ! الحمد للہ تاحال بعافیت ہستم وعافیت سامی، از دل وجاں خواہاں می باشم۔

بعض اعلام، فتوی بہ نبودن ہندوستان دارالحرب، بدلیل مسائل وروایات فقہیہ مرقومۃ الذیل، دادہ اند۔ چوں ایں روایات بنظر احقر گذشتند واحقر دراں ایام، کہ برائے تحصیل شرف قدم بوسی بخدمت حاضر شدہ بود، از زبان مبارک سامی شنیدہ بودم، کہ ایں بلاد مطابق رائے بندہ دارالحرب ہستند۔ آں وقت بمشاہدہ ضعفِ سامی، جرأت استفسار در یافت وجہ حکم وروایت فقہیہ نکردم۔

لہٰذا! حالا عرض میدارم، کہ اگر باقدرے تفصیل روایات فقہیہ، کہ ازاں بودن ہندوستان دارالحرب مستنبط میشود، تحریر فرمایند، واز طریق استنباط نیز اطلاع بخشند، از اخلاق نبویہ سامی بعید نخواہد بود۔ ایں روایات اینست۔ خزانۃ المفتین میں ہے:

دارالإسلام لاتصير دارالحرب إلّا بإجراء أحكام الشّرك فيها ، وأن يكون متصلاً بدارالحرب، لايكون بينها وبين دارالحرب مصرٌ آخر للمسلمين ، وأن لايبقى فيهامسلم وذمّي آمناً بالأمان الأوّل، فمالم توجد هذه الشّرائط، لاتصير دارالحرب.

ومعنى قولنا: أن لايبقى فيهامسلم أوذمى آمناً بالأمان الأول،أن لايبقى فيها مسلم أوذمى آمناعلى نفسه إلّابأمان المشركين.

وقالا اذا اجروا فيها أحكام الشرك، فانها تصير دارالحرب، سواء كانت متصلة بدارالحرب اولم تكن ، بقى فيها مسلم اوذمى آمناً بالأمان الاول اولم يبق.

ودار الحرب تصير دار الاسلام باجراء احكام الاسلام فيها، وإن زال غلبة اهل الاسلام. كذافي شرح السير....لأبي اليسر.

أن دار الاسلام لاتصير دار الحرب،مالم يطل جميع ماصارت به دار الاسلام، لأن الحكم اذاثبت بعلة، فما بقى من العلة شئ يبقى ببقائه.

وفى المنثور: دار الاسلام باجراء احكام الاسلام، فما بقى علقة من علائق الاسلام، يترجح جانب الاسلام. وفى البزازية: قال السيد الامام: والبلاد التى فى ايدى الكفرة اليوم، لاشك انها بلاد الاسلام، بعد ان لم يظهر فيها احكام الكفرة بل القضاة مسلمون.

وأمّاالبلاد التي عليهاوالٍ من جهتهم، فيجوزبه إقامة الجمعة والأعياد،أخذ الخراج، و تقليد القضاة،وتزويج الأيامى. وأمّاالبلاد التي عليها ولاة كفار، فيجوز فيها أيضاً إقامة الجمعة والأعياد، والقاضى قاضٍ بتراضى المسلمين.

وقدتقرّرأن بقاء الشيَّ من العلة يبقى الحكم، وقد حكمنا بأنّ هذه الدّيار قبل استيلاء التتار كانت من ديار الإسلام، وبعد استيلائهم إعلان الجمع والجماعات، والحكم بمقتضى الشرع، والفتوىٰ والتدريس شائع بلانكير من ملوكهم، فالحكم بأنها من دار الحرب لاجهة له، اى درايةً وروايةً .

وإعلان بيع الخمورواخذ الضرائب والمكوس، والحكم من رسم التتار (هو) كإعلان بنى قريضة بطلب الطاغوت، ومع ذلک كانت بلدة إسلام بلاريب.

وذكر أنه انما يصير دار الحرب بإجراء أحكام الكفر، وأن لايحكم فيها بحكم من الاسلام،وأن يتصل بدار الكفر وأن لايبقى فيهامسلم اوذمى امنا بالأمان الأول، فإذاوجدت الشرائط كلهاصارت دارالحرب. وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ماكان، اويترجح جانب الإسلام احتياطاً.

وفى شرح الزيادات للعتابي: دارالاسلام إنّما يصير دارالحرب بثلاث شرائط، أحدها: إجراء أحكام الكفار على سبيل الاشتهار.

والثانى: أن تكون متاخمة أى متصلة بدارالحرب،لايتخلّل بينهما بلدة من بلادالإسلام.

والثالث: أن لايبقى فيها مسلم أو ذمی آمنا بالأمان الأول، فشرط هذه الشرائط ليكون علما تاما على تمام القهر والإستيلاء، اذدار الاسلام يحتاط لإرتباطه لها، وعندهما يصير دار الاسلام دار الحرب، بإجراء أحكام الكفر فيها.

ودر طحطاوی، حاشیہ در مختار اینکہ:

قوله باجراء احكام الشرک أی علی الاشتهار، وأن لايحكم فيها بحكم اهل الإسلام.

(وفی) الهنديه وظاهره إن أجريت أحكام المسلمين وأحكام اهل الشرک لايكون دار حرب. انتهىٰ.

پس ایں بلاد نہ بمذہبِ امام صاحب ونہ بمذہب صاحبین رحمہم اللہ، دار الحرب تو انند شد، چہ موقوف و معطل شدن، احکام اسلام بالکلیہ شرط متفق علیہ معلوم میشود، وفقدان ایں شرط ظاہر! چہ بسیارے از احکام اسلام، تاہنوز باقی وجاری اند۔

واگر ایں بلاد مطابق رائے حضور دار الحرب باشند، پس دریں بلاد حکم گرفتن سود ورہن از کفار چہ باشد، ونیز از منشاً وماخذ ایں روایت کہ از کتاب وسنت باشد، ایمائے زیب رقم فرمایند۔

درصیرت دار الحرب دار الاسلام، اگر جریان بعض احکام اسلام کافی تواند بود، پس ظاہر أتمامی روے زمین دریں زمان دار الاسلام خواہد بود۔ والسلام خیر ختام۔۔ فقط

۱۷/شعبان ۱۳۱۰ھ [۷/مارچ ۱۸۹۳ء]

سعد آباد ضلع متھرا

....

....

جواب استفتاء مولانا سعید الدین رام پوری

از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفا عنہ

عنایت فرمائے بندہ، مولوی سعید الدین صاحب، دام اشفاقہم

بعد سلام مسنون الاسلام، مطالعہ فرمایند۔ خطِ ایشاں بماہ رمضان در بابِ تحقیق مسئلہ دار الحرب رسید، از آنجا کہ طبع خود مضمحل از مدت شدہ، و در رمضان زیادت براں شد، از تحریر جواب قاصر ماندم، اکنوں آنچہ می توانم، می نگارم۔

باید شنید کہ مدار بودن، حکم بلدے وملکے بدار الاسلام وبدار الحرب، بر غلبہ مسلماناں وغلبۂ کفار است وبس!

لہذا ہر موضع کہ مقہور حکم مسلمین است، آں را بلاد اسلام گفتہ خواہد شد، وہر محلے کہ مغلوب حکم کفار است، دار الحرب نامیدہ خواہد شد۔ قال فی جامع الرموز:

دار الاسلام مایجری فیہ حکم امام المسلمین، وکانوا فیہ آمنین. **ودار الحرب** ماخافوا فیہ من الکافرین، انتہیٰ۔

وقال فی رد المحتار:

سئل قاری الہدایۃ عن البحر الملح، أمن دار الحرب أو الاسلام؟ أجاب انہ لیس من احد القبیلتین، لأنہ لا قہر لأحدٍ علیہ انتہیٰ۔(۱)

غرض از نقل ایں عبارت آنست، کہ مدار بودن دار کفر واسلام، بر غلبۂ کفر واسلام است وبس! اگر چہ در بحر ملح راجح قول بدار حرب بودن باشد بوجہے دیگر، وہر مقامیکہ مقہور ہر دو فریق باشد۔ آں را بحکم **الاسلام یعلو ولا یعلی** ہم دار الاسلام خواہند گفت، مگر بہ ہمیں شرطکہ غلبۂ وقہر بعض وجوہ اہل اسلام در آنجا باشد، نہ آں کہ نفس مقام مسلمین در آنجا بود، یا اظہار بعض شعائر اسلام باذن کفار، در آنجا بودہ باشد، کہ نفس کون اہل اسلام در دارے، واظہار شعائر اسلام باذن کفار در بلدے، قابل اعتبار نیست۔

وعلیٰ ہذا بودن کفار در دار الاسلام، واظہار شعائر کفر باذن حکام اسلام، یا بغفلت ایشاں، در آنجا دار الاسلام بودن را ضرر نمی کند۔ چہ در ہر دو شق غلبہ یافتہ نمی شود، وحکم غلبہ را است، نہ نفس وجود وظہور را۔

(۱) شامی ص: ۳۴۴، ج: ۳...... باب استیلاء الکفار (مطبع اکمل المطابع دہلی: ۱۲۸۸ھ) ب: مطابق نسخہ ع ک

ازینست کہ اہلِ ذمہ در دار الاسلام، قیام باذن اسلام می کنند، وشعار خود را ظاہر می نمایند، مگر دار اسلامیت بحالِ خودمی ماند، ومسلمین در دار کفر بامن می روند، وشعائر خود را آنجا ظاہر می کنند۔ وایں ہمہ دار کفریت را رفع نمی کند۔

نہ بینی کہ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام، بجمع کثیر در عمرۃ القضاء بمکہ شریف بردند، وجماعت نماز وغیرہ شعار اسلام وغیرہ ہمہ باعلان بجا آوردند، وایں قدر جمع داشتن کہ کفار را مقہور فرمایند، چنانچہ بہ ہمیں قدر لشکر در حدیبیہ، عزم تاراج کردن، مکہ می فرمودند۔ مگر چوں ایں ہمہ اظہار، باذن کفار بود، دراں سہ ایام مکہ دار الاسلام نگشت، بلکہ دار الحرب ماند۔ چرا کہ ایں قیام واظہار اسلام باذن بود، نہ بغلبہ۔

الحاصل ایں اصل کلی قاعدہ کلیہ ہست، کہ دار الحرب مقہور کفار است ودار الاسلام مقہور اہل اسلام۔ اگر چہ در یک دار فریق دیگر ہم موجود باشند، بلاغلبۂ وقہر، وآنجا کہ قہر ہر دو فریق باشد وہم دار الاسلام خواہد بود۔ [ص ۲] ایں اصل را خوب ذہن نشین باید کرد، کہ جملہ مسائل از ہمیں اصل می برآیند، وہمہ جزئیات ایں باب، بر ہمیں اصل دائر ہستند۔

بعد ازیں امرے دیگر باید شنید، کہ ہر موضع کہ دار کفر باشد واہل اسلام براں غلبہ کردند، وحکم اسلام دراں جاری کردند، آں را جملہ علماء می فرمایند، کہ دار الاسلام گشت۔ چرا کہ غلبہ وقہر مسلماناں یافتہ شد، اگر چہ بعض وجوہ غلبۂ کفار ہم در آنجا باقی باشد، مگر تاہم بحکم: الاسلام یعلو ولا یعلی باتفاق دار اسلام شد کما وضح سابقاً.

مگر باز واضح کردہ می شود، کہ اگر ایں دخول واظہار اسلام بغلبہ شدہ باشد، ہیچ تغیر در دار حربیت نخواہد شد، ورنہ جرمن وروس وفرانس جملہ ممالک نصاریٰ، وچین وغیرہ ممالک کفار، دار الاسلام می شوند۔ ونشانے از دار حرب در دنیا پدید نخواہد شد، زیرا کہ در جملہ ممالک کفار، اہل اسلام باذن کفار احکامِ اسلام جاری می نمایند وھذا ظاھر البطلان.

بہر حال اجرائے ایں احکام بغلبہ وقہر معتبر است، وبس۔ وہر مقامے کہ دار اسلام بود وکفار براں غلبہ کردند، اگر غلبۂ اسلام بالکل رفع شد، آں را حکم دار الحرب شد، واگر غلبۂ کفار شد وبہ بعضے وجوہ غلبہ اہلِ اسلام ہم باقی ماندہ باشد، آں را دار اسلام خواہند داشت، نہ دار الحرب، دریں مسئلہ اتفاق است۔

اما اینکہ غلبہ اہل اسلام بالکلیہ رفع شدن، را چہ حد است، دراں خلاف واقع شد درمیانِ ائمہ ما علیہم الرحمۃ۔

صاحبین می فرمایند، کہ اگر ہر دو فریق احکام خود را جاری بالاعلان کردہ باشند، غلبۂ اسلام ہم باقیست، ورنہ در صورت اعلان احکام کفار، وعدم قدرت اہل اسلام بر اجرائے احکام خود، بغلبۂ خود الا باذن الکفار غلبۂ اسلام ہیچ قدر باقی نمی ماند۔ وھو القیاس.

چرا کہ ہرگاہ کفار چناں مسلط شدند، کہ احکام کفر علی الاعلان والغلبہ جاری کردند، واہل اسلام آں قدر عاجز ومغلوب گشتند، کہ احکام خود جاری کردن، نمی توانند، ودر حکم کفر کہ شین وعار اسلام است، قدرت ندارند، پس کدام درجہ غلبۂ اسلام باقی ماند، کہ آں را دار اسلام گفتہ شود، بلکہ تسلط وغلبۂ کفار را بکمال پیدا شد، ودار حرب گشت بالفعل۔ وبعد ازاں ہر چہ خواہد شد، خواہد شد، مگر الحال در دار حرب شدن، دقیقہ نماندہ، ومثل دار حرب قدیم متسلط کفار شد کما ھو الظاھر.

وامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، بنظرِ خفی استحسان فرمودہ، ودارِ اسلام را بحکم دارِ کفر دادن احتیاط کردہ، کہ تا چیزے از آثار غلبۂ اسلام یافتہ شود، ویا دار استیلاء کفار وہنے یافتہ شود، کہ [ص۳] دفع آں بر مسلماناں سخت دشوار نیاید، حکم بدار کفر نباید کرد۔

پس دو شرط دیگر زائد فرمود: یکے آں کہ آں دیہ وبلد مستولی علیہ کفار، متصل بدار کفر گردد، چنانچہ درمیانِ ایں قریہ مستولی ودارِ حرب، موضع از دار اسلام حائل نماند، کہ بایں اتصال انقطاع، از دار الاسلام بآں پیدا می شود کہ باحراز کفار درآید، وغلبہ وقہر کفار بقوت شد، واستخلاص آں از دست کفرہ دشوار گردید، ومقہوریت مسلمین سکان آنجا بکمال رسید، وایں بمشابہ آنست کہ کفار بر مال اہل اسلام استیلاء یابند، اگر باحراز دار شاں رسید بملک ایشاں درآید، واگر احراز ایشاں بدار خود نشدہ، انقطاع ملک مالک مسلم نمی شود۔ کما ھو مقرر فی سائر الکتب.

قال فی الهداية: وإذا غلبوا علی أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها...الخ (١)

وقال فيه: غير أنّ الاستيلاء لايتحقق إلا بالإحراز بالدار، لأنه عبارة عن الاقتدار علی المحل حالا ومآلا....الخ

پس ہم چنیں اگر ارض وعقار بلدے مثلاً مستولی کفار شد، اگر استیلاء تام گشت کہ محرز بلد کفر گشت، وآں احراز باتصال اوست بدار کفر، وانقطاع او از دار الاسلام، پس مقہور ایدی کفرہ گشت، ورنہ ہنوز استیلاء اہل اسلام باقیست، اگرچہ ضعیف باشد، پس بحکم: الاسلام يعلو ولا يعلىٰ 'دار اسلام باید کہ بماند۔ پس حاصل ایں شرط ہم ہمون غالبیت کفار ومغلوبیت اہل اسلام است، کہ اصل کلی اولا بیان شد۔

شرط دوم آنکہ، امانے کہ حاکم اسلام، بسبب غلبہ حکومت خود، مسلماناں را بسبب اسلام، وکفار عایا را، بوجہ عقد ذمہ دادہ بود، مرتفع گردد، کہ بآں امان کسے برنفس ومال خود مامون نماند۔ یعنی چنانکہ بسبب امن دادن حاکم اسلام، ہمیشہ مامون شدہ بودند، کہ کسے را بسبب خوف حاکم، امن دہندہ محل نبود، کہ تعرض بجان ومال مسلم وذمی نمایند، وایں نبود مگر بسبب قوت وشوکت وغلبۂ حاکم مسلم، پس ایں امان باقی نماند، کہ کسے بوجہ ایں امان بے خدشہ از تعرض جان ومال خود نبود، بلکہ ایں امان بیکار محض گردد۔

وامانے کہ مشرکین مستولی دادند، آں موجب امن گردد، پس ظاہر است کہ تا بسبب امن حاکم مسلم، خوف موذی را خواہد بود، غلبۂ وشوکت امن مسلم بنوعے باقی ماندہ باشد، وہر گاہ آں چیزے نماند، بلکہ ایں مشرک متسلط محل نظر [ص۴] گردید، امان اول رفع شد۔ پس نزد امام علیہ الرحمۃ ہر گاہ کہ بعد اجرائے احکام کفر علی الاشتہار، ایں دو شرط ہم یافتہ شد، غلبہ کفر من کل الوجوہ ثابت شد، وغلبۂ اسلام من کل الوجوہ مرتفع گردید اکنوں ہیچ از حریت ناچار حکم کردہ خواہد شد۔

(١) ہدایہ ص:۵۸۱ ج:۲، باب استیلاء الکفار (مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۴۱۶ھ) (ب) مطابق (ن، ک)

اہل دانش رااز یں ہم معلوم میشود، کہ مدار ایں قول ہم برقہر وغلبہ است وبس، کہ اول در اصل کلی واضح کردہ شد۔
بعداز یں تقریر، روایات فقہاء را باید شنید کہ بنقل بعض آنہا سند تقریر ایں بندہ، حاصل خواہد شد، وبذکر بعض حال کل روایات، ایں باب دریافت خواہد شد، قال فی العالمگیریة:

قال محمد فی الزیادات: انماتصیر دارالاسلام دارالحرب عند أبی حنیفة بشرائط ثلاث.

احدها: اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتهار، وان لایحکم فیها بحکم الاسلام.

الثانی: ان تکون متصلة بدار الحرب، لایتخلل بینهما بلدة، من بلادالاسلام.

الثالث: ان لایبقی مومن ولاذمی آمنا بالامان الاول، بامانه الذی کان ثابتا قبل استیلاء الکفار، للمسلم باسلامه، وللذمی بعقد الذمة.

وصورة المسئلة علی ثلاثة اوجه: اما ان یغلب اهل الحرب علی دارمن دورنا، أو ارتد اهل مصر، وغلبوا واجروا احکام الکفر، اونقض اهل الذمة العهد، وتغلبوا علی دارهم، ففی کل من هذه الصور. لاتصیر دارالحرب الابثلاث شرائط. وقال ابویوسف ومحمد رحمهما الله تعالی: بشرط واحد لاغیر، وهواظهار احکام الکفر وهوالقیاس انتهی(۱)

قال فی جامع الرموز: واما صیرورتها دارالحرب، فعنده بشروط، احدها: اجراء احکام الکفر اشتهاراً، بان یحکم الحاکم ولایرجعون الی قضاة المسلمین کما فی البحر.

والثانی: الاتصال بدارالحرب، بحیث لایکون بینهما بلدة من بلاد الاسلام، مایلحقهم العدو منها......الخ

ازیں روایت جامع الرموز دو امر واضح شد:

یکے آنکہ: مراد از اجراء حکم اہل اسلام، اظہار حکم اسلام است علی سبیل الغلبہ، نہ مطلق ادائے جماعت وجمعہ مثلاً، چراکہ می گوید: یحکم بحکمهم ولایرجعون الی قضاة المسلمین یعنی قضاۃ مسلمین راہیچ شوکت ووقعت نماند، کہ بایشاں رجوع شود، وہم چناں از حکم مسلمین در دارالحرب، حکم بغلبہ کردن مراد است۔ کماهو الظاهر. بہرحال حکم اسلام وحکم کفر، ہردو علی سبیل القوۃ والغلبۃ مراد است، نہ محض ادا واظہار۔

دوم: ایں کہ غرض از شرط اتصال وانقطاع، ہموں قوت است، کہ درصورت اتصال بدارالحرب، مدد بقریہ مغلوبہ نمی رسد۔ بخلاف صورت انقطاع از دارالحرب کہ لحوق مدد می تواند، پس ہنوز قوت اسلام باقی است۔

(۱) عالمگیری ص:۲۳۲، ج:۲، مطلب فیما تصیر دارالاسلام دارالحرب [مکتبہ نورانی، پشاور، پاکستان۔ بلاسنہ] نیز شامی نسخہ ہندیہ ص:۲۵۳، ج:۳، [اکمل المطابع، دہلی: ۱۲۸۸ھ]

وفی خزانة المفتین: [ص] دارالاسلام لاتصیر دارالحرب، إلاباجراء احکام الشرک فیھا، وان یکون متصلا بدارالحرب، لایکون بینھا وبین دارالحرب مصر آخر للمسلمین، وان لایبقیٰ فیھا مسلم أوذمی آمنا بالأمان الاول فمالم توجد ھذہ الشرائط، لاتصیر دارالحرب.

ومعنی قولنا: ان لایبقی فیھامسلم أو ذمی آمنابالأمان الاول، ان لایبقی فیھامسلم اوذمی آمنا علی نفسہ، الّا بامان المشرکین ....الخ

وفی البزازیة ،قال السید الامام: والبلاد التی فی ایدی الکفرة الیوم، لاشک انھا بلاد الاسلام بعد ،لانہ لم یظھر فیھا احکام الکفرة بل القضاة مسلمون ،انتھیٰ.

پس باید دید، کہ دلیل بودن آں دیار بلاد اسلام می آرد، بقولہ: بل القضاة مسلمون کہ حکم حکام اسلام بطور اول باقیست ،ونمی گوید لان الناس یصلون ویجمعون ، چراکہ مراد اجراء احکام بطور شوکت وغلبہ است، نہ اداۓ مراسم دین خود، برضاء حاکم غالب۔

در ردمحتار (۱) گوید۔

فی معراج الدرایة عن المبسوط: وبلاد الاسلام التی فی ایدی الکفرة، بلادالاسلام لابلاد الحرب، لانھم لم یظھروافیھا حکم الکفر والقضاة مسلمون، والملوک الذین یطیعونھم ففساق عن ضرورة مسلمون ولوکانت عن غیر ضرورة منھم أوبدونھا. وکل مصرفیہ والٍ من جھتھم، تجوزفیہ اقامة الجمعة والاعیاد واخذالخراج وتقلید القضاة وتزویج الایامی لإستیلاء المسلم علیہ ، وأما بلادعلیھا ولاة کفار فیجوزللمسلمین اقامة الجمعة والأعیاد ویصیر القاضیٰ قاضیاً بتراضی المسلمین فیجب علیھم أن یلتمسوا والیاً مسلماً.....انتھیٰ.

وفیہ ایضا: قلت، وبھذاظھران مافی الشام من جبل تیم اللّٰہ وبعض البلاد التابعة لہ کلھا بلادالاسلام، لانھاوان کانت لھا حکام دُرُوز اونصاریٰ ولھم قضاة علی دینھم، وبعضھم یعلنو ن بشتم الاسلام ، لکنھم تحت حکم ولاة امورنا، وبلاد اسلام محیطة ببلادھم من کل جانب، وإذا اراد ولی الامرتنفیذاحکامنا فیھم، نفذھا. انتھی.

(۱) شامی نسخہ ہندیہ ص: ۳۰۸، ج:۳ فی کتاب القضاء مع تقدم وتاخر (مطبع مرتضوی) نیز شامی ج:۵ ص: ۲۶۸-۲۶۹ [دارالفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ]

ازیں ہر دو روایت واضح شد کہ، برائے بقاء دار اسلامیت، بعد غلبۂ کفار، بقاء قوت وشوکت حکام مسلمین وانفاذ امور بقوت وغلبہ مرادی شود، وہم چناں در دار حرب، اجراء حکم اسلام، اگر بقوت باشد، رافع دار حربیت می شود، نہ ادائے محض شعائر اسلام، باذن ورضاء حاکم، مخالف دین۔

الحاصل، غرض ازیں شروط ثلاثہ، نزد امام صاحب واز شرط واحد کہ اجراء حکم اسلام است، نزد صاحبیہ ہموں وجود غلبہ وقوت اہل اسلام است، اگرچہ ببعض وجوہ باشد، وہیچ اہل فقہ [ص:۸] نمی گوید کہ در ملک کفار، اگر کسے باذن ایشاں صراحۃ یا دلالۃ، اظہار شعائر اسلام کند، آں ملک دار الاسلام می شود، حاشا وکلا کہ ایں دور از تفقہ است۔

چوں ایں مسئلہ منقح شد، اکنوں حال ہند را غور فرمایند کہ اجرائے احکام کفار نصاری، دریں جا بچہ قوت وغلبہ است کہ اگر ادنی کلکٹر ہم حکم دہد، کہ در مساجد نماز جماعت ادامکنند، ہیچ کس از امیر وغریب قدرت ندارد، کہ ادائے آں نماید۔ وایں ادائے جمعہ وعیدین وحکم بقواعد فقہ کہ می شود، محض بوجہ قانون ایشانست، کہ در رعایا حکم جاری کردہ اند، کہ ہر کس حسب دین خود عمل نماید، سرکار را مزاحمت بوئے نیست۔ وامن سلاطین اسلام کہ بود، ازاں نامے ونشانے نماندہ، کدام عاقل قائل خواہد شد، کہ امنے کہ شاہ عالم دادہ بود، اکنوں بہموں امن، مامون نشستہ ایم، بلکہ امن جدید از کفار شدہ، وبہ ہموں امن نصاری جملہ رعایا، قیام ہندمی کنند۔

واما اتصال، پس آں در ممالک واقالیم شرط نیست بلکہ در قریہ وبلد ایں شرط کردہ اند، کہ مدد رسیدن ازاں بسہولت مراد است۔

وکسے می تواں گفت کہ اگر مدد کابل یا شاہ روم آید، کفار را از ہند خارج کند، حاشا وکلا! بلکہ اخراج ایشاں بسیار اصعب است ومستقل جہاد وجنگ باسامان کثیر می خواہد۔

بہر حال تسلط کفار بر ہند بداں درجہ ہست، کہ در ہیچ وقت کفار را بر دار حرب زیادہ ازیں نہ بود۔ وادا مراسم اسلام از مسلماناں محض باجازت ایشانست، واز مسلماناں عاجز ترین کسے از رعایا نیست، کہ ہنود را ہم قدرے رسوخ است مگر مسلماناں را چیزے وقعت نیست۔ البتہ در ٹونک ورامپور وبھوپال کہ حکام آنجا، باوجود مغلوب بودن کفار، احکام خود جاری دارند، دار اسلام تواں گفت، چنانچہ از روایات ردالمحتار وغیرہ مستفادمی شود، فقط

اکنوں بعد سلام مسنون آنکہ، اگر بایں تحریر طمانینت شما حاصل شود، فہو المراد، ورنہ بندہ را معذور دارند، مگر چونکہ از تحریر طویل عاجزم، ایں مسودہ را روانہ می کنم، امید کہ بعد نقلش روانہ ایں صوب فرمایند، کہ بعض مردم ایں جا ہم قصد نقلش می دارند۔

فقط والسلام

۷رشوال (۱۳۱۰ھ/۲۴راپریل ۱۸۹۳ء)

آج ۱۶رذی قعدہ ۱۴۲۶ھ بروز پنجشنبہ، تینوں نسخوں کے مقابلہ اور اختلاف نسخ کی تحریر وترتیب مکمل ہوئی۔

فلحمدللّٰہ علی ذالک

نورالحسن راشد کاندھلوی

ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

ترجمہ مکتوب واستفتاء

مولانا سعید الدین رام پوری (رام پور ضلع سہارنپور)

بنام محدث عصر، فقیہ جلیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

اے اس سے بڑھ کر کہ قلم پر تیری تعریف آسکے ☆ اہل مشرق ومغرب پر تیرے لئے دعا واجب ہے
اے وہ کہ جس کے باقی رہنے میں پوری دنیا کا فائدہ ہے ☆ ہر وہ شخص باقی رہے جو تیری بقا کا متمنی ہے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، ابھی تک خیریت سے ہوں، اور جناب عالی کی خیر وعافیت کا، دل وجان سے طلب گار رہتا ہوں۔

بعض بڑے علماء نے مسائل اور روایات فقہیہ کی مدد سے، جو نیچے نقل کر رہا ہوں، ہندوستان کے دارالحرب نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ چوں کہ یہ روایتیں احقر کی نظر سے گزریں ہیں اور ان دنوں، جب یہ احقر قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے، خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا، میں نے زبان مبارک سے سنا تھا، کہ یہ بلاد [شہر اور علاقے] بندہ کی رائے کے مطابق، دارالحرب ہیں۔ اس وقت جناب عالی کے ضعف کو دیکھتے ہوئے، سوال کرنے کی ہمت نہ کی، اور اس رائے کی وجہ اور اس سے ملحق فقہی روایات معلوم نہیں کیں۔

اس لئے اب گذارش کرتا ہوں، کہ اگر ان روایات فقہیہ کی کسی قدر تفصیل، کہ جن سے ہندوستان کا دارالحرب ہونا معلوم ہوتا ہو، تحریر فرمائیں، اور ان روایتوں سے اس استدلال کے طریقہ کی بھی اطلاع بخشیں۔ اخلاق عالی سے [جو اخلاق نبوی کا گویا اک نمونہ ہیں] غیر متوقع نہ ہوگا۔

اور وہ روایات یہ ہیں:

خزانۃ المفتین میں ہے: دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوتا، مگر اس میں شرک کے احکام جاری ہونے سے، یا یہ ہو کہ وہ شہر دارالحرب سے اس طرح مل جائے، کہ اس شہر اور دارالحرب کے بیچ میں مسلمانوں کا کوئی شہر باقی نہ ہو،

اور اس علاقہ میں کوئی مسلمان یا ذمی، پہلے معاہدہ کے مطابق، محفوظ و مامون نہ رہے۔ پس جب تک یہ شرطیں نہ پائی جائیں گی، تو یہ شہر دار الحرب نہ ہوگا۔

اور ہمارے اس قول کا، کہ اس میں کوئی مسلمان یا ذمی پہلے معاہدہ اور دستاویز امن کے مطابق، امن سے اور محفوظ نہ رہے، مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی ذات کی حفاظت کا یقین نہ ہو مگر مشرکین کی امان سے۔

اور [صاحبین نے] کہا ہے کہ جب دار الاسلام میں شرک کے احکام جاری ہو جائیں۔ تو وہ دار الحرب ہو جاتا ہے، چاہے وہ دار الحرب سے ملا ہوا ہو، یا نہ ہو، اس میں مسلمان اور ذمی پہلے امن اور امان کے معاہدہ کے مطابق ہوں یا نہ ہوں۔ اور دار الحرب دار الاسلام ہو جاتا ہے، اس میں اسلام کے احکامات جاری ہونے کے ذریعہ سے، اگرچہ پہلے وہاں سے اسلام کی شوکت ختم ہو گئی ہو۔ یہی شرح سیر ابی الیسر میں لکھا ہے۔

بلاشبہ دار الاسلام دار الحرب نہیں ہوتا، جب تک اس میں موجودہ وہ سب باتیں، جن کی وجہ سے دار الاسلام ہوا تھا، ختم نہ ہو جائیں۔ کیوں کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہو تو جب تک یہ وجہ باقی رہے گی یہ حکم بھی باقی رہے گا۔

اور منثور میں ہے کہ: دار الاسلام، احکام اسلام جاری ہونے سے ہوتا ہے، جب تک اس میں اسلام کی علامتوں میں کوئی علامت باقی رہے گی، اس کی اسلام کی جانب نسبت کو ترجیح رہے گی۔

اور بزازیہ میں ہے: سید الامام نے کہا کہ وہ شہر جو آج کل کافروں کے قبضے میں ہیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ بلاد اسلام ہیں، کیوں کہ ان میں اہل کفر کے احکامات جاری نہیں، بلکہ مسلمان قاضی مقرر ہیں۔ اور وہ شہر جن پر غیر مسلم حکام کے نمائندے، بڑے افسر کی حیثیت سے متعین ہیں، تو ان میں بھی جمعہ کی نماز قائم کرنا، عید کی نماز پڑھنا، ٹیکس لینا، قاضیوں کی پیروی کرنا، بیواؤں کے نکاح کرنا درست ہے، اور وہ علاقے جس میں کافر حکام مسلط ہوں، تو ان میں بھی جمعہ قائم کرنا اور عیدین کی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔ اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی مقرر کر لینے سے، قاضی ہو جاتا ہے۔

اور یہ واضح ہو گیا، کہ اگر کسی چیز کے حکم کی کوئی علت باقی ہو تو وہ حکم بھی باقی رہے گا، اور [ہمارے علماء نے] یہ بھی فیصلہ کیا ہے، کہ یہ علاقے تاتاریوں کے قبضے سے پہلے، دیار اسلام میں سے تھے، اور ان کے قبضہ کے بعد بھی جمعہ، جماعت کی نماز اور شریعت کے تقاضے اور فیصلے کے متعلق فتوے، کتابوں کی تعلیم ان کے کسی سربراہ کے کسی اعتراض کے بغیر چل رہی ہے، اس لئے یہ فیصلہ صادر کرنا کہ وہ دار الحرب ہیں، اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے، نہ درایۃً نہ روایۃً۔

اورنشہ والی چیزوں کی برملا خرید وفروخت، روپیہ چنگی اور ٹیکس وصول کرنا اور تاتاریوں کی قومی رسموں کے مطابق احکامات جاری ہونا، ایسا ہی ہے جیسا کہ بنی قریظہ کا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مورتی (رکھنے) کی اجازت مانگنا، حالاں کہ وہ (مدینہ منورہ) اس کے باوجود بھی بلاشک وشبہ دارالاسلام تھا۔

اور کہا گیا ہے کہ (علاقے اور شہر) کفر کے احکامات جاری ہونے کی وجہ سے، دارالحرب ہو جاتے ہیں، جب کہ ان (شہروں) میں اسلام کے احکامات کے مطابق، کوئی حکم جاری نہ ہو، اور یہ کہ اس میں کوئی مسلمان اور ذمی مسلمانوں کے پہلے معاہدہ (اور اعلان) کے مطابق محفوظ نہ رہے۔ لہٰذا جب بھی یہ شرطیں پائی جائیں گی، تو وہ سب دارالحرب ہو جائے گا، لیکن اگر ثبوت اور شرائط میں اختلاف ہو، تو وہ دارالاسلام، اسی حکم (دارالاسلام ہونے) پر باقی رہے گا، یا اسلام کے پہلو کو احتیاطاً ترجیح دی جائے گی۔

اور عتابی کی شرح زیادات میں ہے: دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے، تین شرطوں (کے پائے جانے) سے:

[اول] اس میں کافروں کے احکامات، علی الاعلان جاری ہو جائیں۔

[دوم] یہ ہے کہ یہ علاقہ دارالحرب سے ملا ہوا ہو، اور اس شہر اور دارالاسلام کے بیچ میں، مسلمانوں کے شہروں میں سے کوئی شہر واقع نہ ہو۔

[سوم] یہ کہ، اس میں کوئی مسلمان اور ذمی، پہلے امن (مسلمانوں کے دئے ہوئے معاہدہ کے مطابق) محفوظ اور مطمئن نہ ہو۔

پس یہ شرطیں اس لئے مقرر کی گئی ہیں، تا کہ (غیر اسلامی قوت اور غلبہ) کی مکمل اور اصل حیثیت معلوم ہو جائے۔ کیوں کہ دارالاسلام کے ان دونوں (پہلوؤں) سے جڑنے میں احتیاط کی جاتی ہے۔

طحطاوی کے حاشیہ درمختار میں، یہ ہے کہ:

(فقہاء کا قول) شرک کے احکامات برملا جاری ہوں، اور ان میں کوئی حکم اہل اسلام (کے اصول اور شریعت) کے مطابق، (یا اس کی روشنی میں) نہ ہو۔

ہندیہ (فتاوی عالم گیری) میں ہے:

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ، اگر اس میں مسلمانوں کے احکامات (وقوانین) جاری ہوں، اور اہل شرک کے (قوانین وہدایات) جاری نہ ہوں، تو وہ دارالحرب نہیں ہوگا۔

پس یہ شہر امام صاحب کی رائے کے مطابق، نہ صاحبین کی رائے پر دار الحرب نہیں ہوں گے، کیوں کہ (دار الحرب ہونے کے لئے) احکام اسلام کا بالکل ختم یا بے اثر ہونا ایسی شرط ہے، جس پر سب کا اتفاق معلوم ہوتا ہے، اور اس شرط کا (اس وقت) موجود نہ ہونا، ظاہر ہے۔ کیوں کہ ان علاقوں میں (مسلمانوں بادشاہوں کی ہدایات وقانون کے مطابق) بہت سے اسلامی ہدایات واحکامات، اب بھی (قانوناً) باقی اور جاری ہیں۔

اور اگر یہ شہر جناب والا کی رائے کے مطابق دار الحرب ہوں، توان شہروں میں غیر مسلموں سے سود لینے اور کافروں سے رہن، لینے کا کیا حکم ہوگا؟ اور ان روایتوں کا شریعت کے قانون کے مطابق جو مقصد ہو، تحریر فرمائیں۔

اور دار الحرب کے دار الاسلام میں بدل جانے کی صورت میں، صرف چند اسلامی احکامات کا نافذ ہونا، کافی ہو، تو بہ ظاہر اس زمانہ میں پوری دنیا دار الاسلام ہوگی؟

والسلام خیر ختام

سعد آباد ضلع متھرا

۱۷ر شعبان ۱۳۱۰ھ (۷ر مارچ ۱۸۹۳ء)

ہندوستان کی شرعی حیثیت کیا ہے......؟

ترجمہ فتوی [یا مکتوب گرامی] حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

ترجمہ از نور الحسن راشد کاندھلوی

بندہ رشید احمد گنگوہی کی جانب سے

میرے کرم فرما مولوی سعید الدین صاحب آپ کی عنایات ہمیشہ باقی رہیں۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائیں کہ ماہ رمضان المبارک میں، آپ کا خط، مسئلہ دار الحرب کی تحقیق کے لئے پہنچا تھا۔ کیوں کہ میری صحت ایک عرصہ سے کمزور چل رہی ہے، اور رمضان المبارک میں اس میں اضافہ ہو گیا تھا، اس لئے جواب لکھنے سے قاصر رہا، اس وقت جیسے بھی بن پڑے جواب لکھتا ہوں۔

سنئے! کسی شہر (یا کسی ملک) کے دار الاسلام یا دار الحرب ہونے کا دارومدار، مسلمانوں کے غلبہ (قوت قاہرہ) یا کافروں کے غلبہ پر ہے، اور بس! لہٰذا ہر وہ جگہ جو مسلمانوں کے احکامات کے تابع ہے، اس کو دار الاسلام کہا جائے گا، اور ہر وہ جگہ جو کافروں کے احکامات کی پابند ہے، اس کو دار الحرب کا نام دیا جائے گا۔ جامع الرموز میں کہا ہے:

دار الاسلام وہ ہے جس میں امام المسلمین کے احکامات جاری ہوں، اور وہاں مسلمان امن کے ساتھ رہتے ہوں۔ اور دار الحرب وہ ہے، جس میں مسلمان غیر مسلموں سے خوف زدہ رہتے ہوں۔

رد المحتار اور شامی میں ہے۔

''قاری الهدایہ سے دریائے شور کے متعلق سوال کیا گیا، کہ وہ دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟ جواب دیا کہ وہ ان دونوں سے جدا ہے، اس لئے کہ اس میں کسی کو بھی غلبہ حاصل نہیں ہے۔

اس عبارت کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ، کسی مقام کے دار الاسلام یا دار الکفر ہونے کا تمام تر دارومدار، کفر اور اسلام کے غلبہ پر ہے، اور بس! اگرچہ دیگر وجوہات کی بنا پر، دریائے شور کے متعلق، راجح قول اس کے دار الحرب ہونے کا ہوگا۔ اور ہر وہ جگہ جو دونوں فریق کی مقہور ہو، اس کو۔

[الاسلام یعلو ولا یعلی]

اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

کے اصول کے مطابق، دارالاسلام کہیں گے، مگر اسی شرط پر کہ یہاں بعض پہلوؤں سے اہل اسلام کا غلبہ اور تسلط ہو، نہ صرف یہ کہ وہاں مسلمان رہتے ہوں، یا بعض شعائر اسلام کی کفار کی اجازت سے بجا آوری کی اجازت ہو، اس لئے کہ کسی خطے میں مسلمانوں کا آباد ہونا، یا وہاں غیر مسلموں کی اجازت سے شعائر اسلام کی بجا آوری کی اجازت ہونا، لائق اعتبار نہیں ہے۔

اسی طرح غیر مسلموں کا دارالاسلام میں (موجود) ہونا، اور وہاں کفریہ رسومات پر، اہل اسلام کی اجازت، یا ان کی کوتاہی وغفلت کی وجہ سے عمل پیرا ہونا، اس جگہ کے دارالاسلام ہونے کو، کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ کیوں کہ دونوں میں سے کسی صورت میں بھی (دوسرے فریق کا) غلبہ نہیں ہوا، اور (دارالاسلام یا دارالحرب کا) فیصلہ، غلبہ کی وجہ سے ہے، نہ صرف موجود رہنے اور احکام الاسلام یا کفر ظاہر کرنے کی وجہ سے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ، ذمی، دارالاسلام میں مسلمانوں کی اجازت سے قیام پذیر رہتے ہیں اور اپنے مذہبی طور طریق کو برملا انجام دیتے ہیں۔ اس کے باوجود (اس خطے کا) دارالاسلام ہونا، جوں کا توں باقی رہتا ہے، اور مسلمان دارالکفر میں کافروں سے، معاہدہ امن کی وجہ سے اطمینان سے آتے جاتے ہیں، اور اپنے اسلامی شعائر کو دارالکفر میں بے جھجک سرانجام دیتے ہیں، (مگر یہ امن) اس علاقے کے دارالکفر ہونے کو ختم نہیں کرتا۔

کیا آپ ملاحظہ نہیں فرماتے، کہ فخر عالم حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایک بہت بڑے مجمع کے ساتھ، عمرۃ القضاء کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور جماعت نماز وغیرہ جملہ شعائر اسلام کو وہاں کھل کر ادا فرماتے تھے، اور باوجود اس قدر وسیع جماعت کی موجودگی کے، کہ اس کے ذریعے مکہ میں کافروں کو خوف زدہ فرمائیں، چنانچہ حدیبیہ میں رفقاء کی کثیر تعداد کی بناپر، مکہ معظمہ پر غلبہ کا ارادہ فرمالیا تھا، مگر کیوں کہ یہ سب کافروں کی اجازت کی وجہ سے تھا، اس لئے ان تینوں دنوں کے لئے مکہ دارالاسلام نہیں ہوا، بلکہ دارالحرب باقی رہا۔ اس لئے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں یہ قیام اور اظہار شعائر اسلام، کافران مکہ کی اجازت سے تھا، مسلمانوں کے اپنے غلبہ اور طاقت کی وجہ سے نہیں۔

بہر حال یہ طریقہ محولہ بالا ایک قاعدہ کلیہ ہے، کہ دارالحرب، کافروں کے زیر تسلط علاقہ ہے اور دارالاسلام مسلمانوں کے تابع فرمان مملکت! اگر چہ ایک کے علاقے میں دوسرے فریق کے افراد بھی، بلا کسی ظلم وزیادتی کے، آزادی سے رہتے ہوں، اور جس مقام پر دونوں فریقوں کو یکساں اختیارات اور قوت حاکمہ حاصل ہو، وہ بھی دارالاسلام سمجھا جائے گا۔

اس اصول کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہئے، اس لئے کہ اس موضوع کے جملہ مسائل اسی سے نکلتے ہیں، اور اس باب کی تمام جزئیات اسی اصول کے تابع ہیں۔ اس کے بعد ایک بات اور سن لیجئے، کہ ہر وہ جگہ جو دارالکفر ہو اور اہل اسلام اس پر اقتدار حاصل کر لیں، اور وہاں احکام اسلام جاری فرمادیں، اس کے متعلق علمائے اسلام ہی فرماتے ہیں، کہ وہ دارالاسلام

ہوگیا، کیوں کہ مسلمانوں کا اقتدار اور تسلط نافذ ہوگیا ہے۔ اگرچہ بعض صورتوں میں وہاں کافروں کا عروج واقتدار باقی ہو، مگر پھر بھی [الاسلام یعلو ولایُعلیٰ] اسلام غالب رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا، کے اصول کے مطابق، وہ جگہ باتفاق علمائے اسلام دارالاسلام ہوگئی ہے، جیسا کہ اوپر وضاحت کردی گئی۔

مکرر وضاحت کی جاتی ہے کہ، اگر اس خطے میں مسلمانوں کا داخلہ اور اسلام کا اظہار، مسلمانوں کے تسلط اور اقتدار کامل کے ذریعے نہ ہوا ہو، تو اس علاقے کے دارالحرب ہونے کے حکم میں، کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ ورنہ اس طرح صرف (مسلمانوں کی موجودگی سے) تو جرمن، روس (۱) فرانس وغیرہ عیسائیوں کی تمام حکومتیں، اور چین وغیرہ کافروں کے ملک دارالاسلام ہوجائیں گے، اور دنیا میں بھی کہیں دارالحرب کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے تمام غیر مسلم ملکوں میں، مسلمان غیر مسلم حکومتوں کی اجازت سے، احکام اسلام پر عمل پیرا رہتے ہیں، اور ایسے ملکوں کو دارالاسلام کہنا، بدیہی طور پر غلط ہے۔

بہر صورت دارالاسلام اور دارالکفر کی تعیین میں، تسلط اور اقتدار معتبر ہے، اور بس! اور ہر وہ جگہ جو دارالاسلام تھی پھر غیر مسلموں نے وہاں تسلط حاصل کرلیا، تو اگر وہاں اسلام کا حکم اور اقتدار بالکل ختم ہوگیا ہو، تو وہ علاقہ دارالحرب ہوجائیگا، اور اگر کافروں کا تسلط ہو، لیکن بعض حیثیات سے مسلمانوں کو بھی غلبہ واقتدار حاصل ہو، اس کو دارالاسلام کہیں گے۔ نہ کہ دارالحرب، اس مسئلہ پر اتفاق ہے، مگر غلبۂ اقتدار بالکل ختم ہونے کی کیا حد ہے، اس میں ہمارے ائمہ فقہ کے درمیان اختلاف ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں، کہ اگر دونوں فریق (اہل اسلام اور غیر مسلم) اپنے اپنے احکامات اور فیصلوں کو علی الاعلان جاری کرسکتے ہوں، تو غلبۂ اسلام بھی باقی ہے، اور اگر اہل اسلام اپنے احکامات کے نفاذ کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور اس میں غیر مسلموں کی اجازت کے پابند ہوں، تو کچھ بھی غلبہ اسلام باقی نہیں رہا (یعنی یہ ملک دارالحرب شمار ہوگا)۔

کیوں کہ جب کافر اس طرح مسلط ہوگئے، کہ کافرانہ احکامات پورے طور اور طاقت سے جاری کرنے لگے، اور اہل اسلام اس قدر عاجز اور مغلوب ہوگئے، کہ اسلامی احکامات نافذ نہیں کرسکتے، اور کافرانہ احکامات جو اہل اسلام کے لئے موجب شرمندگی اور عیب ہیں، ان کو ختم کرنے اور رفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، پس اسلام کا غلبہ کس درجہ میں باقی رہا، کہ (اب بھی) اس کو دارالاسلام کہا جائے؟ بلکہ کفار کا تسلط اور اقتدار پوری طرح ظاہر ہوگیا، اس لئے (وہ) اس وقت دارالحرب ہوگیا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا سو ہوگا، اس وقت اس کے دارالحرب ہونے میں کوئی کمی باقی نہیں رہی، اور یہ اس دارالحرب کی طرح ہوگیا، جس پر پرانے زمانے سے کافر مسلط ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

---

(۱) یاد رہے کہ حضرت مولانا گنگوہی کا یہ فتوی، شوال سنہ ۱۳۱۰ھ/اپریل ۱۸۹۳ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس وقت روس میں بادشاہت تھی، عیسائی حکومت تھی اور زار خاندان کی حکمرانی تھی، اس کے پچیس سال بعد سنہ ۱۹۱۷ء میں کمیونسٹ انقلاب آیا تھا۔ [نور]

اور امام ابوحنیفہؒ نے باریک بینی اور استحسان کے طور پر فرمایا ہے کہ، دارالاسلام کو دارالکفر کا حکم دینے میں، اس وقت تک احتیاط کرنی چاہئے، جب تک کہ وہاں غلبہ اسلام کے نشانات میں سے، کچھ بھی اثر باقی ہو، یا کافروں کے قبضے اور تسلط میں کچھ کمزوری پائی جاتی ہو، اور ان کے تسلط (واحکامات) کو دور کرنا، مسلمانوں پر زیادہ مشکل نہ ہو۔ مگر اس پر دو شرطیں اور اضافہ فرمائی ہیں۔

ایک تو یہ کہ وہ شہر اور بستی، جس پر کفار قابض اور متسلط ہیں، دارالحرب سے اس طرح ملا ہوا ہو، کہ اس علاقے اور دارالحرب کے درمیان دارالاسلام کا کوئی علاقہ، اس طرح حائل نہ ہو، کہ اس علاقے اور دارالحرب سے ملنے کی وجہ سے، اس کو دارالاسلام سے دوری ہو جائے، اور کافروں کے حلقہ میں آ جائے۔ نیز کافروں کا غلبہ اس مضبوطی کے ساتھ ہو کہ اس کا کافروں کے ہاتھ سے خالی کرالینا سخت دشوار ہو جائے، اور اس مقام کے رہنے والے مسلمانوں پر، کافروں کا تسلط کمال کو پہونچ جائے۔ اور اس کی مثال یہ ہے، کہ جیسے کہ کافر مسلمانوں کے مال پر قبضہ کرلیں، اگر وہ مال ان (کافروں کے ملک یا علاقے) میں پہنچ گیا، تو ان کی ملکیت ہو گیا، اور اگر اس قبضہ کے بعد (بھی) ان کے خاص علاقے میں نہیں گیا، تو اس کو اصل مالک کی ملکیت سے نکل جانا، تسلیم نہیں کیا جاتا، جیسا کہ فقہ کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ (واضح) ہے...... ہدایہ میں کہا ہے:

اور جب (غیر مسلم) ہمارے مال پر، قابض ہو جائیں اور اس کو اپنے علاقہ میں لیجائیں، تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

اسی [ہدایہ] میں یہ بھی ہے:

لیکن یہ قبضہ تسلیم نہیں ہوتا، جب تک وہ اس دولت کو اپنے علاقہ میں نہ لیجائیں، کیوں کہ قبضہ کا حاصل یہ ہے کہ اس چیز پر اس وقت بھی قبضہ ہو اور وہ قبضہ آئندہ بھی باقی رہ سکے۔ پس اسی طرح کوئی زمین یا علاقہ، مثلاً کافروں کے تسلط میں آ گیا، اگر ان کا یہ قبضہ اور تسلط ایسا مکمل ہو گیا، کہ وہ شہر یا علاقہ بلادِ کفر میں مل گیا، اور یہ قبضہ اس زمین کے دارالحرب سے، علاقائی طور پر بھی ایک ہو گیا اور دارِ کفر سے مل گیا اور دارالاسلام سے کٹ گیا، تو گویا یہ شہر غیر مسلموں کے ہاتھوں میں مکمل دب گیا، اور بے حیثیت ہو گیا، تو [یہ دارالحرب ہے]؟ ورنہ دارالاسلام باقی ہے۔

اگر چہ اس کا دارالاسلام ہونا کمزور درجہ کا ہے، لیکن الاسلام یعلو ولا یعلیٰ (اسلام سر بلند رہتا ہے، پست اور کمزور نہیں ہوتا) کی ہدایت کے مطابق یہ دارالاسلام ہونا چاہئے، اس شرط کا حاصل بھی وہی اہل کفر کا غالب ہونا اور اہل اسلام کا مغلوب ہونا ہے، جو شروع میں بنیادی اصول اور کلیہ بیان کیا گیا ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ، وہ امان جو مسلمان حاکم نے، مسلمانوں کو ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے، اور غیر مسلم

رعایا کو ذمیتی کے معاہدہ کی وجہ سے دی تھی، ختم ہو جائے، اس طرح ختم ہو جائے کہ کسی بھی شخص کو اپنے مال اور ذات کی حفاظت کا اطمینان باقی نہ رہے۔ یعنی جیسے کہ مسلمان حاکم کے امن دینے (اعلان کرنے) کی وجہ سے، ہمیشہ محفوظ تھے کہ حاکم کے امن کی وجہ سے یہ خیال نہیں، کہ کسی مسلمان یا ذمی کی جان پامال کوئی خطرہ ہو جائے گا، یہ خطرہ اس وقت ہو سکتا ہے، جب مسلمان حاکم کو شوکت اور غلبہ حاصل نہ ہو، جب یہ امان باقی نہ رہی، کہ کوئی شخص بھی اس امان کی وجہ سے محفوظ نہ رہا، یعنی یہ امان بے وقعت اور بے اثر ہو گئی اور جو امان کہ غیر مسلموں نے دی ہے، وہی امن پر اطمینان کا ذریعہ ہے۔

پس ظاہر ہے کہ جب تک مسلم حاکم کے ڈر کی وجہ سے تکلیف پہنچانے والے کو ڈر رہے گا، تو مسلمانوں کے امن کا غلبہ اور اس کی شوکت (کسی قدر) باقی رہے گی، اور جب یہ ڈر نہ رہے گا بلکہ (مسلمان حاکم کا دیا ہوا) امن کمزور ہو جائے گا، پہلا (اسلامی) امان ختم ہو جائے گا۔

لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک، جب کسی علاقہ میں کافروں کے علی الاعلان احکامات جاری ہونے کے بعد، یہ دونوں شرطیں پائی جائیں گی، کفر کا ہر پہلو سے غالب ہونا ثابت ہو جائے گا، اور اسلام کا ہر پہلو سے غلبہ ختم ہو جائے گا، اس وقت آزادی میں سے کچھ باقی نہیں رہا، لہٰذا اس علاقہ کے دار الحرب ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

اہل دانش کو اس سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس بات کا مدار بھی قہر وغلبہ پر ہے، اور بس! جو کہ شروع میں اصل کلی میں واضح کر دیا ہے۔

اس تقریر کے بعد روایات فقہاء کو سننا چاہئے، کہ ان میں سے بعض کے نقل کرنے سے، اس ناچیز کی تقریر کی سند حاصل ہو جائے گی، اور بعض کے معلوم ہونے سے، اس سلسلہ کی تمام روایتیں معلوم ہو جائیں گی۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ، امام محمد نے زیادات میں فرمایا ہے:

بلاشبہ، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین شرطوں کے پائے جانے سے دار الاسلام دار الحرب ہو جاتا ہے۔

اول یہ ہے کہ عام طور سے [علی الاعلان] کفر کے احکامات جاری ہو جائیں، اور اس میں اسلام کے مطابق کوئی قانون وضابطہ (جاری اور) زیر عمل نہ ہو۔

دوسرے: یہ کہ وہ اس طرح دار الحرب سے ملا ہوا ہو، کہ ان دونوں کے بیچ میں، بلاد اسلام میں سے کوئی بستی اور شہر واقع نہ ہو۔

تیسرے: یہ کہ اس علاقہ میں کوئی مسلمان اور ذمی، پہلے معاہدہ اور معاملہ کے مطابق محفوظ و مامون نہ رہا ہو، اس

معاہدہ کے مطابق، جو (اس علاقہ پر) کافروں کے غلبہ سے پہلے، مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے اور ذمیوں کو عہد و پیمان کی وجہ سے حاصل تھا۔ اب مسئلہ کی ترتیب تین طرح سے ہے:

الف: حربی ہمارے شہروں میں سے کسی شہر پر غالب آ جائیں۔

ب: اہل شہر اپنے دین سے پھر جائیں، اور اس شہر میں اہل کفر غالب ہو جائیں، اور ان کے احکامات جاری ہو جائیں اور ان ہی کا غلبہ ہو جائے۔

ج: یا اہل ذمہ اپنے معاہدہ کو توڑ دیں، اور ہمارے شہروں پر غالب ہو جائیں۔

تو ان تمام صورتوں میں سے کسی ایک شکل، یا تمام (معاملات پائے جانے کے بعد بھی) یہ شہر دار الحرب نہیں ہوں گے، مگر تین شرائط کے ساتھ: امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ہے، کہ صرف ایک شرط کے ساتھ، اس کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے، وہ احکام کفر کا ظاہر و غالب [ونافذ] ہونا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں، اور یہی قیاس بھی ہے۔

جامع الرموز میں کہا ہے: اور اس (دار الاسلام) کا دار الحرب ہو جانا (امام ابو حنیفہ) کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ ہے۔

ایک کھل کر برملا احکامات کفر کا جاری ہونا، ایسا کہ حاکم کافر کی طرف رجوع کرنا ہو اور مسلمان قاضی سے کوئی معاملہ نہ ہو [جیسا کہ بحر الرائق میں ہے]۔

دوسرے: اس کا دار الحرب سے، اس طرح ملا ہوا ہونا، کہ ان دونوں دار الحرب اور دار الاسلام کے شہروں کے بیچ میں کوئی اور ایسا اسلامی شہر واقع نہ ہو، جو دار الاسلام کو دشمنوں کے حملے سے بچائے اور حفاظت کرے۔

جامع الرموز کی اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں:

﴿الف﴾ ایک تو یہ کہ اہل اسلام کا حکم جاری ہونے کا مطلب اظہار حکم اسلام ہے، غلبہ کے طور پر، نہ صرف جماعت اور جمعہ [وغیرہ] کی اجازت ہونا۔ کیوں کہ مصنف جامع الرموز کہتا ہے: کہ، غیر مسلموں کے احکامات کے مطابق فیصلے کئے جائیں اور مسلمان قاضیوں کی جانب رجوع نہ کیا جائے، یعنی مسلمان قاضیوں کی کچھ شوکت اور وقعت باقی نہ رہے، کہ ان سے رجوع کیا جائے۔ اور اسی طرح مسلمانوں کے لئے دار الحرب میں حکم جاری ہونے کا مطلب، ان کے حکم کا غلبہ ہونا مراد ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ بہر حال حکم اسلام ظاہر ہونے اور حکم کفر ظاہر ہونے سے مراد قوت اور غلبہ ہے۔ نہ صرف [بعض معاملات کے] ادا کرنے کی اجازت، اور ان کے ظاہر کرنے کی گنجائش پر، یہ فیصلہ نہ ہوگا۔

﴿ب﴾ یہ کہ اتصال اور انقطاع کی شرط کا حاصل بھی، وہی قوت ہے کہ جس کی وجہ سے دار الحرب کے اتصال کی

صورت میں، حربیوں سے مغلوب شہر کو مدد نہ پہنچے۔ بخلاف دارالحرب سے انقطاع کے (کہ اس وقت اہل اسلام سے) مدد کا پہنچنا ہوسکتا ہے، پس (گویا) ابھی قوت اسلام باقی ہے۔

خزانۃ المفتین میں ہے: دارالاسلام دارالحرب میں (تبدیل) نہ ہوگا، مگر اس میں شرک کے احکام جاری ہونے کی وجہ سے، اور اس وجہ سے کہ وہ (دارالاسلام) دارالحرب سے، اس طرح مل جائے، کہ اس دارالاسلام اور دارالحرب کے بیچ میں مسلمانوں کا کوئی شہر واقع نہ ہو، اور اس میں کوئی مسلمان اور ذمی امان اول (جو پہلے حاکم مسلم سے حاصل تھا) کے ذریعہ محفوظ اور پرامن نہ ہو۔ پس جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں اس وقت تک دارالاسلام دارالحرب میں (تبدیل) نہ ہوگا۔

اور ہمارے ان الفاظ: لایبقی فیھا مسلم أو ذمی آمنا بالأمان الأول کا مطلب یہ ہے، کہ اس علاقہ میں کوئی مسلمان اور ذمی، اپنی جگہ محفوظ نہ ہو، مگر مشرکین کے دیئے ہوئے امن امان کی بنیاد پر۔

اور بزازیہ میں ہے سید الامام (نے فرمایا): وہ شہر اور علاقہ جو کافروں کے ہاتھوں میں ہے، اس میں شک نہیں کہ وہ بلاد اسلام ہے، کیوں کہ اس میں کافروں کے احکامات نافذ نہیں، بلکہ مسلمان قاضیوں کے احکامات پر عمل ہے۔

پس دیکھنا چاہئے کہ، ان شہروں کے دارالاسلام ہونے کے ثبوت میں، یہ لائے ہیں: بل القضاۃ مسلمون یعنی وہاں ان قاضیوں کی ہدایات اور اسلام کے احکامات، اسی طرح نافذ ہیں، جس طرح شروع میں تھے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ اس لئے دارالاسلام ہیں، کہ وہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور جمعہ کی نماز (جماعت سے) ادا کرتے ہیں۔ کیوں کہ اجرائے احکام سے شوکت وغلبہ مراد ہے، نہ سرکاری ملازمین وحکام کی اجازت سے، مراسم دین کی ادائیگی۔

درمختار میں کہا ہے:

معراج الدرایہ میں مبسوط سے نقل کیا ہے کہ: وہ شہر جو کافروں کے تسلط میں ہیں، وہ بلاد اسلام ہیں، دارالحرب نہیں ہیں، کیوں کہ ان میں کفر کے احکامات ظاہر نہیں ہوئے، بلکہ وہاں [بدستور] قاضی اور مسلمان حکام ہیں، لوگ اپنی ضرورتوں اور اس کے علاوہ معاملات میں بھی، ان ہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور ہر وہ شہر جس میں حربیوں کی طرف سے حاکم مقرر ہوں، وہاں حاکم مسلم کے لئے جمعہ وعیدین قائم کرنا اور اجراء حد اور قاضی کا تقرر جائز ہے۔ ان حربیوں پر بھاری پڑنے کی وجہ سے۔ پس اگر حاکم غیر مسلم بھی ہوں، تو مسلمانوں کے لئے جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کے مقرر کرنے سے قاضی ہو جاتا ہے، اور مسلمانوں کے لئے واجب ہے، کہ وہ مسلم حاکم کے لئے کوشش کریں۔

اوراسی (درمختار) میں ہے۔ میں کہتا ہوں، اوراس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ملک شام میں، جبل تیم اللہ اوراس سے ملحق بعض علاقے، سب بلاد اسلام ہیں، کیوں کہ اگر چہ ان شہروں کے حاکم دروز اور نصاریٰ ہوتے ہیں، اوران کے فیصلے اپنے مذہب کے مطابق ہوتے ہیں، اوران میں سے کچھ علی الاعلان اسلام کو برا بھلا کہتے ہیں، لیکن وہ (عموماً مجموعی طور پر) ہمارے حکام کی ماتحتی میں ہیں، اور اسلامی شہران کی بستیوں کا، ہرطرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں، اور مسلم حکام جب ان کے متعلق، اپنے احکامات نافذ کرنا چاہیں، کرسکتے ہیں۔

ان دونوں روایتوں سے واضح ہے، کہ کسی علاقہ پر کافروں کے غلبہ کے بعد، اس کا دارالاسلام کی حیثیت سے باقی رہنا ،وہاں مسلمان حکام کی قوت وشوکت کا باقی رہنا، اوراسلامی قوانین اوراحکامات کا غلبہ اورقوت کے ساتھ نافذ ہونا، مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دارحرب میں، اسلامی احکام اگر قوت (وطاقت) سے جاری ہوں، تو یہ اس کے دارحرب ہونے کو ختم کرنے والا ہوگا، صرف ان غیر مسلموں کے مخالف اسلام، حاکم کی اجازت اور خوشنودی سے، شعائر اسلام کے ادا کرنے کی اجازت سے، دار اسلام نہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ مقصد ان شروط مذکورہ بالا سے، امام صاحب کے نزدیک اور شرط واحد اجراء حکم اسلام سے، صاحبین کے نزدیک وہی اہل اسلام کا غلبہ اور قوت وشوکت ہے، اگر چہ یہ قوت وشوکت جزوی طور پر ہو۔ کوئی فقیہ نہیں فرماتے کہ کافروں کے ملک میں، اگر کوئی شخص ان (کافروں) کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے، شعائر اسلام ظاہر کرتا ہے، [ان پر عمل کرتا ہے] تو اس سے وہ ملک دارالاسلام ہوجاتا ہے، ہرگز نہیں! اس لئے یہ بات فقہ وتفقہ سے دور ہے۔

جب یہ مسئلہ واضح ہوگیا، اب ہندوستان کے حال پر غور فرمائیں، کہ یہاں کافروں اور عیسائیوں کے احکامات کس قوت اورغلبہ کے ساتھ ہیں! اگر ادنیٰ کلکٹر بھی حکم دیدے، کہ مسجدوں میں جماعت کی نماز ادا نہ کریں، کوئی شخص غریب امیر اس کی ہمت نہیں رکھتا، کہ نماز ادا کر سکے۔ اور یہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کا ادا ہونا اور فقہی طور پر، ان کی ادائیگی کا حکم ہوجانا، صرف ان (انگریزوں وغیرہ) کے قانون کی وجہ سے ہے، کہ انہوں نے رعایا کے لئے یہ حکم جاری کررکھا ہے، کہ ہر شخص اپنے دین کے مطابق عمل کرے، سرکار کو اس سے کچھ لینا دینا نہیں، اور سلاطین اسلام کا دیا ہو، جو امن تھا، اس کا تو اب نام ونشان بھی باقی نہیں۔ کون عقل منداس کو مانتا ہوگا کہ وہ امن (اوراجازت) جو شاہ عالم نے دیا تھا، ہم اب بھی اس معاہدۂ امن کے تحت آرام سے بیٹھے ہیں، بلکہ یہ (ایک) نیا ضابطۂ امن ہے، جو کافروں سے حاصل ہوا ہے، اوراسی امن (وانتظام) کے تحت، تمام قومیں ہندوستان میں قیام پذیر ہیں۔

جہاں تک [ایسے علاقے کا] دارالاسلام سے ملے ہوئے ہونے کا تعلق ہے، تو یہ ملکوں اور بڑے علاقوں میں شرط نہیں،

بلکہ چھوٹی بستیوں اور شہروں کے لئے یہ شرط کی گئی ہے۔اور مدد ملنے سے سہولت سے مدد ملنا مراد ہے،اور کون کہہ سکتا ہے کہ اگر کابل کے حکمراں کی یا خلیفۂ مسلمین [ترکی] کی مدد آجائے،تو مسلمان کافروں کو ہند سے نکالدیں گے،ہرگز نہیں۔بلکہ ان کا نکال دینا بہت دشوار ہے،مستقل جہاد و جنگ،اور بہت سامان (وانتظامات) کو چاہتا ہے۔بہر حال کافروں کا ہندوستان پر تسلط اس درجہ کا ہے کہ،کسی وقت بھی کافروں کو دارحرب پر،اس سے زیادہ تسلط (اور قبضہ) نہیں ہوا [جیسا یہاں ہے] اور یہاں مراسم اسلام کا ادا کرنا،صرف ان کی اجازت سے ہے،اور (ہندوستان میں) مسلمانوں سے زیادہ کمزور بے بس،ان کی رعایا میں کوئی نہیں ہے،کہ ہندوؤں کو بھی کسی قدر اعتبار حاصل ہے،مگر مسلمانوں کی کچھ وقعت نہیں ہے،ہاں البتہ ٹونک ،رامپور اور بھوپال وغیرہ میں،کہ وہاں کے حاکم [نواب] کافروں کے احکامات سے دبے ہوئے ہونے کے باوجود،اپنے احکامات جاری رکھتے ہیں۔اس لئے ان ریاستوں اور مقامات کو،دارالاسلام کہا جاسکتا ہے۔جیسا کہ ردمختار وغیرہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

اب بعد سلام مسنون! یہ ہے کہ،اگر اس تحریر سے آپ کو اطمینان حاصل ہوجائے،تو مراد حاصل ہے،ورنہ بندہ کو معذور سمجھیں۔چوں کہ میں لمبی تحریر سے معذور ہوں،(اس لئے) اسی مسودہ کو (آپ کے پاس) بھیجتا ہوں،امید کہ نقل کے بعد اس کو (واپس) بھیج دیں گے،کیوں کہ بعض لوگ یہاں بھی اس کی نقل کا ارادہ رکھتے ہیں۔

فقط والسلام

۷ر شوال ۱۳۱۰ھ (۲۴ر اپریل ۱۸۹۳ء)

بارھواں باب

کتاب العلم والتحقیق

تجوید وقرأت اور متعلقات قرآن کریم

(۸۶۶) رِزْقُهَا اللّٰہ میں مد ہے، یا نہیں؟(۱) رِزْقُهَا کے بعد جو ہمزہ اللہ کا واقع ہے، تو قاعدہ مد کا یہاں موجود ہے، مگر بسبب وقف کے مد نہیں لکھتے۔ سو اگر یہاں وقف نہ کرے تو مد ہونا چاہئے، ورنہ نہیں۔ شاید اس ہی وجہ سے مد کا لکھنا بعض مصاحف میں ہوا ہے، ورنہ یہاں کسی مصحف میں بندہ نے نہیں دیکھا۔ فقط

(مکتوب ۳۲، بنام مولانا خلیل احمد صاحب۔ قلمی)

(۸۶۷) لإیلف میں لام کے بعد الف کیوں نہیں لکھا گیا؟ سوال: لایلف میں جو سورہ قریش میں دو آیت ہیں، اس لفظ میں لام کے بعد الف کیوں نہیں لکھا جاتا، اکرام وایمان وغیرہ میں جب الف لکھا گیا، تو ایلف میں کھڑی زیر پر کیوں اکتفاء کیا؟

جواب: قرآن کی رسم خط موافق قاعدہ مقرر کے نہیں ہے، لہٰذا مصحف عثمانی میں جس طرح مرقوم ہے، اس طرح لکھا جاتا ہے، اور اس کے خلاف کو مکروہ [کہا گیا ہے] پس تمام قرآن شریف کے رسم خط کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۰)

(۸۶۸) سورۂ کہف میں شیءٍ: شایءٍ کیوں لکھا جاتا ہے؟ سوال: لفظ شیءٍ تمام قرآن میں بیائے تحتانی موجود ہے، سورہ کہف کے چوتھے رکوع کے اول [وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ] میں بجائے یائے تحتانی کے، چند مصاحف میں الف لکھا گیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس کی وجہ بھی اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۰)

(۱) سورۃ العنکبوت آیت: ۶۰ ہے "وکاین من دابة لاتحمل رزقها الله یرزقها وایاکم وهو السمیع العلیم" اگر (رزقها) پر وقف کیا جائے اور اللہ سے الگ پڑھا جائے تو مد نہیں ہوگا، ورنہ ہوگا۔ (پالن پوری)

(۸۶۹) سورۂ فتح کے پہلے رکوع میں عَلَیْہُ پر پیش کیوں ہے؟

مسئلہ: یہ کہ سورہ فتح کے پہلے رکوع کے آخر میں، عَلَیْہُ (۱) کے ہائے ضمیر کو پیش کس واسطے پڑھا جاتا ہے، حالانکہ اور سب مثالوں میں زیر موجود ہے۔

جواب: یہ قرأت اور وَمَا اَنْسَانِیْہُ اِلَّا الشَّیْطَانُ الخ کی قرأت حفص کی ہے قراء کے قاعدے میں کسی کو دخل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲)

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۰)

(۸۷۰) ضاد کا صحیح مخرج اور تلفظ کیا ہے؟

سوال: ضاد معجمہ مشتبہ الصوت ظا معجمہ ہے، یا دال مہملہ، صحیح تلفظ کیا ہے؟

جواب ہر دو مسائل (۳) کا مدلل بدلائل شرعیہ ایسا ارقام فرمایا جائے، تا کہ کسی کو جائے اعتراض معقول باقی نہ رہے۔ **بینوا توجروا.**

جواب: ضاد معجمہ نہ دال پر ہے اور نہ ظا ہے، بلکہ جدا حرف ہے، کہ سننے [سمجھنے] سے آتا ہے۔ پس جو لوگ اس کو ظا پڑھتے ہیں غلط کرتے ہیں، اور جو دال پڑھتے ہیں وہ بھی اس لفظ کے ادا کرنے میں خطا کرتے ہیں، مگر بہر حال حرف بنسبت دال کے ظا سے قریب ہے۔ پس جو شخص استادوں [کذا] قرأت سے درست کر لیوے، بہتر [ہے]، اور نہ اس طرح پڑھے کہ ظا نہ ہو جائے، اور دال بھی نہ ہو، سننے والا جان لیوے کہ ضاد پڑھتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں ص ۱۹۷-۱۹۶)

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

[نوٹ: ایک ضروری مسئلہ: ض، د، ظ۔ ہر سہ حروف جداگانہ ہیں، بس: ؟ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۸۷۱) تحقیق قرأت ضاد:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس بارے میں: کہ دو شخص عامی ہیں، ایک حرف (ض) کو (ظ) پڑھتا ہے اور ایک (د) مفخمہ پڑھتا ہے، اور جو بجائے ضاد، ظا، پڑھتا ہے، یہ کہتا ہے کہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ [نے] کیمیائے سعادت کی چوتھی فصل میں لکھا ہے:

کہ فرق میان ض و ظ بجا آورد، اگر نتواند، روا باشد (۴)

ترجمہ: ضاد اور ظا کے درمیان فرق ظاہر کرے، اگر نہ کرے تب بھی جائز ہوگا۔ (ت، نور)

---

(۱) وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح: ۱۰)

(۲) "ھو" اور "ہ" ایک ضمیر ہیں اور ضمہ پر مبنی ہیں، کیونکہ تمام ضمیریں مبنی ہیں، مگر "ہ" سے پہلے زیر آئے جیسے بہ یا ی ساکن آئے تو و پر زیر آتا ہے، مگر اس قاعدہ سے یہ دو آیتیں مستثنیٰ ہیں، ایک علیہ اللہ دوسری انسانیہ۔ ان دونوں جگہوں میں حفص کی قرأت میں واصل اعراب ہے۔ دونوں صورتوں میں "ہ" سے پہلے یا ساکن ہے، پھر پہلی صورت میں ی سے پہلے زبر ہے اور دوسری صورت میں ی سے پہلے زیر ہے۔ (پالن پوری)

(۳) میں دو مسئلے مذکور تھے، یہاں ایک مسئلہ سوال میں سے لیا گیا ہے۔ دوسرا مسئلہ اپنے موقع پر علیحدہ آئے گا۔ (نور)

(۴) کیمیائے سعادت ص ۷۵ فصل چہارم در نماز (مطبع احمدی دہلی ۱۲۶۹ھ)

اور تفسیر کبیر میں ہے:

فثبت بما ذكرنا ان المشابهة بين الضاد والظاء شديدة وأن التميز عسر، وإذا ثبت هذا فنقول لو كان هذا الفرق معتبرا لوقع السؤال عنه فى زمان رسول الله ﷺ وفى أزمنة الصحابة، لاسيما عند دخول العجم فى الإسلام، فلما لم ينقل وقوع السؤال عن هذه المسئلة البتة، علمنا أن التميز بين هذين الحرفين ليس فى محل التكليف انتهىٰ بلفظه. (۱)

ترجمہ: جو ہم نے ذکر کیا اس سے ثابت ہوگیا، کہ ضاد اور ظا میں بہت زیادہ مشابہت ہے اور دونوں کا باہمی امتیاز دشوار ہے، اور جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ فرق معتبر (اور لائق توجہ) ہوتا، تو اس کے متعلق عہد نبوی میں سوال کیا جاتا، خصوصاً عجمیوں کے اسلام میں داخل ہونے کے وقت۔ پس جب ان کا اس قسم کا کوئی سوال نقل نہیں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان دونوں حرفوں میں فرق اور تمیز کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ (ت۔نور)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عامی کے واسطے ضاد کو عین ظا کر دینے کی اجازت ہے، جب نکال نہ سکے اور فرق نہ کر سکے، اور دال مفخمہ والا، کوئی دلیل بجز رواج عام کے نہیں دے سکتا، کہ جو اکثر جہلا میں واقع ہے۔ اور ظا والا کہتا ہے کہ دال مفخمہ والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، کیونکہ جب اس حرف کا کہ ضاد [ہے] اشتباہ ظا کے ساتھ ثابت ہوا، جیسا کہ درمختار میں مفسدات الصلوۃ میں ہے:

الا ما يشق تميزه كالضاد والظاء فاكثرهم لم يفسدها الخ (۲)

ترجمہ: مگر وہ جن کی پہچان اور (ان میں باہم) امتیاز مشکل ہو، جیسے ضاد کی ظا کے ساتھ، تو اکثر علماء کی رائے میں اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (ت۔نور)

اور عالمگیری میں زلۃ القاری میں ہے:

وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين. (۳)

ترجمہ: اور اگر دونوں حرفوں میں فرق ممکن نہ ہو مگر مشقت سے، جیسے ظا کا ضاد سے اور صاد کا سین سے۔ (ت۔نور)

(۱) تفسیر کبیر ص ۶۳ ج ۱ مقدمہ سورہ فاتحہ (طبع ثالث، دار احياء التراث العربى، بيروت) پیش نظر قلمی نسخہ اور مطبوعہ میں چند الفاظ کا فرق تھا، جس کو مطبوعہ کے مطابق کر دیا ہے۔ [نور]

(۲) درمختار۔ ج:۱ ص:۹۱ [مطبع عکس طبع مجتبائی ۱۳۳۱ھ] نیز الدر علی ہامش الشامی ص:۶۳۳ ج ۱ مطلب مسائل زلة القارى (دار الفكر بيروت: ۱۳۸۶ھ) نیز الدر مع الشامی مطلب مسائل زلۃ القاری ج:۱ ص:۴۲۵ [مطبع مجتبائی دہلی] [نور]

(۳) عالمگیری ص:۱۹۰ ج ۱ باب زلۃ القاری (مطبوعہ بندرہوگلی کلکتہ ۱۲۵۸ھ) نیز عالمگیری ص: ۷۹، ج: ۱. الفصل الخامس فى زلة القارى (كتب خانه نورانى، پشاور) [نور]

اور اسی طرح کی عبارت فتح القدیر وغیرہ (من کتب الفقہ) میں واقع ہے، تو ان سے معلوم ہوا کہ ضاد اور ظا میں بہت مشابہت ہے، اسی واسطے ان دونوں میں فرق کرنے میں بہت مشقت ہے، ورنہ اگر دال مفخمہ کہا جائے، تو فرق میں کیا مشقت ہے، بلکہ بہت سہل ہے، جیسے ج اور ص میں سہل ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب نے تفسیر فتح العزیز کی جلد اخیر میں لکھا ہے:

قراء ایں دیار چنیں خوانند، کہ نہ بجائے ض، غ معلوم می شود و نہ بجائے ظ، ظ۔ انتہی بحاصلہ (۱)

اس علاقہ کے قاری اس طرح پڑھتے ہیں، کہ نہ ضاد کی جگہ ضاد معلوم ہوتا ہے، نہ ظ کی جگہ ظ۔ (ت۔ن)

اور مفتی عنایت احمد صاحب نے "البیان الجزیل" (۲) میں لکھا ہے، کہ ایک بلائے عظیم اس زمانے میں پھیلی ہے کہ ضاد کو دال مفخمہ پڑھتے ہیں، اور مولوی محمد یعقوب صاحب ابن مولوی مملوک علی صاحب نے فتویٰ دیا، اس پر کہ یہ حرف مشابہ ساتھ ظ کے ہے، نہ دال کے، تو جب اس حرف کا کمال اشتباہ ظ کے ساتھ ثابت ہوا، اور عامی کے واسطے شارع کی جانب سے اجازت ورخصت بوقت عجز کے، اداء اصل سے ظ پڑھنے کی ثابت ہوئی، جیسا کہ تفسیر کبیر سے معلوم ہوا، تو جو کوئی قصداً غلط پڑھے گا، اس کی نماز نہ ہوگی۔ اتو فرمائیے کہ حق پر کون ہے؟

جواب: مکرما! اس فضول بحث میں بندہ پڑنا نہیں چاہتا، مگر آپ کا اصرار ہوا، تو اپنا عندیہ ظاہر کرتا ہوں، کہ ضاد کو اپنے مخرج کے ساتھ ادا نہ کرنے سے خراب ہونے والے دو فریق ہیں: ایک وہ جو بجائے ضاد کے ظا پڑھتے ہیں، تو یہ صاف ظاہر اور مُسلَّم آپ کا ہے، کہ تبدیل حرف بجائے حرف اس میں ہوتی ہے، پس اگر یہ امر معذور سے بلا اختیار ہوتا ہے، کہ ارادہ ضاد کا اپنے مخرج سے کرتا ہے، مگر ادا نہیں ہوسکتا، تو تا تعلیم معذور ہے، اس میں بحث نہیں۔ اور جو عمداً ایسا کرتا ہے تو لاریب! تحریف وتبدیل کلام اللہ کی ہے، کیونکہ ضل کے معنی مباین ظل کے ہیں، اور ظفر کے معنی مخالف ضفر [ض ف ر] کے، پس اگر تبدیل معنی ہے تحریف نہ ہووے گی، تو کیا ہووے گی؟ پس نہ معلوم کہ کس طرح کوئی مجوز اس کا ہووے گا، تو لازم ہے کہ نماز فاسد ہووے۔

دوسرا فریق جو ضاد کو دال پڑھتا ہے، تو واضح ہے کلام عرب میں، دال مفخم کوئی حرف نہیں، اور حروف ہجا انتیس میں، کوئی حرف دال پُر نہیں، اور نہ دال پُر خود حرف دال ہے، کیونکہ دال سے یہ دال پُر جداگانہ ہر طرح سے ہے، پس دال پُر محض تعبیر ہے، اس ضاد سے کہ کنارہ زبان کا اضراس سے نہ ملا، اس کے ادا میں اور زبان اطباق میں، تالو کے ساتھ بشدت لگ گئی، پس یہ فی الحقیقت دال

(۱) تفسیر عزیزی پارہ عم تحت قولہ تعالی وما ہو علی الغیب بضنین (سورۃ التکویر آیت: ۲۴) (مطبع محمدی لاہور ۱۲۹۴ھ) [نور]

(۲) مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

"ایک بلائے عام اس زمانہ میں یہ ہوگئی ہے کہ ضاد کو بصورت دال کے پڑھتے ہیں، مشتبہ الصوت دال کا اسے کردیا ہے کہ دال نہیں، وہ پرے۔ سو یہ بات جملہ کتب قرأت اور تفسیر فقہ کے خلاف ہے۔ سب کتابوں میں ض کا مشتبہ الصوت ہونا ظ سے ثابت ہوتا ہے، نہ دال سے۔ البیان الجزیل و مقصود القاری وغیرہ (چہار مسائل قرأت) ص: ۴-۵ (مطبع بہار کشمیر، لاہور: ۱۲۹۹ھ) نیز شامل بست رسائل قرأت ص: ۳-۴ (طبع قیومی کان پور: ۱۳۱۵ھ) [نور]

نہیں، بلکہ ضاد ہے، کہ نقصان کے ساتھ ناقص مخرج سے نکلی ہے، سوضاد ہی ہوا۔ اور دال پُر محض تعبیر و بیان ہے، کیونکہ دال پُر کوئی حرف نہیں، کہ تبدیل حرف وتحریف کلمہ کا اطلاق درست ہووے، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی ظا کو ذال پُر کہے بلا تفاوت، کیونکہ نہ دال پُر کوئی حرف ہے نہ ذال پُر، محض تعبیر ہے۔ لہٰذا دال پُر پڑھنے [سے] ہرگز تحریف کلام اللہ کی نہیں ہوئی، البتہ نقصانِ ادا ہوا ہے، سو جان کر ایسا پڑھنا بے شک ناز یبا ہے، کہ نقصانِ ادا خراب ہے، مگر یہ نہیں کہ تحریف ہو اور نماز کا فساد ہو، اور تغیر معنی کا پیدا ہو کر خرابی لاوے، جیسا کہ ضاد کو ظا پڑھنے میں یہ خرابی آتی ہے۔

کیونکہ ضل کے ظل پڑھنے میں، ہر متکلم و سامع جانتا ہے کہ کلام بدل گئے، معنی بدل کر کلام خراب ہو گیا اور ضل کو دل پڑھنے میں بھی ایسا ہی حکم ہے، مگر ضل کو بہ دال پڑھنے میں ہر سامع جانتا ہے کہ متکلم نے ضل ہی کہا ہے، مگر نقصانِ ادا ہوا ہے، تو کس طرح فسادِ معنی ہوا، اور کیوں کر نماز فاسد ہوئی، اور نقصان ادا سے بھی نماز جاوے، تو تمام حروف میں یہی حال ہوگا اور سوائے کمالِ تجوید کے کسی کی نماز نہ ہووے گی، حسب تحریر آپ کے۔ کہیں عجمی کو ایسا حکم شرع میں نہیں دیا گیا، پس کمالِ ادا اور سب کا دشوار، اور نفس ادا کہ جس سے اشتراک حرفین کا رفع ہوجاوے، کہ فلاں [لفظ] کہا ہے، ضروری ہے، سو یہ ضاد کو دال پُر پڑھنے میں موجود ہے اور ہرگز تبدیل حرف نہیں ہوئی، کیونکہ دال پُر کوئی حرف ہی نہیں، اور ظا پڑھنے میں ہرگز یہ امر نہیں، کیوں کہ تبدیل حرف ہے اور ضاد و ظا مشترک ہو کر، تغیر معنی اور اشتباہ معنی دیتا ہے۔ ہرگاہ کہ اعجام کو ظا کی اجازت ہے بزعم سائل، تو دال پُر کی بطریق اولیٰ اجازت ہوئی، کیونکہ تبدیل سے نقصان ادا اسہل ہے، جیسے تمام حروف میں ایسا ہی ہے۔ پس یہ رائے بندہ ہے، غالباً اگر بغور وانصاف کوئی دیکھے تو قبول فرماوے، اور جو خدشات اس میں پیدا ہوتے ہیں، وہ اس ہی مجمل کے غور سے رفع کرسکتا ہے۔

اب سائل کے استدلالات کا جواب ضرور (ی) نہیں، مگر تھوڑا سا اشارتاً لکھتا ہوں، کہ فرصت تطویل نہیں، اور شغب میں مفید نہیں، انصاف میں حاجت نہیں۔

کیمیائے سعادت میں فرق ضاد و ظا کو کہتے ہیں اور عاجز کو معاف کرتے ہیں، یہ درست ہے، کہ گو مخرج ضاد و ظا کا جدا ہے مگر اشتراک صفات سے تمیز دشوار ہے، معذور کو معذور لکھا، دال پُر بھی اول تو سہل نہیں، عوام سے ادا کرا کے دیکھنا چاہئے، پھر اسکی تصریح نہ کرنے سے کہ دال پُر کا کیا حال ہے، نفی جواز صلوٰۃ درصورت دال پُر لازم نہیں آتی۔ اور وجہ نہ ذکر کرنے کی یہ ہے کہ دال سے اس کو بے شک ہر طرح بُعد ہے، مخرج میں بھی، صفات میں بھی، اس واسطے دال پُر پڑھنے کا اس وقت حدوث نہ تھا اور یہ نقصان انکے ذہن میں نہ آیا تھا، بسبب عدم وقوع کے۔ سو یہ بھی مسلم ہے کہ دال سے ضاد کو بُعد ہے اور ظا سے بسبب اتحاد اکثر صفات کے قرب ہے، مگر نفی دال پُر کی ہونے کے سبب، بسبب نقصان ادا کے لازم نہیں آتی۔

اور تفسیر کبیر کا محصل یہ ہے کہ، ایسے ادا کرنا ناقص اعجام کا، خواہ ظا کی طرف میلان ہو، خواہ دوسرے طرز تعبیر ہو، معتبر نہیں، اور شارع نے اس میں تنگی نہیں کی، سو جیسا ظا میں عذر ہے، ایسا ہی دال پُر میں بھی معذور رکھنا چاہئے، اور بے شک دونوں تغیر عمداً خطا ہیں۔

الحاصل فسادِ ادا ہر دو صورت میں ہے، اور دال پُر میں کم ہے، اور تشابہ اکثر صفات ظا سے بھی مسلم ہے، پس ہر دو صورت یکساں اور تغیرات ضاد کے، سوائے ان دو کی بھی ایسے ہی ہے، کہ بعض ظا کر دیتے ہیں اور بعض ذال کر دیتے ہیں، کہ معذور معذور ہے اور عمداً مبدل حرف ہے، البتہ دال پُر والے کے اطلاق کو سب لوگ ضاد خواں جانتے ہیں، گو مخرج کا نقصان ہے۔

اس مسئلہ میں قراء سے استفسار مناسب ہے، بندہ ناواقف فنِ قرأت سے ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم — کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

[رسالہ تحقیق الضاد والمصافحہ، از حضرت مولانا گنگوہیؒ ضمیمہ ص ۲-۳ (طبع اول، مطبع گلزار ابراہیم مراد آباد: شوال ۱۳۰۷ھ)]

(۸۷۲) ضاد کی ادائیگی قراء سے سننی چاہئے:

ضاد کے ادا میں قراء سے تحقیق چاہئے، یہ امر کان سے سننے کا ہے نہ [کہ] تحریری، یہ حرف نہ دال پُر ہے اور نہ ظا ہے، بلکہ جدا حرف ہے۔ اگر کوئی دواد پڑھے، جس کو دال پُر کہتے ہیں اس طرح کہ دال سے اور ظا سے جدا ہو جائے، اس کی نماز درست ہے مگر ادا کی خطا ہے۔ علیٰ ھذا، جو ایسا پڑھے کہ ظا نہ ہو جائے مگر ظا کے قریب ہو جائے، اس کی بھی نماز ہو جاتی ہے، اگر ظا ہو جاوے گی نماز فاسد ہو وے گی، فقط والسلام

دین میں نزاع کرنا حرام ہے، اگر دیانت ہو کوئی بھی کام ایسا نہ کرے۔ (مجموعہ کلاں: ص ۲۰۰)

(۸۷۳) وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوْا کی صحیح قرأت، نحوی ترکیب اور ایک اہم اعتراض کی تحقیق:

از بندہ رشید احمد عفی عنہ — بعد سلام مسنون آں کہ آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا، بعض امور جو آپ نے استفسار کئے ہیں، بعض کو تو کچھ لکھتا ہوں اور بعض سے معذور ہوں، معاف فرماویں، کوتاہ قلمی کی وجہ سے تحریر ضبط نہیں کر سکتا۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (البقرۃ-۱۶۵) اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم۔ (ترجمہ شیخ الہند)

جلالین میں اول قرأت تری بصیغہ خطاب کو لیا اور رویت کو رویت بصری ٹھہرا کر، الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کو مفعول بنایا اور اذیرون العذاب کو ظرف بنایا، بہ معنیٰ رویت بصری کے (۱) سو ترجمہ یہ ہوا کہ: "اگر دیکھے تو ظالموں کو وقت دیکھنے ظالموں کے عذاب کو، اور جواب لو کا محذوف نکالا لرئیت امراً عظیماً اور اَنَّ الْقُوَّةَ کو مجرور دلیل اُس کی بنایا، اس میں تو کچھ خفاء

---

(۱) تفسیر جلالین کے الفاظ یہ ہیں: وَلَوْ تری تبصر یا محمد، الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا باتخاذ الانداد، اِذْ يَرَوْنَ بالبناء للفاعل والمفعول يبصرون الْعَذَابَ لرأيت امراً عظيماً. واذ يعنى اذا اَنَّ اى لان الْقُوَّةَ القدرة والغلبة لِلّٰهِ جَمِيْعًا حال، وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ٥ (الجلالین ص ۲۳-۲۴، عکس طبع نور محمد دہلی) [نور]

نہیں، پھر کہا کہ وفی القراء ۃ یری با لتحتانیۃ اوراس قرأت پر اگر فاعل ضمیر سامع کی ہو،تو بھی رویت بصری ہے اور سب معنی مثل سابق کے ہوں گے، اور جوالذین ظلموا کو فاعل بناویں، تواب رویت علمی کہتا ہے، اگر جانتے ،ظالموں اور اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ کوقائم مقام دومفعول کا اور اذیرون العذاب کوظرف مثل سابق کے، بمعنی رویتِ بصری۔ پس معنی یہ ہوئے اگر جانتے ظالمین ،کہ قوت سب حق تعالیٰ کو ہے، وقت دیکھنے عذاب کے اور جواب محذوف۔ پس اذیرون العذاب کاظرف ہونا دشوار ہے اور یہی اس میں اشکال ہے۔

سو اگر اذیرون العذاب کو مبدل منه اور ان القوة کواس کا بدل کردیا جاوے، تو معنی درست ہوجاتے ہیں،اس طرح اگر جانتے ظالم وقت دیکھنے عذاب کو،اس کو کہ قوت سب حق تعالیٰ کو ہے اوراس کا عذاب شدید ہے،تواور لــــو کا جواب محذوف ہے،اب کچھ خدشہ نہیں اور دوسری توجیہ بھی ممکن ہے،فہیم کو یہی کافی ہے۔

(مجموعہ کلاں ص۱۷۹-۱۸۰)

(۸۷۴) ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ کی نحوی ترکیب؟

من الآیات اگر حال نتلوہ کی ضمیر سے واقع ہوگا، تو عامل ذلک ہرگز نہیں ہوسکتا، لہٰذا بالضرور یہاں عبارت حذف ہوکر رہی، اور غلطی کاتب ہوئی۔ سواس طرح عبارت ہے:

من الآیات حال اور نتلوہ حال وعامله مافی ذلک من معنی الاشارة، الخ(۱) (مجموعہ کلاں ص:۱۸۰)

(۸۷۵) عن الیمین والشمائل میں یمین مفرد اور شمائل جمع کیوں ہیں؟ اور آیت یتفیؤ الخ میں وجوہ جمع شمائل وافراد یمین کی، تفسیر کبیر میں مذکور ہیں (۲) کہیں سے طلب کرکے دیکھ لیویں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ یمین جانب مشرق کو قرار دیا ہے، سو مخرج ظل واحد ہے اور پھر مغرب کی طرف جانے میں، بدلتا چلا جاتا ہے، لہٰذا شمائل کو جمع فرمایا ہے۔

اور پوری تقریر آیت شهادة بینکم (۳) کی لکھ نہیں سکتا ہوں، اور حق یہ ہے کہ یہ بھی جو لکھا ہے خوب بسط اس کی زبانی ہوسکتی ہے، تحریر میں بسبب عدم فرصتی نہایت قاصر ہوں، لکھنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ فقط والسلام

اور سب احباب کو سلام مسنون فرمادیویں۔ (مجموعہ کلاں، ص۱۸۰)

---

(۱) (آل عمران-۵۸) الجلالین ص۵۲

(۲) یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ٥ (النحل-۴۸) تفسیر کبیر ص:۳۲ تا ص:۳۶ ج:۲۰ (عکس طبع قدیم۔ داراحیاء التراث العربی بیروت: بلاسنہ)

(۳) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ (المائدة-۱۰۶) [نور]

(۸۷۶) بسم اللہ قرآن کریم کا جز ہے، یا نہیں؟ **سوال:** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر سے پڑھنی جیسے دو سورتوں کے درمیان میں آجاوے، اور وہ دونوں سورتیں پڑھنی ہیں تراویح میں یا فرائض میں، جائز ہے، یا نہیں؟ اور نسخہ کثیر الامانی میں ہے کہ بسم اللہ جزء قرآن نہیں ہے، بلکہ واسطے فرق کرنے دو سورتوں کے ہے، جب جز نہ ہوا، تو پڑھنا ہی جائز نہ ہوا، اور سنا گیا ہے کہ پانی پت اور کرنال وغیرہما میں، بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں۔

جواب: بسم اللہ کے جزء قرآن ہونے میں اتفاق حنفیہ وشافعیہ کا ہے، البتہ جزء سورت ہونے میں خلاف ہے، حنفیہ جزء سورت نہیں کہتے، پس حنفیہ اس واسطے اس کا جہر نہیں کرتے۔ اگر کوئی حنفی بوجہ تقلید، امام عاصم قاری سبع کے پڑھے، تو ہوسکتا ہے، ورنہ اصل مذہب حنفیہ میں پڑھنا سنت نہیں ہے۔ اہل پانی پت بوجہ قرأت امام عاصم پڑھتے ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ کلاں ص ۱۰۰-۱۰۱)

(۸۷۷) سورہ ملک کا توریت میں نازل ہونا کس حدیث میں ہے؟ **سوال:** سورۂ ملک کا توریت میں نازل ہونا، حدیث میں کن کن الفاظ سے منقول ہے اور وہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

جواب: مجھ کو یاد نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد ۵۰-۵۳)

(۸۷۸) آیت شریفہ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کا کیا مطلب ہے؟ **سوال:** قرآن شریف میں جو آیت: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ(۲) ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اور پنڈلی کس کی مراد ہے؟

جواب: ساق کا لفظ متشابہات میں سے ہے، کہ اس پر ایمان لانا چاہئے اور کیفیت کو علم حق تعالیٰ پر چھوڑے فقط۔ (بدست خاص، سوال ۱۱)

(۸۷۹) اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ میں بعض کی قید کیوں لگائی ہے؟ **سوال:** سورہ حجرات میں جو آیت: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (۳) ہے، سو گمانِ بد تو سارے ہی برے ہوتے ہیں، بعض گمانِ بد سے کیا مراد ہے؟

---

(۱) سورۂ ملک کا تورات میں ہونا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے، یہ طویل روایت طبرانی نے نقل کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: وعن ابن مسعودؓ قال يؤتى بالرجل في قبره فتؤتى رجلاه فتقولان ليس لک على ما قبلنا سبيل قد كان يقرأ علينا سورة الملک، ثم يؤتى جوفه فيقول ليس لک علىّ سبيل قد كان يقرأ فىّ سورة الملک . قال عبد الله فهى المانعة تمنع عذاب القبر وهى فى التوراة هذه السورة الملک. من قرأها فى ليله أكثر و أطيب علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: و فيه عاصم بن بهدلة وهو ثقة، وفيه ضعف، و بقية رجاله رجال الصحيح. مجمع الزوائد ص ۱۲۸ ج ۷۔ [نور]

(۲) جس دن کھولی جائے پنڈلی اور وہ بلائے جائیں سجدہ کرنے کو (سورہ قلم-۴۲ ترجمہ شیخ الہند) اس آیت میں وجہ (چہرہ) ید (ہاتھ) کی طرح ساق (پنڈلی) سے مراد اللہ کی پنڈلی ہے، اور وجہ اور ید کی طرح یہ بھی متشابہات میں سے ہے۔ (پالن پوری)

(۳) الحجرات ۱۲۔

جواب : اگر کوئی چکلہ میں بیٹھا ہو تو زنا کا گمان کرنے والا گنہ گار نہیں، کہ دلیل بدکاری اس پر موجود ہے۔ گمانِ بد وہ برا ہے کہ وہم سے اختراع کرے، ورنہ ظاہر خراب پر گمان ہوتا ہی ہے، کہ ظاہر برائی ہے، ایسا گمان اثم نہیں۔

(بدست خاص، سوال ۴۰)

(۸۸۰) وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا کا کیا مطلب ہے؟ سوال : سورہ احقاف میں آیت حَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا(۱) کا کیا مطلب ہے، آیا تیس مہینے مع حمل کے، دودھ چھڑانے کے ہیں، یا علاوہ حمل کے۔

جواب : اس آیت میں چھ ماہ ادنیٰ مدت حمل کی ہے اور دو سال مدت رضاعت کی، اور یہی رائے مفتیٰ بہ ہے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۱)

(۸۸۱) حمإ مسنون میں عناصر اربعہ کیسے پیدا ہو گئے؟ سوال : انسان حماءِ مسنون سے بنا ہے(۲) تو پھر چار عنصر کہاں سے اور کیوں کر، ہو گئے ہیں؟

جواب : حماء سے بننے کے یہ معنی ہیں کہ یہ جزو اعظم ہے اور اول جزء ہے، حماء بدون پانی کے نہیں ہوتا، دو یہ ہوئے اور دو بعد خمیر کے باذنہ تعالیٰ پیدا ہوئے، چار رکن ہو گئے۔ (اور) اگر کوئی کہے کہ یہ رزائی دَریس (۳) کی ہے، تو یہ معنی نہیں ہوئے، کہ اس میں گوٹ روئی اور دھاگے نہیں۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۵۶)

(۸۸۲) ہاروت و ماروت کا قصہ کس حد تک صحیح ہے؟ سوال : قصہ ہاروت و ماروت کے عاشق ہونے اور چاہِ بابل میں معذّب ہونے کا، سنا ہے کہ شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے، کہ صحیح ہے۔ آنجناب کے نزدیک بھی صحیح ہے، یا نہیں؟

جواب : جس قدر شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۴) نے لکھا ہے کہ وہ صحیح ہے اور جس قدر لوگوں نے بڑھایا ہے وہ غلط ہے، مگر بعض مفسرین نے مثلاً بیضاوی نے مطلقاً اس قصہ کا انکار کیا ہے، (۵) اس کو شاہ عبد العزیز و دیگر بعض محققین نے رد کیا ہے۔ (۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بدست خاص، ص ۵۶)

---

(۱) ترجمہ اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینہ میں ہے (الاحقاف-۱۵ ترجمہ شیخ الہند)

(۲) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ٥ (الحجر-۲۶)

(۳) ایک معمولی قسم کا سوتی کپڑا ہوا کرتا تھا۔ صحیح لفظ دریز ہے مگر دریس زبان زدِ عوام ہے۔ [نور]

(۴) تفسیر عزیزی تحت آیت: ماانزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت سورۂ بقرہ ص: ۲۵۸ سے ۲۶۳ تک سنہ ۱۲۶۴ مطبع محمدیہ۔ [نور]

(۵) تفسیر بیضاوی وماروی انہما مثلا بشرین ورکبا فیہما الشہوۃ فتعرضا لامراۃ یقال لہا الزہرۃ فحملتہما علی المعاصی والشرک ثم صعدت السماء بما تعلمت منہما فمحکی عن الیہود ولعلہ من رموز الاوائل وحلہ لایخفی علی ذوی البصائر ص: ۵۵ (مطبع میمنیہ، مصر) [نور]

۶/نمبر کی حاشیہ آئندہ صفحہ پر

(۸۸۳) سورتوں کے فضائل میں انعامی ثواب مراد ہے: جو شخص ایک ماہ میں ختم قرآن کرے، اس کو ثواب زیادہ ہے، کیونکہ قرآن کا ثواب بے نہایت ہے۔ سورہ یاسین کا ثواب جو حدیث میں مذکور ہوا وہ انعام ہے، کہ اصل ثواب قرآن کا دوچند ہے، اور سارے قرآن کا (ثواب) انعام بہت بے شمار، پس جو تمام قرآن پڑھے گا، اس کا ثواب زیادہ ہووے۔ حاصل یہ ہے کہ جو فضائل سور(ۃ) میں آیا ہے کہ اس کی یہ مراد ہے، کہ انعام اس سورت کا اصل قرآن کے ثواب کے برابر ہے، اور انعام قرآن کا بہت کچھ ہے، ورنہ فضیلت جز کی کل پر لازم آجاوے، یہ محال ہے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۱۹۔۲۰)

(۸۸۴) تین دن سے کم میں ختم قرآن کیسا ہے؟ سوال: تین روز سے کم ختم قرآن میں کراہت ہے، یا نہیں؟

گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

(۶) مگر حق بیضاوی کے ساتھ ہے حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا ہے: "ان آیتوں کے متعلق ایک لمبا چوڑا قصہ زہرہ کا مشہور ہے جو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں" (حضرت کی بات پوری ہوئی) اور حضرت شاہ صاحبؒ نے تفسیر عزیزی میں جو دو روایتیں ذکر کی ہیں وہ کتب حدیث کے چوتھے طبقہ کی روایتیں ہیں اور اس طبقہ کی کتابوں میں صحیح روایتیں بہت کم ہیں۔ اور یہ قاعدہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر احادیث سے کرنی چاہئے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ حدیثیں صحیح اور قابل اعتبار ہوں، بے اصل روایات سے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں ان روایات کے مضامین کی طرف ادنیٰ اشارہ نہیں، سورۃ البقرۃ (آیات ۱۰۱۔۱۰۳) میں ارشاد پاک ہے کہ جب ان (یہود) کے پاس ایک عظیم الشان رسول (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی طرف سے آئے جو اس کتاب (تورات) کی تصدیق کر رہے ہیں تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا جیسے وہ جانتے ہی نہیں (کہ یہ اللہ کی کتاب ہے) اور اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں تلاوت کرتے تھے (یعنی اس کو اللہ کی کتاب کا درجہ دیدیا تھا) اور حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا یعنی یہود میں یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی تھی کہ یہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کو سکھایا ہے، قرآن کریم نے درمیان میں اس کی تردید کردی کہ جادو کرنا کفر ہے، یہ کام سلیمان علیہ السلام کا نہیں ہو سکتا، یہ تو شیاطین نے لوگوں کو سکھایا ہے، وہ انسانوں کو جادو سکھلایا کرتے تھے اور وہ عمل سکھلایا کرتے تھے جو بابل شہر میں ہاروت ماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا (یہ واقعہ اسارت بابل کے زمانہ کا ہے جب بنی اسرائیل غلام باندی بنادیئے گئے تھے اور ان کے آقا ان پر ظلم کرتے تھے اور سخت بیگار لیتے تھے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اسرائیل کو ایک عمل سکھلایا تھا، جس کا تذکرہ قرآن میں آگے آرہا ہے، یہ عمل بھی شیاطین لوگوں کو سکھلاتے تھے۔ اور وہ دونوں فرشتے کسی کو (وہ عمل) نہیں سکھلاتے تھے جب تک یہ نہیں کہہ لیتے تھے کہ ہم آزمائش ہی ہیں، پس تو کافر مت ہو جانا (یعنی وہ عمل ہم سکھلا رہے ہیں اس کو غیر محل میں استعمال نہ کرنا ورنہ کافر ہو جائے گا۔ جس کا آقا پریشان کر رہا ہو وہی اس تعویذ کو استعمال کرے۔ پس وہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے وہ عمل سیکھتے تھے، جس کے ذریعہ آدمی اور اس کی بیوی میں تفریق کردیں (جب سیٹھ سیٹھانی لڑیں گے تو غلام اطمینان کا سانس لیں گے) اور وہ جادوگر جادو کے ذریعہ کسی کو نقصان پہنچانے والے نہیں، مگر باذن الٰہی (یعنی جادو میں بھی تاثیر اللہ کی رکھی ہوئی ہے اور وہ کارگر بھی اسی وقت ہوتی ہے جب مقدر ہو) اور یہود وہ علم سیکھتے ہیں، جو ان کے لئے ضرر رساں ہے اور ان کے لئے نافع نہیں ہے۔ (یہ گفتگو شروع کی طرف لوٹ گئی ہے) اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ یہود جانتے ہیں کہ جو شخص اس (جادو) کو اختیار کرے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور یقیناً بری ہے وہ چیز جس میں وہ اپنی جانیں کھپا رہے ہیں، کاش وہ جانتے! اور اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے، تو اللہ کے یہاں کا بدلہ یقیناً بہتر تھا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ یہ عمل ان کو سکھلایا۔ اور ان کی دستگیری کی، اور اگر پیغمبر ہوتے بھی تو یہ علم ان کے ذریعہ سکھانا مناسب نہیں تھا، نیز سارے غلام نبی کے پاس حاضر نہ ہو سکتے تھے اور نہ نبی سب کے پاس جا سکتا تھا، اس لئے یہ کام فرشتوں سے لیا گیا تا کہ وہ سب کے پاس جائیں اور ان کو یہ تعویذ سکھائیں اور کوئی ان کو نہ دیکھے۔ واللہ اعلم (پالن پوری)

جواب: کراہت کسی حدیث میں ثابت نہیں، بلکہ یہ ہے کہ (اکثر) ایسے پڑھنے میں فہم تام حاصل نہیں ہوتا اور پھر اس میں ثواب [نہیں] بلکہ کراہت ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مجموعہ فرخ آباد ص ۵۱)

(۸۸۵) قرآن پاک پڑھاتے ہوئے تسبیح اور ذکر میں مشغول ہونا؟ سوال: قرآن پڑھاتے ہوئے مثل تسبیح وتہلیل، اگر پڑھے جائیں جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب: معلم قرآن پڑھانے میں مشغول (ہو) دوسرے کام میں نہ ہو۔ قرآن سے بہتر کوئی ذکر نہیں۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ اللہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۱۴۴-۱۴۶)

(۸۸۶) اگر قرآن شریف ہاتھ سے گر جائے، تو اس کے بدلہ میں صدقہ کرنا؟ سوال: قرآن مجید اگر ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر جائے، تو اس کے بدلے اس کے برابر غلہ صدقہ کرنا، کیسا ہے؟

جواب: قرآن شریف کے زمین پر گر جانے کا کفارہ، غلہ مساوی دینا کہیں مذکور نہیں، جہلاء کا قاعدہ تراشیدہ ہے۔ البتہ اپنی غلطی پر توبہ کرنا، کچھ صدقہ کر دینا، بلا قید بہتر ہے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۳)

(۸۸۷) قرآن کریم کی جلد کسی اور کتاب میں لگانا؟ سوال: بعض شخصوں نے قرآن مجید بوسیدہ اور دستی بیکار سمجھ کر، یا یوں سمجھ کر کہ شاید کوئی پڑھے، مسجد میں رکھ دیئے ہیں، اور فی الواقع وہ قرآن مجید ایسے ہی ہوگئے ہیں کہ بیکار رکھے ہوگئے ہیں، اگر ان کی جلد کچھ کام کی ہو، تو اس کو ان سے علیحدہ کرنا اور کسی کتاب میں لگا لینا غنی (مالدار) کو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: قرآن شریف کی جلد کو باجازت مالک، قرآن شریف میں لگا دینا جائز ہے اور کتاب میں لگانا، نادرست۔ واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص: ۷)

(۸۸۸) قرآن شریف پر سادہ ورق رکھنا؟ سوال: قرآن مجید پر کتاب یا کاغذ سادہ رکھنا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کچھ نہ رکھے بے ادبی ہے، مگر قرآن کا ورق رکھنا درست ہے۔ بس (بدست خاص سوال ۵۷)

---

(۱) روی عن عبداللہ بن عمر وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لم یفقه من قرأ القرآن فی أقل من ثلاث رواہ الترمذی فی کتاب القرات رقم الباب: ۱۳ باب ماجاء أن القرآن أنزل علی سبعة أحرف ص: ۱۸۰ جلدپنجم رقم الحدیث: ۲۹۴۹ ت: کمال یوسف الحوت. [دارالکتب العلمیة، بیروت] نیز ترمذی کتاب مذکور باب مذکور۔ص: ۱۲۳ ج: ۲ [کتب خانہ رشیدیہ، دیوبند بلاسنہ]، [نور]

(۸۸۹) اجرت دے کر ایصال ثواب کے لئے یا تراویح میں قرآن شریف پڑھوانا؟ سوال: حافظ یا مولوی کا قرآن پڑھانے یا سنانے، یا پڑھوا کر مردوں کو ثواب بخشوانے کے واسطے نوکر رکھنا یا کچھ دینا، کیسا ہے؟

جواب: قرآن شریف جو اجرت دیکر، ثواب کے واسطے پڑھنا پڑھانا، جائز نہیں ہے، نہ پڑھنے والے کو ثواب ہوگا، نہ پڑھوانے والے کو ثواب ہوگا۔ اسی طرح تراویح میں دینا، لینا، ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص، ص ۵۹)

(۸۹۰) تراویح میں قرآن سننے میں بہر حال ثواب ہے: سوال: یہ کہ جب نماز میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، تو ایسے شخص سے مقتدیوں کو قرآن سننے کا ثواب کس طرح ہوگا، کیونکہ وہ اگر اس طرح سننا موقوف کریں، تو قاری اس فعل حرام سے محفوظ رہے، پس گویا وہ لوگ اس گناہ کے کرنے میں، اس کی مدد کرتے ہیں؟

جواب: قرآن کا سننا بہر حال ثواب ہے، اس پر اجرت دینا برا ہو تو ہو، مگر اجرت لے کر پڑھنے پر ثواب نہیں، کہ اس کی نیت مالِ دنیا ہے فقط

(مجموعہ فرخ آباد ص ۲۴-۳۱)

(۸۹۱) ہندو کو آیاتِ قرآنی کا تعویذ دینے کا حکم؟ سوال: اگر ہندو کو کوئی آیت قرآن مجید کی لکھ کر تعویذ کردے، تو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اگر بے ادبی کا اندیشہ نہیں تو درست ہے اور جو اندیشہ ہو تو درست نہیں۔

(بدست خاص، سوال ۱۵۲)

(۸۹۲) جس قرآن مجید پر کپڑے کی چولی چڑھی ہوئی ہو اس کو بے وضو ہاتھ لگانا؟ سوال: جس قرآن مجید پر کپڑے کی چولی چڑھی ہوئی ہو، اس کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: درست نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(بدست خاص سوال ۳۱)

(۸۹۳) قرآن شریف کی منسوخ التلاوۃ آیتوں اور احادیث قدسی کو جنابت کی حالت میں، یا بغیر وضو کے، چھونے کا حکم؟ حامداً مصلیاً و مسلماً۔ اما بعد! عرض یہ ہے کہ احقر کے عریضہ کا جواب جو آپ نے شدت مرض میں تحریر فرمایا تھا، پہنچا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ اب اپنی خیر و عافیت سے اطلاع دیجیے، غالباً اب تو صحت کامل ہوگئی ہوگی، میرا عریضہ اگر خدانخواستہ کبھی زیادہ پریشانی کی حالت میں پہنچے، تو تحریر جواب کو تخفیف اور اطمینان پر موقوف فرمایا کیجئے۔ میں آپ کی اس تکلیف کا بہت ممنون اور مشکور ہوں کہ آپ میرے، ہر عریضہ کا جواب، بہت جلد تحریر فرمایا کرتے ہیں۔

اب چند مسائل پھر عرض کرتا ہوں، اور بشرط خیریت جواب شافی کی تکلیف دیتا ہوں:

سوال : اول وہ آیتیں جو منسوخ التلاوۃ ہیں اور وہ حدیثیں جو سوائے قرآن شریف کے، پیغمبر علیہ السلام نے خدا سے نقل کی ہیں۔ ان آیات اور حدیثوں کو اور قرآن شریف کی آیت کے ترجمے کو، بے وضو ہاتھ لگانا اور جنابت میں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور ایسی حدیثوں کے مطالب خدا کی طرف سے ہیں، یا الفاظ بھی خدا کی طرف سے ہیں۔ جیسے یہ حدیث شریف ہے: یا عبادی کلکم ضال الامن ھدیتہ (۱) اور سجدے کی آیت کا ترجمہ پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے، یا نہیں اور تفسیر کا چھونا بے وضو جائز ہے، یا نہیں؟

جواب : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! قرآن منسوخ التلاوۃ کا مس بلا وضو اور قرأت جنابت میں ناجائز ہے، کہ کلام اللہ وہ بھی ہے، اور حدیث قدسی کا حکم حدیث کا حکم ہے، قرآن کا حکم نہیں، الفاظ اس کے فخر عالم علیہ الصلوۃ [والسلام] کے ہیں۔ تفسیر کا مس بلا وضو مکروہ ہے، اور ترجمہ آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔ (مجموعہ فرخ آباد ۳۸، ۴۰، ۴۱)

(۸۹۴) جس کاغذ پر قرآن شریف کی آیت لکھی ہوئی ہے، اس کو بلاوضو ہاتھ لگانا؟ **سوال** : جس کتاب یا تفسیر میں اکثر آیات قرآنی ہوں، اس کو ہاتھ لگانا جائز ہے، یا نہیں، بے وضو؟

جواب : بلا وضو اس کو ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم　رشید احمد گنگوہی

(بدست خاص، ص: ۶۹)

(۸۹۵) جس کاغذ پر قرآن شریف کی آیات یا حدیث لکھی ہوں، ان کا جلانا؟ **سوال** : جس کاغذ پر آیت قرآن و حدیث لکھی ہو، اور اس کی بے ادبی ہوتی ہو، تو اس کا جلانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب : اس طرح جلاوے ادب کے ساتھ کہ راکھ اس کی محفوظ رہے، اس راکھ کو جاری پانی میں ڈال دیوے، یا دفن کر دیوے۔ (بدست خاص، سوال ۱۲۲)

(۸۹۶) سجدۂ تلاوت میں طہارت شرط ہے! سجدہ تلاوت میں طہارت کا شرط ہونا در مختار (۲) وغیرہ کتب فقہ میں ہے، اور زرقانی شرح موطا میں، ابن عبد اللہ سے طہارت کا شرط ہونا سجدہ تلاوت کے واسطے، باجماع صحابہ لکھا ہے۔

---

(۱) طویل حدیث قدسی کا ایک ٹکڑا ہے۔ عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما روی عن اللہ تبارک وتعالی انہ قال: یاعبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلاتظالموا یاعبادی کلکم ضال الامن ھدیتہ فاستھدونی اھدکم .. الحدیث روہ مسلم فی کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم (۱۱۹۸/۲) رقم الحدیث: ۲۵۷۷، دار طیبہ الریاض، (۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶م) نیز مسلم شریف کتاب مذکور باب مذکور ج: ۲ ص: ۳۱۹ [مجتبائی دھلی: ۱۳۱۹ھ]　[نور]

(۲) درمختار میں ہے: بشروط الصلاۃ المتقدمۃ خلا التحریمۃ ونیۃ التعیین ویفسدھا ما یفسدھا ص ۱۰۵ ج ۲۔ (مجتبائی دہلی) اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں قولہ: [بشروط الصلاۃ] ولأنھا جزء من أجزاء الصلاۃ فکانت معتبرۃ بسجدات الصلاۃ، ولھذا لایجوز ادائھا بالتیمم، الا ان لا یجد ماء۔ الخ رد المحتار ص ۵۱۵ ج ۱۔ (مطبع مجتبائی دہلی) نیز شامی ج: ۱ ص: ۵۶۷ [مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ ۱۳۹۹ھ] و نیز شامی ج: ۲ ص: ۱۰۶ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ]　[نور]

بخاری نے عبداللہ بن عمر سے نقل کیا ہے، کہ طہارت شرط نہیں، مگر بیہقی نے عبداللہ بن عمر سے نقل کیا کہ بدون طہارت سجدہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ سب زرقانی سے نقل کرتا ہوں۔(۱)

(مکتوب بنام مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی مکتوب ۱۸)

(۸۹۷) ڈھیلے سے استنجاء کرتے وقت قرآن کریم کی تلاوت اوراذکار کا حکم؟

سوال: پیشاب کرنے کے بعد، ڈھیلے سے استنجاء کرتے ہوئے، قرآن کی کوئی سورت، حفظ برزبان پڑھنا اور جنبی اور حائض اور نفساء کو ہجے، کسی آیت کا کرنا یا کرانا، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: قرآن کو ایسی حالت میں نہ پڑھے، کہ ادب کے خلاف ہے، دیگر اذکار جائز ہیں اور ہجے کرنا قرآن کا، جس میں مفصل کلمہ نہ نکلے، درست ہے، کہ وہ قرآن کی عبارت نہیں ہوئی۔ فقط واللہ اعلم (بدست خاص ص ۴۲)

(۸۹۸) اگر جنبی آیت پڑھ کر پھونک دے، تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر جنبی یا اور کسی کے بچھونے کاٹا یا اور کوئی بیماری ہوگئی، تو اگر جنبی کوئی آیت قرآن (مجید) کی پڑھ کر پھونک دے، تو درست ہے، یا نہیں؟

جواب: رقیہ و منتر کی طرح پڑھنا بھی تلاوت نہیں، بلکہ بہر علاج و معالجہ ہے درست ہے۔ (بدست خاص سوال ۱۵۱)

(۸۹۹) جنبی، بچوں کو قرآن کریم کے ہجے کرا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: اگر اس طرح کسی آیت کے ہجے کرے، مثلاً الف لام زبر، ح، میم زبر دال پیش دُ جنبی اپنی زبان سے کہے اور الحمد لڑکے سے کہلاوے، جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: اس طرح جائز ہے کہ یہ قرآن نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص ص ۴۲)

(۹۰۰) جنبی کو بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانا؟

سوال: جنبی کو بسم اللہ پڑھکر کھانا جائز ہے، یا نہیں؟ (بدست خاص، سوال: ۴۳)

جواب: جائز ہے۔

(۹۰۱) حائضہ اور نفاس والی عورتوں کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کا حکم؟

سوال: حائض اور نفساء کو قرآن مجید ہاتھ میں لینا، یا ہاتھ لگانا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: قرآن جزدان میں ہو تو درست اور جو چولی قرآن کے ساتھ دوختہ ہو، یا مجرد [صرف] قرآن ہو اس کو مس کرنا، یا اٹھانا درست نہیں، مگر دوسرا کپڑا ہاتھ کو لپٹا ہو، تو درست ہے فقط، اور [یہ] کپڑا ملبوس نہ ہو۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص: ۳۱)

---

(۱) زرقانی شرح موطاء، الجزالثانی ص: ۳۰ (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۰ء) (نور)

(۲) یعنی قرآن پاک اٹھانے والے نے وہ کپڑا پہنا ہوا نہ ہو بلکہ بدن سے جدا ہو۔ (نور)

(۹۰۲) حالت جنابت میں ذکر کی نیت سے اور تلاوت کی نیت سے قرآن شریف پڑھنے میں، کیا فرق ہے؟ **سوال:** حالت جنابت میں جولکھا ہے کہ اگر ذکر کی نیت سے قرآن کی کوئی آیت پڑھی، تو درست ہے، اور اگر تلاوت کی نیت سے پڑھی، تو درست نہیں، اس کا کیا مطلب ہوا؟ یعنی ذکر کی نیت کس طرح ہوتی ہے، اس کی تشریح چاہیے۔

جواب: ذکر کی نیت اُس آیت میں ہوتی ہے کہ تبرک کے واسطے ہو، جیسا کہ بسم اللہ، یا دعاء کے واسطے پڑھتا ہے، جیسے رَبَّنَا اٰتِنَا[فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ]

(بدست خاص سوال ۱۵۰)

(۹۰۳) فرشتوں کو قرآن پاک کے سننے کا شوق؟ **سوال:** یہ جولکھا ہے کہ فرشتگاں آدمیوں سے مشتاق سننے قرآن مجید کے ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں یہ صفت نہیں ہے، حالانکہ جبریل علیہ السلام دور کرتے تھے، ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے؟

جواب: اس مشہور کی کوئی اصل نہیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ قرآن کا ملائک کو شوق استماع ہے کہ اس کی برکات سے وہ خوب واقف ہیں۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۳۱)

(۹۰۴) لوح محفوظ کا عرش سے اوپر ہونا ثابت نہیں! **سوال:** حامداً ومصلیاً امابعد! عرض یہ ہے کہ بہت دنوں سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی، آپ اپنے مزاج کی کیفیت سے اطلاع دیجیے اور چند سوالات کا جواب تحریر فرمائیے۔ اور امیدوار ہوں کہ مرے سوالات کا جواب علیحدہ ورق پر تحریر فرمایا کیجیے، جیسے آپ پہلے تحریر فرمایا کرتے تھے، کیوں کہ میں نابینا اور معذور ہوں، اور یہاں میں جن لوگوں سے لکھنے پڑھنے کا کام لیتا ہوں، وہ کم استعداد ہیں، طریقہ جدیدہ میں ان کو پڑھنا دشوار ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ صحیح حدیثوں میں ثابت ہے کہ لوح محفوظ عرش کے اوپر خدا کے پاس ہے (رواہ الشیخان)(۱) اور تمام قرآن کا لوح محفوظ میں ہونا سورۂ بروج [کی] آخر آیت سے ظاہر ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ جوام القرآن ہے اور آیت الکرسی جو آیتوں کی سردار ہے، یہ دونوں چیزیں بھی بدرجہ اولیٰ لوح محفوظ میں عرش کے اوپر ہیں، مگر آیت الکرسی کی فضیلت میں

---

(۱) اس کے الفاظ یہ ہیں: لما قضی اللّٰه الخلق كتب كتاباً عنده: غلبت. أوقال -سبقت- رحمتي غضبي فهو عنده فوق العرش. رواه البخاري في كتاب التوحيد، باب قوله تعالى: بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ. ص: ۱۱۲۷ ج: ۲. نیز جلد ۳ جزء: ۹/ص: ۱۲۸ رقم الحديث: ۷۵۵۳ مكتبة الرياض الحديثية، الرياض ۱۴۰۲هـ/۱۹۸۲م. [نور]

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ وہ اس خزانہ میں سے نازل ہوئی ہے، جو عرش (۱) کے نیچے ہے اور اسی طرح سورۂ فاتحہ اور سورۂ کوثر اور خاتم سورہ بقرہ کے فضائل میں منقول ہے۔ اس فضیلت کو پہلے مضمون کے ساتھ ملانے سے، بظاہر عجب تعارض معلوم ہوتا ہے، لہٰذا جواب شافی کی ضرورت ہے۔

جواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا خط آیا، بندہ اب بعد مدت کے صحت یاب ہوا ہے۔

جواب سوال یہ ہے کہ بخاری و مسلم میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ لوح محفوظ بالائے عرش ہے، (۲) نہ معلوم آپ کو کس نے یہ سنا دیا ہے۔ پس جب لوح کا بالائے عرش ہونا ثابت نہیں، تو کوئی تعارض نہیں، نہ جواب وتوجیہ کی حاجت ہے۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ۳۳-۳۶)

(۹۰۵) فرشتوں کو سہو ونسیان ممکن نہیں: سوال: فرشتوں میں سہو اور نسیان کا جائز یا ممتنع ہونا، شریعت میں ثابت ہے، یا نہیں، اور ثابت ہے تو ثبوت کیا ہے؟

جواب: نسیان مرض ہے، مادہ ضعف دماغ کے سبب اور ملائکہ اس سے پاک ہیں:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ. نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو، اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

الآیۃ (التحریم: ٦)

کا لفظ اس کو خود بیان کرتا ہے۔

(مجموعہ فرخ آباد ص: ۳۹-۴۱)

---

(۱) یہ روایت مسند احمد کے حوالہ سے راقم کو نہیں ملی، مسند احمد کی روایت میں خواتیم سورۂ بقرہ اور دوسری آیتوں کا ذکر ہے۔ مگر مذکورہ سوال میں جس طرح چاروں آیتوں کا یکجا ذکر کیا گیا ہے وہ طبرانی اور ابوالشیخ کی روایت ہے، جس کو ضیاء نے بھی حضرت ابوامامہ سے نقل کیا ہے، کنز العمال میں ہے: اربع انزلت من کنز تحت العرش ام الکتاب وآیة الکرسی وخواتیم البقرة والکوثر. رواه الطبرانی وابو الشیخ والضیاء، عن ابی امامه. کنز العمال ص: ۵۵۸ ج: ۱۔ رقم الحدیث ۲۵۰۴۔ (بیروت: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵م) [نور]

(۲) صحیحین کی جو روایت سائل نے ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: لما قضی اللّٰه الخلق کتب کتاباً فهو عنده فوق عرشه: ان رحمتی سبقت غضبی (مشکوٰة کتاب الدعوات ص: ۲۰۶-۷ جلد اول [عکس اصح المطابع رشیدیه دهلی] نیز ص: ۹۳۲ جلد دوم رقم الحدیث: ۲۳۶۴ ت: رمضان بن احمد بن علی، باب سعة رحمة اللّٰه. الفصل الاول [مکتبة التوبة، دار ابن حزم بیروت. ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء] اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے لکھا ہے: عنده ای عندیة المکانة لا عندیة المکان، لتنزهه عن سمات الحدثان، ج: ۵ ص: ۱۵۱، [مکتبه امدادیه، ملتان مغربی پاکستان بلاسنه] یعنی عرش کے اوپر ہونے کا مطلب بلند مرتبہ میں ہونا ہے، جگہ کے اعتبار سے عرش پر ہونا مراد نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے منزہ ہیں اور حضرت گنگوہیؒ نے کتاب سے لوح محفوظ مراد نہیں لی، بلکہ ایک پرچہ مراد لیا ہے، جس میں ان رحمتی سبقت غضبی لکھا ہوا ہے، جیسا کہ آگے صفحہ نمبر: ۳۰ پر آرہا ہے۔ پس لوح محفوظ عرش کے نیچے ہوگی۔ (پالن پوری)

(۹۰۶) عشاء کے بعد سورۂ دخان اور سورۂ ملک نماز میں یا بغیر نماز کے پڑھنا، کیا بہتر ہے؟ **سوال** : بعد نماز عشاء اگر سورۂ سجدہ، دخان، (و) ملک بہ نیت وظیفہ نوافل میں پڑھے، تو افضل ہے، یا نہیں؟

جواب : نوافل میں سورۂ دخان و سورۂ ملک کا پڑھنا بعد عشاء کے افضل ہے، خارج صلوٰۃ پڑھنے سے، مگر بدیں وجہ کہ ان سورتوں کا پڑھنا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج صلوٰۃ ثابت ہوا ہے، بایں وجہ خارج صلوٰۃ پڑھنا اولیٰ ہے، اتباعاً بفعلہٖ علیہ الصلوٰۃ و السلام فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱) (مجموعۂ کلاں ص: ۱۴۴-۱۴۵)

(۹۰۷) اعراف کی حقیقت؟ **سوال**: سورہ اعراف میں آیت:

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمَاهُمْ. (الاعراف: ۴۶)

اور دونوں کے بیچ میں ہوگی ایک دیوار اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے، کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو اس کی نشانی سے (ترجمہ شیخ الہند)

ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ یعنی جب کہ اعراف ایسی جگہ ہے کہ جہاں بہشت کی بہار اور دوزخ کی نار، دونوں پہنچتی ہیں، کیونکہ دونوں کے درمیان ہے، تو وہاں کے ساکنان خود تو عذاب سے مامون نہیں اوروں کو کیوں کر پہچانیں گے، کہ یہ بہشتی ہے اور وہ دوزخی ہے؟

جواب: ہمارے گھر میں اور پڑوسی کے گھر میں دیوار حائل ہے، ایک گھر کا حال دوسرے کو معلوم نہیں، مگر جو دونوں گھروں کے مابین ایک ایسا اونچا مکان ہو یا دیوار ہو، کہ دونوں طرف دونوں کا حال دیکھ سکے، تو کون اشکال ہے۔ ایسا ہی مابین جنت و دوزخ کے اعراف دیوار بلند ہے۔

(۹۰۸) ساکت وناطق میں تعارض نہیں ہوتا، مثبت ونافی میں ہوتا ہے: **مسئلہ**: ترمذی (۲) نے سورہ طلاق کی تفسیر کچھ نہیں لکھی، البتہ سورہ حدید کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، کہ سات زمینیں آپ نے شمار فرمائیں، اور ساتویں

---

(۱) یعنی دو جہتیں ہیں اور ہر جہت کے اعتبار سے فضیلت ہے۔ ایک نماز میں ہونے کی جہت ہے، اس اعتبار سے نماز میں پڑھنا افضل ہے، دوسری اتباع سنت کی جہت ہے اس اعتبار سے خارج صلوۃ پڑھنا افضل ہے۔ جیسے وتروں کے بعد کی نفلیں بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟ چونکہ بیٹھ کر نفلیں پڑھنے کا ثواب آدھا ہے اس اعتبار سے کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے۔ اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نفلیں بیٹھ کر پڑھی ہیں، اس لئے اتباعا بفعلہ علیہ السلام بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے اور حضرت گنگوہی نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ اگر کوئی بیٹھ کر پڑھے گا تو اس کو دو ثواب ملیں گے، ایک بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب آدھا ثواب دوسرا اتباع سنت کا ثواب اور یہ دونوں مل کر ممکن ہے کھڑے ہوکر پڑھنے کے کامل ثواب سے بڑھ جائیں۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھنا چاہئے۔ (پالن پوری)

(۲) ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الحديد، رقم الباب، ص: ۵۷ ص: ۳۷۲ جلد پنجم. رقم الحديث: ۳۲۹۸، ت: كمال يوسف الحوت، [دار الكتب العلمية، بيروت] نیز باب مذکور ص: ۱۸۰ جلد دوم۔ [مطبع احمدی میرٹھ ۱۲۸۲ھ]

زمین (کے) نیچے کچھ نہیں فرمایا کہ ہے، یا نہیں؟ سو حدیث ترمذی کی ساکت ہے، اور شاہ عبدالعزیز نے بیان کیا ہے، وہ بھی کسی حدیث سے کہتے ہیں، ساکت ناطق میں معارضہ نہیں ہوتا، مثبت اور منفی میں ہوتا ہے فقط۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۲۲)

احادیث شریفہ سے متعلق چند مباحث

(۹۰۹) صحیح مسلم کی ایک روایت کی نحوی ترکیب؟

بخدمت فیض درجت حضرت مخدوم الانام ادام اللہ فیوضہم

کمترین غلامان عبدالعلی۔ بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہے کہ مسلم شریف کے دسویں صفحہ پر **ولد ناصح** (۱) کا لفظ ہے، یہ ترکیب توصیفی ہے اور اس سے ابن عباس مراد ہیں یا کچھ اور مطلب ہے، یا ترکیب اضافی ہے۔ غرض جو کچھ مطلب ہو، سب تحریر فرمادیجئے۔

مولوی مسعود صاحب مولوی عزیز الرحمان صاحب اور سب ملنے والوں کو سلام مسنون۔

راقم، آپ کا غلام عبدالعلی فقط

جواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم

ابن عباس کو ابن ابی ملیکہ نے لکھا تھا کہ صحیح روایات لکھو اور جو صحیح نہ ہو اس کو نہ لکھنا، تو گویا یہ ابن عباس کو ابن ابی ملیکہ نے نصیحت کی تھی، لہٰذا ابن عباس فرماتے ہیں کہ! اے **ابن ابی ملیکة ولد ناصح** صحیح روایت ہی لکھوں گا، مطمئن رہو، تو ولد ناصح سے ابن ملیکہ مراد ابن عباس کی ہے، اور یہ منادیٰ ہے۔ (۲) فقط والسلام

(مجموعہ کلاں ص ۱۷۸)

---

(۱) روایت کے الفاظ یہ ہیں: حدثنا داؤد بن عمرو الضبی، قال نا نافع بن عمر عن ابن ابی ملیکة، قال کتبت الی ابن عباس اسئلة، ان یکتب لی کتابا ویخفی عنی، فقال ولدنا صح انا اختار له الامور اختیارا و اخفی عنه، قال فدعا بقضاء علی رضی اللّٰه عنه، فجعل یکتب منه اشیاء ویمر به الشیء، فیقول واللّٰه ما قضی بهذا علیٌّ الا ان یکون ضل۔ (صحیح مسلم، باب النهی عن الروایة عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملها، ص ۱۰۔ ج ۱) [مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ]

(۲) ولد ناصح| پیش نظر ماخذ میں اسی طرح ہے کہ یہ منادی ہے" ممکن ہے کہ یہ سہو ناقل ہو، بہر حال اس کی وضاحت ضروری ہے جو یہ ہے: حضرت ابن عباسؓ نے ابن ابی ملیکہ کے لئے فرمایا ہے اور وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ہو ولد ناصح اور یہ روایت مقدمہ مسلم میں آئی ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے جو طائف کے قاضی تھے، ابن عباس کو خط لکھا کہ مجھے حضرت علیؓ کے فیصلے لکھ کر بھیجیں، البتہ ان کے صحیح فیصلے لکھیں۔ شیعوں نے ان کے فیصلوں میں غلط باتیں ملادی ہیں، وہ نہ لکھیں۔ ابن عباس نے خط پڑھ کر فرمایا: خیر خواہ لڑکا ہے۔ میں اس کے لئے اچھی باتیں منتخب کروں گا اور غیر معتبر باتیں نہیں لکھوں گا، الی آخرہ۔

(۹۱۰) صحیح مسلم کی حدیث کالذی قال الاول کا مطلب؟

سوال: حدیث غزوۃ ذی قرد (واقع صحیح مسلم) میں ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو آپ نے ڈھال دی تھی، انہوں نے اپنے چچا کو دیدی، آپ نے فرمایا انک کالذی قال الاول اللّٰھم ابغنی حبیبًا ھو احب الی من نفسی (۱) یہ الذی کون ہے اور الاول ترکیب میں کیا ہے، غرض اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب: بقلم مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی: انت کالذی قال الاول یا تو اس الذی میں وضع مظہر (مقام) مضمر ہے۔ ای انت مصداق ماقال (ای قائل) تو قالہ قائل کی جگہ اول اس لئے رکھ دیا کہ اس قائل کا زمانہ اول میں ہونا منصوص ہوجاوے۔ پس معنی یہ ہوئے انت کالذی قال قائل یا یہاں فیہ مقدر ہو تو ضمیر الذی محذوف ہوئی اور قال کا قائل اول بلا تکلف ہوگا۔ (۲)

الطرائف والظرائف (بیاض حکیم الامت تھانوی) ص ۳۴۔ (طبع اول اشرف المطابع تھانہ بھون۔ ۱۹۲۹ء)

(۹۱۱) اساف ونائلہ کے متعلق روایت کی تحقیق؟

سوال: حدیث اسلام ابوذر غفاریؓ (۳) میں

---

(۱) حضرت ایاس بن ابی سلمہ کی اپنے والد سے طویل روایت ہے جس کا ایک فقرہ یا سطر وہ ہے جو اوپر نقل ہے۔ صحیح مسلم ص ۱۱۳ ج ۲ کتاب الجهاد باب غزوة ذی قرد (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ) نیز کتاب الجہاد، باب غزوۃ ذی قرد ص: ۸۷۳-۳ جلد دوم رقم الحدیث: ۱۸۰۷، ت: ابوقتیبہ نظر محمد فاریابی۔ [دار طیبہ، ریاض ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء][نور]

(۲) حضرت سلمہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر تین مرتبہ بیعت جہاد کی تھی، ایک: سب سے پہلے پھر درمیان میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سب سے پہلے بیعت کر چکا ہوں، آپ نے فرمایا: اور بھی، جب انہوں نے دوسری مرتبہ بیعت کی تو آپ نے دیکھا کہ ان کے پاس ڈھال نہیں ہے، چنانچہ آپ نے ایک ڈھال عنایت کی، پھر جب سب لوگ بیعت کر چکے تو آپ نے فرمایا: سلمہ! کیا تم مجھ سے بیعت نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے سب سے پہلے بھی بیعت کی ہے اور درمیان میں بھی کی ہے، آپ نے فرمایا: اور بھی، جب وہ تیسری مرتبہ بیعت کرنے لگے تو آپ نے دیکھا کہ ان کے پاس وہ ڈھال نہیں ہے، آپ نے فرمایا: سلمہ! وہ ڈھال کہاں گئی جو میں نے تمہیں دی تھی؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے چچا عامر مجھ سے ملے ان کے پاس ڈھال نہیں تھی، اس لئے میں نے وہ ڈھال ان کو دیدی، آپ مسکرائے اور فرمایا: انک کالذی قال الاول: اللھم! ابغنی حبیبا ھو احب الی من نفسی تمہاری مثال اس شخص جیسی ہے جس کے بارے میں اگلے کسی آدمی نے کہا ہے: اے اللہ آپ میرے لئے کوئی ایسا دوست مقدر فرمائیں جو مجھے میری ذات سے زیادہ محبوب ہو، یعنی تم نے اپنے چچا کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم کردیا، پس تقدیر عبارت یہ ہے: انک کالرجل الذی قال فیه الاول پس الاول قال کا فاعل ہے اور فیہ مقدر ہے اور "ک" تشبیہ کا ہے اور الرجل الذی موصوف صفت ہیں، پھر ان کی خبر ہیں (مسلم کتاب الجهاد باب: ۴۵ حدیث: ۱۸۰۷) [پالن پوری]

تکملہ فتح الملهم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة ذی قرد ص: ۲۳۲، ۲۳۳ جلدسوم [المکتبة الاشرفیة، دیوبند ۱۹۹۹ء]

(۳) یہ حضرت ابوذرؓ کی ایک طویل روایت کا حصہ ہے: قال فبینا اهل مکة فی لیلة قمراء اضحیان اذا ضرب علی اسمختهم فما یطوف بالبیت احد وامراتین منهم تدعوان اسافاً ونائلة، قال فاتتا علی فی طوافهما، فقلت انکحا احدهما الاخری... الخ صحیح مسلم، ص ۲۹۵-۲۹۶ ج ۲ باب من فضائل ابی ذرؓ [مجتبائی دهلی: ۱۳۱۹ھ] نیز کتاب فضائل الصحابة ص: ۱۱۵۵ جلددوم۔ رقم الحدیث ۲۴۷۳ [ابوقتیبه نظر محمدفاریابی] (دارطیبه، ریاض ۲۰۰۶ء)

ہے کہ شب کو دو عورتیں طواف کرنے آئیں اور اساف ونائلہ کو پکار رہی تھیں، ابوذرؓ نے ان سے کہا: انکحا احد ھما الاخری اور یہ بھی کہا: ھَنٌ مثل الخشبة اس احدیٰ اور اخریٰ سے مراد کیا اساف ونائلہ ہیں اور انکحا سے کیا مراد؟

جواب: بقلم الموصوف [یعنی مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی] معنی یہ ہیں کہ ان دونوں کا باہم نکاح کردو اور وہ ذکر جو مثل الخشبة ہے وہ دوسرے کے داخل کردے گا، یہ اشارہ تھا اور مقصود بالشتم اساف ونائلہ ہیں، اور ان کی معبودیت والوہیت پر تعریض تھی، مرأتین کی اغاظت کے واسطے۔(۱) فقط۔

الطرائف و الظرائف (بیاض حضرت مولانا تھانویؒ) ص ۳۵ (طبع اول، اشرف المطابع تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

(۹۱۲) حدیث لا یقتل قرشی کے معنی؟ سوال: متعلق معنی حدیث لا یقتل قرشی؟

جواب: بقلم مولوی ابوالبرکات موی: لا یقتل قرشی کے باب میں حضرت نے ارشاد فرمایا، کہ جس ہیئت کذائیہ کے ساتھ بمقابل اہل اسلام قرشی قتل کئے گئے اب قیامت تک ایسا واقعہ نہ ہوگا، یعنی جہاد کے ساتھ جماعت ان کی قتل نہ کی جاوے گی، اور فرمایا کہ نفی ارتداد نووی کی رائے ہے، مسلّم نہیں۔(۲)

الطرائف و الظرائف (بیاض حضرت مولانا تھانویؒ) ص ۳۵ (طبع اول، اشرف المطابع تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء)

(۹۱۳) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مفہوم؟ سوال: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (۳) اس حدیث کے موجب، علماء اس امت کے انبیاء سابقین سے درجہ میں برابر ہیں، یا انبیاء علیہ السلام ہی افضل ہیں؟

---

(۱) اغاظت: غصہ دلانا۔ مقصود بالشتم: گالی دینے سے مقصود یعنی حضرت ابوذر نے یہ دونوں جملے ان دونوں عورتوں کے حق میں نہیں کہے تھے، بلکہ اساف ونائلہ کے حق میں کہے تھے جو ان دونوں عورتوں کے معبود تھے۔ ھَنٌ شرم گاہ خواہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ مثل الخشبة۔ لکڑی جیسی، مراد مرد کا عضو ہے۔ مسلم کتاب فضائل الصحابة باب: ۲۸ حدیث ۲۴۷۳۔ (پالن پوری) کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی ذر، ص: ۱۱۵۵، جلد دوم رقم الحدیث: ۲۴۷۳۔ [ت: ابوقتیبہ فاریابی] (دار طیبہ، ریاض) نیز باب مذکور ص: ۲۹۶ جلد دوم [مطبع مجتبائی دہلی]

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: لا یقتل قرشی صبراً بعد ھذا الیوم الی یوم القیامة (ترجمہ: کوئی قریش آج کے بعد قیامت تک روک کر قتل نہیں کیا جائے گا) حضرت قدس سرہ نے اس حدیث کی شرح فرمائی ہے کہ جس طرح فتح مکہ کے موقعہ پر جہاد میں مسلمانوں نے بعض قریشیوں کو قتل کیا تھا، ایسا واقعہ آئندہ کبھی پیش نہیں آئے گا: کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر تمام قریش مسلمان ہوگئے تھے، پس اب ان کے ساتھ جہاد کا سوال ہی نہیں۔ ہاں ایک صورت ہے کہ قریش مرتد ہو جائیں تو ان کے ساتھ جہاد کی نوبت آسکتی ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا ہے کہ: اس حدیث میں قریش کے ارتداد کی نفی کی گئی ہے، یعنی آئندہ کبھی قریش مرتد ہو جائیں، ایسا نہیں ہوگا، اس لئے روک کر ان کو کبھی قتل نہیں کیا جائے گا، پس امام نووی کی بات بھی صحیح ہے، حضرت کی بات میں اور امام نووی کی بات میں کچھ تخالف نہیں۔ (پالن پوری)

(۳) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، قال السیوطی فی الدرر: لااصل له وقال السخاوی فی المقاصد: قال شیخنا یعنی ابن حجر: لااصل له. المقاصد الحسنه ص: ۲۸۶ (دار الکتب العلمیة، بیروت: ۱۳۹۹ھ) وراجع: کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتھر من الاحادیث علی السنة الناس، للعجلونی حدیث نمبر ۱۷۴۴ ص: ۶۴ ج: ۲)

جواب: اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جیسا دین موسیٰ علیہ السلام کا واحد تھا، انبیاء بنی اسرائیل اس کی اشاعت وتائید کرتے تھے، ایسا ہی میری امت کے علماء کرتے ہیں، درجۂ انبیاء علیہ السلام سے علماء امت کو کوئی مناسبت وقرب نہیں۔ (بدست خاص سوال ۳۴)

(۹۱۴) وَالنَّخْلُ بٰسِقٰتٍ لَّهَا کے معنی؟

والنخل بٰسقٰت (۱) میں یہ ہے کہ باسقات کے معنی میں قطبہ [ابن عامرؓ] کو تردد تھا کہ باسقات کے کیا معنی ہیں، بہت لغت ہے کہ اہل لغت نہیں جانتا، یا کسی وقت ذہن میں عبور نہیں ہوتا تو جس وقت یہ آیت پڑھی، قطبہ اس کلمہ کو بار بار اپنے ذہن میں تکرار کرتے تھے، اور معنی سمجھ میں نہیں آتے تھے:

ولا ادری (۲) ما قال ای لا افهم ما معنی قوله باسقات.

جیسا سب لوگ جب کوئی لفظ مفہوم نہیں ہوتا، تو بار بار زبان یا دل میں تکرار کرکے سوچتے ہیں، کہ کیا معنی ہیں، ایسا ہی قطبہ اس لفظ کو دل میں تکرار کر کرکے، معنی سوچتے تھے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کہ کیا معنی اس کے ہیں۔ فقط

(مکتوب حضرت گنگوہی بنام مولانا خلیل احمد صاحبؒ، مکتوب نمبر۶)

(۹۱۵) سجدۂ شمس تحت العرش کی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

سوال: یہ کہ ہر روز عرش کے نیچے جاکر آفتاب کا سجدہ کرنا، غالباً اخبار احاد سے ثابت ہوگا، اور خبر واحد سے عقیدہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، خصوصاً جب کہ وہ امر مشاہدہ کے خلاف ہو، مگر جب کوئی ایسی تطبیق معلوم ہو جس سے تعارض رفع ہوجائے، تو اس امر کا اعتقاد جائز ہوسکتا ہے۔

جواب: حدیث سجدہ تحت عرش کے صحیح ہے، نہ مشاہدہ کے خلاف، نہ عقیدہ کے خلاف، مگر تحریر سے فہم دشوار ہے۔ آپ صحیح حدیث کو صحیح جانو اور یہ عقیدہ ایسا نہیں جس پر بنا ایمان کی ہو، ایسے عقیدہ کو دلیل قطعی درکار ہے، یہ امر زائد ہے اس کا عقیدہ فرائض میں نہیں، اس کو علیٰ مراد الشارع قبول کرنا چاہئے، اگرچہ سمجھ میں نہ آوے (۳) اور مشاہدہ تو اس کا آج تک کسی بینا کو

---

(۱) والنخل باسقات لها طلع نضيد سوره ق. ۱۰. اور کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہ پرتہ (ترجمہ شیخ الہند)

(۲) كتاب الصلوة، باب القرأة فى الصبح، ص: ۲۱۳ ج: ۱/ رقم الحديث: ۴۵۷۔ ت: ابوقتیبہ نظر محمد فاریابی۔ [دار طیبہ، ریاض ۲۰۰۶ء] نیز مسلم شریف باب مذکور ص: ۱۸۶ ج: ۱/ [مطبع مجتبائی دہلی]

(۳) قول: ایسے عقیدہ کو یعنی جس پر ایمان کا دارومدار ہو اور وہ عقائد ہیں جن کا ذکر حدیث جبرئیل میں آیا ہے، جن کو ایمان مفصل میں لیا گیا ہے اور وہ سات بنیادی عقیدے ہیں، ان کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی درکار ہے۔ ان کے علاوہ دیگر وہ باتیں جن پر ایمان کی بنا نہیں جیسے گرمی کی شدت کا جہنم کے پھیلاؤ سے ہونا، ایسی باتیں خبر واحد سے بھی ثابت ہوسکتی ہیں، غروب کے بعد سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنا اور طلوع کی اجازت طلب کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ زمین گول ہے، اس لئے ہر آن طلوع وغروب ہوتا رہتا ہے، پھر اس حدیث کی کیا صورت ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہر آن طلوع وغروب ہوسکتا ہے تو ہر آن سجدہ کرنا اور طلوع کی اجازت مانگنا کیوں متحقق نہیں ہوسکتا۔

بات در حقیقت یہ ہے کہ محسوسات کا ایک ظاہری پہلو ہوتا ہے جو ہمیں نظر آتا ہے، دوسرا اس کا باطنی پہلو ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا، اس کے بارے میں مخبر صادق (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر پر اعتماد کرنا ضروری ہے، جیسے گرمی کی شدت کا ظاہری پہلو سورج کا سر سے قریب آنا ہے، جس کو ہر کوئی جانتا ہے اور اس کا دوسرا پہلو جس کو ہم نہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ: ان شدة الحر من فيح جهنم یعنی گرمی کی تیزی جہنم کے اثرات کے پھیلاؤ سے ہے۔ اسی طرح اس مسئلہ کو بھی سمجھنا چاہئے۔ (پالن پوری)

نہیں ہوا، کہ کہاں تحت عرش ہے اور کہاں سجدہ ہوتا ہے، آپ تو نابینا ہیں۔ فقط

(مجموعہ فرخ آباد ۲۴-۲۶)

(۹۱۶) صفت ضحک کی حدیث کا مطلب؟

تقریر مولانا مدظلہ العالی: فرقہ جہمیہ منکر صفات حق تعالیٰ کا ہے، وہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات ہی ذات ہے، صفت زائد کوئی اس کی نہیں، یہ اسی واسطے ان لوگوں نے لغویات بکے کہ تعدد قدماء کا لازم۔ محدثین ان کا رد کرتے ہیں، اور وہ حدیث جس میں کسی صفت خدا تعالیٰ کا ذکر ہے روایت کرتے ہیں، اور حدیث ضحک ربنا الخ میں بھی ذکر ضحک ہے، کہ وہ بھی ایک صفت ہے، اسی واسطے اس کو اس باب میں لایا ہے۔ اور معنی اس کے یہ ہیں کہ، حق تعالیٰ بندوں کے مایوس ہونے سے حق تعالیٰ کی طرف سے، اور غیروں کے تقرب حاصل کرنے سے، تعجب کرتا ہے، کہ کیسے [نا] فہم ہیں کہ قادر تعالیٰ شانہ قنوط کر کے، عاجزوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۳۰)

(۹۱۷) سورج چاند گرہن کے متعلق دار قطنی کی ایک حدیث کی تحقیق:

سوال: حامداً و مصلیاً و مسلماً امابعد! عرض یہ ہے کہ سرفراز نامہ پہنچا، چند مسائل میں پھر جواب شافی کا امیدوار ہوں:

اول یہ کہ مولوی رفیع الدین صاحب دہلوی اور بعض علماء نے رمضان کے کسوف اور خسوف میں تاریخیں معین نہیں کی ہیں اور پنجابی زبان میں ایک رسالہ ہے اور خسوف کی تیرہویں اور کسوف کی ستائیسویں تاریخ لکھی ہے اور سنا جاتا ہے کہ وہ رسالہ شاہ ولی اللہ صاحب کے کسی رسالہ کا ترجمہ ہے اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے کسی رسالہ میں پہلی اور پندرھویں کی ایک روایت نقل کر کے یہ مضمون لکھا ہے کہ شیخ مرغی [کذا؟] نے اس تعین کا انکار کیا ہے، فقط۔

ان وجوہ سے یہ امر ضرور قابل تحقیق معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث دار قطنی کی صحیح ہے یا ضعیف، اور اگر ضعیف ہے، تو ضعیف کس وجہ سے ہے، اور تیرہویں اور ستائیسویں بھی کسی حدیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟

جواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.

کسوف وخسوف کی تاریخ بعض جگہ سے مطلق معلوم ہوتی ہے، اور دار قطنی سے معین معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ [نواب] صدیق حسن نے لکھا ہے۔ اس روایت کی تضعیف بندہ نے کہیں نہیں سنی۔ واللہ اعلم (۱)

(فرخ آباد ص ۲۳-۲۶)

(مکتوب بنام مولانا نظیر حسین)

---

(۱) دار قطنی کی روایت مقطوع ہے، اس کی سند میں عمرو بن شمر اور جابر جعفی دو نہایت ضعیف [بلکہ کذاب] راوی ہیں۔ محمد باقر فرماتے ہیں: ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں، یہ دو نشانیاں جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، نہیں پائی گئیں۔ ا۔ رمضان کی پہلی رات میں چاند گہنائے گا، اور رمضان کی پندرہ تاریخ میں سورج گہنائے گا۔ یہ دونوں نشانیاں جب سے آسمان زمین پیدا کیے گئے ہیں، نہیں پائی گئیں۔ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، محمد باقر جو تابعی ہیں، ان کا قول ہے۔ سنن دار قطنی ۱/ ۱۸۸[مطبع فاروقی دہلی]

(نور)

(۹۱۸) حضرات شیخین کو جنت کے بوڑھوں کا اور حسنین کو جنت کے جوانوں کا سردار فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ؟

سوال : حدیث میں حضرات حسنینؓ کو بہشت کے جوانوں کا سردار فرمایا ہے اور شیخینؓ کو بہشت کے بوڑھوں کا سردار فرمایا ہے(۱) دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہشت میں سب جوان ہوں گے کوئی بوڑھا نہ ہوگا۔(۲) پس اگر شیخینؓ کو بوڑھوں کا سردار اس وجہ سے کہا ہے کہ وہ اپنی وفات کے وقت بوڑھے تھے تو حضرات حسنینؓ بھی شہادت کے وقت بوڑھے تھے (۳) اور بہشت میں یہ چاروں صاحب جوان ہوں گے، پھر تفریق کا کیا سبب ہے؟

جواب : جولوگ درمیان عمر میں کامل ہوئے، یا جوانی میں کامل ہوئے، یہ مراد ہے۔ جنت کے پیرو شباب مراد نہیں۔(۴) فقط، رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ فرخ آباد،ص:۳۱)

(۹۱۹) اللّٰھم اغفرلی ان شئت کی وضاحت؟

حدیث صحیحین کی (۵) توجیہ یہ ہے کہ معنی: اللّٰھم

---

(۱) یہ دو الگ الگ حدیثیں ہیں اور دونوں ترمذی نے روایت کی ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ پہلی حدیث: الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة. مشكوة المصابيح، باب مناقب اهل البيت، الفصل الثاني. ص ۵۷۰ ج ۲۔[نقل اصح المطابع دہلی ۱۳۷۵ھ] نیز باب مذکور ص:۲۳۸۶ حدیث:۶۱۶۳ ج:۵، [مکتبۃ التوبہ بیروت:۱۴۲۳ھ] دوسری حدیث: ابوبكر وعمر سيدا كهول اهل الجنة مشكوة كتاب المناقب، باب مناقب ابي بكر وعمر رضي الله عنهما ص:۲۳۴۵ الفصل الثانی ج:۵ ت: رمضان بن احمد بن علی [مکتبۃ التوبہ دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء] کہول: کہل کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہے ادھیڑ عمر کا تیس سال سے پچاس سال کی عمر کا آدمی، بوڑھا اس کا ترجمہ صحیح نہیں۔ (پالن پوری)

(۲) یہ حدیث بھی ترمذی، كتاب صفة الجنة، باب سن اهل الجنة، رقم الباب:۱۲ ص:۵۸۹ جلد چہارم رقم الحدیث:۲۵۴۵ [دار الكتب العلمية] نیز باب مذکور ص:۸۱ ج:۲ [رشیدیہ دیوبند] کی ہے فرمایا: جنتی جنت میں داخل ہوں گے درانحالیکہ وہ بے ریش، امرد، سرگیں آنکھوں والے ہوں گے، تیس یا بتیس سال کے ہوں گے۔ (مشکوۃ کتاب احوال القيامة، باب صفة الجنة ص:۲۱۳۶، جلد پنجم، رقم الحدیث:۵۶۳۹) ت: رمضان بن احمد [مکتبۃ التوبہ دار ابن حزم] نیز باب مذکور ص:۴۹۸ جلد دوم [رشیدیہ دہلی، نقل اصح المطابع دہلی:۱۳۷۵ھ] [پالن پوری]

(۳) حضرت حسنؓ کی وفات ۴۷/ سال کی عمر میں ہوئی ہے اور حضرت حسینؓ کی وفات ۵۷/ سال کی عمر میں، پس دونوں بوقت وفات بوڑھے تھے۔ (پالن پوری)

(۴) تقریباً یہی بات علامہ طیبی نے شرح مشکوۃ میں فرمائی ہے: لکھا ہے، اعتبر ما كانوا عليه في الدنيا، وإلا لم يكن في الجنة كهل. الطيبي [الكاشف عن حقائق السنن] ص:۲۴۸ ج:۱۱، حققه جماعة من العلماء [کراچی:۱۴۱۳ھ] نیز ملاحظہ ہو: التعليق الصبيح على مشكوة المصابيح للعلامة مولانا محمد ادريس الكاندهلوي ص:۳۴۴ ج:۷ [مکتبہ عثمانیہ لاہور۔] (نور)

(۵) حدیث کے الفاظ ہیں: لايقولن احدكم : اللّٰهم اغفرلي ان شئت اللّٰهم ارحمني ان شئت ليعزم في الدعاء فان الله صانع ماشاء، لامكره له (مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب العزم بالدعاء، ص:۱۲۳۵ جلد دوم رقم الحدیث:۲۶۷۹، [پالن پوری] ت: ابوقتیبہ نظر محمد فاریابی [دار طیبہ، ریاض، ۲۰۰۶ء] نیز باب مذکور ص:۳۴۲ جلد دوم [مطبع مجتبائی، دہلی] بخاری کے الفاظ ذرا مختلف ہیں۔ (دیکھیں مشکوۃ، کتاب الدعوات، الفصل الاول ص:۸۷۸ جلد دوم، رقم الحدیث:۲۲۲۵ ت: رمضان بن احمد، [مکتبۃ التوبہ، دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء] نیز باب مذکور ص:۱۹۴ جلد اول [کتب خانہ رشیدیہ دہلی، نقل اصح المطابع دہلی:۱۳۷۵ھ] (نور)

اغـفـر لی إن شئت کے یہ ہوتے ہیں کہ اگر تو چاہے تو بخش، اور یہ تعلیق دو معنی میں آتی ہے، یا یہ کہ میں یا کوئی اکراہ نہیں کرتا، اگر تیری خوشی ہے تو یہ امر کر دے، اور دوسرے معنی یہ کہ، مجھ کو کوئی ضرورت نہیں، تو چاہے دیدے، ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ پس فرمایا کہ اس طرح کے کلام مت بولو، کیونکہ اکراہ کا تو وہ محل ہے ہی نہیں، پس یہ شرط لغو ہے اور بے معنی، مگر موہم دوسرے معنی کی ہو کر، تیری بے رغبتی پر دال ہو جاوے گی اور تو شدت سے محتاج ہے، کہ بدون غفران کوئی چارہ ہی نہیں، تو تو جزماً عرض کر، کہ بالضرور بخش!

سو حاصل یہ ہوا کہ وہاں کوئی اکراہ نہیں کر سکتا، تو ناچار بہ مشیت ہی وقوع تیری عرض کا ہوگا، تو شرط کا کہنا لغو ہوا اور تیری طلب میں وہم عدم حاجت کا پیدا ہوا، تو ایسے کلام دعاء میں کرنا اچھا نہ ہوا۔ فقط

(مکتوب حضرت گنگوہی بنام مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مکتوب نمبر:۴)

(۹۲۰) حدیث میں کعبہ کی بے حرمتی کرنے والے مینڈھے سے حجاج مراد ہے: **سوال**: ایک کتاب(۱) میں لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مینڈھے کے سبب سے بے حرمتی کعبہ کی ہوگی، اگر یہ بات صحیح ہے، تو وہ مینڈھا کون ہے؟

جواب: عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے، حجاج آیا تھا۔ فقط (بدست خاص، ص ۳۵)

(۹۲۱) کیا اثر ابن عباس کی صحت پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے: اثر ابن عباس فی کل ارض آدم کآدمکم الخ بعد تشہید آں بآیت۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ الآیۃ (الملک-۳) ترجمہ: جس نے بنائے سات آسمان (ترجمہ شیخ الہند)

آیا قابلیت آں دارد کہ بر آں اعتقاد کردہ آید، و جمیع اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را کہ از حشر و انبیاء و اسماء شان آمدہ محمول بایں طبقہ کردہ آید، و بعموم آنہا لحاظ نکردہ آید، یا چگونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خبر دادند از یک آدم و یک موسیٰ و یک ابراہیم وغیرہ دادہ، امتیاز و اقبال ایشاں را دیدہ و بیان فرمودہ۔ اگر تعدد او آدم وغیرہ در واقع ثابت بود، سکوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے چیست؟ و نیز اعتقاد از نص قطعی حاصل می شود، و نیز ہر کہ ایں اثر حکماً مرفوع می فرمایند، دلیل آں چیست؟

از ابن عباسؓ اکثر ایں چنیں اقوال در تفاسیر می آیند کہ ماخوذ از اسرائیلیات یا از فقہ و تدبر خودی باشند، ایں ہم

---

(۱) یہ مسند احمد کی حدیث ہے، حضرت عثمان سے یہ مرفوع حدیث مروی ہے کہ مکہ میں قریش کا ایک مینڈھا کج روی کرے گا۔ (پالن پوری) مسند احمد۔ تحت مسند عثمان بن عفان ص: ۶۴ جلد اول [دار الفکر ۱۳۹۸ھ] نیز مسند احمد ص: ۳۶۳ جلد اول، رقم الحدیث ۴۶۱، ت: الشیخ احمد محمد شاکر، [دار الحدیث القاہرۃ ۱۹۹۵ء] (نور)

اگر ازاں قبیل باشد چہ مانع۔ واز ابن کثیر نقلاً عن ابی ہریرۃ آمدہ: وهو محمول ان صح نقله عن ابن عباس، على انه أخذه من الإسرائيليات وذلك و أمثاله إذالم يصح سنده إلى المعصوم فهو مردود على مَنْ قاله.

غرض ایں فقیر را، در اعتقاد کردن بدیں اثر یا حکماً مرفوع گفتن تردد ہا است، وتاویل احادیث ظاہرہ عامہ بجز داحتمال بعیدی می بیند۔ امید کہ از تحقیق جناب رفع تردد گردد۔ وماذلک على الله بعزيز!

ترجمہ: اثر ابن عباس: ہر اک زمین میں آدم ہیں، تمہارے آدم (علیہ السلام) جیسے۔ اس آیت شریفہ کی گواہی کے بعد (جس نے بنائے سات آسمان)

کیا اس کی قوت وصلاحیت رکھتا ہے، کہ اس کا یقین کیا جائے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اطلاعات کو جو کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے مبارک ناموں کے متعلق آئی ہیں، صرف اسی طبقہ زمین کے لئے سمجھا جائے، اور اس (روایت) کے ہونے کا خیال نہ کیا جائے۔ یا جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہ خبر دی ہے، ان کے امتیاز اور بلند مرتبہ ہونے کو دیکھا جائے اور ذکر کیا جائے۔

اگر آدم (علیہ السلام) وغیرہ کا ایک سے زائد (متعدد ہونا) ثابت تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے خاموشی (اختیار فرمانا) کس وجہ سے ہے۔

نیز عقیدہ نص قطعی سے متعین مقرر ہوتا ہے اور جو حضرت کہ اس اثر کو حکماً مرفوع بھی فرماتے ہیں، اس کی دلیل کیا ہے؟ حضرت ابن عباس سے منقول، ایسے اقوال اکثر تفسیروں میں آتے ہیں، جو کہ یا اسرائیلی روایتوں سے لئے گئے ہیں، یا اپنی سمجھ اور غور وفکر سے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اگر اسی طرح کا ہو، اس میں کیا الجھن ہے؟

(تفسیر) ابن کثیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے آیا ہے کہ: اگر اس کی نقل حضرت ابن عباس سے صحیح ہو، تو یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے اسرائیلی روایتوں سے لیا ہے۔ نیز یہ اور اس جیسی روایتیں جب ان کی سندیں صحیح نہ ہوں، تو مردود (نا قابل اخذ واستفادہ) ہیں۔

غرض اس فقیر کو اس اثر کو عقیدہ ماننے، یا اس کو حکماً مرفوع کہنے میں شک وشبہ ہے، اور اس کی وجہ سے عام ظاہر احادیث کو (صرف اس احتمال کی وجہ سے (بعید ترین احتمالات سے دیکھنا ہوگا؟)۔ امید کہ جناب کی تحقیق سے شبہ دور ہو جائے گا۔

جواب: اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ کو رد کرنا اور موضوع اور اسرائیلی بتانا باوجود تاویل کے مناسب نہیں، اس

واسطے اس کی شرح لکھی گئی ہے(۱) مع ہذا اس پر اعتقاد کرنا ضرور [ی] بھی نہیں، کہ نص قطعی الدلالۃ وصریح اس پر کوئی نہیں اور عقائد [میں] قطعی صریح ہونا نص کا ضروری ہے۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۶۲-۱۶۳)

(۹۲۲) جنین کی خلقت کتنے روز میں تام ہوتی ہے؟

سوال: حدیث میں جو مضمون وارد ہوا ہے کہ رحم میں چالیس روز نطفہ اور چالیس روز علقہ اور چالیس روز مضغہ رہتا ہے، وہ بدعتی اس کے معنیٰ یہ کہتا ہے کہ مراد اس سے صرف چالیس روز ہیں، کہ کل کیفیت نطفہ وعلقہ ومضغہ وغیرہ اس ایک چلہ میں ہوجاتی ہے، متعدد چہل مراد لینا غلط ہے، اس لئے کہ یہ امر خلافِ مشاہدہ ہے، مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا کہ اگر اسقاطِ حمل ایک ہفتہ میں ہوتا ہے، تو بشکل نطفہ ہوتا ہے اور جو دو ہفتہ کا اسقاط ہوتا ہے، تو بشکل علقہ ہوتا ہے، وعلیٰ ہذا۔

اب یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول خلافِ مشاہدہ ہو، ورنہ بددین اس پر اعتراض کریں گے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول خلاف ہے۔ یہ سب تقریر بدعتی کی ہے۔

---

(۱) حضرت مولانا گنگوہی نے یہاں تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباسؓ کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اثر ابن عباس [رضی اللہ عنہما] کی ایک معرکہ آرا بحث ہے، اسی گفتگو اور موضوع کی وجہ سے، بریلی کے ایک عالم [فاضل بریلوی، مولانا احمد رضا خاں کے والد] مولوی نقی علی خاں نے، بریلی میں مقیم اور شہر بریلی کے مفتی امام اور مذہبی طور پر ایک غیر متنازعہ اور معتمد شخصیت، مولانا محمد احسن نانوتوی کے کفر کا اعلان کیا تھا، یہی بحث بریلوی فرقہ کے آغاز اور احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے علمائے سلسلہ ولی اللہی [دیوبند] کے خلاف، اس لمبی کوشش کی ابتداء بنی تھی۔ جس نے پورے ہندو پاکستان اور بعد میں اور بھی ملکوں کو بھی اپنا نشان وشکار بنالیا ملت میں بڑے اختلاف کا راستہ کھول دیا۔ اس لئے اس سلسلہ کی چند ضروری معلومات عرض ہیں۔

اس بحث وقضیہ کا بنیادی طور پر دیوبند کے اکابر علماء سے کچھ تعلق ہی نہیں تھا، ایسا لگتا ہے کہ مولوی نقی علی صاحب اور ان کے نوعمر فرزند، علمائے دیوبند کے خلاف ایک بہت بڑی جارحانہ تحریک کا غالباً برسوں سے ارادہ کر رہے تھے [اگرچہ وہ اس سے پہلے حضرت مولانا گنگوہی کے نہایت مداح اور معتقد تھے] اور اس کے لئے کسی موقع کی تلاش میں تھے کہ ایسے دو علماء کے مناظرے نے، جن کا علمائے دیوبند سے کوئی راست رابطہ نہیں تھا، اس کے لئے موقع فراہم کردیا۔ مولانا عبدالقادر بدایونی [م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء] اور مولانا امیر احمد سہسوانی کے درمیان [۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں] امکان وامتناع نظیر کے موضوع پر بدایوں کے قصبہ شیخوپور میں، مناظرہ ہوا، اس مناظرہ کی مفصل تحریریں سہسوان کے ہی ایک اور عالم مولوی محمد نذیر نے مرتب کرکے "مناظرہ احمدیہ" کے نام سے شائع کرادی تھیں [اس اشاعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں ہے] اس مباحثہ میں اثر ابن عباسؓ پر بھی گفتگو ہوئی اور مرتب رسالہ نے جو اس نواح میں مولانا محمد احسن نانوتوی کے مقام ومرتبہ سے واقف تھے، یہ بھی لکھ دیا تھا کہ مولانا محمد احسن نے بھی اثر ابن عباسؓ کی صحت کے قائل ہیں۔ بس یہی فقرہ مولوی نقی علی کے منصوبوں کے لئے شتابہ بن گیا، مولوی نقی علی نے اس کو بنیاد بنا کر مولانا محمد احسن کے خلاف نہایت شور وشر اور ہنگامہ شروع کردیا، مولانا نے اس اختلاف سے بچنے اور اس سلسلہ میں محقق علماء کی رائے جاننے کے لئے، فخر المتاخرین حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو خطوط لکھے، دونوں نے مفصل جوابات سے نوازا اور اس میں مولانا محمد احسن کی تائید کی مولانا محمد احسن نے ان تحریروں اور جوابات کو [ان حضرات کے علم واطلاع کے بغیر] "تحذیر الناس فی انکار اثر ابن عباسؓ" کے نام سے اپنے مطبع صدیقی بریلی سے شائع کردیا، مگر اس کی اشاعت سے بات کیا بنتی، جب باقاعدہ ایک فتنہ اور نئی گروپ بندی کا ارادہ تھا، چنانچہ حدیث پر محدثانہ کلام اور اس کی توجیہ مولوی نقی علی کی سمجھ میں نہیں آئی اور پھر بات بڑھتی ہی چلی گئی، جو علمائے دیوبند کے خلاف بریلی سے پہلی آواز تھی، جس نے بعد میں ایک مستقل نظریہ "بریلویت" کا روپ اختیار کرلیا۔ (نور)

جواب: بحرالرائق میں بروایت صحیحہ ثابت کیا ہے کہ بیالیس روز میں خلقت تمام ہوجاتی ہے(۱)اور قول حکماء کا بھی یہی ہے، سوحدیث جس میں چالیس چالیس روز میں تبدیلی ہے اس کی تاویل ممکن ہے، (۲) کہ بعض افراد بشر میں ایسا بھی ہوجاتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اعلیٰ ونہایت مدتِ تبدیل بیان فرمائی ہے، کہ گاہے بعض فرد میں ہوجاتی ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص۵)

(۹۲۳) مامن مولود یولد إلّاعلی الفطرة کامفہوم:

سوال: حدیث مامن مولود یولد إلاعلی الفطرة (۳) اس کے برخلاف کیوں ہوتا ہے کہ بعض آدمی جوان ہوکردین سے گمراہ ہوجاتے ہیں، اور بعض آدمی جوان ہوکر، کفر سے اسلام قبول کرتے ہیں؟

جواب: حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جب [آدمی] پیدا ہوتا ہے، اس وقت اس میں کفر نہیں ہوتا، بعد عقل کے کفر سیکھتا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ کافر نہ ہوگا، یا مسلمان ہوکر کافر نہ ہوسکے گا، جو شبہ کا محل ہو۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۳۲)

---

(۱) بحرالرائق میں متعلقہ مقامات (باب العدة اورباب ثبوت النسب) میں صاحب بحرالرائق کی بروایت صحیحہ بحث ہمیں نہیں ملی ممکن ہے حضرت مصنف نے یہ بحث کسی اور جگہ فرمائی ہو۔ ان ابواب میں جن روایات کا ذکر ہے (ص:۱۴۸ باب العدة اورص:۱۷۶ باب ثبوت النسب) دونوں میں چالیس چالیس دن کے تین مرحلوں کا ذکر ہے:

وفی المحیط ایضاً تزوج بامرأةٍ فجاء بسقط بعد اربعة اشهر الا یوماً لم یجز النکاح، ان کان استبان خلقه لانه لا یستبین خلقه الا فی مائة وعشرین یوماً، اربعین یوما نطفه واربعین علقة واربعین مضغة ثم ینفخ فیه الروح، بحرالرائق ص:۱۴۸، باب العدة جلد رابع.

وفی الواو الجیة رجل تزوج بامرأة فجائت بسقط قد استبان خلقه. فان جائت به لاربعة اشهر جاز النکاح ویثبت النسب من الزوج الثانی، وان جائت به الاربعة اشهر الا یوما لم یجز النکاح، لان الوجه الاول الولد للزوج الثانی وفی الوجه الثانی من الزوج الاول. لان خلقه لایستبین الا فی مائة وعشرین یوماً، فیکون اربعین یوما نطفه واربعین علقة واربعین مضغة، البحرالرائق ص:۱۷۶، (باب ثبوت النسب)[دارالمعرفة بیروت: بلاسنه] (نور)

(۲) مسلم شریف میں حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ کی روایت سے مرفوعاً آئی ہے کہ جب نطفہ پر بیالیس دن گذر جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں: فصورها وخلق سمعها وبصرها وجلدها ولحمها وعظامها الخ کتاب القدر، باب کفیة خلق الوریٰ نسخہ ہندیہ ص:۳۳۳ جلد دوم[مطبع مجتبائی دہلی] ص:۱۲۲۱ جلد دوم۔ رقم الحدیث:۲۶۴۵ ت: ابوقتیبہ نظر محمد فاریابی، [دارطیبہ، ریاض، ۲۰۰۶ء] اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں چالیس چالیس دن کے تین مرحلوں میں تخلیق مکمل ہونے کا ذکر ہے، متفق علیہ۔ مشکوۃ باب القدر ص: حضرت نے اس تعارض کو رفع کیا ہے کہ یہ اختلاف افراد بشر کے اختلاف سے ہے کہ کسی کی تخلیق بیالیس دن میں مکمل ہوتی ہے اور کسی کی ایک سو بیس دن میں، نیز اس طرح بھی تطبیق دی جاسکتی ہے کہ تخلیق کا مرحلہ بیالس دن کے بعد شروع ہوتا ہے اور ایک سو بیس دن میں مکمل ہوجاتا ہے (ابن مسعود کی حدیث تو متفق علیہ ہے اور مشکوۃ باب القدر میں آئی ہے۔ اور حذیفہ بن اسید غفاری کی حدیث مسلم شریف کتاب القدر باب اول میں آئی ہے۔ حدیث:۲۶۴۵) (پالن پوری)

(۳) ترجمہ یہ ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں، جیسے چوپایہ صحیح سالم جنا جاتا ہے، کیا تم ان میں کوئی کان کٹا دیکھتے ہو؟ یعنی ہر بچہ کی فطرت میں خالق کی پہچان اور اس کی بندگی کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور اسی کا نام فطرت ہے، پھر بچہ جن ہاتھوں میں اور جس ماحول میں پلتا بڑھتا ہے، وہ ماحول اس کو خراب کردیتا ہے، اس وقت وہ فطری علم جہالت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کبھی موانع اور عوارض دور ہوجاتے ہیں تو وہ فطرت کی طرف لوٹ آتا ہے اور حلقہ بگوش اسلام ہوجاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعۃ ۸۶:۳۔ شرح حجۃ اللہ البالغۃ۔ تالیف مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری)

(۹۲۴) کنگھا کرنے سے متعلق چند بے اصل روایتوں کی حقیقت؟ سوال: اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کھڑے ہو کر کنگھا کرنے سے مقروض ہوتا ہے، صحیح ہے یا غلط، اور یہ بھی لکھا ہے کہ موئے خشک میں شانہ کرنا ٹوٹا ہوا شانہ کرنا، اور مستعار شانہ کرنا اور وقت طلوع وغروب آفتاب شانہ کرنا موجب افلاس ہے، صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: ان روایات کی صحت نہیں۔ فقط (بدست خاص، سوال ۱۱۱)

(۹۲۵) حجام کا آئینہ نہ دیکھنے کی روایت کیسی ہے؟ سوال: عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال النظر فی مرآۃ الحجام دناءۃ (رواہ الدیلمی)(۱) بموجب اس روایت کے آئینہ حجام کا دیکھے، یا نہیں؟

جواب: یہ روایت بھی صحیح نہیں۔ فقط (بدست خاص۔ سوال ۱۱۳)

(۹۲۶) طیب الرجال ماظھر ریحہ وخفی لونہ کا مطلب؟ سوال: عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طیب الرجال ماظھر ریحہ و خفی لونہ، وطیب النساء ماظھر لونہ و خفی ریحہ. (۲) اس روایت کے موجب تو رنگ چھلیرہ کا مردوں کو جائز ہوا یا نہیں، کیوں کہ اس میں رنگ ظاہر ہے اور خوشبو بھی ہے؟

جواب: طیب الرجل ما خفی الخ کے یہ معنی ہیں کہ مرد کو اس رنگ سے اجتناب چاہیے، جو عورتوں کو اجازت ہے اور مردوں کو ناجائز، مگر خوشبو لگاویں، جس سے باہم ربط ومودّت ہو، کسی کو کسی سے تکلیف بدبو کی نہ ہو، بخوشی ربط وراحت سے مجتمع ہوویں اور عورتوں کو ایسی خوشبو نہ لگانی چاہئے، کہ موجب فتنہ کا ہے۔ بلکہ وہ رنگ لگاویں کہ ان کو زینت دیوے، مہندی. کسنبہ زعفران کہ محرم کے سامنے ظاہر ہو اور پردہ سے کسی کو معلوم نہ ہو، تاکہ شوہر کو موجب راحت ہو اور فتنہ نہ ہو۔ رہا یہ کہ اگر خوشبو میں رنگ مشروع ہو، جیسا چھلیرہ وہ مرد کو منع نہیں، بلکہ جائز ہے، اور خاص خلوت میں اور بُعد غیر محرم میں زعفران عورت کو لگانا، کہ خوشبو اور رنگ ہے، بھی جائز ہے۔ پس حدیث میں مصلحت واستحسان حال بیان فرمایا ہے، نہ یہ کہ مرد کو رنگ حرام ہے اور عورت کو خوشبو حرام ہے۔ (بدست خاص، سوال ۱۱۴)

---

(۱) یہ روایت حضرت انس کے حوالہ سے، دیلمی کی مسند فردوس میں ہے عجلونی کی کشف الخفاء (۲:۴۳۶ حدیث: ۲۸۵۹) میں مذکور ہے مگر اس میں سند پر کوئی کلام نہیں، بہ ظاہر یہ روایت صحیح نہیں۔ (پالن پوری)

(۲) ترمذی کتاب الأدب، باب ماجاء فی طیب الرجال والنساء رقم الباب: ۳۶ ص: ۹۹ جلد ۵ رقم الحدیث ۲۷۸۷۔ ت: کمال یوسف الحوت۔ [دار الکتب العلمیۃ، بیروت] نیز ترمذی أبواب الاستیذان والأدب، باب مذکور ص: ۱۱۵ جلد دوم [مطبع احمدی میرٹھ ۱۲۸۲ھ] نیز رواہ الطبرانی والضاد عن انسؓ کشف الخفاء عجلونی ج: ۲، ص: ۴۹ حدیث: ۱۶۸۲ [دار احیاء التراث العربی ۱۳۵۱ھ] یہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے (مشکوۃ کتاب اللباس باب الترجل ج: ۲، ص: ۳۸۰ [اصح المطابع رشیدیہ دھلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ باب مذکور ج: ۴ ص: ۱۲۶۲ رقم الحدیث: ۴۴۴۳ [مکتبۃ التوبہ دار ابن حزم نظر رمضان بن احمد بن علی آل عوف ۱۴۲۳ھ] (پالن پوری)

(۹۲۷) کیا ''إنّا بفراقک نوحہ میں شامل نہیں؟ **سوال:** لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت انتقال حضرت ابراہیم صاحبزادے اپنے کے، یہ کلمہ فرمایا اور آنسو بہائے: **إنّا بفراقک یا ابراهیم لمحزونون**(۱) تو اگر یہ کلمہ نوحہ میں داخل نہیں ہے، تو جو فرق نوحہ کرنے میں اور اس کلمہ میں ہو، وہ تحریر فرماویں، کہ نوحہ میں یہ الفاظ داخل ہیں اور ایسے الفاظ نوحہ میں داخل نہیں۔

جواب: نوحہ رونا دلانے کے الفاظ بولنے کو کہتے ہیں، اور یہ کلمہ جو منقول ہے، داخل نوحہ نہیں۔

(بدست خاص، ص ۹)

(۹۲۸) منافقین کے آستینوں میں بت رکھ کر نماز پڑھنے کی روایت؟ **سوال:** منافقوں کا آستین میں بت رکھ کر نماز پڑھنا، اور پھر، حالت نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہونا، کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھو، غلط ہے، یا صحیح؟

جواب: یہ قصہ بھی سراسر غلط ہے، جہلاء روافض کی گھڑت ہے۔ فقط

(بدست خاص، سوال ۲۰)

(۹۲۹) بخاری شریف کی حدیث میں کتاب فوق عرش کا مفہوم؟ بخاری میں جو کتاب فوق العرش وارد ہے، وہ: إنَّ رحمتی سبقت غضبی (۲) کی چٹھی ہے، جس میں یہ لکھا ہے کہ اس سے بخاری و مسلم وغیرہما جیسی کتاب مراد نہیں، کتاب کے معنی مکتوب کے ہیں، مکتوب پرچہ کو بھی کہتے ہیں، یہاں پرچہ مراد ہے۔ (۳) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ فرخ آباد، ص ۵۵)

(۹۳۰) مقاتلہ کے معنی کی تحقیق؟ مقاتلہ کے معنی لغت میں ضرب شدید کے بھی آتے ہیں، یہاں ائمہ نے مقاتلہ کے معنی ضرب شدید کے لئے [ہیں] دوسرے نصوص قطعیہ کی وجہ سے، تو حدیث کے مقابلہ میں قیاس نہیں کیا، بلکہ حدیث کے معنی دوسرے نصوص کے مطابق کردیئے، بحکم نص، اس کو قیاس نہیں کہتے، اس میں اجمال کی تصریح اور تاویل ہے، اگر

---

(۱) بخاری کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم إنا بک لمحزونون ۷/ ارقم الحدیث ۱۳۰۳ [مکتبة الریاض الحدیثة] نیز بخاری شریف باب مذکور ص: ۱۷۴، ج: ۱ [مکتبۃ الاصلاح لال باغ مرادآباد ۱۴۱۵ھ] باب مذکور/ اُردو لغت ص: ۷۶۲۔ ورواہ مسلم کتاب الفضائل، باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم علی الصبیان والعیال وتواضعه وفضل ذلک ص: ۱۰۹۵، جلد دوم۔ ت: ابوقتیبہ فاریابی رقم الحدیث: ۲۳۱۵ [دار طیبہ ۱۴۲۷ھ] نیز مسلم شریف ص: ۲۵۴ جلد دوم۔ [مجتبائی دہلی ۱۳۱۹ھ] یہ متفق علیہ روایت ہے، مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب البکاء علی المیت ج: ۱ ص: ۱۵۰ [اصح المطابع رشیدیہ دھلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوٰۃ باب مذکور ج: ۲ ص: ۲۸۶ [مکتبۃ التوبہ] حدیث: ۱۷۲۲۔

(۲) عن ابی هریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لما قضی اللہ الخلق کتب کتابا فهو عنده فوق عرشه، ان رحمتی سبقت غضبی، وفی روایة غلبت غضبی۔ متفق علیہ۔ مشکوۃ شریف، باب الفصل الاول عن ابی هریرۃ، ج: ۱ ص ۲۰۶۔۲۰۷ [رشیدیہ دہلی نقل اصح المطابع ۱۳۷۵ھ] الفصل الاول ص: ۹۳۲ جلد دوم، رقم الحدیث: ۲۳۶۴ ت: رمضان ابن احمد [مکتبة التوبة، دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء] [نور]

(۳) یہ مسئلہ تفصیل سے صفحہ نمبر ۱۵-۱۶ پر گذر گیا ہے۔

یہ تاویل نہ کرتے تو بہ سبب معارضہ دوسرے نصوص کی یہ حدیث متروک ہوجاتی، اس توجیہ سے سب نصوص اس کے موافق ہوگئے۔ (۱) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۶)

(۹۳۱) تیسرے طبقہ کی وہ احادیث، جن کے راوی صحیحین کے راوی ہوں، مثل صحیحین کے ہوتی ہیں:

طبقہ ثالثہ کی وہ احادیث کہ جن کے راوی صحیحین کے راوی ہوں، مثل صحیحین کے ہوتی ہیں، اگرچہ صحیحین کی روایت کو ترجیح بوجہ روایت ہو، مگر مجتہد جب اس کو ترجیح کردیوے وہ ترجیح ہوجاوے گی اور وہ روایت کہ راوی اسکے غیر اُن کے ہوں، وہ معتبر نہیں ہوتی۔ یہ قاعدہ یہ معنی رکھتا ہے۔ اور جمع اگر ہوسکیں تو بھی اس کو مخالف نہیں کرسکتے (۲) اور یہ جمع وترجیح میر اتمہارا کام بھی نہیں (۳) بلکہ علماء اہل حدیث تام فہم کا کام ہے۔ اسی واسطے خود شاہ عبدالعزیز نے ہدایہ کی روایت کو غیر معتبر نہیں لکھا، کہ وہ اسکو جانتے تھے۔ فقط والسلام

اب بعد سلام مسنون کے یہ ہے، کہ بندہ مسلوب الحواس سا ہوگیا ہے، ہر کام سے دل میں گھبراہٹ اور کم ہمتی ہوتی ہے، کچھ عمر کا تقاضہ کچھ ضعف، توارد امراض اور کچھ مصائب اموات۔ دو سال سے درسِ حدیث بھی بند ہے، بندہ کی یہ تحریر بھی غنیمت جانیں، زیادہ بسط کیا کرسکتا ہوں، اسی قدر توفیق ہوئی ہے۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۵)

(۹۳۲) حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کا درجہ اور ان سے بعض بدعات پر استدلال کا حکم؟

مولوی نظیر حسن صاحب سلمہٗ السلام علیکم

آپ کا خط آیا، چونکہ بندہ کو فرصت ہرگز نہیں ہوتی، جمعہ کو بھی ایک سبق ہے، لہٰذا جواب بدشواری لکھا جاتا ہے، چونکہ آپ نے بتاکید لکھا تھا، لہٰذا چند کلمہ پر قناعت کرتا ہوں، کہ سب مسائل اس سے مستنبط ہوجائیں گے۔

حدیث ضعیف اگر بسبب سوءِ حفظ راوی کے یا مرسل ہونے کے، یا تدلیس ہونے کے ہے، مگر راوی عادل ثقہ ہے تو اس پر عمل کرنا درست ہے، اگرچہ اثبات حکم اس سے نہیں ہوسکتا، جب تک جبر اس ضعف کا نہ ہوجائے، اور جو بسبب فسق اور کذب راوی کے، یا بسبب اتہام وضع کے ہو، تو اس پر فضائل اعمال [میں] بھی عمل کرنا، ناجائز ہے۔ شدید الضعف، یہ قسم آخر ہے اور پہلی قسم میں ضعف ادنیٰ ہے، یہ مسئلہ نخبہ وغیرہ کتب اصول حدیث میں مذکور ہے۔ پس جو احادیث کہ اہل بدعت نے وضع کی ہیں، وہ موضوعات میں ہیں، کہ ہرگز ان پر عمل روا نہیں۔ فقط

---

(۱) معلوم نہیں کہ یہ کس سوال کا جواب ہے، ممکن ہے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے سلسلہ میں جو متفق علیہ روایت آئی ہے: فان ابی فلیقاتلہ فانہ شیطان کے معنی دریافت کیے ہوں۔ واللہ اعلم (پالن پوری)

(۲) اصل میں اسی طرح ہے۔ شاید نقل میں غلطی ہوئی ہے، ممکن ہے صحیح عبارت اس طرح ہو: ''اگر جمع نہ ہوسکیں تو بھی اس کو مخالف نہیں کہہ سکتے'' (نور)

(۳) یہ بحث بھی نہ معلوم کس موقع کی گئی ہے تیسرے طبقہ سے مراد وہ طبقات ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ میں بیان کیے ہیں، پہلے طبقہ کی کتابیں موطا، بخاری اور مسلم ہیں اور دوسرے طبقہ کی کتابیں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی ہیں۔ اور تیسرے طبقہ کی کتابیں مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور بیہقی اور طحاوی وغیرہ کی کتابیں ہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں: رحمۃ اللہ الواسعۃ (۲: ۴۴۳-۴۸۸) (پالن پوری)

اورحدیث صحیح من تشبہ بقوم فھو منھم. (۱) سے یہ امر محقق ہے، کہ کسی قوم غیر مسلم سے کسی فعل میں تشابہ ہونا، موجب کراہت وحرمت کا ہے۔ لہٰذا جوامر اگرچہ فی حد ذاتہ مباح ہی ہو، مگر جب اس میں تشبہ ہووے گا، تو وہ ناجائز ہو جاوے گا، تو سوم، چہلم، عرس، کھانے پر قرآن پڑھنا وغیرہ امور سب ناجائز ہوئے، اور علی ہذا قول ابن مسعود اور اس کی شرح قاری وطیبی سے کہ لایجعلن احدکم للشیطان من نفسه جزء ًالایری إلا ان حقا علیه ان لاینصرف الا عن یمینه. (۲) الخ

قول ابن مسعود فیه" ان من أصر علی أمر مندوب و جعله عزما و لم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر انتهیٰ (۳) دار قطنی

یہ امر ثابت ہوا کہ کسی مباح ومندوب پر ایسا التزام، کہ مثل واجب وسنت مؤکدہ کے ہووے، اور اہتمام مثل واجبات کے کیا جائے۔ بدعت ہے اور یہ فقہ بعینہ:

من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فھو رد. (۴) الحدیث

جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد (اور شامل) کی جو حقیقتاً دین سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔ (ت، نور)

سے ثابت ہوتا ہے۔ پس جس امر کو شارع نے غیر مہتم بتایا، اور مباح کہا، اسکو اگر کوئی مہتم اور واجب عقیدہ کرے، یا عمل مثل موکدات کے اس پر کرے، تو اس نے دوسری شریعت کا احداث کیا، جو خلاف شرع خداتعالیٰ کے ہے۔

پس اہتمام مولود، ویقین وتقسیم شیرینی اور تخصیص طعام شب برأت وعید اور تخصیص معانقہ عیدین کا اور قبور پر پھول کو ضروری جاننا، اس قاعدہ وحدیث سے سب بدعت ہووے گا۔

---

(۱) مشکوۃ شریف کتاب اللباس، الفصل الثانی ج: ۲ ص: ۳۷۵، [اصح المطابع دھلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ باب مذکور فصل مذکور ج: ۴ ص: ۱۲۶۳ حدیث: ۴۳۴۷ [مکتبة التوبه دارابن حزم ۱۴۲۳ھ، نظر رمضان بن احمد بن علی آل عوف] أخرجه المسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرها با: جواز الانصراف من الصلوۃ عن الیمین والشمال ص: ۳۲۰ جلداول رقم الحدیث: ۷۰۷/ت: ابوقتیبہ نظر محمد فاریابی [دارطیبہ، ریاض، ۲۰۰۶ء] نیز مسلم شریف باب مذکور ص: ۲۴۷ ج: ۱ [مطبع مجتبائی: دہلی ۱۳۱۹ھ]

(۲) اخرجه المسلم، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرها باب جواز الانصراف من الصلوۃ عن الیمین والشمال ص: ۳۲۰، ج: ۱، رقم الحدیث: ۷۰۷، ت: ابوقتیبه نظر محمد فاریابی (دارطیبه، ریاض: ۲۰۰۶ء) نیز مسلم شریف باب مذکور ص: ۲۴۷، ج: ۱، (مجتبائی دہلی: ۱۳۱۹ھ)

(۳) حضرت ابن مسعود کا قول متفق علیہ روایت میں آیا ہے (مشکوۃ کتاب الصلوۃ باب الدعاء فی التشهد ج: ۱ ص: ۸۷ مکتبة رشیدیه نقل اصح المطابع ۱۳۷۵ھ نیز مشکوۃ ج: ۱ ص: ۲۹۶، ۲۹۷ مکتبة التوبه ۱۴۲۳ھ حدیث: ۹۴۶) اور حدیث کی شرح میں علامہ طیبی کا مذکورہ قول ملاعلی قاریؒ نے مرقات ج: ۱ص: ۳۵۳ مکتبہ امدادیہ۔ ملتان پاکستان، میں نقل کیا ہے۔ (پالن پوری)

(۴) یہ متفق علیہ روایت ہے۔ کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة الفصل الاول ص: ۸۹ جلداول رقم الحدیث: ۱۴۰۔ ت: رمضان ابن احمد [مکتبة التوبة، دارابن حزم ۲۰۰۳ء/۱۴۲۳ھ] نیز مشکوۃ شریف باب مذکور ص: ۲۷ جلداول [رشیدیہ دہلی، نقل اصح المطابع ۱۳۷۵ھ] بخاری شریف عن کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا ج: ۱ ص: ۳۷۱ [مطبع احمدی میرٹھ] [نور]

علیٰ ہذا جس امر کے التزام سے عوام اس کو واجب جاننے لگیں، تو اس کا ترک بھی ضرور [ی] ہوتا ہے، چنانچہ عالمگیریہ کے باب الحدث میں ہے:

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ، لأن الجھال یعتقدونھا سنۃ او واجبۃ، وکل مباح یؤدی إلیہ فمکروہ.(۱) انتھیٰ

ترجمہ: اور جو کچھ نماز کے بعد کیا جاتا ہے وہ مکروہ ہے، اسلئے کہ جاہل لوگ اس کو سنت اور واجب سمجھ لیتے ہیں اور ہر وہ مباح چیز جس کو ضروری (یا سنت واجب) سمجھا جانے لگے، وہ مکروہ ہے۔ (ت: نور)

اس سے بھی یہ امر واضح ہے، کہ یہ سب امور اگر چہ فی حد ہا مباح ومندوب ہوں، مگر بسبب التزام کے جب عوام ان کو ضروری جانتے ہیں، کہ مانع وتارک کو برا کہتے ہیں، ملامت کرتے ہیں، تو ضروری الترک اور مکروہ ہے۔

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۶، ۴۷، ۴۸)

(۹۳۳) ائمہ محدثین مروان ابن الحکم کی روایات کیوں لیتے ہیں؟ سوال: از بندہ عزیز الرحمٰن

بخدمت بابرکت حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب

بعد سلام مسنون، بصد آداب! آں کہ اشتیاق قدم بوسی وشرف صحبت شریف بار بار وباز دیاد می نہد، اما بطمع آں کہ شاید برائے ایں کار وقتے دیگر مقرر باشد، وآرزوئے دیرینہ بظہور پیوند وصبر کردہ می آید! از حال پریشانی خود چیزے گفتن رو نمی بندد، وبعض اوقات بخواستم کہ چیزے اظہار بکنم، بجز خاموشی چارہ ندیدم، اکنوں بجز ایں کہ خواستگار دعا وتوجہ کنم، چیزے دیگر مناسب نمی نماید، امید کہ آنجناب ازیں نابکار غافل نباشند۔

بعض مسائل قابل استفسار معروض ہستند، امید کہ از جوابات شاں مفصلاً معزز ومطمئن فرمایند۔

ترجمہ: بندہ عزیز الرحمٰن کی طرف سے حضرت مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی کی خدمت بابرکت میں:

سلام مسنون! اور آداب کے بعد عرض ہے، کہ قدم بوسی کا اشتیاق اور صحبت شریف میں بار بار حاضری کی تمنا دہراتا اور یاد رکھتا ہوں، لیکن اس لالچ کی وجہ سے شاید اس کام کے لئے کوئی اور وقت مقرر ہوگا اور پرانی تمنا ظہور میں آئے گی، اس لئے صبر کرنا پڑ رہا ہے۔

---

(۱) عالمگیری، باب مسائل سجدۃ الشکر (۱/۱۹۰) [مطبوعہ بندر ہوگلی کلکتہ: ۱۲۵۸ھ] وعالمگیری (۱/۱۳۶) الباب الثالث عشر مما یتصل بذالک سائل سجدۃ الشکر [مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ: ۱٤۰۳ھ] [نور]

اپنے پریشان حال کے متعلق کچھ عرض کرنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ کسی وقت چاہتا ہوں کہ کسی بات کے لئے درخواست واظہار کروں مگر خاموشی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں دیکھتا، اب اس کے علاوہ کہ دعا اور توجہ کی درخواست کروں کوئی اور بات مناسب نہیں دیکھتا۔ امید ہے کہ آنجناب اس نالائق کی طرف سے غافل نہ ہوں گے، چند مسائل قابل تحقیق پیش ہیں، امید کہ ان کے مفصل جوابات سے معزز اور مطمئن فرمائیں گے۔ [ت۔نور]

سوال: مروان ابن الحکم کہ ذکر آں در کتب صحاح می آید، ودر بعض مواقع از اقوال او استدلال کردہ می آید، چنانچہ امام مالک در مؤطا فرمودہ:

مالک أنّه بلغه أن مروان بن الحکم، کان یقضی فی الرجل اذا آلی من امرأته، أنّها إذامضت الأربعة الاُشهر فهی تطلیقة ،وله علیها الرجعة مادامت فی عدتها. قال مالک وعلی ذلک کان رأی ابن شهاب(۱)

ودر ہمیں مؤطا بجائے دیگر پسندیدن اکابر رائے اورا، در بعض مسائل دیئیہ نقل ساختہ۔ وہمچنیں در کتب دیگر ذکر او آمدہ، ودر تقریب ہم او را بدنوشتہ، بلکہ لفظ لم یثبت له الصحبة آوردہ کہ ایں ہم در پردہ توثیق است۔ چہ کسے کہ در صحت او خلاف باشد اگر چہ اصح عدم صحت باشد، او را بد گفتن چگونہ صورت بندد؟

بالجملہ، باوجود ایں ہمہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ در تحفہ نسبت او نیک نوشتہ، بل بالفاظ مروان شیطان یا علیہ اللعن یا سرگروہ جماعت شقاوت، بزمرۂ خارجیان یاد فرمودہ، وایں ہر سہ الفاظ احقر بچشم خود در تحفہ دیدہ، تحقیق ایں چیست ودر بارۂ او چہ اعتقاد باید داشت، و او را خارجی گفتن صحیح است یا نہ، وآخر حال او چگونہ گذاشتہ است؟

سوال: مروان ابن الحکم کہ جس کا ذکر کتب صحاح میں آیا ہے اور بعض موقعوں پر اس کے اقوال سے استدلال بھی کیا گیا ہے، چنانچہ امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں:

”ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ مروان بن الحکم ایسے معاملہ میں، جب کوئی اپنی بیوی سے ایلاء کرتا تھا تو یہ فیصلہ کرتا کہ جب چار مہینہ گذر جائیں تو وہ مطلقہ ہے، اور شوہر کے لئے حق رجوع اس وقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہی ابن شہاب کی بھی رائے تھی، اور اسی موطا میں دوسری جگہ اکابر

(۱) رواه الامام مالک فی موطاه فی کتاب الطلاق، باب مالایبین من التملیک ص: ۲۰۲ [مجتبائی دهلی: ۲۰ ۱۳ه]
نیز باب الایلاء. رقم الحدیث: ۱۷۱۰-۱۷۱۱ ،تحقیق۔ د. محمود احمد القیسیۃ ص: ۱۱ج: ۲۔ [موسسۃ النداء۔ ابوظبہی: ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۴ء]

کان (مروان) کی رائے کو پسند کرنا اور بعض دینی مسائل میں اس (فتویٰ) کا نقل کرنا بھی آیا ہے''۔

دوسری کتابوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے اور تقریب (التھذیب) میں بھی ان (مروان) کو برا نہیں لکھا، بلکہ لفظ ان کے لئے صحبت ثابت نہیں آیا ہے یہ بھی ڈھکی چھپی توثیق ہے۔ وہ شخص جس کی توثیق میں اختلاف ہو، اگرچہ زیادہ صحیح اس کی توثیق نہ ہونا ہے، اس کو برا کہنا کس صورت میں ہوگا؟

اس سب کے باوجود شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس کے متعلق اچھے الفاظ نہیں لکھے، بلکہ بالفاظ مروان شیطان یا علیہ اللعن یا جماعت شقاوت کا سردار اور اس کو خارجیوں میں یاد کیا ہے، اور یہ تینوں الفاظ میں نے خود اپنی آنکھ سے تحفہ میں دیکھے ہیں، اس کی کیا تحقیق ہے، اس کے متعلق کیا یقین رکھنا چاہئے اس کو خارجی کہنا صحیح ہے یا نہیں، اور اس کا آخری حال کس طرح گذرا؟۔ (ت۔نور)

جواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند:

آپ کا خط آیا جواب مختصر لکھتا ہوں، کہ فاسق و مبتدع کی خبر کا اعتماد اس واسطے نہیں ہوتا، کہ وہ بسبب عدم مبالات دین کے کذب کہہ دیوے، تو عجب نہیں، اور ہر گاہ کہ کسی مبتدع پر یہ احتمال رفع ہو جاوے، تو پھر قبول اس کی خبر میں تردد نہیں ہوتا۔ اسی واسطے مبتدع کی خبر میں اختلاف ہوا ہے، کہ بعض نے مطلقاً عدم قبول کہا اور بعض نے مطلقاً قبول، بعض نے تفصیل داعی الی البدعت کی [اور] غیر داعی کی کی [ہے] اور علیٰ ہذا۔

پس مروان بن الحکم ہر چند [کہ] مبتدع فاسق تھا، مگر ائمہ کو اس کی روایت پر اعتماد تھا، اسی واسطے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اس کو صد[و]ق فی الروایہ فرماتے ہیں اور اسی وجہ سے بخاری نے اس کی روایت بخاری (۱) میں نقل کی اور امام مالک نے اس کے قبول کو لکھا ہے۔

مع ہذا [مولف] فتح الباری عذر کرتا ہے، کہ یہ روایات اس کی عبداللہ بن زبیر وغیرہ رواۃ نے قبل ظہور ابتداع اس کی اخذ کی تھی، (۲) بعد تحمیل کے وہ بگڑا ہے، یا ظہور اس کا ہوا ہے، لہٰذا ان روایات میں قدح نہیں، اور فعل قبل اس کے ہوا وہ بتاویل۔ لہٰذا اس کا خارجی ہونا اور بد ہونا خلاف روایت کے نہیں، اسی کو اکابر بد بھی لکھتے ہیں، مع ہذا روایت اس کی

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الاذان باب القراءۃ فی المغرب ص ۱۰۵ ج: ۱ [مطبع احمدی میرٹھ: ۱۲۸۲ھ] نیز بخاری شریف ج: ۱ ص: ۱۲۶، رقم الحدیث: ۷۶۴ [مکتبہ ریاض ۱۴۰۳ھ] [نور]

(۲) مقدمہ فتح الباری الفصل التاسع فی سیاق اسماء من طعن فیہ من رجال ھذا الکتاب "المیم" ص: ۴۴۳ [مکتبۃ دار الفیحاء، دمشق] قال وھولاء (یعنی سھل بن سعد وعروۃ وغیرھما) اخرج البخاری احادیثھم عنہ فی الصحیح، لما کان امیرا عندھم بالمدینۃ قبل ان یبلو منہ فی الخلاف علی ابن الزبیر مابدا واللہ اعلم۔۔۔ اور تحمیل کے معنی ہیں اس سے حدیثیں لینا [نور]

معتبر ہیں۔ فقط (مجموعہ کلاں ص ۱۶۱-۱۶۲)

(۹۳۴) جمعہ کی شب میں جمعہ کو اور رمضان المبارک میں، مسلمان کو عذاب قبر نہیں ہوتا: سوال: جمعہ یا جمعرات یا پیر کے روز یا رمضان المبارک میں جو شخص مرجاتا ہے، تو اس کو کچھ تخفیف عذاب میں یا حساب میں ہوتی ہے، یا نہیں، اور اگر ہوتی ہے، تو کیا ہوتی ہے؟

جواب: جمعہ کی شب اور جمعہ کے روز اور رمضان میں مسلمان کو عذاب قبر نہیں ہوتا، اور پیر کی روایت کوئی معلوم نہیں فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بدست خاص، ص ۲۳)

(۹۳۵) اگر مستحق عذاب ہے تو رمضان المبارک کے بعد عذاب ہوتا ہے: سوال: لکھا ہے کہ جو کوئی رمضان میں مرجاتا ہے تو اس کو عذاب قبر نہیں ہوتا، آیا وہ شخص ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاتا ہے یا بعد رمضان پھر عذاب قبر ہوتا ہے؟

جواب: بعد رمضان عود کرتا ہے، اگر مستحق عذاب ہے۔ فقط (بدست خاص، ص ۴۲)

(۹۳۶) حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی [شارح سنن ابوداؤد] کے چند شبہات واعتراضات کے جواب: سوال نمبر (۱): مشکوٰۃ شریف ص: ۱۱ المطبوعہ احمدی: إن الشيطان قد يئس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب إلخ بالغ وجوہ، عدم وقوع شرک پر عرب میں دلالت کرتی ہیں، کیونکہ یاس شیطان کی بنی آدم کے شرک سے، باوجود اس کے کہ وہ اصل جبلت سے آگاہ ہے، قریب محال ہے، باوجود یکہ دوسری جگہ اس کی مؤید مذکور ہے، صفحہ ۴۴۷: قال: قلت یا رسول اللّٰہ! أتشرك أمتك من بعدك؟ قال: نعم! أما إنهم لا يعبدون شمساً ولا قمراً ولا حجراً ولا وثناً الخ صفحہ ۵۳۸: وإني لست أخشى عليكم أن تشركوا بعدي صریح عدم وقوع شرک پر دلالت کرتی ہیں، پس قولہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۴۷۳: لا تقوم الساعة حتى تضطرب أليات نساء دوس حول ذي الخلصة بظاہر روایات سابقہ کے مخالف ہے؟

الجواب: شیطان نے جو قوت اسلام و رسوخ مسلمین کا دیکھا، تو مایوس ہوگیا، کہ مسلمون ہرگز شرک نہ کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بابلغ وجوہ اس کو ثابت کیا، کہ ایمان اسلام اعلیٰ درجہ کا محقق ہوگیا، کہ شیطان جیسے طویل الامل کو یاس ہوگئی، مگر کس سے یاس ہوگئی: مصلین یعنی مسلمین سے نہ کفار سے۔ دیکھو حضرت ابلغ البلغاء کے کلام کو کہ مسلمانوں سے یاس شیطانی فرمائی، نہ وجود شرک (سے) اور شیطان کی بقاء توقع کفار میں باقی رکھی۔ اول تو ظاہر ہے کہ

یاس کو عدم الوقوع لازم نہیں، سب کو یاسِ صحت قریب الموت ہوجاتی ہے اور پھر تندرست صحیح ہوجاتا ہے، تو کیا ضرور (ی) ہے کہ شیطان کی یاس کو عدم الشرک لازم ہو، کمال قوت دیکھ کر مایوس ہوا، مگر انجام میں وہ قوت نہ رہے، رفتہ رفتہ وہ نوبت پہونچی کہ لفظ کلمہ بھی باپ دادا کے سنی سنائی پڑھیں، کوئی نہ جانے کہ کیا چیز ہے: کما ورد فی الحدیث تو اس وقت ظہور شرک ہو تو کیا معارضہ ہوا، اور شیطان اگر بقول آپ کے اصل جبلت سے واقف ہے، تو اصل فطرت سے بھی واقف ہے کہ اسلام ہے، اور بالفرض جو جبلت آدمی کی شرک ہے، خود فخر عالم علیہ السلام کا بیان قوت ایمان عرب بابلغ وجوہ ہوا، کہ بیان واضح آپ سے غیر جبلی بھی جبلی ہوگیا۔

اب رہا: حدیث أتشرک أمتک الخ کا خدشہ: سو اس کا بیان یہ ہے کہ امت کے دو معنی ہیں، کبھی امت دعوت مراد ہوتی ہے، جس میں یہود اور سب کفار داخل ہیں، تو یہاں یہ تو مراد ہرگز نہیں ہوسکتا، کیوں کہ مشرک امت دعوت تو خود حیات میں بھی موجود تھی، اس کے سوال کا کیا محل تھا، دوسری امت اجابت کہ فقط مسلمان ہیں، صالح اور فاسق اس میں داخل ہیں، کافر خارج، یہاں یہی مقصود ہے۔

جب سائل نے قوت اسلام و وضوح دلائل اس کے دیکھے، تو پوچھا، کہ بعد آپ کے ایسا ہی حال رہے گا، یا مثل یہود اور نصرانیوں کے آپ کی امت اجابت میں شرک ہوجاوے گا، تو حضرت نے (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا کہ شرک جلی تو نہ ہوگا، البتہ خفی آجاوے گا۔ اور جو شخص مرتد ہوا، اجابت کی شان سے نکل گیا، اس کا بھی خدشہ رفع ہوا، اور جب ریح چلے گی جس سے سب مسلمان مرجاویں گے، اس کے بعد بت پرستی عرب میں شروع ہووے گی، تو وہ لوگ بھی امت اجابت نہیں، ہاں! امت دعوت ہیں کہ سوال سے خارج ہیں، ہاں اہل اہواء کا خدشہ رہا، سو یا بطور محدثین ان کو کافر کہو، یا بطور متکلمین فاسق، پس خدشہ رفع ہوگیا۔ فقط۔

اور شرک امت کی کیفیت اوپر بیان کرچکا ہوں حسب حدیث اور حدیث: لست أخشی علیکم الخ میں صحابہ خاص مخاطب مراد ہیں، سیاق و سباقِ حدیث کو دیکھو، نہ قیامت کے قریب کے مسلماں، پس کچھ بھی اشکال نہیں۔

[تذکرۃ الرشید۔ تالیف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ ص: ۱۶۱۔۱۶۰ جلد اول عکس طبع اول، میرٹھ]

(۹۳۷) جب جانور مکلّف نہیں، تو قیامت کے دن اقتصاص کیسا؟

سوال نمبر: (۲) قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "حتی یُقاد للشّاۃ الجلحاء من الشاۃ القرناء" [یہاں تک کہ بغیر سینگ کی بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلوایا جائے گا (نور)] جب کہ بہائم مکلّف نہیں، تو باہم اقتصاص کی کیا وجہ ہے، صدہا جانور ایک دوسرے کی خوراک ہیں، انسان پر لحوم حلال کیے گئے، تو کیا سب کا معاوضہ ہوگا (اور تخصیص جنسیت کی بظاہر کوئی وجہ نہیں؟)

جواب: قصاص بہائم میں بوجہ تکلیف نہیں، بلکہ بوجہ مساوات ہے۔ مکلّف کو عذاب بالنار ہوتا ہے، بہائم میں

بدلہ دیکر معدوم کئے جاویں گے، اور یہ قصاص اس امر میں ہے کہ خلاف حکم کے ہو۔ گوشت کھانے کی جہاں اجازت ہے، وہ عین عدل وامتثال امر ہے، وہاں کیا ظلم تھا اور جس جانور کو طعمہ دوسرے جانور کا بنایا گیا، وہ بھی برمحل ہوا۔

یہ قصاص ایسے امر میں ہوگا جیسا ایک بیل نے دوسرے کو، سینگ خواہ مخواہ ماردیا، یا دو جانور باہم لڑے اور ایک کے سینگ ہیں، دوسرے کے نہیں، تو بلا سینگ کے زیادہ چوٹ لگ گئی۔ بہر حال یہ مقاصات بوجہ تکلیف نہیں، مکلّف کی سزا دوزخ وغیرہا سے ہے، جو مصرح نصوص ہے، فقط

(تذکرۃ الرشید ص:۱۶۱۔۱۶۰/جلد اول)

(۹۳۸) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن رسولوں کے علاوہ کوئی نہیں بولے گا، دوسری روایت سے مؤمنین کا بولنا بھی ثابت ہے، اس تعارض کا جواب:

سوال: (۳) ولا یتکلّم یومئذ إلاّ الرّسل، و کلام الرّسل یومئذ: اَللّٰھم سلّم سلّم اس کے بعد مذکور ہے صفحہ ۴۸۶: شعار المؤمنین یوم القیٰمۃ علی الصّراط: ربّ سلّم سلّم پس ہر دو روایات بظاہر متعارض ہیں؟

جواب: وہ کلام کہ غیروں کے باب میں ہو، سوائے رسل کے کوئی نہ کر سکے گا، کیونکہ نفسی نفسی کا قصہ ہوگا اور اپنی اپنی حالت میں مدہوش، دوسرے سے بالکل بے خبر ہوویں گے۔ خلاف رسل کے کہ امت کے لئے دعا کرتے ہوویں گے اور خود مطمئن ہوویں گے اور مؤمنین کا کلام اپنی ذات خاص میں ہے کہ عبور کے وقت اپنے حال پر ہراساں سلم سلم کہتے جاویں گے۔ غرض کلام کے ہر دو جا ایک معنی نہیں، کما وضح۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(تذکرۃ الرشید ص:۱۶۲ جلد اول)

(۹۳۹) جلد انسان کی نجاست بوجہ کرامت نہیں ہے بلکہ کرامت انسان، مانع تطہیر از دباغت ہے:

سوال نمبر: (۴) جلد لحم الانسان کی نجاست کی علت ہدایہ، مصطفائی ص:۲۴ پر کرامت قرار دی ہے، حالانکہ یہ علت نجاست کی علت نہیں ہوسکتی، البتہ اگر ہے تو حرمت کی علت ہے، اگرچہ اعلیٰ درجہ کی حرمت نجاست کو مستلزم ہے، لیکن اس کی حرمت کو حرمت لعینہ کا قائل ہونا، بحیثیت استدلال بعید ہے، کیونکہ مثل خنزیر منصوص نہیں ہے، دارو مدار ظنیات پر ہے، پس اس کی نجاست کے قائل ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ بہت اشیاء ایسی ہیں کہ حرام ہیں اور نجس نہیں، بایں ہمہ اگر تامل کیا جاوے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ، کرامت کے ساتھ نجاست کا قائل ہونا، اجتماع متضادین ہے، اس مقام کے علاوہ شرعاً کوئی جزئی مکرم ونجس پائی نہیں گئی۔

علاوہ ازیں آگے بڑھ کر، صاحب ہدایہ طہارت سؤر انسان کا قائل ہوا ہے، اور اس کی علت بیان کی ہے، لأنہ متولد من لحم طاھر، (۱) پس بظاہر یہ صریح تہافت ہے، کیونکہ اول دلیل سے نجاست ثابت کی، اور یہاں اس کی طہارت بیان فرمائی، پس اگر جلد ولحم نجس ہیں، تو سور کی طہارت کی کوئی وجہ نہیں، اور اس کی علت لکونہ فی معدنہ قرار دی جاوے، تو سوائے خنزیر سب سباع میں جاری کرنا چاہئے اور وہاں بھی سور کی طہارت کا حکم کیا جاے، اور یہ دوسرا تعارض ہوا کہ نجاست اپنے معدن میں فی الاصل، بحکم طہارت رہتی ہے، تو پھر سباع کا لحم، ان کی حیات میں: لکونہ فی معدنہ حکما طاہر ہوا، تو سور بھی طاہر ہوگا: لکونہ متولداً من لحم طاھر، حالانکہ وہ نجس ہے، پس قضیہ منعکس ہوگیا۔

اور اگر انسان کی طہارت ونجاست کا، دار (و) مدار باعتبار حی ومیت کے کیا جاوے، تو یہ حکم بھی عام سباع میں مشترک ہوجاتا ہے، غرض پیچ در پیچ شبہات ہیں، مختصر خلاصہ عرض کردیا ہے۔

(الجواب: از بندہ رشید احمد عفی عنہ) مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط آیا، شبہات ہدایہ آپ نے کیا لکھے، اجتہادیات کی لم کا استفسار ہے، بھلا یہ کس طرح، کسی سے نبھے گی۔ اگر عبارت ہدایہ پر خدشہ ہو، تو اس کا جواب سہل، مگر محشیوں کے کلام اور قدماء کی روایات کے علل پوچھتے ہو۔ خیر خاطر عزیز کے لئے کچھ تو لکھتا ہوں۔

ہدایہ صفحہ ۴۴ر میں کہیں تصریح نہیں کی، کہ کرامت علت نجاست ہے، آپ نے خود ہی تراش لیا، اور اعتراض کئے۔ وجہ شبہ یہ ہوا کہ ماتن نے کہا:

"کلُّ إھابٍ دُبغ فقد طھر وجازت الصَّلوۃ فیہ والوضوء إلَّا جلدالخنزیر والآدمی الخ." (۲)

تو متن سے دریافت ہوا کہ جلد آدمی، دباغت سے پاک نہیں ہوتی، اور پھر شارح نے آدمی کی جلد کی وجہ کرامت بیان کی، تو آپ سمجھے کہ چوں کہ جلد آدم بوجہ کرامت نجس تھی، پاک نہ ہوئی اور شبہ قائم کردیا، اور فی الحقیقۃ یہ عبارت متنِ حدیث کی عبارت ہے مگر استثناء حدیث میں نہیں۔

(۱) ہدایہ میں عبارت وقد تولد من لحم طاھر ہے، ھدایہ کتاب الطھارات، فصل فی الآسار وغیرھا ص: ۲۸ جلداول۔ [مطبع مصطفائی. محمد مصطفی خان: ۱۲۹۹ھ]

(۲) ھدایہ کتاب الطھارات، ص: ۲۴ جلداول۔ [مطبع مصطفائی. محمد مصطفی خان ۱۲۹۹ھ]

سو حدیث کی شرح میں طول ہوتا ہے، گولطف اور علم بھی ظاہر ہوتا ہے، تو اس سے تو اعراض کرتا ہوں، اور اصل شارح کا مطلب بیان کرتا ہوں، کہ جلد آدمی جب انسان سے سلخ کی جاوے گی، تو یا وہ مردہ ہوگا، یا زندہ! اگر مردہ کی کھال ہے، تو بوجہ موت نجس حکمی ہوگئی تھی، اور جو زندہ سے جدا ہوئی، وہ بوجہ حدیث: ما أبين عن الحی فهو ميت نجس ہوئی، بوجہ میتہ ہونے کے، اور جو اتارتے اتارتے آدمی مرگیا اور پھر جلد الگ ہوئی، وہ بھی نجس بوجہ موت ہوئی'' کیونکہ انسان مردہ میتہ اور نجس ہوتا ہے مثل دیگر حیوانات میتہ کے، مگر یہ شرافت انسان کی ہے کہ غسل سے پاک ہوتا ہے، بہ خلاف دیگر حیوانات کے'' سو یہ نجاست بوجہ موت جو (اصل) حاصل ہوئی تھی، اس کو (صاحب) ہدایہ کہتا ہے یطھر الإجلد الآدمی فإنه لايطهر اور اس کی وجہ کرامت بیان کردی، کہ اگر یہ بھی حکم طہارت کا پیدا کرتی، تو لوگ اس کو استعمال کرتے مہان بناتے، شارع نے اس کی طہارت کو منع کردیا، سو اس میں کوئی خدشہ نہیں۔

کرامت منجس نہیں، منجس موت ہے اور کرامت مانع طہارت ہے، کہ طہارت موجب اہانت ہے جو کرامت کے خلاف ہے۔ غرض شارح کرامت کو مانع طہارت ٹھہراتا ہے، تاکہ بوجہ اس کے اہانت کو رفع کرے، نہ موجب نجاست، جیسا آپ کو شبہ ہوا۔

اگر اس پر طمانیت نہ ہو تو سنو! کہ استثناء فقط طھر سے نہیں بلکہ طھر و جاز سے ہے، کہ مجموعہ سے جواز استعمال مستفاد ہوتا تھا، تو گویا یہ معنی ہوئے: إذا دبغ حل استعماله اس سے استثناء کیا، اور وجہ حرمت استعمال کی خنزیر میں نجاست العین اور آدمی میں کرامت بیان کردی، سو یہ توجیہ از سر رافع خدشہ ہے، اور لعمومہ ہر دو روایت کے موافق رہے گی، کہ جلد آدمی کو اگر دباغت دیویں، تو بعض طہارت کے قائل ہوئے ہیں، مگر استعمال کے محرّم ہیں، اور بعض طہارت کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ خنزیر اور آدمی کی کھال بدن سے جدا ہو ہی نہیں سکتی، اور جو جھلی اتار دیں وہ دباغت پذیر نہیں ہوتی، بعض مسائل فقہاء کے محض بوجہ فرض ہوا کرتے ہیں، اور حدیث سے قید صلوح دباغت واضح ہے، معنی یہ ہیں۔ كُلّ إهابٍ يصلح للدّباغة إذا دبغ فقد طهر الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تذکرۃ الرشید ص: ۱۴۷-۱۴۹- جلد اول)

(۹۴۰) متیمم سوتے ہوئے پانی پر سے گذرے تو تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور پانی سامان میں بھول جائے تو تیمم سے نماز درست ہوجاتی ہے: وجہ فرق کیا ہے جبکہ نائم کا عذر قوی ہے؟

سوال نمبر: (۵) ہدایہ مصطفائی ص: ۳۶ النائم المار علی الماء کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا تیمم بسبب مرور علی الماء منتقض ہو جاتا ہے، (پھر ص: ۳۸ رمصطفائی وص: ۱۹ رعلوی میں) ناسی الماء فی الرحل پر لکھا کہ اعادۂ صلوٰۃ نہیں، حالانکہ عذر نائم فوق الناسی ہے، نوم مستلزم نسیان کو ہے من غیر عکس، تو نائم کا عدم قدرت بہت زیادہ ہے۔ پس باعتبار دلیل کے نائم کا انتقاض غیر معقول ہے اور باہم ہر دو امر متعارض، اگر چہ روایت مصححہ عدم انتقاض ہے، لیکن تعجب ہے کہ صاحب ہدایہ نے اس کو

ترک فرما کر متعارضین روایات جمع کردی ہیں، پس اول توجیہ علت انتقاض تیمم ہونی چاہئے، کہ کس بنا، پر اس روایت کا دار (و) مدار ہے، پھر تقریر رفع تعارض کی فرمائی جاوے۔

الجواب: فرق نسیان اور نوم کے مسئلہ میں یہ ہے کہ نسیان باختیار العبد نہیں، سو ایسی حالت میں کہ اصل عدم الماء ہے اعنی سفر نسیان مانع قدرۃ ہوا، اور کوئی امر مذکر بھی نہیں، جیسے حالت صلوٰۃ میں معتبر نہیں ہوتا، خلاف نوم(۱) کے کہ وہاں معتبر ہو کر ناقض نہ ہوا، سو بوجہ قوت اصل کے کہ عدم ماء ہے، اور بذل سعی طلب ماء کے کہ ظن عدم الوصول ہے، تیمم درست ہوا، اور نائم میں بعد تیمم کے نوم مثل اختیاری کے ہے۔ اور حالت نوم میں امر ضروری بقاء کا جو بذل سعی ہے، اور ظن عدم الحصول دونوں مفقود، لہٰذا اس کو حکم قادر کا دیا، کہ اپنی غفلت سے سویا اور قدرت کو ضائع کیا۔

اب رہا یہ کہ یہ روایت قوی ہے یا ضعیف، اس سے کیا بحث ہے، صاحب ہدایہ کو یہ روایت معلوم نہ ہو، آخر بشر تھا، یا اس کے نزدیک یہ روایت قوی ہو، بایں وجہ یا بوجوہ دیگر، سو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ پچھلے لوگوں کو دوسری روایت کی قوت معلوم ہوئی۔ فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(تذکرۃ الرشید ۱۵۰/۱۵۱۔ جلد اول)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس جواب پر بھی چند شبہات کئے تھے، جس کا حضرت مولانا گنگوہی نے مفصل جواب دیا تھا، جو تذکرۃ الرشید میں بھی موجود ہے، مگر غلطی سے یہاں درج ہونے سے رہ گیا، اس لئے اس جواب کو ضمیمہ ثانیہ کے بالکل آخر و اختتام پر ملاحظہ فرمائیں۔ (نور)

(۹۴۱) سند کے تفرد کے باوجود امام ترمذی کا حدیث کو "حسن" قرار دینا؟

سوال نمبر: (۷) ترمذی صفحہ ۲۰ حدیث حسن: یہاں اطلاق حسن خلاف اصطلاح ہے، کیونکہ شرط حسن تعدد طرق ہے اور اس روایت کی نسبت کہا ہے کہ عبدالرحمٰن منفرد ہوا، پس اس کا حسن کس اعتبار سے ہے؟

الجواب: روایت حسن اصطلاح میں وہ ہے، کہ راوی اس کا ضبط میں صحیح کے درجہ سے کم ہو، لیکن مدفوع نہ ہو، تعدد طرق اس میں شرط نہیں، کیونکہ یہ تعریف حسن لذاتہ کی ہے۔

تعدد طرق کی وہاں ضرورت ہوتی ہے کہ حسن لغیرہ ہو، یہ معنی کہ روا(یت) ضعیف تھی، دوسرے طرق سے جو اس کو قوت ہوئی، وہ حسن لغیرہ ہوگئی، اور ترمذیؒ کے باب العلل میں جو تعریف حسن میں تعدد طرق لیا ہے، تو حسن لغیرہ میں ہی لیا ہے، نہ حسن لذاتہ میں۔

(اس واسطے قواعد اصول حدیث نخبہ سے یا مقدمہ، شرح مشکوٰۃ سے دیکھنا ضروری (ہے) اور) اول صفحہ پر ترمذی کے اس خدشہ کا ذکر بھی کیا ہے، واللہ اعلم۔

(تذکرۃ الرشید ص:۱۶۳، ج:۱)

(یہ سب جوابات اور تحریریں اس مجموعۂ اوراق میں شامل ہیں جو نیشنل میوزیم، کراچی، پاکستان۔ میں محفوظ ہے)

(عکس بشکریہ ڈائریکٹر صاحب نیشنل میوزیم۔ کراچی، پاکستان)

---

(۱) اصل میں بجائے نوم کے صوم لکھا ہوا ہے جو کہ سہو کاتب ہو سکتا ہے۔

(۹۴۲) حنفیہ کے یہاں حدود زاجر ہیں نہ کہ ساتر! **سوال**: حنفیہ کے یہاں حدود زاجر ہیں نہ کہ ساتر، البتہ ستر گناہ استغفار سے ہوتا ہے۔ دوسرے علماء نے اس حدیث صحیحین کو ساتر کہا ہے، سو تطبیق کی کیا ضرورت ہے، البتہ حنفیہ نے اس جانب کو ترجیح دی کہ اجماع ہو چکا ہے کہ کبیرہ بجز توبہ رفع نہیں ہوتا، اور اس حدیث کو مقید مع التوبہ ہی کر دیتے ہیں کہ مسلمان ندامت سے خالی نہیں ہوتا فقط۔ [مکتوب بنام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب]

(۹۴۳) نص کی تخصیص درحقیقت تخصیص نہیں ہوتی: تخصیص نص کی تخصیص نہیں ہوتی، بلکہ بوجہ علت کے عام ہوتی ہے، چونکہ یہ قاعدہ اصول کا ہے، البذا یہ قاعدہ وقول کسی عمل میں ہونے سے، مقید اسی عمل کے ساتھ نہیں ہوتا، اہل تفقہ اس سے علت سمجھ کر، عام جانتے ہیں۔ شارع کو اس عمل کی فضیلت بیان کرنا مراد تھا، اس کی نسبت بیان کر دیا، مگر اس سے تخصیص نہیں ہوئی۔ (۱) (مجموعہ فرخ آباد، ص ۴۴)

(۹۴۴) دفع حرج کے معنی: دفع حرج کے یہ معنی ہیں کہ اس امر کے سبب عام دشواری خلق کو ہو، اور بچنے میں سخت تنگی ہو، تو ایسے موقع پر تخفیف موافق قاعدہ شرعیہ کے اس طرح کرتے ہیں، کہ خلاف نص کے نہ کیا جاوے، اور اگر نص کے خلاف ہو یا حرج خاص شخص کا ہو، اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پس حرام مال لینا اور استعمال کرنا نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور نقصان ایک شخص کا ہے، پس کوئی حرج نہیں جس کو قیاس کیا جاوے، سو یہ ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ حرج میں اور نقصان مال میں بون بعید ہے، اور حرج دشواری سے اور نہایت تنگی سے اور تکلیف سے، کسی کام کا کرنا ہے:

لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. ترجمہ: اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔ (ترجمہ شیخ الہند) (البقرۃ-۲۸۶)

کے قریب جا لگتا ہے، خلاف نقصان مال کے، کہ مال خود مبتذل شئے ہے، اگر نہ ملا کیا دشواری ہے۔ فقط (۲) واللہ تعالیٰ اعلم (مجموعہ فرخ آباد، ص ۵۵)

(۹۴۵) واجب لعینہٖ ولغیرہٖ کا مفہوم کیا ہے؟ اس وقت مجھ کو کسی قدماء کی تصریح کہ واجب لغیرہٖ ولعینہٖ کیا ہے، یاد نہیں آتا، اور نہ ضرورت تحقیق اس لغو امر کی ہے اور یہ ان کا فرمانا کہ یہ اطلاق کفر نہایت عجیب امر ہے، کیونکہ

---

(۱) نص کی تخصیص جیسے حدیث ربا میں اشیاء ستہ کی تخصیص، تخصیص نہیں ہے بلکہ بوجہ علت کے حکم عام ہے، اور جیسے خمسٌ من الفطرۃ میں پانچ امور کی تخصیص، تخصیص نہیں ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں عشرٌ من الفطرۃ ہے ایسے مواقع میں کہا جائے گا کہ بوقت بیان پہلے پانچ امور کی فضیلت بیان کی گئی، پھر دوسرے وقت میں اس میں اضافہ ہوا تو دس چیزوں کو امور فطرت میں شمار کیا، بہرحال نص میں درحقیقت تخصیص نہیں۔ (پالن پوری)

(۲) قولہ یہ قاعدہ یعنی نص بوجہ علت عام ہوتی ہے فقہی قاعدہ ہے الحرج مدفوع یعنی جہاں تنگی ہوتی ہے وہاں شریعت آسانی کرتی ہے اس لئے کہ الدین یسرٌ حدیث ہے البتہ اس قاعدہ کا محل کیا ہے؟ حضرت نے یہ بات سمجھائی کہ عام دشواری مراد ہے اور تخفیف کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نص کے خلاف نہ ہو، غالباً کسی نے مال حرام کے لینے اور استعمال کے بارے میں سوال کیا ہوگا اور اپنی کسی دشواری کا عذر کیا ہوگا حضرت نے جواب دیا کہ یہ عام دشواری نہیں ہے بلکہ ایک شخص کا نقصان ہے، نیز اس میں گنجائش نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔ (پالن پوری)

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ، جتنے احکام ہیں سب شرعی ہیں، وہ کون حکم ہے جو غیر شرعی ہو، عقل کو دخل ہے [مگر] علت وحرمت میں نہیں، گو علم حسن وقبیح میں اختلاف ہو، سو حرمت مالِ غیر حرمت لغیرہ ہے، ورنہ اصل مال مبذول ہے، اور قتل قاتل واجب لغیرہ ہے، ورنہ اصل مذموم ہے، تو یہ حرام وواجب بسبب غیر کے مشروع ہوا، ورنہ دراصل خلاف تھا، حالانکہ کوئی حکم مشروعیت سے خالی نہ ہوگا۔ اعنی جو لغیرہ واجب ہوا، قطع نظر از غیر خود بھی مشروع تھا، مشروعیت سے خالی نہ تھا، کیوں کہ ادنیٰ درجہ اباحت و استحباب وکراہت ہے، یہ بھی مشروعیت سے خالی نہیں، اباحت میں کچھ کلام اصولی کریں مگر اصل مشروعیت اس میں بھی موجود ہے، پھر وہ کون حکم عالم میں ہے کہ خالی از مشروعیت ہے، تو کوئی شئے غیر مشروع نہیں پایا، اباحت وجواز یا کراہت وتحریم، پھر کیا معنی کہ غیر مشروع کو مشروع بنادیا اور کفر ہوگیا۔ اور یہ امر کہ ایک صفت مشروع دوسرے امر کے سبب متبدل ہوجاوے، اکثر احکام میں موجود ہے، بلکہ اکثر احکام ایسے ہی ہیں۔ صلوٰۃ فی نفسہا مستحسن، اوقات مکروہہ میں بسبب مشابہت کفار کے مکروہ، ذکر جہر مستحب، بسبب اذیت مصلی وغیرہ کے مثلاً مکروہ، ریا کی وجہ سے حرام۔ علیٰ ہٰذا، صدہا مسائل! سواُن کا یہ فرمانا، بندہ کے خیال میں سراسر بے وجہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مکتوب حضرت گنگوہی بنام مولانا خلیل احمد صاحب، مکتوب ۱۰)

(۹۴۶) اصطلاحات کو جان بوجھ کر نظر انداز کرنا غلط ہے:

سوال: جو کسی ایسے لفظ پر جو لغت ومصطلحات والوں نے دوطرح لکھا ہو، ایک قول کے قائل کو، جو باوجود حوالہ ودعویٰ واقفیت، دوسرے قول والا کسی تعلی اور زعم میں کٹھ مُلّا اور جاہل کہہ دے، تو یہ بھلا یا برا؟

جواب: فرق اصطلاحات میں دیدہ ودانستہ نسبت جہل کرنا گناہ ہے، مسلمانوں کو ایسے کلام منع ہیں۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص ۱۴۷)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(۹۴۷) فقہی کتابوں کے ابواب کی ترتیب باہم مختلف کیوں ہے؟

الجواب: کتب فقہ میں سب ابوابِ فقہ کا جمع کردینا مدنظر ہے، اور ترتیب کوئی مہتم بالشان نہیں، اس واسطے قدوری کی ترتیب اور ہے، مختصر وقایہ کی کچھ اور، قاضی خان کی کچھ اور، ہدایہ کی ترتیب اور۔

سو صاحب ہدایہ نے اضحیہ کو صدقہ نہیں بتایا، کہ اراقت دم صدقہ نہیں اور گوشت خود مالک کھاتا ہے، چاہے کسی کو دے، چاہے نہ دے۔ لہٰذا صید اور ذبح کا مسئلہ اور حلت وحرمت حیوانات کی مناسب دیکھ کر، سب ابواب جمع کردیئے ہیں۔

یہ سب ابواب معاملات باہمی نہیں اور نہ عبادات ہیں، بلکہ قسم مباحات سے ہیں۔ علیٰ ہٰذا شرکت میں اعانت ایک دوسرے کی ہوتی ہے، اس کو وقف ومفقود ولقطہ کے مسائل میں رکھدیا، اور ادنیٰ مناسبت کو کافی جانا اور ترتیب کوئی ضروری شئے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ فرخ آباد ص ۵۴)

سیرت پاک اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق چند سوالات کے جوابات

(۹۴۸) حضرت ادریس علیہ السلام کیا آسمان پر اٹھالئے گئے؟ **سوال**: حضرت ادریس علیہ السلام بھی، قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر، زندہ اٹھائے گئے ہیں، یا نہیں؟ اگر زندہ اٹھائے گئے ہیں، تو ان کی وفات کب ہوگی؟

جواب: بعد انتقال کے اٹھائے گئے اور جنت میں داخل کئے گئے، پھر زندہ کئے گئے، اب وہ یہاں نہ آویں گے۔ جنت میں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۱۹)

(۹۴۹) کیا برادرانِ یوسف علیہ السلام نبی تھے؟ **سوال**: برادران یوسف علیٰ نبینا وعلیہ السلام نبی تھے یا نہ، اور اگر تھے تو [ان کی] زلات کا کیا حکم ہے؟

جواب: اخوۃ یوسف اس وقت نبی نہ تھے، پس صدور ذنب کا منافی نہیں۔ فقط۔ (مجموعہ کلاں، ص ۴)

(۹۵۰) جملہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں: **سوال**: جب کل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں، تو خاص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حیات النبی (کذا) کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کوئی خصوصیت آپ کی نہیں ہے، اور آپ کو حیات النبی کہنے سے دوسروں کی حیات کا انکار نہیں لازم آتا۔ اگر کوئی کہے کہ نذر محمد خاں پٹھان آبھہ کے ہیں، کہو! تمام گاؤں کے افغانان کے پٹھان ہونے اور سکونت آبھہ کی نفی کس طرح کوئی سمجھے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بدست خاص، ص ۲۰)

(۹۵۱) انبیاء علیہم السلام کی خطا کا مقصد خیر ہوتا ہے: نبیوں سے جو خطا ہوتی ہے، اس میں ان کا مقصد خیر ہوتا ہے، مقصد خطا کا ہرگز نہیں ہوتا، اس لئے اس کو "زلّہ" کہتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا مقصد بھی خیر ہی تھا، کہ ہمیشہ جنت میں جو رضاء الٰہی ہے ان کا مقصود تھا، ارشاد جناب باری کو بھول گئے تھے، لہٰذا مرتکب ہوگئے۔ جلیل القدر ہونے کی وجہ سے ان کو سزا دی گئی، اگر چہ یہ گناہ چھوٹوں کے حق میں قابل عفو تھا، لیکن بڑوں کے حق میں قابل مواخذہ ہے۔

حسنات الابرار سیئات المقربین — ترجمہ: خواص کی نیکیاں بھی مقربین بارگاہ کیلئے خامی شمار کی جاتی ہیں۔ (ت، ن)

اگر چہ بظاہر یہ فعل اجتہاد کے ساتھ مقابلہ میں نص کے صادر ہوا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کو نص یاد نہیں رہی تھی: فَنَسِیَ اٰدَمُ (۱) (کلام اللہ تعالیٰ) اس پر دال ہے۔ اگر چہ اس کی توجیہ دوسری بھی ہوسکتی ہے لیکن اسی کو کافی سمجھے گا۔

(مجموعہ رام پور ص ۲۳-۲۴)

(۹۵۲) تبعاً درود غیر نبی پر درست ہے مگر صورت مسئولہ میں تبعیت نہیں؟ **سوال:** ایک شخص کی عادت ہے کہ جب کسی ولی کا نام لیتا ہے تو علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ اس نے اپنے پیروں کو پیغمبر کے برابر کردیا، اور عمرو کہتا ہے کہ اگر چہ یہ فقرہ اولیاء کے واسطے محاورہ کے خلاف ہے، مگر پیغمبر کی برابری ثابت نہیں ہوتی، بلکہ فقہاء نے انبیاء اور ملائکہ کے سوا اوروں پر درود بھیجنا جائز رکھا ہے، اگر تنہا ہو اس واسطے یہ کہنے والا، اپنے پیغمبر کا ذکر شامل کرکے، ان کی تبعیت کے اولیاء پر درود بھیجنا چاہتا ہے، اس سبب سے یہ الفاظ کہتا ہے، اس میں کچھ برائی نہیں ہے۔ صورت مذکورہ میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا۔ بینوا توجروا۔ عریضہ ادب نظیر حسن۔

جواب: تبعاً صلوٰۃ غیر نبی پر درست ہے اور بظاہر یہ بھی تبع ہے مگر فی الحقیقت یہاں استقلال ہے، کیوں کہ ذکر ولی پر یہ فقط کہتا ہے تو مقصود شوق صلوٰۃ سے ولی ہوئے، اس وجہ سے بعد نام نبی کے ذکر کیا ہے، للہذا درست نہیں۔ پس زید درست کہتا ہے۔ فقط

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ فرخ آباد ص ۴۰-۴۲)

(۹۵۳) صدور ذنوب از انبیا علیہم السلام کی تفصیل؟ **سوال:** .... اسلئے وہی لفظ عصیٰ اور غویٰ کا بیان کرنا ہے، بلکہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی بہ نسبت جو اکل شجر وغیرہ وارد ہوا ہے، ان سب مضمون سے یہ مراد لیتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا سے مجامعت کی تھی، شجر وغیرہ کچھ نہیں کھایا تھا، لفظ شجر صرف بطور تشبیہ استعارہ کے ہے۔

جواب: کتب عقائد میں یوں لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کذب سے معصوم ہیں، عمداً تو بالاجماع اور سہواً نزدیک اکثر کے، اور باقی ذنوب سے عصمت میں تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ کفر تو قبل وحی اور بعد وحی ہر گز نہیں ہوتا بالاجماع، اور عمداً کبیرہ نہیں ہوتا، مگر سہواً اکثر علماء تجویز کرتے ہیں، اور صغیرہ کا صدور جمہور کے نزدیک عمداً بھی ہوسکتا ہے، سہواً سب کے نزدیک ممکن ہے، مگر وہ صغیرہ کی خست پر دال ہو نہیں سکتا، مگر فوراً تنبیہ کیا جاتا ہے، یہ حال بعد نبوت کے ہے اور قبل نبوت صدور کبیرہ پر کوئی

---

(۱) وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ (طٰہٰ-۱۱۵) اور ہم نے تاکید کردی تھی آدمؑ کو اس سے پہلے پھر بھول گیا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

دلیل امتناع کی نہیں۔ یہ ترجمہ خلاصہ علی قاری کی شرح کا ہے (۱) اور شرح عقائد نسفی (۲) میں بھی اس کے ہی قریب ہے۔

مگر جو یہ کہا جاوے کہ انبیاء علیہم السلام سے قبل نبوت اور بعد نبوت صغیرہ اور کبیرہ [کا صدور] ہوتا ہے، تو یہ بھی عمدہ رائے ہے جیسا کہ بعض نے کہا، مگر سہواً، اور معصیت اس کو کہتے ہیں کہ خلاف امر کے عمداً ارتکاب کرے، اور جو سہو اور نسیان یا خطاء اجتہادی سے صادر ہو تو وہ معصیت نہیں ہوتا ہے۔ خلاف رضا امر کے ہوا، کیوں کہ عاصی خلاف کرنے والے ......(۳) اور مخالف رضا امر کے مرتکب ہونے والا اور اپنے نفس کو مقابل امر کے بنانے والا ......(۴) کو مخالف کا خیال بھی نہیں، بلکہ موافقت کی ہی شب و روز فکر ہووے اور پھر خطاء فہم سے یا نسیان سے کچھ ہو جاوے، اس کو عصیاں سے کیا علاقہ۔ پس آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا وہ خطا اور نسیان سے ہوا، لقولہ:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا. ترجمہ: پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت۔ (ترجمہ شیخ الہند) (طٰہٰ-۱۱۵)

پس نسبت عصیان وغوایت جو وہ بلحاظ آمر کے ہے، جانب امر میں، لاریب خلاف رضا ہے، اگر چہ آدم (علیہ السلام) نے خلاف جان کر نہیں کیا، سو بہر حال یہ نسبت عصیان بلحاظ جانب رضا و مراد حق کے ہے، نہ بلحاظ آدم کے۔ البتہ ایسے (با) کمال کو ایسی ذلت اور خطاء اجتہادی پر سرزنش کرتے ہیں کہ: حسنات الابرار سیئات المقربین مقرر ہیں، اور عوام ایسے امور سے، یک قلم معاف ہیں۔

دیکھو خطاء اجتہادی میں مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے، مع ہذا! یہ امر قبل نبوت کے سرزد ہوا ہے، سو اہل عقائد کو کچھ مضر نہیں کہ وہ قبل نبوت صدور کبیرہ کو بھی ممکن کہتے ہیں، بندہ کا عقیدہ آخر کا ہے۔ اور جو افعال حضرت آدم سے صادر ہوئے مع اس کے قبل نبوت ہیں، نسیان اور خطاء اجتہادی ہیں، اس کو معصیت نہیں کہتے۔ علیٰ ہذا دیگر انبیاء کی نسبت بعض احوال میں کہا جاوے گا۔ فقط رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ کلاں ص ۲،۳،۴)

(۹۵۴) تابوت سکینہ کیا چیز ہے؟

سوال : تابوت سکینہ کیا چیز تھا اور کہاں گیا؟

جواب : تابوت سکینہ صندوق تھا، کہ اس میں تبرکات انبیاء علیہم السلام کے تھے، نعل و کلاہ وغیرہما، اس کی برکت سے فتح اور دیگر منافع ہوتے تھے، اب نہ معلوم کیا ہوا اور کہاں گیا۔ فقط (بدست خاص، سوال ۲)

(۱) وفی شرح العقائد: ان الانبياء عليهم السلام معصومون عن الكذب خصوصًا فيما يتعلق با مر الشرع وتبليغ الاحكام وارشاد الامة، اما عمدًا فبالاجماع، واما سهوًا فعند الاكثرين۔ وفی عصمتهم عن سائر الذنوب تفصيل: وهو انهم معصومون عن الكفر قبل الوحی وبعده بالاجماع، وكذا عن تعمدالكبائر عند الجمهور، خلافًا للحشوية. واما سهوًا فجوزه الاكثرون. واما الصغائر فيجوز عمدًا عند الجمهور، خلافًا للجبائی واتباعه، ويجوز سهوًا بالاتفاق۔ شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری ص ۷۱، شرح عقائد نسفی ص ۱۰۲ (مطبع قیومی، کان پور: ۱۳۴۷ھ) [نور]

(۲) ملاحظہ ہو: شرح عقائد نسفی ص ۱۰۲ (مطبع قیومی، کان پور: ۱۳۴۷ھ) [نور]

(۳،۴) یہ عبارت پھٹ کر ضائع ہوگئی ہے۔ [نور]

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۹۵۵) کیا رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے **سوال** : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن مبارک **مکانات اور مسکن اس وقت تک موجود ہیں؟** مدینہ منورہ میں اب بھی معلوم ہے یا نہیں؟

جواب : مکہ میں حضرت خدیجہؓ کا خانہ [گھر] جس میں آپ رہتے تھے اور آپ کا تولد کا مکان اب [بھی] موجود ہے اور مدینہ کا گھر حضرت عائشہؓ کا حجرہ تو محفوظ ہے، جس میں آپ کا مرقد ہے اور دیگر ازواج کے مسجد میں شامل ہو گئے۔ فقط (بدست خاص، سوال ۳۳)

(۹۵۶) ازواج مطہراتؓ اہل بیت ہیں: از بندہ رشید احمد عفی عنہ مولوی نظیر حسین صاحب سلمہ اللہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند۔ آپ کا خط آیا، حال معلوم ہوا، اہل بیت ازواج ہیں، لاریب اور حدیث: اللّٰھم ھؤلاء الخ (۱) میں حصر اہل بیت کا اہل عباس میں نہیں کر دیا، بلکہ یہ فرمایا کہ یہ اہل بیت ہیں، ان کو طاہر کر دے۔ یہ اس واسطے کہا کہ آیت ازواج کی شان میں نازل ہوئی اور ان کو مطہر کر دیا، یہ بھی تو اہل بیت ہیں ان کو بھی مطہر بنا دے۔ تو آپ نے سعی فرما کر داخل تطہیر کرایا، ورنہ جب تطہیر کا وعدہ ہو چکا تو پھر دعائے تطہیر کی کیا ضرورت ہے۔ لہٰذا یا یہ کہا جاوے کہ ایک جماعت اہل بیت کے واسطے وعدہ تھا، دوسروں سے نص میں خفا تھا، گو لفظ عام تھا، تو آپ نے اس واسطے عرض کیا کہ ان کے حق میں بھی وعدہ ہو جاوے، صریحاً۔ یا یہ کہ اہل عباس اہل بیت نہ تھے، اب حضرت نے ان کو اہل بیت میں داخل کر کے ان کے واسطے وعدہ تطہیر چاہا، سو کچھ معارضہ نہیں۔ فقط (مجموعہ کلاں، ص ۲۴۰)

---

(۱) مسلم شریف کتاب المناقب باب مناقب اهل بيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم الباب ۳۲ ص: ۶۲۱ جلد پنجم رقم الحدیث: ۲۷۸۶۔ ت: کمال یوسف الحوت [دار الکتب العلمیة، بیروت] ترمذی اور مسند احمد۔ تحت مسند ام سلمہؓ ۲۹۲ و ۳۰۴ جلد ششم (دار الفکر) نیز مسند احمد ص: ۲۲۳ جلد: ۱۸ رقم الحدیث ۲۶۳۸۸۔ ت: الشیخ حمزہ احمد الزین [دار الحدیث القاہرۃ ۱۹۹۵ء] میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کو ایک کملی اوڑھائی پھر دعا کی، اللّٰھم ھؤلاء اهل بيتی وخاصتی، اللّٰھم اذهب عنهم الرجس وطهّرهم تطهيرا۔ اے اللہ یہ حضرات میرے گھر والے اور میرے مخصوص ہیں ان سے گندگی دور کر دے اور ان کو خوب پاک کر دے۔ یہ روایت دوسرے الفاظ سے مسلم میں بھی ہے۔ مشکوۃ کتاب المناقب باب مناقب أهل البيت ج: ۲ ص: ۵۶۸۔ [نقل اصح المطابع رشیدیه دهلی: ۱۳۷۵ھ] نیز مشکوۃ شریف ج: ۵ ص: ۲۳۷۶ رقم الحدیث: ۶۱۳۵ [مکتبه التوبه دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ] اور آیت پاک: ﴿انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهر كم تطهيرا﴾ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۳ ہے جو ازواج مطہرات کے تذکرہ میں آئی ہے۔ شیعوں کے پروپیگنڈہ سے سنیوں کے ذہنوں میں بھی یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ اہل بیت صرف حضرت علی وغیرہ چہار تن ہیں۔ حضرت نے اس تحریر میں اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ اصل اہل بیت ازواج مطہرات ہیں اور کملی والے حضرات دعاء نبوی کی برکت سے اہل بیت میں شامل ہوئے ہیں۔ (پالن پوری)

(۹۵۷) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مبارک کی تفصیل: **سوال:** آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں کے نام، اور کتنی صاحبزادیاں تھیں اوران کے نام اور یہ تفصیل کہ اتنی اولاد پسر و دختر فلاں قبیلہ سے اور اتنی فلاں قبیلہ سے اولاد ہوئی، مشرح تحریر فرمائیں۔

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے، تین پسر: طیب، طاہر، قاسم اور چار دختر: زینب، کلثوم، رقیہ، فاطمہ، اور ماریہ قبطیہ جوحرم [باندی] تھیں، ان سے ایک پسر ابراہیم رضی اللہ عنہم اجمعین۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بدست خاص، ۵۶)

(۹۵۸) لفظ آل اور اہل کی تحقیق؟ از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم

خط آپ کا آیا اور حال معلوم ہوا۔ جواب آپ کے سوالات کا لکھتا ہوں:

اہل اور آل ایک لفظ ہے (۲) اس کے معنی عشیرہ اور زوجہ اور اقرباء کے ہوتے ہیں اور امت مطیع کے بھی ہوتے ہیں۔ پس جس نے معنی آل کے گروہ کے کہے، وہ بھی درست کہتا ہے اور جس نے ازواج کے کہے، وہ بھی بجا ہے اور جس نے حسن وحسین وفاطمہ وعلی کہا، وہ بھی صحیح ہے اور ہر چہار بیٹی اور ہر سہ فرزند آل میں داخل ہیں، کوئی بھی خارج آل سے نہیں۔ اور اہل بیت قرآن شریف میں جو مذکور ہے اس سے ازواج مراد ہیں، مگر یہ لفظ فرزندان اور اقرباء پر بھی بولا جاتا ہے، اگر چہ قرآن میں فقط ازواج ہی مراد ہیں۔ اوپر لکھا ہے کہ اہل اور آل ایک لفظ ہے اور سب معنی اس کے درست ہیں۔ فقط

(مجموعہ کلاں ص: ۲۲۸-۲۲۹)

(۹۵۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک نہ ہونے کی روایت صحیح نہیں: **سوال:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قد کا سایہ مبارک تھا، یا نہیں؟ ہوتا تو سرو دست ظاہر ہوتا، برہان طلب ہے۔

جواب: سایہ نہ ہونے کی روایت احادیث مشہورہ میں نہیں۔ دیگر کتب کی خبر نہیں اور اقوال مشہورہ قابل اعتبار نہیں ہیں، (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۴۷-۱۴۸)

---

(۱) اولادہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن اسحاق: فولدت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولدہ کلھم (من خدیجۃؓ) الا ابراھیم. القاسم و بہ کان یکنی صلی اللہ علیہ وسلم، و الطاھر، و الطیب، و زینب و رقیۃ، و ام کلثوم، و فاطمۃ.

(الروض الانف ص ۲۱۴ ج ۱. دار المعرفۃ بیروت: ۱۳۹۸ھ)

اولادِ کرام کی تفصیل اور اس سلسلہ میں علماء سیرت اور محدثین کے اقوال علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں نقل فرمائے ہیں، ملاحظہ ہو:

زرقانی علی المواھب ص۱۹۳-۱۹۲ ج ۳ الفصل الثانی فی اولادہ الکرام۔ [نور]

(۲) لیکن قریبی دور کے ایک بڑے محقق عالم، مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی (وفات) کی تحقیق یہ ہے کہ آل اور اہل دونوں علیحدہ ہیں، یہ قول کہ دونوں ایک ہیں، سیبویہ اور بصرہ کے نحویوں کا ہے، امام کسائی دونوں کو علیحدہ مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: لطائف البال فی الفروق بین الاھل والآل مولانا محمد موسیٰ الروحانی بازی (لاہور: ۱۴۱۵ھ) [نور]

......بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

(۹۶۰) سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا بول وبراز پاک تھا: از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون! آنکہ آپ کا خط آیا، فضل احمد ماہ رمضان سے گنگوہ میں اکثر بیمار رہتے ہیں، لہذا کہیں نہیں گئے۔

اور جواب مسئلہ یہ ہے کہ بول وبراز وخون فخر الطیبین سید المرسلین علیہ الوف الصلوۃ والسلام کا طاہر ہے، اور یہ امر خصائص آپ میں لکھا ہے، شامی شرح درمختار میں لکھا ہے:

صحّح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله و سائر فضلاته صلى الله عليه وسلم، و به قال أبو حنيفة رحمه اللّٰه، كما نقله فى المواهب اللدنية عن شرح البخارى للعينى، و صرّح به البيرى فى شرح الاشباه ،و قال ابن حجر: تظافرت الأدلّة على ذلک و عدّ الأئمة ذلک من خصائصه صلى الله عليه وسلم. انتهىٰ(۱)

(مجموعہ کلاں۔ ص ۱۱۸)

(۹۶۱) منبر شریف کی کل کتنی سیڑھیاں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کون سے درجہ پر خطبہ پڑھتے تھے؟

سوال: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف میں کس قدر سیڑھیاں تھیں، اور کون سی پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے، اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کا کیا عمل رہا، اور اب کیا ہونا چاہئے؟

جواب: تین درجے تھے، اور اوپر کے درجہ پر آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے اور اب سب درجات پر درست ہے، خواہ کسی درجہ پر پڑھے۔

(نسخہ رام پور: ۸-۹)

.....بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا...... (۳) سایہ ہونے کی روایت مسند احمد۔ تحت احادیث صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ۶/ ۳۳۸ [دار الفکر] نیز۔ ص: ۳۴۸۔۳۴۹۔ جلد: ۱۸۔ رقم الحدیث: ۲۶۷۴۴ ت: حمزہ احمد الزین [دار الحدیث القاہرۃ ۱۹۹۵ء] میں ہے، ایک معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ سے ناراض ہو گئے تھے اور دو تین مہینے ان کے کمرے میں تشریف نہیں لے گئے: فلما كان شهر ربيع الأول دخل عليها فرأت ظله فقالت: إن هذا لظلُّ رجلٍ وما يَدْخل علىَّ النبىُّ صلى الله عليه وسلم فَمَنْ هذا فَدَخلَ النبى صلى الله عليه وسلم إلخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ذی الحجہ میں ناراض ہوئے تھے، تین ماہ کے بعد ربیع الاول میں ان کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کا سایہ دیکھا وہ سوچنے لگیں یہ بالیقین کسی آدمی کا سایہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف نہیں لاتے، پس یہ کون ہے؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کمرے میں داخل ہوئے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ پڑتا تھا اور حدیث أوّل ماخلق اللّٰهُ نوری اول تو ثابت نہیں، زرقانی وغیرہ نے مصنف عبد الرزاق کا حوالہ دیا ہے مگر مصنف میں یہ روایت نہیں ہے، اور عجلونی کی کشف الخفاء ومزيل الالباس .حرف الہمزۃ مع الواو رقم الحدیث: ۸۲۷۔ ص: ۲۶۵ جلد اول [دار احياء التراث العربى الطبعة الثالثة ۱۳۵۱ھ] میں اس کا جو سیاق ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، ثانیاً نور ہونا معنوی ہے پس وہ جسم اور مادہ کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ (پالن پوری)

(۱) ردالمحتار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب فى طهارة بوله صلى الله عليه وسلم (۲۱۲/۱) ط: اکمل المطابع: ۱۲۸۸ھ اور علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: وهو (اى الامام ابو حنيفة) يقول بطهارة بوله وسائر فضلاته. عمدة القارى، باب استعمال فضل وضوء الناس ص ۷۹ ج ۳ تحت بيان استنباط الاحكام. (عکس طباعة منيرية، مصر۔ دار احياء التراث العربى، بيروت:) [نور]

[آج شب شنبہ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بعد نماز مغرب آخری پروف خوانی مکمل ہوئی، والحمدللہ اولاً وآخراً۔ نور]

ضمیمہ

فتاوائے گنگوہی

یا

باقیات فتاویٰ رشیدیہ

اس ضمیمہ میں وہ فتوے درج ہیں جو اگر چہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں، لیکن یہ سب فتوے، حضرت مولانا کے فتاوی کے ان قلمی نسخوں میں، متفرق جگہوں پر درج تھے، جن کی مدد سے زیر نظر مجموعہ مرتب ہوا ہے۔ یہ فتاویٰ مختلف علماء کے لکھے ہوئے ہیں، مگر ان سب میں ایک قدرِ مشترک یہ ہے، کہ یہ تمام فتاویٰ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی نظر سے گذرے ہوئے ہیں، حضرت مولانا نے ان سب کی، علیحدہ علیحدہ، تصدیق، تحسین وتوثیق فرمائی ہے۔ اس وجہ سے ان کو بھی حضرت گنگوہیؒ کے ثانوی فتاوی میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ ایک دو کے علاوہ، یہ تمام فتاویٰ غیر مطبوعہ ہیں، اس لئے ان کو ضمیمہ باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ کے طور پر، یہاں شامل کیا جارہا ہے۔

(نور)

(۹۶۲) اولیاءاللہ میں تقدیرالٰہی کو الٹ دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی: سوال: علماے دین سے یہ ہے کہ: ایک شخص مسافر واعظ .... یہ کہتا ہے، کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ سے یہ قدرت حاصل ہے، کہ تقدیر الٰہی کو جس کے واسطے چاہیں الٹ دیتے ہیں، اس کلام سے گور پرست (بدعتی) (کو) بہت خوشی ہوئی، کہ اولیاء سے اپنی حاجات طلب کرنی چاہئے، کہ جب انھوں نے تقدیر الٰہی کو الٹ دیا، تو اور کونسا کام ہے، جو ان سے نہ ہوسکے۔ یہ قدرت اولیاء کو حاصل ہے، یا نہیں؟

جواب: الجواب واللہ الملهم بالصواب: بتقدیر صدق بیان، مستفتی وہ شخص جو کہتا ہے کہ اولیاء تقدیر الٰہی کو الٹ دیتے ہیں، یہ قول اس کا غلط اور جھوٹ ہے، وہ شخص مسائل دینیہ سے جاہل ہے، اور الٹنا اور بدلنا تقدیر کا، صفات مختصہ پروردگار عالم سے ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَايَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَه اُمُّ الْكِتَابِ (الرعد. ۳۹)

مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور باقی رکھتا ہے، اور اس کے پاس ہے اصل کتاب۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور اس کی شان ہے اور کسی کا یہ مقدور نہیں کہ مقدرات الٰہی کو بدل دیوے۔ قال اللہ تعالیٰ:

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْءً فَلَا مَرَدَّ لَه. (الرعد. ۱۱)

جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر آفت، پھر وہ نہیں پھرتی۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اور صفت مختصہ بہ ذات کبریا میں، اس کے بندگان مقبول کو شریک کرنا کفر ہے، اور اعاذنا اللہ من ذلک خواہ انبیاء علیہم السلام ہوں، یا اولیاء کرام ہوں، البتہ یہ ان کا منصب ہے، کہ جناب باری میں بعجز وزاری دعا کریں، پھر اگر منظور ہو تو دعا قبول فرمائے اور اگر منظور نہ ہو، تو قبول نہ فرمائے۔ دیکھو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ. (التوبہ ۸۰)

تو ان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ، اگر ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی کلمہ لن کی تاکیداً نفی فرمائی، کہ یہ دعا قبول نہ ہوگی، اس واسطے کہ وہ شخص مغفرت کے لائق نہ تھا اور حضرت چاہتے تھے کہ چچا ابوطالب ایمان لاوے، لیکن ایمان نہ لایا اور حکم ہوا، کہ اے رسول کہ تم جس کو چاہو، اس کو ہدایت نہیں کرسکتے، بغیر ہمارے ارادہ کے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، اُن کے والد کے حق میں قبول نہ ہوئی۔ حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہ عمدۃ الاولیاء ہیں، کتاب فتوح الغیب کے بائیسویں (۱) مقالہ میں یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

---

(۱) اصل میں غالباً سہو کتابت سے بائیسویں مقالہ کا ذکر ہوا ہے، صحیح بیالیسواں مقالہ ہے۔ فتوح الغیب مع شرح فارسی، مولانا شیخ عبدالحق محدث ص: ۱۹۱ [مطبع ہوپ، واقع لاہور: ۱۲۸۲ھ]

جف القلم بما هو كائن، ولو جهد العباد أن ينفعوك بشيئ لم يقضه الله لك، لم يقدروا عليه، ولو جهد العباد أن يضرّوك بشيئ لم يقضه الله عليك، لم يقدروا. الحديث

یعنی تمام بندگان الٰہی کا یہ مقدور نہیں، کہ خلاف تقدیر کے نفع یا نقصان تجھ کو پہنچا سکیں۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب کا بالکل بند ہونا، بیان فرمایا، کہ خلاف تقدیر الٰہی کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہے، خدا تعالیٰ نے یہ قدرت تقدیر النٹنے کی کسی بندے کو عطا نہیں فرمائی۔ ایسے شخص سے کنارہ کرنا لازم ہے اور نماز اس کے پیچھے پڑھنا نہ چاہئے، کہ درست نہیں۔ اگر اس نے تقدیر الٹنا مراد اجابت دعاء سے کہا ہے، تو سب مسلمان تقدیر النٹنے والے ٹھہرے، کیونکہ عام مسلمانوں کی بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ نعوذ بالله من هذا الكفر. خاکسار سید محمد عماد الدین قادری عفی عنہ

الجواب صحیح، رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۸۳۔۱۸۵)

(۹۶۳) اولیاء اللہ یا شیخ سدو کی نذر ماننا حرام اور باطل ہے: اگر کوئی نذر اولیاء اللہ کی مانے، کہ اگر میرا کام یہ ہو جائے، تو میں ان کے نام کا، یا شیخ سدو وغیرہ کا ایک بکرا ذبح کروں، اس بکرے کو حلال کہتا ہے، کہ ذبح تو تکبیر کے ساتھ ہو، اس میں شیخ سدو وغیرہ کہاں گھس گئے، شرعاً وہ بکرا حرام ہے یا حلال، اور ناذر مومن ہے، یا کافر؟

جواب: جو جاہل لوگ نذر اولیاء کی، یا شیخ سدو کا بکرا جو کرتے ہیں، واسطے تقرب کے باتفاق علماء باطل و حرام ہے، اگر چہ ساتھ تکبیر کے ذبح ہوا ہو، اور نذر غیر اللہ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے:

فی التفسير الكبير: أجمع العلماء على أنه لو أنّ مسلماً ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرّب إلىٰ غير الله، صار مرتداً، و ذبيحته ذبيحة مرتدٍ.(۱) انتهىٰ.

و هكذا فی البحر مع البسط. و مثل هذا فی تفسير النيشابوری و غيره

ہاں اگر نذر خالص اللہ تعالیٰ کی قبولی، اور مصرف اس کا محتاجین اور خادمان مزار اولیاء کو، گردانے تو درست ہے۔

هكذا فی البحر. خاکسار سید محمد عماد الدین قادری عفی عنہ

مہر مولانا الجواب صحیح، رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(مجموعہ کلاں ص ۱۸۳۔۱۸۵)

(۹۶۴) انگریزی صابن پاک ہے یا ناپاک؟ سوال: ۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین: در بارہ سوالات مندرجہ ذیل، صابون جو انگریزوں کی ولایت سے آتا ہے، اس میں ناپاک تیل اور مردار اور غیر مذبوح کی، چربی پڑتی ہے، اس صابون کا شرعاً استعمال درست ہے، یا نہیں؟ اور وہ پاک ہے، یا ناپاک؟

---

(۱) التفسير الكبير للإمام الرازی (۵/۱۱) [داراحياء التراث العربي، بيروت]

سوال: ۲- کپڑا اگر ناپاک رنگ میں رنگا جائے اور بعد رنگنے کے اس کو تین مرتبہ دھولیا جائے اور رنگ بدستور باقی رہے، کپڑا پاک ہو جائے گا، یا نہیں؟

جواب: ایسا صابون پاک ہے اور استعمال اس کا شرعاً درست ہے۔ درمختار باب تطہیر انجاس میں لکھا ہے:

و یطهر زیت تنجس بجعله صابوناً به یفتیٰ للبلویٰ (۱)

اور فتاویٰ شامی میں اس قول کی شرح میں لکھا ہے:

قد ذکر هذه المسئلة العلامة القاسم فی فتاواه، و کذا ماسیأتی متناً وشرحاً من مسائل التطهیر بانقلاب العین و ذکر الأدلّة علی ذلک بما لامزید علیه، وحقّق و دقّق، کما هو دأبه رحمه الله تعالیٰ فلیراجع.(۲)

اور طحطاوی باب انجاس میں، درمختار کے اس قول کی شرح میں لکھا ہے:

وذلک لاستحالة العین ،و استحالة العیستتبع، زوال الوصف المترتّب علیها.(۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ، ناپاک تیل اگر صابون میں پڑا ہو، تو وہ صابون پاک ہے، اور فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے:

جعل الدّهن النجس فی الصّابون، یفتی بطهارته، لأنه تغیّر. کذا فی الزاهدی.(۴)

اور طحطاوی (نے) الدرالمختار کے قول کی شرح میں لکھا ہے: ومثله الدهن النجس اذا جعل فی الصابون. (۵) اور مجتبیٰ میں لکھا ہے:

جعل الدهن النجس فی الصابون یفتی بطهارته، لأنه تغیر و التغیر یطهر عند محمد و یفتیٰ به للبلوی.(۶)

اور صاحب ردالمحتار نے یہ عبارت مجتبیٰ کی نقل کر کے لکھا ہے:

و ظاهره أن دهن المیتة کذالک لتعبیره بالنجس دون المتنجس(۷)

(۱) درمختار۔ باب الانجاس ص:۵۳ ج:۱۔ [عکس مجتبائی دہلی] نیز الدر مع الشامی ج:۱ص:۳۱۵، [دار الفکر بیروت:۱۳۸۶ھ] (نور)

(۲) شامی، ردالمحتار باب الانجاس صفحہ ۲۱۰ ج:۱ (مطبع مجتبائی ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج:۱ص:۳۱۶ [دار الفکر بیروت:۱۳۸۶ھ] (نور)

(۳) حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب الأنجاس (۱۵۹/۱) [دار المعرفة بیروت:۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م] (نور)

(۴) عالمگیری، الباب السابع فی النجاسات وأحکامها (۲۰/۱) [المطبع الطبی بندرهو کلی ۱۲۳۸ ھ] نیز فتاویٰ عالمگیریہ ج:۱ص:۴۵۔ [نورانی کتب خانہ پشاور بلاسنہ] (نور)

(۵) حاشیة الطحطاوی ، باب الأنجاس (۱۵۹/۱) [دار المعرفة بیروت ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م] (نور)

(۶) مجتبی کی یہ عبارت ردالمحتار ج:۱ص:۲۱۰ پر موجود ہے، نیز شامی ج:۱ص:۳۱۶ [دار الفکر بیروت:۱۳۸۶ھ]

(۷) ردالمحتار صفحہ ۲۱۰ ج/۱ باب الانجاس (مطبع مجتبائی دہلی:۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج:۱ص:۳۱۶ [دار الفکر بیروت] (نور)

اور شرح المنیہ کی عبارت شامی میں نقل کی ہے:

لو وقع إنسان أو كلب فى قدر الصابون فصار صابوناً ليكون ظاهراً لتبدل الحقيقة(۱)

اور فتاویٰ شامی میں اخیر اس مقام پر لکھا ہے:

ثمّ اعلم: أنّ العلة عند محمد هى التغير و انقلاب الحقيقة، و أنّه يفتىٰ به للبلوىٰ كما علم مما مرّ. ومقتضاه عدم اختصاص ذلك الحكم بالصابون فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير و انقلاب حقيقة و كان فيه بلوى عامة.(۲)

اور واضح ہو کہ لفظ دُہن نجس جوان روایات میں ہے، یہ میتہ اور غیر مذبوح اور غیر ماکول اللحم سب کی چربی کو شامل ہے، اور علت بھی سب میں مساوی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر صابن میں مردار یا غیر مذبوح کی چربی پڑے، تو وہ صابن پاک ہے اور استعمال اس کا درست ہے۔ فقط

جواب سوال دوئم: وہ کپڑا جو ناپاک رنگ میں رنگا جائے، تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا۔ خزانة الروایات میں بحوالہ عتابیہ لکھا ہے:

المخضوبة بالحناء النجس و الثوب المصبوغ بالصبغ النجس، يطهر بالغسل ثلاثاً.(۳)

اور فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے:

و إن كانت شيئاً لايزول أثره إلّا بمشقة بأن يحتاج فى ازالته إلىٰ شيءٍ آخر، سوى الماء كالصابون لايكلف بازالته. هكذا فى التبيين و كذا لايكلف بالماء المغلي بالنار. هكذا فى السراج الوهاج. (۴)

اور فتاویٰ خزانة المفتيين باب الانجاس میں لکھا ہے:

إذا صبغ الثوب بالنيل النجس وغسل ثلاث مرات، طهر.

اور درمختار باب تطہیر الانجاس میں لکھا ہے:

ولا يضرّ بقاء أثر كلون و ريح لازم فلا يكلف فى ازالته الىٰ ماءٍ حار أو صابون ونحوه، بل

(۱) ایضاً حوالہ بالاص:۲۱۰ ج/۱ باب الانجاس (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج:۱ص:۳۱۶ دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ

(۲) رد المحتار ص:۲۱۰ ج/۱ باب الانجاس (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج:۱ص:۳۱۶، دار الفکر بیروت۔

(۳) رد المحتار باب الانجاس صفحہ ۲۱۹ ج/۱ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ

(۴) فتاویٰ عالمگیری، الباب السابع فی النجاسات واحکامہا (۱/۵۵)۔ (المطبع الطبی بندرھو کلی ۱۲۳۸ھ) نیز الفتاوی العالمگیریہ ج:۱ص:۴۲ [نورانی کتب خانہ پشاور]

يطهر ما صبغ أو خضب بنجس بغسله ثلاثاً، و الاولیٰ غسله الیٰ أن يصفو الماء. (۱)

اورطحطاوی میں لفظ لازم کی شرح میں لکھا ہے: ای یشق زواله، اورلفظ یغسله ثلاثاً کی شرح میں لکھا ہے: هو المذهب.

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ، اگر ناپاک رنگ میں رنگ کر تین مرتبہ دھولیا جائے، تو کپڑا پاک ہوجائے گا، مگر بہتر یہ ہے کہ اس قدر دھویا جائے کہ پانی صاف نکلنے لگے۔ واللہ اعلم بالصواب

اسمائے گرامی ان صاحبان کے کہ ان ہر دو فتوی پر جن کے دستخط ہیں:

مولوی محمد گل صاحب مہتمم مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مولوی عماد الدین صاحب، مولوی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری، مولوی ارشاد حسن صاحب رامپوری، مولوی اسماعیل صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مولوی عبد القادر صاحب مفتی رام پور، مولوی سراج الدین احمد صاحب رامپوری، مولوی لطف اللہ صاحب علی گڑھی، مولوی لطف اللہ صاحب خلف مولوی سعد اللہ صاحب مفتی رامپور، مولوی احسان علی صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مولوی سلیم اللہ صاحب رامپوری، مولوی عبد الہادی صاحب۔ فقط (مجموعہ رام پور ص ۲۰ تا ص ۲۲)

(۹۶۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضر وغائب، ہرصورت میں یکساں تعظیم واجب ہے: **سوال:** خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم حاضر اور غائب برابر ہے، یا نہیں؟ اگر برابر نہیں، تو اس باب میں کوئی حدیث یا فقہ کی روایت ہو تو بیان کرنی چاہیے۔ فقط

جواب: حرمت و تعظیم و توقیر جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی، درحالت حیات و بعد ممات برابر و یکساں لازم ہے، مگر حرمت و تعظیم میں وہ امور ہوں، کہ جو صحابہ کرام وسلف عظام باوجود کثرت محبت و علم، بفضائل علیہ الصلوٰۃ والسلام واتقاء وزہد کیا کرتے تھے، اور جن کو وہ نہ کرتے تھے، ان کا ترک پرُ ضرور [نہایت ضروری] ہے، نہ یہ کہ ان کو سنت جان کر کیا کریں، کہ مباح کو سنت جاننا بھی بدعت ہے۔ فقط

حسنہ مولانا رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۸۹)

(۹۶۶) تکبیر میں اذان کے کلمات بلاوقفہ کیوں کہے جاتے ہیں؟ **سوال:** اذان میں تکبیر تین یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر، کو ساتھ ساتھ کہنا اور سکتہ نہ کرنا، بحسب الرواج کیسا ہے، چاہیے، یا نہیں؟

الجواب: تکبیر تین کے درمیان سکتہ نہ کرنے کی، شرعاً اصل ثابت ہے، شامی میں درمختار کے قول کی شرح میں مرقوم ہے:

(۱) درمختار، بالأنجاس ص: ۵۶ جلد اول. [زکریا بکڈپو، دیوبند]

وهذه السكتة بعد كل تكبيرتين لا بينهما. كما افاده فى الامداد، اخذاً من الحديث و به صرح فى التاتار خانيه.(۱)

یعنی وہ سکتہ، جو بین کلمتین ترسیل کی غرض سے کیا جاتا ہے، اور اس کا ترک مکروہ ہے اور اعادہ مستحب ہے۔ دونوں تکبیروں کے درمیان میں نہ چاہئے، جیسا کہ اس کا اعادہ امداد میں اخذاً من الحدیث اور تاتارخانیہ (۲) میں بھی، اس کی تصریح موجود ہے۔ فقط اخرجہ الراجی عبدالغفور غفرلہ

الجواب صحیح۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ رام پور ص ۱۰-۱۱)

(۹۶۷) مسجد کے جنوبی حصے میں اذان کہنے کی کیا وجہ ہے؟ **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں باب: کہ اذان، جنوب کی طرف کھڑے ہو کر کہنا، صرف رواج کا مرتبہ ہے، یا اس کی کوئی اصل شرعاً موجود ہے، اگر ہے تو کہاں سے؟ حالانکہ احادیث مطلق معلوم ہوتی ہیں۔ بینوا توجروا!

الجواب: جنوب کی طرف خاص کر لینا شرعاً ثابت نہیں، ہے تو صرف اتنا ہے، کہ اذان کے واسطے مکان بلند ہونا چاہئے، اور ایسی جگہ ہو کہ پڑوسیوں کو وہاں کی آواز خوب سنائی دے، اور مؤذن کی آواز اچھی طرح بلند ہو اور اس کو مشقت نہ جھیلنی پڑے۔ قنیہ میں مذکور ہے: ويُسنُّ الأذان فى موضع عالٍ (۳)

اور سراجیہ میں مرقوم ہے:

و ينبغى للمؤذن أن يُوذن فى موضع يكون اسمع للجيران، و يرفع صوته ولا يجهد نفسه، لانه يتضرر.

ہاں اگر اتفاقاً ایسا موضع جنوب کی جانب ہو، تو مضائقہ نہیں۔ مگر فرض و واجب اس کو بھی نہ سمجھیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ اخرجہ عبدالغفور سیوہاروی غفرلہ

الجواب صحیح۔ رشید احمد غفرلہ (مجموعہ رام پور ص ۱۰)

---

(۱) شامی [ردالمحتار] باب الاذان صفحہ ۲۵۹ ج ۱/ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج:۱ ص:۳۸۷ [دارالفکر بیروت ۱۳۸۶ھ] (نور)

(۲) الترسل أن يقول الله اكبر، الله اكبر، ويقف ثم يقول مرة اخرى مثله، وكذلك يقف بين كلمتين إلى آخر الأذان، فتاوىٰ تاتارخانیہ، كتاب الصلوة، الفصل الثانى بيان الأذان. ص: ۵۱۸ جلداول. سنن الصلوة. ت: قاضی سجاد حسین۔ [دائرة المعارف العثمانيه، حیدرآباد ۱۹۸۴ء]

(۳) پیش نظر ماخذ میں یہ عبارت اسی طرح ہے، فتاویٰ سراجیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"والافضل للمؤذن ان يجعل إصبعيه فى أذنيه ويرتفع صوته ولايجهد نفسه"

[فتاویٰ سراجیہ بر حاشیہ فتاویٰ قاضی خاں، كتاب الصلوة، باب الأذان ص: ۴۰ جلداول] [مطبع مصطفائی کانپور: ۱۳۱۰ھ]

(۹۶۸) کفن کے اوپر قرآن کی آیت وغیرہ لکھنا: سوال: کفنی پر میت کے کلمہ شریف یا آیت شریف لکھنا، جائز ہے، یانہیں؟

جواب: میت کے کفن پر کلمہ شریف یا آیت شریف لکھنا جائز نہیں، کہ اس میں اہانت کلمہ شریف وآیت شریف کی ہے۔ شامی وغیرہ نے اس کو منع لکھا ہے۔

واللہ اعلم، کتبہ الاحقر عزیز الدین دیوبندی الجواب صحیح، بندہ رشید احمد۔

الاجوبۃ صحیحۃ، محمد منفعت علی، مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح خلیل احمد (بندہ محمود عفی عنہ الجواب صحیح)

[تحقیق المسائل، مولانا دیدار علی الوری۔ طبع اول۔ ص ۳۹]

(۹۶۹) حیلہ اسقاط بے اصل وبدعت ہے: سوال: اسقاط یعنی قرآن شریف اور کچھ نقدی، اہل میت کی طرف سے لے کر، چند ملاؤں کو حلقہ باندھ کر، اس میں قرآن شریف مع نقدی دست بدست، تین مرتبہ کہلوانا اور اس عمل کو میت کے گناہوں کا کفارہ سمجھنا، جائز ہے، یانہیں؟

جواب: اسقاط بہیئت کذائیہ بدعت ہے، گناہوں کا کفارہ اس کو سمجھنا لغو ہے، واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عزیز الدین (۱) عفی عنہ دیوبندی الجواب صحیح، بندہ رشید احمد عفی عنہ رشید احمد

الاجوبۃ صحیحۃ، محمد منفعت علی، مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند، الجواب صحیح، خلیل احمد عفی عنہ (بندہ محمود عفی عنہ الجواب صحیح)

[تحقیق المسائل۔ مولانا دیدار علی الوری۔ ص ۳۹ طبع اول]

(۹۷۰) دفن کے بعد مردہ کے مکان پر واپس آنا اور فاتحہ کا پڑھنا: سوال: بعد دفن میت اس کے مکان پر واپس آنا اور فاتحہ کا پڑھنا؟

جواب: یہ بھی داخل رسم ہے اور بدعت ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عزیز الدین (۲) عفی عنہ دیوبندی الجواب صحیح بندہ رشید احمد عفی عنہ احمد رشید

الاجوبۃ صحیحۃ محمد منفعت علی، مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند الجواب صحیح، خلیل احمد عنی عنہ (بندہ محمود احمد عفی عنہ الجواب صحیح)

[تحقیق المسائل مولانا سید دیدار علی الوری۔ ص ۳۹ طبع اول]

(۹۷۱) قبر میں مٹی پڑھ کر رکھنا بے اصل ہے: سوال: مردہ کو قبر میں رکھ کر ایک ایک مٹھی خاک پڑھ کر، یعنی مٹی پڑھ کر ہمراہوں کا، قبر کے اندر بازو میں میت کے رکھنا بعدہ قبر کا بند کرنا۔

(۱-۲) اصل میں اسی طرح ہے، غالباً صحیح نام عزیز الرحمن ہوگا۔ (نور)

جواب: اس فعل کی بھی شریعت میں کچھ اصل نہیں، وارد اس قدر ہے کہ حاضرین آیت کریمہ: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ الآیۃ پڑھ کر، اپنے ہاتھوں سے قبر میں مٹی ڈالیں۔ فقط، واللہ اعلم کتبہ عزیز الدین دیوبندی عفی عنہ

الجواب صحیح، رشید احمد عفی عنہ

[تحقیق المسائل مولانا سید دیدار علی الوری۔ ص ۳۹]

(۹۷۲) قبر کو چادر اڑھا کر اور اس پر شیرینی رکھ کر، فاتحہ پڑھنا بدعت ہے:

سوال: بعد تیاری قبر، قبر پر چادر اڑھا کر اور شیرینی اس کے اوپر رکھ کر، فاتحہ پڑھنا؟

جواب: چادر اور شیرینی رکھ کر، فاتحہ پڑھنا بھی خلاف سنت ہے، اس وجہ سے بدعت وممنوع ہے۔ واللہ اعلم کتبہ الاحقر عزیز الدین عفی عنہ۔ الجواب صحیح، بندہ رشید احمد عفی عنہ

الاجوبۃ صحیحۃ، محمد منفعت علی مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ (بندہ محمود عفی عنہ الجواب صحیح)

[تحقیق المسائل مولانا سید دیدار علی الوری۔ ص ۳۹]

(۹۷۳) حیلہ اسقاط بے اصل اور خلاف شریعت ہے:

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ، ان دریں کہ: در بعض امصار واقطار ایں دیار، بکثرت مروج است، کہ شخصے از اولیاء میت بعوض فرائض وواجبات متروکہ میت، چند کلام مجید خریدہ، علی وجہ الخصوص ہنگام تدفینش، چند اشخاص مخصوصہ را از حجاج وحفاظ بخواندہ می دہد، وآں از جانبین ایں چنیں اقوال مع عقائد قویہ، مسموع آیند، کہ تا حین حیات ایں متوفی، ہر چہ صوم وصلوٰۃ وغیر ہما، عمداً یا سہواً، قضا وترک کرد، آں معطی بجرم اجزاء اسقاطہالیش، آں قرآن مذکور می دہد، وآخذ آں ہم باآں چناں عقیدہ، عطیاتش قبول نمایند۔ وبر آں ہر خاص وعام چناں معتقد ومتیقن اند، کہ ایں مردہ باعطاء چندیں کلام مجید، باروزہ ونماز ہائے خود برگردن گیرندگان آں عطیات انداختہ، بری الذمہ شد، وبعضے علما، ہم باعطاء ہم چنیں اسقاطات مروجہ، مع عقائد مذکورہ، عوام الناس را تاکید بلیغ وترغیب تام می دہند، تا عقیدۂ آخذ ومعطی بداں قوی ماند۔ پس ایں چنیں اسقاط، حکم جواز وصحت واجزاء دارد، یا نہ؟ بینوا توجروا۔

ترجمہ سوال: کیا فرماتا ہے آپ حضرات کا، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے: کہ اس علاقہ کی بستیوں میں یہ بات کثرت سے ہوتی ہے کہ مرنے والے کے پسماندگان میں سے کوئی شخص، مردے کے ذمہ جو فرائض اور واجبات رہ گئے تھے، چند قرآن مجید خرید کر، خصوصاً اس مردہ کی دفن کے وقت، حاجیوں اور حافظوں کو پڑھنے کے لئے دیدے، اور ان [دینے والوں] کی طرف سے، اس طرح کی باتیں، پختہ یقین کے ساتھ سننے میں آتی ہیں کہ اس مرنے والے نے، اپنی پوری زندگی میں، جو بھی روزہ نماز وغیرہ، جان کر یا بھول کر، قضا کردی تھی، یا چھوڑ دی تھی، وہ دینے والا، اس پختہ خیال سے یہ قرآن مجید [ان لوگوں کو] دیتا ہے، کہ اس دینے کی وجہ سے، اس [مرنے والے] کے ذمہ سے وہ نماز اور روزوں وغیرہ [کا

گناہ] ساقط اور کالعدم ہو جائے گا، اور لینے والے بھی اسی نظریہ اور خیال کی وجہ سے، ان تحفوں [قرآن مجید] کو قبول کرتے ہیں، اور اس بات کو خواص اور عوام اس قدر مانتے اور اس کا یقین رکھتے ہیں کہ، یہ چند قرآن مجید دینے کی وجہ سے، مرنے والا اپنے چھوٹے ہوئے نماز روزہ کا بوجھ، ان قرآن مجید دینے والوں کی گردنوں میں ڈال کر، اپنی ذمہ داری سے بری [اور محفوظ] ہو جائے گا۔

بعض علماء بھی، اس طرح کے تحفہ دینے کے معمول کی، لوگوں کو اس کی بہت تاکید و تبلیغ کرتے رہتے ہیں، تاکہ یہ دینے والوں کا خیال خوب مضبوط ہو جائے، پس اس طرح کے اسقاط کا حیلہ کی صحت ہے، اور یہ صحیح ہے، یا نہیں۔ (ت: نور)

الجواب: آں اسقاط حکم جواز و صحت ندارد، لما فی الدر المختار فی ذکر الفدیة: ولو قضاها ورثته بأمره لم يجز، لأنها عبادة بدنية بخلاف الحج لأنه يقبل النيابة، و فيه أيضا: ولو فدى عن صلوته فی مرضه لايصح، بخلاف الصوم، (۱) و كذا فی الشامی: أن الصلوة لاتسقط عن الميت بذلك، و كذا الصوم. نعم لو صام او صلى و جعل ثواب ذلك للميت صح، لأنه يصح أن يجعل ثواب عمله لغيره عندنا.

قوله، أى الدر المختار: لأنه يقبل النيابة، لأنه عبادة مركبة من البدن و المال، فإن العبادة ثلثة أنواع مالية و بدنية و مركبة منهما، فالعبادة المالية كالزكوة، تصح فيها النيابة حالة العجز و القدرة. والبدنية كا لصلوة و الصوم لا تصح فيها النيابة مطلقاً. و المركبة منهما كا لحج ان كان نفلاً، تصح فيه النيابة مطلقاً، و ان كان فرضاً لاتصح الخ. (۲)

و فيه أيضاً؛ ثم اعلم أنه إذا أوصىٰ بفدية الصوم يحكم بالجواز قطعاً، لأنه منصوص عليه و أما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث، فقد قال محمد فى الزيادات، إنه يجزيه إن شاء الله تعالىٰ، فعلق الأجزاء بالمشية لعدم النص.

و كذا علّقه المشيئة فيما اذا اوصىٰ بفدية الصلوٰة، لانهم الحقوها بالصوم، احتياطاً لاحتمال كون النص فيه معلولاً بالعجز، فتشتمل العلة الصلوٰة، و ان لم يكن معلولاً تكون الفدية برا، مبتدأ يصلح ماحيا للسيئات، فكان فيها شبهة. كما اذا لم يوص بفدية الصوم، فلذا جزم محمد بالاول ولم يجزم بالاخيرين. فعلم انه اذا لم يوص بفدية الصلوٰة، فالشبهة اقوىٰ. (۳)

---

(۱) الدر المختار باب قضاء الفوائت ج: ۱ ص: ۱۰۱ [عکس مجتبائی دہلی] الدر مع الشامی باب قضاء الفوائت ص: ۴۹۳ ج/۱/ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج: ۲ ص: ۷۳ [دار الفکر بیروت] (نور)

(۲) شامی [ردالمحتار] باب قضاء الفوائت ص: ۴۹۳ ج/۱/ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج: ۲ ص: ۷۳ [دار الفکر بیروت] (نور)

(۳) شامی [ردالمحتار] باب قضاء الفوائت ص: ۴۹۳ ج/۱/ (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) نیز شامی ج: ۲ ص: ۷۳ [دار الفکر بیروت: ۱۳۸۶ھ] (نور)

و فیہ ایضاً قولہ ولو فدی عن صلوتہ فی مرضہ لایصح؛ فی التتارخانیة: عن التتمة سئل الحسن بن علی، عن الفدیة عن الصلوٰة فی مرض الموت،ھل تجوز فقال لا! و سئل ابویوسف عن الشیخ الفانی، ھل تجب علیہ الفدیة عن الصلوات، کما تجب علیہ عن الصوم وھو حی،فقال لا.

وفی القنیة: ولا فدیة عن الصلوٰة حالة الحیاة بخلاف الصوم و مقتضاہ ان غیر الشیخ الفانی لیس لہ ان یفدی عن صومہ فی حیاتہ، لعدم النص،ومثلہ الصلوٰة بخلاف الشیخ الفانی، فانہ تحقق عجزہ قبل الموت، عن اداء الصوم وقضائہ، فیفدی فی حیاتہ،ولا یتحقق عجزہ عن الصلوٰة، لانہ یصلی بماقدر، ولو مومیا براسہ،فان عجز عن ذلک سقطت عنہ اذا کثرت

و بما قررنا، ظھر ان قول الشارح، بخلاف الصوم؛ ای فان لہ ان یفدی عنہ فی حیاتہ، خاص فی الشیخ الفانی تأمل(١)و فی کتب الاصول: ان الفدیة فی الصوم للشیخ الفانی، لما کانت ثابتة بنص غیر معقول ینبغی ان تقتصروا علیہ، ولم تقیسوا علیہ من مات وعلیہ صلوٰة. پس ازیں ادلہ کثیرہ کتب معتبرہ چوں معلوم شد کہ عبادات بدنیہ، بجز شخص مخصوص باعطاء اموال ساقط وکافی نمی شود، تاہم بطریق اولیٰ آنچناں اسقاطات مروجہ، مع خصوصیات ممنوعہ وعقیدہ مذکورہ عوام ایں زماں، اخذ واعطاء او جائز نخواہد شد، بلکہ اولیت آن است کہ اولیاء میت روزہ داشتہ ونماز گزاردہ، بروحش ایصال ثواب نمایند، چنانکہ بعبارت شامی ماسبق معلوم شدہ است۔

ترجمہ: لہٰذا، ان کثیر دلائل اور معتبر کتابوں کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عبادات بدنیہ کا گناہ کئی خاص شخصوں کے علاوہ، مال دینے سے ساقط اور کافی نہیں ہوگا، اورزیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس قسم کے مروج حیلے، اپنی خاص ممنوع باتوں اورعوام کے اس عقیدہ کی وجہ سے ہیں، کہ اس سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اس زمانہ میں اس کا لینا دینا [بالکل] جائز نہ ہوگا، بلکہ بہتر یہ ہے کہ میت کے پسماندگان، روزہ رکھیں، نماز ادا کریں اور مرنے والے کو ثواب پہنچائیں، جیسا کہ شامی کی پہلی عبارت سے معلوم ہوا ہے۔

(ت:نور)

المستخرج محمد امین الدین عفی عنہ

مہر رشید احمد | مہر عبدالوہاب | مہر محمد وسیم الدین | مہر محمد اسد علی | مہر محمد عبدالمطلب

ایں چنیں اسقاط حکم جواز وصحت ندارد

مہر سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ ص:٤٣٩۔٤٤٠ جلد اول[طبع اول، دہلی:١٣٣٣ھ]

(١) شامی [ردالمحتار] باب قضاء الفوائت صفحہ ٤٩٣ ج/١ (مطبع مجتبائی دہلی: ١٢٨٧ھ) نیز شامی ج:٢ص:٧٤ [دارالفکر بیروت:١٣٨٦ھ]

(۹۷۴) نفاس کے دنوں میں صحبت: نفاس کی حالت میں جماع کرنا شرعاً درست ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو محل استدلال کیا ہے، حالانکہ جو علت ممانعت جماع حیض میں پائی جاتی ہے، وہی یہاں معلوم ہوتی ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: نفاس کی حالت میں جماع کرنا درست نہیں۔ در مختار میں مذکور ہے:

حكمه كالحيض في كل شيٍ إلاّ في سبعة.(۱) یعنی نفاس کا حکم حیض کا سا ہے، مگر سات چیزوں میں، اور ان سات چیزوں میں جماع نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم اخرجہ عبدالغفور غفرلہ

الجواب صحیح (مہر) بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ رام پور ص ۱۱)

(۹۷۵) مقدار نصاب کی تحقیق؟ جواب: مسئلہ از مولوی عزیز الرحمن صاحب، دربارہ تحقیق نصاب زیور ونقرہ۔ مولوی صاحب السلام علیکم، خط آپ کا تحقیق نصاب زر ونقرہ پہنچا، بباعث عدیم الفرصتی جواب میں تاخیر ہوئی، جو شبہات آپ نے وزن نصاب معروف پر لکھے ہیں اور بھی بعض علماء کو پیش آتے ہیں، اور چند بار لوگوں نے یہاں سے بھی اس کو دریافت کیا ہے، اور ایک صاحب نے ایک رسالہ اسی تحقیق میں لکھ کر بھیجا تھا، جس کا حاصل بھی یہی تھا جو آپ نے لکھا، کہ نصاب معلوم زیادہ ہے، قراریط وشعیرات کے حساب سے کم نکلتا ہے، اور مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے بھی حواشی شرح وقایہ (۲) میں، معروف کو غلط ثابت کرکے یہی مقرر کیا ہے، جو آپ نے لکھا ہے۔

مگر اس کو کیا کیجئے، کہ علماء ہندی خصوصاً علماء دہلی نے، تحقیق کتب فقہ در مختار، شامی، وہدایہ وغیرہ کو تسلیم فرما کر، پھر نصاب چاندی ساڑھے باون تولہ ونصاب سونا ساڑھے سات تولہ قرار دیا ہے، حالانکہ اس کو بھی وہ مانتے ہیں کہ، درہم ستر جو کا اور مثقال سو جو کا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام کی عبارت سے بھی جو آپ نے نقل کی ہے، واضح ہے۔ پس اب لامحالہ یہ کہا جائے گا کہ رتی کو چار جو کے برابر کہنا، صحیح نہیں، اہل تجربہ کو اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ اسی لئے انھوں نے مثقال یعنی سو جو کو، ۴ ماشہ (ساڑھے چار ماشہ) کا قرار دیا ہے اور یہ امر یعنی مثقال کا مساوی ۴ ماشہ (ساڑھے چار ماشہ) کے ہونا، ایسا معروف ہوا کہ سب اہل لغت وغیرہ نے یہی لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ مدار اس کا تجربہ پر ہے، جب کہ انھوں نے تجربہ سے معلوم کیا، کہ سو جو مساوی ۴ ماشہ (ساڑھے چار ماشہ) کے ہیں، تو اس کی تسلیم میں تردد نہیں ہو سکتا۔

غایت یہ کہ، یہ کہا جاوے گا کہ جس وقت اور زمانہ میں فقہاء نے، مثقال کو بیس قیراط اور قیراط کو پانچ جو کا تجربہ کیا، اُس وقت اُس جو کی مقدار ووزن اُس جو سے زیادہ تھا، جس کو ربع رتی کے برابر کہتے ہیں، بلکہ اُس جو کے حساب سے وزن رتی تین جو سے بھی کچھ کم ہوگا۔ پس سو جو برابر ۳۶ چھتیس رتی، یعنی ساڑھے چار ماشہ (۰۴) کے ہوں گے۔

---

(۱) در محتار، کتاب الطهارة، باب الحيض ص:۵۲ ج:۱ [عکس مجتبائی دہلی] نیز الدر مع الشامی ج:۱ ص:۱۹۹ [مجتبائی دہلی]

(۲) شرح وقایه مع حاشية للعلامة اللكنوی، كتاب الزكاة نصاب الذهب والفضة ص:۲۸۴ حاشیہ:۶ ج:۱/ [مطبع مجتبائی دہلی، کتب خانہ رشیدیہ دہلی:۱۹۰۹ء]

بناء اس تمام اشتباہ کی یہ ہے کہ آپ نے رتی کو چار جو کا قرار دیا، اس حساب سے مثقال کسی طرح ساڑھے چار ماشہ کا نہ ہوگا، بلکہ سو جو برابر پچیس رتی کے، وہ برابر تین ماشہ ایک رتی کے ہوں گے۔

اور جب تجربہ ان حضرات کا، جنہوں نے مثقال ۴۰ ماشہ کا قرار دیا، بعد اس کے کہ مثقال کو برابر سو جو کے ہونا، بھی تسلیم کرلیا، مانا جاوے اور قول ان کا اس بارے میں معتبر سمجھا جائے، تو پھر حساب نصاب معروف میں، کچھ اشتباہ نہیں اور جس وقت ان حضرات نے مثقال کو ۳۶ رتی، یعنی ۴۰ ماشہ ثابت کیا، تو لامحالہ ان کے تجربہ میں رتی برابر چار جو کے نہ تھی۔

اس زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے، اگر فرضاً رتی چار جو کے برابر ہو بھی جائے، تو اس سے پہلے تجربہ کو باطل نہ کہا جائے گا۔ آخر تغیر تنزل ہر چیز کا ہر زمانہ میں معلوم ہے، پھر تجربہ سابقہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا تو درہم کا وزن، بوزن سبعہ تین ماشہ...... رتی ہوگا، کیونکہ سات مثقال برابر ساڑھے تین ماشہ، اور یہی وزن دس درہم کا۔ تو ایک درہم تین ماشہ...... رتی کا ہوا۔ اب دوسو درہم چھ سو تیس ماشہ کے (برابر) ہوئے۔ جس کے ساڑھے باون تولہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح (بیس) ۲۰ مثقال ۹۰ (نوے) ماشہ کے ہوئے۔ جس کے ساڑھے سات تولہ ہوتے ہیں، سو اس حساب میں کوئی خطا نہیں۔ عجب ہے کہ مولوی عبدالحی صاحب وغیرہ نے کیونکر اس کی تغلیط کی ہے۔

رتی کا چار جو کے برابر ہونا، اگر انھوں نے خود تجربہ بھی کیا ہے، تو بمقابلہ تجربہ سابقہ کیونکر معتبر ہوسکتا ہے، خصوصاً جب کہ ظن غالب وقوع اختلاف بوجہ اختلاف، زمان وبلدان متحقق ہے۔ اب رہی بات کہ رتی کا بوزن چار جو ہونا، اگر ایسا ہے جیسا ایک ماشہ بوزن آٹھ رتی، اور بارہ ماشہ بوزن تولہ۔ تو پھر کیا وجہ کہ اور سب میں، تو قول ان اہل اوزان کا معتبر ہو اور رتی کی مقدار میں معتبر نہ ہو۔ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل اوزان صاحبان تجربہ ہی نے اس کو تسلیم نہیں کیا، کہ رتی برابر چار جو کے ہے، ورنہ مثقال، جس کو سو جو کے برابر کہتے ہیں، بوزن ساڑھے چار ماشہ کتب لغات میں نہ لکھتے۔

اب مناسب یہ ہے کہ آپ بھی خود تجربہ کرلیں، کہ آیا رتی چار جو کے برابر ہے، یا کچھ فرق ہے، اگرچہ اس وقت کا تجربہ بمقابلۂ سابق قابل اطمینان واعتبار نہیں ہوسکتا۔ بندہ کے خیال میں اس زمانہ میں بھی، ملک عرب وشام ومصر کے جو، گیہوں اور ہند کے جو اور گیہوں کی مقدار میں فرق ہے، وہ سو جو اگر چھتیس رتی، یعنی ساڑھے چار ماشہ ہوجائیں تو مستبعد نہیں، اور جب کہ قول علماء اور اہل لغت واوزان ان کا موئید ہو، تو پھر جائے انکار نہیں۔

حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ تحقیق فقہاء سب مسلم، اور درہم ۷۰ جو، اور مثقال سو جو ہونا بھی مقرر، اب کلام اس میں ہے کہ سو جو کے کس قدر ماشہ ہونے چاہئیں، سو محققین ہند وعلماء دہلی وغیرہ کہ تحقیق وتجربہ سے، سو جو ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہیں، اس بناء پر حساب قائم کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ (مہر)

[یعنی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی مفتی اعظم دار العلوم دیوبند]

(مجموعہ رام پور ص ۱۷۔۲۰)

(۹۷۶) مجلس نکاح میں چھوہارے لٹانے کا حکم: چھوارے وغیرہ لٹانے کو عقد نکاح میں، اگرچہ بعض فقہاء نے لاباس بہ لکھا ہے اور بعض نے مکروہ..... ترک اس کا بالاتفاق اولیٰ ہے۔شرح منہاج محلی میں لکھا ہے:

"وکل نشر السکر وغیره کاللوز والجوز و التمر، فی الاملاک علی المرأة للنکاح و فی الختان، ولایکره فی الاصح لکن الاولیٰ ترکه" انتهیٰ.(۱)

اور ابن حجر مکی نے شرح منہاج میں لکھا ہے:

"و نازع الاوزاعی فی حل نثرها بان فیه اضاعته و ابداء بمایؤدی إلی القتل"

اور یہ بھی ابن حجر مکی نے، شرح منہاج میں لکھا ہے:

"ولذلک انتصر جمع للکراهة و اطالوا للنهی و الصحیح عن النهی"

اور سنت جان کر لوٹنا اور لٹانا بدعت ہے۔اور روایت لٹانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی، عقد نکاح حضرت فاطمہؓ میں اگرچہ بعض کتب سیر، مانند مواہب و مدارج و روضۃ الاحباب میں منقول ہے، لیکن موضوع ہے۔ فوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة میں مرقوم ہے:

"أن النبی صلی الله علیه وسلم تزوج امرأة من نسائه فنثروا علی رأسه تمر عجوة، رواه الخطیب عن عائشة رضی الله عنها مرفوعاً، وفی اسناده سعید بن سلام کذاب، والحدیث باطل"(۲)

اور میزان الاعتدال میں مسطور ہے:

محمد بن دینار العرفی عن هیثم، اتیٰ بحدیث کذب، ولا یدری من هو

اور ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث جھوٹی ہے، کہ جس میں انتہاب چھواروں کا ذکر ہے۔(۳) عقد نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اور مانند اسی کے ذکر کیا ہے، سیوطی نے لآلی مصنوعه فی الأحادیث الموضوعه (۴) میں، اور عراقی نے تنزیه الشریعة میں، اور ذہبی نے تمحیض میں، اور سوا اس کے اور احادیث سے جو کھجوروں کے لٹانے پر بعض دلیل لائے ہیں، وہ سب موضوع ہیں اور قابل احتجاج کے نہیں۔ اس حدیث کو کہ:

---

(۱) ویحل لکن الاولی الترک، [تتوسکر] وهو رمیة مفرقا [وغیره] کلوز و دنانیر و دراهم، ونازع الاذرعی فی حل نثرها بان فیا اضاعة وایذاء. تحفة المحتاج فی شرح المنهاج ص: ۲۱۷ ج: ۲ لابن حجر مکی [مصر: ۱۲۸۲ھ]

(۲) الفوائد المجموعة (۷۶) [فخر المطابع۔دہلی] الفوائد المجموعة، بہ تحقیق مجدی فتحی سید ص: ۱۱۶-۱۱۷ رقم الحدیث: ۳۴۴۔ [مکتبة التوفیقه قاهره: بلاسنه]

(۳) لسان المیزان . حرف المیم. ۵۵۰ ص: ۱۶۳ جلد پنجم [دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد: ۱۳۳۱ھ]

(۴) اللآلی المصنوعة (۲/۱۲۶) دار المعرفة بیروت. ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م

"تزوّج (رسول اللّٰہ) صلی اللہ علیہ وسلم امرأة من نسائه فنثروا علی راسها تمر عجوة".

ابن طاہر پٹنی نے اپنے تذکرہ میں (۱) اور شوکانی نے اپنی کتاب موضوعات (۲) میں لکھا ہے کہ، یہ حدیث باطل ہے اور اس کے اسناد میں سعید بن سلام کذاب ہے اور تنزیہ الشریعۃ میں (سعید بن سلام کے متعلق) مذکور ہے:

"قال احمد و ابن معین كذّاب، وقال البخاری یذکر بوضع الحدیث". (۳)

اور حدیث لم أنهكم عن نهبة الولاء بھی موضوع ہے۔ اس کے اسناد میں بشر بن ابراہیم ہے کہ روایت کرتا ہے موضوعات کو۔ ایسا ہی ذکر کیا ہے ابن طاہر پٹنی اور شوکانی نے (۴) اور تنزیہ الشریعہ میں مرقوم ہے:

قال ابن حبان وغیرہ، کان یضع الحدیث. (۵) واللہ تعالیٰ اعلم

انتہاب بلاشبہ باعث فساد ہے، اگر یوں ہی تقسیم کرے بغیر اعتقاد سنیت تو شیوع اور قرینہ اباحت میں ہے۔

حررہ ملا قطب الدین۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۰۹ تا ۱۱۱)

(۹۷۷) ایک جاہل واعظ کی بیان کی ہوئی سات بے اصل باتوں کی حقیقت:

سوال: ۱ زید نے وعظ میں بیان کیا کہ حضرت بلالؓ کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعوض حضرت امام حسینؓ کے خرید کیا، برضامندی ان کے والدینؓ کے۔ یہ قصہ صحیح ہے یا غلط، اگر غلط ہے تو زید پر کیا حکم شرعی نافذ ہوگا اور بلال ایک ہی تھے، یا کئی، عمرو اس کو باطل کہتا ہے۔

سوال: ۲- زید نے وعظ میں بیان کیا کہ ابو ہریرہؓ کا نکاح ہوا اور ان کی زوجہ نے کھانا پکا کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجنے کو کہا، ابو ہریرہؓ کا نکاح ہوا یا نہیں، اور ابو ہریرہ ایک ہی شخص تھے، یا چند صحابیوں کا نام تھا۔

سوال: ۳- زید نے وعظ میں بیان کیا کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حور کا نور پھیلا ہوا

---

(۱) تذکرة الموضوعات. باب فضل النکاح وحبه الیه ﷺ، ص: ۱۲۶ (امین درج۔ بیروت)

(۲) الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة کتاب النکاح ص: ۷۶. [فخر المطابع دهلی] تحقیق: مجدی فتحی سید. ص: ۱۱۶. ۱۱۷ رقم الحدیث: ۳۴۴ [مکتبه التوفیقیة. قاهره بلاسنه] [نور]

(۳) تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة (فصل) فی سرد اسماء الوضاعین صفحه ۷۳ (دار الکتب العلمیة بیروت الطبعة الثالثة ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱م) (نور)

(۴) تذکرة الموضوعات (۱۲۶) ط، بیروت و الفوائد المجموعة (۷۶) [فخر المطابع دہلی] "وفی اسناده سعید بن سلام کذاب والحدیث باطل"

(۵) تنزیة الشریعة للعراقی (۴۱/۱) [دار الکتب العلمیة بیروت ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱م] (نور)

دیکھ کر اس کو سجدہ کیا، نور خدا سمجھ کر، حور نے کہا یا ندا ہوئی کہ یا رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] آپ کو دھوکہ ہوا، میں حور ہوں۔ یہ قصہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کون ہے، عمرو کہتا ہے یہ افتراء ہے اور خلاف قرآن ہے۔

سوال: ۴- زید نے وعظ میں بیان کیا کہ: میں تم کو بروز شب برات حلوا پکانے کو منع نہیں کرتا، اگرچہ وہ ثابت نہیں، مگر میں تم کو ایک طریقہ سنت کا بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ تم چاول، دہی، شہد شب برات کو پکاؤ، مردوں کی روح کو ثواب پہنچاؤ اور باہم تقسیم کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب برات کو پکوایا ہے، اے مفتی صاحبو! اس کی کچھ اصلیت ہے، یا نہیں، عمرو کہتا ہے کہ یہ لا اصل ہے۔

سوال: ۵- زید نے وعظ میں بیان کیا کہ، شب برات میں تین غسل کرنے چاہئیں، ایک اول شب میں ایک آدھی رات کو، ایک اخیر رات کو، اے مفتی صاحبو! اس کی بھی کچھ اصلیت ہے، یا نہیں۔ عمرو کہتا ہے، یہ لا اصل ہے۔

سوال: ۶- عمرو سے لوگوں نے پوچھا کہ شب برات کو حلوا یا چاول یا دہی یا شہد پکانا کیسا ہے، عمر نے کہا خصوصیت ایام محض باطل ہے، مردوں کو ثواب جب چاہو پہنچاؤ، کسی دن اور کسی طعام کو خاص مت کرو۔

(۹۷۸) ارشاد الطالبین میں درج چند بے اصل باتیں:

سوال: ۷- زید نے چاول ودہی وشہد وتین غسل بہ شب برات، بحوالہ کتاب ارشاد الطالبین بیان کئے تھے، عمرو سے کہلا بھیجا، کہ کتاب ارشاد الطالبین دیکھو، عمرو نے دیکھا تو ارشاد الطالبین کے خاتمہ، پر تمت کے بعد لکھا ہے:

کہ دریں ارشاد الطالبین پنج مسئلہ از موضوعات روافض است

یکے: شملہ دستار بجانب چپ فرو ہشتن۔ دوم آنکہ: ہر وقت در وضو شانہ در ریش زدن۔ سوم آنکہ: ہر کہ از کس زوجہ او فرار کند واو ازان بمقدار درہم اخذ نماید، پس ایں اخذ بمنزلہ خلع می شود۔ چہارم آنکہ: حیلہ در جواز نکاح مطلقہ بطلاق ثلثہ، بے تحلیل آنست کہ قاضی از مطلقہ مذکورہ پرسش حقیقت ایمان نماید، کہ تصدیق بدل واقرار بزبان است کہ بکند، پس اگر آں زن بیان نکرد جائز است، زوج اول را نکاح او بغیر تحلیل۔ پنجم آنکہ: جواز نکاح زن خامسہ باذن رابعہ۔

ترجمہ: اس ارشاد الطالبین میں پانچ مسئلے شیعوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ ایک: عمامہ کا شملہ بائیں طرف چھوڑنا، دوسرے: ہر اک وضو کے بعد داڑھی میں کنگھا کرنا، تین: ہر وہ شخص جس سے اس کی بیوی دور رہے اور وہ [دور رہنے والی عورت] اس مرد کی رقم میں سے، ایک درہم [روپے کے چوتھائی حصہ] کے برابر بھی حصہ لے لے، تو یہ پیسے لینا اس شوہر سے خلع لینے کے برابر ہو جائے گا۔ چوتھے: وہ عورت جس کو تین طلاق ہوگئی، بغیر حلالہ کے، اس کا نکاح جائز ہونے کی

صورت یہ ہے کہ، اس مطلقہ عورت سے، حقیقت ایمان کا سوال [تحقیق] کرے، جودل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا مجموعہ ہے۔ پس اگر عورت یہ بیان نہ کرے، تو پہلے شوہر کے لئے اس عورت سے بغیر حلالہ کے نکاح، جائز ہے۔

پانچویں: چار بیویوں کی موجوگی میں پانچویں عورت سے، چوتھی کی اجازت سے نکاح۔ [ت: نور]

عمرو نے کہا کہ یہ کتاب قابل حجت پکڑنے کے نہیں ہے، بہت سی وجہ سے:

اول یہ کہ: اس میں مسائل روافض کے درج ہیں اور ممکن ہے کہ پانچ سے بھی زیادہ ہوں، چنانچہ میں اس کتاب کو دیکھوں گا۔

دویم یہ کہ: اس کتاب میں چاول ودہی وشہد کا کھانا شب برات کو لکھا ہے، مگروہ قول صاحب کتاب کا ہے، کوئی حدیث نہیں، کوئی روایت فقہ کی مفتی بہ نہیں، چنانچہ یہ عبارت ہے۔

''شاید کہ دریں شب برنج بخورد باجغرات ہمراہ کہ ثواب بسیار است، واگر عسل باپس آمیز دیک یک لذت از لذات بہشت یابد''

عمرو نے کہا کہ اس سے فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں ہوتا، زید اس کا ثبوت دے۔ دوروز کے بعد عمرو نے کہا کہ کتاب ارشادالطالبین میں بہت سے مسائل، خلاف اہل سنت کے ہیں، یا وہ کتاب کسی شیعہ نے بغرض اغوائے اہل سنت لکھی ہے اور اپنے آپ کو سنی ظاہر کیا ہے، یا یہ کتاب سنی کی ہو اور بعد میں کسی شیعہ وغیرہ نے بہت سے مسائل اس میں بھر دیئے ہوں۔

ارشادالطالبین کی چند اور بے اصل باتیں

بہر حال یہ کتاب قابل تمسک اور حجت نہیں، نہ اس کتاب سے عالم کو وعظ کہنا چاہئے، نہ لوگوں کو عمل کرنا چاہئے۔

عمرو نے ۱۹؍ شعبان المعظم ۱۳۱۲ھ کو بروز جمعہ بعد نماز جمعہ وعظ کہا، اور صبح سے عام لوگوں کو اطلاع کردی اور زید کے پاس بھی خط اطلاعی بھیج دیا، اور بعد کو تین مرتبہ کہلا کر بھیجا۔ عمرو نے مجمع عام میں کتاب ارشادالطالبین کی عبارت پڑھ پڑھ کر ہدایہ اور شامی اور کنز اور تفسیر جلالین اور ماتیہ مسائل وغیرہ کتب حنفیوں کی تردید کی، زید اس مجمع میں باوجود اطلاع نہیں آیا۔

چند مسئلہ کتاب ارشادالطالبین کے، عمرو کے بیان کئے ہوؤں میں سے لکھتا ہوں:

(۱) جو شخص پہلی شب شعبان کو بارہ رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں بعد الحمد کے، سورۂ اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھے تو اس کو بہت ثواب ملتا ہے اور اسی روز تک فرشتے اس کے گناہ نہیں لکھتے، حالانکہ کراماً کاتبین سب کچھ لکھتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ خداوند تعالیٰ گناہ معاف کردے، تاہم روایت کی صحت کے واسطے، کسی معتبر کتاب کی عبارت چاہئے تھی، وہ بھی نہیں لکھی۔

(۲) مسجد میں باتیں کرنے والے کی اور بحالت مجامعت و پیشاب و پاخانہ پھرنے کے، اور بحالت وضو اور غسل اور وعظ کے، باتیں کرنے والے کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ عمرو کہتا ہے کہ ان اوقات اور ان مکانوں میں بولنا نہ چاہیے، مگر توبہ سب کی قبول ہوتی ہے۔

(۳) مشرک کا ہاتھ ناپاک ہے مصافحہ کرو تو اس کو دھو لو، فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ. عمرو کہتا ہے، مشرک سے مصافحہ نہ کرو، مگر یہ قول صاحب کتاب کا کید ہے، اہل سنت کے نزدیک مشرکین کے قلوب ناپاک ہیں، چنانچہ تفاسیر میں مبرہن ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی جوے رواں پر ہو تو پانی میں اسراف نہیں ہے، عمرو کہتا ہے کہ یہ غلط ہے: لو کنت علیٰ شط نہر جار وارد ہے۔

(۵) عورت کو مسئلہ سیکھنے کے واسطے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، اور شوہر کو ولایت منع نہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ پردہ کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہیے، اگر نہ رکھے تو شوہر کو ولایت منع حاصل ہے۔

(۶) یہ ترک قنوت در وتر سجدہ سہو لازم نشود۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ دعاء قنوت واجب ہے اور ترک واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سات کفن حریر کے تھے۔ عمرو کہتا ہے غلط ہے۔

(۸) سجدہ میں قرآن پڑھنا درست ہے۔ عمرو کہتا ہے منع ہے۔

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین مرتبہ پڑھتے تھے، عشاء کے بعد مسجد میں، پھر گھر میں تشریف لے جاکر، پھر تہجد کے وقت۔ عمرو کہتا ہے، لا اصل ہے۔

(۱۰) بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف ہوا، در باب قضا فوائت کے، حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، کہ چالیس برس کی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگر اس شخص کی نماز چالیس برس کی قضا نہ ہوئی ہو، تو اس کے والدین کی قضا شدہ نماز ادا ہو جاتی ہے، تو چاہیے کہ جمعہ کے دن ظہر کے بعد بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد الحمد کے، سورۃ اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھے، اس کی سب نمازیں ادا ہو جاویں گی۔ عمرو کہتا ہے اس کی بھی کچھ اصل نہیں، فقہ میں باب قضاء الفوائت میں کہیں یہ ذکر نہیں، احادیث میں نہیں، اس نے کوئی عبارت نقل نہیں کی۔

(۱۱) رجب لغت میں خدا کو کہتے ہیں۔عمرو کہتا ہے کہ رجب شہر خدا کو کہتے ہیں، لغت میں دل چاہے غیاث اللغات اور قاموس کھول کر دیکھو۔

(۱۲) صلوٰۃ رغائب جائز ہے۔عمرو کہتا ہے بدعت ہے، شامی وغیرہ کتب فتاوی میں مصرح ہے۔

(۱۳) عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔عمرو کہتا ہے جائز نہیں، شعائر روافض سے ہے۔

(۱۴) اس کتاب میں ایک دعا لکھ کر لکھا ہے کہ، جو اس کو تین مرتبہ روزمرہ پڑھے، اس کی عمر زیادہ ہوگی، اگر چہ تقدیر اجل ہو چکی ہو۔عمرو کہتا ہے یہ محض دھوکہ ہے، صاحب کتاب کیوں مرگیا، قرآن شریف میں ہے: اِذَا جَـــاءَ اَجَلُهُمْ لَايَسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَّلَايَسْتَقْدِمُون (۱) باقی دعا وغیرہ کی فضائل میں جو وارد ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عمر بڑھا کرتی، تو دعا سے بڑھتی۔

(۱۵) بیس آیتیں حضرت عائشہؓ کی پاکی میں نازل ہوئیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گاہے گاہے یہ خیال ہوتا تھا، کہ کلام اللہ کا بیشک برحق ہے اور راست ہے، ولیکن ایک نام خدا کا ستار ہے، بیشک عائشہؓ کی ستاری کرتا ہے۔عمرو کہتا ہے معاذ اللہ! یہ در پردہ حضرت عائشہؓ پر تہمت عدم عصمت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت عدم وثوق کلام اللہ وعدم اعتبار خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ پر تہمت کذب نعوذ باللہ من الشرک و الکفر۔

(۱۶) حضرت عمرؓ نے وصیت کی، کہ میرا گرز میری قبر میں میرے ساتھ رکھنا۔عمرو کہتا ہے کہ ھذا بھتان عظیم۔

(۱۷) حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی قبر پر بعد دفن کے تلقین کی، عمرو کہتا ہے کہ حضرت علیؓ نے تلقین کی ہو مگر تلقین بحالت نزع مسنون ہے نہ بعد مرگ، اگر چہ مندوب ہے، مسنون ضروری نہیں۔

(۱۸) حضرت علیؓ نے دیکھا کہ زمین نے حضرت عمرؓ کو بھینچا۔عمرو کہتا ہے استغفر اللہ یہ کھلا ہوا رفض ہے، جب منکر نکیر نے حضرت عمرؓ سے من ربک کہا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نہیں سنتا، قریب کو آؤ، منکر نکیر گرز کو دیکھ کر ڈر گئے اور نزدیک نہ ہوئے، حضرت عمرؓ گرز لے کر بیٹھ گئے، تاکہ فرشتوں کو ماریں، قبر چند فرسخ کھل گئی اور فرشتے بھاگ گئے۔عمرو کہتا ہے کہ یہ قول بدیہی البطلان ہے۔

الغرض عمرو نے بہت سے مسائل کتاب ارشاد الطالبین کے مجمع عام میں رد کئے اور زید نہ آیا، مشت نمونہ از خروارے! یہ مسائل تردید کئے ہوئے عمرو کے مختصراً لکھ کر فتوی چاہتا ہوں، کہ قول زید کا موافق اہل سنت کے ہے، یا قول عمرو کا۔اور مسائل نمبری ایک دو دو تین و چار و پانچ و چھ کا جواب کتب حنفیہ سے بروایات معتبرہ لکھئے اور تحریر فرمائیے

(۱) سورۃ النحل، آیت:۶۱ ترجمہ: جب آپہنچے گا ان کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے۔(ترجمہ شیخ الہند)

کہ زید وعمر میں کون حق پر ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ کتاب ارشاد الطالبین کو جب تک بہت سے علماء اہل سنت مل کر تصحیح نہ کردیں، قابل عمل نہیں، عوام کو اس کتاب کا دیکھنا بھی نہ چاہئے، زید نے وعظ میں کہا کہ جو کتاب ارشاد الطالبین کو نہ مانے، وہ کافر ہے۔ آیا عمرو اور وہ لوگ جواب اس کو نہیں مانتے ہیں، کافر ہو گئے، یا مسلمان ہیں۔ اگر کافر نہیں ہوئے، تو زید اس کہنے سے کس بات کا شرعاً مستحق ہے، جواب ہر ہر بات کا صاف خط میں، جلد تحریر فرما کر بھیج دیجئے، کہ بہت سے مسلمان خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔ والسلام علیکم وعلی من اتبع الھدی۔

جواب ذیل از جناب برکت مآب زبدۃ العارفین عمدۃ المحدثین حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب مدفیوضہم گنگوہی وعلمائے دیوبند۔

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال ؓ کو، بعوض حسنین رضی اللہ تعالی عنہما خریدنا محض غلط ہے، ایسی باتیں بے اصل بیان کرنے والا، مستحق وعظ گوئی نہیں۔ بلال ؓ اور بھی ایک صحابی کا نام تھا، پر وہ حر الاصل تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی کا نکاح، بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے، پہلے نہیں ہوا، یہ نکاح کے کھانے کا، آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] کی خدمت میں پہنچنا لا اصل ہے۔ ابو ہریرہ ؓ اور کسی صحابی کا نام نہیں۔ شب معراج نور حور کو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا بالکل افتراء ہے، قرآن شریف کے بالکل مخالف ہے: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۱) صاف بیان ہے کہ آپ کو کسی قسم کی غلطی نہیں ہوئی، ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے، سخت زندیق ہے۔ شب برات کو تین غسل کرنا، یا حلوا وغیرہ کا پکانا شریعت سے ثابت نہیں، یہ باتیں محض لا اصل ہیں، ان مسائل میں قول عمرو صحیح ہے اور قول زید باطل، واللہ اعلم۔

الجواب صحیح رشید احمد — الجواب صحیح حررہ محمد ناظر حسن عفی عنہ — الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ
اصاب المجیب محمد حسن عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح حبیب الرحمن عفی عنہ دیوبندی — الجواب صحیح، بندہ احمد
الجواب صحیح محمد منفعت علی عفی عنہ، مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند — الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ عربیہ دیوبند
الجواب صحیح، عبد المومن عفی عنہ دیوبندی — الجواب صحیح بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ

(سراج وہاج تالیف: مولوی حشمت علی حسین بناری ص: ۴۷ تا ص: ۵۲ مطبوعہ سنہ ۱۳۱۲ھ)

(۹۷۹) عورتوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے اور انگریزی اسکول میں پڑھانے کا حکم؟ **سوال**: نحمدہ ونصلی کیا فرماتے ہیں ارباب علوم وعقول اور اصحاب تجربہ وشعور، ادام اللہ فیوضہم الی یوم النشور۔ مسائل مفصلہ ذیل میں:

(۱) سورۃ النجم آیت: ۱۱۔ جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا (ترجمہ شیخ الہند)

(۱) تعلیم کتابت واسطے نساء کے اس زمانہ پر فساد میں، کہ قبائح اور مفاسد اس کے اہل دانش پر، کالمشاہدہ ہیں، مکروہ ہے، تحریماً، یا نہیں؟

(۲) تعلیم کتابت وغیرہ مراہقات اور بالغات کا بغیر حجاب کے، غیر محرم مرد بالغ سے کیسا [ہے]۔

(۳) منع نسوان زمان ہذا کا تعلم کتابت سے، موافق قول محقق جلال الدین دوانی کے، کما ذکرہ فی اخلاق جلالی قرین مصلحت ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب: تعلیم نوشت وخواند فی زماننا عورتوں کو مکروہ ہے تحریماً بلاشبہ، چند وجہ سے۔

اول: تضییع وقت، کیونکہ جب کہ ان کو اس نوشت وخواند میں، نہ کوئی نفع آخرت ہے نہ فائدہ دنیا، مثل حاصل کرنے مال و دولت کے۔ اس لئے کہ جو کچھ ان کے اخراجات ضروریہ ہیں: خورش پوشش مسکن، وہ سب بذمہ ان کے شوہروں کے ہیں، پھر نوشت وخواند کا شغل، اضاعت وقت نہیں تو اور کیا ہے۔ قال علیہ الصلوۃ والسلام:

مِنْ حُسنِ اِسْلامِ المَرءِ تَرکُہ مَالا یَعْنِیْہِ انتھی. رواہ الترمذی فی کتاب الزھد(۱)

دوسرے آوارگی طبیعت اور برانگیختگی شوق اور خواہش ہائے نفسانی، بہ سبب مطالعہ ان کتابوں کے، جن میں مضامین عشقیہ اور عورتوں کے کید وفسوں بھرے ہوئے ہیں۔ جیسے ترجمہ بہار دانش، فسانہ عجائب، مثنوی میر حسن وغیرہ، نیز ہیجان و اشتیاق مرداں بہ جانب ان عورتوں تعلیم یافتہ کے، بوجہ ان کے اس کمال ظاہری، پُر زیب وزینت ابلہ فریبی کے کل جدید لذیذٌ۔

تیسرے اندیشہ مراسلت ومکاتبت، اجنبی مردوں سے، جس میں صدہا فتنہ وشر منطوی ہیں، ہاں تعلیم مسائل ضروریہ دین، مثل صوم وصلوٰۃ وطہارت وغیرہ کے امر ضروری ہے۔ سو وہ ان کے شوہر اور باپ بھائی وغیرہ محارم کے ذمہ ہے۔ اگر وہ آپ جانتے ہوں تو فبہا، ورنہ اور علمائے دین سے حاصل کریں۔ فقط

جواب ۲۔ جواب بالا سے واضح ہو چکا کہ شغل نوشت وخواند عورتوں کا، خواہ کسی طرح پر ہو، اجانب سے یا محارم سے مکروہ ہے، پھر جو نوشت وخواند بصورت شنیعہ مذکورہ، یعنی زنان نوخاستہ کا غیر محارم کے روبرو [ہو] حرام بہ اشد حرمت ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ:

قُلْ لِلْمُؤمِنِیْنَ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھِم. کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں۔

الآیۃ (النور ۳۰) (ترجمہ شیخ الہند)

وَقُل لِلْمُؤمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں۔

الآیۃ (النور ۳۱) (ترجمہ شیخ الہند)

(۱) رواہ الترمذی فی کتاب الزہد (۴/ ۴۸۳) رقم: ۲۳۱۷، [دار الکتب العلمیۃ بیروت]، ج: ۲ ص: ۶۱ (عکس اصح المطابع۔ دہلی)

دیکھئے حضور جماعت نماز، کہ بہترین شعار اسلام وسنن ہدیٰ سے ہے، عورتوں کو مکروہ ہے، بالاجماع۔ بعجہ اسی فتنہ وشر کے جو مذکور ہوا، اور زمانہ نبوی علیہ السلام میں جو ثابت ہے، تو وہ آپ ؐ کے ہی زمانہ کے ساتھ مخصوص تھا، پھر دوسرے قرن مقرون بالخیر میں، بعد وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، اس کی ممانعت ہوگئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، کہ جو عادتیں عورتوں نے پیدا کی ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معلوم کرتے، تو البتہ منع کرتے اُن کو حضورِ مسجد سے، جیسا کہ منع کی گئیں، عورتیں بنی اسرائیل کی:

عن عائشة قالت: لو أدرک رسول الله صلى الله عليه وسلم ماأحدث النساء، لَمَنَعَهُنَّ المسجد، كما مُنعت نساء بنى اسرائيل. الحديث (رواه البخارى)(۱)

اب دیکھئے کہ ان دونوں یعنی حضور جماعت ونوشت وخواند کو، کہ ان میں کیا کچھ تفاوت ہے، گویا زمین وآسمان کا۔ پھر جب اول ممنوع ہوا، تو ثانی بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہونا چاہئے، خاص کر اس زمانہ پر فتن میں۔ وہ تعلیم وتعلم جو مدارس اور اسکول نصاریٰ میں ہے، کہ جس میں فسق وفجور درکنار، ایمان واسلام سالم رہے، تب بھی غنیمت ہے۔ کیونکہ لڑکیاں اپنے دین سے تو زیادہ واقف نہیں اور نصاریٰ کی وضع پر تعلیم پاویں، تو ویسے عقائد اور عادات ان کی طبیعت سادہ پر اثر ضرور پیدا کریں گے، پھر ارباب شعور پر روشن ہے، کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ فقط

جواب ۳۔ جلال الدین محقق دوانی رحمۃ اللہ کا زمانہ، کہ نہ اس میں مدارس واسکول نصاریٰ کے تھے اور نہ یہ وبائے عالم گیر فتنہ وفساد تھی، ترک اس درس کتابت یا فقط کتابت ہی کا، عورتوں کے لئے قرین مصلحت تھا، تو وہ ترک اس زمانہ پُر فتن میں اہم ضروریات سے ہوگا اور تعلیم مسائل ضروریہ دین وقرآن شریف کا اس حکم سے مستثنیٰ ہونا، جواب اول سے معلوم ہو چکا، کہ وہ جائز کیا، بلکہ ضروری ہے، بشرطیکہ کوئی حرج دینی، مثل بے پردگی وغیرہ کے اس میں نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدالرحمٰن عفی عنہ (غالباً قاری عبدالرحمٰن پانی پتی)

الاجوبۃ صحیحۃ، ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ اسمہ احمد۔ الاجوبۃ کلہا صحاح، محمد محمود دیوبندی محمد محمود

اس زمانہ میں تعلیم کتابت کا عورتوں کو مکروہ ہے تحریماً بیشک اور مراہقہ اور یافعہ کو مرد نامحرم بالغ سے بے حجاب ہونا، اگرچہ تعلیم وکتابت کے واسطے ہو، حرام ہے، اور منع کرنا عورتوں کو ایسے کام سے ضرور(ی) ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد

---

(۱) البخاری کتاب الاذان ,باب خروج النساء الی المساجد باللیل و الغلس صفحہ ۱۲۰۔ ج/۱ (عکس نور محمد اصح المطابع دہلی ۱۴۱۵ھ) [نور] نیز کتاب الصلاۃ ، صفة الصلاة، ص:۱۴۳ جلد اول جز دوم رقم الحدیث: ۸۶۹ انتظار الناس قیام الامام العالم ۔رقم الباب: ۱۲۰] مکتبة الریاض الحدیثة، ۱۹۸۴ء/۱۴۰۴ھ]

اس فتویٰ پر مذکورہ بالا تصدیقات کے بعد ایک تصدیق حضرت مولانا گنگوہی کی بھی تھی، جو اس فتویٰ کے مآخذ کے ص ۱۶۵ پر درج تھی، وہ تصدیق مذکورہ جواب کے سوال کے ساتھ یہاں سے علیحدہ کر کے، زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں اس کی جگہ پر نقل کردی ہے۔ اصل فتویٰ یہاں پیش ہے۔ (نور)

[صواعق الملک الدیان علی من اباح الکتابة لنساء الزمان
مؤلفہ نجف علی خاں خلف مولوی نظام علی خاں۔ مطبوعہ مطبع احمدی، بمبئی ۱۳۰۵ھ

تحقیق انعقاد محفل مولد شریف و زکوٰۃ وغیرہ

[نقل خط جناب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ]

تمہید: حضرت مولانا نانوتویؒ کا یہ گرامی نامہ غیر مطبوعہ ہے، پہلی مرتبہ اس مجموعہ فتاوی میں شائع ہو رہا ہے۔ یہ گرامی نامہ حضرت مولانا کی آخری تحریرات میں سے ہے، ممکن ہے کہ یہی سب سے آخری خط ہو۔ اس کی تحریر، ۱۹ ربیع الاول کے صرف ڈیڑھ مہینہ بعد، ۴ر جمادی الاول ۱۲۹۷ھ (۱۵ر اپریل ۱۸۸۰ء) کو حضرت مولانا نانوتوی رحلت فرما گئے تھے...... رحمۃ اللہ علیہ۔ [نور]

(۹۸۰) انعقاد محفل میلاد کی شرعی حیثیت: مظہر الطاف وکرم نواب احمد حسین خانصاحب سلمکم اللہ تعالیٰ! السلام علیکم

زکوٰۃ میں کھانا کپڑا وغیرہ دینا بھی ایسا ہی ہے، جیسا نقد دینا، پر اتنا لحاظ ضرور ہے کہ کھانے میں دعوت کا سا قصہ کہ جتنا پیٹ میں آئے کھالو، لیجانے کی اجازت نہیں، بلکہ جس کو دیا جائے اسی کو اختیار کلی دیا جائے، وہ اسی کی ملک سمجھی جائے، اس کو اختیار ہو، چاہے بیچ ڈالے یا خود کھالے۔ اور قرض میں زکوٰۃ ایام قرض کی بھی دینی پڑے گی، اتنا فرق ہے کہ اگر قرض کی یہ کیفیت ہے کہ جب چاہو وصول کرلو، تب تو اسی وقت واجب الاداء ہوگی، ورنہ بعد وصول واجب الاداء ہوگی، مگر دینی سبھی دنوں کی پڑے گی۔

باقی رہا مولود شریف کا قصہ!! اس میں آپ کا پوچھنا فضول معلوم ہوتا ہے اور میرا بولنا بیکار نظر آتا ہے، اس قسم کی باتوں میں زبان ہلانے کا نتیجہ بجز فتنہ پردازی اور کچھ نہیں ہوتا، مگر چونکہ آپ نے پہلی بار یہ استفسار فرمایا ہے، جواب لکھنا ضرور[ی] معلوم ہوتا ہے۔ سنئے:

اگر کوئی شخص ملازمان شاہی میں سے، سرِ دربار بادشاہ سے زیادہ کسی وزیر و مشیر کی تعظیم کرے، تو وہ تعظیم چونکہ موجب توہین بادشاہی ہے، اس لئے بوجہ تعظیم مفرط وزیر، یہ تعظیم کرنے والا مستوجب عتابِ بادشاہی ہوگا، تعظیم وزیر کچھ کام نہ آئے گی، بلکہ خود وزیر بوجہ مذکور درپے تذلیل شخص مذکور ہو جائے گا، جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی، تو اب سنئے۔

اعلیٰ درجہ کی وہ مجلس ہے کہ، جس میں قرآن حدیث پڑھا جائے اور بیان احکام خداوندی کیا جائے، اور کیوں نہ ہو، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس غرض سے بھیجے گئے، کہ احکام خداوندی پہنچائیں، اور کتب مقدسہ اسی غرض سے نازل کی گئیں، کہ احکام خداوندی معلوم ہوجائیں اور خود خداوند کریم فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَ الانْسَ اِلَّا لِيَعْبُدونَ. الآية (الذاريات ٥٦)

اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی اپنی بندگی کو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ مَا اُمِرُوا اِلَّا لِيَعْبُدوا اللّٰهَ مُخلِصِين لَهُ الدِّينَ. (البينه. ٥)

اوران کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے بندگی (ترجمہ شیخ الہند)

اور ظاہر ہے کہ عبادت اطاعت احکام کا نام ہے، اس لئے وہ مجلس جس میں بیان احکام ہو، اعلیٰ درجہ کی مجلس ہوگی، کیونکہ غرض اصلی جو عبادت ہے، چنانچہ دونوں آیتیں اس پر شاہد ہیں، بے بیان احکام متحقق نہیں ہوسکتے۔ غرض مجلس وعظ و درس وقرآن وحدیث کے برابر کوئی محفل نہیں، پھر ستم یہی نہیں کہ اس محفل کیلئے تو کچھ اہتمام نہ ہو، نہ اس میں اس برکت کی امید ہو، جو محفل میلاد شریف سے کہتے ہیں اور نہ اس کے لئے فرش وفروش، روشنی وشیرینی وغیرہ ہو، جو محفل میلاد شریف کے لئے مہیا کی جاتی ہے۔ علاوہ بریں میلاد شریف کی بدولت، جماعت سی واجب چیز کو ترک کیا جاوے اور جماعت کے لئے میلاد شریف ترک نہ کیا جاوے اور یہ اسی قسم کی بات نہیں تو اور کیا ہے، کہ بادشاہ سے زیادہ وزیر کی تعظیم کی جائے۔

پھر اس پر قیام معمول بہ، اگر بایں اعتقاد ہے، کہ روح پرفتوح حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اس وقت رونق افروز ہوتی ہے، تو یہ اعتقاد بے سند ہے، کہ جس کا پتہ نہ قرآن میں نہ نشان حدیث میں، اگر یہ بدعت نہ ہوگا، تو اور کون سی چیز بدعت ہوگی۔ شیعوں اور خوارج کے اعتقادات، جو ان کے مبتدع اور ضال ہونے کی وجہ سمجھی گئی، تو کیوں سمجھی گئی، اسی بے سند ہونے کے باعث، اور اگر بایں خیال یہ اہتمام قیام ہے، کہ بعض اولیائے کبار اس وقت کھڑے ہوتے تھے، تو اس کے یہ معنی ہوئے، کہ ہم بھی اسی طرح مشرف بزیارت ہوتے ہیں، جیسے وہ اولیا مشرف ہوتے تھے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ بعض اولیائے کبار ارباب حال کو، وقت ذکر ولادت شریف دولت زیارت میسر آتی تھی، اس لئے ان کے واسطے اٹھنا ضرور ہوا، اور بے شک اگر وہ اس وقت نہ اٹھتے، تو عجب نہ تھا کہ اس بے تعظیمی کے سبب، اپنے مرتبہ ومقام سے گرجاتے، مگر عوام الناس جو ان کی اقتداء کرتے ہیں، گویا زبان حال سے یوں جتلاتے ہیں، کہ ہم بھی دولت زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، اب کہئے یہ کس درجہ کی ریاء ہے۔

بعض اولیاء کو چند بار یہ اتفاق ہوا، کہ اپنے حلقہ میں یا شیخ بہاء الدین شیئاً للہ کہا، ان کے ایک مرید نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا، حضرت نے فرمایا تم کیوں کہتے ہو، مرید نے کہا کہ آپ کہتے ہیں، میں بھی کہتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو تو حضرت کی زیارت میسر آتی ہے، اس لئے یہ کہہ پڑتا ہوں، تو جو کہتا ہے، کیوں کہتا ہے۔ غرض حضرت نے اس کو منع فرمایا اور اپنی اقتداء اور اتباع کی اس امر میں اجازت نہ دی۔ ایسے ہی جن صاحبوں نے وقت مذکور پر قیام کیا ہے، وہ مشرف بزیارت ہوئے تھے، عوام کو ان کا اقتداء جائز نہیں۔

باقی یہ کہنا کہ ہم بغرض تعظیم اسمِ مبارک کھڑے ہوتے ہیں، یہ ایسی بے ہودہ بات ہے کہ کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیا اسی وقت آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] مستحق تعظیم ہوتے ہیں، اس سے آگے پیچھے ان لوگوں کے نزدیک مستحق تعظیم نہیں ہوتے، افسوس آپ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے ذکرِ پُرانوار کو ایسی ایسی واہیات سے، ناواقفوں نے خراب کر دیا۔

اس لئے اپنا یہ قول ہے کہ، ہمارے لئے تو مولود شریف اگر کریں، جائز بلکہ مستحب ہے، پر رواج کے موافق کرنے والوں کے حق میں جائز نہیں، ہاں گوشۂ تنہائی میں بے قیام، کوئی کبھی بتقاضائے محبت بروایات صحیحہ، پڑھ لیا کرے، تو سبحان اللہ! پر ان روایات ضعیفہ موضوعہ کا پڑھنا، یوں بھی جائز نہیں۔

غرض اصل سے ذکر بابرکات، حضرت سرورِ عالم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات والتسلیمات، عمدہ حسنات میں سے تھا، گو ذکر احکام اور استماع احکام، بغرض اطاعت وتبلیغ حقیقت میں ذکر ملک علام ہے، مگر جیسے تنجبن وزعفران وغیرہ اطعمہ لذیذہ اصل سے عمدہ غذا ہوتی ہے، پر زہر مل جائے، تو باوجود عمدگی خراب ومہلک ہو جاتی ہیں، اور اس وقت بوجہ اختلاط زہر، باوجود لذت معلومہ اس لذت کا ترک ضروری ہے، چہ جائیکہ بوجہ لذت زہر مخلوط کا کھانا عمدہ سمجھا جائے۔ ایسے ہی ذکر خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم متضمن ولادت ہو، یا متضمن وفات، عمدہ خیرات میں سے ہے، پر بالائی خرابیوں کے باعث واجب الاحتراز ہے، چہ جائیکہ خرابی ہائے مذکورہ، بوجہ عمدگی سفوہ، واجب الارتکاب ہوں۔

لیجئے نواب صاحب! آپ کی خاطر یہ دو ورق سیاہ تو کر ڈالے ہیں، پر دیکھئے، اس نامہ سیاہ کے حق میں، اس تحریر کے باعث کیا کیا صلواتیں، اُدھر سے پیش ہوتی ہیں۔

مولوی عبد الکریم صاحب کی خدمت میں، بعد سلام یہ عرض ہے کہ عنایت نامہ پہنچا، اس تفقد احوال کا شکر یہ کیا ادا کروں اور اپنا حال لکھوں، تو کیا لکھوں۔ دو دن کو اوروں کی دعا سے کچھ آرام سے گذرتی ہے، تو دو دن اپنی شامت اعمال سے پھر تکلیف، کوئی نہ کوئی کھڑی ہو جاتی ہے، اب آج کل اللہ کا شکر ہے، تخفیف ہے، ہر چند روز پہلے بشدت گذری، اس وجہ سے بھی جواب نامہ نواب صاحب ونیز جواب عنایت نامہ سامی میں، دیر ہوئی۔ یا وہ دن تھے کہ ورق

دو ورق ایک بات تھی، یا یہ دن ہیں کہ جواب خطوط بھی دشوار ہے۔ پہلے گھنٹہ دو گھنٹہ کی تقریر کو میں کچھ نہیں سمجھتا تھا، اور اب بعض اوقات، دو چار جملوں کا ادا کرنا بھی ایک مہم عظیم ہو جاتی ہے۔ اب آپ کے شاگردوں اور احباب کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں۔ فقط العبد محمد قاسم ۱۹ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ [مارچ ۱۸۸۰ء]

(مجموعہ کلاں ص: ۹۵ تا ۹۸)

(۹۸۱) محفل میلاد کا شرعی حکم:

سوال: محفل مولود شریف جائز ہے، یا نہیں؟ مفصل تحریر فرماویں؟ فقط

جواب: ذکر ولادت شریف مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب و افضل ہے، اگر بدعات و قبائح سے خالی ہو، تو اس سے بہتر کیا ہے۔ قال الشاعر:

وذکرک للمشتاق خیر شراب
وکل شراب دونہ کسراب

البتہ جیسا ہمارے زمانہ میں قیودات وشنائع کیساتھ مروج ہے، اس طرح بے شک بدعت ہے اور بوجہ ذیل ناجائز۔

اول: یہ کہ اکثر مولود خواں جاہل اکثر روایات غلط اور موضوع بیان کرتے ہیں اور قاری اور سامعین سب سخت وعید۔ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار.(۱) میں داخل ہوتے ہیں۔

دوم: اہتمام مثل اہتمام ضروریات دین بلکہ زیادہ از آں کرتے ہیں، کہیں قالین و فروش، کہیں چوکی و مسند، کہیں شامیانہ اور کہیں شیرینی کہیں جھاڑ فانوس چمنی، قندیل، کہیں لوبان سلگتا ہے اور بہت سے امور غیر ضروری کو ضروری سمجھتے ہیں، اور بغیر ان سامانوں کے، مولود کرنے کو مولود خالی پھیکا جانتے ہیں، اور یہ ناحق اسراف بے جا ہے۔ قال اللہ تعالی:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ. الآیۃ. (الاسراء: ۲۷)
بیشک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے (ترجمہ شیخ الہند)

سوم: تعین وتقیید روز ولادت کو ضروری جانتے ہیں، اور کسی روز مولود میں فضیلت نہیں [سمجھتے] غیر مقید کو مقید اور غیر ضروری کو ضروری جاننا، بدعت قبیحہ سے ہے:

وَرَهْبَانِيَّةِ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ. (الحدید: ۲۷)
اور ایک ترک کرنا دنیا کا، جوانہوں نے نئی بات نکالی تھی، ہم نے نہیں لکھا تھا، یہ ان پر (ترجمہ شیخ الہند)

چہارم: اکثر اہل محفل اہل بدعت وفساق وفجار ہوتے ہیں، ناحق ان کی مداہنت کرنی پڑتی ہے، بلکہ ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:

---

(۱) البخاری کتاب العلم. باب اثم من کذب علی النبی ﷺ ص: ۲۱. ج/۱ نیز باب مذکور ص: ۲۸ جلد اول، رقم الحدیث: ۱۱۱ (نور)

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (الانعام:٦٨) تومت بیٹھ، یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔ (ترجمہ شیخ الہند)

وعن إبراهيم بن يسرة رضى الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام، رواه البيهقى فى شعب الإيمان مرسلاً(١)

پنجم: اکثر اشعار نعتیہ جاہلوں کی تصنیف ہوتی ہیں، کہیں ان میں تو غل شان نبوی ہوتا ہے، اور کہیں انبیاء اور ملائکہ کی بہ نسبت بے ادبی ہوتی ہے، قال عليه السلام: لاتطرونى كما أطرت النصارى. الحديث(٢)

وقال صلى الله عليه وسلم:

لاتخيرونى على موسىٰ، وقال وماينبغى لعبد أن يقول إنى خير من يونس بن متى، وقال لاتفضلوا بين أنبياء الله. الحديث(٣) اى تفضيلاً يؤدى الى تحقير بعض

ششم: وقت ذکر ولادت قیام کرتے ہیں، پھر بعض کا تو یہ عقیدہ ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف رکھتے ہیں، یہ عقیدہ تو بالکل شرک ہے۔ اور بعض کہتے ہیں، کہ جو ملائکہ اس وقت موجود ہیں، ان کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں، یہ بھی جہل ہے، اول تو ملائکہ ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں محض ذکر کی کیا تخصیص۔ اور اگر محفل ذکر کی تخصیص ہے، تو محفل ذکر ولادت کی کیا تخصیص، اور اگر اس کی بھی تخصیص ہے، تو خاص ذکر ولادت کی کیا تخصیص ہے، اور اگر اس وقت ملائکہ کی تعظیم ہو، تو دوسرے وقت کیوں نہیں ہوتی اور اگر محض تعظیم ذکر کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو اگر سوائے اس محفل کے، دوسری جگہ کوئی ذکر کرے، کہ حضرت پیدا ہوئے، تو کیوں نہیں کھڑے ہوتے، پس معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک حرکت لغو بے ہودہ ہے۔

ہفتم: ان امور پر اصرار کرتے ہیں اور مانعین سے جھگڑتے ہیں اور عداوت کرتے ہیں، اور اصرار معصیت پر سخت معصیت ہے، پس بوجوہ مذکورہ محفل مولود ناجائز ہے۔ اور اگر بصورت مجلس وعظ ہو تو کچھ حرج نہیں، اور حیرت ہے کہ یہ

(١) مشكوة، باب الاعتصام بالكتاب والسنه. الفصل الثالث ص:٣١، جلد اول (عکس طبع نور محمد...... دہلی) (نور)
نیز باب مذکور ص:١٠٩-١١٠ رقم الحدیث:١٨٩ [مکتبۃ التوبۃ - دار ابن حزم بیروت:٢٠٠٣ء]

(٢) مشكوة كتاب الآداب، باب المفاخرة والعصبية ص:٤١٧ جلد دوم [کتب خانہ رشیدیہ، دہلی] نیز باب مذکور ص:١٨٢٤ جلد چہارم رقم الحدیث:٤٨٩٧ [مکتبة التوبة دار ابن حزم بیروت:١٤٢٣ھ] (نور)

(٣) مشكوة كتاب احوال القيامة، باب بدء الخلق وذكر الانبياء ٢/ ٥٠٧ [رشیدیہ، دہلی، نقل اصح المطابع] کتاب احوال القیامة وبدء الخلق. باب بدء الخلق وذكر الانبياء عليهم الصلوة والسلام. الفصل الاول ص:٢١٧٠ جلد پنجم، رقم الحدیث:٥٧٠٨-٥٧٠٩ و ٥٧١٠ [مکتبۃ التوبۃ دار ابن حزم، بیروت:٢٠٠٣ء] (نور)

لوگ محبت نبوی کا دعویٰ کرتے ہیں، اور پھر ان بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں! حالانکہ محبت کو اطاعت لازم ہے۔

قال ابن المبارک رحمة الله تعالى عليه:

تعصی الإله وأنت تظهر حبه
هذا لعمری فی الفعال بعید
لو كان حبك صادقاً لأطعته
إن المحب لمن يحب يطيع

ترجمہ اشعار: تم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کرتے ہو اور تم اللہ سے اپنی محبت کا بھی اظہار کرتے ہو تمہارا یہ طریقہ اور عمل، بلاشبہ عجیب اور نا قابل قبول ہے، اگر تمہاری یہ محبت سچی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور پابندی کرتے کیونکہ جو شخص کسی سے سچی محبت کرتا ہے وہ اس کی باتوں پر عمل کرتا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ، محمد یعقوب نانوتوی دیوبند

(مجموعہ کلاں ص ۷۷۔۷۹)

(۹۸۲) ایک خودساختہ اصول سے، میلاد وقیام پر استدلال کا جواب: سوال: حکم کہ اصل آں در شرع شریف ثابت است، پس تعین آں در وقت، خاص بسبب اندراج آں وقت در اوقات ثبوت آں اصل روا گردد، زیرا کہ چوں اصل شے در ہر اوقات مشروع شد۔ پس وقت معین ہم یکے از افراد اوقات آں مطلق باشد، بہ سبب تحقق مطلق در افراد و ظاہر است، کہ ہر فردے از مطلق کہ متحقق باشد، باعتبار تعین و تشخص خارجی مانع تحقق آں مطلق نخواہد بود، والا تحقق مطلقے در فرد ممتنع باشد وہو کما تری۔

ترجمہ: ہر وہ حکم جس کی اصل شرع شریف میں ثابت ہے، پس اس کا کسی خاص وقت کے لئے معین کر لینا بھی اس وقت جب اس کا اصل کے مطابق ثبوت درست ہو، صحیح ہے۔ اس لئے کہ جب اصل چیز ہر وقت میں شریعت سے جائز ہوئی، پس اس کے لئے وقت مقرر کرنا بھی اسی مطلق کے حصول میں سے ایک حصہ ہوگا، اور ہر حصہ میں اصل کا ثابت ہونا لازم ہے۔ کیونکہ ہر اک حصہ باعتبار تعین اور تشخص خارجی کے [اس مطلق سے جڑا ہوا ہے] اس کے شامل ہونے میں روکاوٹ نہ ہوگا، اگر ایسا نہ ہو تو مطلق کے حصہ کا اس کے ہر اک میں نمایاں ہونا ممکن نہ ہوگا، اور یہ بات اسی طرح ہے، جیسی کہ تم دیکھتے ہو۔ [ت: نور]

علماء دین سے سوال ہے کہ یہ قانون، اصول کا صحیح ہے، یا غلط؟

جواب: بے شک جب اصل شے مطلق علی الاطلاق بدون تقید بوقت من الاوقات اور ہر لحظہ اور ہر وقت میں، بلاتعیین اس کا کرنا مشروع ہے، لیکن ایک فرد یعنی ایک وقت خاص کو، افراد مطلق میں سے مرجح علی غیرہ سمجھ کر، معین کر لینا زیادہ علی (ما) تقرر فی الشرع المعلیٰ ہے۔ اس وجہ سے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، ہر فرد اور ہر وقت کو، مساوی جان کر حکم تعیین نہیں دیا تھا، پس شخص معین نفس تعیین میں: ''بسبب الزیادۃ التی لم یثبت أصلها فی الشرع'' مرتکب فعل ممنوع کا ہوا، نہ اس حیثیت سے کہ یہ مطلق کی ایک فرد ہے، بلکہ بسبب تعیین فرد من افراد المطلق و ترجیح علی غیرہ، بغیر اذن من الشارع۔

پس اس تقریر سے معلوم ہوگیا، کہ افراد مطلق میں سے، ایک فرد کے معین کرنے میں دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت وقوع فرد من افراد المطلق، دوسری تعیین هذا الفرد من غیره. پس بسبب ہونے اس کے ایک افراد مطلق میں سے جائز ہے، اور بسبب تعیین هذا الفرد و ترجیحه علی غیره، مع عدم وُرُودِ الأمر فیه من الشارع علیه الصلوٰة و السلام.

دوجہ آخر ممنوع اور بدعت ہے، فاندفع الاعتراض و تبین الفرق، مگر یہ معلوم نہیں کہ تقریر سوال کون سے اصول میں ہے، آیا اصول حنفیہ یا شافعیہ وغیرہما، یا اصول مجوزہ رائے عالی میں ہے:

ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

حسنہ مولانا رشید احمد گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص ۸۵-۸۶)

(۹۸۳) محفل میلاد کی صفت؟ سوال: محفل میلاد؟

جواب: محفل میلاد اگر خالی ہو امور منکر غیر مشروع سے، اور یہ پابندی رسم اہل زمانہ نہ ہو، تو جائز و مستحسن ہے، مگر چونکہ اس زمانہ میں کمتر یہ مجلس امور غیر مشروعہ سے خالی ہوتی ہے، اور اعتقاد لزوم و وجوب کا، عوام کے قلوب میں راسخ ہوتا ہے، اسراف اور حضور فساق، اور پڑھنا روایات موضوعہ کا، اور التزام ان امور کا جو شرع سے لازم نہیں، گویا شعار اس مجلس کا ہوگیا ہے، اس لئے بہیئت مرجبہ، یہ محفل ممنوع اور بدعت ہے، اور مرتکب اور مجوز اس کا لاریب مبتدع اور جاہل ہے۔

واللہ اعلم کتبہ الاحقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی الجواب صحیح، بندہ رشید احمد عفی عنہ۔

الاجوبۃ صحیحۃ محمد منفعت علی مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ۔ بندہ محمود احمد عفی عنہ الجواب صحیح

[رسالہ تحقیق المسائل، مولانا سید دیدار علی الوری، ص ۹ سطبع اول]

(۹۸۴) قیام محفل میلاد کی حقیقت: سوال: قیام محفل میلاد؟

جواب: قیام محفل میلاد کو وقت مخصوص پر ضروری سمجھنا، یا معاملہ مثل لازم کے کرنا، جیسا کہ مروج ہے لااصل ہے۔ شریعت میں اپنی رائے سے کوئی قید لگانا اور امر غیر ضروری خیال کرنا، یا معاملہ مثل ضروری کے، اس کے ساتھ کرنا، یہ بھی بدعت ہے، اور اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس حدیث شریف میں:

من أحدث فی أمرنا هٰذا مالیس منه فهو ردٌّ(۱)

[یہ ایک فتویٰ کا نصف اول حصہ ہے، دوسرے حصہ میں گیارہویں کا شرعی حکم ہے، جو علیحدہ درج ہے۔ یہ فتویٰ مفتی عزیز الرحمٰن دیوبند کا لکھا ہوا ہے، حضرت کی اس پر تصدیق ہے] [نور]

[تحقیق المسائل، مرتبہ مولانا سید دیدار علی الوری۔ ص ۳۹]

(۹۸۵) قیام کے بدعت ہونے کی وجوہ؟

سوال: ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے [لئے] کھڑا نہ ہونا سنت ہے اور کھڑا ہونا خلاف سنت ہے۔ آیا یہ عقیدہ حق ہے، یا باطل؟ اگر حق ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، اور اگر اس باب میں کوئی حدیث آئی ہو، تو بیان کریں اور حدیث: "علیکم بسنتی الخ" اس کا جواب نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر اتباع سنت کو چار یار کرنے پر منحصر رکھیں، تو ہزاروں صحابی اور اولیاء اللہ کا قول وفعل اور اصول مجتہدین رد ہوتے ہیں۔ خلفائے راشدین نے علم اصول اور علم کلام اور علم اخلاق اور علم لغت اور علم معانی اور علم صرف ونحو اور علم سلوک اور علم فقہ میں، کوئی کتاب تصنیف نہیں کی! اور اگر "علیکم بسنتی" پر نظر کریں، تو کوئی امام اور کوئی صحابی اور کوئی مجتہد اور کوئی ولی اعتراض سے نہیں بچتا، سب نے چار یار کے خلاف کیا۔ نعوذ باللہ۔

اس لئے علماء سے سوال ہے کہ اس بات کا جواب موافق قاعدہ علم کے دیں، اور اگر حضرت امام اعظمؒ نے کوئی کتاب صرف ونحو یا سلوک یا اخلاق یا لغت میں تصنیف کی ہو، تو اس کو بھی بتادیں؟ فقط

جواب: عبادات میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ، توابع کو حکم مقاصد کا ہوتا ہے، پس جوامر موجب تحصیل سنت ہوگا، وہ بھی سنت کے حکم میں ہوگا، پھر اس کو بدعت کہنا اور متبعین سنت کو، اس کا طعن دینا اور اعتراض کرنا بیجا ہے، اور نہایت حماقت ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ ابتداء تدوین حدیث وفقہ وغیرہ "ذالک من الأمور المستحسنة التی هی موجبة لتحصیل السنة" حکم میں سنت کے ہیں، مگر پھر بھی اکثر علماء نے اور ائمہ اور تابعین نے اس کا انکار کیا ہے:

حیث قال الإمام ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری، تحت قوله: وشر الأمور محدثاتها! فمما حدث تدوین الحدیث ثم تفسیر القرآن، ثم تدوین المسائل الفقهیة. ثم تدوین ما

(۱) البخاری کتاب الصلح. باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود صفحہ ۳۷۱ ج/۱ (عکس نور محمد اصح المطابع، دہلی) (نور)
نیز۔ باب مذکور ص: ۱۶۰ جلد اول جزء سوم، رقم الحدیث: ۲۶۹۷ [مکتبۃ الریاض الحدیثہ ۱۹۸۴ء]

يتعلق بأعمال القلوب، فأما الأول: فأنكره عمر و أبوموسىٰ و طائفة، ورخص فيه الأكثرون، وأما الثاني: فأنكره جماعة من التابعين. وأماالثالث فأنكره أحمد و طائفة يسيرة و كذااشتد إنكار أحمد للذى بعده.

ترجمہ: امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں وشر الامور محدثاتہا، کی شرح میں کہا ہے [خیر القرون کے بعد] سب سے پہلے جو علم وضع کیا گیا، علم حدیث کی تدوین ہے، پھر علم تفسیر، پھر مسائل فقہیہ، پھر ان علوم ومباحث کی، جو دل کے اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سب سے پہلی تدوین کا عمر وابوموسی نے اور ایک جماعت نے انکار کیا اور اکثر ائمہ اور علماء نے اس میں گنجائش دی ہے، دوسرا موضوع، اس کا اکثر تابعین نے اعتماد نہیں کیا، اور تیسرے موضوع کا، امام احمد اور ایک جماعت نے انکار فرمایا ہے، اور امام احمد کی نکیر چوتھے موضوع پر زیادہ سخت تھی۔

و مما حدث أيضاً تدوين القول فى أصول الديانات، فتصدى لها المثبتة و النفاة، فبالغ الأول حتى شبّه، وبالغ الثانى حتى عطّل، واشتدّ انكار السلف لذالك، كأبى حنيفة و أبى يوسف و الشافعى رحمهم الله و كلامهم فى ذم أهل الكلام مشهور.

ثم قال فى الآخر: فالسعيد من تمسّك بما كان عليه السلف و اجتنب ماأحدثه الخلف، فإن لم يكن له منه بدّ، فليكتف بقدر الحاجة و يجعل الاول المقصود بالأصالة. والله الموفق. (۱)

ترجمہ: اور جو کچھ عقائد وکلام کے مباحث کی تدوین کے سلسلہ میں کیا گیا، اس میں اس تدوین کے ہم نوا اور مخالف دونوں حد سے بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ پہلے [نصوص کے ظاہر پر رہنے کی وجہ سے] تشبیہ کے قریب پہنچ گئے اور دوسروں نے اس میں یہاں تک غلو کیا، کہ اصول دین سے منحرف ہو گئے۔ اسی لئے سلف یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام شافعی جیسے اکابر سلف نے ان [بحثوں میں پڑنے سے] منع کیا ہے اور ان کے اقوال اہل کلام کی مذمت میں مشہور ہیں۔

پھر آخر میں کہا، پس بہتر وہ ہے جو اس پر قائم رہے جس پر اسلاف کرام تھے اور ان چیزوں سے بچے جو بعد والوں نے ایجاد کرلی ہیں، اور اگر اس سے پوری احتیاط ممکن نہ ہو تو اس میں سے، بہت ضروری [اور حاجت کے مطابق] لینے پر اکتفا کرے اور پہلی قسم کو اصل اور مقصد سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والے ہیں۔ (ت: نور)

(۱) فتح الباری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ باب الاقتدار بسنن رسول اللہ ﷺ صفحہ ۲۵۳ ج/۱۳ (مکتبہ دار الفیحاء دمشق) [نور]

اگر چہ مجیب کا یہ عقیدہ نہیں کہ معاذ اللہ ان امور کو بُرا کہا جائے، مگر یہ عبارت فقط دو بات کے واسطے لکھی ہے، کہ جب ایسے حضرات نے ایسے امور کا کہ، جو موجب وسبب تحصیل سنت ہیں، بسبب عدم وجود زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و زمانہ خلفاء راشدین وصحابہ کرامؓ میں انکار کیا، تو جو امور کہ نہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نہ زمانہ صحابہ کرام میں اور سلف صالحین میں تھے، کیونکر بیجا اور لائق انکار نہ ہوں گے، اور ان کے کہنے والوں کو کیونکر برا نہ کہا جائے گا۔

اور دوسری بات یہ کہ، امام ابن حجر موصوف نے: فالسعید من تمسک الخ (کہا) تو معلوم ہوا کہ جو فعل زمانہ سلف صالحین میں نہ تھا، اس سے اجتناب ضروری ہے، پس امور محدثہ فی زماننا سے دور رہنا چاہئے اور برا سمجھنا چاہئے، اور جو سلف صالحین سے احادیث وغیرہ کا انکار ثابت ہوا، اس کو متمسک نہ کرنا چاہئے۔ یہاں تک جواب ہوا اعتراض سائل کا، جو درباب تدوین احادیث وغیرہ کے تھا۔

باقی رہی دلیل نہ سنت ہونے قیام کی، برائے تعظیم جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، وقت ذکر میلاد شریف، سو از روئے قواعد علم مناظرہ ہم کو اس کی دلیل بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے، اتنا ہی کہہ دینا، ہم کو کافی ہے کہ یہ فعل قیام کہیں حدیث شریف یا فعل صحابہ یا سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں البتہ جو مدعی ہو، اس پر اپنی حجت اور متمسک بہ بیان کرنا لازم ہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ حق تعالی کا نام پاک سن کر، کوئی قیام تعظیمی نہ کرے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر بھی گاہے قیام نہ ہو، اور اگر وعظ یا مجلس میں ذکر ولادت ہو، وہاں بھی قیام تعظیم نہ ہو، اور مجلس مولود میں بھی بہیئت کذائی، بصد بابار نام پاک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذکور ہو، اس میں بھی قیام تعظیم نہ کیا جائے، مگر خاص مجلس مولود میں، ہر وقت ذکر ولادت قیام تعظیم واجب وسنت ہو، اس خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

اگر سائل قیام تعظیم ثابت بھی کرے گا، تو بروقت تشریف آوری جناب رسالت مآب ثابت کرے گا، نہ بروقت ذکر نام پاک وتذاکر احوال جناب رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام، پس اس کا اثبات بذمہ سائل ہے، اور لاریب! یہ امر کسی حدیث صحیح، بلکہ حدیث ضعیف سے بھی ثابت نہیں۔ اگر سائل کا یہ عقیدہ ہے کہ وقت ذکر ولادت، بشرط انعقاد مجلس خاص وذکر بہیئت کذائی، روح پرفتوح جناب رسالت مآب تشریف لاتی ہے، تو سائل اپنے ایمان کی فکر کرے۔ فقط

حسنہ　مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (عفی عنہ)　(مجموعہ کلاں، قلمی ص ۸۶-۸۹)

(۹۸۶) شب برأت میں حلوا وغیرہ پکانا تقسیم کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا؟

بروز شب برات حلوا و نان یا برنج باجغرات وغیرہ، پختن وتقسیم نمودن، در برادری، وثواب بارواح اموات رسانیدن، واز ضروریات دین شمردن، کہ ہر کس از امراو غربا بجا آرد، وسہ روزہ شب برات، از تاریخ سیزدہم لغایت پانزدہم، ودر ہر روزہ غسل کردن، از حدیث ثابت است یا نہ، ومذہب امام اعظمؒ دریں باب چیست، بینوا توجروا۔

الجواب: حلوا وغیرہ بہ نیت شعبان پختن و تقسیم نمودن، چنانچہ رسم است ثابت نیست، واصل معتد بہ ومعتقد علیہ ندارد، عوام کالانعام ایں را از لوازم دین می شمارند، واہل ہوا مواظبت ایں را ضروری مے انگارند، ایں خیال کاسِدُ است: وھو أوھن من بیت العنکبوت. در کتب احادیث وفقہ دیدہ نشد، بل انکار آں از علمائے کرام حنفی المذہب مسموع ومتیقن، چنانچہ مولانا مولوی قطب الدین خان صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، رسالہ مسمیٰ بہ سراج القلوب دریں باب تصنیف فرمودہ اند۔

درایصال ثواب بازواج اموات خلاف نیست، بہ نہجے کہ درشرع شریف حکم است، بجا آوردنش احسان براموات است، وتخصیصات وتعینات زایدہ علی النص قابل ترک واحتراز اند، وتخصیص عام ناجائز است، چنانچہ درکتب اصول مبرہن است، بالخصوص نزد امام اعظم تخصیصات مکروہ اند، چنانچہ ملا علی قاریؒ براں اشعار کردہ۔ مثلاً مصافحہ کہ سنت است، بعد نماز فجر وعصر خاص کردن، یا سجدہ شکر کہ جائز است بعد نماز، عادت کردن مکروہ است۔ چنانچہ در دُرِمختار کہ کتابے معتبر در فقہ است وعلماء کرام عمل براں دارند، مرقوم است:

وسجدة الشكر مستحبة، به يفتى. لكنها تكره بعد الصلوٰة لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة و كل مباح يؤدى إليه فمكروه.(۱)

یعنی سجدہ شکر مستحب است، وبریں قول فتویٰ، لیکن آں مکروہ است بعد نماز، زیرا کہ جہلا اعتقاد خواہند کرد، آں را سنت یا واجب، وہر امر کہ رساند، تا ایں حد پس آں مکروہ است۔

می گویم ہم چنیں است حال دیگر مباحات، مثل ایصال ثواب وغیرہ، پس بلاتخصیصات جائز والّا لا! وسید احمد طحطاوی شارح دُرِمختار، درشرح قول فمکروہ می نویسند، قولہ:

فمكروه: الظاهر أنها التحريمة لأنه يدخل فى الدين ماليس منه (۲)

یعنی مراد از مکروہ مکروہ تحریمی است، زیرا کہ تخصیص وقت وغیرہ را شامل ست، وآں بلا حکم ناجائز است۔

وواضح باد، کہ در حلوا مشابہت مے آید، از سرا کہ ہنوداں برائے اموات خواسد می کنند، بدیں معنی ترک آں ہم ضروری است، زیرا کہ مشابہت بکفار ناجائز است، واصرار برعمل مندوب ومرتبہ مندوب، از مرتبہ اش کہ رخصت است، افزودہ، بمرتبہ سنت مؤکدہ رسانیدن ناجائز است۔ چنانچہ درطیبی شرح مشکوٰۃ وغیرہ مسطور است (۳) پس در ترک آں گناہ لازم نہ آید، واگر بر سبیل عموم کردہ باشند، مضایقہ ندارد، بلاتخصیصات۔

---

(۱) الدر المختار باب سجود التلاوت ج: ۱ ص: ۱۰۷ [عکس طبع مجتبائی ۱۳۲۴ھ] الدرعلی ھامش [ردالمحتار] باب سجودالتلاوۃ صفحہ ۵۲۴ ج/۱ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۸۷ھ) [نور]

(۲) حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار/ص: ۳۲۹ ج: ۱، باب سجود التلاوۃ، [دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت ۱۳۹۵ھ]

(۳) طیبی شرح مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء فی التشھد، الفصل الاول تحت عنوان: الاصرار علی المندوب.. ضلالہ رقم الحدیث: ۹۴۶ ص: ۴۷ج/۲ جلد دوم [ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی: ۱۴۱۳ھ] (نور)

واتخاذ برنج وجغرات وحلوا، بحالت فقر وغریبی، کہ از فعل آں در دیگر ضروریات نقصان افتد، یا از قرض دام یا از قرض سودی کردہ شود، چونکہ دیگر کل مکروہات ومحرمات باو ملتصق می شود۔ حرام باشد۔ مثلاً قرض گرفتہ کردن، یا سودی قرض گرفتہ، حلوا پختن حرام است، زیرا کہ سود حرام است۔

وسہ روزہ شب برات وارد نیست، یکروزہ وارد شدہ است، چنانچہ از حضرت علی رضی اللہ عنہ مروی است کہ فرمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها"(۱)

یعنی وقتیکہ آید شب پانزدہم از شعبان، پس قیام کنید در شب آں، وروزہ دارید در روز آں۔

اے بتاریخ پانزدہم شعبان، وبعض عوام کہ بتاریخ چہاردہم روزہ دارند، غلط فہمیدہ اند، وسہ روزہ را یعنی سیزدہم وچہاردہم و پانزدہم، را بہ شعبان علاقہ نیست، آں را روزہ ایام بیض می گویند، ودر ہر ماہ مسنون ومستحب است، وغسل را ہم برآں قیاس باید کرد، سہ روزہ ثابت نیست، غسل از کجا ثابت گردد، وباید دانست کہ غسل، بروز جمعہ وعیدین وعرفہ، ووقت احرام مستحب است، و اگر کسے نکند ووضو بجا آرد کافی است، ہمچنیں است حال مرجع مندوبات را، در روزہ فرض ہم غسل مشروع نشد، در نفل چرا مندوب شود، فافہم۔

ومذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ ہمین ست کہ بیان کردہ شد، تمامی کتب فقہ برآں شاہد است، وامام صاحب رحمۃ اللہ تخصیصات را مکروہ می گویند، چنانچہ بداں اشعار کردہ ام وعبارت دُرمختار نقل کردہ ام، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ فقط

حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ الاحد الصمد، الحمد المدعو بہ سراج احمد عفی عنہ حنفی المیرٹھی، المقیم فی بلدۃ بلند شہر۔

الجواب صحیح رشید احمد عفی عنہ

الجواب صحیح بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ دیوبندی الجواب صحیح محمد منفعت علی عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ محمود عفی عنہ الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ

ترجمہ: شب برات کے دن حلوا، روٹی چاول، وغیرہ پکانا، برادری میں تقسیم کرنا اور مُردوں کی روحوں کو اس کا ثواب پہنچانا اور [اس کو] دین کے [ایسے] ضروری کاموں میں سمجھنا کہ ہر شخص چاہے وہ امیروں میں سے ہو یا غریبوں میں سے، اس کو ضرور کرے، اور شب برأت تین دن، تیرہ سے پندرہ شعبان تک منانا اور ہر دن میں غسل کرنا حدیث سے ثابت

(۱) رواہ ابن ماجة عن علي رضي الله تعالى عنه باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان. ولفظ الحديث: فقوموا ليلها وصوموا نهارها، سنن ابن ماجة بحاشية وتصحيح مولانا فخر الحسن گنگوهی ص: ۱۰۰ [مطبع فاروقی، دهلی بلاسنه] نیز باب مذکور ص: ۳۹۹ جلد ثانی ت: شعیب الارنووط دار الرسالة العلمية ۱۴۳۰ھ۔

ہے، یا نہیں، اور اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم کا کیا مسلک ہے، بیان کیجئے، اجر پایئے۔

الجواب: حلواء شعبان کی نیت سے پکانا اور تقسیم کرنا، جیسا کہ رسم ہے، ثابت نہیں ہے، کوئی معتبر اصل اور لائق اعتبار ثبوت نہیں رکھتا۔ عوام اس کو دین کا ضروری حصہ خیال کرتے ہیں، اور خواہشات کے بندے اس کو ضروری مانتے ہیں، یہ برا خیال ہے اور یہ مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہے، حدیث وفقہ کی کتابوں میں اس کو نہیں پایا گیا، بلکہ اس کا انکار حنفی مسلک کے علماء سے سنا گیا ہے، جو یقینی ہے، چنانچہ مولانا نواب قطب الدین خاں صاحب دہلوی نے رسالہ سراج القلوب اسی سلسلہ میں لکھا ہے:

مرحومین کو ایصال ثواب کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس طریقہ سے جس طرح کہ شریعت میں اس کا حکم ہے، اس کا بجالانا [اور اس پر عمل کرنا] مرحومین پر احسان ہے، مگر وہ چیزیں [جن کی شریعت میں اصل نہیں ہے اپنی طرف سے] خاص اور متعین کرلی گئی ہیں، چھوڑ دینے اور نظر انداز کرنے کے لائق ہیں۔ وہ چیز جو عام ہو، اس کو کسی مقصد کے لئے خاص کرلینا، جائز نہیں ہے، جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں، صاف صاف لکھا ہوا ہے، خصوصاً حضرت امام اعظم کے یہاں، ایسی چیزوں کا خاص کرلینا مکروہ ہے، جس کی ملا علی قاری نے اس طرح وضاحت کی ہے۔ مثال کے طور پر مصافحہ سنت ہے، مگر فجر یا عصر کی نماز کے بعد کے لئے خاص کرنا، یا سجدۂ شکر جو جائز ہے، نماز کے بعد اس کی عادت بنالینی مکروہ ہے، چنانچہ درمختار میں، جو فقہ کی معتبر کتاب ہے اور علمائے کرام اس پر عمل رکھتے ہیں، لکھا ہے:

اور سجدۂ شکر مستحب ہے، اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، لیکن نماز کے بعد مکروہ ہے، کیوں ناواقف لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ لیں گے اور ہر وہ مباح، جس کی سنت یا واجب سمجھ لیا جائے، اس پر عمل کرنا مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں، کہ دوسرے مباحات کا بھی یہی حال ہے، جیسے ایصال ثواب وغیرہ، پس یہ ایصال ثواب بلا کسی تخصیص [وتعین] کے جائز ہے، ورنہ نہیں۔

اور سید احمد طحطاوی، درمختار کے شارح، مصنف درمختار کے قول، **فمکروہ** کی شرح میں لکھتے ہیں:

فمکروہ: ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے، وہ چیز دین میں داخل ہو جائے گی، جو دین میں موجود نہیں ہے۔

اور واضح ہو کہ [شب برأت کے] حلوہ میں، ہندوؤں کے طریقہ کی بو آتی ہے، جس کو وہ اپنے مردوں کے لئے کرتے ہیں، اس لئے بھی اس کا چھوڑنا ضروری ہے، کیوں کہ کافروں کی مشابہت ناجائز ہے اور مستحب عمل کو اس کے مرتبہ اور مقام سے جو صرف رخصت ہے، بڑھا کر سنت مؤکدہ کے مرتبہ تک پہنچا دینا، ناجائز ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ کی شرح طیبی وغیرہ میں لکھا ہے۔

لہٰذا اس کے چھوڑنے میں کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا اور اگر اس کو یہ خیال کئے بغیر اور عام طریقہ کی خصوصیات کا اہتمام کے بغیر کرلیں، تو کچھ حرج نہیں ہے۔

چاول، سویوں، اور حلوے وغیرہ کا فقر وفاقہ اور غریبی کی حالت میں بنانا، کہ جس کے کرنے سے دوسری ضرورتوں میں خلل پڑے، یا قرض لیکر یا سود کے پیسے سے کیا جائے، کیوں کہ تمام مکروہ اور حرام، اس کے ساتھ مل گئے ہیں، یہ بھی حرام ہوگا کیوں کہ سود حرام ہے۔

شب برأت کے لئے [حدیث شریف اور دین کی معتبر کتابوں میں] تین دن کا ذکر نہیں ہے، ایک دن کا تذکرہ آیا ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب پندرہ شعبان آئے، تو اس کی رات میں عبادت کرو، اور اس کے دن میں روزہ رکھو۔

صرف پندرہ شعبان کی شب برأت ہے اور بعض عوام جو چودہ تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں، غلط سمجھے ہیں اور تین دن یعنی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کے روزہ کا شعبان سے، کچھ تعلق نہیں ہے، ان تین دنوں کے روزہ کو ایام بیض کہتے ہیں اور یہ روزے ہر مہینہ میں مسنون ومستحب ہیں، غسل کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ تین روزے جائز نہیں ہیں، غسل کہاں سے ثابت ہوگا، نہانا، جمعہ عیدین، عرفہ میں اور احرام باندھنے کے وقت مستحب ہے، اگر کوئی نہ کرے، وضو کرلے کافی ہے، یہی حال ہے خاص کر تمام مستحبات کا۔ روزہ میں بھی غسل ثابت نہیں، نفل میں کس طرح مستحب ہوجائے گا۔ بس سمجھو!

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے، جو بیان کیا گیا، فقہ کی جملہ کتابیں اس کی گواہ ہیں، امام صاحب کسی کام کو [بے موقع] خاص کرنے کو مکروہ کہتے ہیں، جیسا کہ میں نے وضاحت کی ہے اور درمختار کی عبارت نقل کی ہے۔

سراج احمد میرٹھی [ت: نور]

(۹۸۷) فاتحہ مروجہ بدعت و بے اصل ہے: **سوال:** فاتحہ مرسومہ یعنی کھانا روبرو رکھ کر، دونوں ہاتھ اُٹھا کر کچھ پڑھنا، بعدہ ثواب کسی کو بخشنا اور اس رسم کو لازم سمجھنا، کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہنچتا، اس کو عمل خیر کہتا ہے اور جو شخص اس رسم کو بدعت کہتا ہے، اس کو کہتا ہے کہ "وہ مرگئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود۔" اور اُس کے اس کلام کا کیا حکم ہے؟ اور منبر پر بوقت وعظ کہتا ہے کہ فلاں وہابی ہے، فلاں نجدی ہے اور مسلمانوں نے اس سے کنارہ کیا، ان کو کہتا ہے کہ فلانا وہابی مسجد سے نکالا گیا، اس کلام کا کیا حکم ہے؟ اور قرون ثلاثہ میں اس فاتحہ مرسومہ کا معمول تھا، یا نہیں، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟

اور کتاب تقویۃ الایمان تصنیف مولانا محمد اسماعیل صاحب کو بد کہتا ہے، اور اس کا رد لکھا ہے، مسلمانوں میں اس کے سبب سے نہایت اختلاف ہو گیا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: یہ کہ فاتحہ مرسومہ کو کھانا روبرو رکھ کر، دونوں ہاتھ اٹھا کر کچھ پڑھتے ہیں، بعدہ ثواب بخشتے ہیں، اس فاتحہ مرسومہ کی شرع میں کچھ اصل نہیں، یہ بدعت ہے، قرون ثلاثہ میں اس کا معمول نہ تھا۔ بلکہ مسنون یہ ہے، کہ اول کھانے کے بسم اللہ اور کھانے کے بعد، الحمد للہ رب العالمین کہے اور ثواب کسی کو بخشے۔

اور وہ جو اس فاتحہ کے مانعین کو کہتا ہے کہ، مرگئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود، یہ کلام اس کا نہایت سخت ہے اور اس کی جہالت کا نشان ہے، کہ بزرگان دین تک کہ قرون ثلاثہ میں تھے، یہ کلام اس کا پہنچتا ہے۔ معاذ اللہ عن ذلک اس شخص کو اپنے ایمان کا بھی خیال نہیں، جو منع کرنے والوں کو مردود کہے، وہ خود مردود ہے۔

اور منبر پر بیٹھ کر غیبت کرنا مردار خوری ہے، کسی کو وہابی کسی کو نجدی کہنا اور کنارہ کرنے والوں کو، کہتا ہے کہ فلاں شخص مسجد سے نکالا گیا، اور وہ شخص نہایت بد اور مفسد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ   یعنی جہنم ہے واسطے ہر عیب گو طعنہ کرنے والے کے۔

واعظ کا کام مسلمانوں کو محبت سے سمجھانا اور تعلیم کرنا ہے، نہ یہ کہ واہیات بکنا۔ اس کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین سے محض جاہل ہے، اسی واسطے اپنے ایمان جانے کا اس کو خیال نہیں، ایسے شخص سے مسلمانوں کو کنارہ کرنا لازم ہے کہ اس کی صحبت زہر قاتل ہے۔

اور کتاب تقویۃ الایمان، آیات اور احادیث سے مستند ہے، اس کی بے ادبی کرنا، آیات اور احادیث کی بے ادبی ہے، اور بے ادب آیات واحادیث کا ایمان سے بے نصیب ہے۔

خدا تعالیٰ اس کو اور تمام مسلمانوں کو راہ راست پر رکھے، آمین یارب العالمین! واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

خاکسار سید محمد عماد الدین قادری عفی عنہ

الجواب صحیح رشید احمد گنگوہی عفی عنہ   (مجموعہ کلاں ص ۱۸۳۔۱۸۵۔۱۸۶)

(۹۸۸) من سن سنۃ حسنۃ کا حکم خاص ہے، یا عام؟ سوال: من سن سنة حسنة فله مثل أجرها.(۱)

اس حدیث کا حکم عام ہے یا خاص؟ اگر عام ہے تو کون سی سنت ہے جو حضرت سے باقی رہی، کہ جس کے نکالنے

(۱) كنز العمال، الكتاب الخامس. الفصل. الترغيب الاحادي من الاكمال صفحه ۷۹۰/ج/۱۵ رقم الحديث ۴۳۱۲۶ (موسسة الرسالة، الطبعة الخامسة، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء) (نور)

کے واسطے یہ قاعدہ بیان فرمایا، اور اگر خاص ہے تو اس کا مخصوص لہ بتاؤ۔ اور جس صورت میں یہ حدیث مخصوص لہ ہے، تو پھر لفظ مَنْ کے کیا معنی (ہیں)۔

جواب: ہم پوچھتے ہیں کہ سنت حسنہ بمعنی عموم ہوگی، بایں معنی کہ جس کی اصل شریعت میں ثابت ہو، یا نہ ہو، یا خاص ہوگی بایں معنی، کہ اس کی اصل شریعت میں ثابت ہو، اول تو بدیہی البطلان ہے، وگرنہ تناقض لازم آئیگا، اس حدیث مذکور:

من أحدث فی أمرنا هذامالیس منه فهورد (۱)

اور حدیث: کل بدعة ضلالة (۲)

میں۔ کیونکہ معنی اول حدیث کے یہ ہیں، کہ جو پیدا کرے ہماری اس شریعت میں وہ شے، کہ نہیں ہے، اس سے، یعنی نہیں ہے اصل اس کی ثابت شریعت سے، پس وہ رد ہے۔

حدیث کے یہ معنی ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے اور معنی بدعت کے :مالم یکن اصل له قبل فی الشرع.

پس ان دونوں حدیثوں میں اس امر کے احداث پر، کہ جس کی اصل شرع شریف میں ثابت نہ ہو، برا فرمایا اور وعدہ فی النار کا کیا اور حدیث من سن سنة الخ علی تقدیر کون المعنی بالعموم اچھا فرمایا، اور مخترع کو وعدہ: فله مثل اجرها کا فرمایا: فلزم التناقض اور تقابل سنت حسنہ کا ساتھ سنت سیۂ کے صحیح نہ ہوگا۔ فظهر بطلانه وثبت الشق الثانی وهو کونه خاصاً.

پس معلوم ہوا کہ سنت حسنہ سے وہ سنت مراد ہے، کہ جس کی اصل شریعت سے ثابت ہو، پس اس صورت میں مصداق من سن سنة الخ مخترع اور مبتدع نہ ہوگا، بلکہ مزین اور رونق دہندہ اور مروج اور مظہر ہوگا، اور مخترع کی اصل شریعت میں نہ ہوگی۔ پھر اس سے دلیل پکڑنا اوپر جواز بدعت کے خلاف علم اور موافقت حماقت وجہالت ہے اور اس پر دلالت کر رہا ہے مورد نص۔ کیونکہ جس کی شان میں ورود نص ہذا کا ہے، وہ شخص نہ نکالنے والا اعطاء صدقہ کا تھا بلکہ اس وقت میں سب سے اول عامل اور مؤتمر بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اور اسی کے موافق تفسیر حدیث ہذا کی، صاحب مجمع نے کی ہے:

(۱) مشکوة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الاول. ص: ۸۹ رقم الحدیث: ۱۴۰، ت: رمضان بن احمدبن علی آل عوف. نیز . باب مذکور ص: ۲۷ [اصح المطابع دهلی: ۱۳۷۵ھ]

(۲) مشکوة بباب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی ص: ۳۰ اصح المطابع دهلی: ۱۳۷۵ھ نیز ص: ۹۰ رقم الحدیث: ۱۴۱، ت: رمضان بن احمد بن علی آل عوف [اصح المطابع ۱۳۷۵ھ]

حیث قال من سن سنة حسنة ای أتی بطریقة مرضیة یقتدی بها.(۱)

اور جو معنی کہ سائل نے سمجھے اگر وہ ہوتے تو یوں ہوتا: ای اخترع طریقة، رضیة یقتدی بها.

پس ظاہر ہوا کہ حدیث مذکور کے یہ معنی نہیں، کہ جو شخص نکالے اپنی طرف سے طریقہ نیک: فلہ مثل أجرها الخ چنانچہ سائل نے سمجھا اور یہ سمجھ کر تمسک باختراع بدعت کیا، بلکہ یہ معنی ہیں کہ تم میں سے جو شخص رواج دے، اور جاری کرے روشِ نیک: فلہ مثل اجرها الخ اب اس سے احتجاج حدوث بدعت نہیں ہوسکتا: کما لایخفی علی من له أدنی بصیرة فی العلوم.

الحاصل اگر سائل کو کتب حدیث و شروح حدیث و اصول حدیث و فقہ و کتب فقہ پر عبور ہوتا، تو ایسے مہمل سوال نہ کرتا۔

شعر: تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

ان سوالات سے علم و دقیقہ شناسی سائل واضح ہوگئی۔ جاننا چاہئے کہ بسبب اختصار کے ہر سوال کے جواب میں بہت ہی اختصار کیا گیا۔ اگر اور دلائل ہمارے اور جواب دلائل اپنے معلوم کرنا منظور ہو، تو تحریر قراطیس سے کیا ہوتا ہے، ایک بار تھوڑی دیر کو روبرو ہوجایئے، آئندہ اختیار ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حسنہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

(مجموعہ کلاں ص: ۹۰۔۹۱)

....

....

---

(۱) مجمع بحار الانوار۔ تحت مادۃ "سنن" ص: ۱۳۱ جلد سوم [دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد: ۱۹۷۱ء/ ۱۳۹۱ھ]

ضمیمہ دوم

باقیات فتاویٰ رشیدیہ

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے چند اور خودنوشت اور مطبوعہ نادر فتاویٰ

(۱) فتویٰ توریث سنی وشیعہ؟ (۲) بیع بالوفا کا ایک معاملہ؟

ہر دو بخط خاص حضرت مولانا قدس سرہ مع مہر

نیز چند فتاویٰ

مسئولہ، مولانا فتح الدین صاحب جالندھری

[شاگرد و خادم حضرت مولاناؒ]

[نور]

عرض مرتب: زیرِ نظر مجموعۂ فتاویٰ [باقیات فتاویٰ رشیدیہ] مرتب و مکمل ہو کر اشاعت وطباعت کے لئے تیار تھا کہ حضرت کا تشیع کے حوالہ سے ایک، بہت اہم فتویٰ، جو حضرت کے قلم سے ہمارے ذخیرہ میں موجود تھا، مگر اپنے موقع پر شامل ہونے سے رہ گیا تھا سامنے آ گیا، یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ یہ فتویٰ تقریباً ۱۳۰۰ھ میں کاندھلہ ہی کے ایک شخص نے، جو عالم بھی تھے، حضرت مولانا سے دریافت کیا تھا، یہ فتویٰ راقم سطور کو پاکستان کے پہلے سفر [۱۹۸۵ء میں] ٹنڈو واللہ یار، سندھ کی ایک مسجد میں، مغرب کی نماز کے بعد، ایک صاحب نے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے کاندھلہ کے رہنے والے تھے مگر میں ان سے واقف نہیں تھا، مع چند اور اہم دستاویزی تحریرات کے عنایت فرمایا تھا۔ اِس وقت بھی ان کا نام ذہن سے اتر رہا ہے، بہر حال ان کے دلی شکریہ کے ساتھ پیش ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء واحسن الیہ.

اسی مرحلہ پر جب یہ کام مکمل ہو چکا تھا، مکرمی مولوی شبیر احمد خانصاحب میواتی [لاہور، پاکستان] کی عنایت سے، مولانا محمد انوری جالندھری، لائل پوری کی کم یاب تالیف: ''مکتوبات بزرگاں'' کا فوٹو اسٹیٹ موصول ہوا، جس میں منجملہ مکتوبات کے حضرت مولانا گنگوہی کے پانچ فتوے بھی درج ہیں۔(۱) یہ تمام فتوے مولانا محمد انوری جالندھری کے والد مکرم مولانا فتح الدین صاحب جالندھری [وفات: ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء] کے سوالات کے جواب میں ہیں۔ مولانا فتح الدین صاحب حضرت مولانا گنگوہی کے شاگرد تھے، حضرت مولانا سے بیعت تھے اور لمبے عرصے تک، حضرت مولانا کے خادم بھی رہے۔ مولانا خلیل اللہ ربانی لدھیانوی نے اپنی تالیف: ''جند حریت'' میں لکھا ہے:

''مولوی فتح الدین، موضع اوگی ضلع جالندھر [مشرقی پنجاب] کے رئیس زمیندار اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے تربیت یافتہ اور معتمد خاص تھے''(۲)

ایک موقعہ پر ہے کہ: ''مولانا فتح الدین اگوی جالندھری [ف ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء] تلمیذ مولانا رشید احمد گنگوہی''(۳)

ایک جگہ اور تحریر ہے:

''مولانا فتح الدین نے ام المدارس کی طرز پر، ضلع جالندھر، فیصل آباد بھاول نگر اور سندھ کے بعض اضلاع میں چند مدارس قائم کئے تھے''(۴)

یہ تمام فتاویٰ یہاں شامل کئے جا رہے ہیں۔ آخر میں اس سلسلہ سوالات کا ایک ضروری خط یا اہم سوال از حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور اس کا جواب از حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی ملاحظہ ہو، اس خط اور جواب کو اس کی متعلقہ بحث مندرجہ میں شامل ہونا تھا مگر اصل موقع پر درج ہونے سے رہ گیا تھا، اس بحث کی تکمیل کے لئے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ (نور)

---

(۱) مکتوبات بزرگاں میں مولانا فتح الدین صاحب اور مولانا محمد انوری جالندھری لائل پوری کے نام، حضرت مولانا گنگوہی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالعلی میرٹھی [شاگرد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی] حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سید احمد فیض آبادی مہاجر مدنی، مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رائے پور گوجراں، مولانا محمد صالح [رائے پور گوجران] اور مولانا عبدالرحمن میاں، افریقہ، رحمہم اللہ کے خطوط شامل ہیں۔ یہ مجموعہ مکتوبات وفتاویٰ چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۶ء میں چھپا تھا، مقام طباعت اور ناشر و مطبع کا نام درج نہیں۔

(۲) جند حریت [تذکرہ علمائے خاندان لدھیانہ] ص: ۴۲ تالیف مولانا خلیل اللہ ربانی، [سلیم آباد، خیر پور، میرس سندھ، پاکستان۔ ۱۹۷۸ء]

(۳) ص: ۱۱۶

(۴) جند حریت ص: ....

(۹۸۹) کیا سنی شیعہ کے اور شیعہ سنی کے وارث ہوسکتے ہیں؟ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین: کہ زید مذہب اہل سنت والجماعت فوت ہوا، اور ایک بنت مذہب اہل سنت اور ایک عم عصبہ مذہب شیعہ وارث چھوڑی، تو صورت مذکورہ میں عم عصبہ وارث یا کل ترکہ بنت سنیہ کو پہنچے گا، غرض خلاصہ یہ ہے کہ اگر مورث اہل تسنن سے ہو اور وارث مذہب شیعہ یا اس کے بالعکس ہو، تو باہم وارث ہوں گے یا نہیں، اور کتاب شریفیہ شرح سراجیہ کی عبارت، سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت اور روافض اور خوارج اور معتزلہ باہم وارث ہوں گے:

"قال بخلاف اهل الاهواء فانهم معترفون بالانبياء والكتب، ويختلفون فی تأويل الكتاب والسنة، وذلک لايوجب اختلاف الملة(۱)

اور مولوی عبدالحئی صاحب اسی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

وتلويح الدفع انهم متفقون فی الاصول، كالتوحيد والاقرار بنبوة النبی صلی الله عليه وسلم، فمااختلفت لخلهم وان اختلفوا فی الفروع.(۲)

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ اہل سنت والجماعت اور شیعہ وغیرہ باہم [وار]ث ہوں گے، اور کتاب درمختار وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ، وارث نہ ہوں گے، کیونکہ سبّ شیخین کفر ہے اور جب [سبّ] شیخین کفر ہے، تو اہل سنت والجماعت اور شیعہ باہم [مختلف] ملت ہوگئے، اور جب ملت مختلف ہوئی تو باہم وارث بھی نہ ہوں گے، اسی واسطے عالمگیری میں ہے کہ اختلاف دین سے مراد اختلاف اسلام اور کفر کا ہے، تو جو مذہب مختار اور صحیح اور مفتی بہ درباب کفر یا عدم کفر روافض اور وارث اور عدم وارث ہونے کے ہو، مع روایات کتب فقہہ معتبرہ ارقام فرمائیں، تاکہ دارین میں اجر عظیم پاویں۔ فقط

(۹۹۰) بیع بالوفا کی ایک صورت؟ سوال دیگر: بیع بالوفا بدیں صورت کہ بائع کی طرف سے یہ اقرار ہو کہ، میں عرصہ دس سال تک نہ چھوڑوں گا اور بعد مرور دس سال کے، دس سال کے اندر مثلاً جب چاہوں گا، چھوڑ دوں گا۔ اگر نہ چھوڑوں تو اسی روپیہ میں بیع قطعی تصور کی جاوے، شرعاً درست ہے، یا نہیں، اور مشتری کو آمدنی اس کی حلال ہوگی۔ یا نہیں، اور اگر یہ اقرار نہ ہو بلکہ صرف یہ تحریر ہو کہ، عرصہ پندرہ یا بیس سال میں جب چاہوں گا، چھوڑا لوں، اگر نہ چھوڑاوں تو بیع قطعی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب: قدماء علماء نے بھی کفر شیعہ میں خلاف [اختلاف] کیا ہے، بعض اہل اہواء و افاسق لکھتے ہیں اور بعض کافر، اور متاخرین جوان کے اصول وقواعد سے واقف ہوئے، تو فتویٰ کفر کا دیتے ہیں۔ بظاہر قدماء کوان کے اصول پر واقفیت نہیں ہوئی، سو ہمارے ملک کے شیعہ حسب قواعد شریعہ کافر ہیں، باہم سنی شیعہ کے توارث نہ ہوگا، اور شریفی وغیرہ کتب میں جو

---

(۱) شریفیہ شرح سراجی۔ علامہ سید شریف جرجانی۔ ص:۱۵[مطبع مجتبائی دہلی:۱۳۲۸ھ]

(۲) حاشیہ سراجی علامہ حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی۔ ص:۱۹[مطبع یوسفی لکھنو:۱۳۲۶ھ]

توارث لکھا ہے، تو بسبب ناواقفیت اصول شیعہ کے لکھا ہے، حق یہ ہے کہ اس وقت اور اس ملک کے شیعہ کافر اور توارث منقطع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ب: یہ صورت بیع بالوفا محض رہن اور حرام اور سود خواری ہی کی وجہ سے حلال و درست نہیں، اس کے کرنے والے ربو خوار ہیں اور شرعاً کوئی بیع نہ صحیح نہ فاسد اس میں منعقد ہوئی ہے، بلکہ خالص رہن ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ مہر (بدست خاص، علیحدہ ورق)

سوالات از مولانا فتح الدین صاحب جالندھری

کیا فرماتے ہیں علماء حقانی اس مسئلہ میں: کہ ردمحتار، مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ شریف، نور الہدایہ میں ترجمہ اردو اور شرح وقایہ میں لکھا ہے، اگر عورت زکوۃ اپنے خاوند کو دے دیوے تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے، آیا یہ مسئلہ مفتی بہ ہے، یا نہیں؟

(۹۹۱) (۲) ایک شخص مرگیا، متوفی کے وارث ایک دختر دو بیٹے اور زوجہ ہے کہ اولاد ذکر ہی وارث ہوتی ہے، مؤنث کو کچھ دیتے ہی نہیں، اگر اولاد ذکر ایسی جائداد جو شرعی حیثیت سے تقسیم نہیں کی، بلکہ اپنی بہنوں کو محروم کر دیا۔ اگر یہ اولاد ذکر اپنی جائداد کو ہبہ یا رہن کریں، تو شرعاً کیا حکم ہے، صحیح ہے یا نہیں؟ اور مشتری عند اللہ ماخوذ ہوگا، یا نہیں۔

(۹۹۲) (۳) شرعاً اگر متوفی نے جائداد سے، بہن یا والدہ کو حصہ نہیں دیا تو اولاد متوفی کو لازم ہے کہ ان کو حصہ دے دے؟

(۹۹۳) (۴) مشاع کا ہبہ، جب کہ اپنے شریک کو کرے جائز ہے، یا نہیں؟

(۹۹۴) (۵) عورت اگر عورتوں کی جماعت کرا دے، تو جہری نماز میں خفیہ پڑھے یا بلند؟

(۹۹۵) (۶) اگر صرف دو عورتیں ہوں، تو دوسری عورت امام عورت کے محاذی کھڑی ہو، یا پیچھے؟

(۹۹۶) (۷) مسافر کو جب کہ رمضان المبارک میں وہ روزے رکھتا ہے، تراویح معاف ہے، یا ضرور پڑھے؟

(۹۹۷) (۸) بیع اُدھار ثمن کا وعدہ کرنا کہ فلاں روز دوں گا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب: سوال اول: اس میں احوط مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے۔ کہ خاوند کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔

(۲) اگر شئے مشترک کو فروخت کرے تو صرف اسی کا حصہ فروخت ہوگا، دوسرے شریکوں کا حصہ ان کی اجازت سے جائز ہوگا، اور مشتری کو بیگانی شئے کا خرید نادرست نہیں۔ اگر باقی شرکاء نے وقت بیع انکار کیا تھا، تو مشتری فسخ کر سکتا ہے۔

(۳) اس کی اولاد پر ضروری ہے کہ حصہ داروں کا حصہ الگ کر کے، مالکوں کو دے دیں، فقط!

(۴) ہبہ مشاع کا درست نہیں، اگر چہ شریک کو ہو لیکن شریک کے ہاتھ بیع کر کے ثمن ہبہ کر سکتا ہے۔

(۵-۶) عورتوں کی نماز مکروہ ہے، لیکن اگر (جماعت کر) لیں امام وسط میں کھڑا ہو اور جہریہ نمازوں میں جہر کرے۔ فقط!

(۷) مسافر کو تراویح و دیگر سنن نہ پڑھنے کی رخصت ہے۔ فقط

کتبہ رشید احمد عفی عنہ

۲۴/شعبان سن نامعلوم

(اس کے لئے عین الہدایہ مولانا امیر علیؒ کا دیکھنا چاہئے) **محمد عفا اللہ عنہ**

[مکتوبات بزرگاں، مرتبہ مولانا محمد انوری ص: ۳۰-۲۹ طبع اول، بلا سنہ]

مکتوبات بزرگاں میں اس فتوے کے تحت ۲۱ جون ۱۸۹۸ء تاریخ لکھی ہے جو صحیح نہیں، جنتری کی رو سے شعبان کی، ان سنین کے قریب میں بھی، جون سے مطابقت نہیں ہوتی، اس لئے سن نکال دیا ہے۔ [نور]

از بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند، کارڈ پہنچا حال معلوم ہوا، جواب مسئلہ یہ ہے کہ ایسا شخص، جس کے صفات آپ نے مسئلہ میں کہے ہیں، فاسق ہے، ایسے شخص کی تعظیم کرنا گناہ ہے، اور جو شخص ایسے شخص کی تعظیم کرے، وہ گنہگار ہے۔ فقط والسلام

۱۵/شوال ۱۳۱۷ھ

[مکتوبات بزرگاں ص: ۳۰]

....

الجواب: قربانی کا گوشت کافر کو دینا اور بھنگی اور چمار کو درست ہے، اور اس کا چمڑہ فروخت کر کے مسکین کو دینا واجب ہے، اور تیل چٹائی دینا اس کا مسجد میں درست نہیں اور روٹی کھلا دینا بھی درست نہیں، ہاں روٹی اگر بازار سے خرید کر روٹی کا مالک کر دیا، یہ درست ہے۔

یہ صورت جو سوال میں درج ہے، اس میں قربانی واجب نہیں، اگر چہار پائے حاجت سے زائد ہوں تو قربانی واجب ہوگی۔

ایسے مقام پر جمعہ ادا نہیں ہوتا، ظہر جماعت سے پڑھنا چاہئے، فقط والسلام

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۷/ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ [اپریل ۱۸۹۸ء]

[مکتوبات بزرگاں ص: ۳۱-۳۰]

....

الجواب: صحت نماز جمعہ کے لئے ملک تام یا وقف ہونا، مسجد کا شرط نہیں ہے۔ پس یہ مواضع اگر چہ ملک مسلمانان نہیں ہیں، تب بھی اگر وہ جگہ شہر ہو تو وہاں جمعہ درست ہے، اگر گاؤں ہو تو جمعہ درست نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شہر میں اگر

اذن عام نہ ہو اور کسی جگہ خاص میں جماعت ادا کی جائے، جہاں ہر ایک نہ جا سکتا ہو، تو نماز جمعہ درست نہیں۔ اگر شہر میں اذن عام ہو تو نماز جمعہ درست ہے۔ اگر چہ وہاں مسجد نہ ہو۔　فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب صحیح　الجواب صحیح　الجواب صحیح　الجواب صحیح

خلیل احمد عفی عنہ مدرس اول مظاہر علوم　عنایت الٰہی عفی عنہ مدرس دوئم　ثابت عفی عنہ مدرس سوئم　عبد الکریم عفی عنہ مدرس چہارم

الجواب صحیح

محمد اسلم عفی عنہ، مدرس پنجم　[مکتوبات بزرگاں ص:۳۱]

متعلق فتویٰ سابقہ بعد سلام مسنون! عرض یہ کہ شہر اور گاؤں کی تعریف، الگ الگ تحریر فرمائیں؟ والسلام

اضعف العباد فتح الدین

الجواب: شہر اور گاؤں عرفی امر میں، اہل عرف اس کو پہچانتے ہیں، گاؤں اور قصبہ کا فرق سب بستی والوں کو معلوم ہوتا ہے، اگر چہ وہ اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ ہمارے یہاں چار پانچ ہزار کی بستی، جس میں ڈاک خانہ، شفاخانہ، وغیرہ بھی ہوتا ہے، قصبہ و شہر کہلاتے ہیں۔

مگر یہ دونوں امر بھی مدار مصریت نہیں، محلّہ اور کوچہ اور بازار ہر طرح کے حوائج دستیاب ہونا، جیسے: ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہے، یہ علامت شہر ہیں، مگر ان پر مدار نہیں ہے، چونکہ وہ ایک امر عرفی ہے، اس لئے اس کی تعریف کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور کثرت سے تعریفات، اس کے کتب میں مذکور ہیں، کیوں کہ کسی نے کوئی علامت معرفت سمجھ کر بیان کی کسی نے کوئی۔　واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ　[مکتوبات بزرگاں ۳۲-۳۱]

الجواب: ضاد، دال، ظاء، یہ حروف جداگانہ ممتاز ہیں، ان کو ایک جاننا یا ایک طرح پڑھنا، باوجود قدرت کے درست نہیں ہے، اور جو شخص کہ اس کو ضاد کے اصلی مخرج سے ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، اگر بصورت دال پُر ادا کرے گا تو اس کی نماز ہو جاوے گی، کیونکہ دال پر کوئی مستقل حروف نہیں ہے۔ پس جو شخص کہ بصورت دال پُر ضاد ادا کرتا ہے، مگر وہ اصل مخرج سے بوجہ معذوری ادا نہیں کر سکتا، پس اس کی نماز ہو جائے گی، اور جو شخص جان بوجھ کر باوجود قدرت کے، ضاد کو دال محض یا ظا محض ادا کرے، نماز اس کی اکثروں کے نزدیک ہو جائے گی۔　فقط والسلام

بندہ رشید احمد عفی عنہ　[مکتوبات بزرگاں ۳۲-۳۱]

(۹۹۸) نوم اور نسیان دونوں باختیار بندہ نہیں پھر دونوں میں فرق کیوں؟

سوال: یہ جواب فہم میں نہیں آیا، کیونکہ اس جواب کی بنا اس فرق پر ہے کہ: ''نسیان باختیار العبد نہیں تو مانع قدرت ہے اور نوم باختیار العبد ہے کہ اپنے اختیار سے سویا اور قدرت کو ضائع کیا، تو مانع قدرت حکمی نہیں'' تامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوم و نسیان ہر دو اختیاری نہیں، بلکہ نوم عدم اختیاریہ میں نسیان سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص حزم کے ساتھ کسی امر کا تذکر رکھے تو ممکن ہے کہ نسیان طاری نہ ہو، بخلاف نوم کے کہ ستہ ضروریہ میں سے ہے، بسا اوقات تیقظ قدرت و امکان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اگرچہ صرف دواعی ہر دونوں کے اختیاری ہیں، لیکن ایسی حالت میں نوم کے دواعی بھی اختیاری ہونے سے نکل جاتے ہیں۔ اور حق جل وعلی شانہ نے، نوم کو بے اختیاری بمنزلہ موت ارشاد فرمایا ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (۱) اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر نائم کو، مثل ناسی کے قرار دیا: ''من نام عن صلوة او نسيها فليصليها اذا ذكرها'' صاحب ہدایہ نے بھی امام شافعی کی دلیل میں، نوم کا عذر نسیان سے زیادہ تسلیم کیا ہے: ''والعذر ابلغ للعدم القصد'' لیکن متنازعہ فیہ میں ابلغیت باعتبار شعور و عدم شعور کے ہوگی، غرض زوال قدرت میں نوم نسیان سے ابلغ معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہا بذل سعی، طلب ماء اور اصلية عدم الماء اور ظن عدم الحصول، تو بذل سعی اگر ناسی میں مفقود ہے، تو نائم میں بھی مفقود ہے، ترک سعی میں ہر دو مساوی، بلکہ بوجہ عدم شعور نائم کچھ زیادہ، اور اصلیت عدم الماء باعتبار مفازہ جو متعلق مسئلہ نائم کا ہے، پائی جاتی ہے اور اصلیت عدم الماء باعتبار حل مسئلہ جو متعلق مسئلہ ناسی ہے، فہم میں نہیں آتی۔

کیونکہ رحل فی الحقیقۃ مسافر کے واسطے معدن الماء ہے، تو اصل میں وجود ماء ہے نہ عدم ماء ناسی کے حق میں، پس ظن عدم الحصول اسی پر متفرع تھا، تو ناسی کے لئے ہر سہ امور مفقود اور نائم کے لئے اول مفقود اور ثانی و ثالث موجود ہے، تو اس اعتبار سے بھی عذر نائم فوق الناسی ہوا، اور بعد تسلیم فرق مذکور جبکہ حقیقت قدرت زائل ہو کر، بمنزلہ میت اور جماد کے ہو گیا، تو اس کو حکماً قادر کہنا ایک عجب بات ہے، مثلاً اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر معذور ہو جاوے یا کوئی شے کھا کر ایسا مریض ہو جاوے کہ استعمال پانی کا اسکو مضر ہونے لگے، اگرچہ اس حالت میں باختیار خود قدرت زائل کی ہے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص حکماً قادر ہے اور اس کا تیمّم منتقض ہو گیا، یا اس کو تیمّم جائز نہیں، تو ایسا ہی نوم، اگرچہ اس کا کسب باختیار ہوتا ہم جب کہ وہ حقیقۃً معذور ہو چکا تو اب اس کو قادر کہنا، گویا اجتماع متنافیین کا قائل ہونا ہے۔ اور بالاً الہداد محشی کے، ہر سہ جوابات کہ نوم کا عذر من العباد ہونا یا امر ظنی لایوقف علیہ ہونا، یا صورت نوم کا وقوع نادر ہونا، بخلاف نسیان کے خلاف ہدایہ کے ہیں اور دلی خلش کو رفع نہیں کرتے۔ بہر کیف فہم میں نہیں آیا کسی قدر واضح تر ارشاد ہو، کہ فہم نارسا کی رسائی ہو۔

(مکتوب حضرت مولانا خلیل احمد بنام حضرت مولانا گنگوہیؒ)

---

(۱) سورۂ زمر آیت: ۴۲۔ ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں [شیخ الہند]

جواب: اس نائم کے مسئلہ میں بندہ نے دعویٰ ترجیح اس روایت کا نہیں کیا تھا، مگر چونکہ آپ نے لکھا تھا کہ توجیہ علت انتقاض کرو کہ کس بناء پر ہدایہ نے لکھا ہے کہ تو بندہ نے اس کی توجیہ کی تھی، اور آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ قوت وضعف روایت سے بحث نہیں، مگر تم مدعی ہو کہ اس کے خلاف کے دلائل پیش کرنے لگے، سو درست ہے، جب یہ روایت ضعیف اور مقابلہ اس کے قوی تو یہ وجوہ قوت دوسری روایت کے ہوویں گے، گو ناتمام ہوں، کلام یہ تھی کہ نسیان میں بعض وجوہ سے قوت مفہوم ہوتی ہے، گو بنظر دقیق مساوات نوم ہو جیسا فتح وغیرہ لکھتے ہیں، تو غرض فرق ظاہری بیان کرنا تھا نہ نظر دقیق کی طرح، اس طرح کہ ناسی یقظان ہے اور مخاطب بطلب آب اس نے طلب میں جس قدر ہو سکا سعی کی، اور نسیان اس کا مرفوع الحکم ہوا۔

اور یہ خدشہ کہ اس کو طلب ماء میں ڈیرہ کا بھی دیکھنا واجب تھا، کہ وہاں پانی ہوتا ہے عادۃً لازماً تو اس نے کوتاہی فی الطلب کی، چاہیے کہ تیمم درست نہ ہو، اس کو دفع کیا تھا کہ اصل میں پانی کا عادۃً لازماً ہونا، حضر میں بلاد میں ہے، نہ صحراء و سفر میں، کہ وہاں اصل عدم ہے، اور یہ امر ظاہر ہے، انکار اس کا خواہ مخواہ کلام ہے، پس کوتاہی اس سے طلب میں نہیں ہوئی اور نائم اگرچہ مخاطب ہے مگر اس سے سعی نہیں ہوئی، کیونکہ وہ عاجز ہے سعی کی ضد میں مبتلا سو معذور نہ ہوا، اور نوم کو مثل اختیار کے کہا تھا نہ اختیاری، سو یہ فرق ہے۔ اور اس فرق کے آثار ایک فرع میں ظاہر بھی ہیں اگرچہ وہاں دوسری وجہ بھی ہو، کہ صوم میں نسیان سے کھانا ناقض صوم نہیں اور نوم میں کھانا مفسد ہے، سو یہ وجہ فرق کی تھی اگرچہ اس کو مقابل روایت والے رفع کر دیویں، تو بس آپ کو اس قدر ترجیح کاوکر کے دلیل فرق اٹھانے کی حاجت نہیں، گو آپ کے دلائل مساوات کے بھی ضعیف ہوں، نسیان کی نوم سے مساوات حدیث میں اور وجہ سے ہے کہ ہر دو مخاطب ہیں اور قوت ونسیان کی دلیل مذکور میں، بوجہ دیگر ہے علیٰ ہٰذا توفی روح نائم کی من امر اللہ تعالیٰ ہونا اور وجہ ہے کہ سب اشیاء باذن اللہ موجود ہوتی ہیں اور قوت عذر نسیان بایں وجہ کہ وہ سعی کر رہا ہے، جو اس کو حکم تھا اس کا استمرار کیا خلاف نائم کے کہ وہ عاطل ہے: ''والساکت لاینسب الیہ شیٔ'' علی ھذا ابلغیتہ عذر نائم ہے مگر پھر بھی یہ ہے کہ جب دوسری روایت قوی تسلیم کی گئی ان سب دلائل کو توڑ کر قوی روایت کے دلائل قوی کہے جائیں گے۔ بہرحال ترجیح ظاہری بیان کرنا تھا نہ حقیقی سو، آپ کی فہم میں کیوں نہ آیا اور کیوں اس کے رفع میں ہمت لگائی، فقط زیادہ بحث بے سود ہے، لہٰذا اسی قدر لکھ دیا ہے گو اس کی بھی حاجت نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[مندرجہ تذکرۃ الرشید۔ ص:۱۵۴-۱۵۳، جلد اول]

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا
محمد وآلہ وصحبہ واھل بیتہ واصحابہ اجمعین

جامع ومرتب باقیات فتاویٰ رشیدیہ

نورالحسن راشد کاندھلوی

کی چند تصانیف، ترجمے اور مرتبہ کتابیں

(۱) تذکرہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی، حضرت مولانا، برصغیر کے بہت سے بڑے عالم، علماء، اہل درس وافادہ اصحاب اور مصنفین واہل قلم کے استاد اور مربی تھے مگر اب تک حضرت مولانا کے مفصل احوال تو کہاں، مولانا پر کوئی چھوٹی کتاب بھی مرتب نہیں ہوئی تھی، یہ کتاب اس بڑی کمی کو پوری کرتی ہے۔ اس میں حضرت مولانا کے استادوں، تعلیم، ملازمت، دہلی کالج کی پچیس سال تعلیم وترقی کی روداد حضرت مولانا کے جلیل القدر شاگردوں، تصانیف اور دینی ملی واصلاحی خدمات کا مستند ومفصل تذکرہ ہے، جس کو بڑے بڑے اہل علم اور ارباب دانش نے اعلیٰ درجہ کی نہایت عمدہ تصنیف قرار دیا ہے۔

کتابت طباعت جلد نہایت عمدہ سواچھ سوصفحات۔ قیمت صرف: تین سو/300 روپے

(۲) تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، حضرت مولانا، حضرت شاہ محمد اسحاق کے اہم شاگرد، مدرسہ مظاہر علوم کے روح رواں، بڑی عالمانہ کتابوں احیاء علوم الدین امام غزالی، مجمع البحار علامہ محمد طاہر پٹنی وغیرہ کی مصحح اور حاشیہ نگار حضرت مولانا کی دینی علمی خدمات، اور تلامذہ کا جس میں حضرت مولانا محمد قاسم بھی شامل ہیں، مفصل احوال، لائق مطالعہ کتاب ہے۔

تقریباً دوسوصفحات کارڈ بورڈ کی جلد، اوسط کتابت وطباعت قیمت پچھتر /75 روپے

(۳) قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، احوال وآثار وباقیات ومتعلقات...... حضرت مولانا کے احوال وکمالات وخدمات پر ایسی معلومات کا مجموعہ اور گنجینہ جو کسی اور کتاب میں دستیاب نہیں۔ برصغیر کے ممتاز ترین اور اہل نظر نے اس کتاب کو اس موضوع کا نادر تحفہ قرار دیا ہے۔ عمدہ کتابت طباعت، جلد صفحات پونے آٹھ سو۔ قیمت: ساڑھے تین سو/350 روپے

(۴) تذکرہ خاتم مثنوی مولانا روم، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی حضرت مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز کے ممتاز بلکہ لائق فخر شاگرد، شاہ رفیع الدین کے ہم سبق اور بیسوں اکابرین علماء اور محدثین کے استاد ومربی، سو سے زائد کتابوں کے مصنف، حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ، بڑے مصلح، فقیہ، شاعر اور ہمہ جہت شخصیت اور کاندھلہ کے تمام علماء کے بزرگ اور منبع علوم وفنون تھے، حضرت مفتی صاحب کے احوال، وخدمات، تصانیف اور شاگردوں کا اجمالی تذکرہ۔

عمدہ کمپوزنگ عمدہ کاغذ اور طباعت، صفحات چھیاسی۔ قیمت: ساٹھ/60 روپے

(۵) تقویۃ الایمان اور شاہ محمد اسماعیل شہید کے خلاف برپا شورش، تاریخ وحقیقت کے آئینہ میں، تقویۃ الایمان اردو کی دینی پہلو سے سب سے زیادہ مفید، لائق اعتماد موثر اگر نہایت مظلوم کتاب ہے، اس پر دین وسنت کے دانا دشمنوں نے

طرح طرح کے شبہات واعتراضات کئے ہیں مگر واقعہ ہے کہ اس کا دامن ان الزامات سے بالکل صاف ہے۔اس موضوع پر پہلی مرتبہ تاریخ کی روشنی میں، ناقابل تردید چشم کشا حقائق یک جا کئے گئے ہیں، اور تاریخ کے حوالہ سے ایسی مستند گفتگو کی گئی ہے جو اب تک نہیں ہوئی تھی، سنت وبدعت، اہل حق اور اصحاب بدعت کے مسائل ...... سے واقفیت اور دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نہایت قابل قدر تحفہ اور ایک دستاویز ہے۔ عمدہ طباعت بڑا سائز دوسو سے زائد صفحات، قیمت صرف سو روپئے۔

ہماری چند اور مطبوعات

فضیلت قرآن ترجمہ اردو، فضل القرآن

تالیف: حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی اردو ترجمہ وحواشی: نورالحسن راشد کاندھلوی

صفحات اکسٹھ (۶۱) عمدہ کمپوزنگ وطباعت، خوش رنگ سرورق۔ قیمت صرف: چالیس/40روپئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق

تالیف: حضرت امام محمد غزالی اردو ترجمہ: مولانا مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی دیوبندی تخریج روایات: نورالحسن راشد کاندھلوی

چوالیس (۴۴) صفحات، خوبصورت سرورق، عمدہ کمپوزنگ اور طباعت، قیمت صرف: تیس/30روپئے

سیرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ اردو خلاصۃ السیر: علامہ محب الدین طبری ترجمہ: مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تکمیل ترجمہ: مولانا اظہار الحسن کاندھلوی

اسمائے بدریینؓ

تالیف: حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی تعلیق وحواشی: نورالحسن راشد کاندھلوی

چون (۵۴) صفحات عمدہ کتابت نفیس کاغذ، بہترین طباعت دلکش سرورق، قیمت صرف پینتالیس/45روپئے

رسائل اصول حدیث (عربی، فارسی)

تالیف: حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی تمہید اور ترجمہ: نورالحسن راشد کاندھلوی

العرف الوردی فی اخبار المهدی

تالیف: علامہ جلال الدین، محمد بن عبدالرحمٰن السیوطیؒ تمہید وتعارف: نورالحسن راشد کاندھلوی

بڑا سائز،۴۸/صفحات، عمدہ دورنگ کی طباعت، نفیس کاغذ دلکش ٹائٹل۔ قیمت صرف پچہتر روپئے /75

آٹھ دس کتابیں منتظر اشاعت اور متعدد زیر تکمیل ہیں۔

Mufti Ilahi bakhsh academe Kandhla

Distt. Muzaffar Nagar 247775 (U.P) India Mb:09358667219

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ

فان جهل الطيب فبالياء نحو متى والا فبالالف

كتبوا الذي بالياء لتعولهم لديك وكلا يكتب على الوجهين

وخصها كتبوا والمعروف فلم يكتب منها بالياء وغيرها

والى وعلى وحتى

ستى حتى

سعدی فلک بآئینه بر رخ چکند تا ذره زیر خاک نبیند رنجد چو الکند

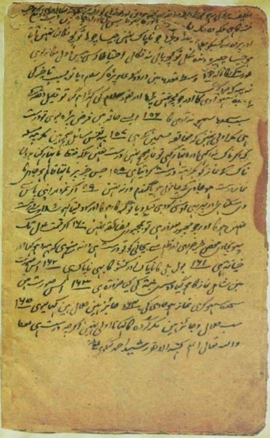
یا رب بکلها از تو ایمان مرو ... که این خط خام خواند و بر من دعا کند

تمت بالخیر نسخه شافیه کتبه العبد الحقیر رشید احمد گنگوهی

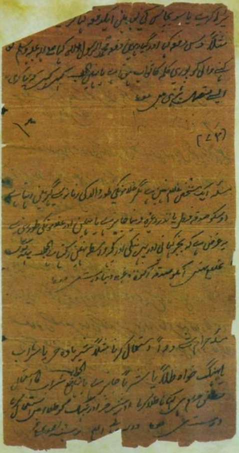
تاریخ سلخ شهر رمضان المبارک سنه ۱۲۵۷ هجری مرقوم شد

بحضور ...

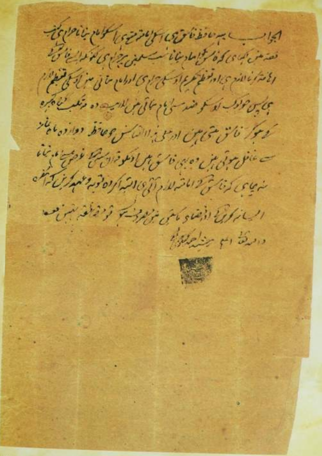
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی سب سے پہلی دستیاب یادگار تحریر، شافیہ ابن حاجب، در علم صرف، جس کو حضرت مولانا نے اپنے زمانہ طالب علمی میں، تیرہ سال کی عمر میں، رمضان المبارک ۱۲۵۷ھ (نومبر ۱۸۴۱ء) میں نقل کیا تھا۔



حضرت مولانا کے قلم سے لکھے ہوئے مجموعی فتاوی ذخیرہ آبجہ پہلی کاپی کا آخری ورق

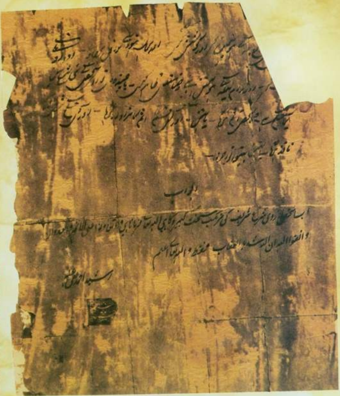


حضرت مولانا کے قلم سے لکھے ہوئے مجموعی فتاویٰ ذخیرۂ آبجہ، دوسری کاپی کا آخری ورق



الجواب: یہ حافظ فاسق ہے اسکی امامت مکروہ ہے اسکو امام بنانا حرام ہے کہ کتب
فقہ میں لکھا ہے کہ فاسق کو امام بنانا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] فاسق [illegible] جو حافظ دوازدہ ماہ نماز
سے غافل ہوتے ہیں وہ بھی فاسق ہیں [illegible]
نہ چاہیے کہ فاسق [illegible] اگر وہ توبہ [illegible]
[illegible]
واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی

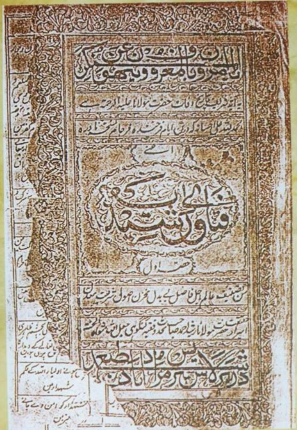
حضرت مولانا کا بدست خود لکھا ہوا ایک فتویٰ، جس پر حضرت مولانا کی مہر بھی ثبت ہے۔ (ذاتی نسخہ)



الجواب

حضرت مولانا کاایک فتویٰ، جوحضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔

اور اس پر حضرت مولانا گنگوہی مہر ثبت ہے۔



الذین یأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر

فتاویٰ رشیدیہ

حصہ اول

من تصنیف عالم اجل فاضل بے بدل مخزن اصول شریعت

ارشادات حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث و فقیہ گنگوہی

در برلاس پریس مراد آباد طبع شد

سرورق فتاویٰ رشیدیہ طبع اول، حصہ اول

برلاس پریس مراد آباد: ۱۳۲۳ھ

یأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر

یہ آیہ شریف تاریخ وفات حضرت مولانا علیہ الرحمہ ہے

الحمد للہ علی احسانہ کہ درین ایام فرخندہ فرجام نسخہ نادرہ

کتاب فتاوی رشیدیہ

حصہ اول

من تصنیف عالم اجل فاضل بے بدل ... حضرت

مولانا رشید احمد صاحب محدث و فقیہ گنگوہی جل اسمہ ...

بحکم جناب عبد الرحمن ... در مطبع شمس المطابع مرادآباد ...

سرورق فتاوی رشیدیہ (حصہ اول، طبع دوم) شمس المطابع، مراد آباد: ۱۳۲۳ھ

تاریخ طبع

از مورخ بے ہمتا مولوی سید ضیاء احمد صاحب ضیا مرادآبادی

رسالہ فتاوے رشیدیہ

جو ان نسخہ بے بدل طبع شد	ز رحمت بعید و برحمت قریب
پے تاریخ احسن بر آمد ندا	تک گفت زیبا عجب و غریب
	۱۳ ھ ۲۳

حق کاپی رائٹ کتاب ہذا بنام عزیز الدین وعلی نظر بذریعہ رجسٹری باضابطہ محفوظ ہے

رسالہ اتباع سنت

یہ رسالہ دعا برکت با شاہ فاتحہ مروجہ مولوی گل خان صاحب کابلی مدرس و مہتمم مدرسہ امدادیہ مرادآباد نے لکھا تھا یہ اوسکا جواب ہے۔ فاتحہ مروجہ کی تردید میں ایسا جامع دندان شکن یہ جواب واقع ہوا کہ جس روز سے یہ جواب کافی مولوی صاحب مذکور کو ملا ہے تالیفات ترویج بدعت کی بند کردی ہے۔ غالباً جواب ہذا کو تسلیم کرکے اپنے قدیمی خیال پر رجوع کرلیا ہے چنانچہ اس فتاوے رشیدیہ میں صفحہ ۴ پر مولوی صاحب کے قدیمی خیال ظاہر ہوتے ہیں ناظرین اوسکو ملاحظہ فرماویں۔ اور اس رسالہ کو خرید فرما کر لطف اتباع سنت اوٹھاویں

قیمت صرف ۲/ علاوہ محصول ڈاک مقرر ہے

اس رسالہ کے ملنے کا پتہ۔ مرادآباد محلہ ساہو۔ عزیز الدین وعلی نظر عفی عنہما۔

آخری صفحہ فتاوی رشیدیہ (حصہ اول، طبع اول) برلاس پریس، مراد آباد: ۱۳۲۳ھ

یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر

یہ آیہ شریف تاریخ وفات حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ہے

الحمد للہ علی احسانہ کہ درین ایام فرخندہ فرجام نسخہ نادرہ

فتاویٰ رشیدیہ

حصہ اول

من تصنیف عالم اجل فاضل بے بدل امام المحدثین [illegible] حضرت

مولانا رشید احمد صاحب محدث و فقیہ گنگوہی جعل اللہ مثواہ الجنۃ

بحکم جناب محمد عبد الحی ۱۳۲۳ھ [illegible] مطبع شمس المطابع مراداباد میں چھپا

سرورق فتاویٰ رشیدیہ (حصہ اول، طبع دوم) شمس المطابع، مراد آباد: ۱۳۲۳ھ

نوٹ صفحہ ۹ کی ابتداء سے چودھویں سطر کے لفظ مذہب حنفی تک عبارت کرر

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ درایں ایام فرخندہ فرجام نسخہ لوی

اعنی

فتاوی رشیدیہ

حصہ اوّل

من تصنیف عالم اجل فاضل بےبدل مخزن اصول شریعت معدن اسرار حقیقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث وفقیہ گنگوہی جعل اللہ مثواہ الجنۃ۔

ہندوستان پرنٹنگ ورکس دھلی

فتاوی رشیدیہ (مطبوعہ دہلی۔ باہتمام مؤلف) (بلا سنہ طباعت)

يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر

الحمد لله تعالى احسانه

کہ

فتاویٰ رشیدیہ

حصہ دوم

یعنی حضرت ہادی شریعت و طریقت معدن اسرار حقیقت و معرفت

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کے فتاوی کا مجموعہ

باہتمام جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دامت فیوضہم

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں طبع ہوا

حق طبع محفوظ

فتاوی رشیدیہ (مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند) باہتمام مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند: ۱۳۲۳ھ)

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

الحمد للہ والمنۃ کہ ذخیرہ حسنات و مجموعہ برکات یعنی گنجینہ

فتاوی رشیدیہ مبوب

حصہ اول

من افادات طیبات عالم اجل فاضل اکمل مخزن اسرار شریعت
معدن انوار طریقت، حضرت مولانا المولوی الحافظ الحاج
رشید احمد گنگوہی

سنہ ۱۳۴۸ھ

حسب فرمائش

مالکان کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دہلی

جید برقی پریس بازار بلیماران دہلی میں با اہتمام محمد عزیز کے چھپا

فتاوی رشیدیہ

(مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی: ۱۳۴۸ھ)